نئی اشاعت
اشاریہ اور فہرست مراجع
کے اضافہ کے ساتھ

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

احوال و آثار و باقیات و متعلقات

جلد اوّل

تالیف

نور الحسن راشد کاندھلوی

ناشر
حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی
کاندھلہ ضلع شاملی (مظفر نگر) یوپی، انڈیا

قاسم العلوم

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

احوال و آثار و باقیات و متعلقات

جلد اول

جس میں
احوال و کمالات کے نادر گوشے
مکتوبات کے نامعلوم مجموعے
اور
چند علوم و افادات نیز باقیات و متعلقات
کی نشاندہی اور وضاحت کی گئی ہے۔

نئی اشاعت اشاریہ اور فہرست مراجع کے اضافہ کے ساتھ

تالیف

نور الحسن راشد کاندھلوی

ناشر
مفتی الٰہی بخش اکیڈمی
مولویان، کاندھلہ، ضلع شاملی، (مظفر نگر) یو پی۔ انڈیا
پن کوڈ: ۲۴۷۷۷۵

QASIMUL ULOOM

Compiled by,Footnotes & Preface :
Noorul Hasan Rashid Kandhlavi

[سلسلۂ مطبوعات حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ]

تالیف	:	نورالحسن راشد کاندھلوی
تیسرا ایڈیشن	:	محرم الحرام ۱۴۳۶ھ۔ نومبر ۲۰۱۴ء
کل صفحات	:	آٹھ سو نو (۸۰۹)
مطبع	:	ایچ. ایس. آفسیٹ، پرنٹرس، نئی دہلی۔2 9811122549
قیمت	:	Rs [illegible]

پاکستان میں کتاب کے نسخوں اور طباعت کے خواہشمند اصحاب

جناب سجاد الٰہی صاحب
27/A لوہا بازار، مال گودام روڈ،
لاہور: ۵۳۹۲۷
Ph: 3004682752

سے رجوع فرمائیں۔

ناشر

حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی

کاندھلہ، ضلع شاملی (مظفرنگر) یوپی، انڈیا

Mufti Elahi Bakhsh Academy

MAULVIYAN-KANDHLAD Distt. Shamli(Muzaffar Nagar)247775 (U.P) India
Mb.09358667219

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تیسری طباعت کے موقع پر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد! راقم سطور کی تالیف:

"قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ احوال و آثار و باقیات و متعلقات"

کا ہندوستان میں دوسرا اور مجموعی طور پر، تیسرا ایڈیشن طباعت کے لئے جارہا ہے، اس کتاب کا ایک ایڈیشن جو لاہور پاکستان سے چھپا تھا، ہندوستانی طباعت کی طرح، کئی سال پہلے ختم ہو چکا ہے، کتاب کی طلب اور فرمائشیں بدستور جاری تھیں مگر اس کے نسخوں کی کم یابی اور طلب کے باوجود، اس کو جلد شائع کرنے کا ارادہ نہیں تھا، خیال یہ تھا کہ، نئی ترتیب اور کچھ تبدیلیوں اور اغلاط کی تصحیح کے بعد، اس کا نیا ایڈیشن مزید اہتمام کے ساتھ شائع کیا جائے گا، لیکن تقاضے بڑھتے گئے، ان تقاضوں کی وجہ سے، پہلی طباعت کا عکس، تقریباً جوں کا توں شائع کیا جارہا ہے، اس اشاعت میں اشاریہ کا اضافہ کیا گیا ہے، جو پہلی دونوں طباعتوں میں شامل نہیں تھا، امید ہے کہ اس سے کتاب سے استفادہ کرنے والوں کو خاصی مدد ملے گی ——— آئندہ کسی وقت زیر نظر کتاب:

"قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ احوال و آثار و باقیات و متعلقات"

کی ایک جلد اور شائع ہوگی، تفصیل آخری صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔ اسی وجہ سے موجودہ اشاعت کو، جلد اول قرار دیا ہے۔ دوسری جلد کا انتظار فرمائیں۔

نور الحسن راشد کاندھلوی

۲۰؍ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

عالم جلیل، فقیہ کبیر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دام ظلہم

سابق سینئر جج شریعت اپیل بینچ، سپریم کورٹ، پاکستان

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

کاندھلہ ضلع مظفرنگر، یوپی کے ان قصبات میں سے ایک ہے، جنہوں نے پچھلی دو صدیوں میں علم وفضل اور ورع وتقویٰ کے آفتاب وماہتاب پیدا کئے۔ خاتم مثنوی حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی قدس سرہ کے نام پر، یہاں ''حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی'' کے نام سے جو علمی ادارہ قائم ہے، وہ اس لحاظ سے برصغیر پاک وہند کے علمی وتحقیقی اداروں میں ایک منفرد امتیاز کا حامل ہے، کہ اس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ کے، سلسلے کے جبال علم وعمل کے آثار اور ان کے بارے میں معلومات کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہے، کہ شاید پورے برصغیر (بلکہ شاید پوری دنیا) میں اس کی کوئی نظیر نہ ہو۔

اس ذخیرے میں خاندان ولی اللّٰہی، اکابر دیوبند وسہارنپور، حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ اور ان کے معاصرین وخلفاء کی کتابوں کے، قلمی اور نادر ونایاب نسخے، ان حضرات کے مکاتیب اور دوسری مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریریں، اس اہتمام کے ساتھ جمع کی گئی ہیں، کہ دوسری جگہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

مجھے، دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے موقع پر، اس گراں قدر ذخیرے کی ایک جھلک دیکھنے کا اتفاق ہوا، اور اگر گوناگوں ذمہ داریوں اور مصروفیات کا بوجھ سر پر نہ ہوتا، تو دل یہ چاہتا تھا ان گلہائے رنگ رنگ کی سیر میں، مہینے گزار دیئے جائیں۔

یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہے، کہ علم وفضل کا یہ گراں قدر ذخیرہ، ان نااہل یا ناقدر شناس وارثوں کے ہاتھ نہیں لگا، جنہوں نے برصغیر کے نہ جانے، کتنے انمول خزانے اپنی ناقدری کے بھینٹ چڑھا دیئے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس وقت بھی اطمینان ہوا تھا اور بعد میں اس اطمینان کو مزید تقویت حاصل ہوتی رہی، کہ بفضلہٖ تعالیٰ علمی، دینی، تاریخی، روحانی اور ادبی معلومات کا یہ گراں قدر خزانہ، برادر مکرم جناب مولانا نور الحسن راشد صاحب کے محفوظ اور باذوق ہاتھوں میں ہے۔ وہ بذات خود جید عالم، صحیح الفکر محقق اور علمی ذخائر کے جوہر شناس ہیں، اس لئے یہ امید اسی وقت سے تھی، کہ ان کی خوش مذاق طباعی، امت کے لئے اس ذخیرے کو، زیادہ سے زیادہ قابل استفادہ بنانے میں، کوئی کسر نہیں چھوڑے گی۔

الحمد للہ، یہ امید بر آئی اور انہوں نے اس ذخیرے کو محفوظ اور شائع کرنے کے لئے، اک سہ ماہی مجلہ "احوال وآثار" کے نام سے جاری فرمایا، اور ساتھ ہی یہ طے کیا کہ ہر سال ایک اور ضخیم مجلہ "صحیفۂ نور" کے نام سے، خاص کسی ایک موضوع پر مرتب کر کے شائع کیا جائے۔ چنانچہ زیر نظر کتاب، جو تقریباً پونے آٹھ سو صفحے پر مشتمل ہے، اسی "صحیفۂ نور" کی پہلی نمود ہے، اور یہ تمام تر قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے احوال و مآثر پر مشتمل ہے۔

میں کچھ عرصہ سے، کتابوں پر تقریظ، پیش لفظ یا تبصرہ لکھنا تقریباً ترک کر چکا

ہوں، کیونکہ اس کے لئے دیانۃً ضروری ہے، کہ تبصرہ کتاب کا پورا مطالعہ کر کے کچھ لکھا جائے، اور میں اپنی مصروفیات اور متواتر اسفار کی وجہ سے اس کا متحمل نہیں۔ لیکن جب یہ کتاب سامنے آئی اور برادر مولانا نورالحسن راشد صاحب نے، اس پر کچھ لکھنے کی بذریعہ خط و ٹیلی فون فرمائش کی، تو اپنے شدید اشتیاق کے باوجود، میں یہ باور کرنے سے قاصر تھا، کہ میں اس ضخیم کتاب کے مطالعہ کے لئے کافی وقت نکال سکوں گا۔ لیکن جب میں نے ورق گردانی کے لئے کتاب اٹھائی، تو اس نے اپنی طرف اس شدت کے ساتھ کھینچ لیا، کہ میں دوسرے کام مؤخر کرنے پر مجبور ہو گیا اور اس ضخیم جلد کے بیشتر حصے کا مطالعہ، صرف دو نشستوں میں مکمل ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ مطالعہ کے دوران قدم قدم پر، فاضل مرتب کے لئے، دل سے دعائیں نکلیں۔ حضرت نانوتوی قدس سرہ کی حیات طیبہ اور ان کے علمی و عملی کارناموں کے بہت سے گوشے، جو ابھی تک مخفی تھے، اس کتاب میں مولانا نورالحسن راشد صاحب نے انہیں اتنی محنت، عرق ریزی اور تحقیق کے ساتھ نمایاں فرمایا ہے کہ، بے ساختہ یہ مصرعہ زبان پر آتا ہے کہ:

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اس کتاب میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کی لکھی ہوئی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کی سوانح عمری، اپنی ابتدائی اصلی شکل میں بھی موجود ہے، جس پر مولانا نورالحسن راشد صاحب نے، بڑے معلومات آفریں حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت نانوتوی قدس سرہ کی غیر مطبوعہ تحریریں، نایاب مضامین اور مکتوبات نہ صرف اپنی صحیح صورت میں پیش کئے گئے

ہیں، بلکہ ان تمام تحریروں کا علمی، سیاسی اور تاریخی پس منظر مولانا نورالحسن راشد صاحب نے، شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اور چھوٹی چھوٹی جزئیات کی بھی، بڑی باریک بینی سے تحقیق کی ہے۔اس طرح یہ کتاب حضرت نانوتوی قدس سرہ کے بارے میں، مستند معلومات کا تو بہترین ذخیرہ ہے ہی، اس دور کے سیاسی دینی اور معاشرتی حالات اوراس زمانے کی شخصیتوں کے تعارف کا بھی، بیش بہا گنجینہ ہے اورامید ہے کہ انشاءاللہ یہ مستقبل کے مؤرخین اور محققین کی، عرصہ تک رہنمائی کرے گی۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو، اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور فاضل مرتب کو، اس جیسے مزید گلدستے اسی تحقیق واسلوب کے ساتھ منظر عام پر لانے کی توفیق بخشیں، اوراس کام کے لئے انہیں عافیت کے ساتھ، عمردارز عطا فرمائیں، آمین ثم آمین

احقر محمد تقی عثمانی

کراچی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدا

أغرّ علیہ للنبوۃ خاتم ... من اللہ مشہود یلوح ویشہد

وضمّ الإلٰہ اسم النبی إلی اسمہ ... إذا قال فی الخمس المؤذن أشہد

وشقّ لہ من اسمہ لیجلّہ ... فذو العرش محمود وھذا محمّد

نبیّ أتانا بعد یأس وفترۃ ... من الرسل والأوثان فی الأرض تعبد

فأمسی سراجا مستنیرا وھادیا ... یلوح کما لاح الصقیل المہنّد

وأنذرنا نارا وبشّر جنّۃ ... وعلّمنا الإسلام فاللہ نحمد

وأنت إلٰہ الخلق ربّی وخالقی ... بذلک ما عمّرت فی الناس أشہد

تعالیت ربّ الناس عن قول من دعا ... سواک إلٰہا أنت أعلی وأمجد

لک الخلق والنعماء والأمر کلّہ ... فإیاک نستہدی وإیاک نعبد

سیدنا حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ

(دیوان سیدنا حسان بن ثابت، تحقیق وحواشی وشرح عبدالرحمن البرقوقی ص۸۵، ص۹۷ مطبع رحمانیہ مصر ۱۳۴۷ھ)

فہرست مضامین

(۴)

متاعِ دل فروز

(۶)

مآثر قاسمی

اداریہ

سخنِ مدیر

نور الحسن راشد کاندھلوی

زیر نظر مجلہ یا تالیف مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ کے سلسلۂ اشاعت وتحریر کا ایک حصہ ہے لیکن اس مجلہ کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے چند اور معروضات مناسب معلوم ہوتی ہیں۔

یہ حقیقت کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ عہد مغلیہ کے بعد برصغیر ہند وپاکستان میں جو خونی انقلابات آئے انہوں نے ہماری دینی اصلاحی تصنیفی جدو جہد اور علمی کارواں کو سخت نقصان پہنچایا۔ اگر ۱۸۵۷ء کی تحریک نے علم وعمل کی اس داستان کا گویا خاتمہ کر دیا تھا جو صدیوں سے چلی آرہی تھی تو ۱۹۴۷ء کے حوادث نے ان بچے کھچے آثار اور علمی نشانات کو بھی (بڑی حد تک) مٹا دیا جن پر ہندی ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کی عمارت تعمیر ہو سکتی تھی اور اس موقع پر جاننے والے یہ کہنے پر مجبور ہوئے تھے کہ:

یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک
صبح تک وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا

اگرچہ ۱۸۵۷ء میں شمالی ہندوستان کا ایک بڑا خطہ تباہی وبربادی کے طوفان سے گذرا تھا اور اس نے قدم قدم پر آفتوں، مصیبتوں، صلیبوں اور لاشوں کا سامنا کیا تھا، مگر یہ سب مصائب اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ لا سکے تھے۔ اگرچہ زخم بہت کاری تھا مگر ہمارے بزرگوں نے زار ونزار جسم اور تیروں نشتروں کے بے شمار نشانات کے باوجود میدان عمل میں ہمت واستقلال سے جم کر اور کھڑے رہ کر اپنا وجود اس قوت سے تسلیم کرایا تھا کہ آج تک ان کے نقوش قدم سرمۂ چشم اور خضر راہ بنے ہوئے ہیں۔

۱۸۵۷ء کے حالات میں اگرچہ نشیمن اجڑ چکا تھا، مگر حوصلہ مند طائران قدس نے تنکا تنکا جمع کر کے نئے آشیاں تعمیر کئے، نئی منزلوں کی جستجو کی، بلند نگہی اور عالی ہمتوں کے ساتھ نئی سمتوں میں سرگرم سفر ہوئے۔ ۱۹۴۷ء کے حالات اگرچہ سنگینی میں ۱۸۵۷ء کے حوادث سے کم تھے مگر دینی علمی زندگی کے لئے

۱۸۵۷ء کے واقعات سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوئے۔ مغلوں کے زوال اور انگریزوں کی حکمرانی نے علمی حوصلوں کو پست، دینی جذبوں کو افسردہ اور فکر وخیال کو اس طرح معطل اور بے حس نہیں کیا تھا کہ ملت کا خاصا بڑا اپنے مستقبل کی جستجو سے غافل، ماضی سے ناآشنا، اور حال سے بے خبر ہو جاتا۔ بزرگوں نے ۱۸۵۷ء کے سخت حالات میں بھی زندگی کا سفر جاری رکھا تھا علم وعمل کی راہوں میں نئے نئے سنگ میل نصب کئے تھے اور تعلیم وتربیت کی وادیوں میں ایسے ایسے شجر سایہ دار لگائے تھے کہ جن کا سایہ اور خوشبو ملکوں ملکوں پہنچا اور ہزاروں انسانوں نے ان کے تلے بسیرا کیا۔

۱۸۵۷ء میں اگرچہ تمام پرانے علمی ادارے، کتب خانے، مدرسے اور خانقاہیں برباد اور بے نام ونشان ہوگئی تھیں مگر ۱۸۵۷ء کے بعد جن حضرات نے زمام کار سنبھالی وہ علم وعمل کے پہاڑ اور فکر وبصیرت کے مینار تھے، انہوں نے اپنے علم ومطالعہ اور فکر وتدبیر سے وہ گل افشانیاں فرمائیں ایسی ایسی کتابیں لکھیں اور دینی علمی مباحث کو یوں تازہ اور باغ وبہار فرمایا اور اس میں اس درجہ اضافے کئے اور نئے نئے گل بوٹے کھلائے کہ پچھلے ذخیروں کی خاصی حد تک تلافی ہوگئی۔ یہ شخصیات بجائے خود اک علمی آبشار، اک مرکز رشد وہدایت تھیں، ان کی ذات سے بصیرت ومعرفت کے وہ چشمے پھوٹے کہ عالم کا عالم ان سے سیراب ہوگیا اور ۱۸۵۷ء کے دینی علمی کتابی نقصانات کی خاصی حدتک تلافی ہوگئی۔ پھر ان کے دسترخوان علم سے نعمت علمی کے جو قدردان سیراب ہوئے انہوں نے بھی نئے نئے چمن اور نئے نئے گلستاں آباد کئے، نئے مرغ زاروں میں اپنا نشیمن بنایا اور نئی بلندیوں میں پرواز کی۔ ان کے علم کی رعنائی، ان کی فکر کی تازگی، ان کی نظر کی گہرائی اور ان کے خیال کی وسعت وبلندی دور سے بتادیتی تھی کہ انہوں نے دین وشریعت کے کیسے کیسے پاسبانوں سے دامنِ مراد پُر کیا ہے اور کیسے کیسے بلند لوگوں سے اپنی قندیل علم کو روشن کیا ہے، جس کی برکت سے ان کی اپنی ذات بھی بہتے ہوئے دریاؤں اور جوئے رواں کی شکل اختیار کرگئی تھی، جس کے کناروں پر یہاں سے وہاں تک علم کے، دین کے، معرفت وصلاح کے اور بصیرت وفکر کے، حریت وشجاعت کے اور ہر علم وفن کے دیدہ ور بستیاں بسائے اور منزلیں جمائے بیٹھے تھے اور یہ سلسلہ ۱۹۴۷ء تک یوں ہی چلتا رہا۔ ۴۷ء کے حالات نے (جو بہ ظاہر ہمارے اپنے ہی پیدا کردہ تھے) وہ بساط ہی الٹ دی جس کے تخت پر شہہ گل کا تجمل ہوتا تھا اور وہ تختۂ چمن جو دامان باغباں اور کف گل

فروش بنے ہوئے تھے جب ان پر خزاں چھائی تو حسرت کا کیا عالم تھا اور کس طرح:

یہ کہتا باغباں رو رو، یہاں غنچہ یہاں گل تھا

۱۹۴۷ء کے بعد بہت سے سوختہ سامان تو اپنے دلوں پر زخم اور بربادیوں کی داستاں لئے اک نئی مملکت کو رخصت ہو گئے تھے، وہاں جا کر انہوں نے اپنی حکومت کو سدھارا سنوارا یا جو کچھ بھی کیا، لیکن یہاں خصوصاً شمالی ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کو جو چرکہ لگا تھا اور زخم پہنچا تھا ان کو اس کا مرہم نصیب نہ ہوا، اور وہ یہ دہرانے پر مجبور ہیں:

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں

ان نقصانات میں سب سے بڑا نقصان اور المیہ یہ تھا کہ دلی، مغربی یوپی، مشرقی پنجاب او بہار کے بہت سے حصوں میں گھر گھر جو کتب خانے، دینی علمی ادبی تاریخی ذخیرے اور کتابوں کا اندوختہ، اور تہذیب و روایت کا سرمایہ تھا، وہ اس طرح غارت و برباد ہوا کہ گویا بے نام و نشان ہو گیا، نہ وہ ذخیرے رہے نہ ان کے جاننے سمجھنے والے، نہ ان کا نشان و پتہ بتانے والے، جس کی وجہ سے یہاں کے علمی قافلے بھی سست قدم ہو گئے، نہ انکی ہمتوں میں بلندی رہی، نہ حوصلوں میں قوت، نہ ارادوں میں پختگی۔ کام اب بھی جاری تھے، لکھنا پڑھنا اب بھی ہو رہا تھا، لیکن صاف محسوس ہوتا تھا کہ یہ اس حرماں نصیب مسافر کا سفر ہے جو آخر شب اپنے مال و متاع سے محروم ہو گیا ہو کہ نہ اسکے پاس زادِ راہ ہے نہ منزل تک پہنچنے کی سبیل! کہ:

کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا ہوتا ہے انساں سے

اس صورت حال نے ہندوستان کی علمی تصنیفی و ترقی اور تحقیق و جستجو کے ذوق کو خاص طور سے پامال کیا کہ اب ان کے پاس اپنے قدیم علمی ذخیرے تھے، نہ گھر گھر میں موجود کتابیں، نہ وہ بزرگ اور عمر رسیدہ افراد کہ جن کو اپنا خاندان، اپنی بستیوں و علاقوں کی ایک ایک چیز سے محبت ہوتی تھی، اس کے ہر اچھے بُرے کی خبر رکھتے تھے اور اس کے علمی تمام تاریخی پہلوؤں پر تفصیلی یا اجمالی روشنی ڈال سکتے تھے۔ نہ وہ باذوق افراد رہے کہ جنہیں کرم کتابی کہا جاتا تھا کہ جن کو اپنے اسلاف کے علمی ورثے اور ان کے تحریری تصنیفی آثار سے تعلق ہی نہیں بلکہ عشق تھا، وہ علماء اور بزرگوں اور مشائخ اور اپنے اسلاف اہل خاندان کی

ایک اک چیز کو اٹھا کر رکھتے، اس کی گم شدہ کڑیوں کو ڈھونڈتے، نامعلوم حصوں کی جستجو کرتے اور ایک ایک دستاویز ایک ایک تحریر اور ایک ایک کتاب بلکہ ورق کو سینہ سے لگا کر اور حرز جاں بنا کر رکھتے تھے۔ ان کی آمدنی کا ایک حصہ ان کتابوں اور کاغذات کے لئے مختص ہوتا اور زندگی کے شب و روز میں سے کچھ اوقات ان کے مطالعہ اور نگہداشت کے لئے وقف رہتے تھے، وہ اپنے بچوں اور اخلاف کو ان کے متعلق یوں بتاتے اور سمجھاتے تھے جیسے کسی خزانے کا نقشہ اور دولت کی کلید ان کو دے رہے ہوں۔

مگر جب حوادث روزگار نے اس عہد کی بساط الٹی تو دیکھنے والوں نے دیکھا اور رونے والے اس پر روئے کہ وہ گھرانے اور خاندان جن کا ایک ایک فرد دین کا چراغ، ملت کا رہبر اور امت کا قائد تھا، ان گھرانوں کے بچے اور ان گھرانوں کے رہنے والے علم سے بے بہرہ، اصلاح و تربیت سے نہ آشنا اور ہائے افسوس کہ دین سے بھی بے خبر ہو گئے، اور جب انہیں اپنے بزرگوں کے فکر و مزاج اور ان کی روایتوں و تاریخ کا احساس و خیال بلکہ ان کی کسی بھی طرح کی قدر و منزلت دل میں نہیں رہی تو خود ان گھرانوں کے بچوں نے جن کے بڑوں نے علم و دین کی راہ میں چراغاں کیا تھا اور اپنے اپنے خطوں بلکہ ملکوں و قوموں کو سنت و شریعت کی راہ دکھائی تھی اور اصلاح معرفت کے نور سے مالا مال و سرفراز کیا تھا، ان کی اولادیں سر سے پیر تک مغربی یا ہندو تہذیب میں رنگی ہوتی، بلکہ (اللہ تعالیٰ ہمیں سب کو اور پوری امت کو اس سے محفوظ رکھے) مورتیوں کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوئی نظر آئیں۔ تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو!

ہے خون جگر جوش میں دل کھول کے روتا
ہوتے جو کئی دیدۂ خونا بہ فشاں اور

اور ان کے بزرگوں کا ورثہ وہ علم کے موتی کتابیں ان کے آباء کی، جو مدتوں بلکہ صدیوں اس امت کی رہنمائی کرتیں اور ہزاروں لاکھوں افراد ان کی برکت سے علم و دین کا سبق سیکھتے اور تاریخ و تدبیر کی گذرگاہوں میں روشنی فرماتے اور یقیناً ان میں سے کچھ کتابیں اور آثار ایسے بھی تھے جو ایک خاندان ایک بستی یا علاقے کے نہیں بلکہ عالم اسلام کی ضرورت اور متاع گمشدہ تھے، ان کو نالائق اخلاف نے اس طرح برباد کیا ہے کہ ان کا ایک ورق اور نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔

ہزاروں کتابیں جاہل وارثوں کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اتریں، بے شمار جلائی پھونکی گئیں، ہزاروں

ردیوں میں اور پنواڑیوں کی دکانوں پر بکیں اور بے شمار غفلت اور نالائقی کے ہاتھوں کیڑوں اور چوہوں کی خوراک بنتے بنتے خاک ہوگئیں۔ بہر حال ایک طویل داستان ہے جس کا حرف حرف حسرت وافسوس کا مرقع اور رنج والم کی کہانی سناتا ہے، یہاں دہرانے کی گنجائش نہیں۔

مگر افسوس بر افسوس یہ ہے کہ یہ ہمارے بزرگوں کا ورثہ وہ علم کی دولت وہ کتابوں کے ذخیرے اور وہ نوادرات کے پشتارے یوں لٹتے برباد ہوتے رہے، جلائے گئے، بیچے گئے، پھاڑے گئے، غرض ہر طرح سے تباہ وبرباد کئے گئے مگر گستاخی معاف! ہمارے بڑے بڑے ذمہ دار اور اصحاب علم ووسائل افراد آنکھیں موندے بیٹھے رہے، نہ ان کے احساس میں جنبش ہوئی، نہ ان کے دل میں کوئی کانٹا چبھا، نہ ان کے ہاتھوں اور قلم میں حرکت آئی، نہ ان کے قدموں نے سفر کیا بلکہ خود ان کے اپنے گھروں محلوں میں (بلکہ اداروں میں) علم کے شاہکار، دین وشریعت کی اہم کتابیں اور تاریخ وادب کے شہ پارے ضائع ہوتے رہے مگر وہ اس سے انجان بنے رہے، انہوں نے ضائع ہونے والے سرمایہ پر توجہ کی اور نہ موجودہ چیزوں کی حفاظت کی فکر، حالاں کہ اس وقت اور سب خدمات کے ساتھ یہ بھی ایک بہت بڑی ضرورت اور اہم ترین خدمت تھی کہ ہمارے ادارے یا ذمہ دار حضرات ان بکھرے اوراق کو سمیٹتے اور ان کی جمع وترتیب کی فکر اور کوشش کرتے۔ قدیم علمی خانوادوں اور بستیوں کے دروازے کھٹکھٹاتے اور ہر غیر محفوظ کتاب تحریر اور دستاویزات کو حاصل کر کے محفوظ کرنے کی منصوبہ بندی فرماتے۔ کاش اگر ایسا کر لیا جاتا تو ۱۹۴۷ء کے بعد ہمارے بیسوں بلکہ پچاسوں ہزار نادر ونایاب قلمی نسخے اور بے شمار مطبوعہ کتابیں اور علمی مآخذ وآثار ضائع ہونے سے بچ جاتے اور وہ اب پوری ملت کی رہنمائی اور علمی سرپرستی کر رہے ہوتے مگر:

وہی چراغ بجھا جس کی لو قیامت تھی
اسی پہ ضرب پڑی جو شجر پرانا تھا

مجھے یقین ہے کہ اگر کسی ذمہ دار شخص نے اس وقت اس پر معمولی سی توجہ بھی کر لی ہوتی تو ایسے ایسے علمی لعل وگہر اور نادر الوجود نسخے ہاتھ آتے کہ علمی دنیا حیران وششدر رہ جاتی، مگر ہم نے جان بوجھ کر اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ ہم نے دیکھتی آنکھوں اس علمی ورثے کو ضائع ہونے دیا ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں کے سامنے اس کو آتش وآگ کی نذر ہوتے دیکھا، مگر ہم ایسے مردہ اور بے حس ہوگئے تھے کہ

جیسے ہمارے ہاتھ میں جنبش ہو نہ آنکھوں میں دم ہو۔ بہرحال ایک ملی کوتاہی ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔

حالانکہ یہ کام کچھ ایسا بھی نہیں تھا کہ اسکے لئے بڑی بڑی رقومات اور کثیر افراد کی ضرورت ہوتی، اگر اس وقت چند افراد بھی ادھر توجہ کر لیتے تو لاکھوں مطبوعہ اور ہزاروں ہزار قلمی کتابیں اور بے شمار نوادرات وتحریریں میسر آجاتیں۔

لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس بڑے نقصان کا کسی کو احساس ہی نہ ہو اور اس کی تلافی سے کچھ بھی نہ ہوا ہو بہت دیر سے احساس ہوا اور اس کی تلافی کے لئے برسوں کے بعد کچھ کوششیں بھی ہوئیں جس میں سے کچھ کامیاب ہوئیں اور چند نے ناکامی کا منہ دیکھا۔ اس سلسلہ کی ایک انفرادی اور غالباً سب سے چھوٹی کوشش وہ تھی جو یہاں کی گئی اور ہر چند کہ یہ کوشش بہت محدود اور مختصر نوعیت کی تھی جس کا دائرہ کار بھی وسیع نہیں تھا اور مالی وسائل بھی اس کی مساعدت سے قاصر رہے، مگر پھر بھی: دیوانہ راہوائے بس است! اس مقصد کے لئے جہاں تک ممکن ہو سکا آڑے ترچھے ہاتھ پیر چلائے گئے مگر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ناچیز کوشش میں اپنی حیثیت وکوشش سے کہیں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی اور بفضل ذوالجلال اس کے نتیجہ میں حضرت شاہ ولی اللہؒ علمائے خاندان ولی اللہیؒ وابستگان سلسلہ ولی اللہیؒ بانیان واکابرین دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپورؒ، نیز اس سلسلہ کے مرشد روحانی اور رہنمائے معرفت حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ اور ان کے خلفائے کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) اور مغربی یوپی کے مردم خیز دینی علمی تاریخی قصبات کی دینی، علمی، روحانی، ادبی تاریخی شخصیات ان کی خدمات اور کارناموں، تصانیف ومؤلفات، مکتوبات وتحریرات اور ان سے متعلق معلومات واطلاعات کا اس قدر ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے کہ جو (میری ناقص معلومات کے مطابق) غالباً پورے ہندوپاکستان کا (اس پہلو سے) اہم اور بعض حیثیتوں سے منفرد ذخیرہ ہے۔ جس میں بہت سی چیزیں اس قدر نادر و کم یاب ہیں کہ ان کا ایک ہی نسخہ دریافت ہے۔ اس لئے جی چاہتا ہے کہ یہ سرمایہ شائع ہو کر محفوظ ہو جائے اور اس کا جو پیغام اور مندرجات ہیں وہ عام ہو کر ملت اسلامیہ کے دینی علمی ذخیرہ میں اضافہ اور افادہ کا ذریعہ بنیں۔

الحمد للہ! یہ ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے جو بیسوں موضوعات پر پھیلا ہوا ہے، جس میں مصنفات، مؤلفات کے علاوہ احوال وسوانح کے مختلف مآخذ، مکتوبات وتحریرات، بیاضیں اور یادداشتیں، فتاویٰ اور متفرقات وغیرہ شامل ہیں، جس میں سے اکثر قلمی ہیں اور مطبوعات کے ذخیرہ میں بھی (بفضلہٖ) نوادرات

وکم یاب کتابوں کا خاصا حصہ ہے، لیکن اگر یہ تمام سرمایہ ذاتی شوق کا سامان بنا ہوا الماریوں میں بند اور اشاعت سے محروم پڑا رہے تو نہایت ظلم اور بڑی بے توفیقی ہوگی، اس دولت وامانت کا تقاضہ بلکہ حق ہے کہ اس کا تعارف عام ہو، اہل علم ونظر اور اصحاب تحقیق کو ان سے استفادہ ومطالعہ ومراجعت کی سہولت ملے، اس کی مفصل فہرستیں شائع کی جائیں اور اس ذخیرہ کے اہم حصہ اور مشتملات کو تحقیق وحواشی کے ساتھ چھاپ کر عام کردیا جائے۔ اس خیال کے پیش نظر اس مقصد کے لئے مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی کتابوں کی تحقیق وترتیب ترجمہ اور اشاعت کا ایک نظام مرتب کیا اور ایک دینی علمی تحقیقی معیاری سہ ماہی مجلہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا، جو احوال وآثار کے نام سے ۱۴۱۵ھ ۱۹۹۶ء میں چھپنا شروع ہوا۔

احوال وآثار کی اشاعت کی منصوبہ بندی کے وقت سے یہ خیال تھا کہ اس کا ہر سال کسی منتخب موضوع پر خاص شمارہ یا سال نامہ شائع کیا جائے گا اور پہلے سال کی خاص اشاعت کے لئے ایک موضوع بھی ذہن میں گردش کر رہا تھا، لیکن ابھی احوال وآثار کی اشاعت پر ایک سال بھی نہیں گذرا تھا کہ تبلیغی جماعت کے امیر سوم حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ اچانک انتقال فرماگئے۔ اس وقت تیسرا شمارہ پریس جاچکا تھا، اسی شمارہ میں حضرت مولانا پر تعزیتی صفحات کا اضافہ کردیا گیا، حضرت مولانا پر کسی خاص شمارے کا قطعاً ارادہ نہیں تھا کیونکہ خیال یہ تھا کہ مولانا پر متعدد رسائل واخبارات خاص نمبر شائع کریں گے اور کثرت سے مضامین لکھے جائیں گے، مگر جب کئی مہینے تک کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آئی بلکہ مولانا پر کوئی مفصل مضمون بھی نہیں چھپا تو مولانا کی شخصیت وخدمات پر ایک شمارہ نکالنے کا ارادہ کرلیا گیا۔ ابتدائی منصوبہ کے مطابق یہ شمارہ تقریباً ڈھائی سو صفحات پر چھپنا تھا، جو احوال وآثار کے پہلے سال کا سال نامہ اور ضخامت میں دو عام شماروں کے برابر ہوتا، مگر اس اشاعت کے لئے جس ضخامت (ڈھائی سو صفحات) کا ارادہ کیا گیا تھا وہ ابتدائی مرحلہ میں ناکافی محسوس ہوگئی تھی، لیکن پھر بھی کام جاری رکھا گیا اور ابھی یہ شمارہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ تبلیغ اور کاندھلہ کی ایک اور برگزیدہ ممتاز شخصیت، مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلوی بھی اچانک رحلت کرگئے۔ اس لئے خاص شمارے میں مولانا اظہار الحسن صاحب کے تذکرہ کی شمولیت بھی ناگزیر تھی، اللہ کے فضل وکرم سے یہ خدمت بھی انجام پائی اور احوال وآثار کا وہ شمارہ جس کو ڈھائی سو صفحات پر اور دو عام شماروں کے برابر ہونا تھا، سات عام شماروں کے قائم مقام ہوکر ساڑھے سات سو صفحات میں مکمل ہوا، متوقع صفحات میں بار بار اضافہ اور معلومات کی سست رفتار فراہمی کی وجہ

سے اس کی ترتیب واشاعت میں بھی بہت وقت لگا اور یہ خاص شمارہ مقررہ تاریخ اشاعت سے تقریباً ایک سال کے بعد شائع ہوا۔ اگرچہ یہ اشاعت بہت مقبول ہوئی اور پسند کی گئی، مگر صفحات میں غیر معمولی اضافہ اور طویل وقفہ اشاعت کی وجہ سے احوال وآثار کی باقاعدہ اشاعت اور خریداروں کا نظام بہت متأثر ہوا، کچھ خریداروں کو شکایت بھی ہوئی اور رسالہ کو بھی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس تجربہ کے بعد سالنامہ شائع کرنے کی رائے بدل گئی اور یہ طے کیا گیا کہ اب احوال وآثار کا کوئی خاص شمارہ شائع نہیں کیا جائے گا، عام اشاعتیں سہ ماہی ترتیب پر چھپتی رہیں گی۔

لیکن خاص شماروں کی جو ترتیب ذہن میں تھی اور اس کا جو خاصا سامان (مخطوطات، نوادر تحریرات وفتاویٰ وغیرہ) سامنے تھا اس کی وجہ سے خاص اشاعت کا منصوبہ بالکل ہی ختم کردینے میں بھی تامل تھا، اس لئے اب یہ رائے ہوئی کہ سالانہ ایک خاص مجلّہ احوال وآثار سے علیحدہ شائع کیا جائے گا، جس کا ہراک شمارہ کسی ایک خاص موضوع پر ہوگا، مگر اس کی تاریخ اشاعت، صفحات اور قیمت پہلے سے متعین نہیں ہوگی، جب تیار ہوگا چھاپ دیا جائے گا، تاہم پوری کوشش ہوگی کہ ہراک سال میں ایک مجلّہ ضرور چھپے، اور اس کا ہر شمارہ کم سے کم تین سو صفحات پر مشتمل ہو، زائد صفحات کی کوئی حد مقرر نہیں ہوگی۔ اس مجلّہ کا نام "صحیفۂ نور" طے کیا گیا۔

اس منصوبہ کے مطابق صحیفۂ نور کا پہلا شمارہ جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے احوال وکمالات، مکتوبات، علوم اور متعلقات پر مشتمل ہے، پیش کیا جارہا ہے، جو پونے آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے اور حضرت مولانا نانوتویؒ پر اشاعت کی پہلی جلد ہے، اس موضوع پر کم سے کم ایک جلد یا مجلّہ اور چھپے گا کیوں کہ یہ موضوع ابھی مکمل نہیں ہوا، اشاعت کی مشکلات اور ضخامت بڑھ جانے کی وجہ سے کئی مضامین بیچ میں چھوڑ دئے گئے۔ نیز کئی اہم نادر چیزیں (جن کا راقم سطور کو علم ہے) بروقت دستیاب نہیں ہوئیں اور حضرت مولانا کے چند مکتوبات بھی جو ہنوز اشاعت سے محروم بلکہ غیر متعارف ہیں، آئندہ جلد یا اشاعت میں پیش کئے جائیں گے۔

○

یہاں یہ بھی ذکر کردینا چاہئے کہ صحیفۂ نور کے زیر ترتیب آئندہ دو شماروں میں سے ایک شمارہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نادر احوال وکمالات، غیر مطبوعہ درسی افادات، مواعظ، فتاویٰ اور مکتوبات وغیرہ پر مشتمل ہوگا۔ اس شمارہ کے جملہ مندرجات ہنوز غیر مطبوعہ یا نہایت کمیاب ہیں، جو اس

شمارہ کے ذریعہ پہلی بار چھپیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ! یہ شمارہ (اس وقت تک کی ترتیب کے مطابق) تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہوگا، صفحات میں اضافہ غیر متوقع نہیں۔

ایک اور شمارہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال وکمالات، ملفوظات وافادات، مکتوبات، تبلیغی جدوجہد اور اس کے مقاصد اور اس سلسلہ کے موضوعات پر ہے۔ جس میں حضرت مولانا کی بیان کی ہوئی تصریحات وہدایات، نیز تبلیغ کی تفہیم وتشریح کے لئے حضرت مولانا نے جو چند تحریریں یا رسالے لکھوائے تھے (جو اب گم نام اور نایاب ہیں) نیز تبلیغی جماعت اور تبلیغی جماعت کے عالمی مرکز بنگلہ والی مسجد (بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی) کی ابتداء سے عصر حاضر تک ضروری اور مستند تاریخ پر مفصل مضامین شامل ہوں گے۔ اس کے علاوہ بھی انشاء اللہ اور بھی بہت کچھ ہوگا۔ اس مجلہ کی بھی اکثر تحریریں اور مضامین پہلی مرتبہ چھپیں گے اور یہ اشاعت بھی تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہوگی۔ دونوں شماروں کی آئندہ سال ۱۴۲۲ھ (۲۰۰۱ء) میں اشاعت متوقع ہے۔

اس کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہؒ، علمائے خاندانِ ولی اللہی، حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہم (اور ان حضرات کی زندگی اور تاریخ سے وابستہ اہم ملی، سیاسی موضوعات وغیرہ پر بھی) تقریباً چودہ پندرہ اشاعتوں یا شماروں کا ایک طویل منصوبہ پیش نظر ہے، توفیق الٰہی شامل حال رہی تو انشاء اللہ آہستہ آہستہ عمل میں آئے گا۔ واللہ ولی التوفیق۔

○

اب جب یہ مجموعہ اشاعت کے لئے جارہا ہے میرا رواں رواں حق تعالیٰ کی حمد وشکر سے معمور اور اسکے حضور سربسجود ہے کہ اس نے اپنے بے پایاں فضل وکرم سے مجھ بے علم ولیاقت کو اس خدمت وتوفیق سے نوازا اور اسکے لئے حالات مساعد فرمائے۔ **اللھم لك الحمد كله، ولك الشكر كله، واليك يرجع الامر كله اللھم لك الحمد حمداً يوافيا لنعمه ومكافيا لمزيده. وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه سيدنا محمد وعلىٰ آله واصحابه وجنوده.**

اس کے بعد اپنے کرم فرماؤں اور ان صاحبان کا شکریہ بھی واجب ہے جن کا تعاون اس مجموعہ کی ترتیب وتحریر میں مددگار رہا ہے۔

سب سے پہلے اور اہم ترین عنایت وتعاون کے لئے مولانا سید عبد الغنی پھلاودیؒ کے نبیرگان ڈاکٹر سید محمد خالد اور سید محمد مطلوب صاحبان کا شکریہ ضروری ہے کہ دونوں، خصوصاً ڈاکٹر خالد صاحب

نے اپنے جد امجد مولانا عبدالغنی صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ حضرت مولانا نانوتوی کی تصانیف کے اہم ترین اور قیمتی نسخے عنایت فرما کر ممنون اور مالا مال کیا۔ زیر نظر مجموعہ میں شامل حضرت نانوتوی کی غیر مطبوعہ اکثر تحریریں پھلاودہ سے حاصل ہوئیں۔ (بعض چیزیں اور جگہوں سے بھی ملی ہیں) نیز حضرت مولانا کی مطبوعہ تصانیف کے چند قدیم ترین نسخے بھی اسی ذخیرے کی یادگار ہیں۔

۲۔ ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانوں کے مسلسل تعاون اور رہنمائی کا ذکر نہ کیا جائے۔

راقم سطور کا بحمد اللہ زمانہ تعلیم سے آج تک مظاہر کے کتب خانہ سے متواتر رابطہ رہا ہے اور اس بیش قیمت کتب خانہ نے راقم سطور کی ہمیشہ مدد اور رہنمائی فرمائی ہے اور مجھے یہ کہنے میں تأمل نہیں کہ یہ کتب خانہ نواح کے بعض مشہور کتب خانوں سے زیادہ وقیع ہے، نیز اہل علم اور محققین کے لئے اس سے استفادہ بھی نسبتاً آسان ہے۔

استاد محترم، مخدوم ومکرم حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم کی شفقت وعنایات سے مجھے مدرسہ کے کتب خانہ سے بھرپور استفادہ کی سہولت ہمیشہ حاصل رہی، کتب خانہ کے کارکنان خصوصاً سلیم ناز صاحب کے تعاون اور خلوص کا شکریہ بھی ضروری ہے۔ یہاں یہ وضاحت مناسب ہے کہ حضرت مولانا نانوتویؒ کی تصانیف کے سب سے زیادہ نسخے اور اشاعتیں اسی کتب خانہ میں ملیں۔

۳۔ ندوۃ العلماء کے کتب خانہ کے لائبریرین اور اپنے دوست، مولانا قاضی محمد ہارون صاحب اندوری ندوی کے تعاون کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ جب جب ندوہ جانا ہوا کتب خانہ میں حاضری ہوئی اور مولانا ہارون نے ہمیشہ سرگرم اور پرخلوص تعاون سے نوازا، جسکے لئے صمیم قلب سے ممنون وشکر گزار ہوں۔

۴۔ میرے رفقائے کار، مولوی محمد حنیف صاحب بہرائچی اور مولوی محمد شعبان صاحب بستوی (مدرس مدرسہ عیدگاہ کاندھلہ) بھی خاص شکریہ کے مستحق ہیں، دونوں صاحبان نے تمام مضامین کے مسودات صاف کرنے، نقل ومقابلہ کرنے، کمپوزنگ کی تصحیح اور تالیف وتحریر سے مجلّہ کی اشاعت تک ہر مرحلہ میں بھرپور جد وجہد اور تعاون کیا اور (میری کاہلی کے باوجود) پوری دلچسپی سے اس میں لگے رہے۔ دن بھر کی ہمہ وقتی مصروفیت کے علاوہ راتوں کو دیر دیر تک جاگ کر اس کام کو اختتام تک پہنچایا۔

۵۔ قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی پر دہلی میں صفر ۱۴۲۱ھ (مئی ۲۰۰۰ء) میں منعقد سمینار کے ذمہ داران خصوصاً مولانا عمید الزماں صاحب کیرانوی کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہئے، کیوں کہ

حضرت مولانا نانوتویؒ پر اس خاص شمارہ یا مجلّہ کی ترتیب کا کوئی منصوبہ بلکہ خیال بھی پہلے سے نہیں تھا۔ سیمینار کے ذمہ داروں نے حضرت مولانا کے مکتوبات پر ایک مضمون کی فرمائش کی اور بار بار اصرار سے اس فرمائش کو مؤکد کر دیا، مضمون مکمل ہو گیا تھا کہ سیمینار کی متوقع تاریخیں آگے بڑھ گئیں، اس دوران یہ خیال ہوا کہ اسی موضوع سے وابستہ اہم ترین مطبوعہ یادگار حالات طیب مولانا محمد قاسمؒ (از مولانا محمد یعقوب نانوتوی) کو بھی اشاعت کے لئے تیار کر لیا جائے، یہ کام بھی ہوا۔ اس کے بعد حضرت مولانا نانوتویؒ کے مکتوبات بنام حضرت حاجی امداد اللہؒ کا ترجمہ اور ترتیب عمل میں آئی، اس طرح ایک کے بعد ایک مضامین لکھے گئے اور پیش نظر مجموعہ تیار ہو گیا۔ اگر سیمینار کے منتظمین فرمائش بلکہ اصرار نہ کرتے تو نہ معلوم یہ پہلا مضمون بھی لکھا جاتا نہ لکھا جاتا، ان صاحبان کی توجہ فرمائی سے یہ کام شروع ہوا اور آگے بڑھتا گیا، اس لئے سیمینار کے ذمہ داروں کو بھی کلمات تشکر پیش کرتا ہوں۔

۶۔ احوال و آثار، صحیفۂ نور اور اپنی تحریرات کے کمپوزیٹر مولوی محمد اعجاز صاحب قاسمی (کوٹیسرہ، ضلع مظفرنگر) اور آئیڈیل کمپیوٹرس (سٹی سینٹر) مظفرنگر کے الطاف الرحمٰن (کلیم) صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ وہ میری ٹیڑھی میڑھی تحریروں اور تصحیحات کو توجہ سے پڑھتے اور کمپوز کرتے رہے اور تصحیح کے مکرر، مشکل اور طویل کام میں ہمیشہ خوش دلی سے تعاون کرتے رہے۔

۷۔ محترم جناب سید منصور احمد آغا صاحب (سب ایڈیٹر روزنامہ قومی آواز، دہلی) کا شکریہ بھی لازم ہے۔ کیوں کہ پیش نظر مجلّہ کا تقریباً چالیس فیصد حصہ آغا صاحب کی عنایت سے بہت کم وقت میں تیز رفتار سے کمپوز ہوا، مضمون کی نزاکت و اہمیت کی وجہ سے تصحیح اور مقابلہ کا مرحلہ بھی خاصا صبر آزما اور سخت محنت طلب تھا جو آغا صاحب کے تعاون سے خیر و خوبی سے انجام پایا۔ **فجزاهم الله تعالىٰ.**

○

آخر میں قارئین کرام خصوصاً اہل علم و نظر حضرات سے گذارش ہے کہ اس مجلّہ کے مندرجات میں جو علمی استدلالی غلطیاں اور فروگذاشتیں رہ گئی ہوں، بلا تکلف ان سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔ نیز اس شمارہ کے دوسرے حصے اور آئندہ شماروں کیلئے بھی اپنے مفید مشوروں سے نوازیں اور نوادرات و تحریرات کے ذاتی و علمی ذخیروں سے بھی آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعتوں میں ان نوادرات و ذخائر سے استفادہ کر کے نئے شماروں کو مفید سے مفید تر بنایا جا سکے۔ **والله الموفق وهو يهدى السبيل.**

ذکرِ مشائخِ دیوبند

و

دموع الحسرة من فراقهم

— مشائخ دیوبند کا ذکر اور اُن کے فراق پر حسرت کے چند آنسو —

محمد موسیٰ عفی عنہ روحانی بازی از جامعہ اشرفیہ لاہور پاکستان

پاکستان کے برگزیدہ و نامور عالم، حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۲۷/جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ، ۱۹/اکتوبر ۱۹۹۸ء) نے دار العلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے موقع پر اکابر علمائے دیوبند کی شان میں ایک قصیدہ لکھا تھا اور اس کو خود ہی شائع کرایا تھا اور جب ہمارے علمی ذخیرہ کے ملاحظہ کے لئے تشریف لائے تھے تو اس مبارک قصیدہ کا ایک نسخہ راقم سطور کو بھی عنایت فرمایا تھا۔

یہ قصیدہ (۳۰/۴۵ سینٹی میٹر سائز پر) پوسٹر کی صورت میں چھپا تھا، یہاں اسی طباعت کا عکس شامل ہے۔ صرف یہ ترمیم کی گئی ہے کہ اس کو مجلّہ (صحیفۂ نور) کے صفحات کے مطابق مرتب ( ) کرلیا ہے۔ نور

اَہلاً وَسَہلاً یا نَسِیمُ وَمَرحَبًا	ذَکَّرتَنِی عَہدَ الصَّبابَةِ وَالصِّبا
اہلاً و سہلاً و مرحبا۔ اے بادِ صبا	تو نے مجھے محبت اور بچپن کا زمانہ یاد دلا دیا
حَمَلَ الشَّذا مِن دِیوبَندَ وَاَہلِہا	وَاَتیٰ اِلَینا بِالسَّلامِ [illegible]
[illegible] دیوبند والوں کی خوشبو سے آراستہ	اور ان کا سلام پہنچا کر ہمیں خوش کیا

۳
فَعَرَفْتُ عَرْفَهُمُ الشَّذِيَّ وَبَعْدَه	اَنكرتُ صبرًا عَنْ فُؤادِی نَكبا
میں ان کی بے نظیر مہک پہچان گیا لیکن افسوس کہ اس کے بعد ان کی یاد کی وجہ سے میرے دل سے صبر نکل گیا	

۴
اَرضٌ بِها اَشیاخُنا قَدْ خَیَّمُوْا	قَدْ زُرْتُهُمْ مُذْ حُقْبَةٍ متصَحِبا
سرزمین دیوبند میں ہمارے بزرگ خیمہ زن ہیں۔ مُدت ہوئی کہ میں ان کی زیارت ورفاقت سے متمتع ہوا تھا	

۵
جَنجوهُ. دِلّی: دیوبندُ وتانبُنْ	سرهندُ والاَجْمِیرکانت اَقْربا
گنگوہ ، دہلی ، دیوبند ، تھانہ بھون	سرہند اور اجمیر پہلے بہت قریب تھے

۶
والیومَ قدحالتْ جبالٌ بَیْنَنَا	حَیرانَ اَبْکِی دُوْنَها مکتئبًا
لیکن آج ہمارے اور اُن کے درمیان بلند پہاڑ حائل ہیں	حیران و سرگرداں ان کی جُدائی کی وجہ سے رو رہا ہوں

۷
یالهفَ نَفْسِی. هَل اَزُوْرَنْ سَاعَةً	دارَالعُلومِ وهَلْ اَزُوْرَنْ عُصُبا
واحسرتا۔ کیا زندگی میں میں ایک لمحہ دارالعلوم دیوبند اور وہاں کے بزرگوں کی زیارت کا موقع پاسکوں گا	

۸
واَحِنُّ مِنْ بُعْدٍ اِلیهِمْ لَیْتَنِی	اَجِدُ السَّبِیْلَ اِلَیْهِمْ کَیْ اَذهَبا[1]
آہ۔ دُور سے میں ان کی طرف مُشتاق ہوں۔ کاش کہ کوئی راستہ مل جائے تاکہ میں اُن کے پاس چلا جاؤں	

۹
لوکنتُ طیرًا طِرتُ نحو رِیاضِهِم	وسَجَعْتُ عِندهُمْ علیٰ بَانِ الرُّبا
اگر میں پرندہ ہوتا تو اُڑ کر اُن کے علمی باغوں میں پہنچ جاتا اور ان کے پاس نغمہ سنجی کرتا۔ بلند مقامات کے بان درختوں پر بیٹھ کر	

۱۰
اِنّی هِنا وهُمْ هُناكَ وبینَنا	قُلَلُ الجِبَالِ وصارَ اَمْرِیْ اَصعَبا
ہائے۔ میں یہاں ہوں اور وہ وہاں ہیں اور درمیان میں	پہاڑوں کی بلند چوٹیاں ہیں۔ میری آرزو کا پورا ہونا مشکل ہے

۱۱
یا عاذِلِیْ دَعْنِی و ذِکْرَ مَشائِخِی	اذلَمْ اَجِدْ لِلسَّلْوِ عنهم مَذْهَبا
اے ملامت کنندہ۔ مجھے مشائخ کا ذکر کرتے ہوئے چھوڑ دیجیے اور معذور سمجھیں۔ کیونکہ ان کو چھوڑ کر مجھے اور راستہ مل نہیں سکتا	

۱۲ لا تَلحُونْ فِیهِم لِما جَرّبتَنا — نَجِدُ الغَرامَ بِهِم لذیذاً طَیّبا

ان کی محبت میں ملامت کرنا چھوڑ دینا کیونکہ تو نے آزمایا — کہ ہمیں اُن کی محبت بڑی عزیز ہے۔

۱۳ سَلْ عَنْ اَحِبّتِنا بِدیوبَندِ. اَلاَ — دَعْ عَنكَ سَلمیٰ والرّباب وزینبا

اے دوست۔ ہمارے اسلاف علماء دیوبند ہی کا حال پوچھیے۔ خبردار۔ [illegible] دوستوں کو چھوڑ دیجیے

۱۴ قِفْ بینَ ما تِیكَ المَغانیْ اِذْ بِهَا — رَوحٌ و رَیحانٌ و راحٌ طَرَبا

ان مبارک مقامات میں ٹھہریئے۔ کیونکہ ان میں — روح وریحان اور جنتی روحانی شراب طرب فزا ہیں

۱۵ واَنِخْ مَطیّتكَ بِالدّیارِ فَاِنّهَا — دارٌ مُبارَکَةٌ و رَوضٌ اَخصَبا

اور ان مقامات میں سواری ٹھہرائیے۔ کیونکہ وہ — مبارک مقام ہیں اور ایسے باغ جو شاداب ہوں

۱۶ هَل کنت یا جنجوہ اِلّا رَوضَنا — مُتَنَزّهِینَ بِهٖ فَصارَ مُحجّبا

اے شہر گنگوہ۔ آپ ہمارے وہ بوستان تھے — جس میں ہم سیر کیا کرتے تھے مگر آہ وہ اب پوشیدہ ہوا

۱۷ یا حَسرَتا. بَینِي و بینَ مَشایِخیْ — بِیدٌ وسَیلُ الشّوقِ قد بلَغَ الزُّبیٰ

وائے حسرت۔ اُدھر تو میرے اور میرے مشائخ کے مابین — وسیع صحرائیں حائل ہیں اور اُدھر شوق زیارت کا سیل حد سے بڑھ گیا

۱۸ یالیتَ نَفسِیْ. هَلْ اَریٰ دارَالعُلو — مِ او نظامَ الدّینِ مَأویٰ النُّجَبا

ہائے افسوس۔ کیا میں کسی دن دار العلوم دیوبند — یا نظام الدین دہلی جو بزرگوں کا مرکز ہیں دیکھ سکوں گا

۱۹ اَرضُ الاَحِبّةِ ضاءَ فیها اَنجُمٌ — مِنها اهتَدیٰ مَن جاءها مُستَوهِبا

یہ اسلاف کی زمین ہے۔ اس میں ایسے ستارے ضو فشاں ہیں۔ — کہ انہیں کی برکت سے ہدایت یافتہ ہوا جو بھی طلب ہدایت کیلئے آیا

۲۰ مِنهُم رَشیدُ اَحمَدُ و منهم اَنوَرٌ — والقاسمُ. المَحمُودُ کانوا شُهُبا

ان اسلاف میں سے ہیں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ مولانا انور شاہؒ، مولانا محمد قاسمؒ، مولانا محمود الحسنؒ، یہ سب ہدایت کے ستارے تھے

۲۱
وَمِنَ المشایخ شیخُنا اشرف علیٌ | وحسینُ احمدُ ذُوالسناءِ المجتبیٰ
ان بزرگوں میں سے ہیں مولانا اشرف علی تھانوی | اور مولانا حسین احمد مدنی جو کہ بلندی والے اور برگزیدہ ہیں

۲۲
کلٌّ امامٌ مقتدٰی بِفعالِہٖ | وجَعَلتُہ لِرضاءِ رَبّی سَبَبا
ان میں سے ہر ایک شیخ اپنے نیک عمل میں ہمارے لیے امام و پیشوا ہیں۔ میرے لیے انکی محبت رضائے خدا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

۲۳
ذُو نُہضَۃٍ جَیّاشۃٍ مَوّاجَۃٍ | رَبَطتْ قُلوبَ النّاسِ اِلّا مَنْ ابیٰ
ہر ایک پُر جوش، موجزن، دعوت والا ہے | جس نے لوگوں کے دلوں کو مربوط کر دیا ہے مگر وہ جو ضدی ہیں

۲۴
اِنْ زُرتُہم رَحّبتُہم واَقُل لَہم | اَہلاً علیٰ رَغمِ الوُشاۃِ ومَرحبا
اگر میری ان سے ملاقات ہو جائے تو خوش آمدید اور مرحبا کہوں گا انہیں۔ اگرچہ چغلخور دشمنان دین نہ چاہیں

۲۵
اَنتُم کما اَنتُم فَلَنْ نَستَطِیعَ اَنْ | نُحصِی مَدائِحَکم فَفُقتُم حَسَبا
تمہاری شان وہی ہے جو ہے۔ ہم میں یہ طاقت کہاں کہ تمہاری مدح کا حق ادا کریں۔ تم بلند ہو نیک کردار کے سبب

۲۶
غِبتُم وَانتُم حاضِرونَ بِمُہجَتِیْ | فَبِمُہجَتِیْ اَفْدِی الْحضُورَ الْغُیَّبا
تم بظاہر غائب ہو لیکن میرے دل میں حاضر ہو۔ میری روح قربان ہو ان حاضرین و غائبین پر

۲۷
یا رَبِّ۔ اَلْحِقْنِیْ بِہِمْ لِمحبّتِیْ | وَالْمَرْءُ مَعَ مَنْ وَدَّہٗ واصطَحَبا
اے اللہ۔ مجھے آخرت میں ان سے ملا دیجئے کیونکہ از روئے حدیث پاک ہر شخص آخرت میں اپنے دوست اور مصاحب کے ساتھ ہوگا

کتبہ: محمد جمیل حسن لسید نفیس رقم صاحب لاہور

آئینہ کمالات

حضرت مولانا کے ایک بڑے مربی اور راہ شریعت کے رہنما
حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا تصحیح کیا ہوا
ایک بے نظیر اور یادگار قرآن شریف

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے حاشیہ بخاری شریف میں
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا حصہ

مولانا کی زندگی کا ایک تاریخی ملّی کارنامہ
روداد چندۂ بلقان

اور

تذکرہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ
مرتبہ مولانا محمد یعقوب نانوتوی
تفصیلات وحواشی کے ساتھ

مجلّہ صحیفۂ نورِ مولویان، کاندھلہ، ضلع مظفرنگر، یوپی ہند

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
حکیم الامت، مولانا اشرف علی تھانویؒ
کی نظر میں

اے کجا رفت آن مدار ابتدا	آں محمد قاسم مولائے ما
آیتے بودہ ز آیاتِ خدا	منبع جود و سخا، کانِ عطا
بود در اخلاص نیکو بے سہیم	سابق الاقران بالخلق العظیم
منبع علم لدنی بود آں	وقت تقریرش بدے گوہر فشاں
حامی اسلام و دین احمدی	رد کنِ جملہ ہنود و پادری
مرشد موصل برائے طالباں	ہادی کامل برائے گمرہاں
داشت صرف علم دین ہمت بلند	مدرسہ کردہ بنا، در دیوبند
مہتمم جملہ مدرس بے نظیر	فیض شاں لامع چو خورشید منیر

مثنوی زیر و بم (شامل مجموعہ امواج طلب وغیرہ) ص ۳۲

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی۔ (مطبع امداد المطابع، تھانہ بھون: بلاسنہ)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ایک بڑے مربی اور راہِ سنت کے خاص رہنما حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ

اور حضرت مولانا کی دینی علمی عملی زندگی اور خدمات پر مولانا کاندھلوی کے اثرات

نور الحسن راشد کاندھلوی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علم و کمال کے جن دریاؤں سے فیض یاب اور سیراب ہوئے اور فکر و معرفت کے جن چشموں سے سرشار ہو کر خود ساقیِ عالم اور قاسم العلوم کہے گئے، ان میں سے ایک بہت اہم بہت ہی ممتاز اور بہت نمایاں بلکہ شاید اس فہرست کا ممتاز ترین نام اور شخصیت حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ کا ہے اور اس حقیقت کا حضرت مولانا نانوتوی کے زمانے سے برملا اعتراف کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی حضرت مولانا مظفر حسین سے نیازمندی عقیدت و ارادت اور حضرت مولانا سے متواتر استفادہ نیز حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی زندگی پر حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کی صحبت و تربیت کے گہرے اثرات اور حضرت مولانا کی علمی خدمات میں حضرت مولانا کی توجہات کے اثر کا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، سرسید احمد، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اور مولانا عبید اللہ سندھی نے تذکرہ کیا ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض اطلاعات مختصر

اشارات ہیں، لیکن یہ اشارات بھی حقائق کی کافی رہنمائی کر رہے ہیں، مگر اس تذکرے سے پہلے حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کا تعارف و تذکرہ ضروری ہے۔

حضرت مولانا مظفر حسین خلف مولانا محمود بخش، بن مولانا محمد عرف شیخ الاسلام کاندھلوی۔ کاندھلہ ضلع مظفر نگر کے ایک پرانے اور مشہور علمی خاندان کے فرد تھے، مولانا کے والد مولانا محمود بخش صاحب بھی اپنے عہد کے ممتاز اہل تقویٰ اور ان لوگوں میں سے تھے جن پر ناز کیا جاتا ہے۔

مولانا کا ایک واقعہ ہماری دینی ملی تاریخ کا ایک یادگار واقعہ اور ایسی دستاویز بن گیا ہے جس کو حق و انصاف اور سچائی کی مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور حق یہ ہے کہ یہی ایک ہی واقعہ بڑی سوانحات اور کتابوں پر بھاری ہے۔ یہ واقعہ اگرچہ بار بار شائع ہو چکا ہے مگر اس کی ہر اشاعت کی ایک افادیت ہے، اس لئے اس کو یہاں شامل کیا جانا ضروری ہے۔

قصہ یہ ہے کہ قصبہ کاندھلہ کی پرانی جامع مسجد جو عہد محمد تغلق کی یادگار تھی ۱۸۴۰ء (۱۲۵۵ھ) سے پہلے کسی وقت اچانک منہدم ہو گئی تھی مگر یہ مسجد پہلے بھی قصبہ کی ضروریات کے لئے کافی نہیں تھی جامع مسجد کے لئے بڑی اور کھلی ہوئی جگہ کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی لیکن پرانی مسجد کے گرنے کے بعد ....ایسی جگہ پر تھی کہ وہاں کسی سمت میں بھی اضافہ نہیں ہو سکتا تھا اس لئے قصبہ کے ایک ذمہ دار شیخ محی الدین صاحب نے ارادہ کیا کہ قدیم جامع مسجد کے شمال میں سڑک کے دوسری طرف ان کی جو زمین پڑی ہوئی تھی وہاں بڑی اور نئی مسجد تعمیر ہو۔ منصوبہ کے مطابق کام شروع ہو گیا، مگر اس جگہ کے جنوب مشرقی گوشہ میں کچھ حصہ پرانا، اور اجاڑ پڑا ہوا تھا، کچھ مسلمانوں کا ارادہ ہوا کہ اس جگہ کو بھی مسجد میں شامل کر لیا جائے، مگر یہ جگہ اصلاً ہندوؤں کی تھی، انہوں نے مزاحمت کی، انگریزوں کی حکومت شروع ہو چکی تھی، مقدمہ انگریزی عدالت میں گیا، کلکٹر نے طرفین کی گواہیاں اور کاغذات طلب کئے، مگر طرفین کے کاغذی ثبوت ایسے پختہ نہیں تھے کہ ان پر صاف فیصلہ کیا جا سکتا، اسکے لئے قصبہ کے ذمہ دار لوگوں کی گواہی اور بیان لینے چاہے اور اس میں دانش مندی یہ کی کہ ہندوؤں کے حق کے لئے مسلمانوں کی اور مسلمانوں کے دعویٰ کے لئے ہندوؤں کی گواہی کرانے کا ارادہ کیا۔

اس لئے پہلے مسلمانوں سے پوچھا کہ کوئی ہندو ایسا ہے جو اس ویران جگہ کے مسجد کی ملکیت ہونے کی گواہی دیدے اور ہندوؤں سے یہ کہا کہ تم کسی ایسے مسلمان کا نام بتاؤ جو سچائی سے کہدے کہ یہ جگہ ہندوؤں کی ہے۔ مسلمانوں نے تو معذرت کی کہ ہمیں کسی ہندو سے امید نہیں کہ وہ اس جگہ کے مسجد کی ملکیت ہونے کی گواہی دے گا لیکن ہندوؤں نے کہہ دیا کہ اگرچہ معاملہ مذہبی ہے اور اس میں کسی مسلمان کا بولنا اور ہندوؤں کے حق میں گواہی دینا سخت مشکل اور خطرہ کا کام ہے، مگر ایک مسلمان بزرگ ایسے ہیں کہ جنھوں نے پوری زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، امید ہے کہ وہ معاملہ میں بھی جھوٹ نہیں بولیں گے، اور سچ بات کہدیں گے۔ کلکٹر نے دریافت کیا تو انہوں نے مولانا محمود بخش کا نام بتایا (جو مولانا مظفر حسین کے والد ماجد تھے) کلکٹر نے مولانا کو طلب کیا اور کہا کہ آپ آکر گواہی دیجئے اور بتلایئے کہ صحیح معاملہ کیا ہے۔ مولانا نے جواب میں فرمایا کہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ میں کسی انگریز کا منھ نہیں دیکھوں گا، اس لئے میں تمہارے پاس آنے اور گواہی دینے سے معذور ہوں۔ کلکٹر کا دوبارہ پیام آیا کہ جب آپ گواہی کے لئے آئیں گے تو اس کا انتظام کیا جائے گا کہ کوئی انگریز یا میں آپ کے سامنے نہ ہوں اور چوں کہ مقدمہ اہم اور نازک ہے اور آپ ہی کی گواہی پر اس کا فیصلہ ہونا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس انگریز نے یہ بھی لکھا تھا کہ قرآن شریف کا حکم ہے **ولا تکتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه**.

اس وقت مولانا نے اپنے آنے کی منظوری دیدی اور مقررہ وقت پر کلکٹر کے کیمپ پر تشریف لے گئے، کلکٹر اندر خیمہ میں بیٹھا تھا، مولانا کا باہر انتظام کیا گیا تھا تاکہ آمنا سامنا نہ ہو، مقدمہ کے دونوں فریق ہندو اور مسلمان بڑی تعداد میں جمع تھے، کلکٹر نے مولانا سے اس جگہ کے بارے میں معلوم کیا کہ یہ جگہ کس کی ہے؟ مولانا نے صاف کہدیا کہ سچی بات یہ ہے کہ جگہ ہندوؤں کی ہے، اس پر مسلمانوں کا دعویٰ غلط ہے۔ کلکٹر نے مولانا کی اسی گواہی پر مقدمہ کا فیصلہ کردیا وہ جگہ ہندوؤں کو مل گئی۔

اگرچہ اس وقت مسلمانوں کو مولانا کی اس گواہی سے ناگواری ہوئی اور بہت دنوں تک اس کے چرچے ہوتے رہے، مگر اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مولانا کی سچائی اور حق پسندی سے متاثر

ہو کر کئی ہندو خاندان مسلمان ہو گئے تھے۔

یہ واقعہ سب سے پہلے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے نواسہ، حافظ محمد یوسف انصاری نے لکھ کر شائع کرایا تھا اسی زمانہ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، اور مولانا محمد منظور نعمانی نے حضرت مولانا محمد الیاس وغیرہ کاندھلہ کے خاندان کے بزرگوں سے سنا، حضرت مولانا علی میاں نے اس واقعہ کو "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" میں درج کیا جس کے ذریعہ اس کی بہت شہرت ہوئی۔

مولانا محمود بخش کی ۱۴ر رمضان المبارک ۱۲۵۸ھ پنجشنبہ (۲ر اکتوبر ۱۸۴۲ء) کو کاندھلہ میں وفات ہوئی۔(۱) ان کے صرف ایک فرزند تولد ہوئے جو حضرت مولانا مظفر حسین کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ء) میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم خاندان کے علماء خصوصاً حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب سے حاصل کی، غالباً متوسط یا ابتدائی اعلیٰ کتابوں کی تعلیم کے زمانہ سے دہلی بھیج دئے گئے تھے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے مدرسہ میں قیام رہا، وہیں تعلیم حاصل کی۔ شاہ محمد اسحاق صاحب سے حدیث پڑھی اور شاہ صاحب کے بڑے بھائی شاہ محمد یعقوب صاحب سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت پائی، شاہ صاحب کے ممتاز ترین خلفاء میں سرفہرست ہیں۔ عاشورہ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ (۲۵ر مئی ۱۸۶۶ء) شب جمعہ کو مدینہ طیبہ میں وفات ہوئی، بقیع میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قدموں میں دفن کئے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

اخلاص، تقویٰ اور اعلیٰ درجہ کا اتباع سنت حضرت مولانا مظفر حسین کی امتیازی صفات ہیں، جس میں مولانا کے دیکھنے اور جاننے والے علماء اور تذکرہ نگاروں کے بقول، مولانا کے دور میں بھی مولانا کی کوئی مثال نہیں تھی اور بعد کے دور کا تو کہنا ہی کیا۔ ان کمالات کے ساتھ ساتھ سادگی،

(۱) مختصر معلومات کے لئے ملاحظہ ہو: سفینۂ رحمانی تالیف حکیم عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی ص ۷۹۔۸۰ (لکھنؤ ۱۸۸۴ء) حالات مشائخ کاندھلہ۔ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی ص ۲۶ (طبع سوم، کاندھلہ)

تواضع، مسکنت اور غریب بے یار و مددگار لوگوں کی خدمت و خبر گیری میں بھی بے مثال تھے۔

مولانا مظفر حسین صاحب کو بڑی مرجعیت اور قبول عام حاصل تھا، ان کی خانقاہ میں اہل علم و کمال، اصحاب دولت و ثروت، اور عوام کا جمگھٹا رہتا تھا، جس میں قلعہ معلی دلی کے بہت سے شہزادے بھی تھے جو مولانا کے مریدین و مستفیدین میں شامل تھے اور حضرت مولانا کی زیارت کے لئے کاندھلہ آتے رہتے تھے(۱) حضرت مولانا کی خدمت کے ایک حاضر باش اور خادم مولانا محمد حسین فقیر نے لکھاہے کہ:

"دسیوں شہزادے کاندھلہ میں مولانا کے گھر پڑے رہتے تھے"

حضرت مولانا کی ذات سے بہت ہی فیض ہوا، ہزاروں ہزار آدمیوں نے بیعت کی اور دین و شریعت کی راہ پر مستقیم ہوئے۔ حضرت مولانا کی صحبت کا کم سے کم اثر یہ تھا کہ جو بھی مولانا سے بیعت ہو جاتا تھا اس کی نماز کبھی قضا نہیں ہوتی تھی اور مولانا کے متوسلین میں ایسے لوگوں کی خاصی تعداد بیان کی جاتی ہے جن کی مولانا سے وابستگی کے بعد بیس پچیس سال تک کبھی تہجد بھی ترک نہیں ہوئی، مولانا کے فیض صحبت سے اتباع سنت ترک بدعت و رسومات کی ایسی ہوا چلی تھی اور اس پورے علاقہ پر حضرت مولانا کی خدمات کا ایسا گہرا نقش قائم ہوا تھا کہ اب تک بھی اس کے کچھ اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔

حضرت مولانا مظفر حسین نے اپنی پوری زندگی سلسلہ ولی اللہی خصوصاً سید احمد شہید کے طریقہ پر خدمت دین اور احیائے سنت کی جد و جہد میں گذاری، اس علاقہ میں حضرت مولانا کی کوشش اور برکت سے بہت سی مردہ سنتیں زندہ ہوئیں خصوصاً نکاح بیوگان کا مولانا کی جد و جہد سے احیاء ہوا اور بھی متعدد سنتیں زندہ ہوئیں۔ مولانا کے کام کو مولانا مملوک العلی صاحب اور مولانا محمد قاسم نانوتوی

(۱) مولانا محمد حسین فقر کے رسالہ "منع حقہ" میں ہے:

لائے تھے مکہ سے تشریف ایک بار	میں ہوا حاضر تو دیکھا بے شمار
آئے حضرت کی زیارت کے لئے	اہل ایماں دور سے، نزدیک سے
کتنے شہزادہ بھی آئے دہلوی	اور تو سب کچھ مدارات ان کی تھی

رسالہ منع حقہ، منظوم ص ۱۰،۹ (مطبع رنگین، دہلی: ۱۳۲۲ھ)

وغیرہ نے آگے بڑھایا اور مولانا کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی کوشش فرماتے رہے۔

مولانا مظفر حسین کے کمالات و صفات خدمت دین، تقویٰ، اتباع سنت اخلاق و کردار کی بلندی مولانا کے دینی خدمت کے ثمرات و منافع اور مولانا کی صحبت سے مستفیض اصحاب اور مولانا کے قریبی لوگوں کی دینی خدمات کا یہاں تفصیلی تذکرہ ممکن نہیں، مگر اس کا کسی قدر تذکرہ ضروری ہے کہ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کا ہمارے اکثر بڑے علماء اور متعدد ممتاز تذکرہ نگاروں نے سلسلہ ولی اللہی کے نامور علماء میں شمار کیا ہے، نیز حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کی ہندوستان سے ہجرت کے بعد جن تین یا چار اصحاب کو خانوادہ ولی اللہی کی خدمت دین و کمالات کا نمائندہ اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کا جانشین کہا جاتا تھا، ان میں بھی مولانا مظفر حسین صاحب سرفہرست تھے۔

بالخصوص ولی اللہی فکر و عمل کا وہ دھارا جو دیوبند پہنچ کر دارالعلوم دیوبند کی صورت میں آبشار بنا اور بعد میں خود ایک مرکز علم و فکر اور سلسلہ ولی اللہی کا سب سے بڑا طاقت ور ترین نمائندہ اور مؤثر ترین، ہمہ جہت ادارہ قرار پایا، اس کے اساطین اور بانیوں کے دینی علمی فکری ممتاز رہنماؤں میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی کا نام نامی بہت ممتاز ہے۔

دیوبند کے اکابر علماء نے (جس میں مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ شامل ہیں) حضرت نانوتوی کی تربیت کرنے والوں میں مولانا مظفر حسین کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

مولانا محمد یعقوب صاحب نے حالات طیب مولانا محمد قاسم میں حضرت حاجی امداد اللہ کے تذکرہ سے پہلے حضرت مولانا مظفر حسین کا ذکر کیا ہے اور مولانا محمد قاسم صاحب پر مولانا مظفر حسین کے گہرے اثرات کا صاف اعتراف فرمایا ہے۔ شیخ الہند کی روایات میں بھی اس کا ذکر آیا ہے، اور حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی نے بھی کئی موقعوں پر اس کا اشارہ اور تذکرہ فرمایا ہے، لہٰذا اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ اکابرین علمائے دیوبند یعنی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، بلکہ حضرت حاجی امداد اللہ بھی

(رحمہم اللہ تعالی) حضرت مولانا مظفر حسین کو اپنے اکابر میں شمار کرتے تھے۔

حضرت حاجی امداد اللہ کے صرف ایک خط میں مولانا مظفر حسین کا ذکر ہے، اسی سے حاجی صاحب کی نظر میں مولانا کے مقام کا اندازہ ہو جاتا ہے حاجی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"وحال مولوی مظفر حسین صاحب قبلہ و مولوی شیخ محمد نیز بر نگارند" (۱)

مولوی مظفر حسین صاحب قبلہ اور مولوی شیخ محمد کا بھی حال لکھیں۔

حضرت حاجی صاحب کی تحریرات و مکتوبات میں جن بزرگوں کا ذکر آیا ہے، ان میں سے (غالباً) صرف دو شخصیتیں ایسی ہیں جن کے ساتھ قبلہ کا تعظیمی لاحقہ استعمال کیا ہے، ایک شاہ محمد اسحاق دوسرے مولانا مظفر حسین۔

حضرت مولانا محمد قاسم کو حضرت مولانا مظفر حسین سے جس قدر عقیدت و محبت تھی اور وہ حضرت مولانا کاندھلوی کے رنگ میں جس درجہ رنگ گئے تھے اس کا آئندہ صفحات میں ذکر آرہا ہے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی نگاہ میں حضرت مولانا مظفر حسین کا کیا مقام و مرتبہ تھا حضرت مولانا کے بعض گرامی ناموں سے اس کا اندازہ ہوتا ہے دوسرے سفر حج کے موقع پر اپنے ایک متوسل مرزا الٰہی بخش کو لکھا تھا:

"اور مولوی مظفر حسین کو سلام مسنون نہایت شوق سے عرض کیجیو اور دعاء خیریت خاتمہ چاہیو، دل میں شوق زیارت کا رہ گیا، زیادہ کیا عرض کروں" (۲)

یہاں ایک واقعہ کا اور ذکر کر دینا چاہئے

حضرت مولانا گنگوہی نے مکہ مکرمہ میں خواب میں دیکھا تھا کہ مولانا کے ہاتھ کی چار انگلیوں سے خون جاری ہے، دو سے بہت زیادہ، ایک سے کسی قدر کم، چوتھی سے بہت کم، حضرت مولانا گنگوہی نے اپنا یہ خواب حضرت مولانا مظفر حسین سے عرض کیا جو اس وقت مکہ معظمہ حاضر تھے،

(۱) مکتوب حضرت حاجی امداد اللہ بنام حضرت مولانا رشید احمد و مولانا محمد قاسم وغیرہ مرقومات امدادیہ، مکتوبات پانزدہم مرقومات امدادیہ ص ۳۶ (دہلی: ۱۳۹۹ھ)

(۲) حضرت مولانا گنگوہی کے اپنے قلم سے لکھا ہوا یہ خط منجملہ اور مکتوبات کے ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے اس ذخیرہ میں موجود حضرت مولانا گنگوہی کے خطوط میں سے آٹھ گرامی نامے اردو ترجمہ اور حواشی کے ساتھ راقم سطور نے تبرکات کے عنوان سے شائع کر دئے تھے۔ ملاحظہ ہو: تبرکات ص ۲۳ (کاندھلہ: ۱۹۷۶ء)

حضرت مولانا کاندھلوی نے اس کی یہ تعبیر دی کہ "تمہاری چاروں نسبتیں جاری ہوں گی، دو کا جریان بہت زیادہ ہوگا"

حضرت مولانا گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ "اس وقت سے اب تک منتظر ہوں، مولوی مظفر حسین صاحب زندہ ہوتے تو کہتا آپ ہی نے تعبیر فرمائی تھی، لیجئے اب کچھ کیجئے" (۱)

اور ایک موقع پر جب مولانا عبدالحئی حسنی رائے بریلوی کو علمائے دیوبند نے حضرت سید احمد شہید کے واقعات سنائے تھے تو ان پیشین گوئیوں کا بھی ذکر آیا تھا جو مولانا مظفر حسین کے واسطہ سے حضرت مولانا گنگوہی نے سنی تھیں، مگر ان میں سے آخری پیشین گوئی کے واقع ہونے میں شک تھا، یہ روایت مولانا عبدالحئی کی موجودگی میں معتبر سند سے نقل کی گئی تھی، جس میں حضرت مولانا مظفر حسین کا نام جس طرح ذکر کیا گیا ہے وہ اکابر علمائے دیوبند کی نگاہوں میں حضرت مولانا مظفر حسین کے مقام و مرتبہ کو عیاں کر رہا ہے، تحریر ہے:

"قالوا حدثنا الثقة الصدوق الحجه مولانا رشید احمد الگنگوهی،حدثنا الشیخ الزاهد، المتقی، الاورع، الحجه، مولانا مظفر حسین الکاندهلوی" (۲)

مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی نظر میں حضرت مولانا مظفر حسین کا جو مقام تھا وہ مولانا کی تالیف حالات مولانا محمد قاسم سے ظاہر ہے۔ عیاں را چہ بیاں!

حضرت مولانا تھانوی نے تو حضرت حاجی امداد اللہ کے متعلق حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کے اس قول کو کہ "حاجی صاحب کی شان اکابر سلف کی سی تھی" الخ حضرت حاجی صاحب کے متعلق بہت ہی بڑے پائے کی شہادت قرار دیا ہے (۳) اسی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضرت مولانا مظفر حسین کو حضرت مولانا تھانوی اور دوسرے حضرات کیا حیثیت دیتے تھے اور حضرت تھانوی جیسے محتاط حضرات کی رائے میں بھی حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی کا مرتبہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب سے کس درجہ بلند تھا۔

(۱) تذکرۃ الرشید، از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص ۲۰۶ جلد اول۔
(۲) دہلی اور اس کے اطراف، مولانا عبدالحئی حسنی ص ۱۱۷ (طبع اول، دہلی: ۱۹۵۸ء)
(۳) اشرف السوانح تالیف خواجہ عزیزالحسن مجذوب، ص ۱۶۴ ج ۱ طبع اول: (دہلی: ۱۳۵۴ھ)

اسکے علاوہ حضرت تھانوی کی اور بھی متعدد تصریحات ہیں، جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان سب حضرات کی نگاہوں میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کے بعد مولانا مظفر حسین صاحب ان سب کے بڑے بزرگ، مربی اور سرپرست تھے۔ یہاں یہ اطلاع بے محل نہ ہوگی کہ حضرت مولانا مظفر حسین کے اکثر معلوم واقعات حضرت مولانا تھانوی کے نقل و روایت سے معروف ہیں۔

نیز مولانا عبید اللہ سندھی نے کئی موقعوں پر علمائے دیوبند کے اکابر میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کا نام حضرت شاہ عبد الغنی اور حاجی امداد اللہ صاحب سے بھی پہلے لکھا ہے(۱) اور شیخ الہند مولانا محمود حسن کی کئی سندیں مولانا مظفر حسین کے حوالہ سے لکھی ہیں، ایک جگہ تحریر ہے:

"شیخ الهند عن حجة الاسلام مولانا محمد قاسم، عن قدوة الصالحین الشیخ مظفر حسین الکاندهلوی، عن بقیة السلف مولانا محمد یعقوب الدهلوی" (۲)

دوسرے موقعہ پر لکھتے ہیں:

"شیخ الهندعن حجة الاسلام، عن الشیخ مظفر حسین الکاندهلوی، عن بقیة السلف مولانا محمد یعقوب الدهلوی، عن جده لامه الامام عبد العزیز الدهلوی سراج الهند" (۳)

ایک اور جگہ تحریر ہے:

"شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم الدیوبندی ، عن شیخ مظفر حسین الکاندهلوی، عن الشیخ الداعی الرشید مولانا محمد یعقوب و مولانا محمد اسحاق، عن الامام عبد العزیز، عن الامام ولی الله الدهلوی" (۴)

---

(۱) مثلاً ملاحظہ ہو: التمہید لتعریف ائمۃ التجدید ص ۱۰۱

(۲) التمهید لتعریف ائمة التجدید۔ مولانا عبید اللہ سندھی تحقیق مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ص ۳۔ (جام شورود: ۱۳۹۶ھ

(۳) التمہید ص ۵۔ (۴) التمہید لتعریف ائمۃ التجدید ص ۱۶۰ (جام شورو: ۱۳۹۶ھ)

یہ تفصیل اس لئے پیش کی گئی تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ آئندہ جو کچھ عرض کیا جا رہا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کو اب تک ایسا واضح اور نمایاں کر کے نہیں لکھا گیا جیسا کہ لکھا جانا چاہئے تھا۔

مولانا محمد قاسم کے سیرت و کردار پر حضرت مولانا مظفر حسین کے گہرے اثرات

حضرت مولانا محمد قاسم، حضرت مولانا مظفر حسین سے ابتدائی زمانہ طالب علمی سے (جب مولانا محمد قاسم کی عمر بارہ تیرہ سال کی ہو گی) واقف تھے، کیوں کہ حضرت مولانا مملوک العلی کے حضرت مولانا مظفر حسین اور ان کے گھرانہ سے قدیم گہرے ارادت مندانہ اور دوستانہ محبانہ تعلقات تھے۔

مولانا مملوک العلی مولانا مظفر حسین کے بڑے چچا، حضرت مفتی الٰہی بخش کے شاگرد تھے (۲) اور مفتی صاحب کے صاحبزادے مولانا ابوالحسن سے بھی قدیم روابط رکھتے تھے مولانا مملوک العلی کا مولانا مظفر حسین اور مولانا ابوالحسن سے یہ معاملہ طے تھا کہ مولانا مملوک العلی جب بھی نانوتہ سے دہلی جائیں گے یا دہلی سے نانوتہ جایا کریں گے تو کاندھلہ ٹھہر کر جائیں گے، اور یہ دونوں صاحبان جب دلی جاتے تو مولانا مملوک العلی کے مکان پر اترتے تھے، اس نسبت و قربت کی وجہ سے مولانا محمد قاسم مولانا مظفر حسین سے نو عمری میں واقف ہو گئے تھے اور اسی وقت سے مولانا کی عقیدت مولانا محمد قاسم کے دل میں پیوست تھی۔ مولانا محمد یعقوب نے مولانا مظفر حسین سے مولانا محمد قاسم کی ارادت و نیاز مندی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مولانا محمد قاسم کو:

> "جناب مولوی مظفر حسین صاحب کی خدمت میں اس زمانے سے نیاز تھا جب کہ مولوی صاحب دہلی تشریف لاتے تو والد مرحوم کے پاس ہمارے مکان میں فروکش ہوتے اور والد مرحوم صاحب جب وطن جاتے، کاندھلہ ہو کر جاتے، جب وطن سے ہٹتے کاندھلہ ٹھہر کر دہلی روانہ ہوتے" (۲)

(۱) تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو، راقم سطور کی تالیف: تذکرہ مولانا مملوک العلی نانوتوی۔
(۲) حالات طیب، مولانا محمد قاسم ص ۱۲ (طبع اول، بہاول پور: ۱۲۹۷ھ)

بعد میں یہ عقیدت و تعلق بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ مولانا محمد قاسم اخلاص فنائیت اور بے نفسی میں مولانا مظفر حسین کے رنگ میں بالکل رنگ گئے، ویسے ہی سادگی، وہی معمولی لباس، وہی معمولی نیلی لنگی، وہی تواضع و مسکنت کا انداز، وہی دین کی خدمت کی لگن اور وہی اخلاص و درد مندی مولانا محمد قاسم صاحب کا بھی حال و مزاج بن گئی تھی جو مولانا مظفر حسین کی کیفیت اور ذوق و مزاج تھا۔

نیز حضرت مولانا محمد قاسم کو مولانا مظفر حسین صاحب کے فیض و صحبت اور حسن و تربیت سے جو ایک بہت بڑی دولت و نعمت حاصل ہوئی، وہ اتباع سنت کا گہرا رچا ہوا ذوق اور پیروی رسول ﷺ کا والہانہ بے نہایت جذبہ تھا، جس کے سامنے ہر کیفیت ہیچ اور بڑی سے بڑی دولت حقیر و بے وقعت ہے۔حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کے ذوق اتباع سنت کا مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "جناب مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی اس آخری زمانہ میں قدماء کے نمونہ تھے، تقویٰ اللہ اکبر ایسا تھا اور اس سے وہ نسبت پیدا تھی کہ مشتبہ چیز اگر معدہ میں پہنچ گئی تو اسی وقت قے ہو جاتی تھی اور اتباع سنت نہ ایسا دیکھا اور نہ ایسا سنا، سبحان اللہ! بیواؤں کے نکاح کی بناء ان اطراف میں اول ان سے ہوئی اور والد مرحوم نے اس کو نہایت خوبصورتی سے اجراء فرمایا"(۱)

مولانا محمد قاسم نے حضرت مولانا مظفر حسین سے منجملہ اور کمالات کے اتباع سنت بطور خاص حاصل کیا، یہاں تک کہ جو لوگ مولانا محمد قاسم سے ابتداء زمانہ طالب علمی سے واقف تھے وہ مولانا نانوتوی کی حضرت مولانا مظفر حسین سے عقیدت و محبت کو بھی جانتے تھے کہتے تھے کہ یہ مولانا مظفر حسین کے رنگ میں رنگ گئے ہیں۔ سرسید احمد بھی ان لوگوں میں تھے جنہوں نے مولانا محمد قاسم نانوتوی کو مولانا مملوک العلی کی خدمت میں طالب علمی کے زمانہ سے دیکھا ہے۔ سرسید احمد کی شہادت ہے کہ مولانا مظفر حسین کی صحبت نے مولانا محمد قاسم کو اتباع سنت پر بہت

(۱) حالات مولانا محمد قاسم ص ۱۲

زیادہ راغب کر دیا تھا۔

سر سید احمد نے مولانا محمد قاسم کی وفات پر جو تعزیتی مضمون اپنے اخبار انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں لکھا تھا، اس میں یہ فقرہ موجود ہے کہ:

"ان کو جناب مولانا مظفر حسین کاندھلوی کی صحبت نے اتباع سنت پر بہت راغب کر دیا تھا" (۱)

یہ فقرہ دریا بکوزہ اور بجائے خود ایک دفتر معانی ہے جس کی شرح میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، اور مولانا محمد قاسم کی زندگی پر مولانا مظفر حسین کی زندگی کے گہرے اثرات اور مولانا مظفر حسین کے سیرت و کردار سے مولانا محمد قاسم کی زندگی اور سیرت و کردار کی تفصیلی مطابقت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

یہ قدرتی اور طبعی بات ہے کہ جس شخص کو اتباع سنت کا جس درجہ کا ذوق ہوگا، اس کو اس کی قدر احیائے سنت کی لگن ہوگی، اور جس قدر احیائے سنت کی لگن ہوگی بدعت کے مٹانے اور اس کے خلاف جد و جہد کا جذبہ اس سے کہیں طاقت ور ہوگا، یہ وہ قدر مشترک ہے جو تمام مصلحین و مجددین اور لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة کی دعوت دینے والوں میں مجموعی طور سے پائی جاتی ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اتباع سنت کا صحیح ذوق ہو اور بدعات سے نفرت نہ ہو، سنت کی لگن ہو اور مردہ سنتوں کے زندہ کرنے کی جد و جہد نہ ہو، یہی تمام صفات و کیفیات حضرت مولانا مظفر حسین میں بھی بدرجہ کمال پائی جاتی تھیں اور اب جب کہ ان کی وفات کو تقریباً ایک سو چالیس سال ہو رہے ہیں اور ان کے دیکھنے والوں کو بھی دنیا سے گذرے ہوئے ستر بہتر سال ہو رہے ہیں، لیکن اس علاقے کے دیہات میں قریبی دور تک اللہ کے ان نیک بندوں کے وارث اور ایسے لوگ موجود تھے جن کے نورانی چہرے، سادگی، اخلاص، دین کی طلب اور اتباع سنت کا شوق دور سے بتا دیتا تھا کہ انہوں نے کسی بڑے صاحب کمال کو دیکھا ہے، یا ان کے بڑوں نے کسی ایسے شخص کی صحبت اٹھائی ہے، مگر افسوس ہے کہ اب ایسے مبارک

(۱) انسٹی ٹیوٹ گزٹ سر سید احمد۔ شمارہ ۱۵ / اپریل ۱۸۸۰ء یہ مضمون کئی جگہ نقل ہوا ہے، راقم سطور نے اصل شمارہ بھی دیکھا ہے اور یہ تحریر "سر سید کی تعزیتی تحریریں" مرتب اصغر عباس ص ۱۶ (علی گڑھ: ۱۹۸۹ء) میں بھی شامل ہے۔

افراد بھی کم سے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ بہر حال ان کمالات میں بھی حضرت مولانا مظفر حسین فرد فرید تھے۔ مولانا نے احیائے سنت کے لئے مختلف پہلوؤں سے مختلف میدانوں میں بھرپور اور طاقت ور جد و جہد فرمائی تھی، جس کا مولانا محمد یعقوب نے یوں ذکر فرمایا ہے:

"ایک یہ کیا ہزاروں دین کی باتیں ایسی ہی کیں" (۱)

مولانا محمد قاسم کی احیائے سنت کی تحریک مولانا مظفر حسین کا اثر

اسی زمانہ سے مولانا محمد قاسم نے بھی حضرت مولانا کی اس کوشش اور جد و جہد کی پوری پوری پیروی فرمائی اور ہمیشہ احیاء سنت اور بدعات کے خلاف جد و جہد میں سرگرم رہے، خود بیواؤں سے نکاح کیا، اپنے خاندانوں کی بیواؤں کے نکاح کرائے، اس کا اثر علاقہ میں پھیلا اور دور تک اس کے اثرات پہنچے۔ مولانا مظفر حسین کی اس خدمت کو مولانا مملوک العلی اور حضرت مولانا محمد قاسم نے بھی اپنایا اور اپنے علاقے اور خاندانوں میں اس کے لئے تحریک چلائی اور بفضلہ تعالیٰ یہ حضرات بھی اس میں بدرجہ کمال کامیاب رہے، مولانا محمد یعقوب نے اس تاریخی حقیقت اور مولانا مظفر حسین کی خدمات اور تربیت کے اثرات کا اس طرح اظہار فرمایا ہے:

"بیواؤں کے نکاح کی بنا ان اطراف میں اول ان (مولانا مظفر حسین) سے ہوئی اور والد مرحوم (مولانا مملوک العلی) نے اس کو نہایت خوبصورتی سے اجراء فرمایا اور ان دونوں بزرگوں کے قدم قدم حضرت مولانا (محمد قاسم) نے اس کو پورا شائع کیا" (۲)

مولانا محمد قاسم کے مواعظ اور تقریروں کی معنویت اور ان کی تاثیر مولانا مظفر حسین کی برکت ہے

مولانا محمد قاسم پر مولانا مظفر حسین کی منجملہ عنایت و اثرات کے ایک بڑی عنایت اور اثر یہ بھی ہے کہ مولانا محمد قاسم نے وعظ و تقریر کا سلسلہ حضرت مولانا کے تقاضہ اور اصرار سے شروع کیا تھا۔ مولانا محمد قاسم وعظ نہیں کہتے تھے، ایک مرتبہ مولانا مظفر حسین نے اصرار کر کے وعظ کہلوایا اور خود بھی بیٹھ کر سنا، وعظ کو پسند فرمایا اور دعاؤں سے نوازا چنانچہ مولانا

(۱، ۲) حالات طیب مولانا محمد قاسم ص ۱۲ (طبع اول، بہاول پور: ۱۳۹۷ھ)

محمد یعقوب نے صراحت فرمائی ہے کہ:

"مولانا محمد قاسم وعظ بھی نہ کہتے تھے جناب مولوی مظفر حسین صاحب مرحوم کاندھلہ نے اول وعظ کہلوایا اور خود بھی بیٹھ کر سنا اور بہت خوش ہوئے" (۱)

اسی بات کو مولانا عبید اللہ سندھی نے اس طرح لکھا ہے:

"هو (الشيخ مظفر حسين) الذى اجلس شيخ الاسلام على منبر الوعظ" (۲)

اور یہ (مولانا مظفر حسین) وہ شخص ہیں جنھوں نے شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم کو وعظ کے منبر پر بٹھایا۔

ہمارے یہاں خاندانی روایت یہ ہے کہ مولانا محمد قاسم کا یہ پہلا وعظ مولانا مظفر حسین کے مکان پر (محلہ مولویان) کاندھلہ میں ہوا تھا۔ مولانا گیلانی کا بھی یہی خیال ہے کہ:

"بہ ظاہر کاندھلہ ہی میں شاید یہ وعظ ہوا ہو" (۳)

اور بلاشبہ یہ مولانا محمد قاسم پر اور ان کے حوالہ سے ملت اسلامیہ پر مولانا مظفر حسین کا یہ ایک بہت بڑا احسان ہے جس کو دینی علمی دنیا کبھی فراموش نہیں کرسکتی اور مذکورہ اطلاعات کی روشنی میں اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ حضرت مولانا نانوتوی کے علوم و فیوض کا جو دریا جاری ہوا اس میں حضرت مولانا مظفر حسین کی توجہ دعا اور رہنمائی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اگر حضرت مولانا مظفر حسین مولانا محمد قاسم کو ادھر متوجہ نہ فرماتے اور وعظ و تقریر کے لئے آمادہ نہ کرتے، تو نہ جانے اس دریا کا دھانہ کھلتا یا نہ کھلتا اور علم لدنی کی یہ دولت عام ہوتی یا نہ ہوتی، اور وہی علوم کا یہ سرمایہ جو مولانا کی تقریروں اور مواعظ میں محفوظ ہوگیا ہے وجود میں آتا یا نہ آتا۔ خلاصۂ کلام یہ سب مولانا مظفر حسین کی توجہ اور برکت معلوم ہوتی ہے، مولانا گیلانی کے الفاظ میں:

---

(۱) حالات طیب مولانا محمد قاسم ص ۱۱۔ ۱۲ (بھاول پور: ۱۲۹۷ھ)

(۲) التمہید لتعریف ائمۃ التجدید ص ۱۴۸ (جام شورو: ۱۳۹۶ھ) نیز ملاحظہ ہو: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ مولانا عبید اللہ سندھی ص ۲۵۲ (طبع دوم، لاہور: ۱۹۴۵ء)

(۳) سوانح قاسمی، مولانا گیلانی ص ۳۹۷ ج ۱ (دیوبند: ۱۳۷۳ھ)

"خدا جزاء خیر دے مولانا مظفر حسین کو کہ لاہوتی علوم کے ایک بحر رواں کا دہانہ گویا ان ہی کی توجہ و برکت سے دنیا کے لئے کھل گیا" (۱)

یہ حضرت مولانا محمد قاسم کی زندگی پر حضرت مولانا مظفر حسین کی تربیت واثرات کا اجمالی تذکرہ تھا جب مولانا مظفر حسین اور مولانا محمد قاسم کی مزید حالات نئے مآخذ نئے گوشے دریافت ہوں گے تو امید ہے کہ حضرت مولانا مظفر حسین کے فیض صحبت سے مولانا محمد قاسم کی تربیت و ترقی کی معلومات میں بھی وسیع اضافہ ہوگا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مولانا (عبید اللہ سندھی) نے مثال کے طور پر ایک دفعہ فرمایا کہ مدرسہ دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم صاحب حکیم تھے اور مولانا رشید احمد گنگوہی فقیہ۔ نہ اول الذکر فقہ کی اہمیت کے منکر تھے اور نہ مولانا گنگوہی حکمت کے مخالف، لیکن آخر الذکر بزرگ جانتے تھے کہ زندگی کے تسلسل کے لیے فقہی نظام کی اشد ضرورت ہے، اس لیے وہ اس پر زور دیتے تھے" اس کے بعد مولانا سندھی کے حوالہ سے سرور صاحب نے یہ بھی کہا ہے:

مولانا کے خیال میں بعد میں آنے والے حکمت اور فقہ کا یہ تلازم بھول گئے

مولانا عبید اللہ سندھی۔ حالات زندگی تعلیمات اور سیاسی افکار
مرتب پروفیسر سرور۔ لاہور ۱۹۴۳ء

---

(۱) سوانح قاسمی ص ۳۹۸ ج ا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا تصحیح کیا ہوا
اور
منشی ممتاز علی، مطبع مجتبائی، میرٹھ کا شائع کیا ہوا
ایک بے نظیر اور یادگار قرآن شریف
(تعارف)

نور الحسن راشد کاندھلوی

ہندوستان کے پرانے اور قابل ذکر مطابع میں سے ایک اہم مطبع اور خصوصاً سلسلہ ولی اللہی کے علماء نیز حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی وغیرہ رحمہم اللہ سے بہت قریبی اور گہرے تعلقات رکھنے والے نامور خطاط، منشی ممتاز علی میرٹھی کا مطبع مجتبائی تھا، جو میرٹھ میں قائم ہوا تھا، آخر میں دہلی منتقل ہوگیا تھا۔ اس مطبع نے اور متعدد اہم خدمات کے علاوہ الگ الگ قسم کے علیحدہ ترجموں اور حاشیوں کے ساتھ کئی قرآن شریف اور حمائل شائع کئے ہیں، منشی جی کا شائع کیا ہوا ایک قرآن شریف ۱۲۸۵ھ کا ہے یہ قرآن شریف چار سو اٹھاسی صفحات پر مشتمل ہے۔ آخری صفحہ (۴۸۸) پر مولانا محمد حسین فقیر بنتی دہلوی کی اکتیس اشعار پر مشتمل فارسی میں ایک نظم ہے جس میں منشی ممتاز علی (یا مطبع مجتبائی میرٹھ) نے اس وقت تک جو قرآن شریف شائع کئے تھے ان سب کا مختصر مختصر ذکر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

اس بے حیثیت کمزور بیمار شخص نے اللہ کے فضل وکرم سے بہت تھوڑے وقت میں کئی قرآن شریف شائع کرنے کی سعادت حاصل کی، سب سے پہلے قرآن شریف تفسیر جلالین کے ساتھ تھا

جس کا اس کے بین السطور میں ترجمہ لکھا ہوا تھا، دوسرا قرآن شریف حنائی رنگ میں شائع کیا، جو حنائی رنگ میں شائع سب سے پہلا قرآن شریف تھا، اس سے پہلے کسی نے اس قسم کا قرآن شریف نہیں چھاپا تھا۔ اس کے بعد دو قرآن شریف ترجمہ کے ساتھ شائع کئے، پھر دو اور قرآن شریف حواشی کے ساتھ چھاپے، جن میں سے ایک کے حاشیہ پر تفسیر ابن عباس اور دوسرے کے حاشیہ پر تفسیر حسینی تھی، پھر یہ قرآن شریف شائع کیا جا رہا ہے جو خط ثلث میں ہے جن اشعار کا یہ خلاصہ ہے وہ نو اشعار درج ذیل ہیں:

للہ الحمد زمانی قلیل	زیں فروماندۂ و نحیف و علیل
رحمت ذوالجلال والاکرام	کارہائے عظیم کرد انجام
یعنی ایں امر اشرف از من شد	انطباع مصاحف از من شد
اولاً مصحف جلالین است	معنی ہندیش بجا بین است
ثانیش مصحف حنائی ہیں	سابق ما کسے نبو دریں
پس او باد و ترجمہ مطبوع	شد چوں قرآں شد از ہمہ مطبوع
پس دو مصحف تو باحواشی میں	ثبت عباسی و حسینی ہیں
ہر یکے ہمچو نگ بو دارد	دل ہر کس ہوائے او دارد
ایں مثلث کہ طبع شد اکنوں	شد بانواع لطف ہا مقرون"

لیکن منشی ممتاز علی کے شائع کئے ہوئے یہی چند قرآن شریف نہیں تھے جن کا مولانا محمد حسین فقیر کے اشعار میں تذکرہ گزرا، بلکہ منشی جی اس کے علاوہ اور بھی کئی عمدہ قرآن شریف، کئی طرح کی حمائل شریف اور متعدد اردو ترجمے بھی اسی اہتمام اور شان سے شائع کئے تھے جس میں سے ایک نہایت اہم اور تاریخی یادگار وہ قرآن شریف ہے جس کی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے تصحیح کی تھی۔

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے آخری سفر حج (۱۲۹۵ھ) تک اپنی زندگی کا

اکثر حصہ مطابع معمولی ملازمت اور ان مطابع سے چھپنے والی اعلیٰ علمی کتابوں کی تصحیح اور نگرانی میں گذارا، جن مطابع میں حضرت مولانا نے تصحیح کتب کی خدمت انجام فرمائی، (اس وقت تک دریافت معلومات کے مطابق) وہ تین مطابع تھے:

۱۔ مطبع احمدی دہلی۔ مملوکہ مولانا احمد علی سہارنپوری ۲۔ مطبع مجتبائی میرٹھ و دہلی۔ مملوکہ منشی ممتاز علی۔ ۳۔ مطبع ہاشمی، میرٹھ۔

اگرچہ حضرت مولانا کا مطبع ضیائی میرٹھ سے بھی بہت تعلق تھا اور اس مطبع نے حضرت مولانا کی تالیفات بھی شائع کی ہیں لیکن مطبع ضیائی سے وابستگی اور ملازمت کا کوئی ثبوت راقم سطور کو نہیں ملا۔ ان مطابع میں حضرت مولانا نے کن کن کتابوں کی تصحیح پر توجہ فرمائی اور حضرت مولانا کی تصحیح کے بعد جو کتابیں چھپیں ان کا تفصیلی تذکرہ دستیاب نہیں لیکن تلاش اور محنت کی جائے تو امید ہے کہ انشاء اللہ وہ سب کتابیں مل جائیں گی، جن کی تصحیح حضرت مولانا کی رہین منت ہے۔ ان کتابوں کی تلاش و دریافت سے ایک تو حضرت مولانا کی علم و کمال اور دقت نظر کے بہت سے نمونے اور پہلو سامنے آئیں گے، دوسرے امید ہے بلکہ یقین یہ ہے کہ وہ سب متون اور کتابیں جن کی مولانا نے تصحیح و تحقیق فرمائی ہو گی، ان کتابوں کے اعلیٰ اور معتبر ترین نسخوں میں شامل کئے جانے کی مستحق بلکہ صحیح ترین نسخوں میں سرفہرست ہوں گی، اس طرح بیک کرشمہ دو کار ہو جائیں گے یہ اگرچہ ایک بڑا اور محنت طلب کام ہے، مگر اہل علم و ذوق کے ذوق جستجو اور ولولوں کے سامنے بڑی سے بڑی دشواری نے سپر ڈالی ہے اور طویل سے طویل منزل آسان ہوگئی ہے اس لئے امید ہے کہ دیر سویر یہ منزل بھی طے اور آسان ہو گی۔

بہرحال یہاں تصحیح متن کے سلسلہ میں حضرت مولانا کی سب سے بڑی اور یقیناً سب سے مبارک و بابرکت خدمت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا نے مطبع مجتبائی سے وابستگی کے زمانہ میں ایک قرآن شریف کی تصحیح کا کارنامہ انجام دیا تھا، اس خدمت اور کارنامہ کا اجمالاً کہیں کہیں ذکر آتا ہے اور غالباً اس کا مفصل تعارف و تذکرہ کبھی نہیں کیا گیا (کم از کم راقم سطور کے علم و نظر میں نہیں ہے) یہ قرآن شریف منشی ممتاز علی

صاحب نے بہت اہتمام سے شائع کیا تھا اور اس کی کتابت خود منشی ممتاز علی صاحب نے کی تھی جو خوشنویسی میں بہادر شاہ ظفر اور ...... کے شاگرد تھے۔ کتابت کی تصحیح اور نظر ثانی کے لئے حضرت مولانا سے گذارش کی گئی ہو گی، حضرت مولانا نے پوری دقت نظر اور جاں سوزی سے اس کی تصحیح فرمائی، یہ مبارک و جان فروز نسخہ پہلی بار مطبع مجتبائی میرٹھ سے ۱۲۸۱ھ میں شائع ہوا تھا اور چھپتے ہی ہاتھوں ہی ہاتھ لیا گیا، اس کے تمام نسخے بہت جلد نکل گئے تھے، مجھے یہ پہلی طباعت نہیں ملی، مگر پہلی طباعت کے بعد جلد ہی اس کو دوبارہ شائع کرنے کی ضرورت ہوئی اور اسی تفصیل و اہتمام کے ساتھ یہ قرآن شریف دوبارہ اسی آب و تاب کے ساتھ شائع کیا گیا۔

منشی ممتاز علی نے قرآن پاک کے اس نسخہ کی کتابت اور صحت کے لئے منشی عبد الرحمٰن خاں (یا مطبع نظامی) اور حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے شائع کئے ہوئے قرآن پاک سامنے رکھے اور ان ہی کو اپنا مآخذ اور نمونہ بنایا ہے، یہ دونوں قرآن شریف اس زمانہ ہی میں نہیں، بلکہ برصغیر ہند پاکستان میں جس قدر بھی قرآن شریف چھپے ہیں ان سب کی صحت اور رموز اوقاف کا اہتمام انہی دونوں طباعتوں کا فیضان اور عطیہ ہے، مطبع مصطفائی و مطبع نظامی کانپور اور مطبع احمدی دہلی کے شائع کئے ہوئے قرآن شریف برصغیر کی قرآن شریف کی اشاعت کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حاجی مصطفیٰ خاں اور منشی عبد الرحمٰن خاں نے اپنے مطبع مصطفائی اور نظامی سے جو قرآن شریف شائع کئے تھے سب سے پہلے ان میں رموز واوقاف اور رسم مصحف کا اہتمام کیا گیا تھا اور ہر صفحہ پر تفسیر بحر العلوم (۱) سے رسم قرآنی کے امتیازات اور وجوہ قرأت کا مختصر مگر بہت جامع خلاصہ

(۱) تفسیر بحر العلوم فارسی میں علامہ غلام مصطفیٰ، بحر العلوم تھامینسری کی نہایت وقیع اور بلند پایہ تصنیف ہے۔ یہ تفسیر بڑے سائز کے چھ ضخیم جلدوں میں ہے، آج تک شائع نہیں ہوئی اور اس کے مکمل قلمی نسخے بھی بہت کم ہیں، مگر ایک نسخہ جس پر مصنف علامہ بحر العلوم کے دستخط ہیں کتب خانہ مظاہر علوم سہارنپور میں موجود ہے۔

علامہ بحر العلوم، مولانا نواب قطب الدین دہلوی کے اجداد میں تھے اور ان کا کتب خانہ اور تصانیف کے قلمی نسخے بزرگوں سے منتقل ہوئے، مولانا نواب قطب الدین صاحب کو ملے اور نواب صاحب نے اپنے ہجرت سے پہلے اپنے کتب خانہ کا اہم اور قیمتی حصہ جس میں علامہ بحر العلوم کی تصانیف اور خصوصاً تفسیر بحر العلوم کا نسخہ مصنف بھی شامل تھا، مولانا محمد اسماعیل جھنجھانوی ثم کاندھلوی (والد ماجد مولانا محمد یحییٰ اور مولانا محمد الیاس) کو عنایت فرمادیا تھا، جیسا کہ تفسیر بحر العلوم کے مذکور نسخے اور علامہ بحر العلوم کی ان کتابوں پر لکھا ہوا ہے جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے کتب خانہ مظاہر علوم کو دے تھے۔ آخر میں یہ اطلاع بھی مفید ہو گی کہ راقم سطور کا خیال ہے کہ مولانا اسماعیل صاحب کی پہلی زوجہ (والدہ مولانا محمد میاں) نواب قطب الدین کی صاحبزادی تھیں۔

درج کیا گیا تھا، یہی خلاصہ مولانا احمد علی صاحب نے اپنے مطبع احمدی سے شائع کئے ہوئے بے نظیر قرآن شریف کے حاشیہ پر بھی درج کیا تھا اور مذکورہ دونوں نسخوں کی تقلید کرتے ہوئے منشی ممتاز علی صاحب نے بھی اس قرآن شریف پر اس کا اہتمام کیا جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی تصحیح سے شائع ہوا تھا۔

منشی ممتاز علی کے شائع کئے ہوئے اس قرآن شریف کے محاسن اور خصوصیات دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں ان میں سے کئی ایک کا ذکر مجھ کم سواد کے بس کا نہیں، تاہم اس کا رسم خط اور پاکیزہ کتابت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ خطاطی پر علمی تاریخی نظر رکھنے والے دیدہ ور اہل فن کا خیال ہے کہ اس نسخہ میں خطاطی کے تمام کمالات جمع ہو گئے ہیں اور ہندوستان میں جو قرآن مجید شائع ہوئے ہیں ان میں سے اس پائے کی بے نظیر کتابت کے نمونے بہت کم ہیں۔ اس قرآن شریف کی کتابت کے اس پہلو پر تو کتابت کے محاسن پر نگاہ رکھنے والے ہی لکھ سکتے ہیں، لیکن اس نسخہ کا جو اور ظاہری تعارف ہے، وہ آئندہ سطور میں پیش ہے۔

یہ قرآن شریف ۸۔ ۱۲ انچ ۲۰/۳۰ سینٹی میٹر ناپ کے کل چھ سو چار صفحات پر مشتمل ہے، ص ۶۰۲ کے آغاز پر سورہ الناس ہے، اس کے بعد کے تقریباً پونے تین صفحات میں ختم قرآن شریف کی ماثور دعاء، عمل حفظ قرآن مجید، ص ۶۰۳ کے تقریباً آغاز سے ص ۶۰۴ تک ایک سے زائد صفحہ پر منشی ممتاز علی مالک مطبع مجتبائی سے منسوب خاتمۃ الطبع ہے۔

منسوب اس لئے کہتا ہوں کہ منشی صاحب کی انشاء پردازی کا کوئی اور ایسا نمونہ میری نظر سے نہیں گذرا، منشی جی کی شائع کی ہوئی اور کتابوں پر منشی جی کے قلم سے جو فارسی عبارتیں یا کلمات لکھے ہوئے ہیں وہ ایسے مرصع اور دل کش فارسی میں نہیں اس لئے ممکن ہے کہ یہ عبارت اور اختتامیہ جو منشی ممتاز علی سے منسوب ہے حضرت مولانا محمد قاسم یا مولانا محمد یعقوب نانوتوی کا لکھا ہوا ہو۔؟

ص ۶۰۲ کے حواشی پر مفصل التماس ہے جس میں ناشر نے لکھا ہے کہ اس قرآن شریف کے ص ۴۵ سے ص ۱۰۵ تک کے حواشی پر جو کچھ لکھا ہے وہ حاجی عبد الرحمان خان صاحب (مطبع مصطفائی و نظامی، کانپور) کے شائع کئے ہوئے قرآن شریف کی نقل ہے اور ان صفحات سے پہلے

اور بعد میں جو کچھ ہے وہ اس قرآن شریف سے لیا گیا ہے جو حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے شائع کیا تھا۔ منشی جی کے اصل الفاظ درج ذیل ہیں:

"بر ناظرین اہل بصیرت و غیرت مخفی نماند کہ از صفحہ ۴۵ مصحف مجید تا صفحہ ۱۰۵ بوقت نقل منقول عنہ قرآن شریف مطبوعہ عبد الرحمٰن خاں صاحب ماندہ است و نقل سابق و لاحق تا اختتامش از فرقان حمید مطبوع جناب مولوی حافظ احمد علی صاحب مدظلہ بودہ" (حاشیہ ص ۶۰۳)

اس کے بعد لکھا ہے کہ "ہم نے اکثر سورتوں کے حاشیہ پر اس سورت کے رکوع، آیت، کلمات اور ان کے حروف کی تعداد لکھدی ہے، مگر چند جگہ لکھنے سے رہ گئی، وہ یہاں ضمیمہ کے طور پر درج کی جاتی ہے۔

ص ۴، ۵، ۶ پر منشی ممتاز علی صاحب کا جو لکھا ہوا خاتمۃ الطبع ہے اس میں بھی مرتب نے اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ قرآن شریف مندرجات اور صحت میں حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور حاجی عبد الرحمان خاں کے قرآن شریف کی نقل ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ یہ قرآن شریف غلطیوں اور فروگذاشت سے محفوظ ہے یا صحت اور حسن کتابت میں بے بدل ہے، بلکہ میری گذارش صرف اس قدر ہے کہ میں اپنی ہمت اور کوشش کو پوری طرح عمل میں لایا ہوں اور اس کے بہتر سے بہتر کرنے میں انتہائی درجہ کی کوشش کی ہے اس کے باوجود بھی اگر تصحیح میں کوئی خامی رہ گئی ہو تو پڑھنے والوں سے اصلاح کی توقع رکھتا ہوں اور اپنے عیوب کے چھپانے کی بھی امید رکھتا ہوں کیوں کہ میں سراپا عیب ہوں۔

اس کے بعد عربی کے پر تاثیر چند شعر لکھے ہیں اور سب مسلمانوں سے حسن خاتمہ کی دعاء کی درخواست کی ہے اور پھر چند شعر فارسی کے درج ہیں اسی پر یہ خاتمہ اختتام پذیر ہوا اصل خاتمہ کی چند سطور اور آخری اشعار ملاحظہ ہوں:

"ہمہ از نتائج اقتداء جناب مولوی حافظ احمد علی مدظلہ العالی و مصحف مطبوع خان رفیع المکان محمد عبد الرحمان سلمہ المنان بدانید، واگر جائے غلط ملاحظہ کنید آں ہمہ از خطاہائے ایں معترف قصور بے نہایت و مخطی بلا اصابت، بفہمید، نمی گویم کہ ایں

خالی از خلل است و در صحت و حسن کتابت بے بدل، بل عرض من ہمیں است کہ بقدر وسعت و استطاعت جد و جہد از قوۃ بفعل آوردم و مساعی بلیغ بکار بردم باوصف ایں ہمہ اگر خللے در تصحیح باشد از ناظرین رجائے اصلاح و سدان دارم وعیب پوشی خود را کہ سراپا عیم امیدوارم، فان الانسان یخطی ویصیب من ذا الذی لایخطی ویصیب:

سعیت الی ان الحدبا لجهد کله — ولکن ما سعی وجهدی و طاقتی
فان کان فیہ ما سر نظاره — فمن محض فضل الله لا من حذاقتی
و ان کان من عیب ولست اقول لا — یکون قمتی و الجحود حماقتی
فلا ننس یا نظاره ان شفا صدو — رکم من دعاء الخیر فعل الصداقة
ولا تفضحونا ان وجدتم خطاء نا — فکیف وقد اتعبت فی الجهد ناقتی

از معاشر خلان مسلمین و اخوان مومنین در حق خویش ما جملہ معاونین خود دعائے حسن خاتمہ و قبول مساعی آرزو دارم و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین و آله وصحبه اجمعین

الٰہی عاصیم استغفر اللہ — ولے فریادرس الحمد للہ
ندارم ہیچ گو نہ توشۂ راہ — بجز لاتقنطوا من رحمۃ اللہ
بکن تو سعی ازیں ممتاز، مشکور — طفیلِ احمدِ مُرسَل من اللہ"

اس کے بعد قطعات تاریخ ہیں پہلا قطعہ تاریخ بلکہ فقرہ تاریخ مولانا محمد حسین فقیر بنتی کا ہے جو عربی میں ہے پھر ان ہی کا ایک قطعہ تاریخ فارسی میں ہے یہ بھی دو اشعار پر مشتمل ہے آخر میں حضرت مولانا محمد قاسم کے لکھے ہوئے قطعات تاریخ اور فقرات تاریخ ہیں یہ چار علیحدہ علیحدہ قطعات تاریخ ہیں جس میں سے پہلے میں پانچ شعر ہیں دوسرے میں چار ہیں تیسرے میں دو ہیں اور چوتھے میں بھی دو ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا کے کہے ہوئے تین فقرات

تاریخ اَور ہیں جو سب یہاں نقل کئے جا رہے ہیں۔

قطعہ تاریخ از مولانا محمد حسین فقیر بتی دہلوی

بماندار مطبع کہ در روے بلطف حق الطباع باید　　کلام پاکش بحسن خوبی زہے مترجم زہے معرا
بفکر سالش فقیر مسکین چو سر فرو برد گفت ہاتف　　زمدح و توصیف ما مبرا زہے مترجم زہے معرا

قطعہ تاریخ از نتائج طبع مصحح مطبع مولوی محمد قاسم نانوتوی متخلص بقاسم مدظلہ

چھپا جو بار دگر مجتبائی مطبع میں　　قرآن ایسا کہ جس ڈھب بنے اڑالے تو
کہا میں طبع سے یوں بعد ختم چھپنے سے　　کہ ایک کام ہے میرا، اگر نہ ٹالے تو
نکالے تو جو سن ختم طبع دوم بھی اب　　تو اپنا ماننے والا مجھے بنالے تو
کہا کہ ہے نئی تاریخ ختم مصحف پاک　　ہزار و دو صد و ہشتاد و یک دکھالے تو
مگر یہ شرط ہے دو تین بار دل کو لگا　　فراغ میں نگہ غور سے نکالے تو

قطعہ دوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

چھپا قرآن یہ ایسا کہ جس کا　　بنا ہر صفحہ مجمع اہل جس کا
کہا قاسم نے کہ جب دیکھا کہ سب لوگ　　یہ پوچھیں ہیں کہ یہ لکھا ہے کس کا
جمال خط ممتاز علی ہے　　ہوا مرغوب دلہا نام اس کا
ولے حرف عداوۃ دل سے کب جائے　　جہالت اور جی ہمسر ہو جس کا

فقرہ تاریخ از حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

نقل پاک لوح محفوظ

۸۱　　۱۲ھ

قطعہ سوم از حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

طبع گردید آنچناں قرآں　　کہ بجاں ہم بود بسے ارزاں
گفت کس کہ دید در حق او　　قرۃ العین شاہدانِ جہاں

فقرات تاریخ (از حضرت مولانا محمد قاسم)

کلام حبیب فی لوح محفوظ　　　کله لا نظیر له

۸۱　۱۲ھ　　　۸۱　۱۲ھ

عجائب فاقرأو ما تیسر منه

۸۱　۱۲ھ

قطعہ چہارم از حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

طبع شد مصحفے کہ گردوں را　　　دیدن ..... او نکشتہ نصیب

گفت ہر کس کہ دید صورۃ او　　　بے بہا بے بہا عجیب غریب

اس کے بعد ایک شعر مولوی منظور احمد دیوبندی کا ہے مگر وہ ہمارے نسخہ میں دیمک نے چاٹ لیا ہے اور اسی پر یہ مبارک تاریخی نسخہ مکمل ہو گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
کی
حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کے
مرتبہ حاشیہ صحیح بخاری شریف میں شرکت

نیز حضرت مولانا نانوتوی کے لکھے ہوئے حاشیہ کی مقدار، اس کا زمانۂ تالیف، اسکے اخراجات اور پہلی طباعت کے ایک نسخہ اور اس کے بعد کی چند اہم ترین اشاعتوں کا تعارف

نورالحسن راشد کاندھلوی

یوں تو ہندوستان میں حدیث شریف کی ہمہ جہت خدمات انجام دی گئی ہیں اور غالباً خدمت حدیث کا کوئی پہلو ایسا نہیں کہ جس پر حضرات علمائے ہند نے پوری توجہ نہ فرمائی ہو اور اس میں اپنا خاص حصہ محفوظ نہ کر لیا ہو اور ان خدمات میں سے ایک خدمت جو بہت نمایاں ہے اور جس میں عالم اسلام اور پوری علمی دنیا نے علمائے ہند کی تقلید کی ہے وہ حدیث شریف کی بنیادی کتابوں کی باریک بینی سے اعلیٰ ترین علمی معیار پر تصحیح ہے، جس نے پوری دنیا کے اہل علم و اہل نظر سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ ان حضرات کے پیش رو محدث جلیل، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری تھے۔ حضرت مولانا نے اپنی غیر معمولی بصیرت، علمی نظر اور ژرف نگاہی سے اس خدمت کا آغاز فرما کر خود ہی اس کو ایسی بلندیوں تک پہنچا دیا تھا کہ اس کی تقلید اور پیروی ممتاز اہل علم کے لئے بھی آسان نہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب نے تن تنہا جو کام کیا ہے اور حدیث شریف کی جو بڑی اور نہایت

گراں مایہ خدمت انجام دی ہے وہ اپنی دینی علمی قدر و قیمت کے علاوہ مقدار و تعداد کے لحاظ سے بھی اس قدر وسیع ہے کہ ہر ایک اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

حضرت مولانا نے حدیث کی کتابوں کی اشاعت کا جو بڑا منصوبہ بنایا تھا اس کی ابتدا سنن ترمذی سے ہوئی تھی، اس کے بعد مشکوٰۃ المصابیح، پھر صحیح بخاری اور مسلم شریف مع نووی اور حدیث وتفسیر کی دسیوں دوسری کتابیں تحقیق وتصحیح کے بعد اس قدر اہتمام اور اس اعلیٰ معیار پر شائع کیں کہ پچھلے ڈیڑھ سو برس میں بے پناہ مشینی ترقی اور بے شمار وسائل کے اضافہ کے باوجود کاغذ اور طباعت کی معمولی بہتری کے علاوہ حضرت مولانا کے قائم کئے ہوئے علمی معیار پر کوئی بڑا اضافہ نہیں ہو سکا۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب نے حدیث شریف کی جو کتابیں شائع کیں ان میں بخاری شریف کی تصحیح، حاشیہ اور طباعت حضرت مولانا کی حدیث کی خدمات شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے اور معیار کی ضمانت وسند ہے۔

حضرت مولانا حدیث شریف کا کتابوں کی تصحیح واشاعت کا کام، بہت جامع ہمہ جہت خدمت ہوتی ہے جس میں پرانے اور معتبر صحیح نسخوں سے حرف بحرف مقابلے کے بعد صحیح ترین متن کی تیاری، جامع اور منتخب حواشی کی ترتیب اور تمام علمی ضرورتوں اور معیارات کا اہتمام اور پھر بذات خود اپنے نگرانی بلکہ اپنے پریس میں اس کی شایانِ شان طباعت حضرت مولانا کی وہ منفرد خصوصیت اور امتیاز ہے کہ جس میں حضرت مولانا کے عہد سے آج تک کوئی عالم یا محدث (اس کوتاہ علم کی معلومات میں) ایسے نہیں ہیں کہ جنہوں نے یہ نہایت دشوار گذار منزل اور طویل سفر تن تنہا طے کرنے کا ارادہ کیا ہو اور اپنے طے کردہ سخت ضابطوں کی روشنی میں نہایت سرخ روئی کے ساتھ منزل سے ہم کنار ہوئے ہوں۔

چوں کہ یہ کام بہت بڑا، نہایت نازک اور دینی علمی دیانت اور ذمہ داری کا تھا، اس لئے حضرت مولانا بعض موقعوں پر اپنے اہل علم دوستوں اور جید شاگردوں کو بھی اس سلسلہ کی کوئی خدمت سپرد فرمادیا کرتے تھے۔ ترمذی شریف کے حواشی اور متن کی تصحیح میں مولانا مملوک العلی کا تعاون لیا، مسلم شریف جس کے ساتھ شرح نووی بھی تھی، اس کی تصحیح اور مقابلے میں حضرت شاہ محمد اسحاق کے شاگرد

مولانا عبد الرزاق بانپتی اور مولانا محمد حسین فقیر (خلف مولوی محمد اسماعیل) بنتی دہلوی کو معاونت ور فاقت کی عزت بخشی (۱) اور بخاری شریف کے متن و حواشی کی تصحیح اور مقابلے کی خدمت میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کو حضرت مولانا کے تعاون ور فاقت کی سعادت و عزت نصیب ہوئی۔

بخاری شریف کے تصحیح و اشاعت کے سلسلہ کی ایک بڑی خدمت بخاری شریف کے آخری پاروں کے حاشیوں کی تکمیل و ترتیب بھی تھی۔

حضرت مولانا احمد علی بخاری شریف کی تصحیح و حواشی کی ترتیب اور طباعت کی خدمت میں تقریباً ۱۲۶۰ھ سے مشغول تھے، ۱۲۶۴ھ میں اس اہم نسخہ کی طباعت بھی شروع ہوگئی تھی جو چھ سال کی جدوجہد کے بعد ۱۲۷۰ میں مکمل ہوئی۔ حاشیہ لکھنے اور تصحیح کا بنیادی کام حضرت مولانا احمد علی سرانجام فرمارہے تھے اور چوں کہ حضرت مولانا نے بخاری شریف کے ساتھ اور بھی کئی کتابوں کی درستگی اور حاشیے لکھنے کا کام شروع کر رکھا تھا اور ادھر بخاری شریف کی طباعت کے مکمل کرنے کا تقاضہ ہوگا، غالباً اسی لئے مولانا نے یہ فیصلہ فرمایا ہوگا کہ بخاری شریف کے آخری سپاروں کے جو حاشیے لکھنے باقی ہیں ان کا کام کسی اور جید عالم کے سپرد کردیا جائے، تاکہ حواشی اور طباعت کا کام جلد مکمل ہو جائے۔ مگر یہ خدمت کس سے لی جائے اور کون ایسا فاضل ہے جو اس حق کو مناسب طور پر ادا کرسکتا ہے یہ فیصلہ خاصا مشکل تھا۔

ظاہر ہے کہ حضرت مولانا جانتے تھے کہ یہ کام ہر ایک کے کرنے کا نہیں ہے، بہت سے ممتاز علماء اور اہل درس اصحاب بھی اس خدمت کو سرانجام نہیں فرماسکتے، اس کے لئے کس سے کہا جائے، کون اس ہفتخواں کو طے کرسکے گا یقیناً حضرت مولانا نے اس نازک مرحلہ پر ہفتوں بلکہ مہینوں غور فرمایا ہوگا اور عجب نہیں کہ دسیوں اور بیسیوں لوگوں کے نام پیش نظر ہوں اور یہ سب وہی علماء ہوں گے جو گہری نظر اور علمی رسوخ کے علاوہ حدیث شریف میں بھی خاص امتیاز اور مہارت رکھتے ہوں گے۔ حضرت مولانا نے علماء کی اس جماعت پر مختلف حیثیتوں سے بار بار نظر ڈالی ہوگی، جانچا پرکھا ہوگا، بالآخر حضرت مولانا کی گہری عالمانہ نظر نے اس فرد کامل کو چھانٹ لیا جو اگرچہ

(۱) یہ تمام اشاعتیں اور نسخے راقم سطور نے دیکھے ہیں، ان کا مفصل تعارف حضرت مولانا احمد علی کی خدمات حدیث شریف میں انشاء اللہ تعالیٰ شائع کیا جائے گا۔ (نور)

ظاہری وجاہت اور (۶۸۔۱۲۶۹ھ) اس وقت تک کوئی بڑی عوامی علمی شہرت نہیں رکھتا تھا، لیکن بخاری شریف کی تفہیم اور حواشی لکھنے کے لئے جس دینی علمی بصیرت، تعلق مع اللہ، اخلاص، تقویٰ، دین و شریعت کی حرف بحرف پاسداری اور قدم بقدم تعمیل و مطابقت اور اعلیٰ درجہ کے اتباع سنت کی ضرورت تھی اس میں فرد فرید تھا اور ان کمالات کے علاوہ حدیث شریف پر بھی ایسی وسیع نظر رکھتا تھا کہ اس اہم خدمت کو بہتر سے بہتر طریقے پر انجام دے سکے۔ یہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی ذات گرامی تھی۔

اگرچہ اس وقت مولانا نانوتوی نوعمر تھے، (۶۹۔۱۲۶۸ھ) مولانا نانوتوی کی عمر بیس اکیس سال تھی (ولادت ۱۲۴۸ھ) مگر اس کام کے لئے جن دینی علمی شرعی کمالات کی ضرورت تھی، وہ مولانا میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا احمد علی نے بخاری شریف کے آخری پاروں کے حاشیہ کی تکمیل کا کام مولانا محمد قاسم کے سپرد فرمایا۔ جو لوگ مولانا احمد علی صاحب کی علمی شان، دقت نظر اور حدیث شریف کے غیر معمولی شغف سے واقف تھے ان کو اس انتخاب پر حیرت ہونی چاہئے تھی اور ہوئی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے مولانا محمد قاسم کے تکملہ حاشیہ بخاری شریف کے ذکر میں لکھا ہے:

> "اس زمانہ میں بعض لوگوں نے کہ مولوی صاحب کے کمال سے آگاہ نہ تھے جناب مولوی احمد علی صاحب کو بطور اعتراض کہا تھا کہ آپ نے یہ کیا کام کیا کہ آخر کتاب کو ایک نئے آدمی کے سپرد کر دیا" (۱)

اور ساتھ ہی مولانا احمد علی صاحب کا جواب بھی نقل کیا ہے، حضرت مولانا نے اس اعتراض کے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ:

> "میں ایسا نادان نہیں ہوں کہ بدون سمجھے بوجھے ایسا کروں اور پھر مولوی صاحب کا تحشیہ ان کو دکھلایا جب لوگوں نے جانا (۲)

مولانا نسیم احمد صاحب فریدی نے مولانا عبدالرحمان صدیقی امروہوی کے حوالہ سے نقل کیا

(۱) حالات طیب مولانا محمد قاسم ص ۹۹ طبع اول، بھاول پور: ۱۲۹۷ھ) (۲) کتاب مذکور ص ۱۰

ہے کہ اس موقع پر، جب لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ حواشی بخاری کی تکمیل کا اس قدر اہم کام ایک نوعمر لڑکے کے سپرد کر دیا اس وقت حضرت مولانا احمد علی نے فرمایا تھا کہ:

"تم لوگ بخاری کے جتنے مشکل مقامات ہوں ان پر نشان لگالو پھران سے (مولانا نانوتوی سے) دریافت کرلو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، پھران مقامات کا حاشیہ منگواکر دکھایا تو مولانا نانوتوی نے جو جو احتمالات پیدا کر کے ان کے جوابات دئے تھے، وہ احتمالات اور شبہات ان حضرت کے احتمالات سے بھی زیادہ تھے۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ مولانا کے تبحر علمی کو مان گئے" (۱)

بہر حال مولانا نانوتوی نے حضرت مولانا احمد علی کے ارشاد کی تکمیل میں بخاری شریف کے آخری پاروں کے حاشیوں کی تکمیل کی اور اس خدمت کو اختتام تک پہنچایا۔ فجزاهم الله تعالیٰ عنا و عن الاسلام و المسلمین خیر الجزاء و احسن الجزاء.

حضرت مولانا نانوتوی کا لکھا ہوا حاشیہ کتنے پاروں کا ہے؟ حضرت مولانا نانوتوی نے حضرت مولانا احمد علی کے حاشیہ کا جو تکملہ اور خدمت سرانجام فرمائی ہے وہ کس قدر ہے؟ یہ سوال توجہ طلب ہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مولانا محمد قاسم کا پانچ یا چھ سپارے کا حاشیہ ہے مولانا محمد یعقوب صاحب نے بھی یہی لکھا ہے:

"تحشیہ اور تصحیح بخاری شریف کے پانچ چھ سپارے آخر کے باقی تھے، مولوی صاحب کے سپرد کیا" (۲)

مولانا محمد یعقوب صاحب کے ان الفاظ کی وجہ سے یہ مشہور ہوگیا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے بخاری شریف کے پانچ یا چھ سپاروں کا حاشیہ لکھا تھا، مگر مولانا یعقوب صاحب نے جو لکھا ہے وہ مولانا کا مشاہدہ یا تحقیق نہیں۔ مولانا یعقوب صاحب اس زمانہ میں اجمیر میں ملازم تھے، مولانا یعقوب صاحب کی مولانا سے ۱۲۶۸ھ کے آخر سے تقریباً پانچ سال تک

(۱) ماہنامہ دارالعلوم دیوبند رمضان ۱۳۷۱، مولانا عبدالرحمٰن صدیقی امروہوی از مولانا نسیم احمد فریدی ص ۳۳۔

(۲) حالات مولانا محمد قاسم ص۹ (طبع اول بھاولپور: ۱۲۹۷ھ)

ملاقات نہیں ہوئی، اس لئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے اس زمانے کے جو واقعات اور حالات مولانا یعقوب صاحب نے لکھے ہیں، ان کے لئے مولانا یعقوب صاحب نے خود صراحت فرمادی ہے کہ:

"اس وقت کی اکثر حکایات سنی سنائی عرض کرتا ہوں، کیوں کہ پانچ برس تلک پھر ملاقات مولوی صاحب سے نہیں ہوئی۔"(۱)

اور انہیں سنی سنائی روایات میں غالباً حاشیہ بخاری کے پانچ چھ سپاروں کی بات بھی ہے، لہٰذا اس کے متعلق مزید معلومات اور غور و فکر کی ضرورت ہے۔

بعض لوگوں نے مولانا کے لکھے ہوئے حاشیہ کی مقدار ساڑھے چار سپارے لکھی ہے، مگر یہ خیال بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا نے بخاری شریف پر جو حاشیہ لکھا ہے بظاہر وہ صرف تین پاروں کا ہے۔ **کتاب المحاربین** سے آخر کتاب تک، اسی باب سے اٹھائیسویں پارہ کا بھی آغاز ہوتا ہے، لہٰذا صاف صاف تین پارے ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا نانوتوی نے صرف تین پاروں کا حاشیہ لکھا ہے: یہ جو عرض کیا گیا ہے کہ حضرت مولانا کا لکھا ہوا حاشیہ اٹھائیسویں پارے کی ابتدا، **کتاب المحاربین** سے آخر کتاب تک ہے۔ یہ حضرت الاستاذ، حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری مدظلہم و دامت برکاتہم، شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور کی رائے گرامی ہے۔(۲)

حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ کتاب المحاربین سے حاشیہ نگاری کا طرز اور اسلوب تحریر بہت بدل گیا ہے، کتاب المحاربین سے پہلے کے حاشیے اور محاربین سے آخر تک کے حواشی علیحدہ علیحدہ

---

(۱) حالات مولانا محمد قاسم ص ۱۰۔

(۲) یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ حضرت مولانا مدظلہم حدیث شریف میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے جانشین ہیں اور حضرت شیخ کی زندگی سے مظاہر علوم میں بخاری شریف اور صحیح مسلم پڑھا رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس مضمون کے قارئین میں چند اصحاب ایسے بھی ہوں جو حضرت مولانا کی علو شان اور خاص طور سے حدیث شریف میں غیر معمولی بلکہ فخر اقران مہارت و کمال سے واقف و متعارف نہ ہوں، اس لئے عرض کیا جاتا ہے کہ حضرت مولانا مدظلہم ہندوستان بلکہ بیرون ملک کے بہت سے ملکوں کے بڑے علماء و اساتذہ کے استاذ علماء کے مرجع اور روایت و درایت حدیث میں سند ہیں اور متواتر بتیس سال سے بخاری شریف پڑھا رہے ہیں۔ **بارك الله فی حیاته و نفعنا بعلومه و برکاته**

شخصیات نے لکھے ہیں، حضرت مولانا نے حواشی کے اور پہلوؤں کا بھی تجزیہ کیا ہے، ایک مجلس میں دونوں کے فرق کو نمایاں کرتے ہوئے فرمایا کہ آخر کے پاروں کے حواشی پہلے حواشی سے وجوہات ذیل سے مختلف معلوم ہوتے ہیں:

الف: حضرت مولانا احمد علی کے حواشی ایجاز و اختصار میں ممتاز ہیں، حضرت مولانا احمد علی حل کتاب کی پوری کوشش فرماتے ہیں اور بخاری شریف کے شروح و حواشی اور دوسری کتابوں سے جو اقتباسات نقل فرماتے ہیں تو ان کے بہت ہی ضروری اور منتخب حصے نقل فرماتے ہیں، جن کتابوں کی عبارت نقل کرتے ہیں وہ بہت مختصر ہوتی ہیں، حضرت مولانا کتابوں کے طویل اقتباسات نقل نہیں کرتے بلکہ متعلقہ پوری عبارت اور اقتباس کا جوہر اور عطر کھینچ لیتے ہیں۔

ب: حضرت مولانا حواشی کے مباحث میں تکرار پسند نہیں فرماتے، جس چیز پر کہیں شروع میں بحث آچکی ہے اس کا عموماً اعادہ نہیں کریں گے، اگر ضرورت ہوگی تو اس کا حوالہ دیں گے کہ فلاں جگہ یہ بات گذر گئی ہے۔

ج: حضرت مولانا کا ایک مآخذ عثمانی بھی ہے، اگرچہ معلوم نہیں کہ یہ کیا کتاب(۱) ہے اس کے مصنف کون تھے، مگر حضرت مولانا احمد علی اس کا جگہ جگہ بار بار حوالہ دیتے ہیں۔

اور کتاب المحاربین سے جو حواشی ہیں ان کا پچھلے حصہ کے حاشیوں سے کئی طرح کا فرق محسوس ہوتا ہے۔

۱۔ حواشی میں تفصیل و تطویل بہت ہے، فتح الباری اور دیگر شروحات کی طویل طویل عبارتیں نقل کی گئی ہیں، جو حضرت مولانا احمد علی کا بالکل مزاج نہیں۔

۲۔ حواشی میں ایسی کئی بحثیں مفصلاً آئی ہیں جو پہلے حواشی میں گذر چکی ہیں اور جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا، مولانا احمد علی ایک بحث کو تفصیلاً دو جگہ نہیں لکھتے۔

---

(۱) بخاری شریف کی شروحات کا تذکرہ فرمانے والے قدیم علماء سے عصر حاضر کے نامور محققین و مؤلفین (بروکلمان و فواد سزگین) تک کسی نے بھی عثمانی کے مصنف کی صراحت نہیں کی، مگر عثمانی کے حوالہ سے یہ افادات و حواشی بخاری شریف کے قدیم و معتمد قلمی نسخوں پر درج ہیں۔ بخاری شریف کے ایسے کئی نسخے راقم سطور نے دیکھے ہیں جن کے حاشیوں پر عثمانی کے افادات درج ہیں جس میں دو نسخے قابل ذکر ہیں ایک نسخہ جو ۸۷۰ھ کا لکھا ہوا ہے اور دوسرا ۱۱۲۰ھ کا۔ (نور)

۳۔ فقہائے متاخرین مثلاً شیخ ابن ہمام وغیرہ سے کئی موقعوں پر استفادہ ہے، جو حضرت مولانا احمد علی کا بہت کم معمول ہے۔

۴۔ خود ان پاروں کے حواشی کے مندرجات میں بھی کئی موقعوں پر تکرار ہے۔

۵۔ ان حواشی میں عثانی کا کہیں ذکر نہیں آیا جو مولانا احمد علی صاحب کا ایک مستقل مآخذ ہے۔

۶۔ دونوں کا اسلوب تحریر (زبان) بھی مختلف سے نام صاف بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

مذکورہ وجوہات نیز بعض اور قرائن سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا احمد علی کے حاشیہ کا جو تکملہ مولانا محمد قاسم صاحب نے لکھا ہے وہ تین پاروں کا ہے، حواشی کے مطالعہ اور تجزیہ سے ساڑھے پانچ یا ساڑھے چار پاروں کی بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔

مولانا نانوتوی کے بخاری شریف کے حواشی کا سنہ تصنیف اور مقام تحریر

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے بخاری شریف کا حاشیہ کب لکھا تھا اس کی صراحت نہیں ملی۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدمت غالباً ۱۲۶۹ھ کے پہلے چھ مہینوں میں دہلی میں انجام دی گئی ہے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ ۱۲۷۰ھ میں بخاری شریف کے اس نسخہ کی طباعت مکمل ہو گئی تھی اور مولانا محمد یعقوب صاحب جو ۱۲۶۸ھ کے آخر میں دلی سے اجمیر گئے تھے، ان کی تحریر سے جھلک رہا ہے کہ مولانا یعقوب صاحب کے دلی سے روانگی کے وقت تک مولانا محمد قاسم صاحب نے یہ حواشی لکھنے کا کام شروع نہیں کیا تھا، بلکہ شاید اس کا ذکر بھی نہیں آیا تھا اور ۱۲۷۰ھ میں کتاب چھپ کر آگئی تھی جس پر مولانا محمد قاسم کا لکھا ہوا حاشیہ بھی چھپا ہوا تھا، ظاہر ہے کہ یہ حاشیے لکھنے میں بھی کم سے کم دو ڈھائی مہینے خرچ ہوئے ہوں گے، کئی کئی مرتبہ مقابلہ اور تصحیح ہوئی ہوگی اور طباعت کا مرحلہ بھی آسان نہیں تھا، اس زمانہ کے مطابع میں ایک دن میں دو چار ورق بمشکل چھپتے تھے اور ظاہر ہے کہ ان کے پروف کی تصحیح اور نظر ثانی کا کام بھی خاصا دشوار اور طویل مرحلہ تھا، جو چار چھ مہینے میں پورا ہوا ہوگا، اس لئے یہی خیال ہوتا ہے کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے بخاری شریف کے حاشیہ کی تالیف کا کام ۱۲۶۹ھ میں شروع کیا ہوگا۔

حضرت مولانا نانوتوی کے حاشیہ لکھنے کا کام بلاشک و شبہ دہلی میں ہوا ہے، اس وقت حضرت مولانا احمد علی کا قیام اور مطبع احمدی دہلی میں تھا اس لئے مولانا نسیم احمد فریدی کی مولانا عبد الرحمٰن امروہوی کے حوالہ سے نقل یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ:

"مولانا نانوتوی نے یہ کام میرٹھ میں کیا تھا، وہیں مطبع احمدی تھا اور وہیں مولانا احمد علی قیام فرماتھے" (۱)

میرٹھ میں مولانا احمد علی کبھی نہیں رہے، تاہم وہاں ۱۲۸۲ھ میں مولانا کے مطبع نے جو ذیل میں ۱۸۵۷ء (۱۲۷۳ھ) میں برباد ہو گیا تھا، دوبارہ کام شروع کیا تھا، مگر اس وقت تک حضرت مولانا کی تصحیح و حاشیہ والی بخاری شریف پانچ چھ مرتبہ شائع ہو چکی تھی۔

بخاری شریف کے اس نسخہ کی تصحیح میں مولانا محمد یعقوب کی شرکت

بخاری شریف کے اس نسخہ کی تصحیح و اشاعت کے حوالہ سے ایک گوشہ اور توجہ طلب معلوم ہوتا ہے، مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے اس کا تو ذکر فرمایا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بخاری شریف کے حواشی کی خدمت میں شریک رہے، لیکن اس کا ذکر نہیں کیا کہ بخاری شریف کی تصحیح کی خدمت میں وہ خود بھی حضرت مولانا احمد علی صاحب کے معاون اور مددگار تھے، لیکن حضرت مولانا احمد علی صاحب نے اپنی یادداشت میں مولانا محمد یعقوب کو بخاری شریف کے متن کی تصحیح کی خدمت میں اپنا مددگار لکھا ہے۔ حضرت مولانا نے اپنی بیاض میں بخاری شریف کے دو نسخوں کا، جو تصحیح کرنے والوں کے لئے مختص کئے گئے تھے اس طرح ذکر کیا ہے:

"بابت تصحیح دو نسخہ، حافظ احمد علی یک، محمد یعقوب یک" (۲)

جس سے ضمناً یہ خیال ہوتا ہے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کا بھی اس کارنامہ کی تکمیل و تصحیح اور مقابلے میں خاصا حصہ رہا ہے اور چوں کہ حضرت مولانا کے معاصرین یا نیاز مندوں میں محمد یعقوب نامی کسی اور شخص کا تذکرہ راقم سطور کو نہیں ملا، اس لئے قرین قیاس ہے کہ یہ مصحح مولانا محمد یعقوب

(۱) مستفاد از مضمون مولانا فریدی بر "حضرت مولانا عبد الرحمان صاحب امروہوی"
ماہ نامہ دارالعلوم۔ دیوبند: رمضان ۱۳۷۱ھ ص ۳۳

(۲) بیاض حضرت مولانا احمد علی محدث، قلمی (مملوکہ راقم سطور)

نانوتوی ہوں، مگر اس میں سوال یہ ہوتا ہے کہ مولانا یعقوب تو ۱۲۶۸ھ کے اواخر میں دہلی سے چلے گئے تھے، اس لئے مولانا کی اس خدمت میں شمولیت چہ معنی؟ بہرحال یہ پہلو غور طلب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب کی بیاض میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کا کسی بھی حیثیت سے نام اور ذکر نہیں آیا، جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اس وقت مولانا محمد قاسم صاحب حضرت مولانا احمد علی کے مطبع احمدی میں ملازم تھے اور یہ خدمت بحیثیت ملازم مطبع انجام دے رہے تھے، شاید اسی لئے مولانا احمد علی صاحب نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

اس وقت مولانا محمد قاسم صاحب کی تنخواہ آٹھ یا دس روپئے مہینہ تھی، مولانا عبد الرحمان امروہوی (تلمیذ حضرت مولانا نانوتویؒ) نے ایک مرتبہ فرمایا:

"مولانا نے دہلی کے مطبع مجتبائی اور میرٹھ کے مطبع ہاشمی میں تصحیح کا کام کیا ہے دس روپے سے زائد تنخواہ نہیں لیتے تھے، دو آدمیوں کے لئے جو ساتھ ہوتے تھے (غالباً طالب علم ہوتے ہوں گے) کھانے کی بھی شرط کر لیتے تھے" (۱)

ایک مرتبہ جب مولانا محمد قاسم صاحب گھر جانے لگے تو حضرت مولانا احمد علی صاحب نے مولانا کو مقررہ تنخواہ کے علاوہ پانچ روپئے مزید عنایت کئے، مولانا نے یہ فاضل رقم قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ واقعہ مولانا تجمل حسین دیسنوی بہاری کے حوالہ سے مولانا اصغر حسین بہاری (پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ) نے نقل کیا ہے، مولانا تجمل حسین کہتے تھے:

"ایک مرتبہ جب آپ مکان تشریف لے جانے لگے تو محدث سہارنپوری نے مشاہرہ کے علاوہ پانچ روپے مزید عطیہ پیش کر کے فرمایا کہ بال بچوں کے لئے یہ رقم بھی لیتے جاؤ، آپ نے مزید عطیہ قبول کرنے سے انکار فرمادیا۔ محدث سہارنپوری نے ارشاد فرمایا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کو بلا مانگے ملنے سے لینے میں انکار نہ تھا، پھر تم کیوں انکار کرتے ہو؟

جواب میں عرض کیا کہ بہت ممکن ہے کہ دوسری مرتبہ گھر جانے لگوں تو نفس میں سوال پیدا ہو کہ اس بار بھی تنخواہ کے سوا مزید روپیہ عنایت ہوگا، پس اس

(۱) ماہنامہ دار العلوم دیوبند، رمضان ۱۳۷۱ھ ص ۳۳ مضمون بر، مولانا عبد الرحمان صدیقی امروہوی از مولانا نسیم احمد فریدی

وقت عطیہ کا قبول کرنا سوال نفسی میں مبتلا ہو جانے کا باعث ہوگا اور حضرات صحابہ کے پاک نفوس ایسے نہ تھے کہ سوال نفسی میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو"(۱)

حضرت مولانا احمد علی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کی مرتبہ بخاری شریف کی پہلی طباعت کا تعارف

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے (حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب سے) مکہ مکرمہ میں حدیث شریف پڑھنے کے بعد (تقریباً ۱۲۶۱ھ میں) ہندوستان آتے ہی بخاری شریف کی تصحیح اور حاشیہ لکھنے کا کام شروع کر دیا تھا اور یہ کام غالباً آدھا ہوا ہوگا کہ مولانا نے اس کی طباعت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا، ترتیب حواشی اور طباعت دونوں کام آہستہ آہستہ ساتھ ساتھ چلتے رہے اور چھ سال کی جاں گداز محنت کے بعد ۱۲۷۰ میں بخاری شریف کے اس بابرکت، اہم ترین اور تاریخ ساز نسخہ کی طباعت مکمل ہوئی، جو ہندوستان کی اشاعت حدیث کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت مولانا احمد علی کے مرتب و تصحیح کیے ہوئے اس قیمتی نسخہ کی (سرسید احمد کے بڑے بھائی) سید عبد الغفور دہلوی کے مطبع سید الاخبار دہلی میں ۱۸؍جمادی الآخر ۱۲۶۴ھ (۲۲؍مئی ۱۸۴۸ء) کو پہلی طباعت شروع ہوئی تھی، اس طباعت کے ٹائٹل پر سید عبد الغفور کے یہ الفاظ اور صراحت درج ہے کہ:

"قد اهتم العبد الضعيف النحيف راجياً الى رحمة الله الودود الشكور، السيد عبد الغفور بطبع هذا الكتاب المستطاب الذي هو اصح الكتاب بعد كتاب الله الصمد البارى، المشهور بصحيح البخارى، في مطبع سيد الاخبار الواقع فى الدهلى.

وقع الشروع فيه لاثنى عشرة ليلة بقيت من جمادى الآخر، سنة اربعين وستين بعد مائتين والف، من هجرة خير الانام، عليه

(۱) مضمون حضرت قاسم و حضرت رشید (رحمہما اللہ) کی زندگی کے بعض گوشے۔ ماہنامہ دار العلوم ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ ص ۵۰۷ (صفحہ نمبر اسی طرح ہے)

افضل الصلوة والسلام.

اللهم کما وفقنا بافتتاحه امنن علینا باختتامه آمین. وماتوفیقی الا باللہ علیه توکلت والیه انیب"

مگر مطبع سید الاخبار میں طباعت کی رفتار بہت سُست تھی ذی الحجہ ۱۲۶۴ھ (نومبر ۱۸۴۸ء) تک چھ مہینوں میں صرف ایک سو چوراسی (۱۸۴) صفحات یا پانچ پاروں کی طباعت مکمل ہوئی تھی کہ حضرت مولانا احمد علی نے اس نسخہ کی طباعت روک کر سنن ترمذی کی اشاعت کا کام شروع فرمادیا تھا، مولانا مملوک العلی نے ایک خط میں اس کی صراحت فرمائی ہے، لکھاہے کہ:

"ترمذی انشاء اللہ تین مہینے میں یا کچھ زیادہ میں تمام ہوگی، دو ورق روز چھپتے ہیں اور چھپنا بخاری شریف کا ابھی ملتوی ہے، بعد تمامی اس کتاب کے شروع ہوگا" (۱)

مولانا عبد الرحمان امروہوی کی اطلاع ہے کہ بخاری شریف طبع اول کے چند صفحات کی کتابت خود حضرت مولانا نانوتوی نے فرمائی تھی۔

اس واقعہ کے تقریباً ایک سال کے بعد جب حضرت مولانا کا اپنا مطبع، احمدی دہلی میں کام شروع کرچکا تھا اس وقت بخاری شریف کے اس نسخہ کی طباعت کا دوبارہ آغاز ہوا۔ چھٹے پارہ (یاص ۱۸۵) سے مطبع احمدی میں بخاری شریف کی طباعت شروع ہوئی، پہلی اشاعت میں اس صفحہ کی پیشانی پر یہ الفاظ چھپے ہوئے ہیں:

"وقد اهتم بطبعه من هذا المقام، احقر الانام ظفر علی، فی المطبع الاحمدی ۱۲۶۶ھ الواقع فی الدهلی"

اس اشاعت کی پہلی جلد ص ۵۶۲ پر مکمل ہوئی، وہاں لکھا ہوا ہے:

تم النصف الاول بفضل اللہ عزوجل، فی السابع والعشرین

---

(۱) ایک نادر مجموعہ مکاتیب (مجموعہ مکتوبات علماء واعیانِ ہند بنام اسپرنگر) مرتبہ محمد اکرام چغتائی، (مکتوبات مولانا مملوک العلی) مکتوب ۲ ص ۵۹ (کراچی: ۱۹۸۵ء)

من شهر رجب سنة سبع وستين، بعد الالف والمأتين، من هجرة النبى صلى الله عليه وسلم.

ويتلوه النصف الثانى من كتاب المغازى انشاء الله تعالىٰ، وهو المستعان وعليه التكلان. وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله محمد وآله واصحابه اجمعين.

جلد دوم کی ابتداء کتاب المغازی سے ہوئی ہے، جلد اول کے اختتام پر دو صفحہ کا غلط نامہ بھی شامل ہے۔ اس نسخہ کی طباعت محرم ۱۲۷۰ھ کو مکمل ہوئی۔

اس مبارک اور بابرکت اشاعت کا اک یادگار نسخہ راقم سطور کے سامنے ہے جس میں محدث جلیل، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب مجددی نے اپنے تین شاگردوں مولانا محمد عیسیٰ مولانا حافظ عبدالرحمان (خلف حضرت مولانا احمد علی محدث) اور مولانا رعایت الحق صاحب سہارنپوری کو بخاری شریف پڑھائی ہے اور شعبان ۱۲۷۱ھ میں اجازت حدیث سے نوازا ہے، حضرت شاہ صاحب کے قلم سے تینوں حضرات کے لئے مشترک اجازت نامہ اسی نسخہ پر تحریر ہے۔ یہ مکمل اجازت نامہ غیر معروف اور غیر مطبوعہ ہے، اس لئے تبرک کے طور پر یہاں نقل کیا جاتا ہے، حضرت شاہ عبدالغنی نے تحریر فرمایا ہے:

الحمد لله ذى الانعام والصلوة والسلام على رسوله البدر التمام وعلى آله وصحبه عفايا الانام.

اما بعد فيقول العبد الملتجى عبد الغنى بن ابى سعيد المجددى سامحهما الله بلطفه الخفى

قد فرغت من دراسة الصحيح بقراة الشيخ المولوى محمد عيسى والحافظ عبد الرحمان والمولوى رعايت الحق، سلخ شعبان المعظم، سنة الف ومائتين واحدى وسبعين من ضحوة الخميس فى الدهلى المحروس.

نفعنى الله تعالىٰ ومن قرأه على بجاه نبيه الكريم، صلوٰة الله

علیه وعلی آله واصحابه اجمعین.

رحمهم الله عبدا قال آمینا!

اس نسخہ کی طباعت کے اخراجات اور متعلقہ تفصیلات: بخاری شریف کے اس اہم نسخہ کی کتابت وطباعت اور تصحیح وغیرہ کے اخراجات کا حضرت مولانا احمد علی صاحب نے اپنی بیاض میں حساب لکھا ہے، بخاری شریف کے اس نسخہ کے تعارف کے ساتھ ان معلومات کا اضافہ مفید ہوگا۔ یہ پورا حساب (مولانا کی یادداشت کی ترتیب میں معمولی سی تبدیلی کے بعد) یہاں درج کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ نسخہ پچھتر جز میں مکمل ہوا اور اس کے کل تین سو پچیس نسخے چھپوائے گئے، اخراجات کی تفصیل یہ ہے:

متن لکھنے والے کی اجرت فی جز: ——— دوروپئے

حاشیے کے کاتب کی اجرت فی جز: ——— دوروپے آٹھ آنے

کتاب کی اصل کتابوں سے تصحیح او مقابلے کی اجرت: ——— دوروپے آٹھ آنے

ایک نسخہ کے کاغذ کی قیمت: ——— تین روپے بارہ آنے

طباعت کی اجرت: ——— چارروپے آٹھ آنے

مزید خرچ: ——— بارہ آنے

اس طباعت کا ایک نسخہ حضرت مولانا احمد علی صاحب نے مولانا محمد قاسم صاحب کو بھی عنایت فرمایا تھا، حالانکہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کوئی بھی چیز یا کتاب اپنے پاس نہیں رکھتے تھے، مگر بخاری شریف کے اس نسخہ سے ایسی محبت اور تعلق تھا کہ حضرت مولانا کی وفات کے وقت جو صرف تین کتابیں مولانا کے سامان میں برآمد ہوئیں اور مولانا کا ترکہ قرار پائیں۔ ان میں ایک قرآن شریف تھا۔ ایک بخاری شریف کا یہ نسخہ، تیسری کتاب شیخ ابن العربی کی فصوص الحکم تھی(۱) اللہ اللہ خیر سلاّ!

(۱) اس مختصر ترین ترکہ کا حضرت کے صاحبزادے، مولانا حافظ احمد صاحب نے حیدر آباد میں ایک محفل میں ذکر کیا تھا، جس میں مولانا مناظر احسن گیلانی بھی موجود تھے۔ ملاحظہ ہو: سوانح قاسمی ص ۵۶۴ جلد اول (طبع اول، دیوبند: ۱۳۷۳ھ)

نسخہ حضرت مولانا احمد علی کی دوسری اشاعت: بخاری شریف کا یہ نسخہ جو حضرت مولانا احمد علی صاحب نے شائع فرمایا تھا اس کی پہلی اشاعت کا مفصل تعارف گزر گیا ہے، دوسرا نسخہ یا ایڈیشن جو طبع اول کی جوں کی توں نقل ہے اس دوسری طباعت میں مطبع سید الاخبار کی صراحت اور سید عبدالغفور کی عبارت کے علاوہ جو ٹائٹل پر درج تھی، سب کچھ اسی طرح ہے۔

۱۔ یہ نسخہ غالباً اس زمانہ کے سب سے بہتر کاغذ پر چھپا ہے جس کا ناپ (۱۵/انچ) تقریباً ۳۹ سینٹی میٹر لمبا اور (۱۰/انچ) ۲۶ سینٹی میٹر چوڑا ہے۔

۲۔ کتاب کے آغاز سے پہلے مقدمہ ہے جس پر سنہ طباعت، مطبع وغیرہ کچھ درج نہیں، جو پندرہ صفحات پر مشتمل ہے۔ سولہویں صفحہ پر بخاری شریف کے ابواب کی اجمالی فہرست ہے، اس پر مقدمہ ختم ہو گیا، اسی صفحہ کے آغاز پر پہلی طباعت کے سنہ افتتاح کی تاریخ بھی درج ہے، یہ تاریخ حضرت مولانا احمد علی کے شاگرد، مولانا رعایت الحق صاحب سہارنپوری نے کہی تھی، جو بخاری شریف کی مناسبت سے عمدہ تاریخ ہے: "**یا ایھا الذین آمنوا صلوا علی النبی وسلموا تسلیما**" اسی کے نیچے اعداد ۱۲۶۴ درج ہیں۔

اس کے بعد اصل کتاب بخاری شریف شروع ہوتی ہے، بخاری شریف کے اس نسخہ کے ٹائٹل کے مندرجات درج ذیل ہیں، سب سے اوپر ایک سطر میں موٹے قلم سے لکھا ہے:

"**من یطع الرسول فقد اطاع اللہ**"

اس کے بعد ٹائٹل کے درمیانی حصے میں صحیح البخاری لکھا ہے، اس کے چاروں طرف دو دائرے ہیں، پہلے میں "**اللھم صل و علی محمد و علی آل محمد و بارك وسلم**" ہے دوسرے دائرے میں شیخ سعدی کے شہرۂ آفاق نعتیہ شعر:

بلغ العلی بکمالہ — کشف الدجی بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ — صلوا علیہ وآلہ

چھپے ہوئے ہیں، پہلی طباعت میں یہاں (سرسید احمد کے بھائی) سید عبدالغفور کی وہ عربی

عبارت درج تھی جو اوپر گزر چکی ہے، اس اشاعت میں وہ عبارت نکال دی ہے اور صرف یہ مختصر اطلاع درج ہے۔

"قد اهتم بطبعه اضعف العباد ظفر علی فی المطبع الاحمدی"

کتاب کے آخری صفحہ ۱۱۲۹ پر اختتام طباعت کی تاریخ چھپی ہے، جو شاہ ابو سعید مجددی کے صاحبزادے شاہ محمد عمر نے لکھی تھی جو اس طرح ہے:

"قد طبع اصح کتب بعد کتاب الله"

اس کے بعد حضرت مولانا احمد علی صاحب کا لکھا ہوا ایک صفحہ کا اختتامیہ ہے۔ دوسرے صفحہ ۱۱۳۰ پر مولانا مفتی صدر الدین آزردہ کی لکھی ہوئی تقریظ ہے، پھر نیچے یہ اعلان چھپا ہوا ہے کہ اس کتاب کی ۱۸۴۷ء کے قانون کے مطابق رجسٹری کرالی گئی ہے، کوئی صاحب اسے شائع نہ کریں۔ اس کے بعد تین صفحہ کا اغلاط نامہ ہے اسی پر یہ مبارک نسخہ ختم ہو گیا ہے اس دوسری طباعت کا ایک عمدہ نسخہ ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ مطبع احمدی میرٹھ (۱۲۸۲-۸۴ھ) کا چھپا ہوا صحیح بخاری کا نسخہ بھی ہمارے ذخیرہ میں ہے۔

اس نسخہ کی تیسری اور چوتھی طباعت: مطبع احمدی کی مؤخر الذکر طباعت کی نقل مطبع احمدی کے طباعت کے صرف ایک سال بعد محرم ۱۲۷۳ھ میں مطبع سید عبد الغفور مشہور بہ دادو میاں محمد عبد اللہ دہلی میں اور اس کے فوراً بعد ایک اور نقل دہلی کے نامور ناشر نیاز احمد (جوش) کیرانوی نے اپنے مطبع فخر المطابع قلعہ معلیٰ دہلی سے شائع کی تھی (فخر المطابع کو پہلے مطبع سلطانی کہتے تھے)

بمبئی میں اشاعت ۱۲۸۰-۱۲۸۸ بخاری شریف کے اس نسخہ کی بہت کم عرصہ میں متواتر چار اشاعتوں سے اس کے نسخے پورے ملک میں پھیل گئے تھے اور جگہ جگہ سے صحیح بخاری کی ضرورت وطلب محسوس کی جارہی تھی، اس لئے اسی نسخہ احمدی کی ایک نقل ۱۲۸۰ھ میں بمبئی سے چھپنی شروع ہوئی۔ اس طباعت کا شیخ عبد الوہاب بن قاضی ابراہیم پل بندری نے اہتمام کیا تھا، اور جیسا کہ اس نسخہ کے آخر میں لکھا ہے مولانا عبد اللہ سہارنپوری وغیرہ فضلاء نے اس کی تصحیح فرمائی

تھی۔ اس نسخہ کی پہلی جلد کی طباعت ۱۲۸۴ھ (۶۸۔۱۸۶۷ء، ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۴ھ) میں اور دوسری جلد کی ربیع الاول ۱۲۸۸ھ میں پوری ہوئی۔

نسخۂ میرٹھ | اور جب بمبئی میں شیخ عبدالوہاب اس نسخہ کی طباعت کا کام شروع کر رہے تھے اس وقت مولانا احمد علی محدث کا مطبع احمدی (جو دہلی میں ۱۸۵۷ء ۱۲۷۳ھ میں برباد ہو گیا تھا، تقریباً دس سال بعد) میرٹھ میں مطبع احمدی ہی کے نام سے دوبارہ اپنا کام شروع کر چکا تھا۔ اس وقت جب یہ مطبع دوبارہ قائم کیا گیا، اس وقت شیخ ظفر علی کے علاوہ حضرت مولانا احمد علی کے صاحبزادے مولانا عبدالرحمٰن بھی اس کے نگراں اور مہتمم تھے۔

مطبع احمدی میرٹھ نے بخاری شریف کا ایک مکمل نسخہ شائع کیا، جس کی طباعت ۱۲۸۲ھ میں شروع ہوئی تھی اور ۱۲۸۴ھ میں پوری ہوئی۔ اس نسخہ کی طباعت کی نگرانی بھی حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے فرمائی تھی، جس کا حضرت مولانا نے اس طباعت کے پہلے صفحہ پر یوں ذکر فرمایا ہے:

"یقول العبد الضعیف الراجی رحمة ربه العزیز القوی احمد علی سهارنپوری عفه عنه قد بدأت بطبع الصحیح لابی عبد الله محمد بن اسماعیل البخاری مرة اخری مع تنقیح المطالب تنقیحا حصل به الغنی، وتوضیح اسماء الرجال الانساب والکنی، سنة الثمانین والاثنین بعد الالف والمائتین من هجرة النبی صل الله علیه وآله وسلم"

نیچے کے آخری سطر میں اس نسخہ کے مطبع احمدی سے چھپنے کی ان الفاظ میں صراحت کی گئی ہے:

"فی المطبع الاحمدی القدیمی، الواقع فی المیرٹھ بسعی شیخ ظفر علی والمولوی عبد الرحمن عفی عنها"

دوسرے صفحہ کی پہلی سطر کلمات تاریخ پر مشتمل ہے اور یہ تاریخ حدیث شریف سے نکالی گئی ہے:

"عنه صل الله علیه وآله وسلم انما الاعمال بالنیات"

اس کلمہ تاریخ پر یہ عنوان لگایا گیا ہے:

"هذا الحديث رواه ابن حبان فی صحیحه ویخرج منه تاریخ بدء البخاری فی المطبع الاحمدی"

مگر اس حدیث کے ابجدی اعداد کی بخاری شریف کے سنہ طباعت ۱۲۸۳ھ سے مطابقت نہیں ہو رہی۔

مطبع احمدی کے اس نسخہ کی طباعت ۱۲۸۴ھ میں مکمل ہوئی اور اس کے بعد سے حضرت مولانا احمد علی کی مرتبہ بخاری شریف اس کثرت سے چھپی کہ موجودہ بنگلہ دیش افغانستان تک پورے جنوبی ایشیا میں گویا سکہ رائج الوقت بن گئی مدرسوں میں بھی عموماً یہی نسخہ علماء اور طلباء کے سامنے رہتا ہے۔ ۱۲۸۳ھ سے آج تک دسیوں ناشرین کتب اور اداروں نے شائع کیا ہے، اب تک چھاپ رہے ہیں، بعض اداروں نے اس کے آٹھ آٹھ ایڈیشن شائع کئے، آخر میں شیخ نور محمد نے اپنے مطبع اصح المطابع دہلی سے نئی کتابت کرا کر (۱) تصحیح کے اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔ اس اشاعت کو اپنے حسن کتابت اور دوسری خوبیوں کی وجہ سے قبول عام حاصل ہوا، اور اس اشاعت کے بعد سے اب تک بخاری شریف کا نئی کتابت سے کوئی اور ایڈیشن نہیں چھپا، ہند پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش میں جہاں کہیں بھی حضرت مولانا احمد علی کے حاشیہ والی بخاری شریف چھپ رہی ہے، وہ اسی نور محمد طباعت کا عکس ہے۔

اس حاشیہ پر ایک نیا کام اور اضافہ حال ہی میں اس طباعت پر ایک ضمنی اور مفید اضافہ ہوا ہے، مولانا مفتی شبیر احمد صاحب (استاذ حدیث مدرسہ شاہی، مراد آباد) نے نور محمد کی اشاعت کے حاشیہ پر بخاری شریف کی احادیث کا شمار، نیز فتح الباری اور عینی کے حوالے شامل کر دئے ہیں جس سے اس نسخہ کی افادیت میں بہت اضافہ ہو گیا اور جدید مراجع میں درج بخاری شریف کے ابواب واحادیث کو بخاری شریف کی اس قدیم اور برصغیر مروجہ طباعت میں دیکھنا تلاش کرنا بہت آسان ہو گیا، فالحمد لله تعالیٰ وله الشكر والجزاء۔

(۱) کہا جاتا ہے کہ مطبع نور محمد دہلی کی شائع ہوئی بخاری شریف اور دوسری کتابوں کی کتابت دیوبند کے مشہور کاتب منشی مولانا اشتیاق احمد صاحب کی یادگار ہے۔

حیات قاسمی اور ہماری دینی ملی تاریخ کا
ایک اہم مگر نا معلوم ورق

برائے تعاون مجاہدین و متعلقین لشکر خلیفۃ المسلمین

۱۲۹۴ھ ۱۸۷۴ھ

باہتمام و سرپرستی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

تمہید و ترتیب

نور الحسن راشد کاندھلوی

مجلّہ صحیفہ نور۔ مولویان۔ کاندھلہ ضلع مظفرنگر یوپی (الہند)

روداد چندہ بلقان کی دینی، ملی، تاریخی اہمیت پس منظر، افادیت اور بعد کے عہد پر اس کے اثرات

از: نور الحسن راشد کاندھلوی

آئندہ صفحات میں جس کتابچہ یا روداد کی نقل پیش کی جارہی ہے وہ ہماری دینی، ملی اجتماعی تاریخ خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حزب ولی اللہی اور اس کے غیور و باحمیت علماء کی زندگی کی ایک اہم، قابل ذکر، قابل فخر، مگر گم شدہ ورق کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ مختصر کتابچہ ہماری اس گم گشتہ تاریخ کا ایک قابل ذکر حصہ ہے جس پر علمائے اسلام اور ہمارے اسلاف کی غیرت وحمیت اور دینی قربانیوں کے لازوال نشان ثبت ہیں:

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اس کتابچہ میں علمائے اسلام اور عامۃ المسلمین کی حمیت دین، غیرت ملی جذبہ جہاد اور جہد وعمل کی ایک داستان اور دفتر پوشیدہ ہے کہ جب کبھی عالم اسلام پر کوئی سانحہ رونما ہوتا تھا ہمارے بزرگ کس طرح تڑپ جاتے تھے اور مظلوم ستم رسیدہ مسلمانوں کی مدد کے لئے کس عزم و حوصلہ اور بلند جذبات کے ساتھ آگے بڑھتے تھے اور اس موقع پر مسلمانوں کو امداد و تعاون کی ترغیب دینے کے لئے کیسی جدوجہد اور کوشش فرمایا کرتے تھے۔ یہ کوشش صرف زبانی جمع خرچ، یا رقمیں

فراہم کرنے چندہ بھجوانے تک محدود نہیں تھی، بلکہ چاہتے تھے کہ خود موقع پر میدان جنگ میں جاکر اس جماعت اور قافلۂ جہاد میں شریک ہوں، قافلہ ایمان کو اپنے لہو سے سیراب کریں اور چمن اسلام کو اپنی جان دے کر شاداب فرمائیں۔

یہ مختصر کتابچہ اس عہد کا ایک گم شدہ نشان ہے جب ہم اسلام کے آفاقی تصور سے شرسار تھے ملت کے قدم سے قدم ملا کر چلنا سعادت سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ:

ابر و باقی تیری ملت کی جمعیت سے تھی
جب یہ جمعیت گئی، دنیا میں تو رسوا ہوا
فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اس کتابچہ میں سب سے پہلے روس کی ترکی پر یورش اور اس کے نقصانات کا مختصر ذکر کیا گیا ہے کہ کس قدر مسلمان شہید ہو گئے کس قدر عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے اور کس قدر مسلمان شہید ہو چکے ہیں پھر یہ بتایا گیا ہے کہ اس وقت حرمین شریفین کی حفاظت و حرمت خلیفۃ المسلمین کی وجہ سے محفوظ ہے اگر خدانہ کرے، خلیفۃ المسلمین اور عالمی نظام نظام خلافت کو کچھ صدمہ پہنچا تو اس کے اثرات حرمین شریفین تک اثر کر سکتے ہیں اور اگر اللہ نہ کرے ان مقدس مقامات کی حرمت کسی بھی طرح متاثر ہوئی تو خود مسلمانوں کی کیا حقیقت باقی رہ جائے گی اس لئے خلیفۃ المسلمین کی اعانت و حمایت بنیادی اسلامی ضرورت اور گویا فرض عین ہے اگر یہ نظام یہ حکومت نہ رہی تو پورے عالم اسلام کا نظام متأثر ہوگا (بدقسمتی سے ان حضرات کا یہ خیال بعد کے دور میں صحیح ثابت ہوا)

اس لئے دینی غیرت کو جگایا گیا اور پوری ملت کو آواز دی گئی ہے کہ اٹھو، غازیان اسلام کے قدم سے قدم ملا کر چلو، اگر اس کا موقع نہیں تو ان کی بھرپور مالی مدد کرو اور یہ کہہ دیا گیا تھا کہ اس وقت مدرسہ کی خدمت مسجدوں کی تعمیر اور تمام دینی کام ثانوی حیثیت رکھتے ہیں یہ کام اگر وقتی طور پر رک جائیں گے، یا اس کی تعمیر و ترقی میں کچھ کمی ہو جاتی ہے تو اس سے کچھ بڑا نقصان متوقع نہیں، یہ ادارے اور مسجدیں بعد میں بھی تعمیر ہو سکتی ہیں، لیکن اگر ملت پر کوئی حرف آیا اور خدانہ

کرے حرمین شریفین کی حرمت پامال ہوئی تو اس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ یہ بہت اور غیر معمولی پیام ہے جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے، یہی اس کتابچہ کی اصل روح اور دعوت ہے۔

زیر تعارف کتابچہ یا روداد کی تفصیل یہ ہے کہ:

یہ روداد یا کتابچہ ۱۱½/۲۰×۸ سائز کے بارہ صفحات پر مشتمل ہے پہلے پانچ صفحات میں ترکی اور روس کی جنگ کے عالمی ملی نقصان کا ذکر کیا گیا ہے، اور ترکی کی مدد پر توجہ دلائی ہے۔ ص ۶،۵ پر موصولہ رقموں کا جو بمبئی کے ترکی قونصل خانہ کو بھیجی گئی، حساب درج ہے۔ اس کے بعد ترکی حکومت کے اس وقت کے قونصل حسین حسیب عثمان آفندی کے خطوط یا رقومات کی سات رسیدیں درج ہیں، جس میں پانچ ارباب مدرسہ دیوبند کے نام ہیں، اور ایک ایک امداد علی خاں اور جیون خان صاحب سہارنپور کے نام ہے، اس کے بعد اردو میں یہ اطلاع ہے کہ خلیفۃ المسلمین کے دفتر خاص سے بھی رقم کی رسیدیں آئی ہیں، مگر وہ سب ترکی میں ہیں، اس لئے یہاں شامل نہیں کی گئیں۔ اس تین سطری مختصر اطلاع کے بعد، وزیر اعظم ترکی ابراہیم ادہم کا شکریہ کا فارسی میں مفصل خط ہے، جس کا علمائے کرام نے بہت عقیدت اور احترام کے ساتھ مرصع جواب لکھا تھا، مگر تمام رسیدیں اور جملہ خطوط فارسی میں ہیں، ترجمہ درج نہیں۔ حسابات میں بھی رقم درج ہے، جس کے جاننے پڑھنے والے اب کم ہی رہ گئے ہیں، اس لئے راقم سطور نے اس کو ہندسوں میں لکھدیا ہے، رسیدوں اور خطوط کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔ اصل روداد کی تحریر اور کتابت ایسی ہے کہ پڑھنے میں دشواری ہوسکتی ہے، اس لئے اس کو علیحدہ سے کمپوز کرا کر بھی شامل کر دیا ہے، نیز اصل اشاعت میں کہیں کوئی عنوان درج نہیں تھا، عنوانات کا بھی اضافہ کیا اور احتیاط کے طور پر اصل نسخہ کا عکس بھی شامل کر دیا ہے، تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔ اسکے بعد حضرت مولانا کا ایک خط اور فتویٰ ضمیمہ کے طور پر شامل ہے۔

حضرت مولانا نے ترکی کی حمایت کا فیصلہ خوب سوچ سمجھ کر مطالعہ و استدلال کی روشنی میں کیا تھا، اور اس سلسلہ میں زیر تعارف کتابچہ کے علاوہ کم سے کم دو تحریریں اور مرتب فرمائی تھیں، ان میں سے پہلی تحریر (جس کا حضرت مولانا نے اپنے ایک خط میں ذکر کیا ہے) راقم سطور کو نہیں ملی، دوسری تحریر حافظ احمد سعید، مراد آباد کے نام خط اور مفصل فتویٰ تھا، یہ خط اور فتویٰ چھپا ہے اور اس

کے پرانے قلمی نسخے بھی موجود ہیں، یہ فتوی اور خط ایک پرانی تحریر سے اخذ کر کے اس مضمون کے ضمیمہ کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔

مگر تعجب اور افسوس ہے کہ دار العلوم دیو بند اس کے عالی مرتبت علماء اور بانیان کرام اور اس کے فیض یافتگان کی طویل و وسیع تاریخ میں اس کتابچہ کا اب تک غالباً کہیں ذکر نہیں آیا، حالاں کہ یہ ہماری ملی غیرت کا نشان، حمیت کی ایک علامت اور قومی تاریخ کا اہم اور قابل ذکر ورثہ ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دینا چاہئے کہ راقم سطور کے خیال میں حضرت شیخ الہند کی زندگی اور اولو العزمی پر حضرت مولانا نانوتوی کی اس خدمت بلکہ کارنامہ کا بہت بڑا حصہ اور گہرا اثر معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک تو شیخ الہند کے شعور سے پہلے برپا ہوئی تھی، اس وقت حضرت شیخ الہند کا حضرت مولانا نانوتوی سے رابطہ تھا، نہ کاروان حریت کے اور قافلہ سالاروں سے۔ روس اور ترکی کی جنگ وہ پہلا اہم واقعہ ہے جس کے حضرت مولانا نانوتوی اور اس کارواں کے قائدین پر وسیع اثرات کا شیخ الہند نے خود مشاہدہ کیا ہوگا، اس وقت شیخ الہند جوان تھے، شیخ الہند نے اس وقت ان حضرات کی کڑھن اور چبھن دیکھی اور محسوس کی ہوگی اور شیخ الہند نے اسی وقت یہ فیصلہ کر لیا ہوگا کہ ان حضرات کے دل میں جو الاؤ دہک رہا ہے، یہی ہمارا بھی مقصد حیات، اور نشانِ راہ ہونی چاہئے۔

چوں کہ یہ سب واقعات شیخ الہند کے سامنے پیش آئے تھے، انہوں نے اپنے استاد اور مربی مولانا محمد قاسم کی بے چینی دیکھی تھی جو یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ حضرت مولانا نانوتوی اور علماء کا ایک بڑا قافلہ جہاد میں عملی شرکت کے ارادہ سے مکہ معظمہ کے سفر پر نکلا تھا، شیخ الہند بھی اس قافلہ میں شریک اور اپنے حضرت استاد کے ہم قدم تھے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ جنگ میں شرکت کے لئے جو خاص مجلسیں ہوتی ہوں گی اور میدان جنگ تک پہنچنے کے لئے جو تجویزیں منظور ہوتی ہوں گی، شیخ الہند ان سب میں برابر شریک رہتے ہوں گے۔ اس لئے یہی فکر، یہی درد اور غم شیخ الہند کے رگ و پے میں سما گیا، اور یہی وہ چنگاری تھی جو شعلۂ جوالہ بن کر ابھری اور شیخ الہندؒ کو اک نہ ختم ہونے والا جذبہ اور صدیوں تک زندہ و تازہ رہنے والا حوصلہ عطا کر گئی، یہی چنگاری اور حوصلہ تھا، جس نے بعد کے دور کی ہند اسلامی تاریخ پر اپنے عزم و حوصلہ کے گہرے اثرات چھوڑے

ہیں اور امید ہے کہ آئندہ بھی یہ قافلہ اسی طرح تازہ دم اور رواں دواں رہے گا، اور یہ بزرگانِ دین اور حضرت شیخ الہند وغیرہ احیائے دین اور احیائے جہاد کے جس جذبہ کو لیکر حجاز گئے تھے، وہ زندہ و پائندہ رہے گا اور تازہ برگ و بار لاتا رہے گا۔

یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ جب تک خلافت اسلامیہ برقرار رہی اور ترکی میں خلیفۃ المسلمین بر سر اقتدار رہے، ان کی ذات اور بابِ عالی (قصر خلافت استنبول، ترکی) عالم اسلام کی سیاست واقتدار اور مسلمانان عالم کی محبت وعقیدت کا مرکز رہی۔ جب کبھی عالم اسلام پر کوئی مصیبت آئی خلیفۃ المسلمین نے امداد و سرپرستی کی اور جب کبھی خلافت اسلامیہ پر کوئی زد پڑی اور باہر کی کسی حکومت، خصوصاً عیسائیوں نے خلافت اسلامیہ کے زیر نگیں ریاستوں اور صوبوں پر حملہ کیا یا ان کو کچھ نقصان پہنچایا، تو دنیائے اسلام میں سخت بے چینی پھیل گئی۔

اسی طرح کا ایک بہت بڑا اہم اور تاریخی حادثہ اس وقت پیش آیا جب مشرقی یورپ (EASTERN EUROPE) کی ترکی کے زیر نگیں مسلمان ریاستوں کے عیسائیوں نے مسلمانوں اور ترکی کے اقتدار کے خلاف مسلح بغاوت کی اور روس کی زار شاہی حکومت نے ترکی حکومت سے کئے ہوئے اپنے تمام معاہدے یکسر توڑ کر، عیسائیوں کی اس مجرمانہ تحریک کا ساتھ دینے اور ان ریاستوں کو ترکی اور مسلمان ارباب انتظام سے چھین کر اپنے اختیار میں لینے کا فیصلہ کیا۔ اس غیر متوقع جنگ سے عالم اسلام اور حکومت اسلامیہ کے اقتدار کو جو خطرہ ہو گیا تھا اور روس کی فتوحات کی خبروں سے جو بے چینی پھیل گئی تھی اسکے اثرات ہندوستانی مسلمانوں پر بھی پڑے، اور یہاں بھی اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس وقت اندیشہ کیا جا رہا تھا کہ اگر اس کا توڑ اور موثر مقابلہ نہ کیا گیا تو روسی فوجیں دریا پار کر کے براہ راست ترکی پر حملہ کر سکتی ہیں، اس صورت میں حرمین شریفین بھی غیر ملکی تسلط سے محفوظ نہ رہیں گے، اس اجمال کی کسی قدر تفصیل کے بعد دوسرے پہلوؤں کا ذکر کیا جائے گا۔

مشرقی یورپ اور مشرقی ایشیا کی مسلم ریاستیں صدیوں سے عالمی اسلامی نظام کا حصہ اور ترکی سلطنت (خلافت) کے زیر نگیں تھی، مگر مقامی حکام کی باہمی رقابتوں سیاسی ناعاقبت اندیشی کی

وجہ سے یہاں کا نظام بگڑا، کئی مرتبہ بیرونی طاقتوں (عیسائیوں) خصوصاً روس نے یہاں مداخلت کی، کئی کئی مرتبہ جنگیں ہوئیں، صلح کی گئی، معاہدے ہوئے، رسم دوستی کی تجدید کی گئی، مگر کچھ دنوں کے بعد پھر وہی حالات بنے۔ خاص طور سے روس نے اور دوسرے مغربی ملکوں نے بھی پرانے معاہدوں اور ترکی حکومت کی عنایات کو پس پشت ڈال کر غداری کی، ترکی کی مذکورہ ریاستوں میں مرکز خلافت سے علیحدگی کی تحریک چلائی، مسلح بغاوت کرائی، خود جنگی بگل بجادیا، اپنی فوجوں سے مذکورہ ریاستوں کو تاراج کرایا، غرض یہ کشمکش تقریباً تین سو برس تک چلتی رہی۔ کتنے ہی معاہدے ہوئے اور ٹوٹے، کئی مرتبہ صلح اور امن کے عہد و پیمان ہوئے اور ان کی خلاف ورزی کی گئی، اسی سلسلہ جنگ وامن یا اعتماد اور فریب کی ایک بڑی کڑی جنگ کریمیا تھی۔

۱۸۴۴ء میں، روس کا بادشاہ زار نکولس انگلستان برطانیہ گیا اور برطانیہ کی حکومت سے خلافت عثمانیہ (ترکی حکومت) کی ریاستوں اور صوبوں کے تقسیم کرانے اور ان کی بندر بانٹ کی تجویزیں برطانوی حکومت کے سامنے رکھیں، مگر برطانیہ نے ان تجویزوں کو ماننے اور روسی حکمت عملی کو قبول کرنے اور اس میں شریک ہونے سے انکار کر دیا، مگر نکولس جو ترکی حکومت کی ریاستوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر چکا تھا، موقع کی تلاش میں تھا، یہ موقع اس کو جلد ہی مل گیا۔ روس نے ترکستان کی مسلم ریاستوں کے عیسائیوں کے حقوق کا سہارا لے کر ترکی پر حملہ کردیا۔ روس کی اس جارحیت پر برطانیہ اور فرانس ترکی کے ساتھ تھے، دونوں ملکوں نے کھل کر ترکی کی مدد کی، آخر میں روسی پسپا ہونے پر مجبور ہوئے۔ اسی درمیان نکولس زار روس کا آخری وقت آگیا، نکولس کے بعد اس کا بیٹا الیگزنڈر دوم (ALEXANDROUPOLIS II) بادشاہ بنا، مگر اس کو جلد ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس وقت جنگ جاری رکھنا روس کے مفاد میں نہیں، اس لئے آسٹریلیا کے واسطے سے صلح کی گفتگو شروع ہوئی اور مارچ ۱۸۵۶ء (رجب ۱۲۷۳ھ) کو پیرس میں صلح نامہ پر دستخط ہوگئے۔ صلح نامہ کے مطابق کریمیا پر روس کی اجارہ داری تسلیم کی گئی اور دریائے ڈینوب (DANUBE) کا دہانہ اور......کا چھوٹا سا علاقہ ترکی کو دیدیا گیا۔

اس وقت تو صلح نامہ ہو گیا تھا مگر بعد میں روس نے سمجھا کہ یہ صلح نامہ اس کے ارادوں کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے، اس لئے اس نے بغیر کسی معقول وجہ کے عثمانی (ترکی) حکومت کی فوجوں پر ۱۸۷۴ء (۱۲۹۴ھ) میں ایک اور بڑا حملہ کر دیا۔ ۱۸۵۶ء کے معاہدہ کی وجہ سے اس طرح کے کسی حملہ کی امید نہیں تھی اور یہ حملہ اچانک ہوا، جس کی وجہ سے ترکی فوج اور مقامی ریاستوں کے ذمہ داروں اور فوجی افسروں کو مقابلہ میں سخت پریشانی کا سامنا ہوا، اس پریشانی کو ان ریاستوں کے درمیان سخت اختلافات اور باہمی پنجہ کشی نے بہت بڑھا دیا تھا، جس کے نتیجہ میں ایک کے بعد ایک بلقانی ریاستوں کے علاقے ترکی حکومت کے ہاتھوں سے نکلتے چلے گئے (۱) یہی وہ موقع تھا جب ہندوستان کے علماء کے قائدین سر بکف میدان میں آئے اور مشرقی یورپ کے مسلمانوں کی حمایت کے لئے حجاز، وہاں سے ترکی حکومت کے زیر انتظام جنگ کے میدان میں جانے کا فیصلہ کیا۔ کسی قدر تفصیلات آ رہی ہیں۔

اگرچہ اس زمانہ میں خصوصاً یورپ اور ترکی خبریں مقامی اخبارات تک براہ راست پہنچنے کے ذرائع بہت کم تھے، جو خبریں اطلاعات آتی تھیں ان کا ترجمہ باخلاص مقامی اردو اخبارات کے حصہ میں آتا تھا۔ اس واسطہ در واسطہ کے ذریعہ سے جو خبریں آتی تھیں، ان میں مشرقی یورپ کے مسلمانوں پر عیسائیوں اور روس کی براہ راست یا بالواسطہ مظالم کی تفصیل نیز ترکی حکومت اور مسلمانوں کی مزاحمت کی جدوجہد کا واقعی تذکرہ اور ترکی حکومت کے تعاون اور حوصلہ افزائی کا

---

(۱) روس اور ترکی کی یہ جنگ جس کا بار بار تذکرہ آیا ہے دونوں ملکوں کی تاریخ اور خاص طور سے اس علاقہ کے مسلمانوں اور خلافت اسلامیہ کی تاریخ کا ایک پُر الم مگر اہم باب ہے، لیکن راقم سطور کو ترکی کی کوئی ایسی مستند اور معتبر تاریخ دستیاب نہیں ہوئی جس مین اس جنگ کا تفصیلی تذکرہ ملتا۔ پیش نظر کتابوں میں صرف ایک کتاب ایسی ہے جس میں اس جنگ کا تفصیلی ذکر ہے، یہ عزیز لکھنوی کی فارسی مثنوی "قیصر نامہ" ہے، جس میں عزیز نے ادبی اور شاندار زبان میں اس کی تفصیلات نظم کی ہیں۔ مثنوی قیصر نامہ انسٹھ (۵۹) صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ص ۲۰ سے آخری صفحات تک روس کی سازش، معاہدہ شکنی اور جنگ جوئی کا اور بعد کے تمام واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے اس مثنوی پر مولانا عبد العلی آسی مدراسی کا مفصل پُر از معلومات علمی حاشیہ ہے، جس میں عزیز لکھنوی نے کلام کی خوبیوں، صنائع بدائع، تشبیہات و استعارات اور تاریخی اشارات کی بہت عمدہ تشریح کی ہے، جس سے اس مثنوی کی افادیت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔

مثنوی قیصر نامہ حاجی عبد الرحمان کے اہتمام سے مطبع نظامی کانپور سے ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۵) میں چھپی تھی، جو اس حادثہ کی معاصر روداد و دستاویز اور اس جنگ کے موقع پر ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات و خیالات کی خوبصورت اور مؤثر ترجمان ہے۔

ذکر بہت کم ہوتا تھا۔ عالمی ذرائع ابلاغ مغربی ملکوں کے مفادات کے ترجمان تھے اور اس زمانہ میں بھی (آج کل کی طرح) مسلمانوں کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنا ان کی وحدت کو مٹانا اور ان کی کمزوریوں اور حکومتوں کی برائیوں کو پہاڑ بنا کر دیکھنا اور دکھانا ان کا بنیادی مقصد اور معمول تھا، مگر صداقت ہزار پردوں سے نکل کر سامنے آجاتی ہے، یہی روس اور ترکی کی جنگ کے متعلق اخبارات میں چھپی ہوئی خبروں کا بھی حال تھا، اگر چہ ان میں ترکی کے موقف کی ترجمانی کم ہی ہوتی تھی، مگر پھر بھی عام مسلمانوں کو ان خبروں سے گہری دلچسپی تھی۔ وہ ان خبروں کو (بجا طور پر) خلافت اسلامیہ کے ختم کرنے کی سازش کے پہلو سے دیکھتے تھے اور اس وقت کا اس کا خاصا امکان تھا کہ اگر ترکمانستان اور بلقان کی ریاستوں میں روس اور غیر مسلم قوتوں کو کامیابی ملتی ہے اور اس میں عیسائی ریاستوں کا در پردہ اتحاد ہو جاتا ہے، جس کی خبریں گرم تھی، تو اس کے اثرات براہ راست ترکی تک پہنچنے میں دیر نہ لگتی اور چوں کہ اس وقت حجاز اور ملحقہ ریاستوں کی خود مختار حیثیت نہیں تھی اور یہاں کے اندرون نظام میں بیرونی طاقتوں کے حملہ سے مقابلہ کی صلاحیت بھی کم تھی، اس لئے اس کا بھی بہت اندیشہ تھا کہ حرمین شریفین پر عیسائی مسلط ہو جائیں گے اور عالم اسلام کا مرکز عیسائیوں کی چشم و ابرو کے اشاروں کا محتاج اور اسیر ہو کر رہ جائیں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ خطرہ صرف خطرہ نہیں تھا، بعد کے حالات نے بتا دیا کہ حضرات علماء کی بصیرت نے ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۴ء) میں جس خطرہ کو سنہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۴ء) میں محسوس فرمالیا تھا وہ ایک عرصہ کے بعد اس وقت ظاہر ہوا، جب حجاز کے گورنر شریف حسین نے باب عالی سے کھلی بغاوت کر کے خلافت اسلامیہ اور ترکی کی عظیم الشان سلطنت کو پارہ پارہ کرنے کے عیسائیوں کے منصوبہ کو آگے بڑھایا، اور پھر یہ وبا عام ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک اب عالم اسلام کی حکومتیں اور مسلمان اپنی اس غفلت کی کھلی سزا پار ہے ہیں اور اس ارشاد نبوی کی کھلی تصدیق اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے کہ:

یوشك الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الا کلة الیٰ قصعتها ، فقال قائل ومن قلة

عن قریب کفر و بد دینی کی بعض جماعتیں (دشمنانِ اسلام) کچھ اور جماعتوں کو تمہاری شوکت (وقوت) کے توڑنے کے لئے (اس طرح اکٹھا کریں گی) اور

نحن يومئذٍ؟ قال بل انتم يومئذ كثيرٌ، ولكنكم غثاء كغثاء السيل. ولينزعن الله من صدورِ عدوكم المهابة منكم وليتهذفن فى قلوبكم الوهن، قال قائل يارسول الله! وما الوهن؟ قال "حب الدنيا وكراهية الموت"
(رواه ابوداؤد و البيهقى فى دلائل النبوة، عن ثوبان رضى الله عنه) (۱)

بلائیں گی جس طرح کھانا کھانے والوں کو دسترخوان پر بلایا جاتا ہے (اور وہ لوگ بغیر کسی تامل کے بے روک ٹوک جمع اور اکٹھا ہو جاتے ہیں) اسی طرح وہ مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے مشوروں اور منصوبوں کے لئے بے روک ٹوک جمع ہو جائیں گے اور وہ جمع ہو کر تم کو سخت نقصان پہنچائیں گے اور تمہارے مال و جان کو برباد کریں گے) ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم اس دن کم تعداد میں ہوں گے، ارشاد فرمایا نہیں، تم بہت ہو گے، لیکن تمہاری زیادہ کثرت ایسی ہو گی جیسے پانی کے جھاگ ہوتے ہیں (کہ ذرا سے اشارہ میں ختم اور بے نام و نشان ہو جاتے ہیں) اس وقت اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب ختم فرمادے گا اور تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! وہن کیا چیز ہے؟ فرمایا دنیا کی محبت اور موت کا ڈر۔

بہر حال جب یہ بڑا ملی حادثہ پیش آیا تھا ہندوستان میں ایک آگ سی لگ گئی تھی۔ کیوں کہ اس وقت تک ہماری ملی غیرت پامال نہیں ہوئی تھی، کچھ حرارت اور چنگاریاں باقی تھیں ہمارے عوام و خواص سب خود کو کاروانِ ملت کا حدی خواں، عالم اسلام سے وابستہ اور خلافت اسلامیہ کا ہمدرد اور وفادار سمجھتے تھے، اور ہر دکھ درد میں عالمی اسلامی قافلہ کے شریک رہتے تھے۔ اس وقت لگتا تھا کہ یہ صدمہ ترکوں کو نہیں پہنچا، یہ زخم بلقانیوں کے سینے پر نہیں لگا، یہ آبرو ترکستانیوں کی نہیں لٹی، یہ کوسو کے رہنے والوں کی غیرت کا امتحان نہیں ہوا، بلکہ یہ صدمہ خود ہمیں پہنچا ہے، یہ زخم ہمارے سینوں پر لگے ہیں، یہ آبرو ہماری بہنوں کی لٹی ہے، یہ ہماری ملی غیرت و حمیت کا امتحان ہے، اور یہ سب ہماری اپنی داستان، اپنی کہانی اور سوزِ غم ہے۔

اس وقت تک ہماری غیرت فنا، ہماری قوت فکر و عمل مردہ اور ہمارا ضمیر بے حس نہیں ہوا

(۱) مشکوٰۃ (باب الانذار و التحذیر. الفصل الثانی) ص ۴۵۹

تھا۔ سیکولرزم کے بھوت، زبان، علاقے اور برادریوں کے فتنوں اور بے غیرتی نے ہمارے دل و دماغ کو متاثر نہیں کیا تھا اور مغربی پروپیگنڈے اور مقامی مفادات نے ہمارے اعصاب کو بے حس اور نظریات کو اپنا غلام نہیں بنالیا تھا۔ ہمارا سوچنا، ہماری جدو جہد اور ہماری تحریکات کا رخ احیائے دین کی مخلصانہ جدوجہد کی طرف تھا، ہمارا عالمی اسلامی برادری کے ساتھ مل کر قدم بڑھانے کا اور ہر اک دینی اصلاحی کوشش میں ملت کا ساتھ دینے کا مزاج تھا اور اس وقت تک ہم خود کو عالمی اسلامی ملی کارواں کا ایک حصہ سمجھتے تھے، اسلئے جب یہ خبر آئی تو عالم اسلام کے ساتھ ہندی مسلمانوں کے بھی دل دھڑکے، جب جب ہندوستانی مسلمان روس کی پیش قدمی کی خبر سنتے ان کو ترکوں کے صدمہ کا احساس غم زدہ کر دیتا تھا اس وقت تک ہمارا سب کا حال یہی تھا کہ:

لگ جائے کہیں چوٹ مگر درد یہیں ہے۔

حضرات علماء کرام جو دینی غیرت کے پتلے تھے اور خود کو عالمی ملی کارواں کا ناچیز خادم اور معمولی حصہ سمجھتے تھے اس حادثہ سے شاید سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ان کی دینی محبت کا تقاضہ تھا کہ وہ اس صدمہ کو اپنا ذاتی صدمہ سمجھتے اس کے نقصان کی تلافی کے لئے ہر ممکن جدوجہد کرتے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ بزرگوں اور علماء نے حضرت مولانا محمد قاسم کی سربراہی اور سرپرستی میں، مولانا کے شوق اور توجہ دلانے سے یہ اہم اور تاریخی فیصلہ فرمایا کہ ہم سب خلافت اسلامیہ اور شرقی یورپ مسلمانوں کی مدد کے لئے زیادہ سے زیادہ اور جو کچھ بھی کر سکتے ہیں اس کے لئے بھرپور کوشش کریں گے اور اس تعاون اور کوشش کی دو صورتیں ہو سکتی تھیں:

ا۔ مشرقی یورپ کے مسلمانوں مجاہدین اور ترکی فوج کے جوانوں اور جنگ کے شہدا کے یتیموں اور بیواؤں کی مالی امداد، جس سے ان کے حوصلوں میں توانائی آئے اور وہ خود کو تنہا محسوس نہ کریں، اور ان کو یہ یاد رہے کہ ہندوستان میں بھی ان کے دینی بھائی موجود ہیں جو اس کی مصیبت کے موقع پر ان کے ساتھ اور ان کے رنج والم میں برابر کے شریک ہیں، اور وہ لوگ آئندہ بھی خود کو تنہا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ:

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست
تانہ پنداری کہ تنہامی روی

دوسرا اس سے بھی کہیں بڑا، نتائج کے لحاظ سے دوررس فیصلہ یہ تھا کہ:

۲۔ مجاہدین کے دوش بدوش میدان جہاد میں قدم رکھتے اور بذات خود جنگی مہمات میں حصہ لے کر دشمنان اسلام سے مقابلہ کیا جائے، ظاہر ہے کہ یہ مرحلہ بہت ہی نازک اور اہم فیصلہ تھا، مگر جن اصحاب کی زندگانی کا ایک ایک سانس خود کو خدمت دین کے لئے قربان کر دینے سے عبارت تھا وہ اس نازک اور اہم موقع پر کیسے پیچھے رہ سکتے تھے، ان حضرات کے فولادی عزم و حوصلہ اور پہاڑوں کی سی صلابت نے فیصلہ کیا ہمیں بذات خود میدان جنگ میں پہنچنا ہے اور مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ شریک ہو کر احیائے اسلام کے لئے اپنے خون کا نذرانہ پیش کرنا ہے اور اپنی جانوں کی قربانی دینی ہے۔

دونوں منصوبوں پر ایک ساتھ عمل کی بات طے ہوئی اور دونوں ہی پر عمل کی کوشش کی گئی، جس کی تفصیل (جس قدر راقم سطور کو معلوم ہوئی) ترتیب وار پیش کی جارہی ہے۔

(۱)

پہلی ضرورت اس علاقہ کے مصیبت زدہ مسلمانوں، ترکی فوج کے سپاہیوں اور لڑائی میں شہید ہونے والوں کے بچوں اور بیواؤں کے لئے پیسے کا انتظام تھا، اس کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم نے عام مسلمانوں سے بڑی رقم اکٹھی کر کے باب عالی (مرکز حکومت، ترکی، استنبول) بھجوانے کی کوششیں شروع کی، حضرت مولانا نانوتوی نے سب سے پہلے مدرسہ دیوبند (دارالعلوم) کی سب ذمہ داروں مدرسین طلبہ اور اہل قصبہ دیوبند سے تعاون کی درخواست و گذارش فرمائی، اس کے علاوہ اپنے سب شاگردوں، متوسلین نیاز مندوں اور خود قائم کئے ہوئے مدرسہ کے ذمہ داروں کو ادھر متوجہ فرمایا اور حسب توقع دیوبند، نانوتہ، گنگوہ، تھانہ بھون، کاندھلہ اور اطراف کے قصبات اور شہروں کے علاوہ، دور دراز شہروں میں بھی اس درخواست کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی۔

صرف دیوبند قصبہ دار العلوم دیوبند کے اساتذہ، منتظمین اور مدرسہ کے طلبہ نے تقریباً دو ہزار روپئے پیش کئے تھے، دیوبند سے پانچ مرتبہ تعاون کی رقم فراہم ہوئی جو ترکی حکومت کے قونصلر مقیم بمبئی کو بھیجی گئی۔ ان میں سے ہر اک قسط میں طلبہ شامل تھے، پہلی قسط میں سو روپے (۱۰۰) کی امداد تھی، تیسری میں اکیس روپئے کی، چوتھی میں انہتر روپے نو آنہ کی، پانچویں میں اکیاون روپے نو آنہ کی، اسی طرح مدرسہ کے ذمہ داروں کی طرف سے جو رقم ذاتی طور پر بھیجی گئی تھی وہ ان حضرات کے حوصلہ کی گواہ اور دریادلی کی ایک مثال ہے۔ مدرسین مدرسہ اور مہتمم کی جانب سے پہلی قسط میں چوراسی روپے، تیسری قسط میں سات سو بیس روپے بھیجے گئے جو ان حضرات کا ذاتی عطیہ تھا اور جو کل رقم کا تقریباً چالیس فیصد تھا۔

حضرت مولانا کی اہلیہ کے زیورات کا عطیہ: میرا خیال ہے کہ اس رقم میں حضرت مولانا محمد قاسم کی اہلیہ کے زیوروں کی قیمت بھی شامل تھی۔ مولانا گیلانی نے ایک قصہ مولانا قاری محمد طیب کے حوالہ سے نقل کیا ہے، کہ حضرت مولانا نے شادی کے فوراً بعد اپنی اہلیہ کی اجازت سے ان کا تمام زیور ترکوں کے چندہ میں دے دیا تھا۔(۱) مولانا گیلانی نے لکھا ہے کہ حضرت مولانا نے رخصتی کے بعد پہلی ہی رات میں اہلیہ کو اپنے سب زیورات ترکوں کے چندہ میں دینے کی ترغیب دی تھی، اہلیہ محترمہ نے اسی رات میں یہ تمام زیورات سلطانی چندہ میں دیدئے تھے، جب اہلیہ گھر گئیں اور والد نے زیورات نہ دیکھے تو سوال کیا، صورت حال معلوم ہوئی تو دوبارہ اسی طرح تمام زیورات بنوا کر دیئے، حضرت مولانا نے اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرمایا (۲)

اگر اہلیہ کا زیور اسی وقت چندۂ سلطانی یا کسی اور مقصد کے لئے دیا گیا تھا تو اس کی کوئی اور تدبیر اور صورت ہوئی ہوگی، جو کیفیت مولانا گیلانی نے نقل کی ہے اس میں کئی شبہات اور سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

دوسرے مولانا گیلانی نے اس واقعہ کو (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے تقریباً چار سال پہلے) ۱۸۵۳ء کی روس اور ترکی کی ایک اور جنگ (جنگ کریمیا) سے وابستہ کیا ہے، مگر یہ بھی صحیح

(۱) سوانح قاسمی ص ۵۱۱۔ ج ۱ (طبع اول دیوبند: ۱۳۷۳ھ) (۲) سوانح قاسمی ص ۵۱۳

معلوم نہیں ہوتا۔ اگر حضرت مولانا کے نکاح نہ کرنے کے ارادہ، والد کے اصرار، مولانا کے انکار اور متعلقہ واقعات کی ترتیب یہی ہے جو مولانا گیلانی نے تفصیل سے لکھی ہے تو ۱۸۵۳ء (۱۲۶۹ھ) میں حضرت مولانا کا نکاح منعقد ہونا بھی مشتبہ ہے اس وقت تک تو مولانا دہلی سے بھی نہیں آئے تھے وہاں صحیح بخاری کے حاشیہ کی تکمیل میں مشغول تھے۔ اس لئے حضرت مولانا اس زمانہ میں دہلی تشریف فرما تھے، نہ وطن آئے اور نہ اس وقت نکاح ہوا، نہ یہ قصہ پیش آیا ہوگا ؟

تیسرے ترکی اور روس کی یہ جنگ، جنگ کریمیا تھی جنگ کریمیا کے لئے بھی ہندوستان میں عام چندہ ہوا ہو، راقم سطور کو اس کا تذکرہ نہیں ملا۔ اس لئے حضرت مولانا کی اہلیہ کے زیورات چندہ میں دینے کا واقعہ بہ ظاہر اسی دوسری جنگ اور اس کے چندہ کا ہے، جس کا حضرت مولانا نے اور سب حضرات نے بہت اہتمام فرمایا تھا۔ اس جنگ اور اس کے لئے عطیہ کے وقت تک حضرت مولانا کی اہلیہ حضرت مولانا سے پوری مانوس اور مولانا سے ہم مزاج وہم خیال ہو گئی ہوں گی، اسی وجہ سے ان زیورات کو عطا کر دینے میں تکلف نہیں ہوا۔

بہر حال حضرت مولانا اور ان کے رفقاء نے اس مہم میں خود بھی بھرپور حصہ لیا اور اپنے سب جاننے والوں، رشتہ داروں اور متعلقین کو بھی ادھر متوجہ فرمایا اور سب ہی نے حسب حیثیت دامے، درمے، قدمے، سخنے اس تحریک کو کامیاب بنانے کی انتہائی کوشش کی۔

چوں کہ یہ اک ملی ضرورت اور ایک دینی شرعی تقاضا تھا اس لئے مدرسہ دیوبند کے سر براہوں کے علاوہ اور بھی متعدد بڑے علماء اس جدوجہد میں مصروف رہے۔ دیوبند کے ضلع سہارنپور میں حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور مولانا محمد مظہر نانوتوی وغیرہ اس کی رہنمائی فرمارہے تھے اور گنگوہ میں اس تحریک کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (رحمہم اللہ) کی سرپرستی حاصل تھی، اس لئے ان علاقوں اور ان کے اطراف سے بھی بڑا چندہ ہوا، جو کئی قسطوں میں قونصلر حکومت ترکی کو بمبئی بھجوایا گیا۔

حضرت مولانا گنگوہی کی معرفت تین قسطیں پہنچیں، پہلی قسط سات سو چوراسی روپے کی، دوسری ستاسی روپے آٹھ آنہ کی، تیسری دو سو روپے چار آنے کی تھی، کل رقم ایک ہزار اکہتر

روپے کچھ آنہ تھی، علمائے سہارنپور نے بھی جوش و خروش سے اس کی آبیاری فرمائی، حضرت مولانا احمد علی کی توجہ سے سب سے زیادہ رقم فراہم ہوئی، حضرت مولانا کا عطیہ پانچ قسطوں میں پہنچا، جو چار ہزار دو سوتیں روپے (۴۲۳۰) پر مشتمل تھا، یہ رقم اہل سہارنپور کی اس رقم کے علاوہ تھی جو سہارنپور میں مقیم ایک اور باحمیت شخص امداد علی خاں، مالک کارخانہ شکرم اپنی اور اپنے دوستوں کی طرف سے فراہم کر کے بار بار بھیجتے رہے (۱)

یہ تو وہ رقمیں تھی جن سے حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت مولانا کے قریب ترین دوستوں یا بڑوں کا براہ راست تعلق تھا، اس کے علاوہ اس طرح کی رقمیں بھی خاصی تھیں جو مولانا کی توجہ دلانے کی وجہ سے مولانا کے شاگردوں وغیرہ نے منگلور، مظفرنگر، تھانہ بھون، انبہٹہ، گلاوٹھی وغیرہ سے اکٹھی کر کے بھیجی تھیں، ایک رقم کاندھلہ کی بھی تھی جو "فضیلت مآب مولوی محمد ابراہیم کاندھلوی" کی معرفت ملی تھی، یہ دو سو ستر روپے تھے۔ اس کوشش کی وجہ سے یہ ہوا اطراف و نواح سے نکل کر ملک کے دور دراز گوشوں تک پہنچ گئی تھی، سب طرف سے رقمیں اور چندہ آرہا تھا اور گویا صحیح معنوں مین ہُن برس رہا تھا، ہر طرف ایک جوش اور ولولہ تھا، رقمیں فراہم کی جارہی تھیں، بمبئی پہنچ رہی تھیں، ان کی اطلاعات آرہی تھیں، شکریہ کے خطوط موصول ہورہے تھے، غرض اک عجیب کیفیت تھی، اِدھر سے تعاون و کشادہ دستی تھی اور اُدھر سے شکریہ اور پذیرائی کا اہتمام اور اعلان کیا جارہا تھا۔

اس تحریک کو پورے ملک سے جو تعاون ملا وہ غالباً ہندوستان کی اُس وقت تک کی ملی تاریخ کا سب سے پہلا اور عظیم ترین تعاون تھا۔ یہ رقم جو ہندوستان کے بے کس، غریب مسلمانوں نے گھر گھر، بستی بستی سے جمع کر کے بھجوائی تھی بارہ لاکھ روپے تھے۔ جو اس زمانہ کے لحاظ سے تو گویا ناقابل یقین رقم تھی، آج کل کے تناظر میں بھی ایک بڑی رقم ہے، اُس زمانہ کے اوسط اور قوت

---

(۱) جملہ رقومات کی تفصیل حسب ترتیب وصول، ترکی قونصل خانہ کی طرف سے ایک مفصل روداد یا کتاب میں شائع کی گئی تھی۔ یہ روداد بڑے سائز کے ایک سو اکسٹھ صفحات پر مشتمل ہے، جس کے ٹائٹل پر صرف دفتر اعانت ہندیہ لکھا ہوا ہے۔ شروع میں ترکی زبان میں تمہید ہے، اسی کا آخر میں فارسی ترجمہ بھی چھاپا گیا ہے۔ یہ روداد راقم سطور نے دیکھی ہے اور اس کے ضروری صفحات کا فوٹو اسٹیٹ میرے پاس موجود ہے۔

خرید کو دیکھئے تو یہ رقم آج کل لحاظ سے دس کروڑ سے بھی زائد ہوگی، اس قدر بڑی رقم کا فراہم کرلینا آج بھی آسان نہیں، مگر یہ ان حضرات کے جذبے کا اخلاص کا اثر اور مسلمانوں کا عمومی تعاون تھا جس کی مدد سے یہ بڑی مہم سرانجام پائی اور کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہنچی۔

حضرت مولانا اور مولانا کے رفقاء جو رقمیں بھجواتے تھے، ترکی حکومت کے قونصل مقیم بمبئی کی طرف سے اس کی رسید اور شکریہ کا خط آتا تھا، پانچ مرتبہ رقم گئی ہر مرتبہ فوراً رسید آئی، اور اطلاع ملی کہ مرسلہ تمام رقومات کا باب عالی آستانہ کے سرکاری ترجمان ''الجوائب'' میں حسب معمول (۱) باقاعدہ اعلان کیا جائے گا اور آخر میں جب یہ رقمیں باب عالی (جو ترکی حکومت کا مرکز اقتدار تھا) پہنچیں تو اس وقت کے سلطنت عثمانیہ کے وزیراعظم، ابراہیم ادہم کا ۹ر جمادی الاول ۱۲۹۴ھ (۲۳ر مئی ۱۸۷۷ء) کا لکھا ہوا شکریہ کا ذاتی خط مدرسہ دیوبند کے زعماء کے نام موصول ہوا جو بلاشبہ مدرسہ دیوبند، سرپرستان مدرسہ دیوبند اور پوری ہندی ملت اسلامیہ کیلئے ایک بڑا اعزاز اور گویا تمغۂ افتخار تھا اور اسی پر تحریک کا پہلا مرحلہ نہایت کامیابی اور خیروخوبی کے ساتھ اختتام پذیر ہوگیا۔

○

محولہ بالا منصوبے کا دوسرا پہلو یا تجویز مشرقی یورپ کے مظلوم مسلمانوں اور سلطنت عثمانیہ کی فوجوں کے ساتھ یک جہتی واتحاد کے اظہار کا اور دینی ضرورت سمجھ کر ان کے ساتھ مل کر جہاد میں شریک ہونے کا تھا، اس پر عمل کرنے کے لئے سب سے بہتر صورت یہی ہوسکتی تھی کہ سفر حجاز پر جائیں اور وہاں کے حالات کا مشاہدہ کر کے سفر کے دوسرے مرحلہ کی تیاری کریں۔ اس لئے سفر حج کا ارادہ کرلیا گیا، اس کارواں میں جو نئی منزلوں کا مسافر بن کر سفر کے لئے روانہ ہورہا تھا نامور علماء کی کثیر و معتبر تعداد شریک تھی۔ مولانا سید اصغر حسین دیوبندی نے حیات شیخ الہند میں لکھا ہے کہ:

(۱) الجوائب باب عالی (صدر دفتر، حکومت ترکی) کا ہفت روزہ سرکاری ترجمان تھا جو غالباً ۱۲۷۷ھ (۱۸۶۰ء) میں نکلنا شروع ہوا تھا، سنہ ۱۲۹۴ھ میں اس کی اشاعت کا سترہواں سال تھا، اس اخبار میں جملہ سرکاری رپورٹیں اور اطلاعات چھپتی ہیں اس کا سنہ ۱۲۹۴ھ سے ۱۲۹۷ھ تک کا فائل دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی لائبریری میں ہے مگر وہ شمارے موجود نہیں جس میں علماء دیوبند کی مرسلہ رقومات کا اعلان اور شکریہ درج ہے۔

"شوال ۱۲۹۴ھ میں بزرگان ہندوستان کے قافلے نے بیت اللہ کا قصد کیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب حضرت مولانا رشید احمد صاحب جیسے بقول مقبول حضرات سالار قافلہ ہوں تو قافلہ کی کیفیت کا کیا پوچھنا۔ صدہا دیندار مسلمان مفلس و تونگر ہمراہ ہو گئے"

اور اسی میں تحریر ہے:

"ہندوستان سے ایسا مقدس مجمع اور مشہور و معروف قافلہ روانہ ہو کہ اس کی نظیر نہ گذشتہ زمانہ میں مل سکتی ہے، نہ آئندہ امید ہے"

حیات شیخ الہند ص ۲۲ (لاہور: ۱۹۷۷ء)

مگر افسوس ہے کہ ہنوز اس سفر کی جو روایات واطلاعات دستیاب ہیں وہ بہت مجمل ہیں، مختصر اشارات وواقعات یہاں درج کئے جاتے ہیں، ان اشارات کی تفصیل کی ضرورت ہے۔

اگرچہ اس کا اعلان نہیں ہوا تھا کہ یہ سفر کیوں اور کن مقاصد کے لئے ہو رہا ہے، مگر اس کا عام طور سے اندازہ تھا کہ علمائے ہند جہاد کے ارادہ سے سفر حج پر جارہے ہیں اس لئے جیسے ہی یہ خبر عام ہوئی لوگ جوق در جوق ان حضرات کی رفاقت کے لئے نکل کھڑے ہوئے، اور ایسا رجوع عام ہوا کہ ساتھ جانے کے لئے سو سے زائد اصحاب شروع سفر سے ساتھ تھے۔ یہ قافلہ ۷رشوال ۱۲۹۴ھ (۱۵راکتوبر ۱۸۷۷ء) سہارنپور سے بمبئی کے لئے روانہ ہوا، چوں کہ یہ خبر عام ہو چکی تھی اس لئے ہر اسٹیشن پر بڑے بڑے ہجوم اور ساتھ چلنے کے لئے افراد موجود ملے، یوں:

لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اگرچہ اس وقت برطانیہ کی حکومت تھی اور حکومت برطانیہ روس اور ترکی کی جنگ میں ترکی کی حلیف تھی، مگر اس دور میں بھی ایسے ممتاز ترین علماء کا ایک بڑے قافلہ کے ساتھ جہاد میں شرکت کے باقاعدہ اعلان کے ساتھ سفر کرنا آسان نہیں تھا، اسلئے خیال یہ ہے کہ حضرات علماء کرام کے اس قافلہ نے اپنے اس ارادہ کی نہ باقاعدہ تشہیر کی، نہ تردید فرمائی۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے اس سفر کی شہرت اور شرکاء کی کثرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"عام اہل اسلام نے جب دیکھا کہ دفعۃً خلاصہ ہندوستان بجانب حجاز جارہا ہے (اس لئے) جس سے بھی ہوسکا وہ معیت و ہمرکابی کے لئے تیار ہوگیا۔ اس لئے کہ بطور خود لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ یہ حضرات دینی معاونت کے لئے بحیلۂ سفر حجاز حقیقت میں ملک روم کا سفر کررہے ہیں۔ ترکی سلطنت کی طرف سے والنٹیر جماعت میں شامل ہوکر مجاہد فی سبیل اللہ ملیں گے اور جسکے نصیب میں مقدر ہے جام شہادت پی کر حیات ابدی حاصل کرے گا" (۱)

مگر چند سطور کے بعد مولانا میرٹھی نے اس خیال کی تردید کی ہے کہ یہ حضرات جہاد کی شرکت کے ارادہ سے جارہے تھے، مولانا میرٹھی کے الفاظ یہ ہیں:

"لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط تھا، اس لئے کہ اول تو جانے والے حضرات میں کسی کی یہ نیت نہ تھی.........." (۲)

ہر چند کہ مولانا کے بقول یہ خیال غلط تھا، مگر سینکڑوں لوگ اس مقصد سے سفر میں شریک ہورہے تھے اور خود مولانا میرٹھی کے بقول:

"سب کچھ تھا، مگر عام خیالات کی غلطی کے رفع ہونے کی کوئی سبیل نہ تھی" (۳)

سب لوگ اسی خیال سے اس سفر میں ساتھ جارہے تھے اور قافلہ سالار اصحاب کو اس کا خوب علم تھا کہ ان سب کو یہ خبر ملی ہے اور یہ اسی مقصد سے ہمارے ساتھ سفر کررہے ہیں، لیکن اگر یہ اطلاع غلط تھی تو امید نہیں کہ حضرات علماء کرام نے جان بوجھ کر سچ بات کو چھپایا ہو، یا اپنے متوسلین اور مخلص نیک مسلمانوں کو اندھیرے یا فریب میں رکھنا پسند کیا ہو، بہ ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اطلاع صحیح تھی اور زبانِ خلق نقارۂ خدا کی ترجمان تھی۔

مولانا عاشق الٰہی کے علاوہ مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی نے بھی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن کے دوسرے سفر حج کے ذکر کرتے ہوئے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس سفر میں جہاد کا ارادہ شامل تھا جس کی عام شہرت ہوگئی تھی، تحریر ہے کہ:

(۱) تذکرۃ الرشید ص۲۲۹ ج ۱ (۲) تذکرۃ الرشید ص۲۳۰ ج ۱ (۳) تذکرۃ الرشید ص ۲۳۲۔

"اور یہ قیاسات و خیالات کچھ آج نئے نہیں تھے ۱۲۹۴ھ میں بھی جب علماء ہندوستان کا مشہور قافلہ جنگ روم و روس کے زمانہ میں روانہ ہوا تو لوگوں نے خود بخود ایسی ہی توجیہات شروع کر دی تھیں" (۱)

مولانا اصغر حسین نے اس کے بعد جو کچھ لکھا ہے وہ توجہ چاہتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"چوں کہ حضرت نے کوئی خاص اطلاع نہیں فرمائی تھی اس لئے مختلف لوگوں نے اپنے قیاس سے مختلف توجیہات شروع کیں، چوں کہ جنگ یورپ شروع ہو گئی تھی اور اپنی ہستی کو خطرہ میں دیکھ کر ترک بھی جرمنی کے ہمراہ شریک جنگ ہو گئے تھے، اس لئے بہت لوگوں نے اندازہ لگایا کہ ترکوں کی امداد کیلئے جاتے ہیں، بعض کا خیال تھا کہ غیر اسلامی سلطنت اور خلاف شرع قوانین سے گھبرا کر قریب ترین اسلامی سلطنت کابل کی طرف قصد فرما رہے ہیں" (۲)

اس اجمال سے تفصیل جھلک رہی ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ شیخ الہند کا دوسرا سفر حج بھی پہلے سفر کی طرح ان ہی اصولوں پر مرتب ہوا تھا جس پر پہلا سفر ہوا تھا، اور جس طرح پہلے سفر کے متعلق یہ شہرہ عام تھا کہ ترکوں کی مدد کے لئے جا رہے ہیں، اس کی بھی توثیق نہیں کی گئی تھی، اسی طرح پہلے سفر کی بھی نہ شہرت کی گئی تھی، نہ تردید۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ شیخ الہند کا دوسرا سفر واقعۃً سادہ سفر تھا، جہاد کے مقاصد تکمیل ترکی کی حمایت، اور خالص عالمی اسلامی نقطۂ نظر سے دفاعی جد و جہد اس سفر میں بھی پیش نظر نہیں تھی راقم کا خیال ہے کہ یہی حال پہلے سفر کا بھی ہے۔ مگر اس پر اس حثیت سے توجہ نہیں کی گئی۔

اگرچہ مولانا عاشق الٰہی نے اس سفر کے سفر جہاد ہونے کی صاف تردید کی ہے اور لکھدیا ہے کہ:

"لوگوں کا خیال بالکل غلط تھا" (۳) مگر یہاں یہ عرض کرتے ہیں تامل نہ ہونا چاہئے کہ مولانا عاشق الٰہی کا ایک خاص ذوق و مزاج تھا، مولانا سیاسی قصوں سے ہمیشہ علیحدہ رہتے تھے نیز جس وقت تذکرۃ الرشید لکھی گئی تھی اس زمانہ (۱۹۰۶ء، ۱۹۰۸ء) میں انگریز کے خلاف برپا تحریکوں

(۱) حیات شیخ الہند ص ۱۴۰ ادارہ اسلامیات لاہور: ۱۹۷۷ء

(۲) تذکرۃ الرشید ص ۲۴۱ ج ۱ (اشاعت العلوم سہارنپور ۱۹۷۷ء) (۳) تذکرۃ الرشید ص ۲۳۰ ج ۱۔

اور جہاد کی کسی بھی جدوجہد کی حمایت کا تذکرہ خطرہ سے خالی نہیں تھا، اس لئے جب کبھی اس طرح کے کسی واقعہ کا ذکر ضروری ہو جاتا ہے تو مولانا میرٹھی اس کو ایسے الفاظ میں لکھتے ہیں جس سے شورش اور جہاد کی بات نسبتاً ہلکی معلوم ہو۔ مولانا میرٹھی کا یہی رجحان کا تذکرہ الرشید میں معرکہ شاملی و تھانہ بھون کے تذکرہ میں ہے۔

مجھے یقین ہے کہ مولانا میرٹھی کو ۱۸۵۷ء میں حضرات علماء کی جدوجہد کی تفصیلات معلوم تھیں، انہوں نے ایسے متعدد اصحاب کو دیکھا تھا جو ۱۸۵۷ء کے معرکہ میں شریک بلکہ اس کے بنیادی ذمہ داروں میں سے تھے، اور تذکرۃ الرشید کی تالیف کے وقت تک ۱۸۵۷ء کے معرکہ میں شریک متعدد اصحاب اور عام شرکاء زندہ تھے، ان سے ۱۸۵۷ء کے متعلق صحیح فیصلہ کن معلومات فراہم کر لینا دشوار نہیں تھا، مگر مولانا نے اس کو نظر انداز فرمادیا اور جو واقعات لکھے ان کو بھی اس طرح گول مول الفاظ میں لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے معرکہ شاملی و تھانہ بھون اور اس کے دوسرے گوشوں کے متعلق اب تک اختلاف چلے آتے ہیں اور یہ مولانا کے اسی رویہ کا اثر ہے کہ حالیہ دور میں متعدد اصحاب نے معرکہ ۱۸۵۷ء میں حضرت حاجی امداد اللہ اس خطہ کے علماء نیز دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے اکابر کی شرکت کا صاف انکار کردیا ہے۔ میرے خیال میں ۱۲۹۵ھ کے واقعہ کی تفصیل میں بھی مولانا میرٹھی کا رویہ اسی احتیاط اور ابہام کا ہے۔ دوسرے تذکرہ نگاروں کے ذکر نہ کرنے کی وجہ سے بھی اس واقعہ کے بنیادی اجزاء اور دوسری معلومات کم یاب ہیں تاہم ضرورت ہے کہ اس واقعہ کی تفصیل اور خلیفۃ المسلمین کی امداد کے مختلف گوشوں کو تلاش کیا جائے تو امید ہے مزید معلومات دریافت ہوں گی۔

سفر حج کے مقصد کے حوالہ سے میرے اس خیال کو مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کے ایک اور اندراج سے تقویت ملتی ہے۔ مولانا عاشق الٰہی نے اسی قافلہ کی واپسی کے احوال میں ذکر کیا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ نے حضرت مولانا گنگوہی سے فرمایا تھا:

> مولانا جی تو نہیں چاہتا کہ آپ سے علیحدگی ہو، مگر ہمراہیان کے پاس خرچ کم رہ گیا ہے اور آپ کی ذات سے اہل ہند کو جو نفع ہے وہ ظاہر ہے، اس لئے

مناسب یوں ہی معلوم ہوتا ہے کہ اب ہندوستان واپس ہوں۔ اعلیٰ حضرت کے حکم پر حضرت مولانا سوائے تعمیل کے کیا فرما سکتے تھے واپسی کا قصد فرمالیا اور تہیہ سفر شروع کر دیا۔

اتفاق سے جس روز چلنا قرار پایا تھا عین اسی دن پلونا کے فتح ہونے اور روس کے قبضہ میں آجانے کی وحشت ناک خبر مکہ میں پہنچی، مگر اس طرح کہ تصدیق و تحقیق کی کوئی صورت نہ پائی۔ ہر چند کہ اس خبر نے طبعی رنج و غم اور تحقیق کی طلب و فکر کے باعث پھر قصد سفر ملتوی کرنے پر مجبور کیا، لیکن اعلی حضرت حاجی صاحب نے یہ فرما کر کہ سلسلہ اخبارات بند ہو رہا ہے یہاں مہینوں میں بھی تصدیق یا تکذیب اس خبر کی نہ ہو سکے گی، جاؤ بسم اللہ کرو جو کچھ مقدر تھا ہوا اور جو ہونا ہے وہ ہوکر رہے گا۔" (۷)

اگر ترکی کی حمایت و تعاون کا ارادہ اس سفر کے بنیادی مقاصد میں شامل نہیں تھا تو اس تذکرہ کی یہاں کیا افادیت و ضرورت تھی، اس گفتگو میں خاص طور سے پلونا (PLONA) کی فتح و شکست کا ذکر معنی خیز ہے حضرت حاجی صاحب کے اس فقرہ کا تعلق بظاہر اس اس سفر کی ان منزلوں سے تھا جس کا زیر لب سرگوشیوں میں ذکر تھا اسی کا حضرت حاجی امداد اللہ سے مشورہ ہوا ہوگا، حضرت حاجی صاحب نے اس کے متعلق کچھ اظہار خیال بھی فرمایا ہوگا۔

مذکورہ معلومات اگرچہ بہت مجمل ہیں، مگر ان کے ذریعہ سے ایک اشارہ ضرور مل رہا ہے امید ہے کہ آئندہ جب اس سلسلہ کی مزید معلومات سامنے آئیں گی یا کچھ اور مآخذ دریافت ہوں گے تو اس کے کچھ اور پہلو واضح ہو جائیں گے اور راقم سطور کے خیال میں جب تک معتبر ذرائع سے اس نقطہ نظر کی واضح تردید نہ ہو جائے جو گذشتہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے اس وقت تک اس موضوع پر مزید اور مستند معلومات کی تلاش جاری رہنی چاہیے۔

اس کے بعد اصل دستاویز "روداد چندۂ بلقان" پڑھئے جس سے مذکورہ بالا اطلاعات کی تصدیق ہوگی اور ممکن ہے کوئی اور گوشہ بھی سامنے آئے۔

(۱) تذکرۃ الرشید ص ۲۷۱ ج ۱۔

روداد امداد و تعاون مسلمانانِ ہند

بسلسلہ جنگ بلقان

برائے مجاہدین و متعلقین لشکر خلیفۃ المسلمین

(سلطان ترکی)

۱۲۹۴ھ ۱۸۷۴ء

بہ سرپرستی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

الحمد لله نحمده و نستغفره و نومن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا. من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادى له، و نشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له، و نشهد ان محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وسلم۔

روس کے بلقان ریاستوں پر حملے اور اس کے نقصانات: بعد ازیں یہ گزارش ہے کہ ان دنوں روس وغیرہ سلاطین اولوالعزم، سلطان روم سے بوجہ حسد طبع زاد برسر پرخاش ہیں۔ نوبت جنگ و جدال تک پہنچی ہزار ہا جانیں تلف ہوگئیں، ہزار ہا عورتیں بیوہ ہوئیں، ہزار ہا بچے یتیم ہوئے۔

ضروری وضاحت: اس روداد میں جہاں بھی روم، یا سلطان روم کا ذکر آیا ہے وہ ترکی اور خلیفۃ المسلمین (بادشاہ ترکی) کا ذکر آیا ہے۔

ان اخبارات وحشت آثار کو سنکر مصر، عرب، تونس وغیرہ میں سے تو سیکڑوں آدمی جان سے شریک ہونے پر آمادہ ہوئے اور ہزاروں نے مال سے مدد کی، اور مسلمانان ہند نے بھی بوجہ دردمندیٔ دلی اطراف و جوانب میں سے مثل بمبئی، مدراس، کلکتہ، عظیم آباد، الہ آباد، پشاور، لاہور، منٹگمری (ساہیوال) اس لشکر سلطانی شہداء کے یتیموں اور بیواؤں اور اس لشکر کے زخمیوں کے لئے ہزارہا روپیہ جمع کیا۔

مظلومین کی مدد کی بیحد ضرورت ہے: اس لئے یہ گذارش ہے کہ اس گرما گرمی میں جس سے ہوسکے بقدر ہمت شریک ہوکر خدا تعالیٰ کی خوشنودی میں داخل ہو۔ دنیا چند روز ہے یہ وقت پھر نہ ملے گا۔ اگر کسی اور وجہ سے تم کو حرارت نہیں آتی تو کیا یہ بات بھی باعث سرگرمی نہیں کہ مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ میں روضۂ مطہرہ جو اس عزت و شرف کے ساتھ آج تک موجود ہیں، تو سلطان روم ہی کے بدولت یہ حفاظت ہے۔ اگر خدانخواستہ سلطانِ روم کو بوجہ ہجوم اعداء اس تنہائی میں شکست ہوئی تو تم ہی کہو کہ پھران مقامات متبرکہ کا کیا حال ہوگا، تمہارے اتنے حوصلے نہیں کہ مقابلہ پر جانبازی کرو، اس لئے لازم ہے کہ ان کی اس کفالت کے بدلے کہ وہ مسلمانوں کے پیچھے ان مقامات کی عزت کے لئے اپنی جان ہار بیٹھے، یہاں تک کہ ہزاروں تلف ہوگئے، اتنا ہی کرو کہ تھوڑا تھوڑا روپیہ جمع کر کے ان یتیموں اور زخمیوں کی خبرلو۔ وہاں آدمیوں کی ضرورت نہیں، ترکی ایک ایک ہزار کے برابر ہے۔ مگر بوجہ خدمت حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً و خبر گیری علماء و صلحاء، و مساجد و دیگر مصارف کثیرہ البتہ روپیہ کی ضرورت ہے۔

ایسے حادثہ پر ملت کی بے حسی اور خاموشی افسوس ناک ہے: علاوہ ازیں سلطان روس بذات خود مع اپنے شاہزادوں کے دربدر روم کی لڑائی کے لئے چندہ مانگتے پھرتے ہیں، کیا تمہیں اس خبر کو سن کر بھی غیرت نہیں آتی۔ دور دور کے لوگ ترکوں کی ہمدردی اور دردمندی میں بیقرار ہیں، مگر تم کو ہزاروں کے خون اور ہزاروں کے یتیم اور بیوہ ہو جانے کی بھی خبر پر بھی غیرت نہیں۔

اللہ رے صبر و تحمل، اتنے بڑے صدمہ پر نہ اف ہے، نہ آہ ہے۔

پر یوں سمجھ کر کہ کبھی دل میں سب کچھ ہوتا ہے پر کسی محرک کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ عرض کرنا مناسب سمجھا اب ہم سب ہوا خواہان عام و خاص تمام حاضرین جلسہ کی ہمت کے منتظر اور اس بات کے امیدوار ہیں کہ از جز تا کل اس امر خیر میں سب ہی اہل اسلام شریک ہوئیں گے، باقی اگر اس وجہ سے تأمل ہے کہ مبادا سرکار انگریزی اس امر خیر سے ناخوش ہو اور اس سبب سے پھر لینے کے دینے پڑیں۔

اس جنگ میں تو حکومت برطانیہ بھی مسلمانوں کی ہم نوا ہے: اوّل تو ہم جانتے ہیں کہ یہ خیال ان ہی صاحبوں کو ہوگا جن کو اصل حال کی خبر نہیں اور یہ قال انہیں لوگوں کا ہوگا جن کا دینے کو جی نہیں چاہتا۔ دوسرے شہنشاہ روس اور سرکار انگریزی کی مخالفت بھی ایسی نہیں جس کو کوئی نہ جانتا ہو۔ علی ہذا القیاس سلطان روم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ اور سرکار انگریزی دام اقبالہ وشوکتہ کا اتفاق اور اتحاد بھی ایسا نہیں جو عوام پر ظاہر نہ ہو۔

اوّل تو روس کی آمد آمد ہندوستان پر شہرۂ آفاق ہے، جس سے یہ بات عیاں ہے کہ روس اور سرکار انگریزی میں نہایت درجہ کی عداوت ہے۔ دوسرے اخبارات انگریزی اور اردو فارسی اس افسانہ سے مالامال ہیں کہ سرکار انگریزی روم کی حامی ہے، یہاں تک کہ اس لڑائی کے لئے لندن میں روس کا مقابلہ کرنے کو جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں اور ان سب کو جانے دو تو دیکھو، کہ ہندوستان میں جس قدر حکّام عالی مقام کلکتہ اور بمبئی اور مدراس اور لاہور اور الہ آباد اور عظیم آباد اور پشاور وغیرہ میں رہتے ہیں، اس قدر اور کسی مقام میں نہیں رہتے۔ اگر فراہمی چندہ معلوم ناگوار خاطر سرکار انگلشیہ ہوتی تو اس اعلان کے ساتھ کیوں ان مقامات مذکورہ میں ہزار ہا روپیہ امدادی سلطان روم کے لئے فراہم کیا جاتا۔ یہ اثر صحبت سلطان روم اور اتحاد باہمی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے اور کیوں نہ ہو، لندن اور ہندوستان کا راستہ مملکت روم میں ہو کر آتا ہے، اگر باہم مخالفت ہوتی تو سرکار انگریزی باطمینان خاطر وہاں سے یہاں تک کیوں آسکتی۔ علاوہ بریں حیدر آباد وغیرہ میں سرکار

سے اجازت لیکر یہ کام کیا گیا بلکہ کلکتہ والوں کی طرف سے بذریعہ اخبارات یہ اعلان ہوگیا کہ سرکار انگریزی کی طرف سے کوئی شخص اندیشہ مند نہ ہو، بلکہ خود سرکار نے روس کو بتادیا ہے کہ پانچ لاکھ ہندوستانی مسلمان سلطان روم کی بے تنخواہ کی فوج ہے۔

اور بعض میموں نے لندن میں اشعار انگریزی اس مضمون کے لکھے ہیں کہ جن میں مسلمانان ہندکو مخاطب کر کے یہ لکھا ہے کہ تمہارے ان بزرگوں کی ہڈیاں جن سے تم کو افتخار ہے قبروں میں پڑی دیکھتی ہیں کہ اس واقعہ میں تم کیا کرتے ہو، تم کیسے ان کی اولاد اور نام لیوا ہو تم کو غیرت نہیں آتی، کیا مکہ معظمہ کی زیارت موقوف کراؤ گے۔ القصہ سرکار کی طرف سے تو اشتعالک ہے، اس پر بھی ہمت نہ کرو گے تو کسی کی زبردستی نہیں، مگر یہ بھی یادرہے کہ اس کا انجام دنیا و آخرت میں بجز پشیمانی اور کچھ نہ ہوگا۔

احسانات ربانی کا بدلہ دینے کی کوشش کیجئے: خداوند، قاضی الحاجات، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک سب کی حاجت روائی کرتا رہا، بلکہ علاوہ حاجت روائی تمہارے خوشنودیٔ خاطر (کیلئے) کیسی کیسی لذتوں کی چیزیں بنائیں اور اس زمانہ سے لیکر آج تک کبھی دریغ نہ کیا، سر سے لے کر پاؤں تک آنکھ، ناک، کان وغیرہ ہزاروں نعمتیں ایسی دے رکھی ہیں کہ نہ کسی دوکان پر مل سکیں، نہ کسی کاریگر سے بن سکیں، اور زمین سے لے کر آسمان تک پانی، ہوا، سورج، چاند وغیرہ بلکہ خود زمین اور نباتات وغیرہ لاکھوں نعمتیں دے رکھی ہیں کہ ضروری بھی حد سے زیادہ اور پھر ارزاں بھی حد سے زیادہ، اور نہ کسی دوکان پر مل سکیں، نہ کسی کاری گر سے بن سکیں۔ غرض خداوند عالم نے اس زمانہ سے لے کر ایسے ایسے احسان کئے اور کئے چلا جاتا ہے، اور تمہارا ہمارا حال یہ ہے کہ جان چُرائے پھرتے ہیں، نہ جان دے سکیں نہ مال دے سکیں۔ جب سے ہندوستان میں اسلام آیا اس روز سے لے کر کبھی اسلام کی تقویت یا حفاظت کا خرچ یا حرمین شریفین کی تعمیر یا حفاظت کا خرچ کسی مسلمان کے ذمہ نہیں پڑا، ایک یہ خرچ آیا ہے سو اس میں یہ پہلو تہی ہے۔ کچھ خدا سے حیا کرو، کیا اس کے ان احسانات بے پایاں کا یہی بدلہ ہے، کیا اس کے ان انعامات بیکراں کا یہی صلہ

ہے، اسی کے مال میں سے اسی کے کام میں دریغ، اس سے زیادہ اور کیا بے حیائی ہوگی۔ خدا کے کام میں بہانہ مت کرو، ایسا نہ ہو، خداوند عالم کسی بہانہ سے اپنے احسانوں میں دریغ کرنے لگے۔

روس کی کامیابی اور مجاہدین کی ناکامی کی صورت میں ملّت کو کس خطرہ کا سامنا ہے

اس وقت ضرورت میں اس مصرف سے بڑھ کر اور کوئی مصرف نہیں۔ اگر خدانخواستہ روس فتحیاب ہوا تو پھر خاکِ پاکِ حرمین شریفین بھی بظاہر اس کے گھوڑوں کی پامال ہوتی نظر آتی ہے، اس صورت میں کیا صاحبِ فہم، دین دار کے خیال میں یہ بات آسکتی ہے کہ اور کوئی مصرف اس مصرف سے زیادہ بہتر ہے۔ تعمیر مساجد نہ ہوگی تو کیا ہوگا، مسجدوں کی کون سی کمی ہے جو اور ضرورت ہے، پہلے ہی ہزاروں ویران پڑی ہیں۔ اور اگر ضرورتِ مسجد ہو بھی تو کہیں اس ضرورت کے ہم سنگ ہوگی، کہ اندیشہ پامال خاکِ حرمین شریفین سر پر آگا، سو دو سو مسکین اگر نہ کھلائے گئے تو کیا ہوگا، ایک وقت کے کھانے میں کیا زندگانی جاودانی میسر آتی ہے، اور ایک وقت نہ کھائے تو کیا کسی کو موت کھائے جاتی ہے اور اگر ضرورت ہو بھی تو کیا اس سے زیادہ اندیشہ مذکور جان گراں ہے۔

اگر بالفرض بوجہ بھوک و پیاس کسی کی جان تلف بھی ہوگئی، تو ایک مسلم تلف ہوگیا، یا دس بیس سو پچاس تلف ہوگئے۔ پر خدانخواستہ اگر روس غالب آگیا تو یوں کہو چند روز میں اسلام روئے زمین سے اٹھ گیا، اور اگر یہ باتیں محض خالی معلوم ہوتی ہیں اور اس وجہ سے قابل اعتبار نہیں تو خود قرآن کو دیکھ لیجئے، اس میں فرماتے ہیں:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ

دینی خدمات خصوصاً جہاد کے موقع پر کس خدمت کو اولیت اور اہمیت ہے

ان آیات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ تعمیر مساجد اور حجاج کو پانی پلانا جہاد کے برابر نہیں ہوسکتا ہے، بلکہ جہاد مالی ہو یا جانی اس سے بڑھ کر ہے۔ اب خیال فرمایئے خدا کے مکانوں کی خبر گیری اور خدمت گزاری کیوں کر برابر ہوسکتے ہیں، اور جب مہمان بھی ہم سنگ نہیں، تو مساکین تو

کس شمار میں ہیں، کیوں کہ مہمان داری اور مسکینوں کی خبر داری سے خدا کے نزدیک بھی افضل اور دنیا کے نزدیک بھی افضل مگر اور مہمانوں سے خدا کے مہمان یعنی حجاج افضل، بسبب ان سے بھی یہ مصرف افضل ہوا تو اور کس شمار میں رہے۔ علی ہذا القیاس تعمیر مسجد الحرام جب اس مصرف کے برابر نہ ہوا تو اور مساجد کا کیا ذکر ہے۔

بہر حال عقل سے دیکھو یا نقل سے یہ مصرف سب مصرفوں سے افضل ہے، خاص کر جب یہ لحاظ کیا جائے کہ شوکت اسلام اور مقابلۂ حرمین شریفین اس زمانہ میں سلطنت روم کے ساتھ ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ سلطنت نہ ہوئی تو نہ اس کی شوکت رہے گی اور نہ حرمین کی عزت رہے گی، تو پھر یہ امداد ہر عقل والے کو فرض معلوم ہوگی۔

اس لئے یہ گذارش ہے اگر خدا کی مغفرت کے امیدوار اور اس کے حبیب ﷺ کے شفاعت کے خواستگار ہو تو حرمین شریفین کے حفاظت میں جان نہیں، مال ہی سے مدد کرو۔ بالکل بے حیا نہ بنو، کچھ تو شرم کرو۔ اوروں سے نہیں شرماتے تو خدا اور رسول ﷺ ہی سے شرماؤ، یوں ہاتھ سے مال جو ہاتھ کا میل ہے، نہیں چھوٹتا، تو ان ننھے ننھے بچوں کی آہ وزاری پر رحم کرو جن کے باپ خدا کی راہ میں خاک وخون میں تڑپ تڑپ کر مر گئے، ان بیویوں کی بے کسی ہی پر رحم کرو، جن کے خاوند ان کو تنہا چھوڑ کر خدا کی راہ میں اپنا جان و مال نثار کر گئے۔ یوں بھی غیرت نہیں آتی، تو یہی خیال کرو کہ ہزاروں غرباء نے باوجود افلاس اپنا پیٹ کاٹ کر تھوڑا تھوڑا کر کے ہزاروں روپیہ جمع کر دیئے، جن کی تفصیل ذیل میں درج ہے اور بھی کچھ نہیں ہوسکتا تو زکوٰۃ ہی عنایت کرو، ایسے مصارف میں زکوٰۃ بھی جائز ہے۔ الغرض بہانوں کو جانے دو۔ وقت ہمت ہے ٹلانے کا وقت نہیں!

بلقان (ترک) اگر دنیاوی مقصد کے لئے بھی لڑ رہے ہوں، تب بھی ان کا تعاون واجب ہے

یہ کیا وہم ہے کہ ترک دنیا کے لئے لڑ رہے ہیں، دین کے لئے لڑتے تو ہم مدد کرتے۔ کیا تم کو ان کی نیتوں کی خبر ہوگئی ہے جو یہ بدگمانی ہے، کیا بدگمانیوں کی ممانعت کی تم کو خبر نہیں، اور اگر یہ بدگمانی فرض کرو صحیح بھی ہو تو کیا شجاعان ترک ہندو معماروں سے بھی گئے گزرے، اگر کوئی ہندو معمار مسجد بناتا ہے

تو اس کی تنخواہ پر امید ثواب نہیں، وہ اپنے پیٹ کے لئے کام کرتا ہے، دنیا کے لئے مرتا کھپتا ہے، مگر یوں سمجھ کر کہ آخر ہماری ہی مسجد بناتا ہے کس خوشی اور کس امید پر اس کو روپیہ دیتے ہو۔ یہاں بھی اگر یہی سمجھ لو تو کیا بیجا، شجاعان ترک اگر دنیا کے لئے مرتے مارتے ہیں، تو کیا ہوا تمہارا ہی دین شر کفار سے محفوظ ہوتا ہے، تمہارا ہی کعبہ و قبلہ اور تمہارا ہی مدینہ منورہ اور تمہارے ہی نبی پاک شئہ لولاک ﷺ کا روضۂ مطہرہ کی عزت اور حرمت قائم رہتی ہے۔ بالجملہ ہمت نہ ہارو، قلیل و کثیر جس قدر ہو سکے، عطا کرو۔ واللہ الموفق لمن یشآء:

فرد حساب جمع خرچ چندہ مجروحان عساکر سلطانی

(تین ہزار نو سو اٹھاسی روپے، ساڑھے پندرہ آنہ ۳۹۸۸/۱۵)

از ساکنان قصبہ دیوبند، ضلع سہارنپور آٹھ سو چونسٹھ روپے، ۱۳ آنہ / ۸۶۴

مدرسان و مہتممان مدرسہ عربی دیوبند ایک سو تیرہ روپے، ۱۲ آنہ / ۱۱۳

از طلبہ مدرسہ عربی دیوبند ایک سو چوالیس روپے، ۹ آنہ / ۱۴۴

از قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور، معرفت جناب مولوی محمد قاسم صاحب پانچ سو پینسٹھ روپے، ۴ آنہ / ۵۶۵

از مظفر نگر و متعلقہ اش (معرفت مولوی محی الدین و مولوی محمد منعم صاحبان) بارہ سو باسٹھ روپے، ۱۵ آنہ / ۱۲۶۲

از تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (معرفت مولوی فتح محمد صاحب) ایک سو بارہ روپے، ۵ آنہ / ۱۱۲

از خاص سہارنپور (معرفت مولوی جمال الدین صاحب) تہتر روپے، ۷ آنہ / ۷۳

از قصبہ منگلور ضلع سہارنپور (معرفت حافظ نظیر احمد و قاضی عنایت علی صاحب) پینتالیس روپے ساڑھے پندرہ آنہ / ۴۵

از اکبر آباد: (معرفت منشی عبد الرزاق) پچپن روپے، ۸ آنہ / ۵۵

از موضع پھلاودہ، لاوڑ ضلع میرٹھ (معرفت میر ہدایت علی صاحب و سعادت علی صاحب) چھیتر روپے، ۸ آنہ / ۷۶

از قصبہ پور (قاضی) ضلع مظفر نگر (معرفت حکیم محمد اکبر صاحب) پینتالیس روپے، ۱ آنہ / ۴۵

از امروہہ ضلع مراد آباد (معرفت مولوی احمد حسن صاحب)

از ہمیر پور (معرفت منشی صادق علی صاحب) بیس روپے، ۲۰

از نور اللہ خاں صاحب رئیس میرٹھ پچیس روپے، ۲۵

از شاملی، ضلع مظفر نگر (معرفت حافظ محمد حسین صاحب) اٹھائیس روپے، ۱۲ آنہ / ۲۸

از جوالاپور ضلع سہارنپور (معرفت مولوی منظور احمد صاحب) چالیس روپے، ۱۵ آنہ / ۴۰

از قصبہ گلاوٹھی ضلع بلند شہر (معرفت منشی سید مہربان علی صاحب) ایک سو بیس روپے، ۱۵ آنہ / ۱۲۰

از مولوی الٰہی خیر صاحب رئیس مارہرہ ضلع ایٹہ اڑتیس روپے، ساڑھے تین آنہ / ۳۸

از قصبہ انبہٹہ ضلع سہارنپور (معرفت مولوی صدیق علی و حافظ محمد اعلیٰ صاحب)

ایک سو پینسٹھ روپے، ۴ آنہ / ۱۶۵

از قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ (معرفت منشی الطاف علی صاحب) نوے روپے، ۹۰

از قصبہ راجوپور ضلع سہارن پور (معرفت منشی محمد اسماعیل صاحب) پینسٹھ روپے، ۲ آنہ / ۶۵

از سرشتہ تعلیم (معرفت منشی فضل حق صاحب) پینسٹھ روپے، ساڑھے ۱۴ آنہ / ۶۵

از موضع گھوگریکی ضلع سہانپور بائیس روپے، ۵ آنہ / ۲۲

از موضع دھن پورہ ضلع سہارن پور (معرفت خلیفہ بشیر احمد صاحب) گیارہ روپے، ۱۱

از قصبہ ٹلہر ضلع شاہ جہاں پور (معرفت مولوی عبد الحق صاحب) سات روپے، ۷

از موضع پلڑہ ضلع سہارن پور (معرفت جبوں خاں صاحب) چوہتر روپے، ۹ آنہ / ۷۴

از راؤ امداد علی خاں صاحب، مالک کارخانہ شکرم سہارن پور چھیاسٹھ روپے، ۱۲ آنہ / ۶۶

(مجموعہ رقومات درج بالا) تین ہزار نو سو اٹھاسی روپے / ۳۹۸۸۔

●

ارسال نقد بخدمت جناب سر شہبندر، حسین حسیب صاحب بہادر، مقیم بمبئی (تین ہزار نو چھیاسٹھ روپے، ۳۹۶۶)

بتاریخ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ (رسید از محرم الحرام ۱۲۹۴ھ) ایک ہزار دو سو روپے، ۱۲۰۰

بتاریخ ۲۹/ محرم ۱۲۹۴ھ (مندرجہ مورخہ ۱۶/ صفر ۱۲۹۴ھ) دو سو روپے، ۲۰۰

بتاریخ ۱۷/ ربیع الثانی (مندرجہ رسید مورخہ ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ) نو سو پینتالیس روپے، ۹۴۵

بتاریخ ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ (مندرجہ رسید مورخہ یکم جمادی الثانی ۱۲۹۴ھ) آٹھ سو پچپن روپے، ۸۵۵

بتاریخ ۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ (مندرجہ رسید مورخہ یکم جمادی الثانی ۱۲۹۴ھ) ساٹھ روپے ۱۲ آنہ / ۶۰

بتاریخ ۲۵ / جمادی الثانی ۱۲۹۴ھ (مندرجہ رسید مورخہ ۲ / رجب المرجب ۱۲۹۴ھ)

آٹھ سو پینتیس روپے، ۷ آنہ / ۸۳۵

بتاریخ ۲۵ / جمادی الثانی ۱۲۹۴ھ (مندرجہ رسید مورخہ ۲ / رجب المرجب ۱۲۹۴ھ)

چوہتر روپے، ۹ آنہ / ۷۴

خرچ متفرق ——— بائیس روپے، ساڑھے ۳ آنہ / ۲۲

مندرجہ رسیدات بضمن رسید سوم ۲۸ ۔ ۲ آنہ / ۴ جو رسیدات آئندہ میں اللہ چاہے درج ہوگا۔
محصول خطوط ٹکٹ رجسٹری وغیرہ، ساڑھے گیارہ آنہ / ۵ کاغذ برائے خطوط۔ ٹکٹ رجسٹری وغیرہ بابت کرایہ آمد ورفت جہت سعی چندہ۔ ساڑھے ۱۰ آنہ / ۱، بابت ..... درآمد ورفت برائے سعی چندہ، ۱۴ آنہ / ۱ کسرات نوٹ
قیمت اشتہار علماء استنبول وسجادہ نشیں (بغداد شریف، تعدادی ایک صد عدد) ساڑھے ۳ آنہ / ۳
اُجرت طبع شکریہ مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً (تعدادی پانچ صد عدد) سات آنہ / ۲

نقل رسیدات جناب سرشہبندر، دولت علیہ عثمانیہ حسین حسیب صاحب آفندی بہادر سفیر باتوقیر حضرت سلطان روم خلد اللہ ملکہ مقیم بمبئی

سفیر خلافت عثمانیہ کے شکریہ کے خطوط اور رقم کی رسیدیں — رسید اول

جناب فضل مآب حاجی محمد عابد صاحب، و جناب مولوی محمد یعقوب صاحب، و مولوی محمد قاسم صاحب، و مولوی محمد رفیع الدین صاحب۔ مہتممانِ مدرسہ عربی، دیوبند سلمہ اللہ تعالیٰ!

بعد سلام مسنون الاسلام! موضوح باد کہ مکتوب بہجت اسلوب آں حضرات مع مبلغ ایک ہزار دو صد روپیہ نوٹ بنگالی کہ بمراد ارسال آں بہ بابِ عالی برائے مجروحین و ایتام دار اہل عساکرہ منصورہ صرف شود، مرسول بود، موصول گردید۔

حقیقتاً مساعی جمیلہ آں حضرات کہ بمقتضائے حمیت دینیہ بظہور آمدہ، مستحق ممنونیت مشکوریت

بست و بحول اللہ تعالیٰ مبلغ مذکور حسب خواہش بہ باب عالی تبلیغ میکنم، ورسیدی کہ ازآں جائی رسد درعقب موصول آں حضرات خواہد شد و در جوائب ہم نشر خواہد گردید۔ وہم چنیں بر مبلغے کہ حسب تحریر ایشاں رسیدہ باشد، انشاء اللہ تعالیٰ مع الافتخار در تبلیغ آں دریغ نخواہد رو داد۔ زیادہ والسلام!

مورخہ ۱۰ ارمحرم الحرام ۱۲۹۴ھ

حسین حسیب

سرشہبندر، دولتِ عثمانیہ علیہ۔ در بمبئی

●

نقل رسید جناب کونسلر جنرل، دولت عثمانیہ
حسین حسیب آفندی بہادر
(سفیر محترم حضرت سلطان روم ترکی، مقیم بمبئی)

پہلے خط اور رسید کا ترجمہ بادشاہی پرچم کا نشان

جناب فضائل مآب حاجی محمد عابد صاحب و جناب مولوی محمد یعقوب صاحب و مولوی محمد قاسم صاحب و مولوی رفیع الدین صاحب مہتمان مدرسہ عربی دیوبند

بعد سلام مسنون۔ واضح ہو کہ آپ صاحبان کا نفیس خط ایک ہزار، دو سو روپے کے بنگالی نوٹ کے ساتھ ملا، جس کے روانہ کرنے کا مقصد ہمارے باب عالی (عالم اسلام کے سیاسی مرکز اور خلیفہ ترکی کے دفتر) سے وابستہ زخمیوں، یتیموں اور لشکر کے متعلقین پر خرچ ہے، وصول ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ سب کی یہ کوششیں جو دینی حمیت کی وجہ سے ظہور میں آئی ہیں ممنونیت اور شکر کی مستحق ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے (میں) اس رقم کو آپ صاحبان کی خواہش کے مطابق باب عالی بھیجدوں گا اور وہ رسید جو باب عالی سے آئے گی، ملتے ہی آپ صاحبان کو بھیجدی جائے گی اور الجوائب (ترکی حکومت کے سرکاری اخبار) میں بھی چھاپ دیا جائے گا۔

اور اسی طرح ہر وہ رقم جو آپکی تحریرات کے مطابق ارسال کی جائے گی، انشاء اللہ تعالیٰ عزت واحترام کے ساتھ (وصول کی جائے گی اور) اس کی روانگی میں کوتاہی کو موقع نہیں دیا جائے گا۔

زیادہ (کیا لکھوں) والسلام

حسین حسیب، سرشہبندر، دولت عثمانیہ
۱۱ر محرم الحرام ۱۲۹۴ھ

دوسرا خط اور رسید

جناب فضائل مآب مولوی محمد قاسم صاحب، و مولوی محمد یعقوب صاحب، و مولوی محمد رفیع الدین صاحب و محمد عابد صاحب

مہتممان مدرسہ عربی دیوبند، سلمہم اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون الاسلام! مشہود باد کہ مبلغ دو صد روپیہ بابت اعانت عساکر، قسط دوم کہ ارسال فرمودند موصول گردید، و روانہ کردہ شد، خاطر شریف جمع دارند۔ وانچہ از اظہار مہربانی ہا کہ بہ نسبت من فرمودہ اند گویا بلسانِ حالِ من اظہار بزرگی و شرف خود فرمودہ اند، ایزد تعالیٰ توفیق خیر مزید گرداند۔ والسلام

سرشہبندر، دولت علیہ عثمانیہ در بمبئی

۱۶ر صفر الخیر ۱۲۹۴ھ

دوسرے خط اور رسید کا ترجمہ

جناب فضائل مآب، مولوی محمد قاسم صاحب، مولوی محمد یعقوب صاحب و مولوی رفیع الدین صاحب و محمد عابد صاحب۔ مہتممان مدرسہ عربی دیوبند

سلام مسنون کے بعد واضح ہو کہ مبلغ دو سو روپے، جو ترکی کی فوج کی مدد کے لئے بھیجا ہے، مل گیا ہے اور (باب عالی) روانہ کر دیا ہے، اطمینان فرمائیں۔

اور جو کچھ کہ عنایات اور کلمات لطف میرے متعلق فرمائے ہیں وہ گویا میری زبان حال سے اپنی بزرگی اور شرافت ظاہر فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر کی توفیق میں اضافہ فرمائے۔

والسلام

۱۶ر صفر ۱۲۹۴ھ

کونسلر جنرل، حکومت ترکی، بمبئی

تیسرا خط اور رسید:

رسید سوم

سرشہبندر، دولت علیہ عثمانیہ در بمبئی

حضرات فضائل مآب جناب مولوی محمد قاسم صاحب، وجناب مولوی محمد رفیع الدین صاحب، وجناب مولوی محمد یعقوب صاحب، وجناب حاجی محمد عابد صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ

رقیم کریم آں حضرات مع رقم نہ صد و چہل و پنج روپیہ نقد کہ مع مصارف مرقومہ نہ صد وشصت وسہ روپیہ ویک آنہ میشود، موصول گردید، وباعث خوشنودی باشد۔ ایزد تعالیٰ فائز اجر جزیل وذکر جمیل کناد۔

وچنانچہ معلوم است رقم چہار دہ صد روپیہ کہ اول دو دفعہ کردہ فرستادہ بودند، موصول دار الخلافہ شدہ بمجلس اعانت حربیہ سپردہ شد۔ چنانچہ تفصیل آں در اخبار دار الخلافہ در عدد ہفدہم مسطور شدہ، ویقین کہ از ملاحظہ عالی گزشتہ باشد۔ وایں رقم نیز مع رقوم دیگر کہ از اطراف ہندوستان رسیدہ کہ منجملہ آں پنجاہ ہزار روپیہ زر متبرعہ جناب معلّٰی القاب نواب صاحب والی رام پور است، عنقریب برسول خواہد شد، ورسید ہا رسیدہ خواہد شد، خاطر شریف جمع دارند۔ والسلام

۵/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ

حسین حسیب

سرشہبندر، دولت علیہ عثمانیہ، در بمبئی

تیسرا خط اور رسید کا ترجمہ

نمبر ۱۱۰/ ۴۶۰

فضائل کی علامت، جناب مولوی محمد قاسم صاحب، وجناب مولوی محمد رفیع الدین صاحب، وجناب مولوی محمد یعقوب صاحب، وجناب حاجی محمد عابد صاحب۔

آپ صاحبان کا محترم عنایت نامہ نو سو پینتالیس روپے نقد جو لکھے ہوئے اخراجات شامل کرکے، نو سو ترسٹھ روپے ایک آنہ ہوتے ہیں، مل گئے اور خوشی کا سبب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ یہ رقم

(دینے والوں کو) بہترین اجر پر فائز فرمائے اور ان کا بہترین ذکر فرمائے۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ رقم چودہ سو روپے جو پہلے دو دفعہ کر کے روانہ کئے گئے تھے، دارالخلافہ (باب عالی ترکی) میں پہنچ گئے اور جنگ کی مدد کرنے والی مجلس کے سپرد کر دئے گئے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل دارالخلافہ کے اخبار کے سترہویں (۱۷) شمارہ میں لکھی گئی ہے(۱) اور یقین ہے کہ یہ (اخبار اور تفصیل) ملاحظہ سے گزری ہوگی، اور یہ رقم بھی اور رقومات کے ساتھ جو ہندوستان کے مختلف حصوں سے پہنچی ہیں، جس میں سے وہ پچاس ہزار روپے کی عنایت بھی ہے جو نواب صاحب رام پور کی طرف سے عنقریب (دارالخلافہ) روانہ ہوگی، اور ان کی رسیدیں رسیدوں کی ترتیب کے مطابق روانہ کی جائیں گی۔ اطمینان فرمائیں

والسلام

۵ر جمادی الاول ۱۲۹۴ھ

چوتھا خط اور رسید مرسلہ رقم: رسید چہارم

جناب حمیت و فضیلت مآب مولوی محمد قاسم صاحب، مولوی محمد رفیع الدین صاحب، مولوی محمد یعقوب صاحب و مولوی محمد عابد صاحب سلمہم المنان،

مہتمان مدرسہ اسلامیہ عربی دیوبند

بعد سلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ! موضوح خاطر باد کہ رقیم کریم مورخہ دہم شہر جمادی الاول ۱۲۹۴ھ، مع یازدہ قطعات کرنسی نوٹ، تعدادی ہفت صد و پنجاہ و پنج روپیہ حسب تفصیل ذیل کہ از روئے حمیت دینی و ہمدردی برادران اسلام برائے مجروحین و ایتام عساکر نصرت مآثر حضرت ظل الٰہی مرسول بود، موصول گردید۔

انشاء اللہ مبلغ مذکور مع الافتخار بتاریخ ۲۵ر جون رواں بمحل مقصود ارسال خواہم داشت، و رسید کہ از باب عالی می رسد درعقب فرستادہ خواہد شد۔

(۱) الجوائب، دارالخلافہ عثمانیہ، ترکی کا سرکاری ترجمان تھا جس میں سرکاری اطلاعات اور حکومت کے مسائل واحوال کا ذکر ہوتا تھا۔

از مہتمان و مدرسان مدرسہ اسلامیہ عربی دیوبند: بتیس روپے بارہ آنے /۳۲۔ از طلبہ مدرسہ اسلامیہ عربی دیوبند اکیس روپے سوا چار آنے /۲۱۔

از ساکنان دیوبند دو سوانچاس روپے، ساڑھے آٹھ آنے /۲۴۹ از مظفرنگر تین سو پینتالیس روپے، دو آنے /۳۴۵ از اکبر آباد پچپن روپے از پھلاودہ ضلع میرٹھ سینتیس روپے ساڑھے آٹھ آنے /۳۷ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر تینتیس روپے تیرہ آنے۔

والسلام

المرقوم یکم جمادی الآخر ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۳ر جون ۱۸۷۷ء

حسین حسیب

سرشہبندر، دولت علیہ عثمانیہ، در بمبئی

چوتھے خط اور رسید کا ترجمہ ۵۲۰/۱۷۰

حمیت و فضیلت مآب، جناب مولوی محمد قاسم صاحب و مولوی محمد رفیع الدین صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب و مولوی محمد عابد صاحب مہتمان مدرسہ اسلامیہ عربی دیوبند

سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد معلوم ہو کہ آپ صاحبان کا گرامی نامہ جو ۱۰ر جمادی الاول ۱۲۹۴ھ (۲۴ مئی ۱۸۷۷ء) کا لکھا ہوا ہے، گیارہ عدد کرنسی نوٹوں کے ساتھ جس کی مقدار سات سو پچھتر ۷۷۵ روپے ہے، درج ذیل تفصیل کے مطابق جو حضرت سایہ الٰہی (خلیفۃ المسلمین) کے لشکر کے زخمیوں اور یتیموں کے لئے حمیت دینی اور اسلامی بھائیوں کی ہمدردی ظاہر کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے، مل گیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ روانہ کی گئی یہ رقم اعزاز کے ساتھ ۲۵ر جون ۱۸۷۷ء (۱۳ر جمادی الثانی ۱۲۹۴ھ) کو اس کی منزل مقصود کے لئے روانہ کر دوں گا اور وہ رسید جو باب عالی (آستانہ، ترکی) سے آئے گی، بعد میں بھیجدی جائے گی۔

تفصیل

مہتمان مدرسہ اسلامیہ عربی دیوبند کی طرف سے بتیس روپئے بارہ آنے /۳۲

مدرسہ اسلامیہ دیوبند کے طلبہ کی جانب سے اکیس روپئے، ساڑھے چار آنے /۲۱

ساکنان دیوبند کی جانب سے دو سوانچاس روپے، آٹھ آنے /۲۴۹
مظفر نگر سے تین سو پینتالیس روپے دو آنے /۳۴۵
اکبر آباد سے پچپن روپے /۵۵
پھلاودہ ضلع میرٹھ سے سینتیس روپے، ساڑھے آٹھ آنے /۳۷
تھانہ بھون ضلع مظفر نگر سے تینتیس روپے تیرہ آنے /۳۲

والسلام

مکتوبہ، یکم جمادی الآخر ۱۲۹۴ھ، ۱۳/جون ۱۸۷۷ء

پانچواں خط اور رسید رقم

رسید پنجم ۵۲۱۔ا۔۱۷

جناب حمیت مآب امداد علی خاں صاحب، مالک کارخانہ شکرم سہارنپور

سلامت باشند

بعد سلام مسنون! موضوح آنکہ مرسلہ جناب یعنی رقم شصت وشش روپیہ دوازدہ آنہ کہ برائے مصارف یتیمان و بیوگان عساکر نصرت مآثر حضرت خلافت پناہی کہ از راہ جمعیت دینی مرسول بود، وصول گردید۔ انشاء اللہ العزیز مبلغ مذکور بتاریخ ۲۵/جون رواں بمحل مقصود روانہ خواہد شد، ورسیدے کہ از باب عالی می آید، متعاقب فرستادہ می شود۔ والسلام

المرقوم ۱۳/جون ۱۸۷۷ء

پانچویں خط اور رسید کا ترجمہ ۵۲۱/۱/۱۷

جناب حمیت مآب، امداد علی خاں صاحب مالک کارخانہ شکرم سہارنپور —— بخیریت ہوں گے؟ سلام مسنون کے بعد معلوم ہو کہ جناب کی بھیجی ہوئی رقم چھیاسٹھ روپے، بارہ آنہ، جو خلیفۃ المسلمین کی فوجوں کے یتیموں اور بیواؤں کے خرچ کے لئے، دینی یک جہتی کے خیال سے روانہ کی گئی تھی، مل گئی ہے۔

انشاء اللہ العزیز، روانہ کی ہوئی یہ رقم، ۲۵/جون کو اپنی منزل کے لئے روانہ ہوگی اور جو رسید باب عالی سے آئے گی، بعد میں بھیجدی جائے گی۔

۱۳/جون ۱۸۷۷ء

چھٹا خط اور رسید رقم　　نقل رسید ششم　　۶۳۳/۲۸۳

جناب فضائل مآب مولوی محمد قاسم صاحب، و مولوی رفیع الدین صاحب، و مولوی محمد یعقوب صاحب، و حاجی محمد عابد صاحب! مہتمان مدرسہ اسلامیہ دیوبند، و اراکین انجمن تائید مجروحان وایتام دار اہل عساکر سطانی، سلمهم الله تعالیٰ!

رقم ہشت صد روپیہ کہ ہفت صد و بست و پنجاہ روپیہ و ہفت آنہ، مرسلہ انجمن آں حضرات بود، مع ہفت و چہار روپیہ و نہ آنہ مرسلہ جیون خان صاحب موصول گردید۔ و بطور سابق بہ باب عالی ارسال داشتہ خواہد شد، تا در مصرف مذکور صرف کردہ آید۔ و رسید جیون خاں صاحب علیحدہ حسب درخواست حضرات مصحوب ایں مکتوب فرستادہ شدہ، و رسیدات قسط اوّل کہ عبارت از دوازدہ صد روپیہ، و رقم دیگر دو صد روپیہ بود از باب عالی رسیدہ، و بہ آں بزرگواران مع محفوظیت تامہ ذات جلالت سمات پناہی روانہ گردیدہ، امید کہ دیدنش باعث مسروریت خواہد شد، زیادہ ایزد تقدس و تعالیٰ اجر جزیل مرحمت فرماید۔

والسلام فی ۲/رجب ۱۲۹۴ھ
سر شہبندر، دولت عثمانیہ در بمبئی

چھٹے خط اور رسید کا ترجمہ　　۶۳۳/۲۸۳

جناب فضائل مآب مولوی محمد قاسم صاحب، و مولوی محمد رفیع الدین صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اور حاجی محمد عابد صاحب　　مہتمان مدرسہ اسلامیہ دیوبند
اور اراکین، انجمن مدد زخمیان و یتامی، و اہل لشکر (سلطان ترکی)

رقم آٹھ سو روپے جس میں سات سو پچیس روپے سات آنہ، آپ صاحبان کی انجمن کے روانہ ہوئے تھے، مع چوہتر روپے نو آنہ کے، جو جیون خاں صاحب کے بھیجے ہوئے تھے مل گئے ہیں اور پچھلی رقموں کی طرح باب عالی کو روانہ کر دیئے جائیں گے، تاکہ مذکورہ مصرف میں

خرچ کئے جائیں۔ اور جیون خاں صاحب کی رسید یہ خط لکھنے والے رفقا کی گذارش کے مطابق علیحدہ روانہ ہو گی۔

اور پہلی قسط کی رقم بارہ سو روپے کی رسید اور دوسری رسید دو سو روپے کی تھی، باب عالی سے آگئی ہے اور ان بزرگواروں کو صدارت پناہ (صدر اعظم) کے والانامہ کے ساتھ روانہ کی گئی ہے، امید ہے کہ اس خط (اور رسید) کا دیکھنا خوشی کا سبب ہو گا۔ زیادہ کیا لکھوں، حق تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے۔

والسلام

۲؍رجب ۱۲۹۴ھ (۱۴؍جولائی ۱۸۷۷ء)

ساتواں خط اور رسید　　نقل رسید ششم　۲۸۴ — ۶۳۳۴

جناب حمیت مآب جیون خاں صاحب سلامت باشند......

رقم ہفتاد و چہار روپیہ و نہ آنہ کہ بہ معرفت حضرات فضائل سمات مہتمان مدرسہ اسلامیہ دیوبند مرسول بود، موصول گردید، خاطر شریف جمع دارند۔ انشاء اللہ تعالیٰ مع الامینۃ التامہ بباب عالی فرستادہ خواہد شد، تا بہ مجلس اعانت حربیہ سپردہ آید، و در مصرف مذکور صرف کردہ شود، و رسید مبلغ مذکور چنیں کہ می رسد، فرستادہ خواہد شد۔

والسلام

۳؍رجب ۱۲۹۴ھ

سرشہبندر، دولت علیہ عثمانیہ در بمبئی

حسین حسیب

ساتویں خط اور رسید کا ترجمہ　　نمبر ۲۸۴؍ ۶۳۳۴

حمیت مآب، جناب جیون خاں صاحب!　　بعافیت ہوں گے؟

رقم چوہتر روپے نو آنہ جو کہ مہتمان مدرسہ اسلامیہ دیوبند کی معرفت روانہ کی گئی تھی، مل گئی ہے، اطمینان رکھئے۔

انشاء اللہ پوری دیانت کے ساتھ باب عالی کو روانہ کی جائے گی، تاکہ مجلس مددگار جنگ کے سپرد کردی جائے اور مذکورہ (مقررہ) جگہ پر خرچ ہو اور اس رقم کی رسید جب پہنچے گی، بھیجدی جائے گی۔

والسلام

۲ر رجب ۱۲۹۴ھ (۱۴ر جولائی ۱۸۷۷ء)

کونسلر جنرل حکومت عثمانیہ، بمبئی۔ حسین حسیب

●

وزیر اعظم خلافت عثمانیہ کا شکریہ کا خط: واضح ہو کہ دفتر خاص باب عالی، شاہنشاہ ظل الٰہی سلطان روم خلد اللہ ملکہ سے بھی رسیدات آئیں، چوں کہ وہ زبان ترکی میں ہیں، ان کا تلفظ اور تفہم دشوار ہے اس لئے انہیں نقل نہیں کیا۔ مگر شکریہ وزیر اعظم سلطنت روم باب عالی سے بعبارت فارسی عز ورود لایا اور باعث افتخار ہندوستان ہے، نقل کرتے ہیں:

شکریہ از جانب

دستور معظم، صدر اعظم، جناب ابراہیم ادہم صاحب بہادر لازال ظل کرمہ

جناب مدرسان مدرسہ دیوبند، ضلع سہارن پور۔ فضیلت مآبان صاحب۔

اعانت نقدیہ بجہت اولاد وعیال عساکر شاہانہ کہ در جنگ سربستان شربت شہادت نوشیدہ بودند، پیش ازیں فراہم آوردہ ارسال فرمودہ بودید، بتمامی واصل گردید۔ برائے توزیع آں باب استحقاق با نجمن مخصوص تسلیم نمودہ شد، وازیں ہمت فتوت مندانہ کہ مجرد از غیرت دینیہ وحمیت اسلامیہ شما بوقوع آمدہ است، ہمہ وکلائے دولت علیہ عثمانیہ فرحناک گشتہ، وعلی الخصوص بدرجہ کمال ہادی خوشنودیت ایں مخلص بے ریا گردیدہ است۔

مبلغ مرسول علاوہ برآنکہ باضطراب محتاجین تخفیفے بہم رسانیدہ، کسانیکہ ازیں اعانت حصہ دارشدند بملاحظہ آنکہ در ممالک بعیدہ ہندوستان برادران دینی ہستند کہ بر حال پر ملال بچشم تاسف نگاہ می کنند، و برزخم ہائے کہ از دشمنان دین خوردہ ایم، مرہم تسلیت می نہند، اظہار مزید شکرانیت کردند واشک رقت ریختہ حصہ خود شانرا گرفتند، بنابریں از جناب رب مستعان کہ نصیر

ظہیر یگانہ گویان است، التماس آں دارم کہ سعی جمیل شما عند اللہ مشکور گشتہ، در دنیا و عقبیٰ مظہر اجر جزیل باشید۔ والسلام

۹ر جمادی الاول ۱۲۹۴ھ

عن دار الخلافة العلية العثمانيه

وزیر اعظم ابراہیم ادہم

ترجمہ

مکتوب وزیر اعظم حکومت عثمانیہ (ابراہیم ادہم) ترکی کا شکریہ کا خط جناب۔ مدرسین مدرسہ دیوبند ضلع سہارن پور!

فاضلان محترم! نقد تعاون (اور امداد) کی رقم شاہی فوج کے ایسے جوانوں کی اولاد اور اہل خاندان کے لئے، جنہوں نے سربستان کی جنگ میں شہادت کا جام پی لیا ہے اور اس سے پہلے بھی جو رقم اکٹھی کر کے روانہ فرمائی تھی، سب پوری مل گئی ہے اور اس سخاوت نشان ہمت سے جو آپ صاحبان کی غیرت دینی اور حمیت اسلامی کی وجہ سے وجود میں آئی ہے، عثمانی حکومت کے سب نمائندے بہت خوش ہوئے ہیں اور خاص طور سے مجھ مخلص کی انتہائی مسرت کا سبب ہوئی ہے۔

روانہ کی گئی رقم اس کے علاوہ کہ اس کو وصول کر کے ضرورت مندوں کو اپنی تکلیف اور نقصان میں (کسی قدر) کمی کا احساس ہوگا، یہ بات مزید تشکر کا سبب ہے کہ دور دراز ملکوں اور ہندوستان میں ان کے دینی بھائی ہیں جو ہمارے خستہ حال سے غمگین ہیں اور ان زخموں پر جو ہم (عثمانی فوجیوں اور ان کے اہل خاندان) نے دین کے دشمنوں سے کھائے ہیں، تسلی کا مرہم رکھتے ہیں اور اپنے آنسو بہاتے ہوئے اس خدمت میں اپنا حصہ لے رہے ہیں۔

اس وجہ سے رب تعالیٰ شانہ سے جو مدد فرمانے والا اور ظاہر کرنے والا ہے یہ التجا کرتا ہوں کہ آپ صاحبان کی یہ مبارک کوشش حق تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو کر دنیا اور آخرت میں اجر عظیم کی صورت میں ظاہر ہو۔ والسلام

۹ر جمادی الاول ۱۲۹۴ھ

دار الخلافہ عالیہ عثمانیہ۔ وزیر اعظم ابراہیم ادہم

شکریہ کے خط سے عزت افزائی پر کلمات تشکر شکریہ بجواب شکریہ از جانب مولوی محمد قاسم صاحب ودیگر مہتممان مدرسہ عربی دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

رفعت مآب، فلک قباب والا مناصب، عالی مراتب، حامی دین متین، معین شرع مبین، کیوان مقام، مریخ انتقام، حاتم سخاوت، رستم شجاعت، ملجاء غربا، ملاذ فقراء، دستور معظم، صدر اعظم، لازال ظل کرمہ ممدود او نور حشمتہ محسوداً۔

نیاز کیشان اخلاص مند وسینہ ریشان درمند، حلقہ بگوشان درم ناخریدہ، وارزومندان نادیدہ، خواران دور افتادہ، وزاران دل بباد دادہ، تسلیمات مسنونہ را بہزار نیاز وسوز گداز آمیختہ وتعظیمات مکنونہ ازمعدن صدق وصفاواخلاص انگیختہ، بعز عرض باریاباں در دولت، وشرف ملاحظہ حاشیہ نشینان بارگاہِ شوکت می رسانند۔

روز جمعہ پانزدہم رجب ١٢٩٤ھ ہجری علیٰ صاحبہا الف الف صلوۃ سلام، وفرمان والاشان کہ ہچو نامہ اعمال اصحاب الیمین، تسلی بخش دل ہائے اندوہ گیں بود، نزول اجلال بسرو چشم ذلیلان پراگندہ حال فرمودہ۔ ذرہائے بمیقدار راز خاک ذلت بآسمان عزت رسانید، وخاک نشینان تیرہ بخت رار شک خورشید جہاں تاب گردانید۔ شکر ایں منت علیاء از زبان از کجا آریم کہ اول متاع قلیل ہماں۔ یگان ذلیل را زیر نگاہ قبول جادادند، وسپاس ایں عنایت عظمی چگونہ گزاریم کہ باز، بارسال فرمان جلیل متضمن قبول آنمایہ قلیل افتادگان خاک ذلت را بر چرخ نشانند:

زقدر وشوکت سلطان نگشت چیزے کم کلاہ گوشئہ دہقان بآسمان رسید

(مسرت) عید بایں روز مبارک نرسد کہ طراز رشک ہلال نور افزائی دل ودیدہ ہندیان خوار گردید، وبخت ہمایوں بایں طالع نکو پہلو نزند کہ ہمائے اوجِ سعادت بال بسر بے سروساماناں زار ونزار کشید:

در ہر ذرہ آفتاب آمد بحر در خانہ حباب آمد

گرد بودیم رشک نور شدیم بردر قرب زرہ دور شدیم؟

قطرۂ زار شد در نایاب ذرہ خوار شد خور و مہتاب

افسوس نہ خزانہ قارون است کہ بریں سرفراز نامہ نثار سازیم، و نہ بخت ہمایوں است تا بمدش بجائے جان در سینہ نہیم، و از جان پردازیم۔ از بے خبری قطرہ بدریا سپردیم، مگر زہے عنایت کہ ہمچو دریا باغوشش کشید ند، واز بے عقلی ذرّہ پیش آفتاب برویم، مگر زہے کرم کہ بنور نظر عنایت رشک ماہ و کواکب گردانید ند۔

اے مخدوم امام! اے مطاع خاص وعام! دریں کدورت ہائے غم کہ باستماع اخبار وحشت انگیز عبور روس از نہر انطونہ (..........) و پیش قدمی ہائے او تا بکوہ بلقان (.......) و عزل سردار اکرم و دیگر سرداران باد قار و فرار ساکنان اوڈریانوپل (ADRIANOPOLE) بردل وابستگانت نیاز تو بر تو افتادہ بود، و دریں پریشان ہائے الم کہ مردمان بے اعتبار بہ تلغراف ہائے پے درپے اخبار موحشہ بگوش خبراندیشان دور افتادہ رسانیدہ، دل شاں را بباد دادہ بودند، سرفراز نامہ علیا کارے کرد کہ آب حیات باتن مردہ و باران بہار باسبزہ پژمردہ، مگر چوں اخلاص حلقہ بگوشان درم ناخریدہ نابت دلی رسیدہ، اگر کار پردازان تار تلغراف تکذیب اخبار سابقہ نمایند یا باخبار فتوح لاحقہ لشکر ظفر پیکر کدورات غم را از دل اندوہ گینان نزایند می ترسم کہ خار غم باز دل خستہ دلان خلیدن گیرد۔

اے کاش! مشت خاک دور افتادگان خاکسار، و خوار، در جوار دولت نامدار افتد، یا تلغراف ہائے دولت علیہ اخبار صادقہ تسلی بخش دل ہائے افسردہ گردد۔ وزیادہ ہرزہ سرائی گستاخی است، آفتاب اقبال دولت تاباں و درخشاں باد!

(بمطبع ہاشمی طبع شد)

ترجمہ: بلند مرتبہ، آسمان منزل، اونچے عہدوں پر فائز، عالی مقام، دین متین کے حامی، شرع شریف کے مددگار، بادشاہوں کے مرتبہ والے، مریخ کی طرح بدلہ لینے کے ماہر، سخاوت میں حاتم، شجاعت میں رستم، غرباء کی پناہ گاہ، فقیروں کے مددگار، صاحب مسند عظیم، صدر اعظم جس کی

عنایات کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو اور جن کی جاہ وحشمت ہمیشہ لائق رشک وحسد رہے۔

ہم مخلص نیاز مند جن کے سینے درد کی شدت سے چھلنی ہیں، جو بے خریدے در دولت کے غلام بنے ہوئے ہیں، اور بے دیکھے امیدیں رکھنے والے ہیں، دور پڑے ہوئے کمزور بے حیثیت جن کے دل اڑے جاتے ہیں، ہزارہا نیاز مندیوں اور سوز وگداز سے آمیز کر کے تسلیمات مسنون عرض کرتے ہوئے اور خلوص دل کے ساتھ تعظیمات مناسب ادا کرتے ہوئے، در دولت پر حاضری اور باریابی کی عزت حاصل کر کے اور بارگاہ عالی کے حاشیہ نشینوں کی طرح اک نگاہ کرم کی امید میں ضروری آداب دربار عالی میں پہنچا رہے ہیں۔

جمعہ کے دن ۱۵؍رجب ۱۲۹۴ھ [۲۷؍جولائی ۱۸۷۷ء] کو فرمان عالی شان نے جو دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ پانے والے اصحاب کی طرح پریشان دل کو تسلی دینے والا تھا، ہم بے حیثیت وپریشان حال لوگوں پر جاہ وجلال کے ساتھ نزول فرمایا اور بے حقیقت ذروں کو ذلت کی مٹی سے اٹھا کر آسمان عزت تک پہنچا دیا اور زمین پر بیٹھنے والے بدقسمتوں کو سورج کے لئے لائق رشک بنا دیا۔ اس عنایات وکرم کا شکریہ ادا کرنے کے لئے زبان کہاں سے لائیں، کہ (سب سے پہلے) ہم سب لوگوں کی معمولی رقم کو قبولیت وپسندیدگی کی نگاہ سے نوازا، اور اس بڑی عزت کا شکریہ کس طرح ادا کریں کہ پھر اس معمولی رقم کے قبول فرمانے کی عنایت کا فرمان جاری فرما کر مٹی میں پڑے ہوئے افراد کو اعلیٰ ترین مقام پہنچا دیا۔

بادشاہ کے عزت ومرتبہ سے کوئی چیز کم نہیں ہوئی۔

مگر دیہاتی کی ٹوپی کا کنارہ عزت کی وجہ سے بلند ہو کر آسمان تک پہنچ گیا۔

عید کی خوشی بھی اس مبارک دن کی خوشی کے برابر نہیں پہنچ سکتی۔ عید چاند کے لئے لائق رشک فرمان نے واقفانِ احوال، ہندوستانیوں کی عزت افزائی کی اور بلند نصیبہ اس مبارک طالع کی وجہ سے پہلو میں نہیں ٹھہرتا کہ ہمائے سعادت نے اس کمزور وناتواں کو بے مال کے خرید کر عزت وسرفرازی بخشی ہے۔

ہر اک ذرہ میں آفتاب آگیا ہے دریا ایک بلبلہ میں آگیا ہے

ہم گرد و غبار تھے رشک نور ہوئے۔

دور کے رہنے والے قریب اور دروازے پر آواز دینے والے بن گئے۔

بے حیثیت قطرہ نایاب موتی بن گیا

اور بے قیمت ذرہ سورج اور چاند کے برابر ہو گیا۔

افسوس کہ نہ قارون کا خزانہ ہے، جو ہم اس سرفراز نامہ پر نثار کرتے، نہ بخت ہمایوں ہے کہ جس کی مدد سے اس خط کو روح کی جگہ سینہ میں رکھ جان کا نذرانہ پیش کرتے۔ مگر یہ عنایت کیا کم ہے کہ دریا ایک قطرہ کو اپنی آغوش میں لے رہا ہے، اور ہم اپنی ناواقفیت سے ایک قطرہ دریا کے حوالہ کیا تھا، مگر کیا عنایت و کرم ہے کہ (بڑا) دریا ایک قطرہ کو مسرت (اور اعزاز) کے ساتھ اپنے اندر کھینچ رہا ہے۔ ہم اپنی بے وقوفی سے ذرہ کو سورج کے سامنے لے گئے، مگر زہے کرم کہ نظر عنایات سے رشک ماہ و نجوم کیے گئے۔

اے رہنماؤں کے سردار اے خاص و عام کے لئے قابل اتباع! روسیوں کے نہر (انطونہ) کو عبور کر کے بلقان کے پہاڑوں تک آگے بڑھنے، سردار کرم اور دوسرے سرداروں کی برطرفی، اور دریائے نوپل (   ) کے پاس رہنے والوں کے بھاگنے کی وحشت انگیز اور رنج و ملال سے بھری ہوئی خبریں، آپ کے نیاز مندوں اور آپ سے دلی تعلق رکھنے والوں کو ایک کے بعد ایک سننے میں آرہی تھیں۔ ان پریشان کرنے والی باتوں سے جو نا قابل بھروسہ لوگ آپ کے دور افتادہ تعلق رکھنے والوں تک تار کے ذریعہ مسلسل پہنچا رہے تھے اور ان خبروں سے ان کے دل ہوا میں درختوں کے پتوں کی طرح ہل رہے تھے۔ ایسے نازک وقت اور مایوسی کے حالات میں آپ کے گرامی نامہ نے وہ کام کیا، جو آب حیات مردہ جسم کے لئے اور بہار کی بارش سوکھی گھاس کے لئے کرتی ہے۔

مگر کیوں ہم آپ کے ناخریدہ غلاموں کہ ایسی دلی تکلیف پہنچی ہے کہ اگر تار اور خبریں

بھیجنے والے اپنے پہلی بھیجی ہوئی خبروں کی تردید نہ کریں اور لشکر عالی وقار کو جوئی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں، ان کی خبریں ہم غمگین اور رنجیدہ دل اصحاب تک نہ پہنچیں، تو میں ڈرتا ہوں کہ رنج والم کا کانٹا ہم لوگوں کے دلوں میں اسی طرح زخم کرنے لگے گا۔

ہائے کاش! ہم دور پڑے ہوئے حقیر لوگوں کی مشت خاک آپ کے در دولت تک پہنچ جاتی، یا دربار عالی کے تار اور سچی خبریں افسردہ دل کو تسلی پہنچانے والے ہوئے۔ زیادہ لکھنا گستاخی ہے، آپ کی دولت اقبال کا سورج روشن اور چمکتا رہے۔

(ترجمہ: نور الحسن راشد کاندھلوی)

روداد چندۂ بلقان

طبع اول، مطبوعہ مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۲۹۴ھ

طبع اول کا مکمل عکس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من
یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ ونشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشہد ان
محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ بعد ازین یہ گزارش ہی کہ اندنون روس وغیرہ سلاطین
اولوالعزم سلطان روم سی بوجہ حسد طبع زاد برسر پرخاش ہین۔ نوبت جنگ وجدال تک پہنچی
ہزارہا جانین تلف ہوگئین ہزارہا عورتین بیوہ ہوئین۔ ہزارہا بچے یتیم ہوئی۔ ان اخبارات وحشت
آثار کو سنکر۔ مصر۔ عرب۔ ٹونس وغیرہ مین سی توسیکڑون آدمی جان سی شریک ہوئی پر آمادہ ہوئے
اور ہزارون نی مال سی مدد کی اور مسلمانان ہندنی بہی بوجہ دوری بندی دلی اطراف وجوانب مین
مثل بمبئی۔ مدراس۔ کلکتہ۔ عظیم آباد۔ الہ آباد۔ پشاور۔ لاہور۔ بنگلور۔ اس لشکر سلطانی کی شہیدون
کے یتیمون اور بیوون اور اس لشکر کی زخمیون کی لئی ہزارہا روپیہ جمع کیا اسلئی یہ گزارش ہی کہ اس
کارگرمی مین جس سی ہوسکی بقدر ہمت شریک ہوکر خدا تعالی کے خوشنودی مین داخل ہو۔ دنیا چند روزہ ہے وقت
پہر نہ ملیگا اگر نسلی اور وجہ سی ہمکو حرارت نہین آتی توکیا یہ بات بہی باعث سرگرمی نہین کہ مکہ معظمہ مین خانہ کعبہ اور
مدینہ منورہ مین روضۂ مطہرہ جو اس عزت وشرف کی ساتہ آجتک موجود ہین تو سلطان روم ہی کے
بدولت یہ حفاظت ہی اگر خدانخواستہ سلطان روم کو بوجہ ہجوم اعدا اس تنہائی مین شکست ہوئی تو
نہین کہو کہ پہران مقامات متبرکہ کا کیا حال ہوگا۔ تمہاری اتنی حوصلی نہین کہ مقابلہ پر جانبازی کرو

اسلئے لازم ہی کہ اوس کفالت کی بدلی کہ وہ مسلمانون کی بہی ان مقامات کی عزت کی لئی اپنی جان آ
یہانتک کہ ہزارون تلف ہوگئی اتنا ہی کرو کہ تہوڑا تہوڑا روپیہ جمع کرکے ان یتیمون اور زخمیون کی خبر
وان آدمیون کی ضرورت نہین ترکی ایک ایک ہزار ہزار کے برابر ہے مگر بوجہ خدمت حرمین شریفین زاد
شرفا و خبرگیری علما و صلحا و مساجد و دیگر مصارف کثیرہ البتہ روپیہ کی ضرورت ہی - علاوہ ازین سلطان
روس بذات خود مع اپنی شاہزادون کی ذریعہ روم کی لڑائی کی لئی چندہ مانگتی پہرتے ہین کیا تمہین اتنا
سنکر بہی غیرت نہین آتی - دور دور کے لوگ ترکون کی ہمدرد اور دردمند ہین بیقرار ہین مگر تمکو ہزارون آ
خون اور ہزارون کی یتیم اور بیوہ ہوجانیکی خبر پر بہی خبر نہین - الہی ایسی صبر و تحمل اتنے بڑی صدمہ پر ہزار آ
نہ آہ ہی - بر لیون سمجھکر کہ کبہی دلمین سب کچہہ ہوتا ہی پر کسی محرک کی ضرورت ہوتی ہے یہ عرض کرنا مناسب
اب ہم سب ہوا خواہان عام و خاص تمام حاضرین جلسہ کی ہمت کی منتظر اور اس بات کی امیدوار ہین کہ ازا
تاکل اس امر خیر مین سب ہی اہل اسلام شریک ہوئین گی - باقی اگر سوچ بچی تامل ہے کہ مبادا سرکار انگریزی اس سی
ناخوش ہو اور اس سبب سی پہر لینی کے دینی پڑین سو اول تو ہم جانتی ہین کہ یہ خیال انہین صاحبون کو ہ
جنکو اصل حال کی خبر نہین اور یہ قال اونہین لوگون کا ہوگا جنکا دینی کو جی نہین چاہتا - دوسرے شہنشاہ
اور سرکار انگریزی کی مخالفت بہی ایسی نہین جسکو کوئی نجانتا ہو علی ہذا القیاس سلطان روم خلد اللہ
وسلطنتہ اور سرکار انگریزی دام اقبالہ و شوکتہ کا اتفاق اور اتحاد بہی ایسا نہین جو عوام پر ظاہر نہو - اہل
تو روس کی آمد آمد ہندوستان پر شہرہ آفاق ہی جس سی یہ بات عیان ہی کہ روس اور سرکار انگریزی
نہایت درجہ کی عداوت ہی - دوسرے اخبارات انگریزی اور اردو فارسی اس افسانہ سی بالامال ہین کہ سرکار ا
روم کی حامی ہے یہانتک کہ اس لڑائی کے لئی لندن مین روس کا مقابلہ کرنیکو جنگی طیاریان ہورہی ہین -
ان سبکو جانی دو یہ تو دیکھو کہ ہندوستان مین جسقدر حکام عالیمقام کلکتہ اور بمبئی اور مدراس اور لاہور
اور الہ آباد اور عظیم آباد اور پشاور وغیرہ مین رہتی ہین اسقدر اور کسی مقام مین نہین رہتی اگر واقعی چندہ
معلوم ناگوار خاطر سرکار انگلشیہ ہوتی تو اس اعلان کی سناتہ کیون ان مقامات مذکورہ مین ہزارہا
لاکہ سلطان روم کی لئی فراہم کیا جاتا - یہ اثر محبت سلطان روم اور اتحاد باہمی کا نتیجہ نہین تو اور کیا

اور کیون نہو لندن اور ہندوستان کا راستہ مملکت روم مین ہوکر آتا ہی اگر باہم مخالفت ہوتی تو سرکار انگریزی باطمینان خاطر وہان سی یہانتک کیون آسکتی - علاوہ برین حیدرآباد وغیرہ مین سرکار سے اجازت لیکر یہ کام کیا گیا ہی بلکہ کلکتہ والون کیطرف سی بذریعہ اخبارات یہ اعلان ہوگیا کہ سرکار انگریزی کیطرف سی کوئی شخص اندیشہ مند نہو بلکہ خود سرکار نے روس کو یہ جتا دیا ہی کہ پانچ لاکھ ہندوستانی مسلمان سلطان روم کی بی تنخواہ کی فوج ہے - اور بعض میمون نے لندن مین اشعار انگریزی اس مضمون کے لکھی ہین کہ جنمین مسلمانان ہند کو مخاطب کرکے یہ لکھا ہی کہ تمہاری اُن بزرگونکی ہڈیان جنسی تمکو افتخار ہے قبرونمین پڑی دیکھتی ہین کہ اس واقعہ مین تم کیا کرتی ہو - تم کیسے انکی اولاد اور نام لیوا ہو تمکو غیرت نہین آتی کیا مکہ معظمہ کے زیارت موقوف کراؤگی القصہ سرکار کیطرف سی تو اشتعالک ہی اسپر بھی ہمت نکروگے تو کسیکی زبردستی نہین مگر یہ بھی یاد رہی کہ اسکا انجام دنیا و آخرت مین بجز پشیمانی اور کچھہ نہوگا

— خداوند قاضی الحاجات حضرت آدم علیہ السلام سی لیکر ابتک سبکی حاجت روائی کرتا رہا بلکہ علاوہ حاجت روائی تمہارے خوشنودی خاطر کے کیسی کیسی لذتون کی چیزین بنائین اور اوس زمانہ سی لیکر آجتک کبھی دریغ نکیا سر سے لیکر پاؤن تک آنکھہ ناک کان وغیرہ ہزارون نعمتین ایسی دی رکھین ہین کہ نہ کسی دوکان پر مل سکین نہ کسی کاریگر سی بن سکین اور زمین سی لیکر آسمان تک پانی ہوا سورج چاند وغیرہ بلکہ خود زمین اور نباتات وغیرہ لاکھون نعمتین دی رکھین ہین کہ ضرورت بہی حد سی زیادہ اور پہر ارزان بہی حد سی زیادہ اور نہ کسی دوکان پر مل سکین نہ کسی کاریگر سی بن سکین غرض خداوند عالم نے اوس زمانہ سی لیکر ایسی ایسی احسان کئے اور کئے چلا جاتا ہی اور تمہارا ہمارا حال یہ ہی کہ جان چرائی پہرتی ہین نہ جان دی سکین نہ مال دی سکین جب سی ہندوستان مین اسلام آیا اوس روز سی لیکر کبھی اسلام کے تقویت یا حفاظت کا خرچ یا حرمین شریفین کی تعمیر یا حفاظت کا خرچ کسی مسلمان کی ذمہ نہین پڑا ایک یہ خرچ آیا ہی سو اوسمین یہ پہلوتہی ہے کچھہ تو خدا سی حیا کرو کیا اوسکی اون احسانات بی پایان کا یہی بدلا ہی کیا اوسکی اون انعامات بیکران کا یہی صلہ ہی کہ اوسکے ہی اوسیکے کام مین دریغ اس سی زیادہ اور کیا بیحیائی ہوگی خدا کی کام مین بہانہ مت کرو ایسا نہو خداوند عالم کسی بہانہ سی اپنی احسانون مین دریغ کرنی لگی اسوقت ضرورت مین بس مصرف سی بڑہکر اور کوئی مصرف نہین

اگر خدانخواستہ روس فتحیاب ہوا تو بہر خاک پاک حرمین شریفین بھی انتظار اوسکی گھوڑون کی پامال ہونی نظر آتی
ہی اسصورت مین کیا کسی صاحب فہم دیندار کے خیال مین یہ بات اسکتی ہے کہ اور کوئی مصرف اس مصرف سی زیادہ
بہتر ہے اگر تعمیر مساجد نہوگی تو کیا ہوگا مسجدین کی اون سی کمی ہی جو اور ضرورۃ ہی پہلی ہے ہزارون ویران پڑی ہین
اور اگر ضرورۃ مسجد ہو ہی تو کہین اس ضرورۃ کی ہمسنگ ہوگے کہ اندیشہ پامال خاک حرمین شریفین سر پر آلگا ہے
و دسو مسکین اگر نہ کہلائی گئی تو کیا ہوگا ایک مدت کی کہا نہین کیا زندگانی جاودانی میسر آتی ہے اور ایک وقت
کہائی تو کیا کسیکو موت کہائی جاتی ہے اور اگر ضرورۃ ہو ہی تو کیا اس سی زیادہ اندیشہ مذکور جانگزا ہے اگر بالفرض بوجہ
بہوک و پیاس کسی کی جان تلف ہی ہوگئی تو ایک مسلم تلف ہوگیا یا دس مین سو پچاس تلف ہوگئی پر خدانخواستہ
اگر روس غالب آگیا تو یون کہو چند روز مین اسلام روے زمین سی اوٹہ گیا اور اگر یہ باتین محض خیالی معلوم ہوتی
ہین اور اسوجہ سی قابل اعتبار نہین تو خود قران کو دیکہہ لیجئی اوسمین فرمائی ہین اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد
الحرام الخ ان آیات سی یون معلوم ہوتا ہی کہ تعمیر مساجد اور حجاج کو پانی پلانا جہاد کی برابر نہین ہوسکتا ہی بلکہ جہاد
مالی ہو یا جانی اوس سی بڑہکر ہی اب خیال فرمائی خدا کی مکانون کی خبرگیری اور خدمتگزاری کیونکر برابر ہوسکتی
ہین اور جب مہمان بہی ہمسنگ نہین تو مساکین تو کس شمار مین ہین کیونکہ مہمانداری اور مسکینون کی خبرداری سی خدا
نزدیک بہی افضل اور دنیا کی نزدیک بہی افضل مگر اور مہمانون سی خدا کی مہمان یعنی حجاج افضل سبب اوسکی یہی صدقہ
افضل ہوا تو اور کس شمار مین رہی علی ہذا القیاس تعمیر مسجد الحرام جب اس صرفہ کی برابر نہوا تو اور مساجد کا
کیا ذکر ہی بہرحال عقل سی دیکہو یا نقل سی یہ مصرف سب مصرفون سی افضل ہی خاص کر جب یہ لحاظ کیا جاوے
کہ شوکۃ اسلام اور مقابلہ حرمین شریفین اس زمانہ مین سلطنۃ روم کی ساتہ ہی اگر خدانخواستہ یہ سلطنت نہ رہی
تو نہ اس کی شوکۃ رہیگی اور نہ حرمین کی عزۃ رہیگی تو بہر یہ امداد ہر عقل والی کو فرض معلوم ہوگی اسلئی یہ گزارش ہے
کہ اگر خدا کی مغفرت کی امیدوار اور اوسکی حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے شفاعۃ کے خواستگار ہو تو حرمین شریفین کی بچانے
مین جان نہین مال ہی سی مدد کرو بالکل بیحیا نہ بنو کچہہ تو شرم کرو اورون سی نہین شرماتی تو خدا اور رسول صلی اللہ
علیہ وسلم ہی سی شرماؤ یون ہاتہ سی مال جو ہاتہ کا میل ہے نہین چہوٹتا تو اون ننہی ننہی بچون کی آہ و زاری پر
رحم کرو جنکی باپ خدا کی راہ مین خاک و خون مین تڑپ تڑپ کر مرگئی اور ان بیوون کی بلکنے پر ترحم کرو جنکی

خاوندا و بچوں تہا چہوڑ کر خدا کی راہ میں اپنا جان و مال نثار کرتی یوں بہی غیرۃ نہیں آتی تو یہی خیال کرو کہ ان
غریبوں کا جو وا افلاس اپنا پیٹ کاٹ کر تہوڑا تہوڑا کر کی ہزاروں روپیہ جمع کر دی جنکی تفصیل یہاں میں درج ہی اور
اگر کچہہ نہیں ہو سکتا تو زکوٰۃ ہی عنایت کرو ایسی مصارف میں زکوٰۃ بہی جائز ہے الغرض بہائیو کچہ جانی در
وقت ہنسی ٹلانیکا وقت نہیں یہ کیا وہم ہی کہ ترک دنیا کی لئی لڑ رہی ہیں دین کی لئی لڑتی تو ہم مدد کرتی
کیا تمکو انکی نیتوں کی خبر ہوگئی ہی جو یہ بدگمانی ہے کیا بدگمانیوں کی ممانعت کی تمکو خبر نہیں اور اگر یہ بدگمانی فرض کرو
صحیح ہے ہو تو کیا شجاعان ترک ہند و معماروں سی بہی گئی گزری اگر کوئی ہند و معمار مسجد بناتا ہی تو اوسکی تنخواہ
مسجد کو ثواب نہیں وہ اپنی پیٹ کی لئی کام کرتا ہی دنیا کی لئی مرتا کہپتا ہی مگر یوں سمجہکر کہ آخر ہماری مسجد بناتا ہے
کس خوشی اور کس امید پر اوسکو روپیہ دیتی ہو یہاں بہی اگر یہ سمجہ لو تو کیا بیجا شجاعان ترک اگر دنیا کے
لئی مرتی مارتی ہیں تو کیا ہوا تمہارا ہی دین شر کفار سی محفوظ ہوتا ہی تمہارا ہی کعبہ و قبلہ اور تمہارا ہی مدینہ
منورہ اور تمہاری ہی نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ مطہرہ کی عزۃ اور حرمۃ قایم رہتی ہے
بالجملہ ہمۃ نہ ہارو قلیل و کثیر جسقدر ہو سکی عطا کرو بہ الموفق لکل الشیار

فرد حساب جمع خرچ چندہ مجروحان عساکر سلطانی

ما [illegible]
۱۵

از ساکنان قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور [illegible] ۱۳	مدرسان و مہتمان مدرسہ عربی دیوبند [illegible] ۶۲	از طلبہ مدرسہ عربی دیوبند [illegible] ۹	از قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور معرفت حاجی صاحب [illegible]
از مظفر نگر متعلقہ انس معرفت مولوی محی الدین صاحب و مولوی محمد منعم صاحب [illegible] ۱۵	از تہانہ بہون ضلع مظفرنگر معرفت مولوی فتح محمد صاحب [illegible] ۵	از خاص سہارنپور معرفت مولوی جمال الدین صاحب [illegible] ۷	از قصبہ منگلور ضلع سہارنپور معرفت حافظ نظیر احمد و قاضی عنایت علی صاحب [illegible] ۱۵
از اکبر آباد معرفت منشی عبد الرزاق صاحب [illegible]	از موضع پہلاودہ و لاوڑ ضلع میرٹھ معرفت میر امداد علی صاحب و شیخ الہی بخش صاحب [illegible]	از قصبہ پور ضلع مظفرنگر معرفت حکیم محمد اکبر صاحب [illegible]	از امروہہ ضلع مراد آباد معرفت مولوی احمد حسن صاحب [illegible]
از میرٹھ معرفت منشی ممتاز علی صاحب [illegible]	از نور اللہ خان صاحب رئیس میرٹھ [illegible]	از سیامی ضلع مظفرنگر معرفت حاجی محمد حسین صاحب [illegible] ۱۲	از جوالاپور ضلع سہارنپور معرفت مولوی [illegible] [illegible] ۱۵

رسید اول

نقل رسیدات جناب سرشہبندر دولۃ علیہ عثمانیہ حسین حسیب آفندی بہادر سفیر باتوقیر حضور سلطان روم خلد اللہ ملکہ مقیم بمبئی

جناب فضائل مآب حاجی محمد عابد صاحب و جناب مولوی محمد یعقوب صاحب و مولوی محمد قاسم صاحب و مولوی محمد رفیع الدین صاحب مہتممان مدرسہ عربی دیوبند سلمہ اللہ تعالیٰ .... بعد سلام مسنون الاسلام موضوح باد کہ مکتوب بہجت اسلوب آن حضرات مع مبلغ یکہزار و دوصد روپیہ نوٹ بنگالی کہ برائے ارسال آن بہ باب عالی برائے مجروحین و ایتام و ارامل عساکر منصورہ صرف شود مرسول بود موصول گردید حقیقۃ مساعی جمیلہ آن حضرات کہ بمقتضای حمیت دینیہ بظہور آمدہ مستحق ممنونیت و مشکوریت ست و بحول اللہ تعالیٰ مبلغ مذکور را حسب خواہش بہ باب عالی تبلیغ میکنم و رسیدی کہ از آن جا می رسد در عقب موصول آنحضرات خواہد شد و در جرائد ہم نشر خواہد گردید و ہمچنین ہر مبلغی کہ حسب تحریر ایشان رسیدہ باشد انشاء اللہ تعالیٰ مع الافتخار در تبلیغ آن دریغ نخواہد رود و زیادہ والسلام مورخہ ۱ محرم الحرام سنہ ۱۲۹۴ھ

حسین حسیب
شہبندر دولت علیہ عثمانیہ در بمبئی

رسید دوم

جناب فضائل مآب مولوی محمد قاسم صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب و مولوی محمد رفیع الدین صاحب و محمد عابد صاحب مہتممان مدرسہ عربی دیوبند سلمہم اللہ تعالیٰ ...... بعد سلام مسنون الاسلام مشہود باد کہ مبلغ دو صد روپیہ کہ اعانۃ عساکر قسط دوم کہ ارسال فرمودند موصول گردید و روانہ کردہ شد خاطر شریف جمع دارند و از جہت اظہار مہربانیہا کہ بہ نسبت من فرمودہ اند گویا بلسان حال من اظہار بزرگی و شرف خود فرمودہ اند ایزد تعالیٰ توفیق خیر مزید گرداناد والسلام ۱۶ صفر الخیر سنہ ۱۲۹۴ھ

شہبندر دولت علیہ عثمانیہ در بمبئی

نقل رسید سوم

دولت علیۂ عثمانیہ در بومبای شہبندری

نمبر ۱۱۱/۲۶۰

حضرت فضائل سمات جناب مولوی محمد قاسم صاحب وجناب مولوی محمد رفیع الدین صاحب وجناب مولوی محمد یعقوب صاحب وجناب حاجی محمد عابد صاحب سلمہم اللہ تعالی ...... رقیم کریم آنحضرات مع رقم نہصد و چہل و پنج روپیہ نقد کہ مع مصارف مرقومہ نہصد و شصت و سہ روپیہ و یک آنہ میشود موصول گردیدہ باعث خوشنودیہا شد ایزد تعالی فائز اجر جزیل و ذکر جمیل کناد و چنانچہ معلوم است رقم چہار دہ صد و دوم که اول دو دفعہ کردہ فرستادہ بودید موصول دار الخلافہ شدہ بمجلس اعانہ حربیہ سپردہ شد چنانچہ تفصیلا آن در اخبار دار الخلافہ در عدد یکصدم مسطور شدہ و یقین کہ از ملاحظہ عالی گزشتہ باشد و این رقم مع رقوم دیگر کہ از اطراف ہندوستان رسیدہ کہ منجملہ آن پنجاہ ہزار روپیہ زر متبرعہ جناب معلی القاب نواب صاحب والی رامپور است عنقریب مرسول خواہد شد و رسید صاحب رسید رسیدہ خواہد شد خاطر شریف جمع دارند و السلام فی ۵ جمادی الاول ۱۲۹۴ھ

حسین حسیب

نقل رسید چہارم

دولت علیۂ عثمانیہ در بومبای شہبندری

نمبر ۵۲۰/۱۱۷

جناب حمیت و فضیلت مآب مولوی محمد قاسم صاحب و مولوی محمد رفیع الدین صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب و مولوی محمد عابد صاحب مہتممان مدرسہ اسلامیہ عربی دیوبند سلمہم المنان ...... بعد سلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ موضوع خاطر باد کہ رقیم کریم مورخہ دہم شہر جمادی الاول ۱۲۹۴ سنہ ہجری مع یازدہ قطعات کرنسی نوٹ تعدادی ہفتصد و پنجاہ و پنج روپیہ حسب تفصیل ذیل کہ از روی حمیت دینی و ہمدردی برادران

کردہ آید و رسید جیونخان صاحب علیحدہ حسب درخواست حضرات مصحوب این مکتوب فرستادہ شدہ و رسید
قسط اول کہ عبارت از دوازدہ صد روپیہ کلدار و یکہزار و صد روپیہ بود از باب عالی رسیدہ و بہ آن بزرگواران
مع مخطوظیت نامۂ ذات جلالت سمات صدارت پناہی روانہ گردیدہ امید کہ دیدنش باعث مسرت خواہد شد
زیادہ ایزد تقدس و تعالی اجر جزیل مرحمت فرماید والسلام فی ۲ رجب سنہ ۱۲۹۴ھ

سر شہبندر دولۂ علیہ
عثمانیہ در بمبئی
حسین حبیب

علم سلطانی

نقل رسید ہفتم نمبر ۶۳۲۴ / ۲۸۴

جناب حمیت مآب جیونخان صاحب سلامت باشند...... رقم ہفتاد و چہار روپیہ و نہ آنہ کہ بمعرفت
حضرات فضائل سمات مہتممان مدرسۂ اسلامیہ دیوبند مرسول بود موصول گردید خاطر شریف جمع دارند
ان شاء اللہ تعالی مع الاعانۃ السابقہ بہ باب عالی فرستادہ خواہد شد تا بہ مجلس اعانۂ حربیہ سپردہ آید و در مصرف
مذکور صرف کردہ شود و رسید مبلغ مذکور حینیکہ برسد فرستادہ خواہد شد والسلام فی ۲ رجب سنہ ۱۲۹۴ھ

سر شہبندر دولۂ علیہ
عثمانیہ در بمبئی
حسین حبیب

واضح ہو

یہ دفتر خاص باب عالی شاہنشاہ ظل الٰہی سلطان روم خلد اللہ ملکہ سے یہ
رسیدات آئے ہیں چونکہ وہ زبان ترکی میں ہیں ان کا تلفظ اور تفہیم دشوار ہے اصلی ان کی نقل
نہیں کیا مگر شکریہ وزیر اعظم سلطنت روم باب عالی سے بعبارت فارسی بحروف زر ورود لایا اور باعث افتخار ہندوستان ہے نقل کرتا ہے

شکریہ از جانب دستور معظم صدر اعظم جناب ابراہیم ادہم پاشا بہادر لازال ظل کرمہ

جناب مدرسان مدرسہ دیوبند ضلع سہارنپور فضیلت مآبان صاحب

اعانۂ نقدیہ بجہت اولاد و عیال عساکر شاہانہ کہ در جنگ صربستان شربت شہادت نوشیدہ بودند
بہ پیش ازین فراہم آوردہ ارسال فرمودہ بودید بتمامی واصل گردید و برای توزیع آن بارباب استحقاق بانجمن

مخصوص تسلیم نموده شد و ازین فتوتمندانه که مجرد از غیرت دینیه و حمیت اسلامیه شما بوقوع آمده است وکلاء
دولهٔ علیهٔ عثمانیه فرحناک گشته و علی الخصوص بدرجهٔ کمال بادی خوشنودیت این مخلص بی‌ریا گردیده است
بمبلغ مرسول علاوه برآنکه باضطراب محتاجین تخفیفی بهم رسانید دکسانیکه ازین اعانه حصه دار شدند
ممالک بعیدهٔ هندوستان برادران دینی هستند که بر حال پر ملال ما بچشم تاسف نگاه میکنند و بر زخمهای
مومنان دین خورده ایم مرهم تسلیت می نهند اظهار مزید شکرانیت کردند و اشک رقت ریخته حصه خود
ستانند اگرچه بنابرین از جناب رب مستعان که نصیر و ظهیر یگانه گویان است التماس آن دارم که سعی جمیل شما عند الله
مشکور گشته در دنیا و عقبی مظهر اجر جزیل باشید والسلام ۹ جمادی الاولی سنه ۱۲۹۴ھ   عن دار الخلافة العلیة العثمانیة

شکریه بجواب شکریه از جانب مولوی محمد قاسم صاحب و دیگر مهتممان مدرسهٔ دیوبند

بسم الله الرحمن الرحیم   نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

رفعت مآب فلک قباب والا مناصب عالی مراتب حامی دین متین معین شرع مبین کیوان مقام مریخ انتقام
حاتم سخاوت رستم شجاعت ملجا غربا ملاذ فقرا دستور معظم صدر اعظم لا زال ظل کرمه ممدودا و نور حشمته محسوسا
نیازکیشان اخلاصمند و سینه‌ریشان دردمند حلقه بگوشان درم ناخریده و آرزومندان نادیده خواران
دور افتاده و زاران دل بباد داده تسلیمات مسنونه را بهزار نیاز و سوز و گداز آمیخته و تعظیمات مکنونه را
از معدن صدق و صفا و اخلاص انگیخته بعز عرض باریابان در دولت و شرف ملاحظهٔ حاشیه‌نشینان
بارگاه شوکت میرسانند در روز جمعه پانزدهم رجب سنه ۱۲۹۴ هجری علی صاحبها الف الف صلوٰة و سلام فرمان والاشان
که بجهت نامهٔ اعمال اصحاب الیمین تسلی‌بخش دلهای اندوهگین بود در نزول اجلال بسر و چشم ذلیلان پراگنده
حال فرمود ذره‌های بیمقدار را از خاک ذلت بآسمان عزت رسانید و خاک‌نشینان تیره‌بخت را رشک خورشید
جهانتاب گردانید شکر این منت علیا را زبان از کجا آریم که اول متاع قلیل بیمایگان ذلیل را زیر نگاه قبول
جا دادند و سپاس این عنایت عظمی چگونه گزاریم که باز بارسال فرمان جلیل متضمن قبول آن ما قلیل افتادگان

خاک دولت را بر چرخ نشانده‌اند ۵ ز قدر و شوکت سلطان نگشت چیزی کم ؛ کلاه گوشه دهقان بآفتاب
رسید ؛ عید این روز مبارک ز سد اطراز رشک هلال نور افزای دل و دیده هندیان خوار گردید و نجم
همایون باین طالع گوهر سلوت زد که همای اوج سعادت بال بسر بلی سروران زاروزار کشید ۵ در هر ذره آفتاب آید
بحر در خانه حباب آمد ؛ گرچه بودیم رشک نور شدیم ؛ بر در قرب روز دور شدیم ؛ قطره زار شد دریا یاب
ذره خوار شد خور و مهتاب ؛ افسوس که خزانه قارون نیست که برین سرافراز نامه نثار سازیم و نه بخت همایون
نامه را بجای جان در سینه نهیم و از جان بر داریم از بیخودی قطره بدریا سپردیم مگر زهی عنایت که بجود دریا بآغوش
کشیدند و از تجلی ذره پیش آفتاب بردیم مگر زهی کرم که بنور نظر عنایت رشک ماه و کواکب گردانید نمای مخدوما
وای سطاع خاص عام درین کدورتهای غم که باستماع اخبار وحشت انگیز عبور دریای سندھ از نهر الطویلہ و پیش قدمیهای
افواج دشمنان و عزل سردار اکرم و دیگر سرداران با وقار و فرار ساکنان اوده یا نوبل بر دل وابستگان نیاز آور
فتاده بود و درین پریشانیهای الم که مردمان بی اعتبار به تلغراف های بی وزن اخبار موحشه بگوش خیراندیشان
دور افتاده رسانیده دل شان را بباد داده بودند سرافراز نامه علیا کاری کرد که آب حیات با تن مرده و باران
بهار با سبزه پژمرده مگر چون اخلاص حلقه بگوشان در نه خریده تا به قبل رسیده اگر کارپردازان تار تکذیب اخبار سابقه نمایند یا باخبار فتوح لاحقه لشکر ظفر پیکر کدورات غم را از دل اندوهگینان بزدایند می‌تر
زنهار غم با بیمار خسته دلان حلیدن گیرد ای کاش مشت خاک دور افتادگان خاکسار و خوار در جوار دولت
نادار اقتدار باشد تا از تلغراف های دولت علیه باخبار صادقه تسلی بخش دلهای افسرده گردد و زیاده هرزه درائی گستاخی است
آفتاب اقبال دولت تابان و درخشان باد۔

مطبع هاشمی

(ضمیمہ روداد چندہ بلقان)

تمہید اس تحریک کے موقع پر حضرت مولانا محمد قاسم نے ایک مفصل خط بھی تحریر فرمایا تھا جس میں حضرت مولانا نے اس جہاد کی اہمیت ترکوں کے تعاون کی ضرورت اور خصوصاً مالی امداد پر متوجہ فرمایا تھا، یہ خط ایک عرصہ تک محفوظ رہا۔ تحریک خلافت کے دور (۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۱ء) اصل خط کہیں سے دستیاب ہوا تھا، جس کو دیکھ کر حضرت مولانا کے فرزند، مولانا حافظ محمد احمد اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن نے تصدیق کی تھی کہ یہ خط حضرت مولانا محمد قاسم کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ یہ خط اور فتویٰ بھی حضرت مولانا کی اس تحریک کا ایک اہم حصہ ہے اور اس کا جنگ بلقان کی روداد اور متعلقہ معلومات کے ساتھ مطالعہ ضروری ہے۔

اگرچہ یہ خط تحریک خلافت کے دور میں کئی مرتبہ چھپ چکا ہے، اصل خط کا عکس[1] اس کا اردو ترجمہ بھی کئی سیاسی کتابچوں کے ساتھ چھپا ہے، مگر وہ سب اشاعتیں اور کتابچے بھی کم یاب ہیں۔ اس لئے اس خط کو یہاں روداد چندۂ بلقان کی ضمیمہ کے طور پر شامل کرنا مفید ہوگا، زیر نظر نسخہ کی بنیاد وہ قلمی نسخہ ہے جو حضرت مولانا کے شاگرد اور فدائی مولانا عبد الغنی پھلاودی نے اپنے بھائی مولوی محمد ابراہیم صاحب سے نقل کرایا تھا۔ یہ نقل قبلہ نما کے ان اوراق کے آخر میں درج ہے جو قبلہ نما سے نکال دئے گئے تھے اور کبھی شائع نہیں ہوئے۔

نیز جس زمانہ میں جب یہ تحریک چل رہی تھی اس وقت علمائے دیوبند نے خلیفۃ المسلمین سے اپنی وابستگی اور دلی جذبات کے لئے اظہار کے لئے خلیفۃ المسلمین کی مدح میں کئی قصیدے لکھے تھے، منجملہ اور قصائد کے سات قصیدے ”قصائد قاسمی“ کے آخر میں شامل ہیں۔ یہ قصیدے اردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں میں ہیں۔ تفصیل یہ ہے:

۱۔ پانچ قصیدے عربی میں ہیں، جس میں دو قصیدے مولانا ذوالفقار علی صاحب کے اور ایک ایک حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کا ہے۔

۲۔ فارسی اور اردو دونوں میں ایک ایک قصیدہ ہے، یہ دونوں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے کہے تھے (حضرت مولانا کے لکھے ہوئے عربی قصیدہ کا اصل نسخہ ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے)

مکتوب گرامی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بسلسلہ جنگ روس و ترکی

مخدوم و مکرم مولوی احمد سعید صاحب مدظلکم

کمترین محمد قاسم سلام مسنون عرض می کند۔ عنایت نامہ دریں خرابا آباد نانوتہ نام است و مسقط الراس ایں کمترین، نزدکمترین رسید۔ دیروز رسیدہ بود و امروز جوابش روانہ می کنم، یارب! بخدمت سامی برسد۔

مولانا بندہ نہ عالم است نہ عالم زادہ، فقط تہمت علم بنام من زدہ اند، بایں ہمہ سامان علم بدستم ہیچ نیست، بدیں وجہ گاہے جرأت افتاء و تصدیق فتویٰ نمی کنم، نہ خود می نویسم، و نہ برنوشتۂ دیگراں مہر و دستخط می نمائیم، مگر چوں مضمون مرسل جناب از اہم مسائل دینیہ فی زماننا بود، از جوابش پہلو تہی کردن رواندیدیم، ہرچہ بہ ذہنم آید زیر دامان سوال جناب ثبت کردم، اما ترسم بوجہ بے علمی و عدم سامان خطا کردہ باشم، مگر چوں امید است کہ از ملاحظہ علمائے کبار خواہند کہ گذرایند، چہ باک! اگر غلطی کردہ باشم او شاں اصلاح آں خواہند فرمود۔

پیشتر ازیں بہ تکلیف بعضے اصحاب دریں بارہ مضمون طویل رقم زدہ بودم، مگر ایندم نہ اصلش موجود است و نہ نقلش پیش نظر، اگر موجود بودے برائے ملاحظہ ارسال خدمت می کردم، انشاء اللہ درباب ترغیب چندہ قدر کافی می شد۔ واللہ المستعان

معروضہ، دہم شعبان، روز سہ شنبہ ۱۲۹۴ ہجری

ترجمہ مولانا احمد سعید صاحب

کمترین محمد قاسم سلام مسنون عرض کرتا ہے، عنایت نامہ اس ویران بستی میں جس کا نام نانوتہ ہے اور اس ناچیز کا وطن ہے، ناچیز کے پاس پہنچا۔ کل خط ملا تھا، آج جواب روانہ کرتا ہوں،

یا اللہ! مولانا کی خدمت میں پہنچے۔

مولانا! بندہ نہ عالم ہے نہ عالم کا بیٹا، صرف علم کی تہمت میرے نام سے لگادی گئی ہے اور اس کے باوجود علم کا کوئی بھی سامان میرے پاس نہیں ہے۔ اس وجہ سے میں کبھی فتوی دینے کی اور فتویٰ کی تصدیق کی جرأت نہیں کرتا، نہ خود فتویٰ لکھتا ہوں، نہ دوسروں کے لکھے ہوئے فتوے پر دستخط کرتا ہوں، مگر چوں کہ جناب والا کا بھیجا ہوا مضمون، ہمارے زمانہ کے اہم ترین دینی مسائل میں سے تھا، اس لئے میں نے اس کے جواب سے پہلو بچانا مناسب نہیں سمجھا اور جو کچھ میرے ذہن میں آیا، جناب کے سوال کے نیچے لکھدیا۔ مگر ڈرتا ہوں کہ اپنی بے علمی اور سامان علم (وفتویٰ موجود) نہ ہونے کی وجہ سے میں نے (کچھ) غلطی کردی ہو، مگر کیوں کہ امید ہے کہ (یہ جواب) بڑے علماء کے ملاحظہ سے گزرے گا، اس لئے کیا ڈر! اگر میں نے غلطی کردی ہو گی، وہ اس کی اصلاح فرمادیں گے۔

اس سے پہلے بعض اصحاب کی فرمائش واصرار کی وجہ سے میں نے اس موضوع پر ایک لمبا مضمون لکھا تھا، مگر اس وقت نہ اس کی اصل موجود ہے نہ نقل سامنے ہے۔ اگر موجود ہوتا آنجناب کے لئے روانہ کرتا، انشاء اللہ (زیرنظر خط بھی) چندہ کی ترغیب کے کافی ہوگا۔

سوال بسلسلہ حمایت ترکی و چندۂ بلقان

کیا فرماتے ہیں علماء دین، اس باب میں کہ، بالفعل کفار روس نے بہت زور شور سے حدود اسلامیہ یعنی سلطنت اسلامیہ روم پر ہجوم کیا ہے اور ہجوم کفارِ روس کا صرف واسطے ترقی و تائید اپنے مذہب اور کسر شوکت اور سطوت اسلام کے لئے ہے، جیسا کہ تحریرات و تقریرات زار روس سے بخوبی اظہر ہے اور اثر اس جنگ کا حسب تقریرات زار روس بلاشبہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا سے تعلق رکھتا ہے، یعنی بہ نظر ارادہائے روس درصورت نسبت حرمین شریفین کے پایا جاتا ہے۔

اور از جانب سلطان روم نفیر عام کا بھی ہونا حسب قواعد شرعیہ بخوبی پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے، چنانچہ تقریرات حرمین شریفین اور تحریرات سفیر روم جو کہ واسطے اطلاع کافہ مسلمین ہند وغیرہ کے بطور اعلان درج اخبار کے گئے ہیں اور بیان حضرت شیخ الاسلام اور تشریف لانا سفیر روم کا

واسطے استعانت کے امیر کابل وغیرہ جملہ اقوام جنگ جو کے پاس اس پر بخوبی شاہد ہیں، پس ایسے حالات میں اعانت روم کی اہل اسلام پر فرض عین ہے کہ نہیں؟ بینوا و توجروا! فقط

جواب از حضرت مولانا محمد قاسم

حسب ارشاد آیت کریمہ:

وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم (بقرہ ۱۹۰۔)

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے

دریں صورت یورش کفار جہاد فرض ہو جاتا ہے علی ہذا القیاس جس صورت میں مسلمانوں کی طرف سے بوجہ ضرورت مدد طلب کی ہو تو موافق ارشاد آیت کریمہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَالَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ (توبہ ۳۸۔)

اے ایمان والو تم کو کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ کوچ کرو اللہ کی راہ میں تو گرے جاتے ہو زمین پر۔ کیا خوش ہو گئے دنیا کی زندگی پر آخرت کو چھوڑ کر سو کچھ نہیں نفع اٹھانا۔ دنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلہ میں، مگر بہت تھوڑا۔

ونیز حسب ارشاد آیت کریمہ:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا (۱) وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ

اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں، جب تک وہ گھر نہ چھوڑ آئیں اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم کو لازم ہے ان کی مدد

(۱) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ دار الحرب سے باوجود ضرورت جہاد ہجرت نہ کریں، وہ لوگ ایک وجہ سے کفار کے حکم میں ہیں، کیوں کہ سورہ براۃ میں یہ ارشاد ہے: والمومنون والمومنت الخ اور سورہ انفال میں یہ ارشاد ہے: والذین امنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیٔ، جب وہ لوگ اولیاء کے زمرہ ہی میں ہوئے تو یوں کہو مومنوں کے زمرہ ہی سے خارج رہے۔ پھر باوجود اس کے در صورت طلب نصرانکی مدد اور نصرت فرض ہوئی اور اس نام کے ایمان کا لحاظ کرنا پڑا اور اس دوستی نبھانا ضروری ہوا تو مجاہدین کی امداد در صورت استمداد کیوں کر نہ فرض ہو گی۔ (حاشیہ حضرت مولاناؒ)

فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلاَّ عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ (انفال ۷۲) کرنی، مگر مقابلہ میں ان لوگوں کے کہ ان میں اور تم میں عہد ہو۔

میثاق جہاد کو جانا اور مدد کرنا فرض ہو جاتا ہے خاص کر یہ لحاظ کیا جائے کہ کفار ایک دوسرے کی مدد کے درپے ہیں، اول تو اس صورت میں حسب ارشاد:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ اِلاَّ تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (انفال ۷۳) اور جو لوگ کافر ہیں، وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اگر تم یوں نہ کرو گے تو فتنہ پھیلے گا ملک میں اور بڑی خرابی ہوگی۔

مقتضائے غیرت یہ ہے کہ ہم خاموش بیٹھے دیکھا کریں، اور نہ مقتضائے ایمان و اطاعت خداوندی یہ ہے کہ دریغ کریں۔

علاوہ بریں حسب اندیشہ یہ ہو کہ حرمین شریفین خاص کر مسجد حرام کفار کے قبضہ میں آجائیگی، چنانچہ اس لڑائی میں اگر خدانخواستہ مسلمانوں کو شکست ہوگی تو یہی نظر آتا ہے، تو اس صورت میں موافق ارشاد:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (توبہ ۲۸) اے ایمان والو مشرک جو ہیں سو پلید ہیں، سو نزدیک نہ آنے پائیں مسجد الحرام کے اس برس کے بعد، اور اگر تم ڈرتے ہو فقر سے تو آئندہ غنی کردے گا تم کو اللہ اپنے فضل سے۔

مدافعت کفار اور بھی فرض ہو جاتی ہے۔

الغرض اس لڑائی میں امداد حضرت سلطان روم خلد اللہ ملکہ و سلطانہ تین وجہ سے فرض ہے، اول تو بوجہ یورش کفار، جس پر آیت اول دلالت کرتی ہے دوسرے بوجہ طلب مدد، جس پر آیت ثانی اور ثالث دلالت کرتی ہے، تیسری بوجہ اندیشہ بے حرمتی حرمین جس پر آیت رابع دلالت

کرتی ہے، مگر چوں کہ فرضیت بوجہ ضرورت ہوتی ہے خواہ بخیال یورش، یا بہ لحاظ طلب مدد، یا باعث اندیشہ بعزت، حرمِ محترم اور [اگر] اخبار متواترہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی مور چوں پر فوج اسلام بقدر کافی ہے تو ہم کم ہمتوں کو دربارہ امداد جاتے تو ایک ظاہری بہانہ ہے، دیکھئے قیامت کو بھی یہ بہانہ چلتا یا نہیں؟ خدا کی وسعت مغفرت اور عموم عفو کے بھروسے اس بہانے اگر کوتاہی نہ ہو تو کیا عجب ہے قیامت کو درگذر ہو جاوے، ورنہ ظاہری بہانہ پھر بہانہ ہی ہوتا ہے۔ مبادا اس بہانہ کے مقابلہ میں ادھر سے بھی دار وگیر دنیا اور آخرت میں بہانے ہونے لگیں اس پر بھی امیر کابل وغیرہم خواتین خراسان کے ذمے ادھر سے یورش کے معلوم ہوتی ہے تاکہ روس کی قوت منتشر ہو جائے، اور ادھر کی فوج اس طرف امداد کفار کے بھی نہ جانے پائے، اور عجب نہیں ارسال سفیر با توقیر سے ہے یہی غرض ہو۔

علاوہ بریں اہل ہند کی دلاوری معلوم، ایسے محاربات سنگیں میں ایسے نامردوں کا ٹھہرنا سخت دشوار نظر آتا ہے۔ پھر اس صورت میں سو دو سو روپے خرچ کر کے جانے کا نتیجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ بھاگیں اوروں کو بھگائیں، اس لئے کیا عجب ہے کہ یہاں کے لوگوں کا جانا منتظمان جنگ کو پسند آئے اور نہ ان سے توقع آمد آمد ہو۔ جو احتمال طلب امداد جانے ہو اور خواہ مخواہ ان کی خدمت میں عرض کیجئے کہ آرام خانوں سے نکلئے، گرم سرد زمانہ چکھئے، امداد کی طلب ہے، امداد فرمائے۔ مگر صرف مال سے کونسا بہانہ مانع ہے، ضرورت درجہ اضطرار کو پہنچ گئی ہے، دوست دشمن سب اس بات میں ایک زبان ہیں اور جب ضرورت...... تو تینوں وجہ سے فرضیت کا ہونا یقینی ہے بلکہ بمقابلہ اس کوتاہی کے اس امداد جانے کے لئے ایک قدم پھر بھی نہیں سرکا جاتا، امداد مالی میں اور اضافہ چاہئے تاکہ کچھ تو تلافی مافات ہو، ورنہ یوں تو سراسر ہلاکت و خسران دارین ہے، کیا عجب بات ہے کہ آیت:

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَةِ (بقرہ ۱۹۵)

اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں۔

میں تو اس طرف اشارہ ہو کہ جہاد جانی کے ساتھ جہاد مالی بھی کرو اور مال بچا کر ہلاکت میں مت پڑو، اور یہاں دونوں سے جواب صاف ہے بہرحال انفاق فی سبیل اللہ وقت ضرورت فرض

ہے، چنانچہ یہ آیت، بھی اس کی فرضیت پر شاہد ہے۔اس پر بھی ہمت نہ کی جائے تو قطع نظر اس کے اس کوتاہی (میں) دارین کی رسوائی ہے۔

بے غیرتی کتنی بڑی ہے کہ عورتوں کو بھی مات کیا، عورتوں سے اگر جہاد بدنی نہیں ہوسکتا تو زیور وغیرہ دے کر جہاد مالی میں تو شریک ہو جاتی ہیں، کیا ہندوستان کے مردوں سے اتنا بھی نہیں ہوسکتا۔ اگر ہاتھ پاؤں میں زیور نہیں، تو صندوقوں میں توزر ہے، یہی سہی۔

اے مسلمانان ہندوستان کی مردانگی و دلاوری تو شہرۂ آفاق تھی، ہندوستان کا بخل تو شہرۂ آفاق نہ تھا، مگر تمہاری اس کم ہمتی سے یوں نظر آتا ہے کہ ہندوستانی مسلمان اوروں کی نظر میں بالکل بنیے ہی ہو جائیں گے۔

اور خیالات کہ یہ لڑائی دنیوی ہے دینی نہیں، نہ دینے کے بہانے ہیں۔کسی کی نیت کا حال سوائے خدا تعالیٰ کون جانے۔ ہمارے تمہارے نماز روزے کو اگر کوئی دنیا کے لئے کہنے لگے تو ہم تھامے نہیں تھمتے، پھر ان کے جہاد کو کس منہ سے یوں کہتے ہو کہ دنیا کے لئے ہے۔

اگر نماز اس کا نام ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے دست بستہ کھڑا ہو رکوع کرے سجدہ کرے، تو جہاد اس کا نام ہے کہ مسلمان کفار سے لڑیں۔اگر اس میں اچھی نیت کی ضرورت ہے تو نماز میں بھی اچھی نیت کی ضرورت ہے، اگر ترکوں کی نیت اچھی نہیں تو تمہاری نیت کیوں کر اچھی ہوگئی، ان کی نیت کی برائی کیا کیا دلیل اور تمہاری نیت کی بھلائی کی کیا سند؟

علاوہ بریں ہندو معمار کو تعمیر مسجد کی اجرت دینے میں تو ثواب ہو کسی طالب دنیا مجاہد کے دینے میں کیا ثواب نہ ہوگا، اگر معمار کے ہاتھوں دین کا کام ہوتا ہے اور خانۂ خدا تیار ہوتا ہے تو مجاہدین کے ہاتھوں سے دین خدا قائم ہوتا ہے اور قائم رہتا ہے۔

اول تو مقتضائے عبودیت یہ تھا کہ رضائے خدا کے لئے جان نثار کرتے، نہیں مال ہی نثار کرتے۔ یہ نہ تھا تو ثواب ہی کے لئے کرنا تھا ثواب کی رو سے بھی صرف جہاد حسب ارشاد آیت:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

کیا تم نے کر دیا حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد الحرام کا بسانا برابر اس کے جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَايَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَايَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

کے دن پر اور لڑا اللہ کی راہ میں، یہ برابر نہیں ہیں اللہ کے نزدیک اور اللہ رستہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔

(توبہ آیت ۱۹ سے ۲۲ تک)

جو ایمان لائے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے ان کے لئے بڑا درجہ ہے اللہ کے ہاں اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں، خوشخبری دیتا ہے ان کو پروردگار ان کا اپنی طرف سے مہربانی کی اور رضامندی کی اور باغوں کی جن میں ان کو آرام ہے ہمیشہ کا، رہا کریں ان میں مدام، بیشک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

صرف تعمیر مساجد اور خبرگیری مہمانان خدا سے جو اپنے لئے مہمانوں اور عام مساکین سے اول درجہ میں ہے کہیں افضل ہے بایں ہمہ موافق ارشاد آیت:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (توبہ ۱۱۱)

اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں۔

ہمارا جان و مال جو پہلے ہی بدلالت:

وَلِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

خدا کا تھا بروے ظاہر بھی خدا کا ہو چکا اور چوں کہ غرض اصلی اس خریداری سے بدلالت یقاتلون فی سبیل تائید جہاد تھی، تو ایسے وقت میں اس کام میں دریغ کرنا ایسا ہوگا جیسا کوئی بادشاہ لڑائی کے لئے میگزین رغبت کے لوگوں سے مول لے اور وہ لوگ لڑائی کے وقت اس میگزین کو

باوجود کہ تیار ہو بادشاہ کو نہ دیں، تمہیں کہو کہ اس جرم کی کیا سزا ہے، اور یہ جرم کتنا بڑا ہے؟ واللہ اعلم و علمہ اتم!

تمت بالخیر

معروضہ دہم شعبان ۱۲۹۴ھ روز سہ شنبہ

○

(تاریخ نقل: ۲۶/ ماہ ربیع الآخر ۱۳۳۹ ہجری نبوی روز پنجشنبہ کو یہ تحریر فتوی کی نقل سے فراغت پائی بندہ حقیر محمد ابراہیم غفرلہ پھلاودہ)

وضاحت: اصل مکتوب میں آیت کے حوالے اور ترجمہ نہیں تھا، تمام آیتوں کے ساتھ شیخ الہند مولانا محمود حسن کا ترجمہ لکھدیا ہے۔ (نور)

قلندر میل تقریرے ندارد
بجز ایں نکتہ اکسیرے ندارد
ازاں کشتِ خرابے حاصلے نیست
کہ آب از خونِ شبیرے ندارد

مختصر تذکرہ یا حالات طیب

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

تالیف

مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ

(تصحیح مطابق طبع اول ۱۲۹۷ھ، نیز عنوانات اور حواشی)

از:

نور الحسن راشد کاندھلوی

از مطبوعات

مکتبۂ نور، مولویان، کاندھلہ، ضلع مظفر نگر یوپی۔ ہند

پن: ۲۴۷۷۷۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

قاسم العلوم حضرت محمد قاسم نانوتوی کے احوال وسوانح پر جو کتابیں چھپیں ہیں یا دستیاب ہیں، ان میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی مختصر تالیف "حالات، جناب طیب مولوی محمد قاسمؒ" جو حالات حضرت مولانا محمد قاسم یا تذکرہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نام سے بار بار چھپی ہے اور عموماً دستیاب ہے، حضرت مولانا کے احوال وسوانح کا سب سے پہلا اور اہم ترین مجموعہ یا تالیف ہے۔

یہ مختصر تحریر اگرچہ باقاعدہ سوانح یا تذکرہ نہیں ہے، مگر اپنی معلومات اور خصوصیات میں منفرد اور حضرت مولانا کی بڑی بڑی مستند سوانحات پر بھاری ہے۔ حضرت مولانا پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے حضرت مولانا کے شاگردوں اور نیاز مندوں کی لکھی ہوئی سوانحات کو بھی وہ اہمیت حاصل نہیں ہوسکتی، جو اس مختصری تالیف یا یادداشت کو ہے۔

مولانا محمد یعقوب نے حضرت مولانا کو بہت بچپن سے بہت قریب سے دیکھا تھا، ایک بستی ایک خاندان، ایک محلہ اور گویا ایک ہی گھرانہ کے فرد تھے، دونوں کا لڑکپن ساتھ ساتھ گزرا تھا، تعلیم بھی تقریباً ساتھ حاصل کی، دونوں کے استاد بھی تقریباً مشترک رہے اور حضرت مولانا محمد یعقوب کے والد ماجد حضرت مولانا مملوک العلی، حضرت مولانا محمد قاسم کے خاص استاد اور سرپرست تھے اور حضرت مولانا محمد قاسم زمانۂ تعلیم میں حضرت مولانا مملوک العلی کے مکان پر رہتے تھے وہیں تعلیم مکمل کی، اس لئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے حضرت مولانا کو جس قدر دیکھا ہوگا اندازہ کیا ہوگا ظاہر ہے کہ یہ نادر اور طویل موقع، حضرت مولانا محمد یعقوب کے علاوہ حضرت مولانا کے کسی رفیق اور شاگرد کو میسر نہیں آیا۔

عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ لڑکپن کے ہم جولی، اسباق کے ساتھی، اور نو عمری اور جوانی کے دوست ایک دوسرے کی اخلاقی، دینی کمزوریوں اور خامیوں سے اس قدر واقف بلکہ ان کے

ایسے مشاہدہ کرنے والے اور رازداں ہوتے ہیں کہ اور لوگ بلکہ خاندان کے اکثر افراد بھی ان خامیوں اور کمزوریوں سے ہمیشہ بے خبر رہتے ہیں، اسی لئے بچپن کے دوست اور یار غار ایک دوسرے کے بہت ہی کم شاذ و نادر معتقد ہوتے ہیں، مگر اس وسیع واقفیت کے باوجود جس میں مولانا محمد یعقوب حضرت مولانا کے ایک ایک سر و نہاں سے واقف تھے، حضرت مولانا کے اس قدر معترف اور معتقد تھے جس قدر کوئی اور زیادہ سے زیادہ ہو سکتا ہے۔ حضرت مولانا کے کمالات کے سامنے خود کو ہیچ سمجھتے تھے اور اڑتالیس سالہ زندگی کے ایک ایک دور اور سرگذشت سے گہری واقفیت کے باوجود اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ:

"حضرت مولانا کے کمالات کا اثر ہمارے قصور استعداد سے ہم میں ظاہر نہ ہوا" (۱)

اگر حضرت مولانا محمد یعقوب حضرت مولانا کی سوانح لکھنے کا ارادہ فرما لیتے تو شاید ان سے بہتر اور مکمل جامع کوئی اور نہ لکھ سکتا، لیکن مولانا محمد یعقوب کی مصروفیات بہت بڑھی ہوئی تھیں دارالعلوم دیوبند کے انتظام کے عملاً ذمہ دار، اور صدر مدرس تھے۔ فتویٰ نویسی وعظ و تذکیر اور ارشاد و تلقین کے علاوہ گھر اور اعزہ کا بھی حصہ تھا اس وجہ سے حضرت مولانا کو فرصت بھی نہیں ملتی تھی اور تصنیف و تالیف کی طرف حضرت مولانا کی توجہ بھی کم تھی، تاہم مولانا نے حضرت مولانا کے احباب اور شاگردوں کے اصرار پر یہ رسالہ قلم بند فرمایا جو مولانا کی وفات کے تین چار مہینہ کے درمیان مرتب ہوا، اور اسی وقت پہلی مرتبہ شائع ہو گیا تھا۔

مگر زیر نظر تذکرہ اپنی انفرادیت خصوصیات اور تاریخی علمی اہمیت کے باوجود مرتب تذکرہ نہیں ہے ایسا لگتا ہے کہ مولانا محمد یعقوب کو مختلف اوقات میں جو باتیں یاد آتی رہیں لکھتے رہے اس لئے اس کو تالیف و تذکرہ کے بجائے یادداشت کہنا موزوں معلوم ہو رہا ہے۔ مزید یہ کہ لکھنے کے بعد اطمینان سے نظر ثانی اور تصحیح کا بھی شاید وقت نہیں ملا، یہی وجہ ہے کہ اس میں حسن ترتیب نہیں ہے، بعض ضروری معلومات کا ایک پہلو کہیں دوسرا کہیں اور درج ہوا ہے، بعض تاریخی فروگذاشتیں بھی ہیں، چند سنہ بھی مطابق واقعہ معلوم نہیں ہوتے، نیز یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ مولانا محمد یعقوب نے اس تذکرہ کی ترتیب میں منشی محمد قاسم نیانگری کے نام اپنے خطوط سامنے

---

(۱) حالات طیب مولانا محمد قاسم ص ۳ (طبع اول، بھاول پور: ۱۲۹۷ھ)

رکھے ہیں اور ان ہی اطلاعات کو اس تالیف میں شامل کر دیا ہے، مگر ان فروگذاشتوں کے باوجود اس مجموعہ کی واقعاتی علمی تاریخی حیثیت مسلم ہے۔

پہلی طباعت تذکرہ یا حالات طیب حضرت مولانا محمد قاسم کی وفات کے صرف پانچ مہینہ بعد بھاول پور سے چھپی تھی، اس طباعت کا اہتمام حضرت مصنف کے عزیز، حافظ عبد القدوس قدسی نے کیا تھا، جو غالباً گنگوہ یا انبہٹہ کے رہنے والے تھے اور بھاول پور میں مقیم تھے۔

حافظ عبد القدوس کے زیر اہتمام اس تذکرہ کی اشاعت ۷/ شوال ۱۲۹۷ھ کو مکمل ہوئی (۴/ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی وفات ہوئی تھی)

پہلی طباعت کا یہ نسخہ ۱۱/۱۸ سینٹی میٹر سائز کے چونتیس صفحات پر مشتمل ہے، فی صفحہ سترہ سطور ہیں۔ پہلے صفحہ سے کتاب کے اختتام تک مسلسل عبارت ہے، نہ کوئی باب ہے نہ فصل ہے نہ عنوان ہے، بہت کم کہیں فقروں اور کلمات کے درمیان، فاصل درج ہے، جو ایک صفحہ میں دو تین جگہوں سے زیادہ نہیں اور وہ بھی صرف ختمہ (FULASTOP) فل ڈیش ہے جو جگہ جگہ موقع بے موقع لگایا گیا ہے، یائے معروف یائے مجہول کا فرق بھی کم ہے، اکثر الفاظ قدیم طرز کتابت سے لکھے گئے ہیں، اس اشاعت کا ٹائٹل درج ذیل ہے:

ماشاءاللہ لا قوۃ الا باللہ

حالات

جناب طیب مولوی محمد قاسم

صاحب مرحوم

۱۲۹۷ھ

در مطبع صادق الانوار بھاولپور باہتمام حافظ عبد القدوس ایڈیٹر طبع شد

ٹائٹل پر مصنف کا نام درج نہیں، تاہم کتاب کی تمہید میں اور خاتمۃ الطبع میں اس کی صراحت ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"بفضلہٖ تعالیٰ رسالہ سوانح عمری متضمن حالات، فیض انتساب کرامت مآب جناب حاجی مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم نانوتوی، مؤلفہ جناب مولوی محمد یعقوب صاحب بساعت مسعود بتاریخ ۷/ شوال ۱۲۹۷ھ ہجری المقدس مطبع

صادق الانوار بھاول پور میں باہتمام حافظ عبد القدوس سپرنٹنڈنٹ و ایڈیٹر مطبع
کے مطبوع ہو کر مثل صبح صادق کے اپنی انوار فیض آثار سے آفاق کو منور کیا۔"

پہلی طباعت غالباً بہت مقبول ہوئی اور بہت جلد ختم ہو گئی تھی اسی لئے اسی مطبع سے اس کا دوسرا ایڈیشن چھپا، اس طباعت کا سائز صفحات، سطور، ٹائٹل بالکل ایسا ہی ہے جیسا پہلی طباعت کا تھا اور شروع یا آخر کہیں بھی اس کے طبع دوم ہونے کا ذکر نہیں۔ سرسری نظر سے دیکھنے سے یہ بھی پہلا ہی ایڈیشن معلوم ہوتا ہے، مگر کسی قدر توجہ سے دیکھا پڑھا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ پہلی طباعت سے مختلف طباعت ہے۔

یہ اشاعت پہلی طباعت سے دو وجہ سے ممتاز ہے، کتاب پر نسبتاً بہتر توجہ کی گئی ہے۔ اگرچہ سطور، صفحات اور ہر اک صفحہ پر مضمون کا پہلا اور آخری حرف بھی پہلی طباعت کے مطابق ہے، مگر کتابت میں فرق ہے، کتابت کسی قدر بہتر ہے۔ اس میں فروگذاشتیں بھی نسبتاً کم ہیں اور اہم ترین فرق جس کی وجہ سے دونوں کو علیحدہ پہچانا جا سکتا ہے، خاتمۃ الطبع ہے۔ پہلی طباعت میں خاتمۃ الطبع سے پہلے لکھا ہے:

"تمام شد رسالہ ہٰذا، ۷ر شوال المکرّم ۱۲۹۷ھ"

یہ تاریخ دوسری طباعت میں یہاں درج نہیں، اس کے بعد خاتمۃ الطبع ہے، جس کے الفاظ گزر گئے ہیں۔ طبع دوم کا خاتمۃ الطبع بھی وہی ہے، مگر پہلی طباعت کا خاتمۃ الطبع مربع نما کتابت کے پوری چوڑائی میں ہے اور اس میں کل ساڑھے چار سطریں ہیں اور طبع دوم کا خاتمۃ الطبع ایک تکون میں لکھا ہے، جس کی دس سطریں ہیں۔ اس کے علاوہ ایک معمولی فرق اور ہے پہلی طباعت میں باہتمام حافظ محمد عبد القدوس سپرنٹنڈنٹ لکھا ہے اور دوسرے میں عبد القدوس کے بعد قدسی کا اضافہ کیا گیا ہے۔ نیز پہلی طباعت میں تکملہ خاتمۃ الطبع کے بعد فقط بڑھایا گیا ہے جو طبع دوم میں موجود نہیں۔

مطبع مجتبائی کی اشاعت: مذکورہ طباعتوں کے بعد جو طباعت راقم کو دستیاب ہوئی وہ مطبع مجتبائی دہلی کی ہے یہ نسخہ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ (مئی، جون ۱۸۹۴ء) میں چھپا تھا، یہ طباعت پہلی دوسری طباعت سے کئی طرح سے مختلف ہے، حاشیہ پر عنوانات کا اضافہ کیا ہے اور تعجب ہے کہ

کتاب کی عبارتوں میں کثرت سے ترمیم وتبدیلی یا اصلاح کی گئی ہے۔ حالاں کہ کسی بھی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس طرح ترمیمات کر کے مصنف کی تحریر میں تغیر کرے اور اس کو اپنی کتاب بنالے۔
یہ نسخہ مولانا حافظ محمد احمد (خلف حضرت مولانا محمد قاسم) کی فرمائش پر چھپا تھا، ٹائٹل پر لکھا ہے:

حسب الارشاد، حضرت مولانا مولوی حافظ محمد احمد؟

اس نسخہ کے آخری صفحہ پر جو اعلان درج ہے، وہ قابل ذکر ہے، اس میں لکھا ہے کہ مولانا محمد یعقوب نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی معیت اور ہمراہی کے زمانہ کے حالات لکھے ہیں حالات اور آپ (حضرت مولانا محمد قاسم) کی کرامات بہت ہیں۔ جن کو کسی وقت میں بطور ضمیمہ اس کتاب کے آخر میں شائع کیا جائے گا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ احمد صاحب اپنے دور اہتمام (ابتداء ۱۳۱۳ھ) سے کئی سال پہلے سے حضرت نانوتوی کے حالات وسوانح کا سامان جمع کرنا شروع کر دیا تھا، جو یقیناً بڑی تعداد میں فراہم ہوا ہوگا اور اس کے بعد سے اپنے اہتمام کے آخری دور تک برابر اس کی کوشش کرتے رہے اور حضرت نانوتوی کے متعلق معلومات واطلاعات اور حضرت کے مؤلفات اور علمی تحریری لوازمہ فراہم کرتے رہے، مگر نہایت حیرت اور انتہائی افسوس ہے کہ حضرت کی اس مکمل سوانح اور تذکرہ مرتبہ مولانا محمد یعقوب کا کوئی جامع ضمیمہ آج تک بھی مرتب اور شائع نہیں ہوسکا، بلکہ اس کے برعکس ہوا یہ کہ حضرت نانوتوی کی جو سوانحات حضرت کے شاگردوں اور بعض مستفیدین نے لکھی تھیں اور حضرت کے معاصرین اور متعلقین نے حضرت مولانا کے بعد علمی آثار بڑی تعداد میں فراہم اور جمع کئے تھے، وہ سب سرمایہ اور بیش بہا دینی ملی ذخیرہ ایک ایک کر کے دانستہ ضائع کر دیا یا کرا دیا گیا۔
یہ ایک بات ضمناً آ گئی تھی اب مناسب ہوگا کہ تذکرہ حضرت مولانا محمد قاسم کے زیر تعارف نسخہ کے آخر میں درج ضمیمہ یہاں بھی نقل کر دیا جائے، لکھا ہے:

"ضمیمہ مختصر، از مصحح، واضح ہو کہ یہ جو کچھ حالات مولوی محمد یعقوب صاحب نے تحریر فرمائے ہیں وہ اپنی معیت اور ہمراہی کے زمانہ کے لکھے ہیں، باقی اور حالات اور آپ کی کرامات بہت ہیں، جن کو کسی وقت میں بطور ضمیمہ اس کتاب کے آخر میں شائع کیا جائے گا۔ آپ کی تصنیفات سے جو اس وقت کتابیں پائی جاتی ہیں، وہ سب اس مطبع میں موجود ہیں"

اس طباعت کا جو نسخہ راقم سطور کی نظر سے گزرا ہے وہ بہت خستہ اور شکستہ اور کسی قدر پھٹا ہوا

بھی تھا، اس لئے اس کے مکمل مطالعہ اور اصل نسخہ سے اس کے اختلافات و ترمیمات کے تفصیلی جائزہ کا موقع نہیں ملا۔

مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند ۱۳۳۳ھ مجتبائی کے مذکورہ نسخہ کے بعد کا جو نسخہ راقم سطور کے علم میں ہے، وہ مطبع قاسمی دیوبند کی اشاعت ہے۔ یہ نسخہ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (اگست ۱۹۱۵ء) میں مولانا حبیب الرحمان صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کے اہتمام سے شائع ہوا تھا، یہ نسخہ بظاہر مجتبائی کے محولہ بالا نسخہ کی نقل ہے، اسکے حاشیہ پر وہی عنوانات ہیں جو مجتبائی کی اشاعت میں تھے اور ضمیمہ بھی اسی طرح ہے، جس کا ابھی ذکر ہوا۔ آخری صفحہ پر بحیثیت ناظم کتب خانہ و مطبع قاسمی مولانا عماد الدین انصاری شیر کوٹی کا نام درج ہے۔ اس طباعت کا چونکا دینے والا پہلو اس کی وہ اصلاحات و ترمیمات ہیں جن کا مجتبائی کی طباعت کے تحت کچھ ذکر ہو چکا ہے۔ مطبع قاسمی یہ طباعت ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے اور اس کے حرف حرف کا پہلی دوسری طباعت سے مقابلہ کیا گیا ہے، جس سے یہ حیرت انگیز بات سامنے آئی کہ اس کی عبارت میں کثرت سے تبدیلی کی گئی ہے، بعض موقعوں پر ایک دو کلمات نہیں پورے پورے فقرہ اور آدھی آدھی سطر بدل دی گئی ہے۔ اگرچہ اکثر جگہوں پر مصنف کے مقصد کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا اور مفہوم وہی رہا، مگر بہر حال اس اصلاح اور ترمیم کا کوئی جواز نہیں تھا۔

دیگر طباعتیں سوانح قاسمی مولانا مناظر احسن گیلانی (جو تذکرہ حضرت مولانا محمد قاسم کی والہانہ شرح ہے) اس کی پہلی جلد کے آغاز پر یہ پوری کتاب (حالات مولانا محمد قاسمؒ) شامل کی گئی ہے، مگر اس کو کیا کہیے کہ اس میں بھی اصل نسخہ (پہلی یا دوسری طباعت) کو بنیاد نہیں بنایا گیا، اس کی بنیاد بھی مطبع قاسمی کی اشاعت معلوم ہوتی ہے، مگر مطبع قاسمی کی بھی جوں کی توں نقل نہیں بلکہ نسخہ قاسمی میں جو تغیرات کئے گئے تھے ان کو ناکافی سمجھتے ہوئے اس اشاعت میں شامل تذکرہ میں مزید تصحیحات و ترمیمات کی گئی ہیں، جس کی وجہ سے سوانح قاسمی میں شامل نسخہ (حالات مولانا محمد قاسم) کئی موقعوں پر طبع اول و دوم اور مطبع قاسمی کی مندرجہ بالا اشاعت تینوں سے الگ ہے: فیا للعجب!

ناطقہ سر بگریباں کہ، اسے کیا کہئے

سوانح قاسمی میں شامل نسخہ کی اشاعت سے پہلے اور بعد میں بھی دیو بند کے کتب خانوں، خاص طور سے کتب خانہ امدادیہ سے "تذکرہ مولانا محمد قاسم" کم سے کم دو مرتبہ اور شائع ہوا یہ اشاعتیں میرے سامنے ہیں، مگر یہ اشاعتیں چنداں جاذب توجہ نہیں ہیں۔

تذکرہ حضرت مولانا محمد قاسم پاکستان میں بھی کم سے کم دو مرتبہ چھپا ہے، ایک طباعت کتب خانہ میر محمد آرام باغ کراچی کی ہے، جو اس ادارہ کے شائع کئے ہوئے مجموعہ "نادر مجموعہ رسائل جناب مولانا محمد قاسم نانوتوی" میں شامل ہے اس کے علاوہ کم سے کم ایک مرتبہ اور چھپا تھا یہ اشاعت برسوں پہلے میری نظر سے گذری تھی، اب یاد نہیں آرہا ہے کہ کہاں دیکھی تھی۔

یہ حالات مولانا محمد قاسم کے ان نسخوں کا ذکر تھا جن کا راقم سطور کو علم ہے، ممکن ہے اس کے علاوہ کچھ اور طباعتیں بھی ہوں، مگر مجھے ان کا علم نہیں۔ ادھر کئی سال سے ہند و پاکستان میں تذکرہ مولانا محمد قاسم عام طور سے دستیاب نہیں، اس لئے ضرورت تھی کہ اس تذکرہ کو باقاعدہ مرتب کر کے شائع کیا جائے، زیر نسخہ اسی ضرورت کی تکمیل کی اک کوشش ہے۔

زیر نظر نسخہ کے مندرجات و مشتملات | زیر نظر نسخہ کی اساس (طبع اول: بھاول پور: ۱۲۹۷ھ) ہے کوشش کی گئی ہے کہ یہ نسخہ اصل کے مطابق ہو، مگر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اصل نسخہ میں کئی قسم کی فروگذاشتیں رہ گئی ہیں، خاص طور سے کتابت کی اور تذکیر و تانیث وغیرہ کی، مگر ناچیز مرتب نے متن میں غیر ضروری ترمیم یا تصحیح کو دخل نہیں دیا، تاہم اصل نسخہ میں دو طرح فروگذاشتوں کی درستگی ضروری معلوم ہوئی:

۱۔ جہاں تذکیر و تانیث کا واضح فرق تھا اس کو درست کیا ہے۔

مثلاً طبع اول ص ۴ پر ہے: باندیاں بک گئے

ص ۲۰ وہ سب راہ بخیر و خوبی طے ہوا

ص ۲۴ پھر آخر گفتگو ہوئی، طرز گفتگو کے نہ تھی

اسی طرح بعض جگہوں پر کوئی لفظ یا حرف رہ گیا ہے مثلاً

ص ۱۴ اپنا خوش خرم

ص ۱۸ دو منزلہ کر کہ

اس طرح کی اور بھی فروگذاشتیں ہیں، مگر دو تین کے علاوہ اکثر کو چھیڑا نہیں گیا ہے کہ کتاب اور متن زیادہ متاثر نہ ہو اور اس میں بھی یہ ملحوظ رکھا ہے کہ جو اصلاح یا خفیف سا اضافہ کیا گیا ہے وہ اصل متن سے ممتاز اور علیحدہ رہے اور اس کے لئے یہ کیا گیا ہے کہ اگر حضرت مؤلف کے کسی لفظ یا فقرہ میں ترمیم کی ہے، تو اس کو بیضوی قوسین (   ) میں لکھا ہے اور اگر کسی لفظ یا فقرہ کا اضافہ کیا گیا ہے تو اس کے لئے مربع نما [   ] استعمال کیا ہے اور یہ بھی کوشش کی ہے کہ ترمیم یا اضافہ کم سے کم ہو۔

دوسرے پوری کتاب میں عنوانات کا اضافہ کیا گیا ہے، مصنف نے جن باتوں کو مجملاً بیان کیا تھا حاشیوں میں ان کی وضاحت کی کوشش کی ہے اور حسب ضرورت مفصل یا مختصر حاشیے لکھے ہیں۔ نیز اس تالیف میں کئی ایسے الفاظ بھی آگئے ہیں جو اب متروک ہیں یا اور معنوں میں استعمال کئے جاتے ہیں، مصنف کی مراد وہ معانی نہیں جو آج کل رائج ہیں۔ اس قسم کے جن الفاظ کی وضاحت ملی وہ بھی حاشیہ میں درج کر دی ہے۔

اور دو پہلو ایسے بھی ہیں جن میں کچھ اصلاح و تغیر نہیں کیا گیا۔

الف: تاریخی اغلاط، جن میں دو بنیادی نوعیت کی ہیں:

اول حضرت شاہ محمد اسحاقؒ کے ہندوستان سے مکہ معظمہ ہجرت کے لئے روانگی کا سنہ دوسرے مولانا محمد یعقوب کے بھانجے مولانا عبد اللہ انصاری انبہٹوی کے شاہ ابوالمعالی انبہٹوی کی اولاد ہونے کی اطلاع، نیز یہ اطلاع بھی صحیح نہیں کہ مولانا محمد قاسم اور مولانا گنگوہیؒ شاہ عبدالغنی مجددی (رحمہم اللہ) سے تعلیم کے زمانہ میں حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت ہو گئے تھے مولانا محمد قاسم کے دوسرے سفر حج کا سنہ بھی درست نہیں اور حضرت شاہ محمد اسحاقؒ کا سنہ ہجرت درست نقل نہ ہونے کی وجہ سے درج ذیل سنین بھی غلط ہو گئے ہیں:

۱۔ مولانا مملوک العلی کے سفر حج اور دہلی واپسی کا سنہ

۲۔ مولانا محمد قاسم کے نانا مولوی وجیہہ الدین کا سنہ وفات

۳۔ حضرت مولانا محمد قاسم کے تعلیم کے لئے دہلی جانے کا سنہ

مگر ان میں سے کسی بھی واقعہ یا اطلاع کی متن میں درستی نہیں کی گئی، حاشیہ میں صحیح تاریخ اور

ضروری حوالے لکھدئے ہیں۔

بعض اطلاعات ہنوز مشتبہ ہیں، مگر معلومات کا کوئی ذریعہ اور مستند مآخذ سامنے نہ ہونے کی وجہ سے اس کو بھی نہیں چھیڑا گیا۔ اس کے علاوہ بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش کی ہے، مگر ضروری مآخذ ہمدست نہ ہونے کی وجہ سے کچھ حواشی ناتمام یا تشنہ رہے امید ہے انشاء اللہ اگلی اشاعتوں میں یہ خامی دور ہو جائے گی۔

ب: اس تذکرہ کے تالیف کے وقت حضرت حاجی امداد اللہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی حیات تھے، مولانا محمد یعقوب صاحب نے جہاں کہیں ان کا ذکر کیا ہے وہاں وہ دعائیہ فقرے یا کلمات لکھے ہیں، جو زندہ لوگوں کے لئے لکھے جاتے ہیں: مدظلہ وسلمہ وغیرہ، اگرچہ اب وہ بے محل ہیں، مگر ان کو بھی نہیں چھیڑا گیا اور وہ سب جوں کے توں ہیں۔

اس تذکرہ کے حوالہ سے ایک کام اور بھی کرنا چاہئے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا مولانا محمد یعقوب کی یہ تالیف مرتب کتاب یا تذکرہ نہیں ہے یادداشتوں کا ایک مجموعہ سا ہے۔ ضرورت ہے کہ حضرت مولانا کے مقصد کو نقصان پہنچائے بغیر اس کو نئی زبان میں مرتب کیا جائے، جو واقعات دو تین جگہ بکھرے ہوئے ہیں ان کو صحیح موقع پر لا کر تصویر کو مکمل کرنے کی کوشش کی جائے اور جو معلومات ناتمام ہیں ان میں مختصر اضافہ کر کے مکمل کر دیا جائے۔ اس طرح یہ کتاب بہت مفید ہو جائے گی اور انشاء اللہ اور ان کی استنادی حیثیت کو بھی کچھ نقصان نہیں ہوگا، راقم سطور نے بھی اس کا ارادہ کیا ہوا ہے، دیکھئے کب پورا ہوتا ہے۔

آخر میں قارئین کرام سے التماس و گذارش ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم مولانا محمد یعقوب نیز اس اہم تذکرہ کی اشاعت و تصحیح کی خدمت دینے والے علماء (رحمہم اللہ تعالیٰ) اور ناچیز راقم سطور کو بھی اپنی دعاؤں میں خاص طور سے دعائے مغفرت میں یاد رکھیں اور اس تذکرہ کی فروگذاشتوں سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں، آپ کے اس تعاون سے کتاب کی آئندہ اشاعتوں کو بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين، وصلى الله تعالیٰ على خير خلقهٖ سيدنا محمد و آله وصحبهٖ اجمعين ومن تبعهم الى يوم الدين۔

تذکرہ (یا حالات طیب) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

طبع اول، بہاولپور ۱۲۹۷ھ کا سرورق

حمد ونعت: الٰہی تیری کیا قدرت کا ظہور ہے، یہ تماشے دکھلاتا ہے پھر ان کو پردۂ اخفا میں چھپاتا ہے، کیا کیا آفتاب طلوع ہوئے اور چمک دمک دکھلا کر پھر غروب ہو گئے، سب صفت وثنا تیری ہی ہے، جن کی تعریف ہے اور سب وصف کمال آپ کا ہی ہے، جس کی توصیف ہے۔ تو ہر عیب سے پاک و بری اور سب تیرے قبضہ میں خشکی ہو یا تری، آسمان ایک بلبلہ ہے اور زمین ایک مُشت خاک اور تو سب میں جلوہ گر اور سب سے برتر اور پاک کس زبان سے تیری ثنا ہو سکے، جب فخر الاولین والآخرین سید المرسلین رحمۃ للعالمین حضرت سیدنا محمدؐ رسول اللہ فرماتے ہوں:

"لااحصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك" (۱)

لاکھوں بلکہ لاانتہا رحمت و سلام، وصلوۃ ثناء، روحِ پاک اور تمام آل واصحاب پر، بلکہ تمام ارواح طیبین وطاہرین، علماء وزُہاد فقراء وعُباد پر۔ آمین!

(۱) یہ کلمات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا کا حصہ ہیں، دعا کے مکمل الفاظ یہ ہیں:

"اللّٰھم انی اعوذ برضاك من سخطك، و بمعافاتك من عقوبتك، و اعوذ بك منك، لااحصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك"

اے اللہ میں تیری رضا کے حوالہ سے تیری ناراضگی سے اور تیری عافیت کے ذریعہ سے تیری سزا سے اور تیری ذات عالی کی رحمت و معافی کے ذریعہ سے تیرے غصہ سے پناہ چاہتا ہوں۔ میں تیری تیرے شایانِ شان تعریف نہیں کرسکتا، تو ایسا ہی ہے، جیسا کہ تو خود اپنی تعریف فرمائے۔

یہ حدیث امام مسلم ابوداؤد اور نسائی نے ابواب السجود میں اور امام ترمذی نے ابواب الدعوات میں روایت فرمائی ہے، نیز متعدد ائمہ محدثین حضرت امام احمد بن حنبل وغیرہ نے بھی نقل کی ہے۔ یہ حدیث سند وصحت کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی ہے۔ شیخ احمد زین نے مسند احمد کے حواشی میں لکھا ہے: "اسنادہ صحیح، رجالہ ثقات ائمۃ" مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر ۲۴۱۹۳۔ ص ۲۹۰، ج ۱۷۔ (قاہرہ: ۱۴۱۶ھ)

تمہید | بعد حمد و صلوٰۃ، بندۂ احقر ذرّۂ کم تر، محمد یعقوب نانو توی (۲) بن مقدام العلماء جناب مولوی مملوک العلی مرحوم نانوتوی (۳) عرض رساں خدمت احباب ہے کہ آپ صاحبوں نے احقر سے فرمایا تھا کہ جو کچھ حال و سوانح عمری حضرت مخدوم و مکرم جناب مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم (کی) یاد آویں مناسب ہے کہ بذیل تحریر جمع ہو جاویں (تاکہ) ہم لوگوں کو تذکرہ اور آئندہ کے لئے یادگار رہے۔ آپ لوگوں کے امر کی اجابت واجب سمجھ کر باوجود قلتِ فرصت مختصر مختصر جو جو یاد آتا ہے لکھتا ہوں۔

آغاز سوانح اور حضرت مولانا کی تاریخ ولادت | مولانا احقر سے چند ماہ بڑے تھے،

---

(۲) مولانا محمد یعقوب ۱۳، صفر ۱۲۴۹ (۲ر جولائی ۱۸۳۳ء) سہ شنبہ کو تولد ہوئے، والد ماجد اور حضرت شاہ عبد الغنی اور حضرت مولانا محمد قاسم وغیرہ سے اور دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کے بعد اجمیر میں مدرس ہوئے، اجمیر سے بنارس تبادلہ ہوا، بنارس سے رڑکی بھیج دئے گئے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد وطن میں قیام کیا، بعد میں جب دار العلوم دیو بند قائم ہوا اس کے ابتدائی بنیادی معاون، سرگرم سرپرست اور صدر مدرس تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے، خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔ مولانا محمد یعقوب ہندوستان کے نامور علماء، اہل درس و معرفت اور ممتاز ترین اصحاب کمال میں سے تھے۔ اہم خطوط، متفرق فتاوی، ضیاء القلوب (حضرت حاجی امداد اللہ) کا عربی ترجمہ، نیز ایک دو تالیفات تحریری یادگار ہیں۔ تیرہ سال مدرسہ دیو بند کی خدمت کے بعد، چون سال کی عمر میں، یکم ربیع الاول ۱۳۰۲ھ (۲۲ر دسمبر ۱۸۸۴ء) شب دوشنبہ کو اچانک ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور اسی شب میں وفات ہوئی، نانوتہ میں دفن کئے گئے۔
مختصر تعارف کیلئے ملاحظہ ہو: تمہید مکتوبات مولانا محمد یعقوب نانوتوی۔ بنام مولوی محمد قاسم نیانگری۔ تمہید مرتبہ حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی۔ مؤلفہ ۱۲۹۷ھ طبع اول، بتصحیح و اہتمام حکیم امیر احمد (مطبع احمدی، علی گڈھ: ۱۳۲۷ھ)

(۳) استاد العلماء مولانا مملوک العلی خلف مولوی احمد علی نانوتوی۔ ۱۲۰۴ھ (۱۷۷۹ء) میں ولادت ہوئی، حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی نیز علاقہ کے اور علماء سے تعلیم و استفادہ کے بعد تعلیم کے لئے دہلی کا سفر کیا، دہلی میں چند اساتذہ سے ایک دو سبق پڑھے۔ آخر میں مولانا رشید الدین خاں کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے اور علوم و کمال کی سند حاصل کی۔ ۱۸۲۵ء (۱۲۴۰ھ) میں دہلی کالج کے آغاز پر اس کے نائب مدرس اول مقرر ہوئے، بعد میں صدر مدرس ہوگئے تھے، دونوں عہدوں پر تقریباً چھبیس سال فائز رہے، اسی ملازمت و خدمت پر وفات ہوئی۔

مولانا کی چند تالیفات اور ترجمے علمی یادگار ہیں، جس میں اہم ترین علمی دینی کارنامہ سنن ترمذی کے عربی متن کی تصحیح اور سنن ترمذی کا اردو ترجمہ تھا، اس کے علاوہ اقلیدس کے چار مقالات کا ترجمہ، تاریخ یمینی کی تصحیح اور حاشیہ، نیز (مسعودی کی مشہور کتاب مروج الذہب کی تلخیص) کتاب المختار فی الاخبار والآثار بھی مولانا کی یادگار ہیں۔

مولانا کا دوسرا سب سے بڑا دینی کارنامہ ان شاگردوں کی تربیت اور تیاری ہے جو بعد میں برصغیر کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، جس میں حضرت مولانا محمد قاسم کے علاوہ، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد مظہر وغیرہ شامل ہیں۔ مولانا کے شاگردوں میں سرسید احمد کو بھی شامل کیا جاتا ہے، جو صحیح نہیں۔

مولانا مملوک العلی تریسٹھ سال کی عمر میں یرقان کے مرض میں مبتلا ہوئے جیسا کہ خود مولانا محمد یعقوب نے صراحت کی ہے اور ایک ہفتہ کی بیماری کے بعد ۱۱ر ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ (۷ر اکتوبر ۱۸۵۱ء) کو وفات ہوئی۔ مفصل معلومات کے لئے ملاحظہ ہو: تذکرہ استاذ العلماء مولانا مملوک العلی نانوتوی۔ تالیف راقم سطور نور الحسن راشد کاندھلوی

شیخ اسد علی
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی
امینہ
مولانا حافظ احمد
محمد
حافظ محمد ہاشم
اکرام النساء
(زوجہ مولانا عبداللہ انصاری)
رقیہ
(زوجہ محمد صدیق)
عائشہ
مولانا قاری محمد طیب
مولانا قاری محمد طاہر
پہلے شوہر
شیخ احمد دیوبندی
دوسرے شوہر
نیاز احمد
ضیاء احمد
رفیق احمد
پٹواری
صفیہ
حسن احمد
ام ہانی
شفیق احمد
لاولد
مولوی محمد فاضل
محمد عاقل

شیخ علاء الدین
شیخ محمد بخش
شیخ غلام شاہ
شیخ اسد علی
حکیم عبد اللہ
غلام اشرف
مولوی احمد علی
حکیم ولی محمد
حافظ محمد حسن
حضرت مولانا مملوک العلی
حکیم امانت علی
لطف علی
مولانا محمد یعقوب نانوتوی
دختر
عبد السمیع
مولوی وجیہ الدین
امین الدین
جمیل الدین
دختر
(زوجہ شیخ اسد علی)
دختر
مولانا محمد مظہر
لاولد
مولانا احمد حسن
حافظ محمد اسماعیل
ظفر احمد وکیل
مولانا محمد منیر
محبوب الرحمان
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی
حافظ احمد
محمد
حافظ محمد ہاشم
اکرام النساء
رقیہ
عائشہ

ان کی پیدائش شعبان یا رمضان سنہ بارہ سو اڑتالیس ہے(۴) اور نام تاریخی خورشید حسین اور بندہ کی پیدائش صفر کی تیرہویں سنہ بارہ سو انچاس ہے اور نام تاریخی "منظور احمد" (۵) اور احقر کے اور مولوی صاحب کے علاوہ قربِ نسب بہت سے روابط اتحاد تھے، ایک مکتب میں پڑھا، ایک وطن (۶) ایک نسب (۷) ہم زلف ہوئے (۸) ایک استاد سے ایک وقت میں علم حاصل کیا (۹)

(۴) حضرت مولانا محمد قاسم کی تاریخ ولادت۔ مولانا یعقوب نے یہاں حضرت مولانا کی تاریخ ولادت شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ (جنوری، فروری ۱۸۳۳ء) لکھی ہے، مگر مولانا یعقوب کی بیاض میں حضرت مولانا کی ولادت شوال ۱۲۴۸ھ (مارچ ۱۸۳۳ء) میں لکھی ہوئی ہے۔ بیاض یعقوبی ص ۱۵۲ (طبع اول تھانہ بھون: ۱۹۲۹ء) اگرچہ بیاض کا یہ اندراج مولانا محمد یعقوب کے قلم سے نہیں ہے، بخط دیگر ہے، مگر بیاض میں اس اندراج سے پہلے اور بعد کی اطلاعات خود مولانا کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی ہیں اور ظاہر ہے یہ اطلاع بھی مولانا کی ہدایت و صراحت بلکہ املا کے مطابق لکھی گئی ہوگی اور اصولاً بعد کی تحقیق و اطلاع زیادہ معتبر اور صحیح ہونی چاہیے، نیز مولانا کی بیاض کا یہ اندراج مولانا یعقوب صاحب کی زندگی کے آخر دنوں (تقریباً ۱۳۰۰ھ) کا ہے، اسلئے حضرت مولانا محمد قاسم کی تاریخ ولادت کی یہی، متاخر اطلاع زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

(۵) بیاض یعقوبی میں مولانا محمد یعقوب نے اپنے دو تاریخی نام اور لکھے ہیں: غلام حسنین اور شمس الضحیٰ۔ بیاض یعقوبی ص ۱۵۱ (طبع اول، تھانہ بھون ۱۹۲۹ء)

(۶) محلہ بھی ایک ہی تھا، جو قصبہ نانوتہ (NANOTA) ضلع سہارنپور کی جامع مسجد سے تقریباً ملا ہوا ہے۔

(۷) دونوں کے اجداد ایک ہیں، تفصیل مولانا محمد یعقوب نے لکھدی ہے جس کو شجرہ ذیل سے سمجھا جاسکتا ہے۔

مستفاد از مقدمہ مکتوبات مولانا محمد یعقوب نانوتوی۔ مرتبہ حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی۔ مؤلفہ ۱۲۹۷ھ (مطبع احمدی علی گڑھ)

(۸) حضرت مولانا محمد قاسم اور مولانا محمد یعقوب دونوں کا شیخ کرامت حسین دیوبندی کی بیٹیوں سے نکاح ہوا تھا، مولانا محمد یعقوب کا شعبان ۱۲۶۶ھ میں شیخ کرامت حسین کی چھوٹی دختر عمدۃ النساء سے نکاح ہوا تھا، جن سے مولانا کی متعدد اولادیں معین الدین، قطب الدین، علاء الدین، جلال الدین، فاطمہ اور خدیجہ وغیرہ تولد ہوئیں۔ ۱۴ر رمضان ۱۲۹۴ھ (۲۲ر ستمبر ۱۸۷۷ء) کو جمعہ کی شب میں دیوبند میں وفات ہوئی۔ بیاض یعقوبی ص ۱۵۱۔ طبع اول تھانہ بھون: ۱۳۲۹ھ۔

شیخ کرامت حسین کی دوسری دختر جو غالباً عمدۃ النساء سے بڑی تھیں، حضرت مولانا محمد قاسم سے منسوب تھیں، اس طرح دونوں اصحاب ہم زلف تھے۔

(۹) مولانا محمد یعقوب اور حضرت مولانا محمد قاسم کے تین استاد مشترک تھے، حضرت مولانا مملوک العلی، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی، مہاجر مدنی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اور بعضی کتابیں میں نے مولانا سے (پڑھیں) (۱۰) ایک پیر کے مرید ہوئے (۱۱) ہم سفر دو سفر حج کے (۱۲) رہے اور ایک زمانہ دراز تلک ساتھ رہے، مگر ان کے کمالات کا اثر ہمارے قصورِ استعداد سے ہم میں ظاہر نہ ہوا۔

مولانا کے والد ماجد مولوی صاحب کے والد شیخ اسد علی صاحب (۱۳) ہر چند

(۱۰) جب مولانا محمد قاسم تعلیم کے لئے دہلی گئے تھے، مولانا محمد یعقوب اسی وقت سے مولانا کے شاگردوں میں شامل ہو گئے تھے بلکہ مولانا محمد قاسم کے سب سے پہلے شاگرد مولانا محمد یعقوب تھے، مولانا محمد قاسم سے مولانا محمد یعقوب کا تلمذ اور تعلیم کا سلسلہ دیر تک رہا، مولانا محمد یعقوب نے تین موقعوں پر اس کا ذکر کیا ہے:

الف: مولانا محمد قاسم نے دہلی پہنچ کر کافیہ شروع کی تھی اور مولانا محمد یعقوب میزان اور گلستاں وغیرہ پڑھتے تھے، مولانا مملوک العلی نے جو دونوں کے مربی اور استاد تھے، مولانا محمد یعقوب سے ابواب اور تعلیلات سننا مولانا محمد قاسم کے سپرد کیا تھا۔ تذکرہ مولانا محمد قاسم (مرتبہ مولانا محمد یعقوب نانوتوی) ص ۷

ب: جب حضرت مولانا منشی ممتاز علی کے مطبع مجتبائی میرٹھ میں ملازم تھے، اس زمانہ میں مولانا محمد یعقوب نے مولانا محمد قاسم سے صحیح مسلم پڑھی تھی۔ ص ۲۲

ج: ۱۸۵۷ء کے بعد جب حضرت مولانا دیوبند اور نانوتہ میں فروکش تھے، اس وقت مولانا محمد یعقوب نے حضرت مولانا سے بخاری شریف کا کچھ حصہ پڑھا تھا۔ ص ۲۲ حالات مولانا محمد قاسم (طبع اول)

(۱۱) حضرت مولانا اور مولانا محمد یعقوب دونوں حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت ہوئے، تربیت سلوک پائی اور حاجی صاحب کے ممتاز ترین خلفاء میں سر فہرست رہے۔

(۱۲) مولانا محمد یعقوب کو زیارت حرمین کی دو مرتبہ سعادت حاصل ہوئی، ۷۸۔۱۲۷۷ھ (۱۸۶۱ء) میں اور ۹۵۔۱۲۹۴ھ (۷۸۔۱۸۷۷ء) میں۔ دونوں موقعوں پر حضرت مولانا محمد قاسم بھی مولانا کیساتھ تھے، مولانا محمد یعقوب نے زیر نظر تالیف (تذکرہ مولانا محمد قاسم) کے علاوہ بیاض یعقوبی میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ص ۱۲۸۔۱۴۲۔ نیز ۱۵۰، ۱۵۱ (بیاض یعقوبی، طبع اول ۱۹۲۹ء)

(۱۳) شیخ اسد علی (خلف غلام شاہ بن محمد بخش) حضرت مولانا محمد قاسم کے والد ماجد بھی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دہلی گئے تھے۔ فارسی درسیات مکمل کرلی تھیں اور مولانا محمد یعقوب کی صراحت کے مطابق شاہنامہ فردوسی بھی پڑھا تھا۔ مگر اس کے بعد مزید تعلیم کا موقع نہیں ہوا، وطن میں پوری زندگی گذاری۔ نیک طینت سادہ مزاج شخص تھے۔

شروع میں حضرت مولانا محمد قاسم کے استغناء، ترک دنیا اور مال و جاہ سے بےتعلقی کی وجہ سے مولانا سے ناخوش رہتے تھے، مگر حضرت حاجی امداد اللہ کی بار بار ہدایت اور مولانا کے مقام و مرتبہ سے آشنا ہو کر یہ کیفیت ختم ہو گئی تھی اور آخر میں حضرت مولانا سے نہایت خوش تھے۔

شیخ اسد علی کی اسہال کے مرض میں مبتلا ہو کر ۷ ربیع الثانی ۱۲۹۱ھ دوشنبہ (۲۱ مارچ ۱۸۷۵ء) کو دیوبند میں وفات ہوئی، تکیہ دیوان لطف اللہ میں دفن کئے گئے۔ یہ وہ جگہ ہے جو دارالعلوم کی نئی مسجد جامع رشید کے صدر دروازہ کے سامنے واقع ہے، اس کے صحن کے مائل بہ جنوب مشرقی گوشہ میں شیخ اسد علی کا مدفن ہے۔ چند سال پہلے تک اس قبر پر کتبہ نصب تھا، جس کو راقم سطور نے بھی بارہا دیکھا ہے اور نامور مؤرخ پروفیسر محمد اسلم صاحب نے بھی اپنے مضامین اور سفر نامہ ہند میں اس کا

جناب والد مرحوم کے ساتھ دہلی گئے تھے اور شاہنامہ (۱۴) وغیرہ [تک] کتابیں پڑھی تھیں، اور اپنے پڑھنے کے زمانے کے ہمارے سامنے حکایات بیان فرمایا کرتے تھے، مگر حال ایسا تھا کہ گویا علم سے کچھ مناسبت نہیں۔ تمام عمر کھیتی کی اور ویسے ہی عادات موٹے [اہل] قصبات کے سے تھے، مگر نہایت محبت اور اخلاق [والے] اور کنبہ پرور مہمان نواز، نمازی، پرہیزگار تھے۔

مولانا کے دادا کی تعبیر اور ان کے خواب میں مہارت اور مولانا کے خوابوں کی تعبیر

ان کے والد شیخ غلام شاہ [تھے] احقر نے ان کی زیارت کی [ہے] قلیل پڑھے ہوئے تھے، مگر خادم درویشوں کے، ذاکر شاغل تھے۔ تعبیر خواب میں مشہور تھے۔

جناب مولوی صاحب نے خواب میں دیکھا تھا ایام طفلی میں کہ گویا میں اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں، ان کے دادا نے یہ تعبیر فرمائی کہ:

"تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرماوے گا اور نہایت بڑے عالم ہو گے اور نہایت شہرت ہو گی"

یہ تعبیر ان کی نہایت درست پڑی۔ (۱۵) الف

ذکر کیا ہے اور اس کتبہ کی عبارت بھی نقل کی ہے، جو یہ تھی:

"مزار اقدس
حضرت شیخ اسد علی رحمۃ اللہ علیہ
والد ماجد، حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ
المتوفی ۱۲۹۰ھ ۱۸۷۳ھ"
سفر نامہ ہند ص ۳۰۰ (لاہور: ۱۹۹۵ء)

مگر کتبہ پر سن وفات کندہ کرنے میں سہو ہوا، صحیح تاریخ وہ ہے جو اوپر گذری، یہ تاریخ حضرت مولانا محمد قاسم کے خطوط میں درج ہے، اس لئے یہی صحیح اور درست ہے۔

(۱۴) فردوسی کی شہرہ آفاق اور سدا بہار یادگار اور علمی دنیا میں ہمیشہ تازہ اور ایسا بے مثال ادبی کارنامہ رہے جس نے پوری متمدن دنیا کو متاثر کیا ہے، ادبیات عالم میں اس کا ممتاز ترین مقام ہمیشہ سے محفوظ ہے۔ فارسی ادب کے محققین کہتے ہیں:

"فردوسی سے پہلے کا کوئی شاعر نہ اس کے بعد کا کوئی شاعر اس کی برابری کر سکا ہے"

یہی مورخ دوسری جگہ کہتا ہے:

"اب تک ایک بھی شاعر سخن پردازی اور بلندی و استواری کے لحاظ سے استاد فردوسی کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکا سچ تو یہ ہے کہ شاہنامہ سرائی فردوسی سے شروع ہوئی اور فردوسی ہی پر ختم ہوئی۔" ص ۱۲۷

تاریخ ادبیات ایران، رضا زادہ شفق۔ اردو ترجمہ سید مبارز الدین رفعت (دہلی ۱۹۵۵ء)

(۱۵) الف: حضرت مولانا نے اسی قسم کا نہایت معنی خیز ایک خواب اور بھی دیکھا تھا، اس خواب کا امیر شاہ خاں خورجوی حضرت مولانا کے حوالہ سے مفصل ذکر کرتے تھے، دیکھئے ارواح ثلاثہ ص ۲۲۱۔

اور میری بہن نے خواب میں دیکھا کہ "ایک ترازو چھوٹی (جس سے) لڑکے کھیلا کرتے ہیں، آسمان سے گری ہے اور اس پر ابابیل جانور سیاہ رنگ بہت لپٹے ہوئے ہیں، اگر چھڑاتے ہیں چھوٹتے نہیں"۔ سن کر یوں فرمایا کہ قحط ہوگا، چنانچہ وہ قحط جس میں باندیاں بک (گئیں) واقع ہوا، غالباً پانچا کال اس کو کہتے تھے۔

حضرت مولانا اور مولانا محمد یعقوب کا مشترک نسب: میرا نسب اور مولانا کا، شیخ غلام شاہ کے پردادا میں ملتا ہے، اس طرح: محمد قاسم، بن اسد علی، بن غلام شاہ، بن محمد بخش، بن علاؤ الدین، بن محمد فتح، بن محمد مفتی، بن عبدالسمیع، بن مولوی محمد ہاشم" (۱۵) ب

اور "محمد یعقوب، بن مملوک العلی، بن احمد علی، بن غلام شرف، بن عبداللہ، بن محمد فتح، بن محمد مفتی، بن عبدالسمیع، بن مولوی محمد ہاشم" (۱۶)

اور میاں شیخ محمد بخش کے بھائی شیخ خواجہ بخش میرے والد اور شیخ کرامت حسین دیوبندی کے نانا ہوتے تھے۔ جوانی میں دکن گئے، وہاں نکاح کیا تھا، وہاں ایک بیٹا مولوی محمد ہاشم نام تھا۔ یہاں اولاد پسری تھی، اس سبب سے میرے والد کے نانا ان کے چچا ہوتے ہیں اور اور انواع رشتے جیسے برادرداری میں ہوا کرتے ہیں، باہم مرتبط ہیں (۱۷)

مولانا کے نانا مولوی صاحب کے نانا مولوی وجیہہ الدین صاحب نانوتوی (۱۸) فارسی بہت عمدہ، اردو کے شاعر، کچھ عربی سے آگاہ، بڑے تجربہ کار، پرانے آدمی، ہنگام آمدنی

---

(۱۵) ب۔ مولوی محمد ہاشم حضرت مولانا محمد قاسم، مولانا مملوک العلی اور متاخر دور کے نانوتہ کے ممتاز و مشہور ترین علماء کے اجداد میں تھے، مفتی محمود احمد نانوتوی نے لکھا ہے کہ:

"شیخ محمد ہاشم علم و معرفت کے ایک جلیل القدر شیخ ہوئے ہیں" نسب نامہ (صدیقیان، نانوتہ ص ۴) مگر تفصیلات دستیاب نہیں۔

(۱۶) حضرت مولانا اور مولانا محمد یعقوب کا محمد فتح سے اوپر سلسلہ نسب اس طرح ہے:

"محمد فتح بن محمد مفتی، بن محمد ہاشم، بن شاہ محمد، بن قاضی طہ، بن مفتی مبارک، بن قاضی جمال الدین، بن قاضی میراں بڈھے"۔ بیاض یعقوبی ص ۲ (طبع اول) نیز نسب نامہ (صدیقیان نانوتہ)

(۱۷) مولانا محمد یعقوب نے جو رشتے اور تفصیل لکھی ہے، وہ درج ذیل شجرہ سے آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

حکومت انگریزی سہارنپور میں وکیل کمپنی ہوئے اور نہایت عزت واحترام اور تمول سے گزران کی، نہایت طباع اور خوش فہم تھے اور چند پشت اوپر مولوی محمد ہاشم صاحب مرحوم میں ہمارے نسب جا ملتے ہیں اور آگے نسب حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ صدیق (۱۹) میں جا پہنچتا ہے۔

مولوی محمد ہاشم، جد اعلیٰ: یہ مولوی محمد ہاشم زمان شاہجہاں (۲۰) میں مقرب بادشاہی ہوئے اور نانوتہ میں مکان بنائے اور چند دیہات جاگیر تھے، جو تبدل حکومت کے سبب ان کے اولاد کے پاس نہ رہے۔

مولانا کے بھائی بہن اور اوپر کا سلسلہ: مولوی صاحب کے اور کوئی بھائی نہ تھا، ایک بہن دیوبند میں اب زندہ موجود ہیں اور ان کے والد اور دادا صاحب کے بھی کوئی بھائی نہ تھا، بھائی پیدا ہوئے مگر لڑکپن میں مرگئے اور چچا جوانی میں مرگئے، اور دادا کے بھائی تھے وہ کسی لڑائی میں

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

محمد فتح

- علاء الدین ← محمد بخش ← غلام شاہ ← شیخ اسد علی ← (حضرت مولانا محمد قاسم ← مولانا حافظ احمد)، (دختر)
- شیخ خواجہ بخش ← دختر ← (زوجہ مولوی احمد علی نانوتوی) ← مولانا مملوک العلی ← مولانا محمد یعقوب
- عبداللہ ← غلام شرف ← مولوی احمد علی
- عبدالرحیم عرف جمیل خاں خورد ← غلام جیلانی ← کریم بخش ← مولوی وجیہ الدین ← دختر (زوجہ شیخ اسد علی) ← حضرت مولانا محمد قاسم
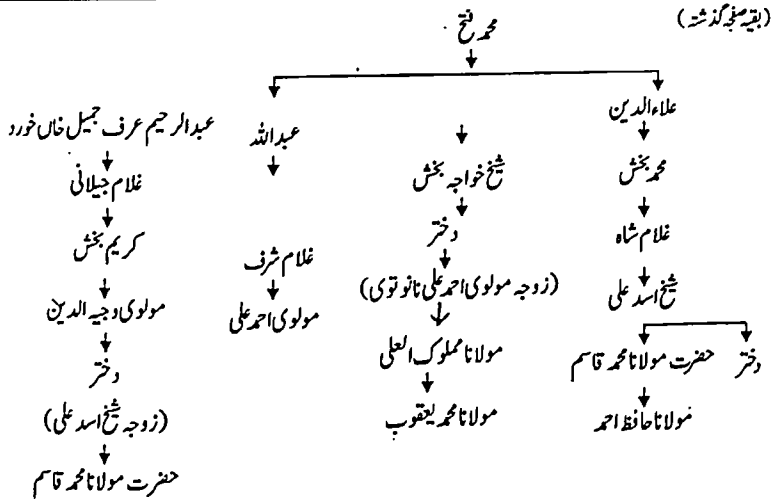
(۱۸) مولوی وجیہہ الدین، بن کریم بخش، بن غلام جیلانی، بن عبدالرحیم، عرف جمیل خاں خورد۔ مولانا محمد یعقوب نے ان کا جو سنہ وفات لکھا ہے وہ متعلقہ سنین کی روشنی میں صحیح معلوم نہیں ہوتا، تفصیل (حاشیہ ۳۳) آرہی ہے۔

(۱۹) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں ۳۷ھ میں ولادت ہوئی۔ ممتاز ترین تابعین و مدینہ منورہ کے سات بڑے فقہاء اور امت کے سربراہوں میں سے ہیں۔ ابن عیینہ فرماتے تھے کہ قاسم بن محمد اپنے زمانے کے افضل ترین اصحاب میں سے تھے۔ حضرت قاسم مدینہ منورہ سے حج یا عمرہ ادا کرنے کیلئے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آرہے تھے، راستہ میں قدید کے مقام پر ۱۰۷ھ (۷۲۵ء) میں وفات ہوئی۔ الاعلام خیر الدین زرکلی، ص ۱۸۱ ج ۵۔ طبعہ رابعہ (بیروت: ۱۹۷۹ء)

(۲۰) ابوالمظفر شہاب الدین شاہ جہاں خلف جہانگیر۔ ہندوستان کا نامور ترین بادشاہ، جو اپنے اور کمالات کے علاوہ خصوصاً تعمیرات کے بے مثال ذوق کیلئے تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ عہد حکومت ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۸ء سے ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۸ء تک

جوان عمر شہید ہوئے اور اوپر جو بھائی تھے ان کی اولاد پسری یہاں کوئی نہیں (رہی)۔ دکن میں انکے اولاد ہوئی، بقاعدہ معروف، وہ بھی گویا ایک ہی تھے غرض کہ چار پشت تلک مولانا منفرد ہوئے۔

مولانا کی فطری اعلیٰ صلاحتیں جناب مولوی صاحب لڑکپن سے ذہین، طباع، بلند ہمت، تیز، وسیع حوصلہ، جفاکش، جری چست و چالاک تھے۔ مکتب میں اپنے ساتھیوں سے مدام اول رہتے تھے، قرآن شریف بہت جلد ختم کرلیا، خط اس وقت سب سے اچھا تھا۔ نظم کا شوق اور حوصلہ تھا، اپنے کھیل اور بعضے قصے نظم فرماتے اور لکھ لیتے، چھوٹے چھوٹے رسالے اکثر نقل کئے۔

جناب مخدوم العالم حاجی امداد اللہ صاحب (۲۱) سے جو ربط نسب کا تھا، حضرت مخدوم (کی) نانہال ہمار(ے) خاندان میں تھی، اور بہن ان کی یہاں بیاہی تھی، اکثر نانوتہ تشریف لاتے تھے،

(۲۱) حضرت حاجی امداد اللہ خلف محمد امین، بن شیخ بدھا، فاروقی تھانوی۔ حضرت حاجی صاحب کی صحیح تاریخ ولادت محقق نہیں، شمائم امدادیہ (تالیف حاجی مرتضیٰ خاں، قنوجی۔ طبع اول لکھنؤ ۱۳۱۳ھ ص ۶) نیز امداد المشتاق (ص ۴ طبع اول تھانہ بھون، جس کا عکس دہلی سے ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی کے مقدمہ کے ساتھ چھپا ہے) وغیرہ سب ہی مآخذ میں ۲۲ر صفر ۱۲۳۳ھ بروز دوشنبہ لکھی ہے، مگر اس تاریخ کی صحت میں شبہ ہے، اس کی جنتری سے تصدیق نہیں ہوتی۔ اگر ۲۲ صفر تاریخ ولادت ہے تو یہ دن صحیح نہیں، پنجشنبہ (مطابق یکم جنوری ۱۸۱۸ء) درست ہوگا اور اگر دن کا اندراج درست ہے تو تاریخ ۱۲ر صفر مطابق ۲۲ر دسمبر ۱۸۱۷ء ہوگی۔ ظفر احمد تاریخی نام ہے۔ والدین نے امداد حسین نام رکھا تھا، جس کو حضرت شاہ محمد اسحاق نے امداد اللہ کردیا تھا۔

قرآن شریف اپنے شوق سے حفظ کرنا شروع کیا، جو اس وقت پورا نہ ہوسکا۔ کچھ کتابیں فارسی کی اور صرف ونحو پڑھی۔ مولانا رحمت علی تھانوی سے شیخ عبدالحق کی تکمیل الایمان، مولانا عبدالرحیم نانوتوی سے حصن حصین اور فقہ اکبر، مولانا سید محمد قلندر جلال آبادی سے مشکوٰۃ پڑھی، مثنوی مولانا روم مولانا ابوالحسن کاندھلوی اور مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی سے اخذ کیں۔

شاہ نصیر الدین سے بیعت ہوئے اور سلسلہ نقشبندیہ میں مجاز بیعت ہوئے، شاہ نصیر الدین کی وفات کے بعد حضرت میانجیو نور محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے، میانجیو صاحب نے بھی خلافت سے نوازا۔ حضرت میانجیو صاحب کے مشہور ترین خلیفہ، تصوف کے مجدد اور سلسلہ چشتیہ کے مرجع کل شیخ بلکہ امام دوراں تھے۔

۱۸۵۷ء میں انگریز کے خلاف تحریک چلی تو اس میں بھی بھرپور حصہ لیا، اس کی سزا میں اشتہاری مجرم قرار دئے گئے۔ تاریخ تھانہ بھون، مولوی ناظر حسن تھانوی (مؤلفہ ۱۳۳۱ھ تا ۱۳۳۳ھ۔ ۱۹۱۳ء، ۱۹۱۵ء) میں صراحت ہے کہ حاجی صاحب کی گرفتاری کے لئے ایک ہزار روپے کے انعام کا اعلان ہوا تھا۔ ص ۴۴ (نسخہ مؤلف) جس کی وجہ سے چھپ کر ہندوستان سے نکلے اور مکہ مکرمہ میں ہجرت کی نیت سے قیام فرمایا۔

۱۲ر جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ (شب چہار شنبہ ۱۸ر اکتوبر ۱۸۹۹ء) مکہ مکرمہ میں اپنی قیام گاہ پر رحلت ہوئی۔ بدھ کے دن صبح نو بجے، جنت المعلیٰ میں دفن کئے گئے۔

حضرت حاجی صاحب کی متعدد تصانیف بھی ہیں، مگر حاجی صاحب کا سب سے بڑا اور اہم ترین کارنامہ مسترشدین کی وہ جماعت ہے، جو برصغیر میں نشاۃ اسلام کی علامت اور اپنے عہد کی مرجع اور امام ہے۔ رحمهم الله تعالیٰ رحمة الابرار الصالحين واجعلنا معهم

ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور نہایت محبت واخلاص فرماتے۔ جزبندی کتاب کی، حضرت سے ہم دونوں نے سیکھی اور اپنی لکھی ہوئی کتابوں کی جلدیں باندھی۔

خاندان کے ایک قضیہ کی وجہ سے مولانا کا دیوبند کا سفر ہمارے وطن میں ایک قضیہ پیش آیا، شیخ تفضل حسین شیعہ مذہب ہوگئے تھے اور ہماری جائیداد کے شریک تھے، ان سے اور مولوی صاحب کے دادا شیخ غلام شاہ سے دنگا ہوا اور شیخ تفضل حسین مولوی صاحب کے ماموں میاں فصیح الدین کے ہاتھ سے زخمی ہوکر مرگئے۔ ہرچند کہ اس مقدمہ میں خیریت رہی اور حاکم کی طرف سے کسی کو کچھ سزا نہ ہوئی، مگر بنادشمنی کی کچھ پہلے سے تھی، کچھ اب زیادہ ہو(گئی) تب یہ خوف ہوا کہ مبادا کوئی صدمہ مخالفوں کے ہاتھ سے ان کو پہنچے، اسلئے [مولانا محمد قاسم کو] دیوبند بھیج دیا۔

مولوی مہتاب علی دیوبند کے مکتب میں تعلیم کی ابتداء یہاں مولوی مہتاب علی صاحب (۲۲) کا مکتب تھا، شیخ کرامت حسین مرحوم کے گھر پر شیخ نہال احمد پڑھتے تھے، مولوی صاحب کو انہوں نے عربی شروع کرائی، پھر سہارن پور اپنے نانا کے پاس رہے، وہاں مولوی محمد نواز صاحب سہارن پوری سے کچھ پڑھا، فارسی اور عربی کی کتابیں اوّل کی کچھ حاصل کیں۔ اس زمانہ میں والدِ مرحوم احقر کے حج کو تشریف لے گئے، احقر ایک برس کامل وطن رہا، حفظ قرآن شریف پورا ہوگیا تھا، مگر صاف نہ تھا، صاف کرتا تھا۔

مولانا کے نانا کی وفات مولوی صاحب سہارن پور سے وطن آئے اور ان کے نانا کا انتقال اس سال کے وبائی بخار میں معہ بہت سے لوگوں کے ہوگیا تھا (۲۳) اس زمانہ میں مولوی

---

(۲۲) مولانا مہتاب علی خلف شیخ فتح علی (مولانا ذوالفقار علی عثمانی دیوبندی کے بڑے بھائی) شیخ کرامت حسین کے دیوان خانہ میں بچوں کو عربی پڑھاتے تھے مدرسہ عربی (دارالعلوم) کے لئے حاجی عابد حسین صاحب نے جب چندہ شروع کیا تو سب سے پہلے مولانا مہتاب علی کے پاس آئے تھے۔ مولانا نے بارہ روپے چندہ عنایت کیا تھا۔ مدرسہ قائم ہونے کے وقت سے مدرسہ کے بنیادی اراکین میں تھے تاحیات مدرسہ کے سرپرست رہے، سید محبوب رضوی کی اطلاع کے مطابق ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں وفات ہوئی۔ تاریخ دیوبند ص ۲۳۱-۲۳۲۔ (دیوبند: ۱۹۷۲ء) افسوس ہے کہ مولانا مہتاب علی کے مفصل حالات نہیں ملتے۔

(۲۳) مولانا یعقوب کی تحریر سے محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم کے نانا شیخ وجیہہ الدین کی وفات ۱۲۵۷ھ میں ہوئی تھی، مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس خیال کو مدلل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سنہ کی ۱۸۴۲ء سے مطابقت بھی کی ہے۔ سوانح قاسمی ص ۲۰۵ جلد اول (دیوبند: ۱۳۷۳ھ) مگر یہ خیال صحیح نہیں۔ مولوی وجیہہ الدین کی وفات تقریباً محرم ۱۲۶۰ھ (جنوری فروری ۱۸۴۴ء) میں ہوئی ہوگی۔ تفصیلات مولانا کے والد ماجد اور ماموں پر راقم سطور کی تحریر میں ملاحظہ ہوں۔

صاحب کا ساتھ رہا، مولوی صاحب جیسے پڑھنے میں سب سے بڑھ کر رہتے تھے، ہر کھیل میں خواہ ہوشیاری کا ہو، یا محنت کا سب سے اوّل اور غالب رہتے تھے۔

کھیلوں میں مہارت اور بے خوفی: خوب یاد رہے کہ اس زمانہ میں ایک کھیل جوڑ توڑ نام ہم کھیلتے تھے اور بہت پرانے مشاق لوگ اس کو عمدہ کھیلتے تھے اور ہم نئے کھیلنے والے مات کھا جاتے تھے۔ مولوی صاحب نے جب اس کا قاعدہ معلوم کر لیا، پھر یاد نہیں کسی سے مات کھائی ہو، بہت ہوا تو برابر رہے، بلکہ ہر کھیل میں جو رتبہ کمال کا ہوتا تھا وہاں تلک اس کو پہنچا کر چھوڑتے۔

دروازہ مکان کا ایک دراز کوچہ تھا اور وحشت ناک جگہ تھی اور وہاں آسیب بھی مشہور تھا مگر راتوں کو بہت بہت دیر سے گھر جاتے اور بے تکلف اور کچھ خوف نہ کرتے۔

تعلیم کیلئے مولانا مملوک العلی کے ساتھ دہلی کا پہلا سفر: جب والد مرحوم حج سے تشریف لائے اور وطن آئے، تب مولوی صاحب سے کہا کہ میں تم کو ساتھ لیجاؤں گا، بعد اجازت والدہ کے دہلی روانہ ہوئے۔ ذی الحجہ سنہ بارہ سو اُنسٹھ کے آخر میں وطن سے چلے اور دوسری محرم سنہ ساٹھ کو دہلی پہنچے (۲۴) چوتھی کو سبق شروع ہوئے، مولوی صاحب نے کافیہ

---

(۲۴) مولانا مملوک العلی کے سفر حج کا جو سنہ مولانا محمد یعقوب نے لکھا ہے وہ مولانا محمد یعقوب کے حوالہ سے بے شمار کتابوں اور مضامین میں نقل ہوا ہے، مگر یہ اطلاع درست نہیں ہے، یہ غلطی شاہ محمد اسحاق کے سفر ہجرت کا سنہ غلط نقل ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت شاہ محمد اسحاق کا سفر ہجرت ذی قعدہ ۱۲۵۸ھ (دسمبر ۱۸۴۲ء) میں شروع ہوا تھا۔ شاہ محمد اسحاق کی دہلی سے روانگی کے تقریباً ۹ مہینہ بعد رجب ۱۲۵۹ھ (اگست ۱۸۴۳ء) میں مولانا مملوک العلی سفر حج کے لئے نکلے اور رجب ۱۲۶۰ھ میں دہلی واپس پہنچے اور ۱۲۶۱ھ میں مولانا محمد قاسم مولانا مملوک العلی کے ساتھ تعلیم کے لئے دہلی آئے۔ اس کی تصدیق شاہ محمد اسحاق کے سفر ہجرت کی صحیح تاریخ اور اس کے قطعات تاریخ سے ہوتی ہے، مولانا نواب قطب الدین نے احکام العیدین (ترجمہ فضائل عشرہ ذی الحجہ شاہ محمد اسحاق) کے آغاز میں شاہ محمد اسحاق کے سفر ہجرت کی یہ تاریخ اور اس کے قطعات تاریخ ذکر کئے ہیں، میر ظہور علی ظہور کا قطعہ تاریخ بالکل واضح ہے:

مولوی اسحاق صاحب باکمال	ترک خانہ کردہ سفرے کعبہ رفت
سال تاریخش چنیں گفتہ ظہور	یک ہزار و دو صد و پنجاہ و ہشت

دوسری تاریخ خواجہ احسن علی نے لکھی ہے:

مولوی اسحاق صاحب فخر دیں	تھا منور شہر جس کے نام سے
کر گئے ہجرت مع اہل و عیال	سوئے کعبہ شوق کے احرام سے
سچ تو یوں ہے جو کہ احسن نے کہا	شہر خالی ہو گیا اسلام سے

احکام العیدین ص ۴ (مطبع نولکشور لکھنؤ: ۱۲۹۰ھ) (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

شروع کیا اور احقر نے میزان (۲۴ب) اور گلستاں۔ (۲۴ج) والد مرحوم نے میرے ابواب کا سننا اور تعلیلات کا پوچھنا ان کے سپرد کیا تھا، اور ہر جمعہ کی رات کو چھٹی ہوتی تھی، صیغوں اور ترکیبوں کا پوچھنا معمول تھا، یاد ہے کہ مولوی صاحب سب میں عمدہ رہتے تھے۔

ہم عمر طلبہ سے علمی مباحثوں میں امتیاز اور تعلیم میں تیز رفتار ترقی: اسی زمانہ میں ہمارے مکان سے قریب مولوی نوازش علی صاحب (۲۵) کی مسجد میں مجمع طالب علموں کا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ایک اور تاریخ مؤمن خاں مؤمن کی ہے، جو ان کے فارسی دیوان میں ہے دیوان فارسی ص۱۴۱ (طبع اول، مطبع سلطانی: دہلی ۱۲۷۰ھ) مگر اسکے اعداد کے حساب و شمار میں عموماً غلطی ہوئی ہے، اس میں لطیف تخرجہ ہے، اس کے صحیح اعداد بھی ۱۲۵۸ھ ہی ہوتے ہیں (مومن کا فارسی دیوان عموماً ناپید سمجھا جاتا ہے، مگر اس کا ایک عمدہ نسخہ ہمارے ذخیرہ میں ہے)

اس تاریخ کا دوسرا ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ بیاض مولانا احمد علی محدث سہارنپوری میں مولانا مملوک العلی کی سفر حج کے لئے روانگی کی تاریخ خود مولانا احمد علی کے قلم سے ۲۶ر رجب ۱۲۵۸ھ (۳ ستمبر ۱۸۴۲ء) لکھی ہوئی ہے اور یہ بھی صراحت ہے کہ میں اس سفر میں مولانا مملوک العلی کا ہمرکاب ہوں، ان تصریحات کے بعد کسی اور حوالہ کی ضرورت نہیں۔ بیاض حضرت مولانا احمد علی محدث (مملوکہ راقم سطور)

(۲۴ب) میزان الصرف، عربی صرف (ETYMOLOGY) کی مشہور عالم تصنیف، جو تقریباً تین سو سال سے برصغیر کے عربی کے تعلیمی نظام کا بنیادی پتھر ہے، آج تک کوئی اور کتاب اس کی جگہ نہیں لے سکی۔ اس مفید کتاب کے مصنف کے متعلق حتمی طور سے کچھ کہنا مشکل ہے، مختلف روایتیں ہیں۔ میزان کے ساتھ شامل ایک اور کتاب منشعب کے مصنف کی تعیین کی جاتی ہے، مگر یہ بھی تقریباً طے ہے کہ میزان اور منشعب دونوں علیحدہ مصنفین کی یادگار ہیں۔ رحمہم اللہ۔

(۲۴ج) گلستاں، فارسی ادب کا شہرۂ آفاق بے مثال اور ناقابل تقلید کارنامہ، جو شیخ سعدی شیرازی ولادت غالباً ۶۰۹ھ وفات ۶۹۱ھ (۱۲۹۲ء) کی لافانی یادگار ہے (مؤلفہ ۶۵۶ھ)۔ ڈاکٹر رضازادہ شفق نے لکھا ہے:

> "آنے والی نسلوں نے سعدی کا جتنا اثر قبول کیا، دنیا میں ان کی جتنی شہرت ہوئی اور مشرقی اور خاص کر ایرانی ادبیات پر انہوں نے جو اثر ڈالا، ان سب چیزوں کا ذکر اس مختصر سی کتاب میں ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایران کے بے شمار عالموں اور دنیا بھر کے فاضلوں نے استاد کی بزرگی کے اعتراف میں گوناگوں عنوانوں کے تحت عقیدت کے پھول پیش کئے ہیں اور بڑے بڑے شاعروں نے انہیں خراج تحسین ادا کیا ہے۔"

تاریخ ادبیات ایران از ڈاکٹر رضازادہ شفق۔ اردو ترجمہ سید مبارز الدین رفعت ص ۳۳۳ (دہلی: ۱۹۵۵ء)

(۲۵) مولانا نوازش علی۔ دہلی کے ایک بڑے عالم اور مدرس تھے، علماء دہلی سے تعلیم حاصل کی، حضرت شاہ محمد اسحاق کی خدمت میں حدیث پڑھی اور پوری زندگی درس، تعلیم اور وعظ و ارشاد میں گذاری۔ مولانا کی درسگاہ، مدرسہ مولوی نوازش علی دہلی کے علمی حلقوں میں مشہور تھا، مولانا مملوک العلی کا گھر اس کے قریب ہی تھا، اس مدرسہ میں طلبہ بھرے رہتے تھے، مولانا محمد یعقوب نے لکھا ہے:

> "اسی زمانہ میں ہمارے مکان سے قریب مولوی نوازش علی صاحب کی مسجد میں مجمع طالب علموں کا تھا"

(حالات مولانا محمد قاسم ص ۷) (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

تھا، ان سے پوچھ پاچھ اور بحث شروع ہوئی، مولوی صاحب کی جب باری آئی سب پر غالب آئے، اور جب گفتگو ہوتی اس میں مولوی صاحب کو غلبہ ہوتا۔ بلکہ ہم میں سے جو کوئی مغلوب معلوم ہوتا، مولوی صاحب سے مدد چاہتا، یا مولوی صاحب خود اس کو مدد دیتے، پھر تو مولوی صاحب ایسا چلے کہ کسی کو ساتھ ہونے کی گنجائش نہ رہی یہ معقول (کی) مشکل کتابیں، زواہد (۲۶) قاضی، (۲۷)

(بقیہ صفحہ گذشتہ) سرسید احمد اور مولانا الطاف حسین حالی نے مولانا نوازش علی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ سرسید احمد مولانا نوازش علی کو اپنے ساتھ رہتک لے گئے تھے، اس وقت حالی کی اطلاع کے مطابق کثیر طالب علم (جو مولانا کے شاگرد تھے) تعلیم مکمل کرنے کے لئے مولانا نوازش کے ساتھ تھے، ان کے اخراجات کا سرسید احمد نے ذمہ لیا تھا۔ مولانا کا وعظ مؤثر ہوتا تھا اور دہلی میں بہت مقبول تھا، پیش نظر مآخذ میں سنہ وفات درج نہیں۔

ملاحظہ ہو: آثار الصنادید سرسید احمد ص ۲۷ باب چہارم (نولکشور لکھنؤ: ۱۹۰۰ء)

حیات جاوید، حالی۔ ص ۴۶ حصہ اول، ص ۴۰۸، ۴۵۰ حصہ دوم (انجمن ترقی اردو ہند دہلی: ۱۹۳۹ء) ترقی اردو بورڈ دہلی کی شائع کی ہوئی حیات جاوید اسی نسخہ کا عکس (Reprint) ہے۔

(۲۶) میر زاہد قطب الدین رازی کی شرح شمسیہ معروف بہ قطبی کا حاشیہ۔

میر زاہد بن محمد اسلم حسینی ہروی کابل میں فوج کے افسر اور معقولات کے بڑے عالم تھے، میر زاہد کی معقولات کی تصانیف نے برصغیر کی علمی فضا اور معقولات کی تعلیم کو بہت متأثر کیا ہے اس کے گہرے اثرات آج تک بعض حلقوں میں صاف دیکھے جاسکتے ہیں۔

میر زاہد کے والد کابل سے ہندوستان آئے، یہاں کے علماء اور زعماء میں ممتاز تھے۔ میر زاہد ہندوستان میں پیدا ہوئے اور علم و کمال خصوصاً معقولات کی مہارت، درس اور تصانیف نیز سرکاری عہدوں میں فخر اقران ہوئے، آخر میں کابل میں شاہی روزنامچہ نویس کی خدمت پر مامور ہوئے، وہیں ۱۱۰۱ھ میں وفات ہوئی۔ یہ سنہ غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام (ص ۲۰۹ طبع اول، آگرہ: ۱۳۲۸ء) میں میر زاہد کے بیٹے کے حوالہ سے نقل کیا ہے یہی معروف اور معتمد ہے۔ الزرکلی نے بھی یہی نقل کیا ہے۔ الاعلام ص ۶۵ ج ۷ (بیروت: ۱۹۷۹ء)

معقولات کی دنیا میں میر زاہد کی تصانیف میں سے تین کتابیں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں: "حاشیہ شرح تہذیب جلال الدین دوّانی"، "حاشیہ تصور و تصدیق، قطب الدین رازی۔" "اور حاشیہ شرح مواقف" جو علماء اور درسی حلقوں میں زواہد ثلاثہ کے نام سے مشہور ہیں مولانا مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے کہ: مرزا زاہد کی ان کتابوں کے ساتھ نظامی مولویوں کے والہانہ شغف کا یہ حال تھا کہ جب تک ان تینوں، یا ان میں سے کسی ایک کتاب پر اپنا خاص حاشیہ مولوی نہ لکھتا تھا، مستند مولویوں میں شمار نہیں ہوتا تھا" حاشیہ سوانح قاسمی ص ۲۸۹ ج ۲۔ مولانا نانوتوی کے اسباق میں غالباً میر زاہد کی شرح رازی شامل ہوگی۔

(۲۷) قاضی مبارک، بر شرح قطبی از میر زاہد۔ قاضی مبارک خلف قاضی محمد دائم گوپاموی، قاضی قطب الدین گوپاموی سے پڑھا، شیخ صفت اللہ محدث خیر آبادی سے اجازت حدیث حاصل کی۔ معقولات میں فخر زماں تھے۔ قاضی مبارک نے میر زاہد کی تینوں کتابوں پر حاشیے لکھے، یہاں بھی بظاہر حاشیہ قاضی علی حاشیہ میر زاہد علی الرازی کا ذکر ہے۔ مزید معلومات کے لئے: نزہۃ الخواطر ص ۲۴۹ ج ۶ (حیدر آباد: ۱۳۹۸ھ)

صدرا، (۲۸) شمس بازغہ (۲۹) ایسا پڑھا کرتے تھے جیسے حافظ منزل سناتا ہے۔ کہیں کہیں کوئی لفظ فرماتے جاتے اور ترجمہ تلک نہ کرتے۔ والد مرحوم کے بعض شاگردوں نے کہا بھی کہ حضرت یہ تو کچھ سمجھتے نہیں معلوم ہوتے، جناب والد مرحوم نے فرمایا کہ میرے سامنے طالب علم بے سمجھے چل نہیں سکتا اور واقعی ان کے سامنے بے سمجھے چلنا مشکل تھا، وہ طرز عبارت سے سمجھ لیتے تھے کہ یہ مطلب سمجھا ہوا ہے، یا نہیں! اور یہی حال جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (۳۰) سلمہ اللہ تعالیٰ کا تھا، مولوی صاحب سے اُسی زمانہ سے دوستی اور ہم سبقی رہی۔

---

(۲۸) صدر الدین محمد بن ابراہیم شیرازی (وفات ۱۰۵۹ھ ۱۶۴۹ء) الاعلام ص ۳۰۳ ج ۵ نے ہدایۃ الحکمۃ ابہری کی شرح لکھی تھی، جو صدرا کے نام سے مشہور ہے، اور پچاس سال پہلے تک درس نظامی میں شامل اور برصغیر ہندپاکستان کے اکثر علماء کے یہاں اور مدرسوں میں داخل درس تھی۔

(۲۹) شمس بازغہ علامہ، ملا محمود کی شہرہ آفاق تالیف ہے، ملا محمود بن محمد فاروقی جونپوری ۹۹۳ھ میں جون پور میں پیدا ہوئے۔ حافظہ، ذہانت وذکاوت میں برصغیر کے چند منتخب ترین علماء میں سے تھے۔ شیخ افضل جونپوری سے تعلیم حاصل کی اور فطری غیر معمولی صلاحیت اور علمی و مہارت و کمال کی وجہ سے سترہ سال کی عمر میں علمی حیثیت میں ممتاز شمار کئے جاتے تھے۔

مولانا ملا محمود کی متعدد تصانیف ہیں، جس میں شمس بازغہ کو غیر معمولی مقبولیت و پذیرائی حاصل ہوئی۔ ۹ ربیع الاول ۱۰۶۲ھ (فروری ۱۶۵۱ء) کو جون پور میں وفات ہوئی۔ مآثر الکرام، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی ص ۲۰۲، ۲۰۳ (طبع اول: آگرہ)

(۳۰) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی خلف مولانا ہدایت احمد بن پیر بخش انصاری ایوبی رام پوری ثم گنگوہی۔ ۱۲۴۴ھ (۲۹۔۱۸۲۸ء) میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وطن میں اور دہلی میں مولانا احمد الدین پنجابی سے حاصل کی، حضرت مولانا محمد قاسم کے بچپن سے ہم سبق اور رفیق تھے نیز مولانا مملوک العلی نانوتوی اور شاہ عبد الغنی کے شاگرد۔ تعلیم کے بعد سہارنپور میں نواب شائستہ خاں کے قلعہ میں ملازمت کی، جو مختصر وقت کے لئے تھی۔ اس کے علاوہ پوری زندگی خدمت دین تعلیم و ارشاد، درس حدیث، فقہ وافتاء اور اصلاح و تربیت میں مشغول بسر فرمائی۔ برصغیر کے دینی علمی ترقی اور دین صحیح کی ترویج و ترقی میں مولانا کا مقام اور خدمات کی تاریخ طویل اور غیر معمولی ہے۔

خصوصاً فہم حدیث میں مولانا اپنے اقران سے بلاشک وشبہ فائق بلکہ بہت ممتاز ہیں۔ حضرت مولانا کے شاگرد اور خلفاء چندے آفتاب چندے ماہتاب ہیں، نہ ان کے علمی کمال کی حد ہے، نہ ان کے اثرات اور منافع و ثمرات کی۔

حضرت مولانا کی متعدد تالیفات اور فتاویٰ کا ذخیرہ یادگار تھا مؤلفات کے علاوہ صرف ایک مجموعہ فتاوی چھپا ہے، تالیفات اور صحیح بخاری شریف اور سنن ترمذی کے افادات بار بار چھپے ہیں اور شہرۂ آفاق ہیں۔

حضرت مولانا کی تقریباً اسی سال کی عمر میں ۹ رجمادی الآخری ۱۳۲۳ھ (۱۱ راگست ۱۹۰۵) جمعہ کے دن وفات ہوئی۔ مفصل معلومات کے لئے تذکرۃ الرشید مولانا عاشق الٰہی میرٹھی۔

رحمھم اللہ تعالیٰ

شاہ عبدالغنی سے حدیث کا درس اور حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت

آخر حدیث خدمت میں جناب شاہ عبدالغنی صاحب (۳۱) مرحوم کے پڑھی اور اسی زمانہ میں

(۳۱) حضرت مولانا محمد قاسم نے صحاح ستہ میں سے چار کتابیں شاہ عبدالغنی سے اور دو سنن ابوداؤد اور نسائی نیز مؤطا امام مالک حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے پڑھی تھیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم کی حضرت مولانا احمد علی کے حوالہ سے سنن نسائی اور مؤطا کی سند دیوبند میں معروف تھی، مولانا محمد ناصر خلف مولانا عبدالباسط بن عبدالنور صدیقی صفی شیخ پوری بلیاوی نے (جو دیوبند کے فارغ علامہ انور شاہ اور شاہ صاحب کے معاصر علماء کے شاگرد ہیں) اپنی تالیف مجموعہ اسانید صحاح ستہ (مؤلفہ ومکتوبہ ۱۳۵۱ھ نسخہ مؤلف) میں اس کا ذکر کیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنی مجددی بن ابی سعید فاروقی مجددی دہلوی، حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد اور کاملین کے خاندان اور گھرانہ میں شعبان ۱۲۳۴ھ (جون ۱۸۱۹ء) میں تولد ہوئے، ۱۲۴۹ھ میں سفر حج کیا، علماء محدثین شیخ عابد سندھی اور شیخ اسماعیل سے حدیث پڑھی۔ ہندوستان واپسی کے بعد حضرت شاہ محمد اسحاق کے حلقہ درس سے وابستہ ہوئے، شاہ اسحاق سے اجازت حدیث حاصل کی۔ تمام زندگی حدیث کی خدمت میں گزار دی، اتباع سنت میں درجہ کمال حاصل تھا، سر سید احمد کا مشاہدہ ہے کہ:

"اس قدر اتباع سنت اختیار کیا ہے کہ اگر آپ کو زمین کے رہنے والے محی السنۃ و قامع البدعۃ کہہ کر پکاریں تو بجا ہے"
(آثار الصنادید ص ۷۱ باب چہارم)

حضرت شاہ عبدالغنی کا لافانی کارنامہ جو پوری دنیا کے لئے مینارۂ نور بنا ہوا ہے، درس حدیث کا متواتر سلسلہ ہے، جو ہندوستان اور (ہجرت کے بعد) مدینہ منورہ میں یکساں جوش و خروش اور استقامت کے ساتھ جاری رہا۔ ہندوستان کے علاوہ عرب ملکوں خصوصاً حجاز اور مراکش وغیرہ میں شاہ صاحب کے شاگرد ہزاروں کی تعداد میں تھے اور بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ عرب ملکوں کے طلباء حدیث اور علمائے کرام نے کسی اور ہندوستانی عالم سے اس قدر استفادہ نہیں کیا اور ان کی اجازت وسند حدیث کو اس درجہ لائق و توجہ نہیں سمجھا، جس قدر کہ حضرت شاہ عبدالغنی کی سند و اجازت کو، ہند اور حجاز دونوں جگہ حضرت شاہ عبدالغنی سے اجازت وسند کو بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔

حضرت شاہ عبدالغنی نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے تسلط کے بعد اس ملک کو دار الحرب سمجھتے ہوئے ہندوستان سے ہجرت فرمائی۔ ۱۲۷۴ھ (۵۸-۱۸۵۷ء) میں سفر حرمین شریفین کے سفر پر روانہ ہوگئے حج کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اس خاک پاک کو آنکھوں کا سرمہ بنایا اور اس مٹی کو اس طرح سینہ سے لگایا کہ ۷ر محرم الحرام ۱۲۹۶ھ، ۳۱ر دسمبر ۱۸۷۸ء کو وہیں رحلت ہوئی، وہیں دفن کئے گئے۔ جزاه الله عنا وعن المسلمين خير الجزاء.

اکابر علمائے دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور نے حضرت شاہ محمد اسحاق کے بعد شاہ عبدالغنی کا دامن پکڑا، حضرت مولانا محمد قاسم، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد مظہر، مولانا محمد یعقوب وغیرہ متعدد اکابر علماء نے شاہ عبدالغنی کی خدمت میں حاضر رہ کر حدیث شریف پڑھی اور اجازت وسند حاصل کی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نے حضرت شاہ عبدالغنی سے کچھ حصہ صحیح بخاری کا، صحیح مسلم، سنن ترمذی، مؤطا امام مالک اور تفسیر جلالین پڑھی تھیں۔ حضرت شاہ عبدالغنی نے سند میں ان ہی کتابوں کی صراحت فرمائی ہے (عکس سند حضرت مولانا محمد قاسم از حضرت شاہ عبدالغنی شمولہ، سوانح قاسمی، مولانا مناظر احسن گیلانی۔ حصہ اول مابین ص ۲۶۰، ۲۶۱)

دونوں صاحبوں نے جناب قبلہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب (۳۲) دام ظلہ سے بیعت کی اور سلوک شروع کیا۔

مدرسہ عربی سرکاری (دلی کالج) میں داخلہ: والد مرحوم نے مولوی صاحب کو مدرسہ عربی سرکاری میں (۳۳) داخل کیا اور مدرس ریاضی (۳۴) کو فرمایا کہ ان کے حال سے

---

(۳۲) حضرت حاجی امداد اللہ، خلف محمد امین بن حافظ بدھا فاروقی تھانوی، تعارف گذر گیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۱۔

(۳۳) مدرسہ عربی سرکاری، یا مدرسۂ دہلی جو بعد میں دہلی کالج کے نام سے مشہور ہوا۔ ہندوستان کی تعلیمی ترقی کی راہ کا ایک سنگ میل ہے۔ یہ کالج انگریز انتظامیہ نے دہلی کے علمی خاندانوں کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے قائم کیا تھا اور اس کا نام مدرسۂ دہلی مقرر کیا تھا دہلی کالج کے قائم کرنے کی تجویز ۱۸۲۳ء میں کی گئی تھی۔ جون ۱۸۲۵ء (شوال ۱۲۴۰ھ) میں تعلیمی سال کا افتتاح ہوا، مولانا رشید الدین خاں دہلوی مدرس اول اور مولانا مملوک العلی مدرس دوم مقرر ہوئے تھے، مولانا رشید الدین خاں کی صحت خراب تھی، کالج کے افتتاح کے صرف دو سال بعد مولانا کی (محرم الحرام ۱۲۴۳ھ جولائی، اگست ۱۸۲۷ء میں) وفات ہوگئی تھی، مولانا کی وفات کے بعد مولانا مملوک العلی کالج کے (عملاً) سربراہ رہے۔

مولانا مملوک العلی کی علمی سرپرستی کی وجہ سے کالج کا علمی معیار بہت اونچا ہو گیا تھا اور مدرسۂ دہلی کی شہرت و عظمت دور دور تک پہنچ گئی تھی۔ دہلی کالج کا ابتدائی تمام نظام، طریقۂ کار اور تعلیمی نصاب مدرسہ کے طرز پر تھا، شوال میں مدرسہ کا افتتاح ہوتا، شعبان میں چھٹی ہوتی، قدیم مدرسوں میں مروج کتابیں نصاب تعلیم کا بنیادی حصہ تھیں اور معاملات میں بھی مدرسوں کی پیروی کی جاتی تھی۔ مدرسہ کے افتتاح کے تین سال بعد ۱۸۲۸ء (شوال ۱۲۴۳ھ) انگریزی کے سبق شروع ہوئے، مگر یہ تعلیم نصاب کا لازمی حصہ نہیں تھا، جو طلبہ چاہتے وہ عربی پڑھتے، جو چاہتے عربی انگریزی دونوں سے فائدہ اٹھاتے اور کچھ صرف انگریزی پڑھنے والے بھی تھے۔ یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ مولانا مملوک العلی کی وفات ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۱ء) تک تقریباً یہی نظام اور طریقۂ کار رہا، اس میں کوئی بڑی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی۔

مدرسہ دہلی یا دہلی کالج ۱۸۵۷ء تک بڑھتا اور ترقی کرتا رہا ۱۸۵۷ء میں دیہاتیوں کے حملہ میں تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ سدا نام رہے اللہ کا!

مدرسہ دہلی یا دہلی کالج کے متعلق معلومات کے لئے دیکھئے: مرحوم دہلی کالج مولوی عبدالحق۔

(۳۴) مدرس ریاضی: یہ ماسٹر رام چندر (پسر سندر لال ماتھر) دہلوی تھے۔ تقریباً ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوئے، دہلی انگلش اسکول میں (جو بعد میں دہلی کالج میں ضم ہو گیا تھا) تعلیم حاصل کی شروع سے ریاضی سے دلچسپی تھی اور اس میں خاص امتیاز حاصل تھا۔

ماسٹر رام چندر کو تدریسی ذوق، اعلیٰ صلاحیت اور ریاضی سے گہری وابستگی کی وجہ سے علمی دنیا میں وقعت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ رام چندر کی ریاضی پر کتابوں کی شہرت یورپ تک پہنچی اور اس فن کے ماہرین نے ان کے کمال فن کی داد دی اور ان کی کتابوں کو ہندوستان اور بیرون ہند میں بھی اعزازات سے نوازا گیا اور وہ نصاب میں داخل کی گئیں۔ ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی نے لکھا ہے:

"ان کی سب سے زیادہ مشہور تصنیف جس نے ان کے نام اور قابلیت کو یورپ تک پہنچا دیا وہ تھی

متعرض (۳۴) نہ ہوجیو، میں ان کو پڑھالوں گا اور فرمایا کہ تم اُقلیدس (۳۵) خود دیکھ لو، اور قواعد حساب کی مشق کرلو۔ چند روز میں چرچا ہوا کہ مولوی صاحب سب معمولی مقالے دیکھ چکے اور حساب پورا کرلیا، ازبسکہ یہ واقعہ نہایت تعجب انگیز تھا، طلبہ نے پوچھ پاچھ شروع کی، یہ کب عاری تھے، ہر بات کا جواب باصواب تھا، آخر منشی ذکاء اللہ (۳۶) چند سوال نئے کسی ماسٹر کے بھیجے ہوئے لائے اور وہ نہایت مشکل سوال تھے، ان کے حل کرلینے پر مولانا کی نہایت شہرت ہوئی، اور حساب میں کچھ ایسا ہی حال تھا۔ جب امتحان سالانہ کے دن ہوئے مولوی صاحب امتحان میں شریک نہ ہوئے اور مدرسہ چھوڑدیا، سب اہل مدرسہ کو علی الخصوص

"مسائل کلیات وجزئیات" (A. TREATISE ON THE PROBLEMS OF MAXIMA & MINIMA)

اس کتاب کی اشاعت پر علمی حلقوں میں ایک تہلکہ مچ گیا" ص ۳۶ (رام چندر)

ماسٹر رام چندر کی ریاضی پر اور کئی اہم کتابیں چھپیں۔ رام چندر کا آخر میں عیسائیت کی طرف رجحان ہوگیا تھا، مولانا مملوک العلی کی وفات کے (۱۲۶۷ھ، ۱۸۵۱ء) کے نو مہینہ کے بعد جولائی ۱۸۵۲ء (رمضان ۱۲۶۸ھ میں) ماسٹر رام چندر نے ہندو مذہب چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرلی تھی رام چندر کا بہت متعصب اور دریدہ دہن پادریوں اور اسلام دشمن مصنفین میں شمار ہے۔ ماسٹر رام چندر ۱۱راگست ۱۸۸۰ء (۴ر رمضان ۱۲۹۷ھ) کو آنجہانی ہوگئے۔ مفصل معلومات کے لئے: ماسٹر رام چند ازڈاکٹر صدیق الرحمان قدوائی (دہلی: ۱۹۶۱ء)

(۳۴) متعرض نہ ہوجیو، چھیڑمت کرنا، کچھ مت پوچھنا۔

(۳۵) اقلیدس علم ہندسہ (GEOMETRY) جو اپنے بانی کے نام سے موسوم ہے۔ اقلیدس کی کتاب اس فن کی بنیادی اور عالمی شہرت کی کتاب ہے۔

(۳۶) مولوی منشی، ڈپٹی ذکاء اللہ دہلوی۔ مورخ، ریاضی داں، مترجم اور کثیر تصانیف کے مؤلف ۱۲۴۸ھ (۳۳-۱۸۳۲ء) میں دہلی میں پیدا ہوئے، دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی، مولانا مملوک العلی کے شاگرد تھے، دہلی کالج میں استاد مقرر ہوئے، علمی تحریری خدمات میں مشغول رہے، اردو کے کثیر التصانیف اہل قلم میں ممتاز گنے جاتے ہیں، بڑی شہرت پائی، تقریباً پونے دو سو تصانیف یادگار ہیں۔ جس میں تاریخ ہندوستان (چودہ جلدیں) اور تاریخ عروج عہد انگلشیہ ممتاز ہیں اور تصانیف بھی گراں قدر ہیں۔

مولانا عبدالحی حسنی نے ذکاء اللہ خاں کے ایک مضمون کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ "میں (مولوی ذکاء اللہ) نے باون ہزار صفحات اپنے قلم سے لکھے ہیں" ۷ر نومبر ۱۹۱۰ء (۴ر ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ) کو دہلی میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو:

واقعات دار الحکومت دہلی، ازبشیر الدین احمد ص ۱۷۱ ج ۲ (آگرہ: ۱۹۱۹ء)

نیز نزہۃ الخواطر، مولانا عبدالحی حسنی ص ۱۳۹ ج ۸ (حیدرآباد: ۱۴۰۲ھ)۔ تاریخ ادب اردو: رام بابو سکسینہ ص ۶۲ طبع اول۔

ٹیلر صاحب (۳۷) کو کہ اس وقت میں مدرس اوّل انگریزی تھے، نہایت افسوس ہوا۔

مطبع احمدی میں تصحیح کتب کی ملازمت: مولوی صاحب نے مطبع احمدی (۳۸) میں تصحیح

(۳۷) ٹیلر صاحب۔ ٹیلر صاحب کے تعارف سے پہلے ایک غلطی بلکہ پہلی دوسری طباعتوں کے بعد کی اشاعتوں میں ایک طباعت میں غیر ضروری اصلاح کا ذکر کرنا چاہیے۔ مولانا محمد قاسم کی پہلی دوسری دونوں اشاعتوں میں یہاں ٹیلر صاحب لکھا ہوا ہے، مگر اس لفظ کے صحیح تلفظ یا ٹیلر صاحب کی شخصیت سے ناواقفیت کی وجہ سے، بعد کے سب نسخوں میں یہاں تبدیلی اور اپنے خیال میں تصحیح کی گئی ہے۔ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ (۹۴۔ 1893) کی طباعت میں "ہیڈ صاحب کو" چھپا ہوا ہے (ص ۸) مگر اس وضاحت کو شاید ناکافی سمجھتے ہوئے ایک اور اشاعت میں جو اس تذکرہ کا معتبر ترین نسخہ سمجھا جاتا ہے، "ہیڈ ماسٹر" کر دیا، تذکرہ مولانا محمد قاسم ص ۷ (مطبع قاسمی دیوبند: ۱۳۲۳ھ) مگر یہ دونوں اصلاحات بے محل ہیں، طبع اول اور اسی وقت کی دوسری طباعت میں ٹیلر صاحب ہے، وہی صحیح ہے۔

ٹیلر صاحب! جوزف ہنری ٹیلر (JOSEPH-HENRY-TAYLOR) جس کو جے ایچ ٹیلر (J.H. TAYLOR) بھی لکھا جاتا ہے، دہلی تعلیمی کمیٹی (..........) کے جنرل سکریٹری تھے، مدرسہ دہلی یا دہلی کالج کا منصوبہ ٹیلر صاحب نے پیش کیا تھا، وہی اس کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے تھے اور جب اس عہدہ پر مسٹر بتروس (F.BOUTROS) کا تقرر ہو گیا تو ٹیلر صاحب ہیڈ ماسٹر بنا دیئے گئے۔ ٹیلر ۱۸۵۷ء تک اسی منصب پر خدمت انجام دیتے رہے۔ دو مرتبہ عارضی پرنسپل بھی مقرر ہوئے، ۱۸۵۷ء میں کالج سے گھر جا رہے تھے، راستہ میں دیہاتی حملہ آوروں نے لاٹھیوں سے پیٹ پیٹ کر ہلاک کر دیا۔

دہلی کالج کے منصوبہ بندی سے تعمیر و ترقی تک ہر مرحلہ میں ٹیلر صاحب نے کالج کی رہنمائی کی اور اس کی بہتری کیلئے دن رات کام کیا، افسوس ہے دہلی کالج پر لکھنے والوں نے ٹیلر صاحب کا تفصیل حال نہیں لکھا۔ ملاحظہ ہو:

الف: مرحوم دہلی کالج مولوی عبدالحق (دہلی: ۱۹۴۵ء)

ب: قدیم دہلی کالج مالک رام (دہلی: ۱۹۷۶ء)

(۳۸) مطبع احمدی۔ دہلی میں، نگم بودھ علاقہ میں، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے استاد حدیث مولانا وجیہ الدین سہارنپوری نے ایک مطبع قائم کیا تھا اور غالباً حضرت سید احمد شہید کی نسبت سے اس کا نام مطبع احمدی رکھا تھا۔ مولانا وجیہ الدین کی برکت اور مبارک نام کی نسبت سے اس مطبع کو ایسا عروج اور ترقی حاصل ہوئی، جو اس دور کے دہلی کے مطابع کی تاریخ میں بے مثال ہے۔

مولانا وجیہ الدین کا مطبع احمدی، ربیع الاول ۱۲۶۰ھ (اپریل ۱۸۴۴ء) میں شروع ہوا تھا۔ اس وقت مولانا احمد علی حضرت شاہ محمد اسحاق کی خدمت میں مکہ مکرمہ میں تھے، جب مولانا حجاز سے دہلی واپس آئے تو اس مطبع کی ملکیت مولانا احمد علی کے نام منتقل ہو گئی، مولانا احمد علی کے بھتیجے شیخ ظفر علی اس کے مہتمم بنائے گئے۔ مولانا احمد علی نے اس کو غیر معمولی ترقی دی اور اس کے ذریعہ سے حدیث شریف کی بنیادی کتابوں کی اشاعت کی بے مثال خدمت انجام فرمائی، خصوصاً بخاری شریف سنن ترمذی وغیرہ کی محقق و محشی اشاعتیں اس مطبع کا طغرائے امتیاز اور ہندوستان میں خدمت حدیث کا ایک بڑا کارنامہ ہیں۔ مطبع احمدی کی اور مطبوعات بھی کتابت، صحت متن اور عمدہ طباعت کی مثال ہوتی تھیں، بلکہ اس مطبع کی شائع کی ہوئی کتی (بقیہ صفحہ: ...)

کتب کی کچھ مزدوری کرلی اور کتابیں معمول تمام کر چکے تھے۔ حدیث، خدمت میں شاہ عبدالغنی صاحب (کے) پوری کی (۳۹)

مولانا مملوک العلی کے مرض وفات میں مولانا کی خدمت، مولانا کی وفات اور مولانا محمد قاسم کا مولانا کے مکان پر قیام

اس عرصہ میں والد مرحوم کا گیارہویں ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ کو بمرض یرقان، قبل السابع انتقال ہو گیا۔ (۴۰) ایام مرض والد مرحوم کے ممتد نہ تھے، گیارہ روز کل مرض رہا، مگر چار پانچ روز بہت غفلت اور کرب رہا، لخلخہ سنگھا(نا) (۴۱) پنکھا کرنا ہر وقت تھا، ہم سو جاتے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کتابیں صحت و عمدگی کے لحاظ سے اس درجہ کی ہیں کہ اس کے بعد سے آج تک ان کتابوں کی کوئی طباعت اس شان و معیار کی نہیں ہے۔ مطبع احمدی کے اس دور کی چھپی ہوئی تقریباً ساٹھ کتابیں میری نظر سے گذری ہیں دو تین کے علاوہ سب اسی شان و معیار کی ہیں۔

مطبع احمدی کا بڑا کارنامہ صحیح بخاری کے معتبر و مستند و محشیٰ نسخہ کی اشاعت ہے جس کے آخری پاروں کے حواشی حضرت مولانا محمد قاسم کی یادگار ہیں۔ نیز صحیح مسلم، مشکوٰۃ، ترمذی وغیرہ کی اعلیٰ درجہ کی تصحیح کے بعد اشاعت، اس مطبع کے محاسن اور قابل فخر کارناموں میں ہے۔

مولانا احمد علی کا مطبع احمدی ۱۸۵۷ء تک دہلی میں اپنے خاص معیار اور امتیازات کے ساتھ سرگرم رہا، ۱۸۵۷ء کے حالات میں پریس کو سخت نقصان پہنچا، بالکل تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ اس لئے مولانا احمد علی بھی دہلی کا قیام ترک کر کے سہارنپور آگئے تھے۔

۱۸۵۷ء کے بعد حالات پرسکون ہوئے تو مولانا احمد علی کے بیٹے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے مطبع احمدی کو دوبارہ جاری کیا، اس مرتبہ یہ مطبع میرٹھ میں قائم کیا گیا تھا۔ اگرچہ اس دور میں بھی تقریباً بیس سال تک کام کرتا رہا، مگر پہلے دور جیسی بات پھر پیدا نہیں ہوئی۔

مولانا احمد علی کے مطبع احمدی کی دینی علمی ادبی خدمات بلکہ اس کے کارناموں اور مطبوعات کا تعارف ایک مفصل مضمون بلکہ کتاب کا موضوع ہے، سب معلومات بفضلہٖ تعالیٰ فراہم کرلی گئی ہیں انشاء اللہ کسی وقت مرتب کر کے پیش کی جائیگی۔

(۳۹) شاہ عبدالغنی مجددی کا تعارف (حاشیہ (۳۱) ص....) پر گزر گیا ہے۔

(۴۰) ۱۱رذی الحجہ ۱۲۶۷ھ مطابق ۷راکتوبر ۱۸۵۱ء قبل السابع، ساتویں گھڑی سے پہلے۔ رات کا تقریباً درمیانی وقت

(۴۱) لخلخہ: وہ دوا جو تقویت دماغ کے واسطے ترکیب دے کر بنائی جاتی ہے، کئی خوشبوؤں کا مجموعہ جسے ملا کر سونگھتے ہیں۔ مولوی سید احمد دہلوی نے اس کے استعمال کی مثال میں یہ شعر لکھے ہیں:

نالے مجھ بلبل کے سن کر غش ہوا تھا باغ میں — نکہت گل نے سنگھایا لخلخہ صیاد کو (نواب بیگم)

کرتی ہے صبا آکے کبھی غالیہ بیزی — کرتی نسیم آکے کبھی لخلخہ سائی (ذوق)

فرہنگ آصفیہ ص ۱۸۴ ج ۴ (دہلی: ۱۹۷۴ء)

تھے اور مولوی صاحب برابر بیٹھے رہتے تھے،

بعد انتقال مولانا والد مرحوم کے احقر اپنے مکانِ مملوک میں جو چیلوں کے کوچہ (۴۲) میں تھا جارہا۔ مولوی صاحب بھی میرے پاس آرہے۔

مزاج کی سادگی کوٹھے پر ایک جھلنگا (۴۳) پڑا ہوا تھا، اس پر پڑے رہتے تھے، روٹی کبھی پکوا لیتے تھے اور کئی کئی وقت تلک اسے ہی کھا لیتے تھے۔ میرے پاس آدمی روٹی پکانے والا نوکر تھا اس کو یہ کہہ رکھا تھا کہ جب مولوی صاحب کھانا کھاویں سالن دیدیا کرو، مگر بہ دقت کبھی اس کے اصرار پر لے لیتے تھے، ورنہ وہی روکھا سوکھا ٹکڑا چبا کر پڑ رہتے تھے۔

ایک برس دن کے قریب بعد انتقال والد مرحوم احقر دہلی رہا، پھر نوکری اجمیر کے (۴۴) سبب دہلی چھوٹی اور مولوی صاحب سے جدائی پیش آئی۔

مدرسہ دار البقا اور مطبع احمدی میں قیام اور حاشیہ بخاری شریف کی تکمیل مولوی صاحب چند روز اسی مکان میں تنہا رہے پھر چھاپہ خانہ (۴۵) میں جارہے، پھر

---

(۴۲) کوچہ چیلان پرانی دہلی کا بہت بڑا محلہ اور مشہور علاقہ ہے۔

(۴۳) جھلنگا: ٹوٹی پھوٹی ایسی چارپائی جس کے بان ٹوٹ کر لٹک گئے ہوں۔ دیکھئے فرہنگ آصفیہ ص ۳۷ ج ۲ (دہلی: ۱۹۷۹ء)

(۴۴) ملازمت اجمیر۔ مولانا محمد یعقوب نے خود ہی صراحت فرمائی کہ وہ مولانا مملوک العلی کی وفات ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ، اکتوبر ۱۸۵۱ء کے ایک سال بعد غالباً ۱۲۶۸ھ کے آخر میں یا شروع ۱۲۶۹ھ (۵۳۔۱۸۵۲ء) میں اجمیر گئے۔ اجمیر میں سرکاری مدرسہ میں عربی کے مدرس تھے، مولانا کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اس عہدہ پر وقار واحترام کے ساتھ رہے، مولانا کی عمدہ قابلیت کی وجہ سے کالج کے پرنسپل نے مولانا کے لئے ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ کی سفارش کی تھی، مگر مولانا نے اس ملازمت کو پسند نہیں فرمایا تھا۔ پانچ سال اجمیر میں رہے، اجمیر سے بنارس تبادلہ ہوا، بنارس سے رڑکی آئے، رڑکی کے قیام کے زمانہ میں ۱۸۵۷ء کی جدوجہد شروع ہو گئی تھی، اس وقت ملازمت سے یکسو ہو کر وطن آگئے تھے۔
ملاحظہ ہو: مقدمہ بیاض یعقوبی، مرتبہ حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی، ص ۵ (طبع اول: تھانہ بھون ۱۹۲۹ء)

(۴۵) چھاپہ خانہ، مطبع احمدی جو نگم بودھ کے راستہ پر تھا۔ مولانا وجیہہ الدین کی چھاپی ہوئی ایک کتاب "رسالہ مظہر الحق، نواب قطب الدین خاں" مطبوعہ ۱۲۶۵ھ (۱۸۴۹ء) کے ٹائٹل پر لکھا ہوا ہے

"بہ مطبع احمدی، باہتمام شیخ وجیہہ الدین۔ بگذر نگر بودھ، شاہ جہاں آباد میں چھپا"

(یہ نسخہ ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے) اس مطبع کا مفصل تعارف حاشیہ (۳۸) پر گزر گیا ہے۔

دار البقاء(۴۶) میں چند روز رہے۔ اس زمانہ میں جناب مولوی صاحب، مولوی احمد علی صاحب سہارن پوری (۴۷) نے تحشیہ اور تصحیح بخاری شریف کے کہ پانچ چھ سپارہ آخر کے باقی تھے، مولوی صاحب کے سپرد کیا(۴۸) مولوی صاحب نے اس کو ایسا لکھا ہے کہ اب دیکھنے والے

---

(۴۶) مدرسہ دار البقاء، جامع مسجد کے جنوبی سمت میں تعمیر پرانا مدرسہ تھا، جو شاہجہاں نے جامع مسجد کے ساتھ بنوایا تھا، جو آخر عہد مغلیہ میں بے توجہی کی وجہ سے کھنڈر ہو گیا تھا، مولانا مفتی صدر الدین آزردہ نے اس کی تجدید مرمت کرائی، دوبارہ مدرسہ کو زندہ کیا۔ تعلیم کے لئے مدرس رکھے اور مدرسہ میں مقیم طلبہ کے اخراجات اور کھانے پینے کی ذمہ داری لی۔ مدرسہ دار البقاء ۱۸۵۷ء تک مفتی صاحب کی سرپرستی میں کامیابی سے چلتا رہا، ۱۸۵۷ء کے بعد جب پوری دہلی کی اینٹ سے اینٹ بج گئی تھی مدرسہ دار البقاء کہاں بچتا۔ مدرسہ دار البقاء ویران ہی نہیں ہوا بلکہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں نے دہلی کو صاف ستھرا کرنے کی مہم چلائی، اس وقت مدرسہ دار البقاء کو منہدم کر کے زمین کے برابر کر دیا تھا۔ یہ مدرسہ جامع مسجد کے آخری جنوبی مغربی کونہ سے ملا ہوا تھا۔ اس مدرسہ کا کنواں جس کا حضرت مولانا گنگوہی نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے تقریباً ۱۹۷۷ء تک موجود تھا۔ راقم سطور نے دیکھا ہے، اب یہاں سے چاوڑی بازار سے آنے والی سڑک گزرتی ہے اور کچھ حصہ پر پارک ہے وکان امر اللہ قدراً مقدوراً

مدرسہ دار البقاء کے تعارف کے لئے دیکھئے: آثار الصنادید سرسید احمد باب سوم ص ۲۳ (نولکشور لکھنؤ: ۱۳۱۸ھ)

(۴۷) حضرت مولانا احمد علی کا تعارف افسوس ہے کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے رہ گیا۔ (وفات ۱۲۹۷ھ)

(۴۸) تکملہ حاشیہ صحیح بخاری۔ حضرت مولانا احمد علی محدث نے صحیح بخاری کی دقت نظر سے تصحیح فرمائی تھی اور اس پر مختصر لیکن نہایت جامع اور اعلیٰ درجہ کا حاشیہ لکھا تھا، جو عمدہ محققانہ شرح کے قائم مقام ہے۔ حضرت مولانا نے اپنے عالی مقام استاد حضرت شاہ محمد اسحاق کی ہدایت اور وصیت کے مطابق بخاری شریف کی تصحیح اور حواشی کا کام سفر حجاز سے واپس آتے ہی شروع فرما دیا تھا، کام بہت بڑا تھا جو وسیع عالمانہ ژرف نگاہی اور محنت و تحقیق کے علاوہ اکابر محدثین کے علمی اصولوں کی پاسداری چاہتا تھا، مولانا احمد علی نے اس کا پورا پورا حق ادا کیا اور قدم بہ قدم ان کی پیروی فرمائی۔

جب بخاری شریف کا غالباً خاصا حصہ تصحیح و حواشی کے بعد لائق اشاعت ہو گیا تو اس کی اشاعت پر توجہ فرمائی۔ بخاری شریف کے متن اور حواشی کی کتابت بھی نہایت دیر طلب اور صبر آزما خدمت تھی یہ سلسلہ بھی ساتھ ہی ساتھ شروع ہو گیا تھا، ان مراحل کے بعد حضرت مولانا کے ذاتی چھاپہ خانہ، مطبع احمدی دہلی میں ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ء) میں بخاری شریف کے اس مبارک و مسعود نسخہ کی طباعت شروع ہوئی اور ۱۲۷۰ھ میں اس نسخہ کی طباعت مکمل ہو گئی تھی۔ تصحیح متن اور حاشیہ کی ترتیب آہستہ آہستہ بڑھتی رہی، چونکہ حضرت مولانا احمد علی اس عرصہ میں حدیث شریف کی کئی اور بنیادی کتابوں کی تصحیح کا کام شروع کر چکے تھے اس لئے (اور غالباً بخاری شریف کا کام جلد پورا کرنے کے خیال سے) بخاری شریف کا حاشیہ لکھنے کی خدمت میں حضرت مولانا محمد قاسم کو بھی شامل فرمایا، آخری حصہ کا حاشیہ حضرت مولانا محمد قاسم نے تحریر کیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم کا لکھا ہوا حاشیہ کس قدر ہے اس کی تحقیق نہیں، مولانا محمد یعقوب نے پانچ چھ سپارہ کا حاشیہ ذکر کیا ہے، مگر مولانا محمد یعقوب اس زمانہ میں اجمیر قیام فرماتے، اس لئے یہ اطلاع مولانا کا مشاہدہ اور تحقیق نہیں ہے، اس لئے اس میں مزید غور و فکر کی خاصی گنجائش ہے۔ (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

دیکھیں کہ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس زمانہ میں بعض لوگوں نے کہ مولوی صاحب کے کمال سے آگاہ نہ تھے جناب مولوی احمد علی صاحب کو بطور اعتراض کہا تھا کہ "آپ نے یہ کیا کام کیا کہ آخرِ کتاب کو ایک نئے آدمی کے سپرد کر دیا"؟ اس پر مولوی احمد علی صاحب نے فرمایا تھا کہ: "میں ایسا نادان نہیں ہوں کہ بدون سمجھے بوجھے ایسا کروں!" اور پھر مولوی صاحب کا تحشیہ ان کو دکھلایا، جب لوگوں نے جانا اور وہ جگہ بخاری میں سب جا سے مشکل ہے، علی الخصوص تائید مذہب حنفیہ کا جو اوّل سے التزام ہے اور اس جا پر امام بخاری نے اعتراض مذہب حنفیہ پر کئے ہیں اور ان کے جواب لکھنے معلوم ہے کہ کتنے مشکل ہیں۔ اب جس کا جی چاہے اس جگہ کو دیکھ لے اور سمجھ لے کہ کیا حاشیہ لکھا ہے اور اس حاشیہ میں یہ بھی التزام تھا کہ کوئی بات بے سند کتاب کے محض اپنے فہم سے نہ لکھی جاوے۔

جفاکشی اور تنہائی پسندی: اس وقت کی اکثر حکایات سنی سنائی عرض کرتا ہوں، کیوں کہ پانچ برس تلک پھر ملاقات مولوی صاحب سے نہیں ہوئی۔ جب احقر اجمیر گیا، مولوی صاحب اسی مکان میں رہتے تھے اور بعض ایک دو آدمی اور تھے، پھر اتفاق سے سب متفرق ہو گئے اور مولوی صاحب تنہا رہ گئے، مکان مقفل رہتا تھا، رات کو مولوی صاحب کواڑ اتار کر اندر جاتے تھے اور پھر کواڑ کو درست کر دیتے تھے اور صبح کو کواڑ اتار کر باہر ہو جاتے تھے اور پھر کواڑ درست

(بقیہ صفحہ گذشتہ) برصغیر کے نامور محدث حضرت الاستاذ، حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہم ودامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ پانچ چھ سپاروں کے حاشیہ کی بات صحیح معلوم نہیں ہوتی، حواشی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر کے تین سپاروں کا حاشیہ ہے، یہ حاشیہ پہلے حاشیہ سے کئی طرح سے مختلف ہے کتاب المحاربین پارہ نمبر ۲۸، بخاری شریف ص ۱۰۰۵ (عکس نور محمد اصح المطابع، دہلی) سے آخر کتاب تک اسلوب تحریر اور منہج تحقیق بدلا ہوا ہے، اسلئے صرف یہی حاشیہ حضرت مولانا محمد قاسم کا لکھا ہوا ہے اور یہ تین سپارے ہیں۔ مزید تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، راقم نے اس کا کسی قدر وضاحت سے علیحدہ مضمون میں ذکر کیا ہے۔

یہاں یہ عرض کر دینا چاہیے کہ حضرت الاستاذ حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہم درس حدیث میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے جانشین ہیں اور بتیس سال سے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں بخاری شریف پڑھا رہے ہیں۔ حضرت مولانا کی حدیث شریف میں غیر معمولی مہارت اور بصیرت ونظر اور حضرت کا درس بخاری شریف شہرۂ آفاق ہے۔

کرتے تھے، چند ماہ اسی ہو کے (۴۸ب) مکان میں گذر گئے۔

جذب اور خود فراموشی کی ایک کیفیت جس زمانہ میں مولوی صاحب میرے پاس رہتے تھے مولوی صاحب کی صورت پر جذب کی حالت برستی تھی، بال سر کے بڑھ گئے تھے، نہ دھونا، نہ (کنگھی) نہ تیل، نہ کترے، نہ درست کئے، عجب صورت تھی۔ مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہیبت عنایت کی تھی، ان کے سامنے بولنے کا ہر کسی کو حوصلہ نہ تھا، باوجودیکہ نہایت خوش مزاج اور عمدہ اخلاق تھے۔ اس لئے میں تو کہہ نہ سکا، ایک اور دوست سے کہلایا، تب بمشکل بال کتروا کر درست کئے اور دھلوائے۔ جوئیں بہت ہو (گئی) تھیں ان سے نجات ہو (ئی)۔

صبر وضبط اور کم گوئی مزاج تنہائی پسند تھا، اس لئے کچھ عرض نہ ہو سکتا تھا۔ مولوی صاحب کو اول عمر سے اللہ تعالیٰ نے یہ بات عنایت فرمائی تھی اکثر ساکت رہتے اور ہر کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا اور باوجود خوش مزاجی اور ظرافت کے ترش رو اور مغموم جیسی صورت (رہتے) اور ان کے حال سے بھلا ہو یا برا نہ کسی کو اطلاع ہوتی، نہ آپ کہتے۔ یہاں تلک کہ بیمار بھی اگر ہوتے تب بھی شدت کے وقت کبھی کسی نے جان لیا تو جان لیا، ورنہ خبر نہ ہوئی اور دوا کرنا تو کہاں؟

تواضع بعضے احباب کی زبانی سنا ہے کہ چھاپہ خانہ میں جناب مولوی احمد علی صاحب کے جب مولوی صاحب کام کیا کرتے تھے، مدتوں یہ لطیفہ رہا کہ لوگ مولوی کہکر پکارتے ہیں اور آپ بولتے نہیں، کوئی نام لے کر پکارتا، خوش ہوتے۔ تعظیم سے نہایت گھبراتے، بے تکلف ہر کسی سے رہتے، اب تلک جو شاگرد یا مرید تھے ان سے یارانہ کے طور پر رہتے اور کچھ اپنے لئے صورت تعظیم کی نہ رکھتے۔

معمولی لباس اور خود کو چھپانے کا اہتمام علماء کے وضع عمامہ یا کرتہ کچھ نہ رکھتے، ایک دن آپ فرماتے تھے کہ "اس علم نے خراب کیا ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا" میں کہتا ہوں اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا، جو کمالات تھے وہ کس قدر تھے، کیا اس

(۴۸ب) ہو کا مکان۔ سنسان جگہ جہاں آدمی کو دہشت معلوم دے۔ فرہنگ آصفیہ ص ۷۴۰ ج ۴ (دہلی: ۱۹۷۴ء)

میں سے ظاہر ہوئے اور آخر سب کو خاک میں ہی ملادیا، اپنا کہنا کردکھایا۔

مسئلہ کبھی نہ بتلاتے، حوالہ کسی پر فرماتے فتوی پر نام لکھنا اور مہر کرنا تو درکنار، اوّل امامت سے بھی گھبراتے، آخر کو اتنا ہوا کہ وطن میں نماز پڑھادیتے تھے۔ سب سے پہلا وعظ مولانا مظفرحسین کاندھلوی (۴۹) کے ارشاد پر کیا، وعظ بھی نہ کہتے تھے، جناب مولوی مظفرحسین صاحب مرحوم کاندھلوی نے اوّل وعظ کہلوایا اور خود بھی بیٹھ کر سنا اور بہت خوش ہوئے۔

مولانا مظفرحسین کاندھلوی کا تقویٰ اور اتباع سنت میں بلند مقام

جناب مولوی مظفرحسین صاحب کاندھلوی اس آخری زمانہ میں قدماء کے نمونہ تھے۔ تقویٰ، اللہ اکبر! ایسا تو

(۴۹) حضرت مولانا مظفرحسین خلف مولانا محمود بخش صدیقی کاندھلوی۔ ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ء) میں ولادت ہوئی، گھر پر والد ماجد اور چچا حضرت مفتی الٰہی بخش سے تعلیم حاصل کی، غالباً متوسطات تک تعلیم کے بعد دہلی بھیج دیئے گئے، مدرسہ شاہ محمد اسحٰق میں رہے اور حضرت شاہ محمد اسحاق سے اعلیٰ کتابوں تک درسیات تکمیل کیں، حدیث شریف بھی شاہ محمد اسحاق سے پڑھی۔ شاہ محمد اسحاق سے بیعت ہوئے اور شاہ صاحب کے بڑے بھائی شاہ محمد یعقوب سے اصلاحِ باطن کا سبق لیا، سلوک مکمل کرنے کے بعد شاہ محمد یعقوب نے سلسلہ نقشبندیہ میں اجازت وخلافت سے نوازا۔

حضرت مولانا مظفرحسین اتباعِ سنت، تقویٰ، خدمت دین اور اپنے کمالات وامتیازات کی وجہ سے اپنے معاصرین ہی نہیں بلکہ اپنے بڑوں اور استادوں کی نگاہ میں بھی محترم اور صاحب مقام تھے۔ حضرت مولانا کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دینی جدوجہد میں مصروف گزرا، حضرت مولانا کے وابستگان اور مستفیدین کا بڑا وسیع سلسلہ تھا جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی شامل تھے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر رہنے سے حضرت مولانا محمد قاسم پر گہرا اثر ہوا، وہ بھی اتباعِ سنت کے رنگ میں رنگ گئے تھے، سرسید احمد نے مولانا محمد قاسم کی وفات پر جو تعزیتی مضمون لکھا تھا، اس میں ہے کہ

"ان (مولانا محمد قاسم) کو جناب مولوی مظفرحسین صاحب کاندھلوی کی صحبت نے اتباع سنت پر بہت زیادہ راغب کردیا تھا۔"

سرسید احمد کی تعزیتی تحریریں ص ۱۴ (مرتبہ اصغر عباس، علی گڑھ ۱۹۹۰ء)

مولانا محمد قاسم کی عملی خدمات میں بھی مولانا محمد مظفرحسین کے رنگ کی خاص جھلک نظر آتی ہے، مولانا قاسم کی نکاح بیوگان کی تحریک بھی مولانا مظفرحسین کی خدمات کا پرتو تھا اور خدمات بھی حضرت مولانا مظفرحسین کی تربیت کے ثمرات تھے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا محمد قاسم کا پہلا وعظ بھی مولانا مظفرحسین کی ہدایت پر ہوا تھا۔ مولانا مظفرحسین نے بیٹھ کر سماعت فرمائی۔ ہمارے یہاں خاندانی روایت یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم کا یہ سب سے پہلا وعظ حضرت مولانا مظفرحسین کے مکان (واقع محلہ مولویان، کاندھلہ) میں ہوا تھا، مولانا مظفرحسین کی خدمات وکمالات کا تذکرہ ایک مستقل کتاب کا موضوع ہے۔

حضرت مولانا نے سات حج کئے، ایک سفر میں حضرت مولانا محمد قاسم بھی ساتھ تھے۔ آخری سفر (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

اور اُس سے وہ نسبت پیدا تھی کہ مشتبہ چیز اگر معدہ میں پہنچ گئی تو اسی وقت قے ہو جاتی تھی۔ اور اتباع سنت نہ ایسا دیکھا اور نہ ایسا سنا، سبحان اللہ!

بیواؤں کے نکاح کی بنا ان اطراف میں اوّل میں اُن سے ہوئی اور والد مرحوم نے اس کو نہایت خوب صورتی سے اجرا فرمایا اور ان دونوں بزرگ واروں کے قدم قدم حضرت مولانا نے اس کو پورا شائع کیا۔ یہ اجران صاحبوں کے نامۂ اعمال میں تابقیامت رہے گا اور ایک یہ کیا، ہزاروں دین کی باتیں ایسی ہی کیں۔

مولانا کی حضرت مولانا مظفر حسین سے نیازمندی اور عقیدت طالب علمی کے وقت سے تھی

جناب مولوی مظفر حسین صاحب کی خدمت میں اس زمانہ سے نیاز تھا جب کہ حضرت مولوی صاحب دہلی تشریف لاتے تو والد مرحوم کے پاس ہمارے مکان میں فروکش ہوتے اور والد مرحوم جب وطن جاتے کاندھلہ ہو کر جاتے، جب وطن سے ہٹتے (۵۰) کاندھلہ ٹھہر کر دہلی روانہ ہوتے (۵۱)

(بقیہ صفحہ گذشتہ) میں (جو خاندانی روایات کے مطابق ہجرت کی نیت سے ہوا تھا) اسہال مین مبتلا ہوکر ۱۰ ارمحرم ۱۲۸۳ھ (۲۵ مئی ۱۸۶۶ء) کو جمعہ کے دن مدینہ منورہ میں وفات ہوئی، حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ کے قدموں میں دفن کئے گئے۔

مزید معلومات کے لئے: حالات مشائخ کاندھلہ، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی ص ۲۷ تا ۵۰

(۵۰) ہٹتے۔لوٹتے واپس آتے۔

(۵۱) دونوں حضرات کی باہمی محبت، دوستانہ قریبی تعلقات، بے تکلفی اور سادگی کے احوال حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نقل فرمایا کرتے تھے۔ ایک مجلس میں فرمایا:

"دہلی سے نانوتہ جاتے ہوئے راستہ میں کاندھلہ پڑتا تھا، مولانا مظفر حسین صاحب نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ کاندھلہ میں ملکر جایا کرو، مولانا مملوک العلی صاحب نے یہ کہہ دیا تھا کہ تکلف نہ کرنا، صرف ملنے کے لئے کچھ دیر ٹھہر جایا کروں گا۔ چنانچہ گاڑی راستہ ہی میں چھوڑ کر ملنے آتے۔۔ مولانا اوّل یہ پوچھتے کہ کھانا کھاچکے یا کھاؤگے؟ اگر کہا کہ کھاچکا تو پھر کچھ نہیں۔ اگر نہ کھائے ہوئے ہوتے تو کہہ دیتے کہ میں کھاؤں گا، تو پوچھتے کہ رکھا ہوا لادوں، یا تازہ پکوادوں؟ چنانچہ ایک بار یہ فرمایا کہ رکھا ہوا لادو! اس وقت ایک دفعہ صرف کھچڑی کی کھرچن تھی، اس کو لے آئے اور کہا کہ رکھی ہوئی تو یہی تھی، انہوں نے کہا کہ بس یہی رکھ دو۔ پھر جب رخصت ہوتے تو مولانا مظفر حسین صاحب ان کو گاڑی تک پہنچانے جاتے، یہ ہمیشہ کا معمول تھا۔

حسن العزیز (مجموعہ ملفوظات) ص ۴۹۰ ج املفوظ، ۴۹۵، نیز قصص الاکابر ص ۳۲ (طبع اول، ماہ نامہ الہادی، دہلی۔ رمضان ۱۳۶۵ھ)

حضرت مولانا محمد قاسم اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے خسر کی اولاد کا مختصر شجرہ

شیخ کرامت حسین دیوبندی

- شیخ احمد ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۶ء (شوہر امینہ دختر شیخ اسد علی ہمشیرہ مولانا محمد قاسم مرحوم)
  - ضیاء احمد
    - اکمالی
    - بندی
    - حسن (زوجہ حافظ محمد احسن بن حاجی ظہور الدین)
  - حنیفہ (زوجہ نذیر احمد) لاولد
- شیخ نہال احمد ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۶ء
  - رفیق احمد
  - لطیف احمد (زوجہ ہمشیرہ حکیم الامت تھانوی)
    - مولانا ظفر احمد تھانوی
      - عمر احمد عثمانی
      - قمر احمد
    - سعید احمد
      - دختر زوجہ مفتی جمیل احمد تھانوی
- عمدۃ النساء (زوجہ مولانا محمد یعقوب نانوتوی)
  - معین الدین
  - قطب الدین
  - علاء الدین
  - جلال الدین
  - فاطمہ
  - خدیجہ
- امین (زوجہ عبد الرزاق جانگھی والے)
- ام رحم (زوجہ حضرت مولانا محمد قاسم مرحوم نانوتوی)
- سعادت (زوجہ ظہور الحق)
  - مولانا احمد
  - ہاشم
  - رقیہ
  - اکرام النساء (زوجہ مولانا عبد اللہ انصاری انبہٹوی)
  - عائشہ

یہ شجرہ جناب شمار احمد صاحب دیوبندی مقیم کراچی سے حاصل ہوا تھا نیز دیوبند کے خاندان ... شجرہ تذکرۃ الحافظ (احوال حافظ الطاف علی شیخ پوری دیوبندی) مرتبہ مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی طبع دوم دیوبند ۱۹۹۰ء

حضرت حاجی امداد اللہ سے تعارف: اور یہی حال جناب حاجی امداد اللہ صاحب سے تھا، تھانہ بھون میں آتے جاتے ملاقات کرکر آتے یا وہاں مقام ہی ہوتا۔ سبحان اللہ کیا جلسہ تھا، پیر محمد والی مسجد (۵۲) میں وہ گلزار تھا کہ شب و روز سوائے ذکر اور قال اللہ قال الرسول کچھ اور دھندا نہ تھا۔ آخر شب میں ذکر جہر کا یہ رنگ ہوتا کہ غافل بھی جاگ اٹھتے اور توفیق ذکر اللہ کی پاتے، غرض کہ یہ آنا جانا اور ملاقاتیں ان صاحبوں کی خدمت میں نیاز (کے) سبب ظاہر ہوئی، ورنہ جو لکھا ہوا تھا وہ ہر طرح ہوتا تھا۔

نکاح، توکل اور سخاوت: مولوی صاحب نکاح نہ کرتے تھے اور جناب بھائی اسد علی صاحب (۵۳) حضرت کے والد کو ادھر تو ترک نوکری اور اختیار درویشی کا رنج تھا اُدھر یہ فکر ہوا [کہ] دیوبند رشتہ کیا تھا، آخر جناب حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا، حضرت کے فرمانے سے نکاح پر راضی ہوگئے، مگر یہ شرط کی کہ "تمام عمر زوجہ کے نفقہ اور اولاد کی پرورش کے لئے کچھ کمالانے کے مجھ سے متقاضی نہ ہوں" بیچاروں نے ناچار یہ شرط قبول کی، نکاح ہوگیا (۵۴)

---

(۵۲) مسجد شاہ پیر محمد والی۔ تھانہ بھون کی پرانی تاریخی روحانی مسجد ہے، یہ مسجد شیخ احمد نے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ۱۱۱۴ھ (۱۷۰۲ء) تعمیر کرائی تھی (جو شاہ ولی اللہ کا سنہ ولادت ہے) قطعہ تاریخ کا کتبہ نصب ہے:

بعہد شاہ عالم گیر احمد شیخ مسجد ساخت:
اگر پرسند تاریخش بگو عاکف کہ احمد ساخت:

یہ مسجد تھانہ بھون کے نامور علماء اور مشائخ کرام کا مسکن و مدفن رہی ہے۔ سب سے پہلے یہاں شیخ صادق گنگوہی (وفات ۱۰۵۱ھ) کے خلیفہ شیخ پیر محمد تھانوی نے قیام کیا تھا۔ ان کے نام کی نسبت سے مسجد پیر محمد والی کہی جاتی ہے، حضرت علامہ قاضی محمد اعلیٰ تھانوی مؤلف کشاف اصطلاحات الفنون کا مدفن اس مسجد سے ملحق قبرستان میں تھا جو اب مسجد کے احاطہ میں ہے، حضرت حاجی امداد اللہ، حافظ محمد ضامن شہید حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سب نے اللہ اللہ کے لئے اسی مسجد کو پسند کیا اور یہیں قیام فرمایا تھا۔ مسجد خانقاہ امدادیہ کے نام سے مشہور ہے۔

(۵۳) بھائی اسد علی۔ والد ماجد حضرت مولانا محمد قاسم حاشیہ نمبر ۱۳ پر تعارف گذر گیا ہے۔

(۵۴) اہلیہ مولانا محمد قاسم جو شیخ کرامت حسین دیوبندی کی بڑی صاحبزادی تھیں چھوٹی دختر عمدۃ النساء کا مولانا محمد یعقوب نانوتوی سے نکاح ہوا تھا (ملاحظہ ہو حاشیہ (۸) بڑی بہن .ام رحیم صاجبہ مولانا محمد قاسم سے منسوب تھیں، مگر ان کا نکاح غالبًا بہت دیر سے ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ء) کے قریب منعقد ہوا، حضرت مولانا محمد قاسم کی ان سے دس اولادیں ہوئیں: تفصیل کے لئے دیکھئے سوانح قاسمی ص ۵۰۴ ج ۱

حضرت مولانا محمد قاسم کی اہلیہ نے طویل عمر پائی، حضرت مولانا کی وفات کے تقریبا انتالیس سال بعد، ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (ستمبر ۱۹۱۸ء) میں دیوبند میں وفات ہوئی۔ دیکھئے: ماہنامہ القاسم دیوبند: محرم ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۸ء) ص ۶۔

اب نوکری آپ نے اگر کی تو کیا کی، کسی چھاپہ خانہ (۵۵) میں چار پانچ روپے کی تصحیح کی خدمت قبول کی اور پھر مزاج میں مہمان نوازی اور سخاوت بھی بھلا کیا بچتا کہ گھر دیتے۔

مولانا کی اہلیہ کی مہمان نوازی اور فیاضی بلکہ جب وطن آتے اور یہاں مہمان آتے، والدین کو دشواری ہوتی، تب یہ کیا کہ بی بی کا زیور اس کی اجازت سے بیچ کر صرف کر دیا، وہ ایسی تابع دار تھیں کہ والدین کی خدمت میں جو مشقت اٹھائی، مولوی صاحب کی مزاج داری ان کو علاوہ بر آن ہوئی اور والدین کی رضا کے لئے جب ناخوش ہوتے تو ان کو ہی کچھ کہہ لیتے، آخر میں ان کے بڑے شکرگزار رہے اور اللہ جل شانہ نے بہت کچھ عنایت فرمایا، جو کچھ فتوح ہوتی ان کے حوالہ کر دیتے۔ وہ اللہ کی بندی (خدا سلامت رکھے) ایسی سخی اور دست کشادہ ہے کہ جناب مولوی صاحب کی مہمان داری کو اسی کے باعث رونق تھی، کبھی یاد نہیں کہ کسی وقت کوئی آگیا ہو اور گھر میں کھانا نہ ملا ہو، بلکہ خود فرماتے کہ ہماری سخاوت احمد کی والدہ کی بدولت ہے، جو میں قصد کرتا ہوں وہ مہمان نوازی میں اس سے بڑھ کر کرتی ہے۔

مہمانوں کیلئے چاولوں اور گھی کی فراوانی چاول نانوتہ میں بہت پیدا ہوتے ہیں، مہمانوں سے فرماتے کہ ہم نے تمہارے لئے چاول پکانے میں تکلف نہیں کیا، بلکہ ہمارے گھر آمدنی اراضی کے یہی چاول ہوتے ہیں، وہی تمہارے آگے پکا کر رکھ دیتے ہیں۔

اور مہمانوں کے کھلانے میں مولوی صاحب کو کچھ دریغ نہ ہوتا تھا، ایک بار دستر خوان پر کھچڑی کے ساتھ بہت سا گھی آیا، دس پندرہ آدمی تھے، جناب مولوی رشید احمد صاحب نے

(۵۵) حضرت مولانا نے تین مطابع میں کتابوں کی تصحیح اور حاشیہ وغیرہ لکھنے کی ملازمت کی، سب سے پہلے مطبع احمدی میں جو مولانا احمد علی محدث کا پریس تھا۔ دوسرے مطبع مجتبائی میں جس کے مالک منشی ممتاز علی صاحب "نزہت رقم" حضرت مولانا کے خاص نیاز مند اور معتقد تھے، تیسرا شیخ ہاشم علی میرٹھی کا مطبع ہاشمی تھا۔

حضرت مولانا تینوں مطابع سے مصحح کی حیثیت سے وابستہ رہے اور حضرت مولانا کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۹۲-۱۲۹۱ھ (۷۵-۱۸۷۴ء) میں بھی دہلی میں ایک مطبع کے کام کی وجہ سے رہنا ہوا تھا، یہ کونسا مطبع تھا منشی ممتاز علی کا مجتبائی یا کوئی اور مطبع تھا؟ صراحت نہیں ملی۔

فرمایا کہ اتنا گھی یہ فضول ہے، اس میں سے آدھا رکھ لیا اور آدھا گھر بھیج دیا۔ ایک بار مہمانوں کی کسی سواری کے لئے دانے کی ضرورت تھی، چنے نہ ملے کہ دانہ دَل کردیویں، گھر میں کابلی چنے رکھے ہوئے تھے وہی دَلوا کر دانہ دیدیا۔ مہمان نوازی مولوی صاحب پر ختم ہے۔

مولانا کے بچپن کا ایک خواب اور اس کی تعبیر: مجھے یاد ہے کہ مولوی صاحب نے لڑکپن میں ایک خواب دیکھا تھا، اس کی تعبیر یہی تھی یوں دیکھا تھا کہ میں مرگیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کرآئے، تب قبر میں حضرت جبرئیل تشریف لائے اور کچھ نگین سامنے رکھے اور کہا یہ اعمال تمہارے ہیں ان میں سے ایک نگین بہت خوشنما اور کلاں ہے اس کو فرمایا کہ یہ عمل حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ہے۔

ایام طالب علمی میں مولوی صاحب نے اور ایک خواب دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ میں سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں، جناب والد مرحوم سے ذکر کیا، انہوں نے فرمایا کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔

مولانا کے والد کو مولانا کے توکل اور استغناء سے فکر اور دعاء کی خواہش جس زمانہ میں نکاح ہوا اور والد کو یہ خیال تھا کہ ابناء زمانہ کی طرح جب فکر ہوگا آپ نوکری کرہی لینگے اور بعد گذرنے کتنی مدت کے کچھ نہ کیا، تب مایوس ہوگئے اور ان کو اس امر کا بہت رنج تھا کہ اور بھائی پڑھ کر نوکر ہوگئے، کوئی پچاس [کا] کوئی سو کا، کوئی کم، کوئی زیادہ [سب] خوش وخرم ہیں اور ان کا حال ویسا ہی ہے اور آمدنی آراضی کی مکتفی (۵۶) خرچ کو نہ ہوتی تھی، جناب حاجی امداد اللہ صاحب مدظلہ سے شکایت کی کہ "بھائی! میرے تو یہی ایک بیٹا تھا اور مجھے کیا کچھ امیدیں تھیں کچھ کماتا تو ہمارا یہ افلاس دور ہو جاتا، تم نے اسے خدا جانے کیا کردیا کہ یہ نہ کچھ کماوے نہ نوکری کرے"۔ حضرت اس وقت تو ہنس کر چپ ہو رہے، پھر کہلا بھیجا کہ یہ

(۵۶) یعنی زمین کی آمدنی سے گھر کا خرچ اور ضرورتیں پوری نہیں ہوتی تھیں۔ آمدنی کم تھی اور خرچ زیادہ ہوتا تھا۔ ایسے حالات میں شیخ اسد علی کا یہ خیال کرنا کچھ بیجا بھی نہیں تھا، لیکن قدرت کے راز پنہاں وہی جانے۔

شخص ایسا ہونے والا ہے کہ وہ سوپچاس والے سب اس کی خادمی کریں گے اور ایسی شہرت ہوگی کہ اسی کا نام ہر طرف پکارا جائے گا اور تم تنگی کی شکایت کرتے ہو؟ خدا تعالیٰ بے نوکری ہی اتنا کچھ دے گا کہ ان نوکروں سے یہ اچھا رہے گا۔

جناب بھائی اسد علی صاحب کی ہی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے وسعت دی اور مولوی صاحب سے بہت خوش انھوں نے انتقال کیا اور تصدیق اس پیش گوئی کی اپنی آنکھ دیکھ گئے۔
قدر مریدوں کی پیر پہچانے اور جو ایسی نظر رکھے وہی جانے۔

حضرت حاجی امداد اللہ کی نگاہ میں مولانا کی قدر و منزلت

حضرت نے آخر میں ضیاء القلوب کی چند سطر ان دونوں صاحبوں کی تعریف میں (لکھی) ہیں (۵۷) نہایت درست ہیں، یوں حضرت نے اپنی کسر نفسی کو کام فرمایا ہے، مگر اظہار مرتبہ ان دونوں صاحبوں کا اس سے منظور ہے اور خود احقر سے ارشاد فرمایا تھا اوّل حج میں جب حاضر خدمت ہوا تھا کہ مولوی رشید احمد صاحب میں اور مجھ میں کچھ فرق نہیں، لوگوں کو یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے اور مولوی محمد قاسم صاحب کو فرمایا تھا کہ ''ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے اب

---

(۵۷) ضیاء القلوب میں حضرت حاجی امداد اللہ نے حضرت مولانا رشید احمد اور مولانا محمد قاسم کا ذکر کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

''و نیز ہر کس کہ ازیں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد مولوی رشید احمد سلمہ را و مولوی محمد قاسم سلمہ را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند، بجائے من فقیر راقم اوراق بلکہ بمدراج از من فوق شمارند، اگرچہ بہ ظاہر معاملہ برعکس شد کہ و اوشاں بجائے من و من بمقام اوشاں شدم، و صحبت اوشان را غنیمت دانند کہ ایں چنیں کسان دریں زماں نایاب اند''
ضیاء القلوب ص ۶۰ فارسی۔ (طبع اول مجتبائی، دہلی: ۱۲۸۴ھ)

نیز جو شخص کہ اس فقیر (حاجی امداد اللہ) سے محبت و عقیدت رکھتا ہے مولوی رشید احمد کو اور مولوی محمد قاسم کو جو تمام ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع ہیں، مجھ فقیر راقم اوراق (حاجی امداد اللہ) کی جگہ بلکہ بعد مجھ سے بدرجہا بلند سمجھیں۔ اگرچہ دیکھنے میں معاملہ اس کا الٹا ہوگیا کہ وہ لوگ میری جگہ اور میں ان کی جگہ ہوں۔ ان صاحبان کی صحبت اور ملاقات کو غنیمت سمجھیں، کیونکہ اس طرح کے اشخاص اس زمانہ میں نایاب ہیں۔

مد توں سے نہیں ہوتے“۔

حضرت مولانا کی تحریر وتقریر محفوظ رکھنے کی حضرت حاجی صاحب کی ہدایت

اور اللہ تعالیٰ نے اس کمال پر یہ ضبط عنایت فرمایا تھا کہ کبھی کوئی کلمہ خودستائی کا، یا کسی طرح کوئی صورت رعونت یا خود بینی کی خلوت وجلوت، تنہائی مجمع، اپنے بیگانوں میں کبھی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ اب اس سفر میں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ: ”مولوی صاحب کی تحریر وتقریر کو محفوظ رکھا کرو اور غنیمت جانو“

ہائے افسوس! یہ خبر نہ تھی کہ اس کے یہ معنی ہیں اور یہ واقعہ یوں اچانک آ جائے گا۔ چند بار شدت مرض ہو کر اللہ تعالیٰ نے شفا دی تھی، اب کی بار بھی وہی خیال باندھ رکھا تھا، کیا کیجئے جو باتیں رہ گئیں رہ گئیں، اب سوائے افسوس کے کیا ہو سکتا ہے، جو تحریریں ناتمام رہ گئیں، اب بھلا کون ان کو تمام کرسکتا ہے اور جن میں کچھ نقصان ہو گیا ان کی تکمیل کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

اولاد نہ ہونے سے والد کا تکدر اور اولاد کی تفصیل: بعد نکاح والد اکثر مکدر رہتے تھے اور آرزو کرتے تھے کہ کوئی پوتا ہوتا تو اس سے امید نسل جاری ہونے کی بندھتی، اوّل کئی لڑکیاں ہوئیں جن میں سے دو زندہ اب ہیں، ایک بزرگ نے کہا کہ تم یہ آرزو کرتے ہو اور مولوی صاحب کو ناخوش رکھتے ہو ان کو مکدر نہ کرو اللہ تعالیٰ تم کو بھی خوش کرے گا تب سے مولوی صاحب کی اکثر مزاج داری کرتے اور مہمانوں کی خدمت اور تواضع سے کسی طرح نہ گھبراتے، تب اللہ تعالیٰ نے یہاں احمد کو عنایت کیا۔ آج بحمد اللہ تعالیٰ میاں احمد جوان ہیں اٹھارہ برس کی عمر ہے (۵۸) اللہ تعالیٰ اپنے والد کے مثل کر (ے) آمین!

---

(۵۸) حافظ احمد خلف حضرت مولانا محمد قاسم۔ ۱۲۷۹ھ (۱۸۶۱ء) میں نانوتہ میں تولد ہوئے، تعلیم کے لئے مولانا عبد اللہ انصاری کے پاس مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی بھیج دئے گئے، گلاوٹھی سے مراد آباد گئے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن سے بھی پڑھا، حدیث شریف حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے حلقۂ درس میں حاصل کی۔ مدرسہ اسلامیہ تھانہ بھون سے تدریسی زندگی کا آغاز ہوا۔

۱۳۰۲ھ (۱۸۸۵ء) میں دار العلوم میں مدرس ہوئے، ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء) میں حضرت گنگوہی نے مہتمم دار العلوم مقرر کیا، مولانا کے طویل دور اہتمام میں دار العلوم نے ہر پہلو سے ترقی کی۔ مولانا محمد احمد ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۲ء) (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

اور میاں ہاشم پیدا ہوئے آج ان کی عمر آٹھ برس کی ہے (۵۹) یہ نام مولوی صاحب کے والد کا رکھا ہوا ہے۔ اس عرصہ میں کئی لڑکے لڑکیاں پیدا ہو (ئیں) اور چھوٹی عمر میں انتقال ہو گیا (۵۹) ب اب ایک لڑکی تین چار برس کی آخری اولاد ہے (۶۰) اللہ ان سب کو عمر و سعادت وخوبی نصیب کرے اور مولوی صاحب کا نام ان کی نسل سے قائم رکھے۔

والد صاحب کی اطاعت اور حقہ بھرنے کی خدمت: ہمارے بھائی اسد علی صاحب بڑے سیدھے آدمی تھے، حقہ بہت پیتے تھے، مولوی صاحب کو حقہ سے نفرت، ایک بار حقہ بھرنے کو کہا مولوی صاحب باپ (کے) تابعدار حقہ بھر کر سامنے لا رکھا۔ جب لوگوں نے سنا بہت ملامت کی، کہا میں کہہ کر خود نادم ہوا، پھر کبھی مولوی صاحب سے نہ کہا۔

مسجد میں رہنے کا ذوق اور سخت مجاہدہ: والد سے اوّل اس بات پر اکثر تکدر رہتا تھا، مولوی صاحب مسجد میں رہتے، رات کو مسجد میں سو رہتے، کھانا مسجد میں کھاتے، پیر بھائی دو تین تھے ان کو کہا تھا کہ سب کھانا لایا کرو اور ملکر کھالیا کریں گے۔ پاپیادہ چلتے، جفاکشی کرتے، ان کو رنج ہوتا۔ مولوی صاحب ایسے جفاکش تھے، اوّل میں جب ضرورت نہانے کی ہوتی تھی، مسجد میں پانی گرم ہوتا تھا اور تہجد کے وقت نہاتے، مگر شرم کے سبب تالاب میں جاکر نہا لیتے۔ یہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) میں ریاست حیدر آباد میں صدر مفتی مقرر کئے گئے تھے، چار سال تک اس عہدہ پر فائز رہے، نظام حیدر آباد کو دارالعلوم کا دورہ کرنے کی دعوت دینے کے لئے حیدر آباد گئے تھے، حیدر آباد میں بیمار ہوئے، واپسی میں ۳ جمادی الاولی ۱۳۴۷ھ (۱۹۲۸ء) کو ریل میں وفات ہوگئی، حیدر آباد لیجا کر دفن کیا گیا۔ تاریخ دارالعلوم، مرتبہ سید محبوب احمد رضوی (ماہنامہ الرشید ساہیوال اشاعت خاص ص ۲۴۷۔۲۴۸ ۱۴۰۰ھ)

(۵۹) میاں ہاشم تقریباً ۱۲۷۹ھ میں تولد ہوئے، ذہین و فطین اور علم کے شوقین تھے، حضرت مولانا محمد قاسم کے متوسلین ان میں حضرت مولانا کی جھلک دیکھتے تھے، دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، دارالعلوم کی رودادوں سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خاصے باصلاحیت تھے، مگر تعلیم مکمل نہ ہوئی تھی کہ اوائل نوجوانی میں (مولانا قاری محمد طیب صاحب کی اطلاع کے مطابق) مکہ مکرمہ میں فوت ہوگئے۔ حاشیہ سوانح قاسمی مولانا گیلانی ص ۵۰۳ ج ۱۔

(۵۹ ب) مولانا یعقوب صاحب کے الفاظ سے یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ حضرت مولانا کی وفات کے وقت صرف ایک دختر زندہ تھیں، مگر یہ صحیح نہیں اس وقت حضرت کی تین لڑکیاں موجود تھیں جیسا کہ مولانا یعقوب صاحب نے آخر کتاب میں لکھا ہے۔ دیکھئے ص ۱۷۶، ۱۷۷۔

(۶۰) یہ لڑکی جس کا مولانا محمد یعقوب نے یہاں ذکر کیا ہے، عائشہ تھیں، طویل عمر پائی، لاولد فوت ہوئیں۔ حاشیہ ۱۱۱ پہ ذکر آ رہا ہے۔ مختصر معلومات کے لئے سوانح قاسمی ص ۵۰۳ ج ۱۔

کڑکڑاٹ کا جاڑا اور پالا پڑے اور مولوی صاحب تالاب میں نہاویں۔

ریاضتوں کی کثرت: مولوی صاحب نے ریاضتیں ایسی کیں ہیں کہ کیا کوئی کرے گا، اشغال دشوار جیسے حبس [دم] اور سہ پایہ مدت تلک کئے ہیں اور بارہ تسبیح اور ذکر ارّہ کا دوام تھا ہی (۶۱ الف) سر کے بال شدت حرارت کے سبب اُڑ گئے تھے، حرارت مزاج میں ایسی آگئی تھی کہ کسی صورت سے فرو نہ ہوتی تھی، کیوں کہ یہ حرارت قلب کی تھی اور اس کے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوئی، یہی آخر مرض کا باعث ہوئی اور اسی میں آخر انتقال کیا۔

علوم و معانی کی آمد اور ضبط نسبت میں کمال: آمد معانی اور مضامین کی ایسی تھی، یوں فرماتے تھے کہ بعضی بار حیران ہو جاتا ہوں کہ کیا کیا بیان کروں، اور اکثر تقریر طویل کے سبب کہیں سے کہیں نکل جاتے، باقی احوال اللہ جانے۔ باوجودیکہ کشف تمام تھا مگر کبھی زبان سے کچھ نہ فرماتے، ادنیٰ ادنیٰ اہل نسبت کے پاس بیٹھنے سے اثر ہوتا ہے، مولانا کو یہ ضبط تھا کہ کبھی کچھ اثر ظاہر نہ ہوتا تھا۔

ایک صاحبِ باطن کی مولانا پر توجہ ڈالنے کی کوشش اور اپنی اس کوشش پر ندامت: ایک بار مولوی صاحب نے میرٹھ میں مثنوی مولانا روم پڑھانا شروع کیا (۶۱ ب) دو چار شعر ہوتے اور عجیب و غریب مضمون

(۶۱ الف) مشائخ کرام نے مریدوں کی لیاقت و برداشت کے مطابق مختلف ذکر اور مجاہدات، تجویز و تشخیص کئے ہیں، یہ اذکار اور طریقے (شغل حبس، نفی و اثبات سہ پایہ، بارہ تسبیح وغیرہ جن کا مولانا محمد یعقوب نے یہاں ذکر کیا ہے، حضرت حاجی امداد اللہ کے سلسلہ میں معمول تھے، تفصیلات اور طریقۂ عمل کے لئے دیکھئے: ضیاء القلوب ص ۱۷، ۱۸۔ ۱۹۔ (طبع اول مجتبائی، دہلی: ۱۲۸۴ھ)

(۶۱ ب) مثنوی مولانا روم پیر روم حضرت شیخ جلال الدین (محمد بن محمد) قونوی کی شہرہ آفاق عارفانہ تصنیف

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبانِ پہلوی

حضرت مولانا روم ۶۰۴ھ (۱۲۰۷ء) میں بلخ میں پیدا ہوئے، فقہ حنفی اور متعدد علوم کے نامور عالم اور مدرس تھے۔ ۶۴۲ھ (......) میں درس بند کر دیا تھا اور اس سے پہلے شیخ شمس تبریز کے متوسلین میں شامل ہو گئے تھے، آخر میں مثنوی مولانا روم لکھی، جو نامکمل رہ گئی تھی، ایک بڑا دیوان ہے (جو دیوان شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے) ۶۷۲ھ (۱۲۷۳ء) میں قونیہ ترکی میں وفات ہوئی، وہیں دفن کئے گئے۔ حالات پر اردو، فارسی میں متعدد کتابیں ہیں۔ مزید معلومات کے لئے:

۱۔ تاریخ ادبیات ایران، رضا زادہ شفق۔ اردو ترجمہ مبارز الدین رفعت ۳۵۵، ۳۶۳ (دہلی)

۲۔ سوانح مولانا روم علامہ شبلی نعمانی۔ ۳۔ الاعلام زرکلی ص ۳۰ ج ۷ (بیروت: ۱۹۷۹ء)

بیان ہوتے، ایک صاحب کہ کچھ رنگ باطنی رکھتے تھے سن کر یوں سمجھے کہ یہ اثر تبحر علمی کا ہے اور چاہا کہ کچھ مولانا کو فیض باطنی دیویں، درخواست کی کہ کبھی تنہا ملئے، آپ نے فرمایا، مجھے کام چھاپہ خانہ کا اور پڑھانا طلبہ کا رہتا ہے، تنہائی کہاں؟ آپ جب چاہیں تشریف لاویں، وہ صاحب ایک روز تشریف لائے اور کہا کہ آپ ذرا میری جانب متوجہ ہوں اور خود آنکھ بند کر کے مراقب ہوئے، مولانا سبق پڑھا رہے تھے البتہ موقوف کر دیا، مگر کبھی آنکھ (کھلی) اور کبھی قدرے بند ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کا یہ حال ہوتا تھا کہ کبھی قریب گرنے کے ہو جاتے تھے اور پھر سنبھل بیٹھتے تھے، کچھ دیر یہ معاملہ رہا، پھر وہ اٹھ کر نیچی نگاہ کئے چلے گئے، پھر بہت معذرت کی۔ مولانا کی کسرنفسی نے ان کے کمال کو ہرگز ظاہر نہ ہونے دیا اور جو کچھ ظاہر ہوا میرے گمان میں بامر اللہ تھا، ہرگز (اپنی) طرف سے اظہار کسی امر کا نہ فرماتے تھے، بات کہاں سے کہاں پہنچی۔

مولانا کا مولانا یعقوب نانوتوی سے ملاقات کیلئے روڑکی کا پیدل سفر

جب احقر بنارس سے وطن کی طرف پہنچا، اتفاق نانوتہ جانے کا نہ ہوا، دیوبند میں اہل و عیال چھوڑ کر روڑکی چلا گیا، وہاں کام نوکری کا کرنے لگا، اتفاق گھر جانے کا نہ ہوا۔ مولوی صاحب گھر تھے، میں نے عرض کر بھیجا کہ جی ملنے کو چاہتا ہے اور مجھے فرصت نہیں۔ خود پیادہ پا دو منزلہ [سفر] کر کے (۶۲) احقر کے ملنے کو تشریف لائے اور ہمیشہ جب تلک قوت تھی کبھی بھی سواری کی طرف رخ نہ تھا۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ہمت و جرأت

اسی عرصہ میں غدر ہو گیا۔ بعد رمضان احقر

(۶۲) یعنی مولانا محمد یعقوب کے اس خط کی وجہ سے حالاں کہ حضرت مولانا محمد قاسم مولانا محمد یعقوب سے عمر میں بڑے تھے اور یقیناً حضرت مولانا کی مصروفیتیں مولانا یعقوب کی مصروفیات سے بہت بڑھ کر اور دینی علمی لحاظ سے زیادہ قیمتی بھی تھیں، مگر حضرت مولانا نے ان باتوں کا کچھ خیال نہیں فرمایا اسی وقت دیوبند یا نانوتہ سے پیدل چل کر روڑکی آگئے، سچ ہے جن کے رتبے ہیں ان کے سوا مشکل ہے۔

کو سہارن پور لینے کو تشریف لائے، چند آدمی اور وطن دار ساتھ تھے، اس وقت راہ چلنا بدون ہتھیار اور سامان کے دشوار تھا۔ جب احقر وطن پہنچا تو چند ہنگامہ مفسدین کے پیش آئے جس میں مولانا کی کمال جرأت و ہمت ظاہر ہوئی۔

اسی زمانہ میں ہمارے بھائی ہم عمر اکثر مشق بندوق اور گولی لگانے کی کرتے رہتے تھے، ایک دن آپ مسجد میں سے آئے کہ ہم گولیاں لگا رہے تھے اور نشانہ کی جائے پر ایک نیم کا پتہ رکھا تھا اور اس کے گرد ایک دائرہ کھینچا تھا، قریب سے بندوق لگاتے تھے، گولیاں مٹی کی (تھیں) مولوی صاحب نے فرمایا کہ بندوق کیوں کر لگاتے ہیں مجھے بھی دکھلاؤ۔ کسی نے ایک فائر کی اور قاعدہ نشانہ کا ذکر کیا، تب بندوق ہاتھ میں لے کر فائر کی، صاف گولی نشانہ پر لگی اور وہ سب مشاق کتنی دیر سے لگا رہے تھے، دائرہ میں لگ جانے کو نشانہ پر پہنچنا جانتے تھے اور یہ بات اتفاقی نہ تھی اپنی فہم سے حقیقت نشانہ بازی کی سمجھ کر بدن ایسی وضع پر سادھ لیا، جو فرق ہو جانے کی وجہ تھی نہ ہوئی۔ تیر اندازوں کو دیکھا ہے کہ سر سے پا تلک ایک خط مستقیم ہو جاتے ہیں۔

مولانا کا سکون واطمینان اور دشمنوں سے مقابلہ کے وقت جرأت اور حوصلہ

حاصل یہ کہ اس طوفان بے تمیزی میں جب لوگ گھبراتے تھے، ہم نے کبھی مولانا کو گھبراتے نہ دیکھا، خبروں کا اس وقت میں چرچا تھا جھوٹی، سچی ہزاروں گپ شپ اُڑا کرتی تھی، مگر مولوی صاحب اپنے معمولی کام بدستور انجام فرماتے تھے۔

چند بار مفسدوں سے نوبت مقابلہ کی آگئی، اللہ رے مولوی صاحب ایسے ثابت قدم تلوار ہاتھ میں اور بندوقچیوں کا مقابلہ (۶۳) ایک بار گولی چل رہی تھی یکایک سر پکڑ کر بیٹھ گئے، جس

---

(۶۳) غالباً معرکہ شاملی کی طرف اشارہ ہے، جس میں ان بے سر و سامان اصحاب، وعلماء نے انگریزی فوج کے دستوں کا اس قدر پامردی اور بہادری سے مقابلہ کیا کہ کہ انگریز فوج کو ہتھیاروں کی کثرت اور شجاعت کے بلند بانگ دعووں کے باوجود شکست کھا کر اور سخت نقصان اٹھا کر بھاگنا پڑا تھا۔

نے دیکھا جانا گولی لگی۔ ایک بھائی دوڑے، پوچھا کیا ہوا، فرمایا سر میں گولی لگی، عمامہ اتار کر سر کو جو دیکھا کہیں گولی کا نشان تلک نہ ملا اور تعجب یہ ہے کہ خون تمام کپڑوں پر گرا ہوا تھا۔

دشمنوں سے مقابلہ میں بندوق کی گولی کا اثر

انہیں روزوں ایک روز منبہ در منبہ ایک نے بندوق ماری، جس کے سنبہ (۶۴) سے ایک مونچھ اور کچھ داڑھی جل گئی اور کچھ قدرے آنکھ کو صدمہ پہنچا اور خدا جانے گولی کہاں گئی، اور اگر گولی نہ تھی اتنے پاس سے سنبہ بھی بس تھا، مگر حفاظت الٰہی بر سر تھی کچھ اثر نہ ہوا۔ اس زخم کی خبر اجمالی بعض دشمنوں نے جو سنی تو سرکار میں مخبری کی کہ تھانہ بھون کے فساد میں شریک تھے۔ حالانکہ مولانا فسادوں سے کوسوں دور (تھے) ملک و مال کے جھگڑے اگر سر رکھتے تو یہ صورت ہی کیوں ہوتی، کہیں کے ڈپٹی یا صدر الصدور ہوتے، اس لئے حاجت روپوشی کی ہوئی، حضرت حاجی صاحب بھی (اسی) باعث سے روپوش ہو گئے تھے۔

۱۸۵۷ء کے معرکہ کے بعد روپوشی، تلاشی اور اسی وجہ سے مختلف مقامات کے سفر

ایام روپوشی میں ایک روز دیوبند تھے، زنانہ مکان کے کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی تھا نہیں، زینہ میں آکر فرمایا پردہ کرلو میں باہر جاتا ہوں، عورتوں سے رک نہ سکے، باہر چلے گئے۔ بعضے مرد بازار میں تھے ان کو اطلاع کی، وہ اتنے مکان پر پہنچے، دوڑ (۶۵) سرکاری آدمیوں کی پہنچ لی تھی، انہوں نے آکر تلاشی لی، ہر چند بظاہر مولوی صاحب کی تلاش نہ تھی، مگر پھر خوف کی جگہ تھی، اس کے بعد سے مسجد میں رہتے اور پھر کسی نے تعرض نہ کیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے چند بار بچا دیا۔ اس زمانہ کی

---

(۶۴) سنبہ۔ توپ میں بارود کی تھیلی یا گولہ ڈال کر اوپر سے ٹھوکنے کا گز۔ فرہنگ آصفیہ ص ۱۰۱ ج ۳ مولوی سید احمد دہلوی (دہلی: ۱۹۷۴ء)

(۶۵) دوڑ۔ دَوش، حملہ، دھاوا۔ چڑھائی، دشمنوں یا مجرموں کی گرفتاری کے لئے تیز رفتار سے اچانک حملہ۔ فرہنگ آصفیہ ص ۲۸۳ ج ۲ (دہلی: ۱۹۷۴ء)

کیفیات عجیب وغریب گذری ہیں، لکھنا ان کا طول ہے۔ اسی وقت میں دیوبند اور املیاؤ غیرہ مختلف جائے پر متفرق اوقات میں رہے، بوڑیہ، گمتھلہ لاڈوہ، پنجلاسہ، جمناپار کئی دفعہ گئے آئے۔

آخر حضرت حاجی صاحب عرب کو روانہ ہوگئے، احقر کو بعد ان کے یہی سوجھی کہ تو بھی چل، مولانا کی روپوشی محض عزیز واقارب کے کہنے سے تھی، ورنہ ان کو اپنی جان کا کچھ خیال نہ تھا، مولانا نے بھی ارادہ کیا، اس روپوشی کی بلا کے سبب والدین نے بخوشی اجازت دیدی۔ احقر بے سامان تھا، قلیل سازادِ راہ بہم پہنچایا تھا، مگر مولوی صاحب کی بدولت وہ سب راہ بخیر خوبی طے ہوئی، ہر چند مولوی صاحب بھی بے سامان تھے مگر بدولت توکل سب راہ بخیر خوبی پورا ہوا، اور سب کام انجام ہوگئے۔

کشتیوں کی راہ [سے] پنجاب ہوکر سندھ کی طرف کو گئے، کراچی سے جہاز میں بیٹھے، جمادی الثانی سنہ بارہ سو ستتر میں روانہ ہوئے اور آخر ذی قعدہ میں مکہ معظمہ پہنچے۔ بعد حج مدینہ شریف روانہ ہوئے، اوّل صفر مراجعت کی اسی مہینہ کے آخر میں جہاز میں بیٹھے، ربیع الاول کے آخر میں بمبئی آئے، جمادی الثانی تلک وطن پہنچے (۶۶)

<table>
<tr>
<td>سفر حج کو جاتے ہوئے راستہ میں روزانہ قرآن شریف حفظ کرنا اور تراویح میں سنا دینا</td>
<td>جاتے بار میں کراچی سے جہاز بادبانی میں سوار ہوئے تھے، رمضان کا چاند (۶۷الف) دیکھ کر مولوی صاحب نے</td>
</tr>
</table>

(۶۶) مولانا محمد یعقوب نے اس سفر کا روزنامچہ لکھا تھا، جو بیاضِ یعقوبی میں شامل ہے (ص ۱۲۸ تا ص ۱۵۰۔ طبع اول، تھانہ بھون: ۱۹۲۹ء)

۱۵/ جمادی الاول ۱۲۷۷ھ ۲/ نومبر ۱۸۶۰ء کو نانوتہ سے روانہ ہوئے تھے، چھ مہینے کا طویل سفر ۲۱/ ذی قعدہ ۱۲۷۷ھ (یکم جون ۱۸۶۱ء) میں مکہ معظمہ پہنچ کر پورا ہوا۔ (بیاض یعقوبی ۱۴۲) شروع صفر ۱۲۷۸ھ (اگست ۱۸۶۱ء) میں واپس روانہ ہوئے، جدہ سے جہاز سے چل کر ربیع اول ۱۲۷۸ (اکتوبر ۱۸۶۱ء) کے آخر میں بمبئی پہنچے اور جمادی الثانی ۱۲۷۸ھ (دسمبر ۱۸۶۱ء) میں ایک سال بعد وطن واپس آگئے۔ جس کی مولانا محمد یعقوب نے یہاں صراحت کی ہے۔

مولانا محمد یعقوب کے الفاظ: "اس روپوشی کی بلا کے سبب والدین نے بخوشی اجازت دیدی" سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں شرکت کی وجہ سے مولانا محمد قاسم نے تقریباً پانچ سال روپوشی میں گزارے تھے۔

(۶۷ الف) رمضان المبارک ۱۲۷۷ھ مطابق مارچ ۱۸۶۱ء

قرآن شریف یاد کیا تھا۔ اوّل وہاں سنایا اور جہاز میں کیا (میسر) تھا، بعد عید مکلہ پہنچ کر حلوے مسقط خرید فرما کر شیرینی ختم دوستوں کو تقسیم فرمائی۔

مولوی صاحب کا اس سے پہلے قرآن یاد کرنا کسی کو ظاہر نہ ہوا تھا، آہستہ آہستہ پڑھتے اور یاد کر لیتے اور حافظوں کے نزدیک ٹھہرا ہوا ہے کہ بلند آواز سے یاد ہوتا ہے، بعد ختم فرماتے تھے کہ دو سال میں رمضان رمضان میں فقط یاد کیا ہے، اور جب یاد کیا پاؤ سپارہ (کے) قدر یا کچھ اس سے یاد زائد کر لیا اور جب سنایا ایسا صاف سنایا جیسے اچھے پرانے حافظ، پھر تو اکثر بہت بہت پڑھتے، ستائیس سپارے ایک بار یاد ہے ایک رکعت میں پڑھے۔ اگر کوئی اقتدا کر تا رکعت [مختصر] کر [کے] اس کو منع فرما دیتے اور تمام شب تنہا پڑھتے رہتے۔ بعد زیارت حرمین شریفین ایک برس کچھ زیادہ میں وطن آئے۔ مراجعت براہ بمبئی اور ناسک ہوئی، ریل ناسک تلک تھی، وہاں سے گاڑیوں میں آئے۔

انگریزی حکومت کے عام معافی کے اعلان کے بعد گھر پر قیام، مطبع مجتبائی میں ملازمت

پیچھے بعد تحقیقات سرکار نے مطالبہ عام اٹھا دیا تھا، چند خاص شخصوں کی نسبت جن پر سرکار کا شبہ قوی تھا اشتہار جاری رہا، پھر گھر اپنے رہے۔

غدر میں (۶۷ب) دہلی کا تو سب کارخانہ درہم برہم ہو گیا تھا، مولوی احمد علی صاحب کا مطبع

(۶۷ب) ۱۸۵۷ء (۷۴۔۱۲۷۳ھ) کی پرجوش اور طاقتور تحریک جو ہندوستان پر انگریز کے تسلط کے خلاف برپا ہوئی تھی اور جس کو انگریز نے اپنی روایتی عیاری اور ہوشیاری کو کام میں لا کر غدر (RIOT) کا نام دیدیا تھا۔ حکومت برطانیہ کے قہر و دبدبہ کے دور (تقریباً ۱۹۲۰ء) تک اس کو سب خاص و عام، علماء اور اہل قلم غدر ہی کہتے اور لکھتے تھے، جنگ آزادی کیسے کہتے یا لکھتے، اس سے وہ خود غداروں کی فہرست میں گن لئے جاتے اور قابلِ گردن زدنی شمار ہوتے۔

مولانا محمد یعقوب نے تحریک آزادی کے جس دور کا ذکر کیا ہے، وہ تھانہ بھون، شاملی، نواحی علاقوں اور ضمناً سہارنپور، مظفرنگر سے متعلق تھا، اگرچہ یہ چنگاری اور علاقوں میں مئی میں بھڑک اٹھی تھی اور اگست تک شعلہ جوالہ بن کر شمالی ہند کے بڑے حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ سہارنپور، مظفرنگر اور اس نواح کے قصبات میں بھی اس کے گہرے اثرات تھے، یہاں بھی جگہ جگہ انگریز فوج سے معرکہ آرائی اور فتح و شکست چل رہی تھی، آخر میں ۱۴رستمبر ۱۸۵۷ء (۲۴رمحرم ۷۴ ۱۲ھ) کو شاملی میں ایک بڑا معرکہ برپا ہوا، جس میں حضرت حاجی صاحب امداد اللہ کے خواجہ تاش، حضرت حافظ محمد ضامن شہید ہوئے اور بھی کئی سو اصحاب جس میں نامور علماء اور اہل کمال بھی تھے، جاں بحق ہوئے۔ اس کے بعد انگریز فوج کے ہاتھوں تھانہ بھون تباہ و برباد ہوا۔

یہ ایک مفصل تاریخ ہے، مگر افسوس ہے کہ ہماری غفلت اور ہمارے بعض ذمہ داروں کی تاریخ سے (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

گیا گذرا تھا، اس زمانہ میں سوائے وطن اور کوئی جگہ جانے کی نہ تھی کبھی وطن کبھی دیوبند رہتے تھے۔ اسی وقت میں احقر نے حضرت سے بخاری قدرے پڑھی، پھر منشی ممتاز علی صاحب نے میرٹھ میں چھاپہ خانہ کیا، (۶۸) مولوی صاحب کو پرانی دوستی کے سبب بلالیا، وہی تصحیح کی خدمت

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) ناواقفیت (بلکہ نفرت) کی وجہ سے اس معرکہ کی صحیح تفصیلات اور مستند واقعات ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئے ہیں اور بات یہاں تک آپہنچی ہے کہ متعدد اصحاب نے اس کا صاف انکار ہی کردیا اور لکھدیا کہ اس قسم کا نہ کوئی واقعہ ہوا تھا، نہ حضرت حاجی صاحب امداد اللہ اور ان کی جماعت کا اس سے کچھ تعلق تھا، مگر یہ انکار معلومات کی کمی اور ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ معلومات موجود ہیں کسی وقت مرتب کر کے پیش کی جائیں گی، جس سے اس معرکہ کی واضح تصویر اور اکثر تفصیلات انشاء اللہ سامنے آجائیں گی۔

(۶۸) منشی ممتاز علی خلف منشی امجد علی دہلوی میرٹھ، نزہت رقم جو خطاطی ہیں بہادر شاہ ظفر کے شاگرد تھے، کا چھاپہ خانہ مطبع مجتبائی میرٹھ تھا۔ اس مطبع نے حضرت مولانا کی کتابوں کی اشاعت میں بہت دلچسپی لی، بعد میں مطبع مجتبائی میرٹھ سے دہلی منتقل ہوگیا تھا، وہاں بھی اس کی سرگرمی اور حضرت مولانا کی تصانیف سے وابستگی برقرار رہی، حضرت مولانا کے مکتوبات کا سب سے پہلا مجموعہ قاسم العلوم، منشی ممتاز علی نے سب سے پہلے مطبع مجتبائی دہلی سے چھاپا تھا۔

مطبع مجتبائی کی اور مطبوعات بھی قابل توجہ ہیں۔ مطبع مجتبائی اور ہاشمی دونوں مطابع نے قرآن شریف کے عمدہ عمدہ نسخے تصحیح اور مفید حواشی و تراجم کے ساتھ، بار بار شائع کئے، منشی ممتاز علی نے ایک قرآن شریف اور حمائل حضرت مولانا سے تصحیح کرا کر چھاپی تھی، جس کو بہت شہرت اور احترام نصیب ہوا، یہ دونوں قرآن شریف صحت کے لحاظ سے آج بھی سند ہیں۔

مطبع مجتبائی میرٹھ کے ابتدائی دور کی مطبوعات کا معیار بہت اچھا ہے اور کتابوں کے علاوہ غالب کی "عودِ ہندی" بھی سب سے پہلے منشی ممتاز علی نے چھاپی تھی۔

منشی ممتاز علی کی حیات میں ان کے فرزند نے مطبع کا کام سنبھال لیا تھا، اور حاجی صاحب ۱۸۸۶ء (۴۔۱۳۰۳ھ) میں ہندوستان سے ہجرت کر گئے تھے۔

منشی ممتاز علی کا مطبع پانچ سو روپے میں مولوی عبدالاحد نے خرید لیا تھا، مگر مولوی عبدالاحد نے مطبع کا نام اور مطبع کی مشینیں اور سامان وغیرہ خریدا ہوگا، اسی لئے اس کے لئے خاصی بڑی رقم پانچسو روپے ادا کئے گئے، لیکن منشی ممتاز علی نے اپنے مطبع کی کم سے کم ایک مشین اپنے ساتھ مکہ مکرمہ لے گئے تھے، اور مکہ مکرمہ میں بھی مطبع مجتبائی کے نام سے طباعت و اشاعت کا کام شروع کردیا تھا۔ امداد صابری نے حضرت حاجی امداد اللہ کی جہادِ اکبر اور تحفۃ العشاق کے ان نسخوں کا ذکر کیا ہے، جو منشی ممتاز علی نے مکہ مکرمہ میں اپنے مطبع مجتبائی سے چھاپے تھے (حجاز مقدس کے اردو شاعر ص ۷۰، ۷۱ دہلی: ۱۹۷۰ء)

مولوی عبدالاحد کی سرپرستی میں مطبع مجتبائی نے غیر معمولی ترقی کی اور ہندوستان کے ممتاز ترین مطابع میں شمار کیا گیا۔

منشی ممتاز علی نے خاصی طویل عمر پائی، حضرت حاجی امداد اللہ کی وفات ۱۳۱۷ھ (۱۸۹۹ء) کے بعد تک حیات تھے، ہندوستان کے متعدد نامور خطاط مثلاً محبوب رقم منشی جی کے شاگرد تھے۔ تاریخ دار العلوم دیوبند۔ سید محبوب رضوی (اشاعت الرشید، ساہی وال: ۱۴۰۰ھ) ص ۴۷، ۵۱۔ نیز سوانح قاسمی، گیلانی، حاشیہ ص ۱۴۱۷ ص ۵۳۲ ص ۵۳۴ جلد اول۔ نیز مضمون "خطاطان قرآنی" از جناب سید شاہ نفیس الحسینی، نفیس رقم مد ظلہ۔ سیارہ اردو ڈائجسٹ، لاہور۔ قرآن نمبر ص ۸۱۶ ج ۲۔

تھی۔ یہ کام برائے نام تھا، مقصود ان کا مولوی صاحب کو اپنے پاس رکھنا تھا، احقر اس زمانہ میں

مدرسہ دیوبند (دارالعلوم) کی ابتدا اس میں شرکت اور سرپرستی

بریلی اور لکھنؤ ہو کر میرٹھ میں اسی چھاپہ خانہ میں نوکر ہو گیا اور منشی جی حج کو گئے تھے اس وقت میں ایک جماعت نے مسلم پڑھی، احقر بھی اس میں شریک رہا۔

وہی زمانہ تھا کہ بنا مدرسے دیوبند کی پڑی، مولوی فضل الرحمٰن (۶۹) اور مولوی ذوالفقار علی صاحب (۷۰) اور حاجی محمد عابد صاحب (۷۱) نے یہ تجویز کی کہ ایک مدرسہ دیوبند میں قائم

---

(۶۹) مولانا فضل الرحمٰن دیوبند کے ایک پرانے اور معروف عثمانی خاندان دیوان لطف اللہ کی اولاد میں تھے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے:
"مولانا فضل الرحمٰن، بن داؤد بخش، بن غلام محمد، بن غلام نبی"
ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی، بعد میں دہلی کالج گئے اور مولانا مملوک العلی کے زمرۂ تلامذہ میں شامل ہوئے، محکمہ تعلیم سے وابستہ ہو کر بریلی، بجنور، سہارنپور میں ڈپٹی انسپکٹر تعلیم رہے، ۱۸۵۷ء (۷۳-۱۲۷۴ھ) کے ہنگاموں کے وقت بریلی میں تعینات تھے۔
شعر و ادب کا خاص ذوق تھا، فارسی، عربی کے بلند پایہ شاعر تھے، تاریخی مادے نکالنے میں کمال حاصل تھا۔ دارالعلوم کی بنیاد کے وقت سے اس کے اہم معاونین و اراکین میں شامل تھے اور زندگی کے آخری لمحات تک دارالعلوم سے وابستہ اور اس کی ترقی میں مددگار اور مشوروں میں شریک رہے۔ ۳ر جمادی الاول ۱۳۲۵ھ (۱۵ر جون ۱۹۰۷ء) کو وفات ہوئی۔
مولانا کے تین صاحبزادے یگانۂ روزگار عالم ہوئے: مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا حبیب الرحمٰن (مہتمم دارالعلوم دیوبند) اور علامہ شبیر احمد عثمانی اور بیٹے بھی پڑھے لکھے اور صاحب کمال تھے۔ رحمہم اللہ۔
تاریخ دارالعلوم دیوبند، سید محبوب رضوی ص ۵۳ (الرشید ساہی وال اشاعت خاص ۱۴۰۰ھ) وغیرہ
(۷۰) مولانا ذوالفقار علی، خلف فتح علی عثمانی دیوبندی تقریباً ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ء) میں ولادت ہوئی۔ متوسطات سے اعلیٰ درجوں تک تعلیم علمائے دہلی وغیرہ مولانا مفتی صدر الدین آزردہ اور مولانا مملوک العلی نانوتوی سے اور دہلی کالج میں حاصل کی، اور کمالات کے علاوہ عربی شعر و ادب میں خصوصیت و امتیاز حاصل تھا۔ مغربی علوم اور انگریزی سے بھی واقف تھے، بریلی کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے، بعد میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس و تعلیم مقرر ہوئے، زندگی کا بڑا حصہ اسی خدمت میں گذرا ملازمت سے سبکدوش ہو کر وطن آ گئے تھے، آخری عمر یہیں گذری۔ حضرت مولانا کی عربی ادبیات پر نہایت مفید اور گراں قدر تالیفات ہیں۔ مگر مولانا کی سب سے بڑی اور شہرۂ آفاق یادگار صاحبزادہ والا مناقب، شیخ الہند مولانا محمود حسن تھے۔ رحمهم الله وارفع درجاتهم
تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند اور نزہۃ الخواطر وغیرہ۔
(۷۱) حضرت حاجی عابد حسین دیوبندی۔ دیوبند کے پرانے خاندان سادات سے تعلق تھا۔ ۱۲۵۰ھ (۳۵-۱۸۳۴ء) میں ولادت ہوئی۔ بارہ سال کی عمر میں مولوی ولایت علی دیوبندی سے بیعت ہوئے، نوعمری میں والد کی وفات کی وجہ سے عطارہ کی دوکان کر لی تھی، بعد میں میاں جی کریم بخش رام پوری (وفات ۱۲۷۹ھ) سے بیعت ہوئے، اجازت و خلافت ملی اور بیعت کا وسیع سلسلہ جاری ہوا۔ دیوبند میں مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) قائم کرنے کی پہلی آواز حاجی صاحب نے بلند کی، پہلی (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

کریں، مدرس کے لئے تنخواہ پندرہ روپے تجویز ہوئے اور چندہ شروع ہوا، چند ہی روز گذرے کہ چندہ کو افزونی ہوئی اور مدرس بڑھائے گئے اور مکتب فارسی اور حافظ قرآن مقرر ہو(ئے) اور کتب خانہ جمع ہوا۔ مولوی محمد قاسم صاحب شروع مدرسہ میں دیوبند آئے، اور پھر ہر طرح اس مدرسہ کے سرپرست ہوئے۔ مدرسہ کے احوال لکھنا یہاں طول لاطائل ہے، سالانہ کیفیتوں (۷۲) سے یہ سب امر واضح ہو جاتے ہیں۔

دوسرا حج اور واپسی کے بعد دہلی میں قیام: ۱۲۸۵ھ (۷۳) میں مولانا کو حج کی پھر سوجھی تھی، چند رفقا کو ساتھ لے کر حج کر آئے اور منشی ممتاز علی صاحب بھی اسی سال بقصد قیام عرب کو گئے، مگر ایک سال بعد واپس آگئے، پھر مولوی صاحب دہلی گئے، منشی جی کا چھاپہ خانہ دہلی میں ہوا، منشی جی کے پیچھے میرٹھ میں مولوی محمد ہاشم صاحب (۷۴) کے مطبع میں کام کیا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کوشش اور پہلا چندہ بھی حاجی صاحب کی توجہ سے ہوا تھا، بعد میں اور حضرات کی کوششوں اور توجہات سے اس کو ترقی ملی، حاجی صاحب دومرتبہ دارالعلوم کے مہتمم بھی رہے۔ حاجی صاحب کو اوراد و عملیات میں بہت شہرت اور غیر معمولی کمال حاصل تھا۔ مدرسہ کی خدمت کے علاوہ ایک بڑی معروفیت تعویذ و عملیات کی تھی۔ ۱۹/ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (۱۹/نومبر ۱۹۱۳ء) کو بخار ہوا تھا۔ اسی میں ظہر کے بعد وفات ہو گئی۔ مزید معلومات کے لئے تذکرۃ العابدین۔ نذیر احمد دیوبندی۔ ص ۶۳ تا ۸۹ دہلی: ۱۳۳۳ھ)

(۷۲) سالانہ کیفیتوں، یعنی مدرسہ اسلامیہ عربیہ (دارالعلوم) دیوبند کے آمد و خرچ تعلیم نیز طلبہ کے امتحانات اور انکے نتیجوں کا گوشوارہ اور تفصیل، جو ہر سال کے ختم پر پابندی سے چھپتی تھی اور تقریباً ۱۴۰۰ھ (۱۹۸۰ء) تک اسی طرح چھپتی رہی۔

(۷۳) مولانا محمد یعقوب صاحب نے لکھا ہے: "۱۲۸۵ھ (۱۸۶۹ء) میں مولانا کو حج کی پھر سوجھی" تعجب ہے کہ مطبع قاسمی کی اشاعت (۱۳۳۳ھ) میں بھی اس کی تصحیح نہیں کی گئی واقعہ یہ ہے کہ اس اطلاع میں سہو ہوا، غالباً سہو کتابت ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم کا دوسرا سفر حج ۱۲۸۶ھ (جنوری ۱۸۷۰ء) میں ہوا تھا، اس کا حضرت مولانا نے آب حیات کی تمہید میں (خلاف معمول مگر ضمناً) ذکر فرمایا ہے۔

سفر حج کا (غالباً) پہلے سے خیال نہیں تھا، رمضان المبارک میں اچانک ارادہ ہو گیا۔ ۸/شوال ۱۲۸۶ھ (۲۲ جنوری ۱۸۶۹ء) کو نانوتہ سے روانگی ہوئی، بمبئی میں تقریباً بیس دن جہاز کے انتظار میں ٹھہرے رہے، اسی قیام کے دوران آخری دنوں (اواخر شوال میں) آب حیات کا اکثر حصہ لکھا گیا، ۲۳/ذی الحجہ ۱۲۸۶ھ (۲۶/مارچ ۱۸۷۰ء) کو مکہ مکرمہ میں جب حضرت مولانا کے مدینہ منورہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لئے حاضری کے سفر میں صرف دو دن باقی تھے، اس کا مسودہ مکمل ہوا۔ ملاحظہ ہو آب حیات ص ۳ ص ۶ (طبع اوّل: مطبع مجتبائی میرٹھ: ۱۲۹۸ھ) نیز سوانح قاسمی، از مولانا مناظر احسن گیلانی ص ۴ تا ص ۱۴ ج ۳ (دیوبند: طبع اول، بلا سنہ)

(۷۴) مولوی ہاشم علی۔ افسوس ہے کہ مفصل حالات دستیاب نہیں۔ ڈاکٹر نادر علی خاں نے لکھا ہے کہ مولوی (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

اس زمانہ میں پڑھانا اکثر تھا، سب کتابیں بے تکلف پڑھاتے تھے اور اس طرح کے مضامین بیان فرماتے تھے کہ نہ کسی نے سنے نہ سمجھے اور عجائب غرائب تحقیقات ہر فن میں بیان فرماتے، جس سے تطبیق اختلاف اور تحقیق ہر مسئلہ کی بیخ و بُن تلک ہو جاتی تھی۔ آج ان کے فیض تعلیم کا اثر موجود ہے، ہر چند ذرّہ آفتاب کا کیا نمونہ، مگر پھر اسی جمال کا آئینہ ہے اور وہی اسکے حوصلہ (کے) موجب اس میں جلوہ گر ہے۔ جو چاہیں دیکھ لیں اور ان کی تحریرات و تقریرات کو سن لیں۔

حضرت مولانا کی تصانیف کا ذخیرہ اور شاگرد: مولوی صاحب نے اس عرصہ میں چند تحریرات کے بعضی جواب کسی سوال کے بعض فرمائش کسی دوست کی، بعض اتفاقیہ اگرچہ مجموعہ ان کا کثیر ہے (۷۵) مگر ایسے پریشان ہیں کہ اجتماع ان کا مشکل ہے۔ زیادہ ترفیض رسانی کی طرف اسی زمانہ میں توجہ ہوئی۔ مولوی صاحب سے پڑھنا نہایت ہی دشوار تھا، جو شخص طباع ہو اور

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ہاشم علی صاحب کا مطبع ہاشمی ۲۴ر اکتوبر ۱۸۵۹ء (۲۶ر ربیع الاول ۱۲۷۶ھ) کو جاری ہوا تھا۔ مولوی ہاشم علی نے اس کا کام اپنے بڑے بیٹے، حکیم مولوی محمد عمر کے سپرد کر دیا تھا، مگر حکیم محمد عمر کا ۱۸۸۸ء (۶-۱۳۰۵ھ) میں انتقال ہوگیا، مولوی ہاشم بھی اس صدمہ کی وجہ سے دل گرفتہ ہو کر ۲۱ر جنوری ۱۸۸۹ء (۱۸ر جمادی الاول ۱۳۰۶ھ) کو سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔

مولوی ہاشم کی وفات کے بعد مطبع کا کاروبار ان کے منجھلے بیٹے حکیم محمد سراج نے سنبھالا، تحریک خلافت کے زمانہ میں پریس ضبط ہوگیا تھا، جس کو جدید ہاشمی پریس کے نام سے دوبارہ جاری کیا گیا۔ دیکھئے ہندوستانی پریس ۱۵۵۶ء-۱۹۰۰ء "نادر علی خاں ص ۳-۷۲-۷۳ (لکھنؤ: ۱۲۹۰ھ)

مولوی ہاشم علی کے مطبع ہاشمی میں حضرت مولانا محمد قاسم کی یہ کتابیں چھپی تھیں:

۱۔ ہدیۃ الشیعہ	۱۲۸۴ھ	۲۔ اجوبہ اربعین اول، دوم	۱۸۹۵ء
۳۔ جواب ترکی بترکی	۱۲۹۶ھ	۴۔ توثیق الکلام	۱۳۰۲ھ
۵۔ فیوض قاسمیہ	۱۳۰۴ھ		

(۷۵) حضرت مولانا محمد قاسم کی باقاعدہ تصانیف تو تین سے زائد نہیں، لیکن حضرت مولانا کے افادات، تقریریں، مکتوبات اور افادات ان میں سے ہر ایک مستقل تالیف بلکہ تالیفات و مصنفات سے بڑھ بڑھ کر ہے (ان سب کا ایک بڑا ذخیرہ ہے اگر جمع ہو اور مرتب کر کے شائع کیا جائے تو غالباً دس بارہ جلدیں ہوں گی) اور ان میں عموماً وہ مباحث اور علوم و نکات ہیں، جو اور کتابوں میں کمیاب بلکہ معدوم ہیں، اس لئے ان مصنفات و افادات کی خاص علمی اہمیت ہے، مگر اس غفلت کو کیا کہئے کہ حضرت کے افادات و مؤلفات و متعلقات کا کوئی جامع اشاریہ بھی آج تک مرتب نہیں کیا گیا، راقم سطور نے ایک ناتمام سا اشاریہ مرتب کیا ہے جو شائع کیا جا رہا ہے۔

پہلے سے اصل کتاب سمجھا ہوا ہو، تب مولوی صاحب کی بات سمجھ سکتا تھا۔ ہر چند مولوی صاحب نہایت ہندی کی چندی کر کر بیان فرماتے، مگر پھر مشکل بات مشکل ہی ہوتی ہے۔

دہلی میں جگہ جگہ پادریوں کے جلسے اور مولانا کا اپنے شاگردوں کے ساتھ پادریوں سے بحث و مناظرہ

اسی زمانہ کے درمیان میں دہلی میں پادریوں کے وعظ کا چرچا تھا اور مسلمانوں میں سے بعضے بیچارہ اپنی ہمت سے ان سے مقابلہ کرتے تھے، کوئی اہل علم جن کا یہ کام تھا اس طرف توجہ نہ کرتا تھا۔ مولوی صاحب نے اپنے شاگردوں کو فرمایا کہ تم بھی کھڑے ہو کر بازار میں کچھ بیان کیا کرو اور جہاں وہ لوگ بمقابلہ نصاریٰ بیان کرتے ہیں ان کی امداد کیا کرو۔ آخر مباحثہ کی ٹھہری اور مولوی صاحب بے کسی [کی] صورت وشکل بنائے اور اپنا نام چھپا، جا موجود ہوئے۔ پادری تاراچند نام تھا(۷۶) اس سے گفتگو ہوئی آخر وہ بند ہوا اور گفتگو سے بھاگا۔ اسی زمانہ سے مولوی منصور علی صاحب دہلوی سے جوفن مناظرہ اہل کتاب میں یکتا ہیں(۷۷) ملاقات ہوئی، مولوی منصور علی صاحب بائبل کے گویا

(۷۶)

(۷۷) مولانا سید ابوالمنصور (امام فن مناظرہ) بن مولانا سید محمد علی بن مولانا سید محمد فاروق، ناگ پوری، دہلوی۔ ۷؍رمضان المبارک ۱۲۳۷ھ (جون ۱۸۲۲ء) میں ولادت ہوئی، والد اور دادا سے تعلیم حاصل کی، اس کے بعد سات سال تک لکھنؤ میں شیعہ مجتہدین سے ان کے علوم اور مذہب پڑھا، ہندوستان کے مشہور پادری اور بائبل (BIBLE) کے شارح جے، ایل سکاٹ سے انجیل اور متعدد کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں۔ عربی، فارسی کے علاوہ ہندی انگریزی سے بھی واقف تھے۔ عبرانی کے بھی ماہر تھے، غیر معمولی مطالعہ کیا تھا اور تقریباً تمام مطالعہ ذہن میں محفوظ اور نوک زباں تھا۔ بڑے بڑے نامور پادریوں سے مناظرہ کر کے ان کو خاموش اور لاجواب کیا۔ مباحثہ شاہ جہاں پور میں حضرت مولانا محمد قاسم کے معاون تھے۔ مولانا کے علمی کمالات اور عیسائیت پر بے مثال عبور کی وجہ سے اس وقت کے برگزیدہ علماء، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا سید نذیر حسین محدث وغیرہ نے ''امام فن مناظرہ'' کا خطاب دیا تھا۔ سو سے زیادہ عالمانہ محققانہ تصانیف یادگار چھوڑیں۔ تقریباً تراسی سال کی عمر میں ۱۳۲۰ھ (۳۔۱۹۰۲) میں وفات ہوئی۔

مفصل معلومات کے لئے: واقعات دارالحکومت دہلی ص ۴۱۶ تا ۴۱۸ ج ۲۔ اور فرنگیوں کا جال امداد صابری ص ۲۶۱ تا ۲۶۵ (طبع اول، دہلی: ۱۹۴۹ء)

مولانا ابوالمنصور حضرت مولانا محمد قاسم کے دوست اور مکتوب الیہ احباب میں سے تھے۔ مولانا کی بعض کتابوں پر حضرت مولانا کی تقریظات ہیں۔

حافظ ہیں، اور ان کا طرزِ مناظرہ بھی جداگانہ ہے، اب ان ہی کے شاگرد بہ مقابلہ پادریوں کے دہلی میں وعظ کہا کرتے ہیں۔

میلہ خداشناسی چاندا پور میں شرکت اور تقریر دل پذیر: اتفاقات تقدیر سے ۱۲۹۳ھ

بارہ سو ترانوے ہجری میں چاندپور (الف ۷۸) ضلع شاہجہاں پور میں کوئی تعلقہ دار ہے، پیارے لال، اصل ہندو کبیر پنتھی (ب ۷۸) ہے اس کو شاید میل نصرانیت کی طرف ہوا؟ اس نے ہندو پنڈت اور پادری نصاریٰ اور عالم مسلمانوں کو جمع کرنا چاہا کہ باہم ایک گفتگو ہو اور تحقیق مذہبی کا ایک میلہ قائم کیا اور میلہ خداشناسی (۷۹) اس کا نام رکھا۔ بریلی اور وہاں کے اطراف کے لوگوں نے مولوی صاحب کو اطلاع کی، مولوی صاحب نے سامان سفر درست کیا اور روانہ ہوئے اور دہلی سے مولوی منصور علی صاحب کو بلوایا اور یہاں سے بعضے اور لوگ ساتھ روانہ ہوئے۔

(الف ۷۸) مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور متعدد اصحاب نے یہ نام "چاندپور" لکھا ہے، حضرت مولانا کی بعض کتابوں میں بھی چاندپور چھپا ہوا ہے، جو صحیح نہیں، صحیح چاندا پور ہے (CHANDA,PUR) جو ضلع شاہجہاں پور میں ہے۔

(ب ۷۸) کبیر پنتھی، ہندوؤں کا وہ فرقہ جو رسومات اور طور طریقوں میں کبیر (پیدائش ۱۴۶۸ء موت ۱۵۱۸ء) مدفن مگہر، ضلع بستی کو اپنا گرو مانتا ہے۔ کبیر اور اس کے ماننے والوں کا مرزا قتیل نے ہفت تماشا (اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد عمر ص ۵۹، ۶۲ دہلی: ۱۹۶۸ء) میں ذکر کیا ہے۔ سوامی دیانند سرسوتی نے بھی کبیر پر تبصرہ کیا ہے: ستیارتھ پرکاش (اردو ترجمہ) ص ۳۴۳۔ ۳۴۴ چودھواں ایڈیشن۔ آریہ پرتی ندھی سبھا، پنجاب (۱۹۶۱ء) نیز دیکھئے سہ روزہ دعوت نئی دہلی کا ہندوستان مذاہب نمبر۔ مضمون: ہندومت اور ان کے فرقے۔ از محمد احمد صاحب ص ۱۵۲ (دہلی ۱۹۹۳ء)

(۷۹) میلہ خداشناسی یا جلسہ تحقیق مذاہب کا سلسلہ غالباً عیسائی مشنری کے منصوبوں کا ایک حصہ تھا، وقفہ وقفہ سے اس قسم کے کئی جلسے علیحدہ علیحدہ مقامات پر منعقد کئے گئے تھے، مگر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم و فضل رہا کہ تمام جلسوں میں علمائے اسلام سربلند و ممتاز رہے، (فالحمد لله ولهم الجزاء) یہ جلسہ ضلع شاہجہاں پور کے گاؤں، سربانگ پور میں جو چاندا پور کے قریب ہے، دریا کے کنارے منشی پیارے لال اور پادری نولس (..........) کے مشورہ اور اشتراک سے ہوا، پہلا جلسہ ۷/ مئی ۱۸۷۶ء (۱۲/ ربیع الثانی ۱۲۹۲ھ) سے شروع ہوا، اس جلسہ میں شرکت کے لئے حضرت مولانا کے رفقاء، مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا محمود حسن دیوبندی (شیخ الہند) مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوری، دیوبند اور بجنور سے اور امام فن مناظرہ، مولانا سید ابوالمنصور اور مولانا سید احمد علی وغیرہ دہلی سے روانہ ہو کر سہارنپور آئے، حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت کے خادم سب ساتھ تھے، ۶/ مئی کی صبح شاہجہاں پور پہنچے تھے۔ سفر کی کچھ تفصیل گفتگوئے مذہبی یا واقعہ میلہ خداشناسی کے شروع میں درج ہے (مطبع ضیائی، میرٹھ: ۱۲۹۳ھ)

شاہجہاں پور پہنچے اور وہاں سے اس گاؤں میں پہنچے۔ اول گفتگو کے باب میں اور اس کے وقت مقرر کرنے میں ایک بحث رہی، پھر آخر گفتگو ہوئی، طرز گفتگو (کا) نہ تھا بلکہ ہر شخص اپنی باری پر کچھ بیان کرتا تھا۔ ہر چند وقت متعین تھا، مگر مولوی صاحب نے ابطال تثلیث و شرک اور اثبات توحید ایسا بیان کیا کہ حاضرین جلسہ مخالف و موافق مان گئے (۸۰) کیفیت اس جلسہ کی چھپی ہوئی ہے، جو کوئی چاہے دیکھے، مولانا کی تقریر اس میں مندرج ہے۔ آخر میں حسب عادت پادریوں نے بحث تقدیر پیش کی، پادری جب عاجز آتے ہیں یہی مسئلہ پیش کیا کرتے ہیں، مولانا نے اس مشکل مسئلہ کو ایسا بیان فرمایا کہ عام و خاص کو بخوبی سمجھ میں آگیا۔

چاندا پور شاہجہاں پور کا دوسرا سفر اور مباحثہ: اگلے سال یعنی ۱۲۹۴ھ میں پھر اس جلسہ کی خبر ہوئی (۸۱) پھر مولانا تشریف لے گئے۔ اس سال میں مجمع ہنود میں ایک بہت بڑے پنڈت دیانند سرسوتی نام آئے تھے (۸۲) ہر چند نو ایجاد مذہب ان کا توحید اور انکار بت پرستی میں

(۸۰) حضرت مولانا کی یہ تقریر غیر معمولی تھی اور ہر جگہ کچھ ایسے اصحاب ضرور موجود ہوتے ہیں جو جلسہ میں تقریروں کے وزن کو جانچ سکتے ہیں اور ان کے متعلق دیانت دارانہ صاف رائے دے سکتے ہیں، میلہ خداشناسی میں حضرت مولانا نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی سب انصاف پسند شرکاء نے تحسین کی، گفتگوئے مذہبی کے آخر میں کئی ہندو پنڈتوں کے کلمات تحسین درج ہیں۔ ملاحظہ ہو ص ۳۸، ۴۲۔

(۸۱) ۱۲۹۲ھ (مئی ۱۸۷۶ء) کے جلسہ میں حضرت مولانا کی تقریر کا اس قدر چرچا اور سامعین کو اس قدر متاثر کیا کہ اس قسم کا ایک اور جلسہ کرنے کا مشورہ اور اصرار ہوا، دوسرے جلسہ کے لئے ۱۹، ۲۰/مارچ ۱۸۷۷ء (۳، ۴/ربیع الاول ۱۲۹۴ھ) تاریخیں مقرر ہوئیں۔ اس سال پادریوں کے ہندوؤں کے مذہبی رہنماؤں، بڑے پنڈتوں کو بھی آنے کی دعوت دی گئی سب پہنچے اور حسب پروگرام ۱۹/مارچ ۱۸۷۷ء (۳/ربیع الاول ۱۲۹۴ھ) کی صبح جلسہ گاہ میں آگئے۔ نامور علماء میں حضرت مولانا محمد قاسم اور مولانا عبد المجید صاحبان پادریوں میں پادری نولس اور پادری واکر صاحبان اور ہندو رہنماؤں میں سے پنڈت دیانند سرسوتی اور منشی اندرمن، اپنے اپنے مذاہب کے نمائندہ اور مناظر طے کئے گئے، اس جلسہ میں بھی خاصی ہوشیاری برتی گئی تھی، مگر یہاں بھی فضل الٰہی کا خاص ظہور ہوا اور حضرت مولانا کی تقریر اور جوابات سب مذاہب کے لوگوں میں اول رہے۔

اس مناظرہ میں حضرت مولانا کی تقریر اور مباحثہ کی روداد شاہ جہاں پور کے نام سے بار بار چھپی ہے۔

(۸۲) سوامی دیانند سرسوتی ہندوستان کے مشہور ہندو مذہبی مفکر، ستیارتھ پرکاش، رگوید اآدی بھاشیہ بھومکا کے مصنف اور ہندوؤں میں ایک طاقتور، پرجوش تحریک آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کے کئی مسلمان علماء سے مباحثے اور مناظرے ہوئے، جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی شامل ہیں۔

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

اور عام ہنود کی نسبت جداگانہ ہے(۸۳الف) مگر وید (۸۳ب) کے ایمان اور بعضے اور مسائل جیسے آواگون وغیرہ میں برابر ہیں (۸۴) تقریر اس شخص کی اکثر الفاظ سنسکرت کے ساتھ ملی ہوئی تھی، اس لئے دشواری ہوئی مگر مولوی محمد علی صاحب (۸۵) جو بمقابلہ مذہب ہندو مشہور

(بقیہ صفحہ گذشتہ) مول شنکر پسر امبا شنکر موروی نزد احمد آباد، گجرات وطن تھا، بعد میں سوامی دیانند کے نام سے شہرت ہوئی ۱۸۲۴ء (۱۲۳۹ھ) میں پیدا ہوئے۔ ایک واقعہ کی وجہ سے مورتی پوجا سے نفرت ہوئی۔ ایک پنڈت (سوامی ذرجانند) سے وید وغیرہ پڑھی ہے، ہندو مذہب کی تبلیغ کے لئے پورے ملک کا سفر کیا، ۱۸۷۴ء (۹۱-۱۲۹۰ھ) میں آریہ سماج قائم کی اور باقی زندگی اس کو ترقی دینے میں گزار دی۔ ۳۰ر اکتوبر ۱۸۸۳ء (ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ) کو دنیا سے گذر گئے۔

تفصیلات کے لئے: مکمل جیون چرتر سوامی دیانند۔ مرتبہ: لکشمن، مطبوعہ: یونین اسٹیم پریس، لاہور (جو پنڈت لیکھ رام، آریہ مسافر کے مسودات سے مرتب کی گئی) پہلی اشاعت پیش نظر ہے بلاسنہ۔

یہاں یہ وضاحت کردینے میں کوئی ہرج نہیں کہ ستیارتھ پرکاش کا چودھواں باب جو اسلام پر اعتراضات پر مشتمل ہے، سوامی دیانند کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ یہ باب سوامی دیانند کی موت کے بعد ستیارتھ پرکاش میں اضافہ کیا گیا۔ سوامی دیانند کی زندگی میں ستیارتھ پرکاش صرف ایک مرتبہ ۱۸۷۵ء میں سنسکرت میں چھپی تھی (یہ نسخہ بھی محفوظ ہے اور راقم سطور نے دیکھا ہے)۔ موجودہ نسخوں میں جو ترمیمات و اضافات ہوئے ہیں ان کی لالہ لاجپت رائے نے مدلل نشاندہی کی ہے اور اس پر ناپسندیدگی بھی ظاہر کی ہے، دیکھئے: مہارشی سوامی دیانند اور ان کا کام۔ لالہ لاجپت رائے۔ حصہ دوم، باب سوامی دیانند کی تصنیفات از ص ۴۹۶، تا آخر (طبع اول، لاہور ۱۸۹۸ء)

(۸۳) سوامی دیانند سرسوتی اور آریہ سماج اصولاً بت پرستی میں یقین نہیں رکھتے مگر خود پنڈت دیانند سرسوتی نے ستیارتھ پرکاش میں تفصیل سے لکھا ہے کہ وہ ہندو مذہب کے اصولوں اور آواگون (आवागमन) وغیرہ کو مانتے تھے۔ (جیسا کہ مولانا محمد یعقوب نے ذکر کیا ہے) نیز دیکھئے، سوامی دیانند کا جیون چرتر .... وغیرہ۔

(۸۳ب) وید ہندؤں کے خیال کے مطابق ہندو مذہب کا قدیم ترین سرمایہ ہے۔ وید کی حقیقت اس کے مصنفین و مرتب کرنے والوں کے زمانہ اور ان کی صحیح تعداد کی تفصیل و تحقیق میں ہندو مصنفین و مفکرین کا بھی سخت اختلاف ہے، تا بہ دیگراں چہ رسد! بعض معلومات کے لئے دیکھئے: مضمون: وید کا تعارف، از محمد احمد صاحب (ہندوستانی مذاہب نمبر دعوت دہلی) ص ۲۱، ۳۴۔

(۸۴) سوامی دیانند، اردو تو دور ہے، سادہ ہندی بھی بہت کم جانتے تھے، سنسکرت لکھتے تھے، سنسکرت ہی بولتے تھے، ستیارتھ پرکاش اور سوامی کی سب تالیفات بلکہ اکثر تقریریں، سوال و جواب اور خط و کتابت، سب سنسکرت میں ہوتی تھی۔

(۸۵) مولانا محمد علی بچھرانواں ضلع مراد آباد وطن تھا۔ غالباً پٹھان برادری سے وابستہ تھے۔ ۱۲۳۴ھ (۱۸۱۷ء) میں پیدا ہوئے، تعلیم کے بعد ۱۸۳۳ء (۴۹-۱۲۴۸ھ) میں ملازمت شروع کی۔ مختلف عہدوں پر کام کرنے کے بعد ۱۸۴۹ء (۱۲۶۵ھ) میں تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کے تحصیلدار مقرر کئے گئے۔ جون ۱۸۷۶ء (جمادی الاولی، جمادی الثانی ۱۲۹۳ھ) میں ملازمت سے پنشن پائی۔ ۱۸۸۷ء (۱۳۰۵ھ) میں وفات ہوئی۔

مولانا محمد علی کا قلم رواں اور علم حاضر تھا، اسلام اور عقائد اسلام پر ہر ایک اعتراض کے جواب کے (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

ہیں، انہوں نے کچھ اس کا جواب کہا پھر مولانا نے بحث وجود اور توحید کا ذکر کیا اور ایسا بیان کیا کہ حاضرین کو سوائے سکوت اس کے استماع کے اور کام نہ تھا، پھر کچھ گفتگو تحریف کی ہوئی، یہ بھی بحمد اللہ تعالیٰ الزام تحریف کا ان کے اقرار سے ثابت ہوا، حتیٰ کہ پادری لوگ عین جلسہ میں سے ایسے بے سر و پا بھاگے کہ ٹھکانا نہ معلوم ہوا، اپنی بعض کتابیں بھی بھول گئے (۸۹) اس

(بقیہ صفحہ گذشتہ) لئے تاحیات سینہ سپر رہے۔ اُدھر کوئی اعتراض ہوا کتاب چھپی، اِدھر جواب تیار۔ اس زمانہ میں منشی اندرمن مرادآبادی اسلام کے خلاف مسلسل لکھ رہے تھے، مولانا محمد علی نے ان کی سب کتابوں کے مفصل جوابات لکھے۔ ہندوؤں کے رد میں مولانا کی کتابوں میں سے سوط الله الجبار. فتح المبین علی جمیع الشیاطین. سیف الله القهار علی رؤس الکفار، اور ظفر مبین علی جمیع الشیاطین بہت اہم اور لائق مطالعہ ہیں۔ جناب امداد صابری اور ان کے اتباع میں متعدد تذکرہ نگاروں نے لکھدیا ہے کہ یہ کتابیں عیسائیت کے رد اور جواب میں ہیں، مگر یہ اطلاع صحیح نہیں، مذکورہ پانچوں تالیفات ہمارے ذخیرہ میں موجود ہیں اور سب ہندوؤں خصوصاً منشی اندرمن کی کتابوں کی تردید میں ہیں۔

لالہ اندرمن مرادآباد کے رہنے والے، مشہور ہندو مناظر تھے۔ جو کچھ دنوں کے لئے آریہ سماج میں بھی شامل رہے، بعد میں سوامی دیانند سے اختلاف کی وجہ سے الگ ہو گئے تھے، لالہ اندرمن کے حالات اور تصانیف اور ان کے جواب میں لکھی ہوئی کتابوں کے لئے دیکھئے: سوامی دیانند کا جیون چرتر، ضمیمہ ص ۴۵ تا ۶۱۔

مولانا محمد علی نے عیسائیت کے رد میں بھی مسلسل لکھا اور سرسید احمد کی تردید میں بھی برسہابرس صرف کئے، سرسید کی تفسیر اور تفردات کی تردید میں "البرهان علی تجهیل من قال بغیر علم فی القرآن" دو جلدوں میں ہے۔ کانپور سے سرسید احمد خاں کے مذہبی خیالات کی تردید میں نورالآفاق چھپتا تھا مولانا محمد علی اس کے بھی سرگرم معاون، علمی سرپرست اور مضمون نگار تھے۔ (نورالآفاق کی فائل ہمارے ذخیرے میں موجود ہے) مزید معلومات کے لئے: فرنگیوں کا جال امداد صابری ص ۲۸۳ اور ماہ نامہ ندائے شاہی (مدرسہ شاہی مرادآباد نمبر) ص ۷۴-۷۶۔

(۸۹) مباحثہ شاہ جہاں پور کے مرتب نے بھی یہی لکھا ہے، تحریر ہے:

"مولوی صاحب اور موتی میاں صاحب اور نیز اہل اسلام نے ہر چند اصرار کیا کہ زیادہ نہیں، دو چار منٹ جو چار بجنے میں باقی ہیں، انہیں میں ہم کچھ کہہ لیں گے، مگر پادری صاحبوں نے ایک نہ سنی، اہل اسلام کا غلبہ یوں تو تقریرات گذشتہ سے ثابت ہی تھا، پر یہ انکار و اصرار اُن کے غلبہ اور عیسائیوں کی شکست کے لئے ایسا ہو گیا جیسا غنیم کا میدان سے بھاگ جانا ہوا کرتا ہے۔ پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ اس سراسیمگی اور پریشانی میں جو رنج پنہانی کے باعث پادریوں کو لاحق تھی، پادری لوگ اپنی بعض کتابیں بھی وہیں چھوڑ گئے، ان کو اٹھانے کی بھی ہوش نہ رہی" مباحثہ شاہ جہاں پور ص ۸۶ (مطبع قاسمی دیوبند: ۱۳۳۴ھ)

جلسہ سے جناب کامیاب واپس آئے اور نصرت دین اسلام کہ تابقیامت منصور رہے گا، ان کی ذات سے پوری ظاہر ہوئی اور ان دو سال کے جلسوں میں عام مخلوق نے جان لیا کہ یہ شخص کس پایہ کا ہے اور فضل الٰہی کی کیا صورت ہوا کرتی ہے: "جز بتائید آسمانی نیست" کا نقشہ ظاہر ہو گیا حتیٰ کہ پادری بھی بول اٹھے کہ "اگر تقریر پر ایمان لایا جاتا تو یہ تقریر خوش خوش، ایسی لطیف اور دل میں اثر کرنے والی ہے کہ اس پر ایمان لایئے" (۹۰) مگر ایمان جس کے نصیب میں ہے، وہی اس سے مشرف ہوتا ہے، ورنہ حق واضح ہے۔

کیفیت اس میلہ کی وہاں سے آکر مرتب ہو گئی تھی، مگر اتفاق طبع کا نہ ہو سکا، اب کہ مرض اور وقت آخر تھا، طبع اس کا شروع ہوا، اب امید ہے کہ ختم ہو کر مشتہر ہو اور سب صاحب اس سے مستفید ہوں (۹۱) اس وقت میں سنا تھا کہ غالباً حاجت کسی تحریر کی پیش کرنے کی بھی ہو گی، اس پر مولوی صاحب نے وہیں بیٹھ کر کچھ تحریر کیا تھا، اور اس کا نام "حجۃ الاسلام" رکھا ہے۔ وہ کتاب طبع ہو گئی ہے۔ (۹۲)

---

(۹۰) مولوی عبدالوہاب صاحب بریلوی نے خود حضرت مولانا محمد قاسم سے کہا کہ ایک پادری سے میری ملاقات ہے۔ غالباً یہ وہی پادری فرینک (ہے جو) مولانا (محمد قاسم) سے مباحثہ کرنا چاہتا تھا وہ مولانا کی تقریر کے بعد کہتا تھا:

یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ حق کہتے تھے، پر اگر تقریر پر ایمان لایا کرتے تو اس شخص کی تقریر پر ایمان لے آتے" میلہ خداشناسی ص ۴۱ (مطبع ضیائی میرٹھ ۱۲۹۳ھ)

(۹۱) اس روداد کا نام مباحثہ شاہ جہاں پور ہے جو مولانا فخر الحسن نے مرتب کی تھی، مگر یہاں وضاحت بلکہ انکشاف ضروری ہے کہ اس کی اصل تقریر خود حضرت مولانا محمد قاسم نے لکھی تھی، وہی اس مجموعہ میں شامل ہے۔

مباحثہ شاہجہاں پور مولانا فخر الحسن گنگوہی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبند کی تصحیح اور اہتمام سے مطبع احمدی (دہلی) میں مولانا احمد حسن خاں کی نگرانی میں پہلی بار چھپی تھی، یہ نسخہ ۱۲۹۹ھ میں چھپنا شروع ہوا تھا اور ۲۶ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ (۵ رفروری ۱۸۸۳ء) کو اس کی ترتیب اور (غالباً ساتھ ہی) طباعت بھی مکمل ہوئی۔

(۹۲) حجۃ الاسلام، پہلی مرتبہ مولانا فخر الحسن گنگوہی کی حسن توجہ سے مطبع فاروقی دہلی سے چھپی، اس نسخہ پر سن طباعت درج نہیں، مگر یہ نسخہ ناقص و ناتمام تھا، حجۃ الاسلام کے آخری صفحات کا کچھ حصہ بعد میں ملا، اس کو مولوی عبدالاحد نے اپنے مطبع مجتبائی دہلی سے اگست ۱۸۹۵ء (صفر ۱۳۱۳ھ) میں تتمہ حجۃ الاسلام کے نام سے شائع کیا تھا، یہ ضمیمہ صرف بارہ صفحات پر مشتمل ہے، مگر یہ بھی ناتمام ہے، مولوی عبدالاحد نے لکھا ہے:

"افسوس ایک حصہ تقریر کا اب بھی باقی رہ گیا اور ہاتھ نہ لگا، ناچار جہاں تک فقرہ ختم ہوتا تھا، ختم کر دیا گیا،

آخری سفر حج: پھر اسی سال ارادہ جناب مولانا رشید احمد صاحب کا حج کو جانے کا تھا (۹۳) احقر بھی تیار ہوا اور چلتے میں مولانا کو بھی ساتھ لے ہی لیا اور مولوی صاحب کے ساتھ اور کچھ کتنے ہی معتقد و خادم آپ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ شوال ۱۲۹۴ھ میں روانہ ہوئے اور ربیع الاول ۱۲۹۵ھ (۹۴) کے اوّل میں پھر اپنے وطن واپس آئے۔

اس سفر میں تمام قافلہ علماء کا تھا، اٹھارہ بیس مولوی فاضل ساتھ تھے اور عجب لطف کا مجمع تھا۔ حضرت کی زیارت سے اور ان متبرک مکانوں کی زیارت سے مشرف ہو کر جب واپس ہوئے، جدہ پہنچ کر مولانا کو بخار ہو گیا، یہ خیال ہوا کہ جدائی ایسے بزرگ اور بزرگ مقاموں کے اور پیادہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ناظرین معاف فرمائیں" ص ۱۲ تتمہ

یہی عبارت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کی چھاپی ہوئی حجۃ الاسلام کے آخر میں بھی درج ہے۔ (مطبع بلالی، ساڈھورہ، بلا سنہ)

راقم سطور کی معلومات میں حجۃ الاسلام کا سب سے عمدہ نسخہ وہ ہے جو شیخ الہند مولانا محمود حسن کے اضافہ کئے ہوئے عنوانات (اور تصحیح کے بعد) پہلی مرتبہ مطبع احمدی علی گڑھ سے ۱۳۰۰ھ میں چھپا تھا، یہی نسخہ دوبارہ مطبع قاسمی دیوبند سے مولانا قاری محمد طیب اور قاری محمد طاہر کے اہتمام سے ۱۳۴۶ھ میں شائع ہوا بعد میں اور اداروں نے بھی شائع کیا۔

(۹۳) یہ سفر حضرت مولانا گنگوہی، حضرت مولانا نانوتوی اور ان کے رفقاء بلکہ معاونین کا بہت اہم بلکہ غیر معمولی سفر تھا، جو اس وقت روس اور خلافت عثمانیہ ترکی میں جاری جنگ کی وجہ سے خلافت عثمانیہ کی حمایت بلکہ عملی جدو جہد (جہاد) میں شرکت کے خیال سے ہوا تھا، مگر مکہ معظمہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ پلونا (PLONA) پر روس کا قبضہ ہو گیا، اس خبر سے سب کو سخت صدمہ ہوا اور وہ ارادہ مجبوراً نگر افسوس کے ساتھ ختم ہو گیا۔

(۹۴) اس سفر کا آغاز جیسا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے لکھا ہے، ۱۰؍ شوال ۱۲۹۴ھ (پنجشنبہ ۱۸؍ اکتوبر ۱۸۷۷ء) کو وطن سے روانگی کے ساتھ ہوا، یہ بڑا قافلہ تھا، جس کی سرپرستی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرما رہے تھے، ممتاز شرکاء میں مولانا محمد قاسم اور مولانا محمد یعقوب کے علاوہ مولانا محمد مظہر، مولانا رفیع الدین، مولانا سخاوت علی انبہٹوی، مولانا محمد اسماعیل (غالباً کاندھلوی جھنجھانوی) سوانح قاسمی ص ۳۲ ج ۳۔ یا گنگوہی؟ بھی شریک تھے۔ اٹاوہ ہوتے ہوئے بمبئی پہنچے، بمبئی سے کیم ذی قعدہ (۷؍ نومبر) کو جہاز سے روانہ ہو کر ۱۴؍ ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ (۲۱؍ نومبر ۱۸۷۷ء) کو جدہ کے ساحل پر اترے۔ مکتوب مولانا محمد یعقوب نانوتوی بنام منشی محمد قاسم ینانگری (نیانگر جس کو اب بیاور کہتے ہیں) مکتوب ۲۸؍ محررہ ۹؍ شوال، بیاض یعقوبی ص ۷ نیز بیاض یعقوبی ص ۱۵۰، ۱۵۱۔

جدہ سے اونٹوں کے ذریعہ سے دو دن میں مکہ مکرمہ پہنچے، اونٹ پر مولانا محمد منیر نانوتوی، حضرت مولانا کے ردیف و رفیق تھے۔ مکہ معظمہ سے غالباً ۲۵؍ ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ (۳۱؍ دسمبر ۱۸۷۷ء) کو مدینہ پاک حاضری کے لئے رخصت ہوئے، پچیس دن مدینہ طیبہ میں حاضر رہے، مدینہ پاک سے مکہ معظمہ واپس آئے اور چند دنوں کے بعد ہندوستان کے لئے روانہ ہو گئے۔

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید ص ۲۲۹ تا ۲۴۱ ج ۱۔ (عکس طبع اول: ۱۹۲۶ء) میں اس سفر کا مفصل ذکر کیا ہے۔

زیادہ چلے اور کچھ پہلے حج سے بھی طبیعت ناساز تھی۔ [یہ بیماری اس کا اثر ہے]

سفر حج سے واپسی میں جہاز کی مشقت اور بیماری کی ابتدا

جدہ پہنچتے ہی جہاز پر سوار ہو گئے، اس جہاز کا لنگر اٹھنے والا تھا اور جہاز کی خرعشو بلکہ در ہفتہ تلک گمان تھا، اس لئے یہ خیال کیا کہ پندرہ روز میں بمبئی جا پہنچیں گے اور اتنی تکلیف اٹھالیں گے، واقعی اس جہاز میں اتنی ہی تکلیف ہوئی جتنی جاتے بار کے جہاز میں آسائش وراحت پائی تھی، دو روز جہاز پر چڑھے ہوئے تھے کہ مولانا کو دورہ صفراء معمولی ہوا، اور بخار بھی وہاں نہ جگہ راحت کی، نہ دوا، نہ کچھ تدبیر، مرض کی۔ شدت ہوئی ایک دن یہ نوبت ہوئی کہ ہم سب مایوس ہو گئے (۹۵) اور جہاز میں وبا تھی، ہر روز ایک دو آدمی انتقال کرتے تھے۔

عدن میں قرنطینہ اور مکلی میں قیام اور صحت کی بگڑتی کیفیت

عدن پہنچے وہاں قرنطینہ (۹۶) ہو گیا، یعنی بسبب مرض نہ جہاز کے آدمی کنارہ پر اتر سکے اور نہ شہر کے آدمی جہاز پر آسکے بعد پھر مکلہ میں قدرے قیام کیا، وہاں سے البتہ نیبو بکنے آئے وہ لئے، تربوز اور گلاب اور بعض ادویہ جہاز میں مل گئی تھی، جہاز کے ڈاکٹر نے کونین دی اور مرغ کا شوربا غذا کو کہا، وہاں مرغ کہاں میسر ہوتا، آخر

---

(۹۵) حضرت مولانا کی جہاز میں سخت بیماری اور مایوسی کی حالت کا مولانا محمد یعقوب نے اپنے ایک خط میں بھی ذکر کیا ہے، جو اس سفر سے واپسی کے پچیس دن بعد محمد قاسم نیانگری کو لکھا تھا، تحریر ہے:

> "اثنائے راہ میں جہاز میں طبیعت جناب مولانا محمد قاسم صاحب مدظلہ کی بہت بیمار ہو گئی تھی، ایسا کہ ایک روز نوبت یاس پہنچ گئی تھی، مگر فضل الٰہی نے دستگیری فرمائی اور مرض رفع ہوا، مگر ضعف ایسا ہو گیا ہے کہ اب تلک طاقت نے بحالت اصلی عود نہیں کیا، اب بھی ادنیٰ تکان سے حرارت ہو جاتی ہے"۔
>
> مکتوب نمبر ۶ بیاض یعقوبی ص ۹۶

(۹۶) قرنطینہ (QUARANTINE) وہ جگہ یا مرکز جہاں کسی وباء اور عام مرض کے اثرات دور کرنے کا انتظام کیا جاتا ہو۔ پچھلے زمانہ میں وبائی بیماریوں کی کثرت تھی، اس لئے ہندوستان سے جو لوگ حج کو جاتے تھے یا دوسرے ملکوں کا سفر کرتے تھے ان کے لئے مختلف بندرگاہوں اور دریائی راستوں پر عارضی قیام گاہیں اور اسپتال بنے ہوئے ہوتے تھے وہاں پر ایک جہاز یا کشتی کے تمام مسافروں اور ان کے سامان کو اتار کر بھپارہ دیا جاتا تھا، وباء یا بیماری کے متوقع جراثیم دور کئے جانے، اور وہاں تین دن سے بیس پچیس دن تک ٹھہرنے اور اطمینان کے بعد اگلے سفر کے لئے اجازت اور سامان ملتا تھا۔

مرغ بھی اپنے پاس سے دیا۔ مولانا کو دورہ میں غذا سے نفرت مطلق ہو جاتی تھی، اب کچھ رغبت شروع ہوئی، بمبئی ایسے پہنچے کہ بیٹھنے کی طاقت دشواری سے تھی، دو تین روز ٹھہر کر وطن کو روانہ ہوئے، ہر چند موسم سرما تھا مگر جبل پور کے میدانوں میں دوپہر کو لو چلنے لگی، اور مولانا کی طبیعت بگڑی، خیر الحمد للہ، اس وقت نارنگی، نیبو یہ چیزیں پاس (تھیں) کھلایا، پانی پلایا، وطن پہنچنے کے بعد مرض رفع ہوا، گونہ طاقت آئی مگر کھانسی ٹھہر گئی (۹۷) اور کبھی کبھی دورہ سانس کا ہوتا زیادہ دیر تلک کچھ فرمانا مشکل ہو گیا، پھر اس میں بھی کسی قدر تخفیف ہوئی۔

پنڈت دیانند سرسوتی کے اعتراضات کے جوابات اور مناظرہ کے لئے رڑکی کا سفر

اسی سال شعبان میں رڑکی سے خبر ملی کہ پنڈت دیانند تشریف لائے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے مذہب پر اعتراض مشتہر کئے ہیں (۹۸) اہل رڑکی مولانا کو مجبر ہوئے کہ آپ تشریف لاویں، مولانا باوجود

(۹۷) اس موقع پر اپنی بیماری اور سخت کھانسی کا خود حضرت مولانا محمد قاسم نے بھی سوامی دیانند سرسوتی کے نام ایک خط میں ان الفاظ میں ذکر و اظہار فرمایا ہے:

"کم ترین ہیچمداں محمد قاسم ایک عرصہ سے کھانسی میں مبتلا تھا، کھانسی کی یہ شدت تھی کہ بعض اوقات بات کرنی دشوار تھی" مکتوب محررہ ۱۰ر اگست ۱۸۷۸ء (۱۰ر شعبان ۱۲۹۵ھ) از رڑکی، مشمولہ جیون چرتر سوامی دیانند سرسوتی، ص ۵۲۱ (طبع اول لاہور: غالباً ۱۸۹۸ء)

اور مولانا فخر الحسن گنگوہی نے بھی انتصار الاسلام کے تمہید میں اس کی وضاحت کی ہے:

"کہ پنڈت جی نے سمجھا کہ اب تو معتقدین میں اپنی ہوا بندھ گئی ہے، کوئی شرط لگاؤ کہ گفتگو کی نوبت نہ آئے، اور چونکہ مولانا مرحوم بیمار ہیں اس لئے نہ وہ آئیں گے نہ گفتگو ہوگی، نہ اپنی ہوا بگڑے گی۔ الغرض چونکہ جناب مولانا کو بخار آتا تھا اور خشک کھانسی کی یہ شدت تھی کہ بات بھی پوری کرنی مشکل ہوتی تھی اور ضعف کی وہ نوبت تھی کہ پچاس سو قدم چلنے سے سانس اکھڑ جاتی تھی، اور یہ مرض و ضعف بقیہ اس مرض سخت کا تھا جو اسی سال میں مکہ معظمہ سے آتے وقت جہاز میں پیش آیا تھا"

انتصار الاسلام ص ۳ (مطبع اکمل المطابع، دہلی: ۱۲۹۸ھ)

(۹۸) سوامی دیانند سرسوتی ۲۹ر جولائی ۱۸۷۸ء (۲۸ر رجب ۱۲۹۵ھ) کو رڑکی پہنچے تھے اور اسی دن سے اپنی تقریروں (دیاکھیان व्याख्यान) کا کام شروع کر دیا تھا، چوتھے دن کی تقریر میں سوامی کے سوانح نگار کے بقول: "قوی سے قوی اعتراض جو مذہب اسلام پر ہو سکتے ہیں کئے" جیون چرتر سوامی دیانند ص ۵۱۵۔

ضعف اور مرض تشریف لے گئے اور بہت سے خادم ساتھ ہوئے (۹۸ب) اور اطراف و جوانب سے بہت سی مخلوق مولانا کی تقریر کے اشتیاق میں جمع ہو (گئی) مگر وہ بندہ اللہ کا گفتگو پکا نہ ہوا (۹۹) اینڈی، بینڈی شرطیں کرتا تھا جس سے عاقلاں خود می دانند، اس کی نیت سمجھ میں آتی تھی آخر غرض وہ چلدیا اور مولانا نے وہاں ایک وعظ کہا اور اس کے اعتراضوں کے جواب ذکر فرمائے۔(۱۰۰)

رڑکی سے واپسی کے بعد قبلہ نما کی تالیف: پھر واپس دیوبند تشریف لاکر رمضان وطن میں کیا (۱۰۱) اور اس عرصہ میں تحریر اس تقریر کی شروع کی، جو اس کے جواب میں فرمائی تھی، اصل اعتراض اس کا استقبال قبلہ پر تھا کہ یہ بت پرستی ہے، اس رسالہ کا نام "قبلہ نما" ہے بہت

(۹۸ب) حضرت مولانا نے حالات کا جائزہ لینے اور معلومات کے لئے مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا محمود حسن (شیخ الہند) مولانا عبد العدل پھلتی کو پہلے بھیج دیا تھا، بعد میں جب حضرت مولانا رڑکی کی رونق افروز ہوئے تو حاجی عابد حسین دیوبندی اور حکیم مشتاق احمد دیوبندی مولانا کے ہمراہ تھے۔ تمہید انتصار الاسلام، مرتبہ مولانا فخر الحسن گنگوہی (طبع اول، اکمل المطابع دہلی: ۱۲۹۸ھ) ارواح ثلاثہ میں ہے کہ منشی نہال احمد دیوبندی (وفات.........) اور شاہ جی عاشق علی دیوبندی (وفات ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ، جولائی ۱۸۹۲ء) بھی اس سفر میں ساتھ تھے ارواح ثلاثہ ۲۳۶، یقیناً اور بھی کئی خادم اور علماء ساتھ ہوں گے، مگر ان کا ذکر راقم سطور کو نہیں ملا۔

(۹۹) حضرت مولانا نے اپنے سفر رڑکی اور پنڈت جی سے مناظرہ کے ارادہ نیز پنڈت کے گریز و فرار کی روداد یوں قلم بند فرمائی ہے:

> "آخر رجب (۱۲۹۵ھ) میں پنڈت دیانند صاحب نے رڑکی میں آکر سر بازار مجمع عام میں مذہب اسلام پر چند اعتراض کئے، حسب طلب بعض احباب اور نیز بہ تقاضائے غیرت اسلام، یہ ننگ اہل اسلام بھی شروع شعبان میں وہاں جا پہنچا اور آرزوئے مناظرہ سولہ سترہ روز وہاں ٹھہرا رہا، ہر چند چاہا کہ مجمع عام میں پنڈت جی سے اعتراض مسنون اور بالمشافہ بعنایت خداوندی اسی وقت ان کے جواب عرض کروں مگر پنڈت جی ایسے کاہے کو تھے، جو میدان مناظرہ میں آتے جان چھڑانے کے لئے وہ وہ داؤ کھیلے کہ کاہے کو کسی کو سوجھتے ہیں" تمہید قبلہ نما ص ا۔ نیز تمہید انتصار الاسلام اور سوامی کا جیون چرتر (جس میں حضرت مولانا کی سوامی جی سے خط و کتابت بھی درج ہے) ص ۵۲۰ تا ۵۵۵۔

(۱۰۰) حضرت مولانا نانوتوی کی ان تقریروں کا خلاصہ مولانا عبد العلی میرٹھی نے جواب ترکی بہ ترکی کے نام سے مرتب کر دیا ہے جس میں سوامی دیانند اور آریوں کے اعتراضات کے جوابات ہیں اس رسالہ کا تعارف آئندہ حاشیوں میں آرہا ہے۔

(۱۰۱) حضرت مولانا رڑکی میں سترہ دن ٹھہرنے کے بعد ۲۳ر شعبان کی رات میں رڑکی سے واپس ہوئے، دیوبند منگلور قیام فرماتے ہوئے ۲۷ر شعبان ۹۵ (۲۷ر اگست ۱۸۷۸ء) کو نانوتہ پہنچ گئے تھے۔

بڑے حجم کا رسالہ ہے۔ (۱۰۲)

پنڈت دیانند کا میرٹھ کا سفر اور مولانا کی میرٹھ روانگی: پھر پنڈت دیانند کہیں پھر پھرا کر میرٹھ پہنچے (۱۰۳) اور وہاں وہی اس کے دعوے تھے، واقعی جس کو شرم نہ ہو، جو چاہے کرے۔ اتفاقاً جناب مولوی صاحب بھی ان روز میرٹھ کا ارادہ فرمار ہے تھے، کہ وہاں سے (بعضے) صاحبوں نے بلانے کے باب میں تحریک کی، غرض مولانا میں ہر چند مرض کی بقیہ اور ضعف کے سبب قوت نہ تھی مگر وہی ہمت، آخر وہی بہانہ حیلہ کر کر وہاں سے بھی وہ کافور ہو گیا۔ اعتراضات کے جوابات میں وہاں بھی اس کا جواب دیتے ہی مولانا نے کچھ بیان فرمایا (۱۰۴) اور پھر کچھ تحریر شروع کی جس کو مولوی عبدالعلی صاحب (۱۰۵) نے بطرز جواب لکھا، اور نام جواب

---

(۱۰۲) قبلہ نما، مولانا فخر الحسن گنگوہی کی توجہ اور نگرانی میں مطبع اکمل المطابع، دہلی سے رجب ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوا انتصار الاسلام اور قبلہ نما دونوں سوامی جی کے اعتراضات کے جواب میں حضرت مولانا نانوتوی نے تصنیف فرمائی تھیں۔

(۱۰۳) سوامی دیانند سرسوتی، ۳؍مئی ۱۸۷۹ء (۱۰؍جمادی الاول ۱۲۹۶ھ) کو میرٹھ آئے تھے، چند روز کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم کو بھی مسلمانان میرٹھ نے میرٹھ آنے کی زحمت دی۔ مولانا ۱۰؍مئی کو میرٹھ تشریف فرما ہوئے، ۱۰ تاریخ سے شرائط مناظرہ کی بات شروع ہو گئی تھی مگر سوامی جی یہاں بھی ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے، مباحثہ پر تیار نہیں ہوئے تفصیلات کیلئے جیون چرتر سوامی دیانند ۶۵۶، ۶۶۴۔

(۱۰۴) حضرت مولانا نانوتوی کی ان تقریروں کا خلاصہ مولانا عبدالعلی میرٹھی نے جواب ترکی بہ ترکی کے نام سے مرتب کردیا ہے جس میں سوامی دیانند اور آریوں کے اعتراضات کے جوابات ہیں اس رسالہ کا تعارف آئندہ حاشیوں میں آرہا ہے۔

(۱۰۵) مولانا عبدالعلی خلف شیخ نصیب علی فریدی، میرٹھ کے قصبہ عبداللہ پور کے رہنے والے تھے۔ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور حضرت مولانا محمد قاسم وغیرہ سے تعلیم حاصل کی، حضرت مولانا کے ممتاز شاگردوں اور مستفیدین میں شمار ہے۔

مدرسہ عربی دیوبند (دارالعلوم) میں مدرس چہارم کی خدمت سے عملی تدریسی زندگی کا آغاز ہوا، دارالعلوم کے بعد مظاہرعلوم سہارنپور میں مدرس دوم کے عہدہ پر تقرر ہوا، مولانا محمد مظہر کی وفات (۱۳۰۲ھ) کے بعد قائم مقام صدر مدرس ہوگئے تھے، ۱۳۰۶ھ میں مدرسہ شاہی میں مدرس اعلیٰ نامزد کئے گئے، ۱۳۱۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں دوبارہ تقرر ہوا، ۱۳۱۷ھ میں دیوبند سے مدرسہ حسین بخش دہلی منتقل ہوئے اور غالباً ۱۳۲۰ھ میں مدرسہ عبدالرب دہلی میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور تاحیات اسی منصب پر فائز اور خدمت حدیث میں مشغول رہے۔ ۱۳؍جمادی الاول ۱۳۴۷ھ ۲۹؍اکتوبر ۱۹۲۸ء کو وفات ہوئی قبرستان مہندیان دہلی میں دفن کئے گئے رحمہم اللہ تعالیٰ

بے شمار علماء مولانا کے شاگردوں میں تھے، جواب ترکی بترکی مولانا کی قلمی یادگار ہے، مزید معلومات کیلئے: ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد مدرسہ شاہی نمبر ص ۳۰۴ تا ۳۱۶۔ اور مقام خیر، مولانا زید ابوالحسن فاروقی ص ۷۳۵، ۷۴۳ (دہلی: ۱۳۹۵ھ)

ترکی بہ ترکی رکھا۔ (۱۰۶) پنڈت کے بعض معتقدوں نے کچھ تحریر بجواب مولانا، بے سروپا لکھی تھی اور کچھ اوٹ پٹانگ مسلمانوں کے مذہب پر اعتراض کئے تھے، یہ رسالہ اس کے جواب میں ہے۔

مرض کا پھر حملہ اور مستقل بیماری جو مرض وفات بنی: اور اس عرصہ میں چند بار جلد جلد وہی دورہ ہوا، کئی بار صورت سانس کی سی ہو گئی، پھر اللہ جل شانہ نے تخفیف فرمادی، یوں خیال تھا کہ اب یہ مرض ٹھہر گیا۔ خیر دورہ ہے ہر چند صحت اور نجات کی امید پوری نہ تھی، کیونکہ علاج ہر قسم کے ہوتے، صورت آرام کی نہ ہوتی۔ یونانی طبیبوں نے ہر قسم کا علاج کیا، ڈاکٹروں نے ہر طرح سے تدبیر کی، ہندی ادویہ کشتے رس وغیرہ برتے مگر مرض رفع نہ ہوا۔ دو برس اسی کیفیت پر گذر گئے کہ گاہ کچھ صورت تخفیف کی ہو کر قدرے طاقت آئی اور پھر دورہ سانس کا ہوا، اور صورت ضعف کی ہو گئی، ایک روز کے مرض میں کبھی کبھی کی طاقت سلب ہو جاتی تھی، اور مولانا نے بر خلاف عادت اس مرض میں جو علاج ہوا اس کو قبول کیا، جو دوا کھلائی کھالی، جو تدبیر کسی نے کی اس کو کر لیا، البتہ مزاج لطیف و نفیس تھا، ویسی ہی دوا کو پسند فرماتے اور بعد عرض کرنے خدام کے جو دوا ہوتی استعمال فرمالیتے۔ کئی بار مسہل بھی ہوا، سردست تخفیف ہو جاتی تھی مگر جڑ مرض کی نہیں جاتی تھی، حکیم مشتاق احمد صاحب دیوبندی (۱۰۷) آخر تلک مصروف رہے

---

(۱۰۶) میرٹھ میں سوامی دیانند اور آریہ سماجیوں کی طرف سے جو اعتراضات ہوئے تھے مولانا عبد العلی میرٹھ نے جو حضرت مولانا کے شاگرد تھے، حضرت مولانا کے افادات مرتب کر کے جواب ترکی بترکی کے نام سے شائع کئے۔ (طبع اول، مطبع ہاشمی، میرٹھ: محرم ۱۲۹۷ھ)

(۱۰۷) حکیم مشتاق احمد صاحب دیوبند کے رہنے والے حضرت مولانا محمد قاسم کے معاصر، متوسل و مرید اور نہایت جاں نثار تھے، اکثر اوقات مولانا کی خدمت میں گذارے تھے اور کبھی کبھی سفر میں بھی ساتھ رہتے اور مولانا کے راحت آرام کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ محلہ دیوان کے دروازہ کے سامنے مکان خرید کر حضرت مولانا کی نذر کیا حضرت مولانا کی وفات کے فوراً بعد اپنا ایک قطعہ زمین قبرستان کے لئے وقف کیا، جس میں حضرت مولانا کو دفن کیا گیا، اسی کو قبرستان قاسمی کہتے ہیں۔ ۱۲۹۸ھ (۱۸۸۱ء) میں دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن بنائے گئے، ۱۳۰۹ھ تک شوریٰ کے رکن رہے دار العلوم کی صد سالہ زندگی قاری محمد طیب ص ۱۰۲ (دیوبند: ۱۳۵۸ھ) بہ ظاہر ۱۳۰۹ھ میں وفات ہوئی، حکیم صاحب کے مفصل حالات نہیں ملے۔

اور ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن صاحب مظفرنگری (۱۰۸) نے علاج میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر تقدیر سے چارہ نہیں اور موت کا کچھ علاج نہیں، اور وقت مقدر ٹلتا نہیں، اگر دوا اور تدبیر پر کام ہوتا تو بیشک مولانا کو صحت ہوتی۔ وہ دوائیں مولانا کے لئے میسر ہوئیں، کہ جو امراء کو بھی شاید بدشواری میسر آویں اور ویسا علاج ہوا کہ جو بادشاہوں کو بھی شاید ہی نصیب ہو۔ کہاں طمع اور خوف کی بات اور کہاں عقیدت قلبی۔

آخری بیماری آخر کی صورت مرض کی یہ ہوئی کہ جناب مولوی احمد علی صاحب (۱۰۸ب) کو فالج ہو گیا تھا، اس میں سہارنپور تشریف لے گئے اور حافظ عبدالرحمٰن صاحب کو مظفرنگر سے بلایا اسی روز گئے اور پھر شام کو واپس ریل میں آئے، تکان کے سبب طبیعت علیل ہوگئی۔ مگر چند روز کے بعد صحت ہوگئی، جب کچھ قوت آئی علاؤالدین (۱۰۹) بندہ زادہ کی استدعا پر کچھ پڑھانا بھی شروع کیا۔

(۱۰۸) ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن، مظفرنگر کے فاروقی خاندان کے فرد حضرت حاجی امداداللہ سے بیعت تھے، حضرت مولانا گنگوہی کے ممتاز ترین خلفاء میں شمار کیے جاتے تھے، حضرت نانوتویؒ سے بھی بہت گہرا تعلق تھا، سرکاری ڈاکٹر اپنے فن کے ماہر اور اس خطہ کے علماء اور اکابر میں محترم تھے۔ آخر عمر میں حجاز چلے گئے تھے، مدینہ منورہ میں ۲۹/رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ (۲۴، ۲۵/اکتوبر ۱۹۰۸ء) کو وفات ہوئی، جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ تاریخ وفات کے لئے تذکرۃ الرشید ص ۱۶۰ ج ۲۔

(۱۰۸ب) حضرت مولانا احمد علی خلف شیخ لطف اللہ انصاری سہارنپوری برصغیر کے جلیل القدر عالم، عظیم الشان محدث حضرت مفتی الٰہی بخش، مولانا وجیہہ الدین سہارنپوری، اور شاہ محمد اسحاق سے تعلیم حاصل کی مکہ معظمہ میں شاہ محمد اسحاق کی خدمت میں حاضر رہ کر خاص استفادہ کیا اور تمام عمر درس حدیث اور کتب حدیث کی تصحیح و تحقیق اور اشاعت کی خدمت میں بسر کی حضرت مولانا محمد قاسم، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یعقوب، مولانا محمد مظہر اور دیوبند وسہارنپور کے اکثر بڑے علماء کے علاوہ برصغیر کے سیکڑوں علماء کو حضرت مولانا نے تلمذ حاصل کئے برصغیر بلکہ عالم اسلام میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حدیث شریف کی بنیادی کتابوں کے متون کی اعلیٰ درجہ کی محنت اور برسوں کی جاں کاہی کے بعد تصیح کی، ایسے ہی بے نظیر حاشیے لکھے اور ان کو چھپوایا۔ حضرت مولانا کے حاشیے اور تصحیح کئے ہوئے نسخے آج تک پورے برصغیر بلکہ اور بھی متعدد ملکوں میں ذریعہ ہدایت ونور بنے ہوئے ہیں فجزاہ اللہ تعالیٰ ورحمہ

(۱۰۹) مولانا محمد یعقوب کے فرزند، صفر ۱۲۷۸ھ (اگست ستمبر ۱۸۶۱ء) میں پیدا ہوئے، قرآن شریف حفظ کیا اور اعلیٰ تعلیم تک تمام درسیات مدرسہ دیوبند (دارالعلوم) سے مکمل کیں، حضرت مولانا محمد قاسم سے بھی پڑھا اور استفادہ کیا جیسا کہ اس خط اور دوسرے ذرائع سے بھی معلوم ہو رہا ہے۔ دارالعلوم سے سند فضلیت حاصل کی، مدرسہ کے ممتاز اور جید فارغین میں شمار تھا اور دیکھنے والوں کا خیال تھا کہ علم وعمل میں مولانا محمد یعقوب کے جانشین اور وارث ہوں گے، مگر شب عیدالاضحیٰ ۱۳۰۱ھ (ستمبر ۱۸۸۴ء) کو ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور اسی رات میں آخرت کے سفر پر روانہ ہوگئے، مولانا محمد یعقوب نے لکھا ہے کہ تکیہ شیخ لطف اللہ میں مشرق کی طرف نیچے چبوترے پر دفن کئے گئے۔ بیاض یعقوبی ص ۱۵۲ (طبع اوّل: ۱۹۲۹ء)

بعد عصر کچھ ترمذی کی ایک دو حدیث ہوتی، جب تلک کھانسی نہ اٹھتی بیان فرماتے رہتے اور جب کھانسی کم ہوتی تب بھی ذرا ٹھہر کر بیان فرماتے اور جب شدت ہو جاتی موقوف فرمادیتے۔

آخری سفر، مرض وفات اور رحلت: پھر اسی عرصہ میں سہارنپور کا قصد کیا اور جناب مولوی احمد علی صاحب کو تخفیف اصل مرض میں ہو گئی تھی، مگر بخار اور ضعف شدید تھا۔ مولوی صاحب ٹھہرنے کے باعث ہوئے، دو ہفتہ وہاں قیام فرمایا، اور اتنا قیام خلاف عادت تھا، وہاں دورہ ہوا، اور ساتھ ہی اس کے ذات الجنب (۱۱۰) بھی ہوا، یہاں دوسرے دن خبر ہوئی، اسی روز حافظ انوار الحق صاحب (۱۱۱ الف) روانہ ہوئے اور صبح کو مولوی صاحب کو ریل میں لے آئے، مگر آئے کیا، سانس نہ آتا تھا، ناچار فصد لی درد موقوف ہوا، پھر کچھ درد کا اثر معلوم ہوا، اس کے لئے جونک لگائی، دو تین دن طبیعت صاف رہی، اس عرصہ میں دہلی سے کچھ دوائیں مقوی آئی تھی، ان کا استعمال ہوا۔

ضعف نہایت تھا، بات کرنی دشوار تھی، اس میں حرارت کو شدت ہوگئی اور اب کچھ غفلت ہو جاتی تھی، اوّل ایک ملین دیا تھا، رائے ہوئی کہ پھر ملین دیا جاوے، ملین دیا، دو دست ہو کر غفلت کو شدت ہوئی، ظہر کے وقت تلک جواب دیتے تھے، مگر ہوش نہ تھی، یہاں تک کہ نماز کے لئے کہا تو سوائے اچھا کہ اور کچھ نہ کر سکے، نہ تیمم کی طرف توجہ ہوئی، نہ نماز کی طرف، تب ایک صورت یاس کی ہوئی، یہ منگل کا دن تھا، اخیر روز میں وہ جواب بھی موقوف ہوگیا، اور ایک تشنج کی آمد شروع

(۱۱۰) ذات الجنب۔ درد پہلو، پلیورسی (PLERESY) ڈاکٹر غلام جیلانی خاں نے اس کے تعارف میں لکھا ہے:
"ابتدا میں پہلو کے کسی مقام پر عموماً پستان کے نیچے جکڑن اور چبھن معلوم ہوتی ہے رفتہ رفتہ درد بڑھتا جاتا اور سانس کے ساتھ محسوس ہوتا ہے سانس جلد جلد اور درد کو شدت ہوتی ہے آخر کار مریض مارے درد کے سینہ کو حرکت نہیں دیتا بلکہ صرف پیٹ سے سانس لیتا ہے۔" مخزن حکمت ص۷۸۸ لاہور: ۱۹۰۷ء

(۱۱۱ الف) حافظ انوار الحق، غالباً خلف سید منصب علی بن کریم بخش مراد ہیں، جو مولانا سراج الحق (وفات: ۱۳۰۲ھ، ۱۸۸۴ء) اور منشی سید فضل حق (وفات ۱۳۱۵ھ، ۹۸-۱۸۹۷ء) کے بڑے بھائی تھے۔ تذکرہ سادات رضویہ دیوبند، سید محبوب رضوی ص۳۶ (دیوبند: ۱۳۹۴ھ)

ہوئی، اس کو نزاع سمجھا اور یوں جانا کہ اب وقت آخر ہے، مگر وہ رات اور دن اور اگلی رات اور دوپہر جمعرات کے اسی کیفیت پر گذرے۔

وفات: اس وقت پر سب احباب امروہہ، مراد آباد، میرٹھ، سہارنپور، گنگوہ، نانوتہ، وغیرہ سے جمع ہوگئے تھے۔ چوتھی جمادی الاولیٰ سن بارہ سو ستانویں جمعرات (۱۱۲) کو بعد نماز اچانک دم آخر ہوگیا، ایک قیامت قائم ہوگئی۔ گھر میں وسعت نہ تھی، مدرسہ میں لاکر جنازہ رکھا اور بعد غسل وکفن بیرون شہر ایک قطعہ زمین کا حکیم مشتاق احمد صاحب نے خاص قبرستان کے لئے اسی وقت وقف کردیا، وہاں اوّل مولانا کو دفن کیا، مغرب سے پہلے نماز ہوئی، باہر شہر کے میدان میں نماز ہوئی، اتنا مجمع ان بستیوں میں کبھی دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا، بعد مغرب دفن کیا اور اس خزانہ خوبی (۱۱۲ب) کو سپرد زمین کردیا اور ہاتھ جھاڑ کر چلے آئے۔

مولانا کی وفات کا حد سے زیادہ غم: مولوی صاحب کے انتقال کا سا غم والم کبھی نہیں دیکھا تھا، ایک ماتم عام تھا۔ ہرچند شور غوغا اور سر پیٹنا اور کپڑے پھاڑنا نہ تھا کیونکہ یہ برکت وصحبت مولانا جتنے لوگ تھے حدود شرعی سے باہر نہ ہوتے تھے، مگر ایسا غم عام ہم نے دیکھا نہ سنا، اللہ تعالیٰ درجات عالی جنت میں نصیب فرمائے اور جوارِ خیر میں جگہ دیوے۔

حضرت مولانا گنگوہی کا آنا، رنج والم کی کیفیت اور واپسی: جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سلمہٗ کو منگل کے روز خبر کی، دوپہر سے پہلے مولوی صاحب تشریف لائے، جمعہ کے روز سہارنپور تشریف لے گئے۔ مولوی صاحب کو یہ ایسا صدمہ ہوا ہے کہ اس سے زیادہ کیا متصور ہو۔ ایسے ضابط، مگر سکوت اور نماز میں اکثر گزرتی رہی۔ مولوی صاحب کی طبیعت

---

(۱۱۲) حضرت مولانا کی یہی تاریخ وفات ۴؍جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ پنجشنبہ (۱۵؍اپریل ۱۸۸۰ء) صحیح ہے، بعض معتبر تذکرہ نگاروں کے یہاں اور قریبی ذرائع میں اور تاریخیں بھی درج ہیں، مگر وہ فرو گذاشت ہے اس پر اعتماد درست نہیں۔

(۱۱۲ب) یہ فقرہ سنہ وفات ہے، مگر یہاں صحیح نقل نہیں ہوا "ہائے خزانہ خوبی" مکمل فقرہ تاریخ ہے، جس کے اعداد (۱۲۹۷) ہوتے ہیں۔

پہلے سے بھی ناساز تھی۔ اب یہ صدمہ ہوا۔

وفات حضرت مولانا احمد علی محدث: سہارنپور پہنچ کر شنبہ کے روز جناب مولوی احمد علی صاحب (۱۱۲ج) کا انتقال ہو گیا۔ یہ آفت اور مصیبت پر مصیبت ہو گئی، مگر مولوی صاحب کے صدمہ کے جنب اور مقابلہ میں یہ صدمہ بہت ہی کم ہو گیا ورنہ خدا جانے اس کا کتنا صدمہ ہوتا۔

حضرت مولانا کے بیٹے حضرت مولانا کی وفات کے وقت ان کی عمریں جناب مولوی صاحب نے دو صاحبزادے چھوڑے ایک میاں احمد جن کی عمر اٹھارہ برس کی ہے، شادی ہو گئی طالب علمی میں مصروف ہیں، بحمد اللہ ذہن عمدہ، طبیعت تیز مزاج سنجیدہ ہے۔ مولانا کے قدم بقدم خداوند تعالیٰ کرے اور ویسی شہرت اور عزت نصیب کرے اور صلاح و تقویٰ اور نشر علم خیر ان کی ذات سے فرماوے۔ چھوٹے صاحبزادے میاں محمد ہاشم، آٹھ برس کی عمر بہت ذی ہوش، مستقیم مزاج ہیں۔ قرآن شریف حفظ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کمالات ظاہری اور باطنی نصیب فرمائے۔ (۱۱۳)

حضرت کی بیٹیاں اور انکے شوہر دختر اول: اور تین صاحبزادیاں ہیں ایک بی بی اکرامن (۱۱۴) یہ سب سے میاں احمد سے بھی بڑی ہیں، مولوی صاحب کی اوّل اولاد یہی ہیں۔ نکاح ان کا جناب مولوی صاحب نے میاں پیر جیو مولوی عبد اللہ صاحب (۱۱۵) سے کیا ہے، یہ

(۱۱۲ج) حضرت مولانا احمد علی، شنبہ ۶/ جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ ۱۷/ اپریل ۱۸۸۰ء وفات ہوئی تھی، عید گاہ کے قریب قبرستان میں دفن کئے گئے، مختصر حالات کے لئے ملاحظہ ہو: راقم سطور کا مضمون حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، مشمولہ امداد المشتاق۔ (طبع اول: ۱۹۸۱ء)

(۱۱۳) حضرت مولانا کے دونوں فرزندوں حافظ احمد اور محمد ہاشم کا تعارف گذر گیا ملاحظہ ہو: حاشیہ نمبر ۵۸، ۵۹

(۱۱۴) اکرام النساء، دختر حضرت مولانا محمد قاسم، مولانا محمد یعقوب کی اطلاع کی روشنی میں تقریباً ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) سنہ ولادت معلوم ہوتا ہے، مولانا عبد اللہ انصاری انبہٹوی سے نکاح ہوا، کئی اولادیں ہوئیں، بعض معلومات کے لئے، سوانح قاسمی، حاشیہ ص ۵۰۵ از مولانا قاری محمد طیب صاحب ج ا۔

(۱۱۵) مولانا عبد اللہ انصاری، خلف مولانا انصاری علی انبہٹوی، مولانا محمد یعقوب نے اپنے ایک خط (مرقومہ ۸/ جمادی الاولی ۱۲۸۸ھ مکتوب ۱۹) میں مولانا عبد اللہ کی عمر بیس اکیس سال لکھی ہے، اگر یہ اندازہ صحیح ہے تو مولانا عبد اللہ (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

احقر کے ہمشیرہ زادہ ہیں (۱۱۵ب) اور اولاد میں شاہ ابوالمعالی انبہٹوی کے (۱۱۵ج) بیٹے مولوی انصار علی صاحب مرحوم کے (۱۱۶ الف) اور احقر سے اکثر کتابیں پڑھیں اور جناب مولوی صاحب سے پڑھا ہے، نہایت عمدہ آدمی ہیں۔ ان کے تین لڑکیاں اس وقت اولاد ہے (۱۱۶ب) اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں برکت کرے۔ مولوی صاحب کی سب اولاد میں صلاح و خوبی عام ہے، اخلاق

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) کی تقریباً ۶۸۔۶۷ ۱۲ھ میں ولادت ہوئی ہوگی۔

اپنے والد ماجد، مولانا محمد یعقوب اور مولانا محمد قاسم سے تعلیم حاصل کی، ۸۷ ۱۲ھ میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے اجازت حدیث حاصل کی۔ حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت ہوئے۔ مثنوی شریف پڑھی اور خلافت سے نوازے گئے۔

گلاؤٹھی اور تھانہ بھون میں مدرس رہے، علی گڑھ، ام، اے، او کالج کے شعبہ دینیات کے ناظم مقرر ہوئے اور تاحیات اسی عہدہ پر کام کرتے رہے۔

مولانا عبداللہ انصاری کی متعدد تالیفات ہیں، حضرت نانوتوی کی تالیف اجوبہ اربعین میں نصف حصہ مولانا انصاری کی نگارشات کا ہے، مولانا نانوتوی کے مولانا انصاری کے نام خطوط بھی دستیاب ہیں۔

مولانا انصاری کے بیٹوں میں سے مولانا محمد میاں عرف منصور انصاری (وفات ۱۳۶۵ھ) ۱۹۴۶ء معروف ہیں، مفصل معلومات کے لئے رجوع فرمایئے، راقم سطور نور الحسن راشد کاندھلوی کا مضمون، ام، اے، او، کالج کے سب سے پہلے ناظم دینیات، مولانا عبداللہ انبہٹوی مشمولہ "نامور ان علی گڑھ" (دوسرا شمارہ: ۱۹۸۶ء) ۳۹۹ تا ۴۱۶۔

(۱۱۵ب) مولانا محمد یعقوب کی بڑی بہن نجیب النساء (دختر مولانا مملوک العلی نانوتوی) مولانا عبداللہ انصاری کی والدہ اور مولانا انصار علی کی زوجہ تھیں۔ نجیب النساء کے تین بیٹے تھے: احمد حسین، عبدالرحمٰن اور عبداللہ انصاری

(۱۱۵ج) مولانا محمد یعقوب نے مولانا انصاری کو جو مولانا کے حقیقی بھانجے اور قریب ترین اہل خاندان میں سے ہیں شاہ ابوالمعالی انبہٹوی (وفات ۱۱۱۶ھ) کی اولاد میں لکھا ہے، مگر یہ صحیح نہیں مولانا عبداللہ کا نسب سیدنا حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے وابستہ ہے اور شاہ ابوالمعالی سادات حسینی میں سے تھے مولانا عبداللہ انصاری کا شاہ ابوالمعالی سے واحد رابطہ یہ ہے کہ مولانا کے جد امجد غلام شاہ کا ابوالمعالی کی پوتی سے نکاح ہوا تھا۔ اس کی وضاحت مولانا خلیل احمد نے فرمائی ہے۔ دیکھئے تذکرۃ الخلیل از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص ۳۳۔۳۲ (سہارنپور: ۱۳۹۵ھ)

(۱۱۶ الف) مولانا انصار علی خلف احمد بن قطب علی انصاری، مولانا مملوک العلی سے تعلیم حاصل کی، گوالیار میں صدر الصدور مقرر ہوئے علمی استعداد بہت عمدہ تھی، مولانا عبداللہ اور مولانا خلیل احمد انبہٹوی کی ابتدائی تعلیم و تربیت مولانا عبداللہ نے فرمائی۔ سنہ ولادت و وفات معلوم نہیں۔ تذکرۃ الخلیل ص ۳۳، ۳۸۔

(۱۱۶ب) ان لڑکیوں کے نام، امۃ السلام، امۃ الحنان، کلثوم تھے، سوانح قاسمی، حاشیہ ۵۰۵ج۔

عمدہ، مہمان نوازی عادت مستمرہ ہے۔

دختر دوم، رقیہ: ان سے چھوٹی بی بی رقیہ (۱۱۷) ہیں، ان کا نکاح مولوی پیر جیو محمد صدیق سے کیا ہے (۱۱۸) یہ مولوی صاحب کے ماموں مولوی امین الدین صاحب مرحوم (۱۱۹) کے نواسے ہیں اور اولاد میں حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۰) کے ہیں، نہایت نیک اور سنجیدہ مزاج ہیں، ان کے ایک لڑکا ہے۔ جناب مولوی صاحب نے دونوں لڑکیوں کا نکاح بالکل سنت کے موافق کیا، بدون اطلاع کسی کے، جمعہ کے روز بعد جمعہ نکاح کر دیا۔ البتہ جناب مولوی رشید احمد صاحب کو بلوایا تھا اور ان کو غالباً اطلاع فرمادی تھی، اور کسی کو خبر نہ تھی اور نہ کچھ جہیز وغیرہ کا فکر کیا، مگر بعنایت خداوندی دونوں کے پاس زیور کپڑا جیسے ہماری برادری میں

---

(۱۱۷) رقیہ دختر حضرت مولانا کی ۱۳۱۴ھ میں وفات ہوئی، مکتوبات سید العلماء (مولانا احمد حسن امروہوی) ص ۱۸۷ مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی (امروہہ: ۱۴۱۰ھ)

(۱۱۸) پیر جی صدیق کون تھے، راقم سطور کی کو صراحت نہیں ملی، غالباً اس سے مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹوی مراد ہوں گے، جو حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا کے شاگرد، دار العلوم کے فیض یافتہ طالب علم، بلند پایہ عالم، محدث اور حضرت گنگوہی کے ممتاز ترین خلیفہ تھے۔ وفات ۲۳ر صفر ۱۳۴۴ھ (۱۸ر ستمبر ۱۹۲۵ء) مختصر حالات کے لئے: تذکرۃ الخلیل ص ۲۱۸ تا ۲۲۷۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم کی اولاد کے متعلق کچھ معلومات سوانح قاسمی کے حاشیہ میں درج فرمائی ہیں مگر خود مہتمم صاحب نے لکھدیا ہے کہ تمام معلومات مجھے بھی نہیں ملیں۔ حاشیہ سوانح قاسمی ص ۵۰۴ ص ۵۰۷ ج ۱۔

(۱۱۹) مولوی امین الدین، خلف وجیہہ الدین بن کریم بخش نانوتوی۔ تفصیلی حالات دریافت نہیں۔ شروع میں رئیسانہ شان اور مزاج کے شخص تھے، بعد میں حضرت شاہ عبد الغنی مجددی سے بیعت ہوگئے تو کیفیت اور ہوگئی تھی۔ شاہ عبد الغنی نے اجازت و خلافت سے نوازا اور اپنے متوسلین کو مولوی امین الدین سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے، ایک خط میں تحریر ہے:

"مولوی امین الدین نانوتوی سرہند میں ملیں گے ان کی صحبت غنیمت ہے"

مکتوب بنام میاں عظمت اللہ، مورخہ ۱۳ر محرم ۱۲۸۵ھ مکتوبات اکابر دیوبند ص ۴۴ (دیوبند: ۱۹۸۰ء)

مولوی امین الدین آخر عمر میں سرہند چلے گئے تھے، وہیں گوشہ نشیں رہے، سرہند میں تقریباً اوسط ۱۲۹۶ھ میں وفات ہوئی۔

(۱۲۰) حضرت شیخ عبد القدوس نعمانی شاہ آبادی ثم گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے ممتاز ترین مشائخ اور اہل اللہ میں سے تھے۔ وفات ۹۴۵ھ اخبار الاخیار، فارسی ص ۲۵۵ (دہلی: ۱۲۷۲ھ)

ہوا کرتا ہے، موجود ہے۔ نہایت خوش و خورم گذران ہے، اللہ کا شکر اور احسان ہے۔

دخترِ سوم، عائشہ: چھوٹی صاحبزادی بی بی عائشہ ان کی عمر چار برس کی ہے (۱۲۱) مولوی صاحب کو ان سے بہت محبت تھی، بخلاف اور اولاد کے مولوی صاحب ان کو پاس بٹھلا لیتے اور ان سے باتیں کرتے، اللہ تعالیٰ عمر و صلاح نصیب فرماوے۔ یہ اس عمر پر بہت ہوشیار اور خوش مزاج ہیں، اللہ تعالیٰ اور مزید فرماوے۔

حضرت مولانا کے چند خاص شاگرد اور ان میں عمدہ ترین

جناب مولوی صاحب سے بہت سے لوگوں کی نسبت شاگردی ہے، مگر عمدہ ان میں سے ایک مولوی محمود حسن صاحب (۱۲۲) فرزند کلاں مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبند ہیں۔ اکثر کتابیں مدرسہ دیوبند میں پڑھی اور حدیث مولانا کی خدمت میں حاصل کی اور تکمیل وہاں ہوئی، دیوبند مدرسہ کی طرف سے ان کو دستار فضیلت اوّل بار بندھی۔

---

(۱۲۱) عائشہ کی ولادت مولانا یعقوب صاحب کی اطلاع کی روشنی میں تقریباً ۱۲۹۳ھ میں ہوئی ہوگی، مولانا قاری محمد طیب نے ان کے شوہر کا نام نہیں لکھا، مگر لکھا ہے کہ عائشہ زندہ ہیں مگر لاولد ہیں۔ حاشیہ سوانح قاسمی ص ۵۰۴ ج ۱ یعنی محترمہ عائشہ صاحبہ ۱۳۷۳ھ تک حیات تھیں ان کی عمر اسی سے متجاوز ہوئی۔

(۱۲۲) (شیخ الہند) حضرت مولانا محمود حسن خلف مولانا ذوالفقار علی عثمانی دیوبند۔ ۱۲۶۸ھ ۱۸۵۱ء میں تولد ہوئے میانجی منگلوری سے قرآن شریف کا اکثر حصہ پڑھا، فارسی اور عربی کی ابتدائی درسیات مولانا مہتاب علی سے پڑھیں۔ متوسطات سے ملا محمود (خلف مولانا سید ممتاز علی دیوبندی) (شاگرد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی) حضرت مولانا محمد قاسم سے تعلیم مکمل کی۔ ذی قعدہ ۱۲۸۹ھ میں دستار فضیلت سے نوازے گئے اور فوراً ہی مدرسہ عربی (دارالعلوم) میں معین مدرس مقرر ہوگئے، ۱۳۰۵ھ میں صدر مدرس نامزد کئے گئے۔

حضرت مولانا محمد قاسم اور قافلۂ علماء کے ساتھ ۱۲۹۴ھ میں پہلی بار حج کی سعادت نصیب ہوئی، اسی سفر میں حضرت شاہ عبدالغنی سے سند حدیث ملی اور حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت ہوئے۔

جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (مئی ۱۹۱۵ء) میں دوسرے اور مشہور ترین سفر حج کے لئے روانہ ہوئے، حج کے بعد ۲۱/ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ جدہ سے مدینہ منورہ کے لئے نکلے، ۲/ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ (۱۰/ نومبر ۱۹۱۵ء) کو مدینہ پاک حاضر ہوئے، ۱۲/ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ (۱۶/ اپریل ۱۹۱۶ء) کو مدینہ پاک سے مکہ معظمہ واپس آئے، اسی درمیان شریف مکہ ترکہ حکومت سے بغاوت کر کے دشمنان اسلام کا ہموا اور غداروں کا سردار بن چکا تھا، اس کی کوشش سے حضرت مولانا کی گرفتاری ہوئی اور مالٹا بھیج دئے گئے، جو ایک مستقل تاریخ ہے۔ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ (دسمبر ۱۹۱۹ء) میں رہائی کا پروانہ جاری ہوا، ۷/ جون ۱۹۲۰ء کو واپسی کا جہاز بمبئی پہنچا، اس وقت ہندوستان بھر میں مسرت کا ساں تھا، مگر حضرت مولانا کی صحت (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

دوسرے مولوی فخرالحسن صاحب گنگوہی (۱۲۳) ہیں وارستگی مزاج میں مولانا کے قدم بقدم بلکہ کچھ بڑھ کر ہیں، عمدہ استعداد ہے۔ انہوں نے بھی مدرسہ دیوبند میں تحصیل کی، اول جناب مولوی رشید احمد صاحب سے تحصیل کی تھی۔

تیسرے مولوی احمد حسن امروہوی (۱۲۴)، ان سے مولانا کو کمال محبت تھی۔ نہایت عمدہ ذہن

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بہت کمزور اور خراب تھی، اس میں بھی سفر اور مصروفیت رہی، جس کی وجہ سے کمزوری اور بڑھ گئی دہلی کے سفر میں ۱۸ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ ۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ء کو وفات ہوگئی، دیوبند میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت مولانا کی خدمات اور کارنامے ایک بڑی تاریخ ہے خصوصاً ترجمہ قرآن اور تلامذہ نیز وہ شعلہ اور جوش و حرارت جو حضرت مولانا کے ذریعہ ایک بڑے طبقہ کو نصیب ہوا، بڑا بیش قیمت تحفہ ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ مفصل معلومات کے لئے تذکرہ شیخ الہند از مولانا اصغر حسین۔

(۱۲۳) مولانا فخرالحسن بن عبدالرحمان، بن مولوی حبیب الرحمان انصاری سہارنپوری گنگوہی۔ تقریباً ــــ میں ولادت ہوئی، حضرت مولانا گنگوہی سے تعلیم حاصل کی مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) دیوبند قائم ہونے کے بعد دیوبند حاضر ہوئے، مدرسہ میں اور حضرت مولانا محمد قاسم کی خدمت اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔ حضرت مولانا کے ممتاز و منتخب شاگردوں میں تھے، سفر و حضر میں حضرت مولانا کے ساتھ رہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم کے علوم و افادات کے حفاظت اور ترتیب و تحریر اور اشاعت میں نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں، حضرت مولانا کی متعدد اہم ترین تالیفات کی ابتدائی اور صحیح ترین نسخے مولانا فخرالحسن کی توجہ اور کوشش سے چھپے، مولانا فخرالحسن نے حضرت مولانا کی مفصل سوانح بھی لکھی تھی جو مفقود ہے۔

مولانا نے خدمت حدیث بھی گراں قدر انجام دیں، سنن ابوداؤد کی تصحیح کی اور اس پر نیز سنن ابن ماجہ پر حاشیہ لکھا لعد درس و افادہ میں مشغول رہے اور آخر میں کانپور چلے گئے تھے۔ وہیں ۱۳۱۵ھ (۹۸، ۱۸۹۷ء) میں وفات ہوئی۔

ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر مولانا عبدالحی حسنی ص ۳۵۴ ج ۸۔ حیدرآباد نیز فخرالعلماء (احوال و تعارف مولانا فخرالحسن) جناب اشتیاق اظہر (کراچی: بلاسنہ) اگرچہ مؤخرالذکر کتاب علمی اور مستند ماخذ نہیں ہے تاہم اس کے ذریعہ سے صحیح ماخذ و اطلاعات کی جستجو کی جاسکتی ہے۔

(۱۲۴) مولانا سید احمد حسن خلف اکبر حسین امروہوی (از اخلاف شاہ ابن امروہوی) ۱۲۶۷ھ میں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی، بعد میں ملک کے نامور علماء سے تلمذ و استفادہ حاصل رہا حضرت مولانا محمد قاسم کے خاص بلکہ مولانا کی نظر میں اعلیٰ ترین شاگرد تھے اور اس عہد کے اساتذہ محدثین حضرات مولانا احمد علی محدث سہارنپوری مولانا شاہ عبدالغنی قاری عبدالرحمان پانی پتی سے اجازت حدیث حاصل کی۔

مولانا محمد قاسم سے بیعت ہوئے، حضرت حاجی امداد اللہ سے اجازت و خلافت پائی۔ خورجہ، امروہہ اور مرادآباد کے مدرسوں میں تعلیم و تدریس میں مشغول رہے مختصر رسائل و مؤلفات علمی یادگار ہیں۔

۲۹ر ربیع الاول ۱۳۳۰ھ ۱۹ر مارچ ۱۹۱۲ء کی شب میں طاعون میں مبتلا ہو کر وفات ہوئی۔

مفصل و مستند تعارف کے لئے رجوع فرمائیں: مضمون مولانا نسیم احمد فریدی ماہنامہ دارالعلوم دیوبند از ربیع الاول ۷۳ ۱۳ھ تا ذی الحجہ ۷۳ ۱۳ھ (۹ قسطیں) نیز نزہۃ الخواطر ص ۳۹ ۳۸ ج ۸ وغیرہ۔

ودکا اور اعلیٰ درجہ کی استعداد ہے، اور جناب مولانا سے کمال مناسبت ہے اور ان صاحبوں کے علاوہ اور بہت سے شاگرد ہیں۔

حضرت مولانا بہت کم کسی کو بیعت کرتے تھے اور اجازتِ بیعت (خلافت) کسی کو بھی نہیں دی

مولانا باوجود اجازت حضرت حاجی صاحب مخدوم ومکرم قبلہ ایک زمانہ تلک کسی کو بیعت نہ کرتے تھے، پھر آخر بہت تاکید کے بعد چند لوگ بیعت ہوئے اور بہت سے لوگ ان میں مختلف صاحب حال ہیں، مگر مولوی صاحب نے کسی کو اجازت نہیں فرمائی (۱۲۵) اور اب آخر میں بیعت سے انکار فرمادیتے تھے، اگر کوئی طالب علم ہوا، کچھ وظیفہ بتلادیتے، جیسے مولانا کے شاگرد اور مرید خدا اور اور جانثار خادم ہیں، ایسے کہاں ہوتے ہیں، حالانکہ مولانا سب کے ساتھ دوستانہ اور برابری کا سا برتاؤ رکھتے تھے، بلکہ تعظیم وتکریم سے گھبراتے تھے، فقط۔

مولانا کی تاریخ وفات پر کہے گئے چند فقرات تاریخ! بعد انتقال جناب مولوی صاحب کی بہت سی تاریخیں اکثر صاحبوں نے نکالیں، سب کا یہاں ذکر کرنا طول ہے، ان میں

(۱۲۵) مختلف علماء اور تذکرہ نگاروں نے متعدد اصحاب کو حضرت مولانا محمد قاسم کا خلیفہ اور مجاز بیعت لکھا ہے لیکن حضرت حاجی امداد اللہ اور مولانا محمد یعقوب اور شاہ رفیع الدین دیوبند نے تصریحات کی ہیں کہ مولانا نے کسی کو بھی خلافت نہیں دی۔ اس لئے ان اطلاعات کے صحیح مآخذ پیش نظر ہونے چاہئیں۔

شاہ رفیع الدین دیوبندی نے حضرت حاجی صاحب کو لکھا تھا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نے کسی کو خلیفہ نہیں کیا، مولانا کے کسی متوسل وباستوطین کو آپ کو اجازت دے دیں۔ اس کے جواب میں حضرت حاجی صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ:

"عزیز من: فقیر ان دونوں (غالباً حضرت مولانا کے وفات کی صدمہ کی وجہ سے مبہوت العقل ہے) بعد میں اگر منظور الٰہی ہے تو لکھوں گا تم وہاں سب کے حال سے واقف ہو جس کو ذاکر شاغل مشغول حق پاؤ اور ماسواء سے بے رغبت، اس کو اجازت دے دو۔ فقیر کی طرف سے بھی اجازت ہے"

اس کے بعد حضرت حاجی صاحب نے مولانا اہم ترین شاگردوں اور خاص احباب مولانا محمود حسن، مولانا فخرالحسن، مولانا سید احمد حسن، مولوی فخرالدین، منشی نیسین کے نام لکھے ہیں کہ یہ سب اہل معلوم ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مکتوبات حضرت حاجی امداد اللہ نام شاہ رفیع الدین مکتوب نمبر ۵ مشمولہ مکتوبات اکابر دیوبند مرتبہ دفتری نور الحق عثمانی ص ۳۳ (دیوبند: ۱۹۸۰ء)

یہاں مولانا محمد یعقوب نے یہ بھی صاف لکھدیا ہے کہ آخر میں بیعت سے انکار فرمادیے تھے، اس لئے حضرت مولانا سے کسی کی بھی خلافت کی نسبت محتاج صراحت وتحقیق ہے۔

سے دو مادہ پسند احقر ہوئے، ان کو ذکر کرتا ہوں۔ ایک خود احقر نے نکالا ہے کیا چراغ گل ہوا اور اس کو نظم بھی کیا ہے، کئی طور پر۔

اور دوسرا مادہ نہایت عمدہ بغایت پسندیدہ، مولوی فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی (۱۲۶) نے نکالا ہے "وفات سرور عالم کا نمونہ ہے" مولوی صاحب نے ایک قطعہ نظم بھی فرمایا ہے (۱۲۷) جس کا یہ ایک مصرعہ ہے دونوں بزرگوں کی وفات کی تاریخ عبدالرحمٰن خاں صاحب (۱۲۸) مالک مطبع

---

(۱۲۶) مولانا فضل الرحمٰن خلف......... عثمانی، دیوبندی، وفات ۱۳۲۵ھ ص..... حاشیہ پر تعارف گزر گیا ہے۔

(۱۲۷) مکمل قطعہ تاریخ یہ ہے:

وہ غم ہے قاسم بزم ہدا کی رحلت کا — کہ جرعہ نوش الم جس سے ہر درونہ ہے
یہ ایسا غم ہے کہ جس غم سے بزم عرفاں کا — مثال غم، فلک جام و اثر گونہ ہے
کچھ اک زمیں ہی نہیں، زرد رنگ اس غم سے — لباس چرخ بھی ماتم میں نیلگونہ ہے
ہے حامیان شریعت کو گر غم بے حد — تو سالکان طریقت کو اس سے دونہ ہے
کہاں ہے مدرسہ دیں کا حامی برحق — کہ ملک علم و عمل اس بغیر سونہ ہے
نہ پوچھ حال دل راز تشنگان علوم — کہ ان کی زیست ترے ہجر میں چگونہ ہے
کیا ہے شعلہ ہجراں نے گر جگر کو کباب — تو آتش غم فرقت نے دل کو بھونا ہے
مگر مزار مقدس سے تیرے اے خوش خو! — ترے فدائیوں کو صبر، ایک گونہ ہے

سر الم سے لکھی فضلی نے سن وفات
وفات سرور عالم کا یہ نمونہ ہے
۱۲۹۷

سوانح قاسمی ص ۱۵۳ (دیوبند: ۷۶ ۱۳ھ)

یہ قطعہ تاریخ خوبصورت کتابت کیا ہوا چند سال پہلے تک دارالعلوم دیوبند کے دفتر اہتمام میں لٹکا ہوا تھا، اب غالباً محافظ خانہ میں رکھوا دیا گیا ہے۔

(۱۲۸) مولانا عبدالرحمان خاں شاکر، خلف روشن خاں، لکھنوی ہندوستان میں علمی کتابوں کی نشر و اشاعت اور مطابع کی تیز رفتار ترقی کا ایک بنیادی اہم نام ہے۔

مولانا عبدالرحمان اور مصطفیٰ خاں دو حقیقی بھائی تھے، دونوں نے لکھنؤ میں مطابع قائم کئے تھے، جو حسن طباعت حسن معاملات میں بے نظیر تھے، مگر جب ۱۸۴۹ء میں واجد علی شاہ نے لکھنؤ کے تمام مطابع بند کرنے کا حکم دیا تھا تو دونوں صاحبان لکھنؤ سے کانپور آ گئے تھے، دونوں نے کانپور میں مطابع قائم کئے اور اپنی اعلیٰ روایات اور حسن ذوق سے یہاں بھی اعلیٰ درجہ کی مطبوعات شائع کیں۔

۱۲۷۱ھ، ۱۸۵۴ء میں عبدالرحمان شروع میں اپنے بھائی کے ساتھ شریک اور ان کے پریس کے مہتمم تھے ۱۲۷۱ھ، ۱۸۵۴ء میں مطبع نظامی کے نام سے اپنا پریس جاری کیا، صحت کے لحاظ سے اس کی مطبوعات آج تک (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

نظامی کانپور نے نہایت عمدہ نکالی ہے یہ ہے "رضی اللّٰہ عنھما دائماً" اور احقر نے یہ مادہ اس کے لئے پایا ہے "مصیبت آئی مصیبت" فقط

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) آنکھوں سے لگائی جاتی ہیں، خصوصاً نظامی کے چھپے ہوئے قرآن شریف صحت کی ضمانت اور ایسے بے مثال تھے کہ نظامی اور مثل نظامی قرآن شریف برصغیر میں اب تک چھپ رہے ہیں اور صحت میں سند سمجھے جاتے ہیں۔ وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.

حاجی عبدالرحمان شاکر، نہایت باکمال، بافیض، سخی، دینی خدمات میں مستعد اور کشادہ دست شخص تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ اور سب بزرگوں سے قریبی روابط تھے، کانپور میں مدرسہ جامع العلوم قائم کیا تھا، جو بفضلہ تعالیٰ آج تک متحرک اور ترقی پذیر ہے۔

حاجی عبدالرحمان کی فرمائش پر حضرت مولانا تھانوی کانپور گئے اور ایک عرصہ تک مدرس رہے، عبدالرحمان خاں شاکر کی ۱۳۱۴ھ (۹۷-۱۸۹۶ء) میں وفات ہوئی۔ حضرت حاجی امداد اللہ کو نہایت غم ہوا اور تعزیت میں مولانا تھانوی کو مفصل خط لکھا، جس کا حرف حرف مظہر غم اور مولانا عبدالرحمان شاکر کے کمالات کا گواہ ہے، اس لئے مناسب ہے کہ اس کو بتمام و کمال یہاں نقل کر دیا جائے، حضرت حاجی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"حادثہ مکرمی جناب عبدالرحمان خاں صاحب مرحوم و مغفور سن کر بے انتہا صدمہ ہوا، اسی حالت میں مرحوم و مغفور کے لئے مع احباب فاتحہ خوانی کی اور دعائے طلب مغفرت و نزول رحمت بدرگاہ قاضی الحاجات کے کی۔ خداوند کریم مرحوم و مغفور کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور مورد انعام و اکرام بنائے اور ان کے ورثہ کو صبر مرحمت فرمائے اور توفیق عمل خیر عنایت کرے خصوصاً عزیزی حافظ ابو سعید خاں صاحب سلمہٗ کو ان کا قدم بہ قدم بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

خاں صاحب مرحوم کی ذات ماشاء اللہ عجیب خیر و برکت کی تھی، ہزاروں امور حسنہ ان کی بدولت وجود پذیر ہوئے، تمام خلائق کو ان کی ذات سے دائماً نفع پہنچتا تھا۔ ایسے لوگوں کا دنیا سے تشریف لے جانا کو والم کرتا ہے، ایک جہان کو ان کی جدائی کا صدمہ ہوتا ہے، اخیر زمانہ ہے، جو جاتا ہے اپنی نظیر ساتھ لئے جاتا ہے۔ چراغ لے کر تلاش کیجئے، تو اس کی مثل کا پتہ نہیں لگتا ہے۔ پس ماندگان محزون و حزیں کو حسرت و افسوس کے سوا چارہ نہیں، کیا کیجئے۔ مقدرات الٰہی میں کسی کا اجارہ نہیں، انا للہ و انا الیہ راجعون! مکتوبات امدادیہ مکتوب نمبر ۴۳ ص ۴۳۰ تھانہ بھون: ۱۳۹۱ھ)

عبدالرحمان خاں صاحب شاکر نے حضرت مولانا محمد قاسم اور مولانا احمد علی محدث کی وفات پر ایک قطعہ تاریخ کہا تھا، مولانا محمد یعقوب کا نقل کیا ہوا فقرہ تاریخ "رضی اللہ عنھما دائم" اسی کا ایک مصرعہ ہے مکمل قطعہ تاریخ درج ذیل ہے:

آہ قاسم علی فقیہ زماں — عاشق حضرت شفیع امم
پنجشنبہ جمادی الاولیٰ — بچہارم روانہ شد بارم
باز احمد علی وحید العصر — حامی شرع سید عالم
درہمیں ماہ و روز شنبہ بود — بششم در جناں نہاد قدم
ایں در علامہ زماں بودند — حاجی و فقہ داں فرشتہ شیم
در غم ایں دو مہر شرع رسول — شد بروئے زمیں بپا ماتم

کلک شاکر نوشت ایں تاریخ
رضی اللہ عنھما دائم
۱۲۹۷ھ

ملاحظہ ہو: مثنوی فروغ ص ۴۷۔ مولانا عبدالکریم فروغ دیوبندی، بحواشی سید محبوب رضوی (طبع دوم: دیوبند ۱۳۹۸ھ)

اختتام: اب دعا پر ختم کلام کرتا ہوں یا اللہ، یارب، یا کریم! اپنے فضل عمیم و عنایت عام و تفضل تام سے ان حضرات کو اعلیٰ علیین میں مقام کرامت فرما: اور ہم پسماندوں کو ان کے طریق مستقیم ہدایت پر استقامت اسی پر زندہ رہیں اور اسی پر مریں اور اسی پر حشر ہو۔ آمین ثم آمین!

تمام شد رسالہ ہذا ۷ رشوال المکرم ۱۲۹۷ھ (۱۲۹)

خاتمة الطبع

بفضلہٖ تعالیٰ: رسالہ سوانح عمری متضمن حالات، فیض انتساب، کرامت مآب جناب حاجی مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی۔ مؤلفہ جناب مولوی محمد یعقوب صاحب۔

بساعت مسعود بتاریخ ۷ رشوال ۱۲۹۷ھ ہجری المقدس مطبع صادق الانوار بھاولپور میں باہتمام حافظ عبد القدوس سپرنٹنڈنٹ و ایڈیٹر مطبع کے مطبوع ہو کر مثل صبح صادق اپنی انوار فیض آثار سے آفاق کو منور کیا۔ فقط

(۱۲۹) یہ الفاظ: تمام شد رسالہ ہذا ۷ رشوال المکرم ۱۲۹۷ھ دوسری طباعت میں موجود نہیں۔
حالات طیب مولانا محمد قاسم کے دوسری طباعت میں خاتمۃ الطبع کے الفاظ میں معمولی تبدیلی کی گئی ہے، جو یہ ہے:
"باہتمام حافظ عبد القدوس قدسی سپرنٹنڈنٹ و ایڈیٹر مطبع کے مطبوع ہو کر مثل صبح صادق کے اپنی انوار فیض آثار سے آفاق کو منور کیا"

والحمد للہ الذی بنعمته تتم الصالحات، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وعلی آله و صحبه، برحمتك یا ارحم الراحمین.

ضمیمہ

تذکرہ یا حالات طیب حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے چند حاشیے

مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی و مولانا نذیر احمد انبہٹوی مہاجر مکی

تذکرہ (یا حالات طیب) مولانا محمد قاسمؒ کی پہلی طباعت کے چند صفحوں پر چند مختصر حاشیے بھی چھپے ہوئے ہیں، جس میں سے چار حاشیے ابتداء میں ہیں، دو صفحہ تین پر اور دو صفحہ چھ پر، دو بہت مختصر حاشیے صفحہ تیرہ اور انیس پر درج ہیں، کل چھ حواشی ہیں، جس میں سے پہلے اور مفصل تینوں حاشیے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے لکھے ہوئے ہیں، آخر کے تین حاشیے مؤلف کے علاوہ کسی اور کے ہیں، صفحہ تیرہ کے حاشیہ کے نیچے نذیر احمد کا لکھا ہوا ہے، آخر کے تینوں مختصر حاشیے بہ ظاہر مولانا نذیر احمد کی یادگار ہیں۔

مولانا محمد یعقوب اور حضرت مولانا محمد قاسم کے قریبی لوگوں میں نذیر احمد نامی دو شخص تھے، نذیر احمد دیوبندی جو میرٹھ میں حضرت مولانا محمد قاسم کے ساتھ مطابع میں تصحیح کا کام کرتے تھے۔ دوسرے مولانا نذیر احمد انبہٹوی۔

راقم سطور کا خیال ہے کہ یہ حواشی مولانا نذیر احمد انبہٹوی نے لکھے ہوں گے جو شاہ مجید علی کے بڑے صاحبزادے اور حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹوی کے بڑے بھائی تھے۔

مولانا نذیر احمد نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے تعلیم حاصل کی، حدیث شریف پڑھی، حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت ہوئے، اجازت و خلافت سے نوازے گئے، آخری عمر میں مکہ مکرمہ میں چلے گئے، وہیں وفات ہوئی۔ (۱)

(۱) مستفاد از مکتوبات حضرت مولانا گنگوہی (غیر مطبوعہ) وغیرہ۔

یہ حواشی پہلی طباعت سے اب تک تمام اشاعتوں پر متواتر چھپتے رہے ہیں لہٰذا ان سب حاشیوں کو اپنے اپنے موقع پر آنا چاہئے تھا، مگر غلطی سے رہ گئے اسلئے معذرت کے بعد یہاں درج کئے جا رہے ہیں۔

تذکرہ مولانا محمد قاسم (طبع اول ۱۲۹۷ھ ص ۳ طبع جدید مرتبہ نورالحسن راشد کاندھلوی حاشیہ ۲ ص ۱۶۷

حاشیہ نمبر ۱۔

۱۔ "نانوتہ ایک چھوٹا سا قصبہ آباد ہے، اول نہایت آب و ہوا خراب نہ تھی، اب نہر کے سبب آب و ہوا وہاں کی نہایت خراب ہوگئی اور آبادی میں بھی کمی آگئی۔ دیوبند سے بارہ کوس غرب میں اور سہارنپور سے پندرہ کوس جنوب میں اور گنگوہ سے نو کوس شرق میں اور دہلی سے چار منزل ساٹھ کوس شمال میں"

تذکرہ مولانا محمد قاسم (طبع اول ص ۳) طبع جدید حاشیہ ۴ ص ۱۷۰

حاشیہ نمبر ۲۔

"جناب مولوی صاحب کی پیدائش کا سن تاریخی نام سے معلوم تھا اور مہینہ اور تاریخ محفوظ نہ تھا، میرا یاد ربیع الثانی یا جمادی الثانی تھا اور تاریخ محفوظ رہی نہیں اور جن جن صاحبوں پر اس کے معلوم ہونے کا گمان تھا ان سے پوچھا ہر کسی نے مختلف بیان کیا، ایک صاحب نے پندرھویں شعبان کہا، مگر میرے ماموں صاحب جناب حکیم صاحب نے اس کو تغلیط کی اور ایک نے انتیسویں رمضان اور ایک صاحب نے ستائیسویں محرم اور یہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ فقط محمد یعقوب"

تذکرہ مولانا محمد قاسم طبع اول ص ۶ طبع جدید ص ۱۷۶

حاشیہ نمبر ۳۔

۱۲۵۷ھ بارہ سو ستاون ہجری میں حضرت جناب مولانا محمد اسحاق صاحب اور جناب مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی نے کہ دونوں نواسے اور جانشین مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے تھے، اچانک ارادہ ہجرت کا کیا۔

ذیقعدہ میں شاید روانہ ہوگئے دہلی میں اندھیرا ہوگیا، اور آپ صاحبوں کیساتھ ایک بہت بڑا قافلہ عرب کو روانہ ہوا تھا۔ دیکھ کر حضرت والد مرحوم کو بھی دھیان حج ہوا، خفیہ تدبیر رخصت اور سامان سفر کی کرتے رہے۔ آخر جب رخصت ایک سال کی مل گئی اور سرکار نے براہ قدردانی آدھی تنخواہ بھی دی۔ جب ۱۲۵۸ھ میں وطن سے روانہ ہوئے اور اول ذی الحجہ مکہ پہنچے، زیارت حرمین سے فارغ ہوکر برس دن میں پھر دہلی پہنچے، اس وقت یہ سفر بلد طے ہونے میں عجیب سمجھا۔ رخصت کے دن پورے ہو چکے تھے وطن نہ آسکے ذی الحجہ میں جب چھٹی سالانہ ہوئی وطن تشریف لائے اور اور مولوی صاحب کو دہلی ساتھ لے گئے۔"

تذکرہ مولانا محمد قاسم (طبع اول ص ۱۳) طبع جدید ص ۱۹۴۔

حاشیہ نمبر۴۔

"احمد مولانا مرحوم کے بڑے صاحبزادے کا نام ہے۔ نذیر احمد"

تذکرہ مولانا محمد قاسم طبع اول ص ۳۰ طبع جدید حاشیہ ۱۱۲ ب ص ۲۲۳

حاشیہ نمبر ۵۔

ایک تاریخ وفات "ہائے خزانہ خوبی" بھی ہے۔

سے آئے کہ ہم گولیاں لگا رہے تھے اور نشانہ کی جا پر ایک نیم کا پتا رکھا تھا اور
اوسکے گرد ایک دائرہ کھینچا تھا قریب سے بندوق لگاتے تھے گولیاں ستی کی تھی مولوی صاحب
نے فرمایا کہ بندوق کیونکر لگاتے ہیں مجھ بھی دکھلاؤ کسی نے ایک فیر کی اور قاعدہ نشانہ
کا ذکر کیا تب بندوق ہاتھ میں لیکر فیر کی صاف گولی نشانہ پر لگی اور وہ سب نشانہ
کتنی دیر سے لگا رہے تھے دائرہ میں اگ جانیکو نشانہ پر پہنچا جانتے تھے اور یہہ بات
اتفاقی نہ تھی اپنی فہم سے حقیقت نشانہ بازی کی سمجھکر بدن ایسی وضع پر سادہ
لیا جو فرق ہو جانے کی وجہ تھی نہو ئی تیراندازوں کو دیکھا ہے کہ سر سے پا تلک ایک خط
مستقیم ہو جانے میں حاصل یہہ کہ اوس طوفان بے تمیزی میں جب لوگ گھبراتے
تھے ہمنے کبھی مولانا کو گھبراتے نہ دیکھا خبر دنگا اوس وقت میں چرچا تھا جھوٹی سچی
ہزاروں گپ شپ اڑا کرتی تھی مگر مولوی صاحب اپنے معمولی کام بدستور انجام فرماتے
تھے چند بار مفسدوں سے نوبت مقابلہ کی آگئی اللہ رے مولوی صاحب ایسے ثابت قدم
تلوار ہاتھ میں اور بندوقچیوں کا مقابلہ ایک بار گولی چل رہی تھی یکایک سر پکڑ کر بیٹھ
گئے جسنے دیکھا جانا گولی لگی ایک بھائی دوڑے پوچھا کیا ہوا فرمایا سر میں گولی لگی
عمامہ اوتار کر سر کو جو دیکھا کہیں گولی کا نشان تلک نہ ملا اور تعجب یہہ ہے کہ خون تمام کپڑوں
پر گرا ہوا تھا اوہیں روز دن ایک روز منہہ در منہہ ایک نے بندوق ماری جسکی شبہہ
ہے ایک موچہ اور کچھہ ڈاڑھی جل گئی اور کچھہ قدرے آنکھہ کو صدمہ پہنچا اور خدا جانے
گولی کہاں گئی اور اگر گولی نہ تھی اتنے پاس سے شبہہ ہی بس تھا مگر حفاظت الٰہی پر تھی

تذکرہ (یا حالات طیب) حضرت مولانا محمد قاسمؒ
طبع اول کا ایک درمیانی صفحہ

علیم و عنایت علم و تفضل تام سے ان حضرات کو اعلیٰ علیین میں مقام کرامت فرما اور ہم بندگان ناتوان کو ان کی طریق مستقیم ہدایت پر استقامت نصیب فرما اسی پر زندہ رہیں اور اسی پر مریں

اور اسی پر حشر ہو آمین ثم آمین

تمام شد رسالہ ہذا

١٠ شوال المکرم

١٢٩٧

ہجری

بفضلہ تعالیٰ رسالہ سوانح عمری متضمن حالات فیض انتساب کرامت مآب جناب حاجی مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم نانوتوی مولفہ جناب مولوی محمد یعقوب صاحب بسلامت مسعود بتاریخ ٢ شوال ١٢٩٧ھ ہجری المقدس مطبع صادق الانوار بہاولپور میں باہتمام حافظ عبدالقدوس سپرنٹنڈنٹ و ایڈیٹر مطبع کی مطبوع ہو کر مثل صبح صادق کے اپنی انوار فیض آثار سے آفاق کو منور کیا۔ فقط

حالات طیب مولانا محمد قاسم طبع اول ١٢٩٧ھ کا آخری صفحہ

مجلہ صحیفۂ نور، کاندھلہ
١٤٢١ھ ٢٠٠٠ء

ان حضرات کو اعلےٰ علیین مین مقام کرامت فرما اور ہم پسماندون کو انکی طریق سنت پر استقامت نصیب فرما اسی پر زندہ رہین اور اسی پر مرین اور اسی پر حشر ہو آمین

بفضلہٖ تعالےٰ رسالہ سوانح عمری متضمن حالات فیض انتساب کرامت مآب

جناب حاجی مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم نانوتوی مولفہ جناب

مولوی محمد یعقوب صاحب باہتمام مسعود بتاریخ شوال ۱۲۹۷

ہجری المقدس مطبع صادق الانوار بہاولپور مین باہتمام

حافظ محمد عبد القدوس قدسی

سپرنٹنڈنٹ و ایڈیٹر مطبع کے

مطبوع ہو کر مثل صبح صادق کے

اپنی انوار فیض آثار سے

آفاق کو منور

کیا

حالات طیب حضرت مولانا محمد قاسم

طبع دوم بہاولپور ۱۲۹۷ھ کا آخری صفحہ

قال النبی صلعم

إنما أنا قاسم والله يعطي

الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ کتاب مؤلفہ صاحب فضل و کمال مولٰنا محمد یعقوب صاحب نانوتوی

اعلے

سوانح عمری

حامی اساطین الموحدین ماحی اساطیر الملحدین حجۃ اللہ علی الخلائق کاشف اسرار المعارف والحقائق مظہر کمالات السلف الصالحین وارث العلوم سید الانبیا والمرسلین جامع الفیوض والبرکات قاسم العلوم والخیرات سیدنا و مولٰنا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند

باہتمام جناب مولٰنا حبیب الرحمٰن صاحب دام فیضہ

در مطبع قاسمی واقع دیوبند طبع گردید

رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۳ ہجری نبوی ﷺ
(اگست ۱۹۱۵ء)

سوانح عمری (حالات طیب) مولانا محمد قاسم نانوتوی

مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند ۱۳۳۳ھ کا سرورق

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا

اتباع سنت میں گہرا رنگ اور خاص مزاج و مذاق

پنجاب کے نامور درویش سائیں توکل شاہ انبالوی کا ایک اہم خواب

مرتب: نورالحسن راشد کاندھلوی

حضرت مولانا کا اتباع سنت میں کیسا اونچا مقام تھا اور حضرت مولانا ہر اک قدم پر اتباع سنت اور طریقہ نبوی کی تحقیق اس کی حتی الامکان پیروی اور اس پر قدم بہ قدم عمل کا کس قدر غیر معمولی اہتمام کرتے تھے، مولانا کے اصحاب و متوسلین کی اطلاعات و روایات کے علاوہ بعض اور ذرائع سے بھی اس کی تحقیق و تصدیق ہو رہی ہے، تصدیق بھی ایسے حضرات کی جو خود راہ معرفت کے رہ نور اور مراتب سنت کے رمز شناس تھے۔

حضرت مولانا کے ایک مشہور معاصر اور نامور درویش سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی (وفات ۴ر ربیع الاول ۱۳۱۵ھ، اگست ۱۸۹۷ء) کو ایک مرتبہ حضرت سرور کائنات رسول اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی، دیکھا کہ حضرت رسول پاک ﷺ آگے تشریف لے جا رہے ہیں، سائیں صاحب نیز ایک اور شخص (جن کو شاہ صاحب نے پہچانا نہیں، دونوں) شوق زیارت میں پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ سائیں صاحب تو دوڑے جا رہے ہیں، مگر وہ شخص اپنا ایک ایک قدم بہت سوچ سمجھ کر اور سنبھال کر رکھ رہے ہیں۔ سائیں صاحب نے دیکھا تو خیال آیا کہ شاید یہ شخص بدشوق یا ناواقف ہے، جو اس طرح سوچ سوچ کر آہستہ آہستہ چل رہا ہے سائیں صاحب نے پہلے تو اس سے پوچھا تم کون ہو؟ جواب ملا کہ: میں "محمد قاسم (نانوتوی) ہوں! شاہ صاحب نے جو حضرت مولانا سے پہلے سے غائبانہ یقیناً واقف تھے) مولانا سے کہا:

"بابا شوق نال بھجیا" بھائی! شوق سے دوڑ کر آ۔

حضرت مولانا نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا وہی مولانا کی زندگی کا جوہر، دارالعلوم دیوبند کا

ذوق و مزاج اور دین کی اصل اصول ہے، جس نے اس نکتہ کو پالیا اس کو یقیناً دین کا صحیح ذوق حاصل ہو گیا اور اگر خدانخواستہ اس میں کچھ نقص یا کمزوری ہے تو یہ دیکھنے والے دین کا نقص اور کمزوری ہے اور حق یہ ہے کہ:

اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

حضرت مولانا نے سائیں صاحب کے جواب میں فرمایا تھا کہ:

"میں تو نشان قدم رسول مقبول ﷺ پر قدم رکھ کر چلتا ہوں اور جس جگہ قدم خوب محسوس نہیں ہوتا، وہاں تامل کرتا ہوں، جب تک خوب یقین نہیں ہو جاتا کہ یہی نشان قدم ہے، اس وقت تک دوسرا قدم نہیں اٹھاتا۔ گو دیر میں پہنچوں مگر قدم بقدم رسول اللہ ﷺ ہی کے چلوں گا"

اس خواب کا سائیں توکل شاہ نے اپنے ایک مسترشد مولانا مشتاق احمد انبہٹوی (وفات ۲۷؍ محرم ۱۳۶۱ھ، فروری ۱۹۴۲ء) سے خود ذکر کیا تھا مولانا مشتاق احمد نے لکھا ہے کہ:

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جا رہے ہیں مولانا محمد قاسم تو جہاں پائے مبارک حضور کا پڑتا ہے وہاں دیکھ کر پاؤں رکھتے ہیں اور میں بے اختیار بھاگا ہوں کہ حضور کے پاس پہنچوں، چنانچہ میں آگے ہو گیا۔" (۱)

مولانا مشتاق احمد کے خلیفہ اور مولانا نور بخش توکلی نے بھی یہ خواب سائیں صاحب کے تذکرہ میں نقل کیا ہے، مولانا نور بخش لکھتے ہیں کہ:

"شیخنا العلامہ مولانا مولوی حاجی حافظ مشتاق احمد صاحب چشتی صابری ادام اللہ تعالیٰ فیوضہ لکھتے ہیں کہ حضرت مخدومنا توکل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بر سبیل تذکرہ عاجز سے فرمایا کہ ایک مرتبہ خواب میں یہ دیکھا کہ حضور رسول اکرم ﷺ تشریف لے جا رہے ہیں اور مولانا محمد قاسم دیوبندی دونوں حضور ﷺ کے پیچھے دوڑے کہ جلد حضور تک پہنچیں، مولانا محمد قاسم صاحب تو وہاں اپنا قدم رکھتے تھے جہاں حضور رسول اکرم ﷺ کے قدم مبارک کا نشان ہوتا تھا، مگر میں بے اختیار جا رہا تھا آخر مولانا سے آگے ہو گیا اور پہنچ گیا" (۲)

(۱) انوار العاشقین مولانا مشتاق احمد انبہٹوی ص ۸۸ (لاہور: ۱۳۹۸ھ)

(۲) تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۴۰۶۔ مولانا نور بخش توکلی۔ (لاہور: ۱۹۷۶ء)

مگر مذکورہ دونوں روایتوں میں صرف اس خواب کا ضروری حصہ اور خلاصہ نقل کیا گیا ہے، مفصل خواب اور روایت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے ایک اور معاصر اور تذکرہ نگار منشی فضل حق دیوبندی نے مولانا کی سوانح میں نقل کی ہے جس سے اس خواب کے تمام اجزاء کا علم ہو جاتا ہے، وہ الفاظ یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

"ایک وسیع شاہراہ ہے، اس میں بہت سے نقش قدم معلوم ہوتے ہیں اور چلنے والا کوئی نظر نہیں آتا (توکل شاہ صاحب نے پوچھا کہ) یہ نشان کس کے قدم کے ہیں، (جواب میں) آواز آئی کہ حضرت رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سواری اسی راہ سے گئی ہے اور جملہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین بھی اسی راہ سے گئے ہیں۔

شاہ جی کو شوق زیارت حضرت رسول اللہ ﷺ از حد ہوا اور کمال شوق میں بے تحاشا دوڑے کہ جلد تر زیارت سے مشرف ہوں، اسی دوادوش میں کبھی شاہ جی کا قدم رسول اللہ ﷺ پر پڑا اور کبھی صحابہ کرام اور کبھی تابعین، کبھی تبع تابعین پر۔ اسی حالت میں جو یکایک (شاہ جی صاحب) کی نظر پھری تو دیکھا کہ ایک اور شخص بھی اسی راستے کو آتا ہے، مگر آہستہ آہستہ اور کچھ دیکھتا ہوا۔ شاہ جی کو حیرت ہوئی کہ یہ کیسا کاہل شخص ہے کہ ایسا آہستہ آہستہ سے چلتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو شوق کم ہے اور اس شخص کے پاس آکر پوچھا کہ تم کون ہو؟ (جواب دیا کہ میں) "محمد قاسم ہوں"!

شاہ جی نے کہا:

"بابا شوق نال بھجیا" بابا شوق کے ساتھ دوڑ۔

(مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمایا):

"میں تو نشان قدم رسول مقبول ﷺ پر قدم رکھ کر چلتا ہوں اور جس جگہ قدم خوب محسوس نہیں ہوتا وہاں تامل کرتا ہوں، جب تک خوب یقین نہیں ہو جاتا کہ یہی نشان قدم ہے، اس وقت تک دوسرا قدم نہیں اٹھاتا۔ گو دیر میں پہنچوں مگر قدم بقدم رسول اللہ ﷺ ہی کے چلوں گا" (۲)

(۲) انوار قاسمی (سوانح حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی) تالیف مولانا انوار الحسن شیرکوٹی ص ۱۷۵۔ ج ۱۔ طبع اول لاہور: ۱۳۸۹ھ (بحوالہ سوانح حضرت مولانا نانوتوی۔ تالیف منشی فضل حق دیوبندی قلمی)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی وفات پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا رنج و غم

اور

مدرسہ دیوبند کے نظام کے متعلق مدرسہ کے ارباب انتظام کو بھیجی گئی چند ہدایات اور خطوط

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی وفات کے بعد مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ سابق صدر مدرس دار العلوم دیوبند کو ایک خط لکھا تھا۔ اس میں ہے کہ:

تم میں جو بڑے اور مدرسہ کے سرپرست تھے راہی دار بقا ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! اب تم سب کو چاہئے کہ جان و دل سے مدرسہ کی بہبودی اور بھلائی میں کوشش اور سعی کرو کہ جس سے نعمائے دارین حاصل ہوں۔ خصوصاً تم کو بہت کوشش چاہئے کہ تم کو سب صاحب اپنا بڑا سمجھتے ہیں، تم کو مناسب ہے کہ سب سے جس جس کام پر معین ہیں اس سے بخوبی کام لو، اور چند ایک باتیں اپنی ذات پر لازم واجب جانو۔

مدرسہ کے تمام اوقات میں مدرسہ کے کام کے سوا کچھ کام نہ کریں، یعنی چھ گھنٹے ہر روز برابر کام کیا کریں۔

مدرسہ میں صحاح ستہ سال بھر میں اسی طرح ختم ہوا کریں جیسے حضرت مولانا احمد علی مرحوم کے (یہاں) ہوتی تھی۔

جملہ اہل مدرسہ کی دلداری اور دل جوئی کا خیال رکھیں اور سب سے باخلاق پیش آویں غصہ اور خنگی کو بے موقع راہ نہ دیں۔

اگر کسی روز اپنی ذاتی غرض سے کام نہ کر سکیں تو مدرسہ سے تنخواہ نہ لیں، جیسے مولوی مظہر صاحب کرتے ہیں۔

مدرسہ سے قرض لینا جائز نہ رکھیں کہ درست نہیں، اپنے خرچ میں کوتاہی کریں،

غرض ہر امر میں موافق اللہ ورسول کے حکم کے کرتے رہو، ایسا نہ کرنا کہ اللہ ورسول کے سامنے شرمندگی ہو۔

یہ جو باتیں لکھی ہیں حاجت لکھنے کی نہ تھی کہ تم سب جانتے ہو، مگر فقیر بھی ثواب میں داخل ہونا چاہتا ہے اگر تم سب ان امور کی رعایت رکھو گے مجھ کو بھی ثواب ہوگا اور فقیر کو تم سے یہی توقع ہے کہ مدرسہ کے ان سب امور کو بخوبی بجالاؤ گے اور بھلائی اور فلاح دارین کی حاصل کروگے۔

(۱)

ایک اور گرامی نامہ میں شاہ رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) دیوبند کو لکھا کہ:

”عزیز من! جو تم میں بڑے سرپرست مدرسہ کے تھے، وہ جنت الفردوس کو سدھارے، اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تم سب صاحب بدل مدرسہ کی بہبودی میں مصروف ہو، مگر فقیر بھی تم کو لکھ کے داخل ثواب ہوتا ہے“۔

عزیز من! تم کو کہ مدرسہ کے مہتمم ہو چند امور کا لحاظ چاہئے:

اگر کسی کے ساتھ بے وجہ رعایت اور مروت کروگے تو کل کو جواب دینا ہوگا، مدرسہ کا مال بیت المال ہے، اس سے قرض دام اور پیشگی تنخواہ مت دیا کرو، تم کو اس میں تصرف نہیں پہنچتا۔

تیسرے یوں تو سارے مدرس اس مدرسہ کے فقیر کے عزیز اور پیارے ہیں

مگر عزیزم مولوی محمد یعقوب صاحب سے چند وجوہ سے زیادہ واسطہ ہے لہٰذا اگر وہ مدرسہ کے کسی کام میں کوتاہی کیا کریں تو ان سے کام لیا کرو۔ انشاء اللہ وہ اس سے ناراض نہ ہوں گے کیونکہ دانا ہیں۔

چوتھے عزیزم مرحوم کے جو شاگرد اور مرید ہیں اور دوست ہیں سب مدرسہ کی طرف توجہ رکھیں کہ عزیزم رحمتہ اللہ علیہ کی بڑی عمدہ یادگار یہی مدرسہ ہے، اس سے غفلت نہ کریں۔

پانچویں عزیزم مرحوم کی اولاد کے ساتھ آپ صاحب رعایت اور مروت رکھیں، خصوصاً علم اور تربیت امور غیر میں بہت لحاظ رکھیں۔ فقیر چاہتا تھا کہ برخورداری احمد کو یعنی فرزند عزیزم مرحوم کو اپنے پاس بلا کر رکھوں اور یہاں مدرسہ میں مولانا مولوی رحت اللہ کی خدمت میں تحصیل علم کرے اور جب تک فقیر جیئے اس سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھے، مگر اس کی والدہ شاید جدائی کو گوارہ نہ رکھے فقیر کو اس کی خاطر منظور ہے اس واسطے اس امر میں سکوت کیا۔ بہر حال دعا پر اکتفا کیا اللہ تعالیٰ اس کو سب برائیوں اور تکلیفوں سے محفوظ رکھے اور علم نافع وعمل صالح نصیب کرے آمین۔ بخدمت جمیع عزیزان و دوستاں سلام و دعا قبول باد اور مضمون بالا کو واحد تصور فرماویں۔

مکررہ کہ ہمیشہ مدرسہ کی اطلاع کرتے رہیں، تاکہ ہر ایک کا حال معلوم ہوتا رہے۔

مکتوبات اکابر دیوبند ص ۲۹، ۳۰۔ معرج بک ڈپو دیوبند: ۱۴۰۰ھ
دونوں خطوط کے کچھ اقتباسات دیوبند کے معاملات پر حافظ محمد ابراہیم بجنوری کی مرتبہ رپورٹ "تحقیق معاملات دیوبند میں بھی چھپے ہیں ص ۳۴، ۳۵ (مدینہ پریس، بجنور: ستمبر ۱۹۲۸ء)
اور اصل خطوط محافظ خانہ دار العلوم دیوبند میں محفوظ تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

اپنے ایک بزرگ معاصر، نامور ادیب اور عالم (مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، والد ماجد شیخ الہند) کی نظر میں

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے کمالات و مراتب کا ایک عالم مدح خواں تھا، جس میں حضرت مولانا کے معتقد اور متوسلین ہی نہیں، بلکہ مولانا کے بڑے (جس میں سے بعض اساتذہ کی صف میں آتے ہیں) بھی شامل تھے اور یہ علمائے کرام بھی مولانا کے فضل و کمال کی اسی طرح مداح و معترف تھے جس طرح حضرت مولانا کے نیاز مند اور شاگرد ایسے ہی بزرگوں میں شیخ الہند کے والد ماجد، مولانا ذوالفقار علی صاحب (دیوبندی) بھی شامل تھے جو حضرت مولانا سے عمر میں خاصے بڑے تھے(۱) اور مولانا کی زندگی میں ہندوستان کے ممتاز اہل علم خصوصاً عربی کے باکمال لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔

مولانا ذوالفقار علی صاحب نے مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) دیوبند کے ابتدائی حالات پر عربی میں ایک مختصر مگر جامع رسالہ مرتب فرمایا تھا جو "الهدية السنيه فی ذکر المدرسة الاسلامیه الدیوبندیه" کے نام سے ۱۳۰۷ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے چھپا تھا۔ اس رسالہ میں مولانا ذوالفقار علی صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کا پرزور، پرجوش اور ایسا محبت آمیز تذکرہ کیا ہے جس طرح کوئی عقیدت مند یا چھوٹا اپنے بڑوں کا کرتا ہے، اسی میں مولانا محمد قاسم کی وفات کا تذکرہ اور عربی فارسی کے مرثیے بھی شامل ہیں۔ یہاں حضرت مولانا سے متعلق عربی منظومات اور مرثیہ کا اردو ترجمہ پیش کیا جارہا ہے فارسی مرثیہ کا ترجمہ آئندہ کسی اور موقع پر پیش کیا جائے گا۔

الہدیۃ السنیہ مولانا ذوالفقار علی صاحب کے عربی ادب میں مہارت و کمال کی ایک یادگار ہے اور اس کا ترجمہ بہت آسان نہیں ہے، راقم سطور نے اس خدمت کے لئے اپنے فاضل دوست مولانا عبدالقدوس صاحب قاسمی نیرانوی سے گذارش کی مولانا ناچیز کا خط ملتے ہی از راہ کرم خود آئے اور یہیں بیٹھ کر گویا ایک ہی نشست میں قلم برداشتہ اردو ترجمہ کر دیا۔ مولانا کے دلی شکریہ کے ساتھ یہ ترجمہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جارہا ہے

(نور)

(۱) ولادت مولانا ذوالفقار علی تقریباً ۱۲۳۷ھ (ولادت مولانا محمد قاسم ۱۲۴۸ھ) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے گیارہ سال بڑے تھے۔

ترجمہ اردو

الهدية السنيه فی ذکر المدرسة الديوبنديه

حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد عرض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ شانہ وعز سلطانہ نے اس ملک میں خیر برپا کرنے اور اذعان و یقین اور تحقیق و تصدیق کے ساتھ دینی علوم اور ضروری فنون کے احیاء کے ذریعہ بندوں کی رہنمائی کا ارادہ فرمایا تو ایک ایسے شخص کے دل میں مدرسہ کی تاسیس کا خیال ڈالا جو ذات سے سید، حسب و نسب میں اعلیٰ، شرافت و نجابت میں یکتا، قدسی صفات اور خداداد عظمت کے مالک، خوش تدبیر، چھوٹوں کے لیے شفیق، بڑوں کی توقیر کرنے والے، اپنی مثال آپ۔ حسن و جمال، شوکت و جلال صورت و سیرت، صفائی باطن پاک طینتی، روشن فکری اور ذکاوت طبع میں بے مثال بلند کردار خوش منظر، صلاح و مشورے کی بھرپور قابلیت رکھنے والے، اگر کسی کو ہماری بات پہ یقین نہ آئے تو واقعہ یہ ہے کہ تجربات نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ موصوف شرم و حیا، تقویٰ و عبادت، جود و سخا کے پیکر اور فخر روزگار ہیں (جن کا نام نامی) عالی جناب محمد عابد ہے۔ اللہ انھیں قائم و دائم رکھے ان کی بلند آرزوؤں کی تکمیل کرے، جب تک دنیا قائم رہے اور پڑھنے لکھنے کا چلن رہے۔ اس مدرسہ (مدرسۂ دیوبند) کی بنیاد تقوے اور بہترین طرز پر رکھی گئی ہے اگرچہ نہ حالات موافق ہیں اور نہ وقت ساز گار ہے یہ سب خدائے عزیز و علیم اور حکیم و علیم کا مقرر کردہ نظام ہے، اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے اسباب اور افراد کار مہیا کر دیتا ہے۔ جب وہ کوئی چیز چاہتا ہے تو اس کے لیے اتنا کہنا کافی ہوتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ و قدرت میں ہر چیز کی باگ ڈور ہے، جس کے حضور تم سب کو جانا ہے۔

چنانچہ سید صاحب نے اس فکر کی تائید اور اس کار ثواب میں تعاون کے لیے ۱۲۸۲ھ میں اہل خیر حضرات[؟] سے گذارش کی، انھوں نے آپ کی صدا پر کان دھرتے ہوئے لبیک کہا اور آپ کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے آپ کے پیچھے ہو لئے۔ جس کے نتیجے میں مدرسہ آپ کی قابل قدر کوششوں سے علم اور اہل علم کا گہوارہ، فضل و کمال اور اس کے قدر دانوں کا مرکز، دین اور اس

کے حاملین کی پناہ گاہ بن گیا اور اس میں تعجب کی کیا بات ہے بیٹا باپ کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے اس سے نواز دیتا ہے۔ خدا کی ذات عظیم فضل والی ہے۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اس طے شدہ کام کی تکمیل و استحکام اور اسلامی علوم کے احیا کے لیے گرامی مرتبت عالم دین کو مامور فرمایا جو خوش شکل، پاکباز، ہر دلعزیز، نظیف الطبع، روشن دماغ، خوش خلق، اسلاف کی یادگار، اخلاف کی بصیرت آموزی کا سرچشمہ ہیں اسی طرح فضل و کمال، وفورِ علم، طبیعت کی پاکیزگی، قلم کی شگفتگی، ضبط و تحمل کے ساتھ وقار و تمکنت اور کشادہ ذہنی میں پورے عالم میں ان کی نظیر نہیں۔ جی ہاں! مولانا موصوف لیاقت و مہارت، نرم خوئی، قول و قرار کی پابندی، گفتار و کردار کی ہم آہنگی، شرافت، ذہانت، غیرت اور سخاوت و فیاضی میں بھی ممتاز ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے وقت کے لیے چنا، منتخب فرمایا جو اسلام کی بیچارگی اور اسلامی قیادت کے فقدان کا وقت ہے۔

میری مراد عارف باللہ، ولی کامل، ابو الہاشم مولانا محمد قاسم سے ہے، اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری فرمائے اور ان کے مقام و مرتبے میں چار چاند لگائے۔ (ان کے اوصاف و کمالات اور عادات و اطوار کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خمیر) عالی ظرفی، شرافت، سخاوت، غیرت، سیادت، خوش بختی، عظمت و وقار، جود و عطا، قیادت، طہارت و نزاہت، خدمت خلق، رواداری، علم و حکمت، جذبہ تعاون، عفت مآبی، و پیچیدہ مسائل کی گرہ کشائی مصائب و آلام سے نمٹنے کی صلاحیت، تشکر و امتنان اور احسان و کرم ایسے اوصاف کے مجموعے سے اٹھا ہے اور اس سے ان کا وجود اور سراپا تشکیل پایا ہے وہ بلندیوں کے حصول کے لیے بلا توقف اور ہمہ دم راتوں کو سرگرم سفر رہے۔ انھوں نے فضائل و مکارم سے آراستہ ہونے کے لیے دنوں کا سفر پیہم جاری رکھا، انھوں نے سید عابد صاحب کی پشت پناہی اور دستگیری کی اور ان کے دوش بدوش کھڑے ہو گئے، پھر کیا تھا چمنستان علم لہلہا اٹھا، اس کے حوض بھر گئے، درخت اور جھاڑیاں گھنی اور شاداب ہو گئیں، طالبان علم طویل مسافت طے کر کے اس ریاض علم میں جوق در جوق آنے لگے، تشنگانِ علوم دور دراز مقامات سے اس کا رخ کرنے لگے، ہندوستان کے مختلف خطوں، جزیروں بلکہ عرب جیسے ممالک سے بھی کتنے ہی طلبہ ایسے ہیں جنھوں نے علوم کی بلندیوں کو چھولیا اور تکمیل کے بعد اس کی نشر

واشاعت میں مصروف ہوگئے، انھوں نے اپنے فیضان علمی سے (خلق خدا کو) خوب خوب سیراب کیا، کتنے ہی مدارس اس مدرسے کے طرز پر قائم کیے گئے اور اسی کے نہج پر ان کے نظام کی تشکیل پائی، یہ سب کچھ مولانا قاسم (جو بھلائیوں کو پھیلانے والے اور ظلم وجور کو مٹانے والے ہیں) ذات بابرکات سے وجود پذیر ہوا، اور جس نے اسلام میں کسی اچھے طریقے کی بنیاد ڈالی تو اس کو اس کا اور اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور باقی رہنے والی نیکیوں کا تیرے رب کے یہاں بہترین بدلہ ہے اور بہتر توقع۔ (کہف ۴۸)

میں نے مولانا کے فضل وکمال کی تعریف کرتے ہوئے (درج ذیل) اشعار کہے ہیں، اگرچہ میں کیا اور میری بساط کیا!

اشعار

۱۔ آخر کب تک دنیاداری میں پھنس کر دین سے غافل رہے گا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ قارون جب مالدار مصیبت سے دوچار ہوا۔

۲۔ جو چیز تجھے عاریۃً میسر ہے اس پر نہ اترا، تو خود لاچار اور لاچار کی اولاد ہے۔

۳۔ تو اپنی حماقت سے آگ کی طرح کیوں سر اٹھاتا ہے، تیری اصل تو پانی اور مٹی ہے۔

۴۔ ذرا صبر سے کام لے اور اس کدوکاوش کو جس کو تو کر رہا ہے اس یقین کے ساتھ چھوڑ دے کہ جو رزق مقدر میں ہے وہ مل کر رہے گا۔

۵۔ اگر فتنوں سے پاک زندگی کا تو خواہش مند ہے تو خانہ نشینی اور عزلت گزینی اختیار کر۔

۶۔ اور محنت کے ساتھ علم کا طالب بن اور اہل علم کے دامن سے وابستہ ہو جا، اللہ تعالیٰ تجھے شیاطین کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

۷۔ علم ایک بیش قیمت جوہر ہے، جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، اس کو حاصل کر بھلے ہی یہ جنس گراں مایہ چین میں دستیاب ہو۔

۸۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان صبح کے وقت میں فقیر ومحتاج ہوتا ہے اور شام کو بادشاہوں کا بادشاہ ہو جاتا ہے۔

۹۔ علم دو طرح کا ہے ایک وہ جو خالص ہدایت ورحمت ہے، دوسرے وہ جس کی شریعت میں گنجائش نہیں۔

۱۰۔ اس لئے محدث (مولانا قاسم) کی صحبت اختیار کر، خود فریبی اور غفلت میں مبتلا شیخ رئیس کو چھوڑ دے۔

۱۱۔ نہ اس کی "شفا" میں شفا ہے اور نہ اس کی "اشارات" اور "قانون" میں کوئی فائدہ۔

۱۲۔ اس مہتم بالشان علم سے اشتغال رکھ جس میں کوئی کجی نہیں، جس میں معنعن اور مسند حدیثیں ہیں اور جس کا وحی الٰہی (قرآن کریم) سے گہرا رشتہ ہے۔

۱۳۔ علم وہی قابل اعتنا ہے جسمیں قال الرسول کی صدا بلند ہو، اسکے علاوہ تو شیطانی وساوس ہیں۔

۱۴۔ اگر اس سلسلہ میں جاہل لوگ زبان درازی کریں تو ان سے کہدے: چھوڑو تمہاری سوچ تمہارے ساتھ اور ہماری سوچ ہمارے ساتھ۔

۱۵۔ اگر تو چاہتا ہے کہ حق واضح ہو جائے، تو رفیق من! حق و شریعت کے امام سے رجوع کر۔

۱۶۔ جو مرجع خلائق خوبیوں اور بھلائیوں کے جامع ان کے پھیلانے والے ہیں، جن کے انفاس کے سامنے چمن کی عطر بیزی بھی ہیچ ہے۔

۱۷۔ وہ شریعت کے محافظ، طریقت کے امام حقیقت کے نقیب اور عزت و تمکنت کے مالک ہیں۔

۱۸۔ مخلوق خدا کے رہنما، ظن و تخمین سے نہیں بلکہ پورے وثوق کے ساتھ حقائق و دقائق کی نقاب کشائی کرنے والے ہیں۔

۱۹۔ کوئی ایسا علم نہیں جس کا چشمہ شیریں ان کے پاس نہ ہو اور اس کے اسرار کی انھوں نے پردہ کشائی نہ کی ہو۔

۲۰۔ دوست زادے! تم نے اپنے احسان و کرم سے ہمیں اپنا اسیر بنالیا ہے اور فی زمانہ تم بیکسوں کے والی ہو گئے ہو۔

۲۱۔ میری طرف برائے مہربانی نگاہ کرم کرو۔ جناب من! تمہاری ایک نظر میرے لیے کافی ہے۔

۲۲۔ تم ہمیشہ سلامت رہو، اپنا فیض عام جاری رکھو بخشش کرو اور پیہم کرو، جب تک بارش باغات کو سیراب کرے۔

جب ہندوؤں کے عالم اور ان کی بڑی شخصیت "دیانند سرسوتی" نے اپنے بے بنیاد اور لچر دلائل کے ذریعہ اپنے اعتقادات کی حقانیت کا دعویٰ کیا اور اپنی مضحکہ خیز اور بے حقیقت باتوں کو

بنیاد بنا کر دین اسلام پر اعتراضات کرتے ہوئے یہ کہہ کر للکارا:

آ جاؤ میدان میں، ہے کوئی مائی کا لال جو مقابلہ کرے!

غرض حلق پھاڑ پھاڑ کر اس نے دعوت مبارزت دی اور ہمہ حاضر اور غیر حاضر شخص سے نہ صرف مناظرہ کرنے کی بات کرتا بلکہ لڑنے جھگڑنے کو تیار ہو جاتا، تو اس وقت اس نالائق کے اعتراضات کے حملے سے دین متین کی حفاظت کے لیے مولانا اٹھ کھڑے ہوئے اور اس پر بچ نکلنے کی راہیں بند کر دی۔ چنانچہ اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی اور پھر گوز مارتا ہوا بھاگا۔ میں نے اس سلسلہ میں ذرج ذیل اشعار کہے:

۱۔ دیانند حلق پھاڑ کر، ڈینگ مارتے ہوئے، خود بینی، فخر و غرور اور اتراہٹ کے ساتھ آیا، اپنی کذب بیانی پر نازاں اور بے اصل باتوں کو لے کر آپے سے باہر، جو اس نے کہا وہ جھوٹ تھا۔

۲۔ اس نے ہر باشعور اور صاحب عظمت و شوکت انسان کو دعوت مبارزت دی، چنانچہ اسی کے تعاقب میں عظیم ترین اور یکتائے روزگار شخصیت اٹھی، جن کی ذات میں جادو تھا۔

۳۔ وہ شخصیت اچھائیوں کو پھیلانے والی اور ظلم و جور کو مٹانے والی ہے، جس نے دین اسلام کو حسن و جمال سے آراستہ کیا۔

۴۔ ممدوح شیریں مشرب اور محقق ہیں کسی طرح کی قیل و قال میں نہیں پڑتے۔

۵۔ وہ اپنے قول و عمل سے رشد و ہدایت کا مرجع ہیں اور حال و مستقبل میں رہبری کا سرچشمہ۔

۶۔ پھر جب اس احمق کی حیلہ گری نے اس کو عاجز کر دیا اور اس نے باور کر لیا کہ اب مناظرے میں اس کی آفت آ گئی۔

۷۔ تو شرائط مناظرہ بیان کرتے ہوئے اس نے چال چلتے ہوئے کہا، ایسے ایسے میں تیار ہوں، ورنہ ہرگز نہیں۔

۸۔ اس کا برا ہو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا کہ پیچھے کو نہ پلٹا، اور اللہ تعالیٰ اس سے نبرد آزمائی کے لیے مسلمانوں کی طرف سے کافی ہے۔

۹۔ مخلوق خدا کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ درود و سلام ہو، جب تک ہوائیں بھاری بادلوں کو اڑائے پھریں۔

مولانا قاسم نانوتویؒ اپنے پروردگار کے جوار رحمت میں

اے برادرانِ اسلام! امت خیرانام، مشائخ دین، اعیان ملت، عارفان وقت، علمائے عصر، حکمائے روزگار اصحاب تفسیر و حدیث، اہل فقہ و خیر کثیر، ارباب قلم، شہسواران خطابت اصحاب زہد وتقویٰ، صاحبان جود وسخا بتادو، دنیا سے کون چل بسا؟ اے شریعت وطریقت اور حقیقت کے علمبردارو! بتادو دنیا سے کون رخصت ہوگیا، کیا تم جانتے ہو کس سخی کی وفات کا سانحہ پیش آیا، کون سادریا خشک ہوگیا، کس سورج کو گرہن لگا، کونسا شجر سایہ دار سوکھ گیا، خدا کی قسم! مولانا قاسم کی رحلت سے دین کی رونق، ایمان ویقین کی روشنی، اور حق وصداقت کی چمک جاتی رہی، جس وقت کہ وہ زندگی کے سانس پورے کرکے واصل بحق ہوگئے اور جوان نے ان سے بے وفائی کرکے احباب کو سوگوار کیا۔ انا للہ و إنا الیه راجعون۔

شعر: اگر ابوالقاسم ﷺ کا اسوہ پیش نظر نہ ہو تا توان کی موت میرے لیے جان لیوا ہوتی۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے گویا مولانا مرحوم ہی کا مرثیہ کہتے ہوئے اس نے (درج ذیل) شعر کہے ہیں۔ اس شخص کی زبان بھی تیری ثناخواں ہے، جس کے ساتھ تو نے کوئی احسان نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ تو بذات خود مستحق ستائش ہے۔

۱۔ مرحوم کے کارناموں نے ان کی زندگی کو بحال کر دیا ہے، گویا وہ اپنے اس ذکر خیر کی بدولت زندہ ہیں۔

۲۔ لوگ ان کے ماتم میں یک زبان ہیں، یہ گھر میں گریہ وزاری اور آہ وفغاں بپا ہے۔

۳۔ اس چار پانچ گز زمین پہ تعجب ہے، جس کے اندر ایک عظیم اور بلند پہاڑ چھپ گیا ہے۔

میں نے بھی مولانا مرحوم کے مرثیے میں سابقہ اشعار کے وزن پر کچھ شعر کہے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں مرحوم کے فیوض و برکات سے بہرہ ور کرے۔

۱۔ اے قاسم الخیرات بتایئے تمہاری رحلت کے بعد کون علم ودین کی اشاعت اور ارشاد وتلقین کا فریضہ انجام دے گا؟

۲۔ اے قاسم الخیرات بتایئے؟ کون مہمانوں، کمزوروں غم زدہ اور ستم رسیدہ لوگوں کی

خبر گیری کرے گا؟

۳۔ اے قاسم الخیرات سنیے تو سہی کون مصیبتوں میں ہمارے کام آئے گا، اے ظلم و جور کو مٹانے والے کون بیکسوں پر رحم کھائے گا۔

۴۔۵۔ آپ کے قبر میں جانے کے بعد اب مدارس کی دیکھ بھال وعظ و تلقین اور لوگوں کی رہنمائی کے لیے کون ہے، کوئی ہے جو نکات بیان کرے گا اور مشکل مباحث کو حل کرے گا، کون شریعت و طریقت اور حقیقت کے احکام و اسرار سمجھائے گا۔

۶۔ آپ ہم سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ عرب سے چین تک کوئی علم و فضل میں آپ کا ہم پلہ نہ تھا۔

۷۔ اے چشم من! تو پیہم آنسوؤں کو اس ذات پر برسا، جو تعریف اور مرثیے سے بالاتر ہے۔

۸۔ جو مرجع خلائق، اسلام کی برہان، اس کا مبلغ، رشد و ہدایت کا مینارہ ہے جو شیطان کے لئے شہاب ثاقب تھے۔

۹۔ تین اور زیتون کی کی قسم وہ علوم کے بحر بے کراں کائنات کے پیشوا اور بابرکت نام والے تھے۔

۱۰۔ میرا رفیق چلتا بنا وہ رفیق کہ جس کے صدمے میں میں لوگوں کی تعزیت اور تسلی سے بری الذمہ ہوں (یعنی میں خود مستحق تعزیت ہوں)

۱۱۔ مجھے بتایئے کون ایسا شخص ہے جس کا سینہ غموں سے خالی ہو اور کون ہے جس کا دل (غموں کی وجہ سے) صبر کا سہارا نہ لئے ہوئے ہو۔

۱۲۔ اے میرے صبر! مجھے تیری ضرورت نہیں اس لئے کہ (دنیا میں) ایسی کوئی چیز نہیں جو مجھے میرے دوست سے غافل کر دے اور اے سامان تسلی! تو بھی اپنا کام کر چلتا بن۔

۱۳۔ میرے ممدوح کو لوگوں نے کیسے زمین میں چھپا دیا جب کہ سورج کو نہ چھپا جا سکتا نہ دفن کیا جا سکتا۔

۱۴۔ آپ کے جدا ہونے کے بعد آپ کی جدائی کے احساس کو میرے اس تصور نے قابل تحمل بنا دیا ہے کہ مجھے بھی کچھ روز زندہ رہ کر آپ سے آملنا ہے۔

۱۵۔ اللہ تعالیٰ اس قبر کو سیراب کرے، جس میں آپ آرام فرما ہیں اور جو ہماری اس دعا پر آمین کہے، اس پہ بھی اللہ رحم فرمائے۔

مرقومات قاسمی

حضرت مولانا محمد قاسم کے غیر مطبوعہ اور غیر متعارف مکتوبات کے مجموعے

مکتوبات بنام حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ

●

مباحثہ سفر رڑکی کے چند گم شدہ اوراق کی دریافت

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

●

سوامی دیانند سرسوتی کی خط و کتابت

(پس منظر، تفصیلات، متعلقہ تحریریں اور طرفین کے خطوط)

●

مکتوبات قاسمی

مرتبہ (غالباً) مولانا عبدالغنی پھلاوودیؒ

تعارف اور متعلقات

از نور الحسن راشد کاندھلوی

مجلہ صحیفۂ نور۔ مولویان، کاندھلہ، ضلع مظفر نگر یوپی
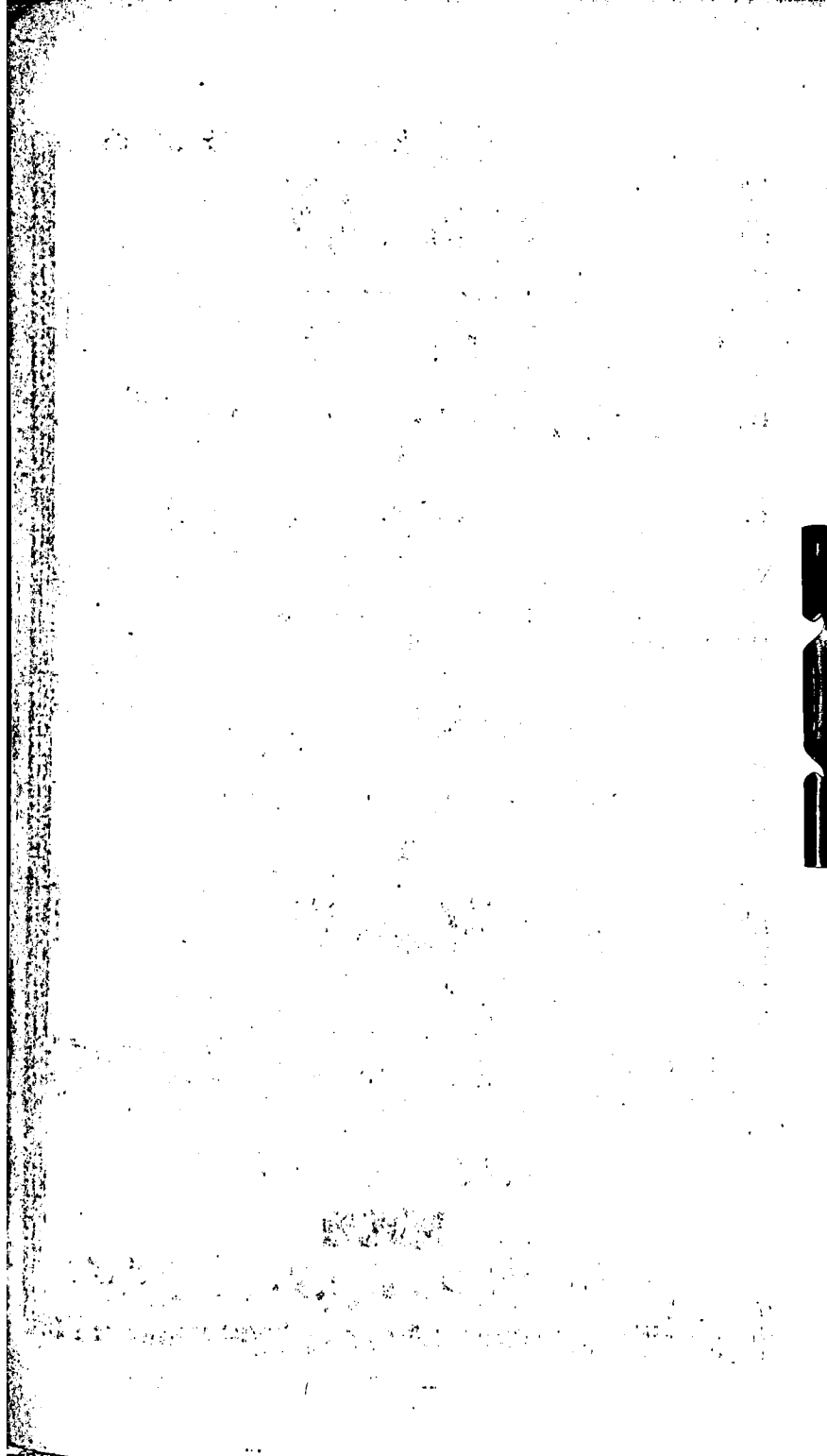
مکتوبات

قاسم العلوم، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

بنام

حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ

ترتیب مقدمہ ترجمہ اور حواشی

نور الحسن راشد کاندھلوی

مجلہ صحیفۂ نور

مکتبۂ نور۔ مولویان، کاندھلہ مظفر نگر یوپی

عرض مرتب

یہ مکتوبات جو یہاں پیش کئے جا رہے ہیں حضرت مولانا کے حضرت حاجی صاحب سے ارادت وروابط کے سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت و سوانح کے عنوان میں سے ایک اہم عنوان حضرت مولانا کی (گزشتہ ڈیڑھ سو سال کے ممتاز ترین شیخ اور امام معرفت) حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی (ولادت ۱۲۳۳ھ وفات ۱۳۱۷ھ[1]) کے دامن اصلاح و تربیت سے وابستگی، حضرت حاجی صاحب سے اجازت و خلافت اور خود حضرت مولانا کے اصلاح و سلوک میں بلند مقام کا تذکرہ

---

[1] جیسا کہ راقم سطور نے اور عرض کیا ہے کہ حضرت امداد اللہ کی ذات گرامی اور ان کا طریقہ ارشاد و معرفت برصغیر میں گزشتہ ڈیڑھ سو سال کی معرفت و خدا پرستی اصلاح باطن اور عشق الٰہی کا ایک بڑا منبع اور مرجع رہا ہے۔ حضرت حاجی صاحب کے مرتبت اور فکر و معرفت کی بلند مکانی کا برملا اعتراف اور اس سے انتساب اور استفادہ پر گویا فخر و انبساط کا احساس و اعتراف ہے۔ حاجی صاحب کے حالات کے لیے ملاحظہ ہوں:

۱۔ شمائم امدادیہ	محمد مرتضیٰ خاں قنوجی	قومی پریس لکھنؤ ۱۳۱۴ھ
۲۔ کمالات امدادیہ		
۳۔ کرامات امدادیہ	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	مطبع انتظامی کانپور
۴۔ امداد المشتاق	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	طبع اول تھانہ بھون
۵۔ حیات امداد	محمد انوار الحسن شیر کوٹی	کراچی ۱۹۶۵ء
۶۔ انفاس امدادیہ	پروفیسر لطیف اللہ	کراچی ۱۹۹۵ء
۷۔ حاجی امداد اللہ اور ان کے خلفاء	امداد صابری	دہلی ۱۹۵۱ء
۸۔ حاجی امداد اللہ اور ان کے خلفاء	قاری فیوض الرحمٰن	کراچی ۱۹۸۴ء

۹۔ ڈاکٹر بصیر احمد خاں صاحب نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حاجی صاحب پر (غالباً ۱۹۷۳ء میں) پی، ایچ، ڈی کیا تھا۔

ان کے علاوہ اور بھی غالباً سو سے زائد کتابیں ایسی ہیں جس میں حاجی صاحب کے واقعات یا تذکرہ ملتا ہے، اور حضرت مولانا تھانوی کے ملفوظات کی پچاس سے زائد جلدیں حاجی صاحب کے حالات افادات کا معتبر ترین ذریعہ اور سب سے بڑا آخذ ہیں۔

ہے۔ چوں کہ یہاں پیش کئے جارہے مکتوبات بھی اسی سلسلہ معرفت و مراسم کا ایک اہم حصہ ہیں، اس لیے مکتوبات کے تعارف سے پہلے، حضرت مولانا کی حضرت حاجی صاحب سے ارادت واستفادہ کا ذکر اور ان مکتوبات کے پس منظر کا مختصر تذکرہ ضروری ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم کی حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی کے دامن اصلاح وتربیت سے وابستگی اور حضرت مولانا کا حضرت حاجی صاحب کے ممتاز بلکہ چند منتخب اور قابل فخر خلفاء اور مجازین بیعت میں بھی نمایاں ہونا، کسی وضاحت و تفصیل کا محتاج نہیں۔

مولانا حضرت حاجی سے نوعمری سے واقف تھے کیوں کہ حضرت حاجی صاحب کی نیہال اسی خاندان میں تھی، جو مولانا محمد قاسم کے آباء واجداد کا خاندان تھا، اس رشتہ کی وجہ سے حضرت مولانا کا خاندان اور گھرانہ حضرت حاجی صاحب کا بھی گھر اور خاندان تھا، حاجی صاحب کا نانوتہ کثرت سے آنا جانا رہتا تھا اور بچپن سے حاجی صاحب سے تعارف تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم اور مولانا محمد یعقوب (جو بچپن کے ہم جولی بھی تھے) اوائل عمر سے حاجی صاحب سے مانوس تھے۔ حضرت حاجی صاحب نے ان دونوں کو کتابوں کی جلدیں بنانا اور جزبندی کرنا سکھایا تھا۔ اس تعارف اور ملاقات میں دوستی اور روابط کی جگہ عقیدت و محبت کا عنصر زمانہ طالب علمی میں اُس وقت شامل ہوا جب یہ دونوں صاحبان حضرت

---

[1] حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی (ولادت ۱۲۰۴ھ وفات ۱۲۶۷ھ) ہندوستان کے نامور عربی فاضل، ممتاز ترین عالم اور اپنے عہد کی دینی تعلیمی زندگی کے قافلہ سالار اور روح رواں اور بعد کے دور کے متعدد بڑے علماء مصلحین دینی تعلیمی اداروں کے رہنماؤں، مفکرین، مورخین اور اصحاب علم ودانش کے استاد اور مربی ورہنما تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم، مولانا رشید احمد گنگوہی، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ، مولوی سمیع اللہ دہلوی، کریم الدین پانی پتی جیسے نامور اہل علم و کمال مولانا کے شاگرد تھے۔

مولانا کی متعدد تصانیف اور حاشیے اور ترجمے علمی یادگار ہیں۔ مفصل حالات کے لیے رجوع فرمائے، راقم سطور نورالحسن راشد کی تالیف تذکرہ استاذ العلماء مولانا مملوک العلی نانوتوی...... رحمہ اللہ تعالیٰ

مولانا مملوک العلی[1] سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے دہلی گئے اور دونوں کا حضرت مولانا مملوک العلی کے مکان محلہ کوچہ چیلان دہلی میں قیام ہوا۔

حضرت مولانا مملوک العلی کے احوال و خدمات سے واقف سب اصحاب ہی جانتے ہیں کہ طلبہ کی تعلیم و تربیت مولانا مملوک العلی کی ہمہ وقت مصروفیت اور دن رات کا ایسا مشغلہ تھا کہ مولانا مملوک العلی کے حاضر باش شاگردوں کا قول ہے کہ مولانا کو طلبہ کے اسباق میں مشغولیت کی وجہ سے ایک لحہ فرصت کا میسر نہیں تھا۔[1] حضرت مولانا سے تعلیم کے مشتاق طلبہ کو بعض اوقات حضرت مولانا سے ایک سبق پڑھنے کے لیے وقت لینے میں ہفتوں اور مہینوں گزر جاتے تھے اور مولانا مملوک العلی کے پاس اتنا بھی وقت فارغ نہیں ہوتا تھا کہ ہفتہ میں ایک نئے سبق کی گنجائش نکال لیں، حالانکہ مولانا مملوک العلی طلبہ کو مایوس لوٹا دینا ایک طرح سے گناہ اور برا سمجھتے تھے، مگر فرصت نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہو جاتے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی بھی سلم العلوم کا سبق پڑھنے میں یہی دشواری پیش آئی تھی، دونوں مولانا مملوک العلی سے سلم العلوم پڑھنا چاہتے تھے،[2] مولانا وقت کے فقدان کی وجہ سے معذوری ظاہر کرتے تھے، مگر ان دونوں کے متواتر تقاضہ پر ہفتہ میں ایک سبق کے لیے کسی طرح گنجائش نکال لی گئی، ایسے سبق کی شاگردوں اور استاذ دونوں کی نظروں میں

---

[1] مولانا مملوک العلی کے ایک شاگرد اور ان کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہنے والے مولوی کریم الدین پانی پتی نے لکھا ہے کہ:

رات دن سوا ان کے مدرسہ کے ان کے گھر پر طلبہ پڑے رہتے ہیں ہر وقت ان کو گھیرے رہتے ہیں اور وہ خلیق اس طرح کے ہیں کہ کسی سے انکار نہیں کر سکتے۔ سب کو پڑھاتے ہیں تمام شب اور دن میں شاید دو پہر رات کو آرام کرنا ان کو نصیب ہوتا ہوگا ورنہ رات دن درس دہی میں طلبہ میں گزرتا ہے۔ طبقات شعرائے ہند ص ۴۶۴ عکس اول لکھنو: ۱۹۸۳ء

[2] سلم العلوم، منطق میں قدیم نظام درسیات کی ایک اہم پیچیدہ اور مشکل کتاب جس کے مصنف ملا محب اللہ بہاری (وفات ۱۱۱۹ھ) تھے۔

تذکرۃ الرشید (حالات و سوانح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی) تالیف مولانا عاشق الٰہی میرٹھی صفحہ ۴۸ ج ۱ (عکس طبع اول: سہارنپور ۱۹۷۱ء)

جو قدر و قیمت ہو گی، محتاج بیان نہیں۔ لیکن اگر حضرت حاجی امداد اللہ مولانا مملوک العلی کے یہاں آجاتے تھے تو ایسا عزیز اور قیمتی وقت بھی حضرت حاجی صاحب کے لیے وقف ہو جاتا تھا اس وقت میں جو اسباق طے ہوتے وہ سب ختم ہو جاتے تھے اور مولانا فرمادیا کرتے تھے!

"لو بھائی! اب حاجی صاحب آگئے، حاجی صاحب آگئے، اور حضرت مولانا نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ لو بھائی رشید اب سبق پھر ہو گا"[۱]

اگرچہ حضرت مولانا مملوک العلی حضرت حاجی صاحب کے والد سے بھی غالباً بڑے تھے اور حاجی صاحب تو مولانا مملوک العلی سے (ولادت ۱۲۰۴ھ) سے تقریباً انتیس سال (ولادت حاجی امداد اللہ ۱۲۳۳ھ) چھوٹے تھے اور اس زمانہ میں حضرت مولانا مملوک العلی کا دہلی کے علمی تعلیمی حلقوں میں جو مقام تھا اور علم و کمال کے جس مرتبہ پر وہ فائز تھے، وہ علمی حیثیت سے حاجی صاحب کی ظاہری علمی لیاقت سے بہت بلند تھا۔ مگر مولانا مملوک العلی حاجی صاحب کے ساتھ اکرام و احترام کا جو معاملہ فرماتے تھے وہ ایسا تھا جو اپنے بڑے بزرگوں یا زیادہ سے زیادہ عالی مرتبہ معاصرین کے ساتھ کیا جاتا ہے حضرت مولانا کی طرف سے حاجی صاحب کی اس قدر و منزلت کی وجہ سے حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم کو یہ فیصلہ کرنے میں غالباً دیر نہیں ہوئی کہ حضرت حاجی امداد اللہ کا مقام و مرتبہ اس سے بہت بلند ہے جو وہ اب تک سمجھتے تھے۔ اسی خیال کی وجہ سے اب حاجی صاحب سے رشتہ داری اور کسی قدر دوستی کے تعلقات، عقیدت و محبت میں بدل گئے تھے۔ اس عقیدت و محبت میں اضافہ ہوتا رہا اور اس دوران معرفت و سلوک میں حاجی صاحب کے بلند مقام اور ممتاز مشائخ سے حاجی صاحب کو اجازت و خلافت کا بھی ذکر آتا رہا ہو گا، مگر دونوں ہی

[۱] تذکرۃ الرشید صفحہ ۴۱، جلد اول (عکس طبع اول، سہارنپور: ۱۹۷۰ء)

صاحبان نے حاجی صاحب سے بیت کا ارادہ نہیں کیا، زمانۂ تعلیم کے اختتام تک حضرت مولانا محمد قاسم اور مولانا گنگوہی کا شاہ عبدالغنی مجددی[1] بیت سے ہونے کا خیال تھا[2] مگر بیعت کا فیصلہ نہیں کر سکے تھے کہ دونوں صاحبان کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وطن واپس آگئے۔

مگر اصلاح اور تربیت باطن اور صفائی قلب کے لیے کسی خدار سیدہ اور کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا خیال تازہ رہا۔ اسی درمیان حضرت مولانا گنگوہی نے گنگوہ میں درس تعلیم شروع فرمادی، غالباً سبق میں یک اختلافی بحث پر گفتگو ہوئی، جو (معروف روایت کے مطابق) مولانا شیخ محمد تھانوی[3] تک پہنچی، کہا جاتا ہے کہ مولانا گنگوہی مولانا شیخ محمد سے بحث و تحقیق کے لیے گنگوہ سے تھانہ بھون آئے تھے[4] مگر اس سے پہلے کہ مولانا کی مولانا شیخ محمد تھانوی سے ملاقات ہوتی،

---

[1] حضرت شاہ عبدالغنی بن ابی سعید مجددی دہلوی حضرت مجدد الف ثانی (احمد بن عبدالاحد) سرہندی کی اولاد میں تھے برگزیدہ عالم شہرہ آفاق محدث اور جلیل القدر مربی و شیخ و طریقت تھے، ہندوستان اور عالم عرب میں حدیث شریف کا چرچا عام ہونے میں حضرت موصوف کی خدمات کا بھی بڑا حصہ ہے۔ سنن ابن ماجہ اور دیگر تصانیف کا حاشیہ علمی یادگار ہیں۔ سنہ میں ہندوستان سے مدینہ منورہ ہجرت کی اور زندگی کے آخری دن تک اسی مبارک شہر میں درس حدیث کا غلغلہ بلند رکھا۔ مدینہ پاک میں وفات ہوئی، بقیع میں دفن کیے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

[2] حضرت حاجی امداد اللہ کا بھی مولانا سید نصیر الدین اور میانجیو نور محمد جھنجھانوی سے بیعت کا پہلے سے ارادہ نہیں تھا، شاہ سلیمان تونوی سے بیعت ہونا چاہتے تھے۔ تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۸۱ جلد دوم۔ مگر جہاں سے استفادہ قسمت میں ہوتا ہے وہی ہو جاتا ہے۔

[3] مولانا شیخ محمد بن احمد اللہ تھانوی ــــہ میں ولادت ہوئی وطن اور نواح کے علماء سے تعلیم کے بعد حضرت شاہ محمد اسحاق کی خدمت میں درس حدیث لیا حضرت سید احمد شہید کی بچپن میں زیارت کی تھی اپنے عہد کے نامور عالم مدرس اور مصنف تھے حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی سے سلسلہ چشتیہ میں اور مولانا شاہ محمد یعقوب (برادر شاہ محمد اسحاق) سے سلسلہ نقشبندیہ میں اجازت حاصل تھی متعدد تالیفات علمی یادگار ہیں۔ ۱۹۲۶ھ میں تھانہ بھون میں وفات ہوئی۔

[4] یہ روایت تذکرۃ الرشید کے ذریعہ سے عام ہوئی تھی مگر تھانہ بھون کے اہل علم اصحاب نے اسی وقت اس پر مفصل تنقیدیں لکھیں تھیں۔ ایک تحریر راقم سطور کے ذخیرہ میں بھی (غیر مطبوعہ) محفوظ ہے۔ اصحاب تھانہ بھون کی مذکورہ تنقیدات سے قطع نظر، کیوں کہ راقم جو کہنا چاہتا ہے اس کا ان حضرات نے ذکر بلکہ اشارہ بھی نہیں کیا، یہ ہے کہ مولانا شیخ محمد تھانوی کی کتاب "دلائل الاذکار فی الذکر بالجہر والاسرار" پر حضرت مولانا رشید احمد کی مختصر تقریظ ہے، جس میں مولانا گنگوہی نے مولانا شیخ محمد کو دو مرتبہ استاذی لکھا ہے۔ تحریر کے آغاز پر ہے۔

محلہ صحیفۂ سون، کاندھلہ

۱۳۲۱ھ ۰۰۰

حضرت حاجی امداد اللہ کا نیاز حاصل ہو گیا۔ حضرت حاجی صاحب کو جب مقصد سفر معلوم ہوا تو اس بحث مناظرہ سے منع کیا، حضرت مولانا گنگوہی کی سلامتی طبیعت اور حاجی صاحب کے مقام و عرفان کے احساس نے اس بات کو ماننے پر مجبور کیا، مولانا گنگوہی نے مولانا شیخ محمد سے گفتگو کا خیال دل سے نکال دیا، اور اسی ملاقات میں حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے[1]

مولانا گنگوہی کی حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت اور خلافت و اجازت کی پر مسرت خبر حضرت مولانا قاسم کو ملی اور حضرت مولانا نے بھی حضرت حاجی صاحب کے دامن سے وابستہ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

حضرت مولانا گنگوہی کی حضرت حاجی صاحب کے بیعت میں سبقت اور حضرت مولانا گنگوہی کے حاجی صاحب سے بیعت ہونے کے فیصلہ کا حضرت مولانا گنگوہی ذکر فرمایا کرتے تھے، مولانا عاشق الٰہی نے اس تذکرہ میں حضرت مولانا گنگوہی کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

> "مولوی محمد قاسم نے اعلا حضرت کی تعریفیں کر کے ہمیں مرید کرایا، اور بعد میں اعلیٰ حضرت سے اصرار و کوشش کر کے مولوی محمد قاسم صاحب کو ہم نے مرید بنوایا"[2]

"مجمع علوم نقلی و عقلی، منبع برکات علوی و سفلی، استاذی و ملجائی و ملاذی، ملک العلماء، رئیس الفضلاء، تاج الاتقیا شیخ المشائخ العرفاء، جناب مولانا الحاج مولوی شیخ محمد تھانوی............ دلائل الاذکار صفحہ ۹۸ طبع اول: مطبع فخر المطابع دہلی: ۱۲۷۰ (۱۸۵۴ء) اسی تحریر کے آخر میں استاذی کا لاحقہ دوبارہ اس طرح استعمال ہوا ہے:

"نزد فقیر ہمیں است کہ او ستاذ، مصنف کتاب ہذا تحریر فرمودہ، مد ظلہ العالی"

دلائل الاذکار کی یہ پہلی اور آخری طباعت ہے جو فخر المطابع دہلی سے ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۴ء) میں شائع ہوئی تھی اس لیے خیال ہے جس شخص کو حضرت مولانا دو جگہ استاذی لکھ رہے ہوں، ملاذی و ملجائی سے یاد کرتے ہوں ان سے مناظرہ کرنے گئے ہوں اور ان پر "گرتے ہیں شہ سوار ہی میدان جنگ میں" کی پھبتی کسی ہو، قابل تسلیم نہیں ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مولانا شیخ محمد تھانوی، شاہ محمد اسحاق کے ممتاز ترین اور ایسے شاگردوں میں سے تھے جن کی حضرت شاہ صاحب کی ہندوستان میں موجودگی کے وقت سے علمی شہرت تھی اور حضرت شاہ عبدالغنی شاہ محمد اسحاق کے آخری دور کے شاگردوں میں ہیں، حضرت مولانا نے اپنے استاد کے بزرگ عالم سے ایسا معاملہ کیا ہو، طبیعت قبول نہیں کرتی۔

[1] تذکرۃ الرشید ص ۴۴ تا ص ۹ جلد اول۔ [2] تذکرۃ الرشید ص ۴۴ جلد اول

حضرت مولانا اس اطلاع کے بعد غالباً جلد ہی حضرت حاجی صاحب سے بیعت ہوگئے ہوں گے، مگر اس کی تاریخ یا سنہ راقم سطور کو نہیں ملا۔ حضرت گنگوہی (ولادت: ۱۲۴۴ھ) مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کی اطلاع کے مطابق اکیس سال کی عمر (۱۲۶۵) میں تعلیم سے فارغ ہوئے دہلی سے وطن واپسی کے ایک ڈیڑھ سال بعد حاجی صاحب سے بیعت ہوئے، تو یہ واقعہ ۶۷-۱۲۶۶ھ (۱۸۵۱ء) کا ہوگا، حضرت مولانا محمد قاسم اس سال کے آخر میں بیعت ہوئے ہوں گے اس وقت حضرت مولانا کی عمر اٹھارہ یا انیس سال کی ہوگی، مگر افسوس ہے کہ حاجی صاحب سے بیعت، حاجی صاحب کی خدمت میں آنے جانے کے معمول، حاجی صاحب کی ہدایات، طریقہ تعلیم و تربیت کی تفصیل اور اس اصلاحی مراسلت کا کوئی حصہ ہمارے علم میں نہیں ہے جو بیعت کے وقت سے معرکہ شاملی کے وقت تک تقریباً سات سال دونوں حضرات کے درمیان ہوئی ہوگی۔ حضرت حاجی صاحب کے نام حضرت مولانا کے جو خطوط ملے ہیں وہ بیعت بلکہ اجازت و خلافت عطا ہونے کے برسوں بعد کے ہیں، مگر ان خطوط میں بھی اس درجہ کا انکسار، فنائیت اور بے نفسی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس لیے خیال ہوتا ہے کہ بیعت کے بعد جو خط و کتابت ہوئی ہوگی وہ اس موضوع کی مراسلت پر ایک بڑا اضافہ اور بیش بہا تحفہ ہوگی، لیکن

یک حرف کاشکے ست کہ صد جا نوشتہ ایم!

۱۸۵۷ء کو معرکہ شاملی ہوا، جس میں حافظ محمد ضامن شہید ہوئے۔ اس کے بعد جب تھانہ بھون پر انگریزی فوج کی یلغار ہوئی اور تھانہ بھون ویران ہوا، اس وقت حاجی صاحب اور تھانہ بھون کے رہنے والے وہاں سے نکل گئے تھے، اگرچہ حاجی صاحب اس معرکہ کے تقریباً ایک سال تک ہندوستان میں رہے، مگر یہ تمام وقت روپوشی میں گزرا۔ یہ تو ممکن ہے کہ اس درمیان حاجی صاحب سے حضرت مولانا کی ملاقاتیں ہوئی ہوں، مگر حالات ایسے سخت تھے کہ ملاقات اور

رابطہ ہی سزائے موت کے لیے کافی تھا، خط و کتابت ناممکن تھی، اس لیے اس زمانہ میں خط و کتابت کا اور اس مراسلت کے محفوظ ہونے کا امکان بہت کم ہے۔

حضرت حاجی صاحب معرکہ ۱۸۵۷ء کے تقریباً ایک سال بعد ہندوستان سے نکلے تھے اور غیر معروف طول طویل راستے سے گزر کر غالباً ۱۸۵۹ء میں مکہ معظمہ پہنچے۔ اس وقت حاجی صاحب کا باغیوں کی فہرست میں نام تھا اور خبر دینے پر بڑے (ایک ہزار روپے) انعام کا اعلان بھی تھا، اس وجہ سے اس عرصہ میں حاجی صاحب سے براہ راست خط و کتابت کا بہت کم امکان تھا۔ ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے عام معافی کے اعلان کے بعد حالات کچھ بہتر ہوئے اور حاجی صاحب کے مکہ مکرمہ پہنچنے کے ایک ڈیڑھ سال ہندوستان کے اہل تعلق سے خط و کتابت کی ابتدا ہوئی، لیکن اس زمانہ میں تقریباً ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ء) تک، حضرت حاجی صاحب نے اپنے متعلقین کو جو خطوط روانہ فرمائے ہیں، ان میں حاجی صاحب نے اپنا نام عبدالکریم لکھا ہے۔

خیال رہا ہوگا، کہ میرا خط ملنے کی وجہ سے میرے عزیزوں، متعلقین سے پوچھ کچھ ہو اس لیے یہ معنوی نام اختیار کر لیا تھا، اس دور میں جو خط حضرت مولانا قاسم کے نام صادر ہوئے ہیں ان کے لکھنے والے عبدالکریم اور مکتوب الیہ خورشید حسین تھے، خورشید حسین حضرت مولانا محمد قاسم کا تاریخی نام تھا، مرقومات امدادیہ میں بعض خطوں پر یہ نام اسی طرح درج ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد اس کا اہتمام ختم ہو گیا تھا اور عام معمول کے مطابق خط و کتابت ہوئی تھی۔ حضرت حاجی صاحب اور حضرت مولانا سے کثرت سے مراسلت ہوتی تھی اور روابط

۱۔ مرقومات امدادیہ حضرت حاجی صاحب کے ساٹھ مکتوبات کا مجموعہ ہے، جس میں سے چودہ مکتوبات حضرت مولانا محمد قاسم کے نام صادر ہوئے ہیں، سات صرف مولانا محمد قاسم کے نام ہیں اور سات دوسرے رفقاء کے نام مشترک ہیں، تفصیل یہ ہے۔
خاص: مکتوبات ۱، ۳، ۵، ۱۶، ۱۹، ۲۲، ۳۶۔
مشترک: مکتوبات ۲، ۱۳، ۱۵، ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۸
ملاحظہ ہو مرقومات امدادیہ (مجموعہ مکتوبات حضرت حاجی امداد اللہ دہلی: ۱۹۷۹ء)

رہتے تھے۔ اور یہ خطوط حضرت حاجی صاحب کے عزیزوں رشتہ داروں، مولانا محمد قاسم کے اپنے متعلقین و اہل خاندان اور دونوں حضرات کے گھر اور خاندان سے وابستہ قصبات کے احوال و کیفیات و تذکرہ پر مشتمل ہوتے تھے، مگر افسوس ہے کہ اس مراسلت کا بہت کم حصہ محفوظ ہے۔ حضرت مولانا کے نام حضرت حاجی صاحب کے چودہ مکتوبات مرقومات امدادیہ میں شامل ہیں۔ مرقومات کے علاوہ حضرت حاجی صاحب کے مکتوبات کے جو اور مجموعے دستیاب ہیں، ان میں حضرت مولانا کے نام خطوط درج نہیں۔ مرقومات امدادیہ میں درج یہ خطوط حضرت مولانا کے خطوط کے جواب میں لکھے گئے ہیں، لیکن حضرت مولانا کے وہ خطوط اب تک دریافت نہیں ہوئے، جو ان جوابات کے تحریر کا محرک ہوئے تھے اور زیر تعارف مجموعہ مکتوبات کے مندرجات میں کوئی ایک خط بھی ایسا نہیں ہے جس کے کسی اندراج یا سوال کا حضرت حاجی صاحب کے مطبوعہ مکتوبات میں جواب آیا ہو، یعنی مرقومات امدادیہ میں حاجی صاحب کے مکتوبات بنام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ طرفین کی مراسلت کا ایک چھوٹا اور ناتمام حصہ ہیں۔ اس لیے خیال ہے کہ حضرت مولانا اور حاجی صاحب صاحب کی مراسلت کا مکمل مجموعہ ایک خاصا بڑا ذخیرہ ہوگی، افسوس ہے کہ اس قیمتی مراسلت کا اکثر حصہ ہماری نگاہوں سے دور ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک چھوٹی مگر اہم اور کمیاب بلکہ نایاب کڑی حضرت مولانا کے وہ چند خطوط ہیں جو مولانا نے ۱۲۹۱ھ سے ۱۲۹۳ھ تک حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں مکہ مکرمہ ارسال فرمائے تھے۔ حضرت مولانا کے ان مکتوبات میں سے گیارہ خط ایک اہم مجموعہ مکتوبات میں نقل ہو کر محفوظ ہوگئے ہیں، اس مجموعہ مکتوبات میں ایسے کچھ خطوط نقل کیے گئے جو حضرت حاجی امداد اللہ کو حاجی صاحب کے نامور خلفاء اور ممتاز ترین مترشدین لکھے تھے۔ یہ کل تیس مکتوبات ہیں، اس کے بعد اس مجموعہ میں وہ خطوط درج ہیں جو حضرت مولانا خلیل انبٹوی مہاجر مدنی نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو لکھے تھے۔

مکتوبات کی نوعیت کے پیش نظر دو حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے، مکتوبات بنام حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مکتوبات بنام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔

قسم اول میں سب سے پہلے حضرت مولانا گنگوہی کے مکتوبات ہیں، پھر حضرت مولانا محمد قاسم کے اور آخر میں مولانا محمد یعقوب کے خطوط درج کئے گئے ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے چھ گرامی نامے ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم کے گیارہ اور مولانا محمد یعقوب کے تیرہ، کل تیس خط ہیں۔ دوسرے باب یا حصہ میں حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹوی کے چھیالیس گرامی نامے ہیں، جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی حذمت میں بھیجے گئے تھے۔ یعنی یہ کل مجموعہ مکتوبات چھہتر خطوط پر مشتمل ہے، تیس خط باب اول میں، چھیالیس باب دوم میں آئے ہیں۔

افسوس ہے کہ اس مجموعہ پر اس کے مرتب کا یا کاتب کا نام، مقام سنہ کتابت وغیرہ کچھ درج نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے والے کا کام اچانک رک گیا، وہ اپنے ارادہ اور منصوبہ کے مطابق اس کو پورا نہیں کر سکے۔ مگر اس مجموعہ کی تحریر اور رسم خط سے یہ خیال ہے کہ اس مجموعہ کے پہلے ۲۵ صفحات (آدھے سے زائد حصہ) غالباً مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کے قلم کا لکھا ہوا ہے اور بیس صفحات مولانا عبداللہ گنگوہی نے نقل کئے ہیں۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو اس مجموعہ کی کتابت یقیناً ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۰ء) سے پہلے ہوئی ہو گی، جو مولانا عبداللہ گنگوہی کا سن وفات ہے اور آخری کچھ حصہ مولانا کی وفات کے بعد نقل ہوا ہے۔

یہ رسالہ ۳۶/۱۶ سینٹی میٹر سائز کے کل پینتالیس صفحات پر مشتمل ہے، بہت معمولی زرد، ردی کاغذ پر نقل کیا گیا ہے۔ کاغذ ایسا خستہ اور شکستہ ہے کہ بہت احتیاط سے ہاتھ لگانے پر بھی ورق کے ٹوٹ کر گر جانے کا ڈر رہتا ہے، اس مجموعہ کا خاصا حصہ باریک قلم اور لال روشنائی سے لکھا ہوا ہے، کاغذ کی خرابی اور کمزوری مستزاد ہے، اس لیے اس تحریر اور نسخہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے یہی خیال اس

نسخہ کی نقل اور حفاظت و اشاعت محرک ہوا ہے۔ اس مجموعہ مکتوبات میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے جو خطوط شامل کئے گئے ہیں وہ سب فارسی میں ہیں اور ان کی نقل میں تاریخ تحریر، یا تاریخی ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا، جو خط (غالباً) جب ملا اس مجموعہ میں شامل کر لیا گیا۔ جس کی وجہ سے ترتیب بہت خراب ہو گئی، جو خطوط پہلے لکھے گئے تھے وہ بعد میں آئے، بعد کے خطوط شروع میں نقل ہو گئے۔ اس بے ترتیبی اور تاریخ تحریر کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے کہ بعض خطوط کی عبارت میں بھی غالباً غلطی ہوئی، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ عبارت یا سطور جو ایک متأخر خط کی تھیں ایک ایسے خط میں درج ہو گئیں جو ان خطوط کی تاریخی ترتیب سے پہلا خط ہے، جس کی وجہ سے خطوط کو تاریخی ترتیب پر مرتب کرنے میں خاص الجھن رہی، مگر چونکہ تقریباً ہر ایک خط میں کسی واقعہ، شادی، نکاح، بیماری یا وفات کا ذکر ہے اور ان حوادث میں سے کچھ کی تاریخیں اُن ہی خطوط میں موجود ہیں۔ کچھ اور ایسے واقعات کی صحیح تاریخیں دوسرے معتبر مآخذ سے معلوم ہو گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ فیصلہ آسان ہو گیا ہے کہ اس مجموعہ میں شامل خطوط بلا ترتیب نقل کئے گئے اور یہ بھی کہ ان کی تاریخی ترتیب کیا ہے، اس لیے راقم سطور نے مرتبٔ یا قلمی نسخہ کی ترتیب کو نظر انداز کر کے جملہ خطوط کو تاریخ تحریر کے مطابق مرتب کرنے کی کوشش کی ہے اور اصل نسخہ میں اس خط کا جو نمبر شمار تھا احتیاطاً وہ بھی لکھ دیا ہے، کہ اگر کسی صاحب ذوق کو ضرورت ہو تو ان کو اصل نسخہ سے مراجعت میں زحمت نہ ہو۔

اس زمانے میں جب یہ خطوط تحریر کئے گئے ہندوستان سے (بیرونی) ڈاک کا مسلسل معقول نظام موجود نہیں تھا۔ ساکنان ارض حرم کی ہندوستان اور دیگر ممالک سے اور ہندوستان نیز دوسرے ملکوں کے لوگوں کی حرمین شریفین میں اپنے بزرگوں، عزیزوں سے رابطہ اور مراسلت کی (عموماً) یہی ایک صورت تھی جب کوئی شخص حج یا عمرہ کے سفر پر نکلتا، متعلقہ اصحاب کے لیے خطوط لے جاتا،

جب ادھر سے آتا تو وہاں والوں کی تحریرات اور مکتوبات سے مسرور و شاد کام فرماتا۔ اسی طرح حضرت مولانا نانوتویؒ بھی حجاز جانے والے اصحاب کے ذریعہ سے حاجی صاحب کی خدمت میں خطوط بھیجا کرتے تھے اور حضرت حاجی صاحب واپس آنے والے حجاج کے بدست ان کے جوابات سے سر فراز فرماتے تھے۔

زیر تعاون قلمی مجموعہ مکتوبات میں درج حضرت نانوتوی کے خطوط اور مرقومات میں حضرت حاجی صاحب کے جوابات سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت نانوتوی کی حضرت حاجی صاحب سے کثرت سے خط و کتابت رہتی تھی، کیوں کہ یہ خط جو اس مجموعہ سے زیر نظر صفحات میں پیش کئے جارہے ہیں گیارہ خط ہیں۔ جو ۱۲۹۱ھ سے ۱۲۹۳ھ (۷۶۔۱۸۷۴ء) تک صرف تین سال کی مراسلت کا (غالباً) ناتمام حصہ ہیں۔ اگر ان تین سال کی بھی مکمل مراسلت محفوظ ہوتی تو شاید وہ بھی بیسیوں خطوں پر مشتمل ہوتی۔

اوپر گزرا ہے کہ حضرت مولانا کا حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں کثرت سے خطوط بھیجنے کا معمول تھا اور زیر نظر مراسلت سے بھی یہی معلوم ہورہا ہے، اگر تمام خطوط محفوظ ہوتے تو یقیناً خاصا بڑا ذخیرہ ہوتا، مگر وہ خطوط (بہ ظاہر) محفوظ نہیں رہے۔ زیر نظر خطوط کے نقل اور محفوظ ہونے کی بھی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مولانا نے یہ خطوط اپنے خاص شاگردوں اور مستفیدین مثلاً سید احمد حسن امروہوی، مولانا عبدالغنی پھلاودی وغیرہ کو اس وقت لکھ کر عنایت کئے تھے جب یہ صاحبان حج کے لیے گئے تھے اور یہ دونوں صاحبان حضرت مولانا کے قلم سے لکھی ہوئی ایک ایک سطر کو عزیز رکھتے تھے اور اس کی نقل محفوظ کرنے کا اہتمام کرتے تھے ممکن ہے حضرت مولانا کے پیش نظر مکتوبات کی نقل بھی ان ہی حضرات کے فیض و توجہ کا اثر ہو۔

ابھی گزرا ہے کہ یہ خطوط ۱۲۹۱ھ سے ۱۲۹۳ھ تک تحریر کئے گئے تھے اور ان میں سے بعض خطوط کے درمیان بہت کم وقفہ تھا، اس لیے خطوط کے بعض

مضامین تکرار ہے اور ایک ہی بات بار بار لکھی ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مولانا کے چند شاگرد اور نیاز مند چند ہفتوں یا دنوں کے معمولی وقفوں سے سفر حج پر روانہ ہوئے اور ان میں سے ہر ایک حضرت مولانا کے توسط سے حضرت حاجی صاحب کی خاص توجہ اور دعا کا متمنی تھا اور ہر ایک اس مقصد کے لیے حضرت مولانا سے تعارفی خط یا سفارش نامہ لکھوانا چاہتا تھا، ظاہر ہے کہ ایسے خطوط میں جو قلیل وقفہ سے لکھے گئے ہوں، تازہ واقعات اور ایک مضمون کی تکرار غیر متوقع نہیں اور چوں کہ اس وقت کے سفر کے حالات کی وجہ سے بعض حاجیوں اور خطوں کے نہ پہنچنے کا بھی خاصا اندیشہ رہتا تھا اس لیے بھی ایک ہی مضمون کئی خطوں پر دہرایا گیا ہوگا۔

زیر نظر خطوط سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت مولانا اپنے ایسے متوسلین کو جو مولانا سے بطور خاص سلوک و تربیت کے طالب ہوتے تھے، حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے۔

نیز یہ خط بعض ایسی معلومات بھی فراہم کرتے ہیں جو اب تک نہ معلوم تھیں، مثلاً ان میں حضرت مولانا کے والد شیخ اسد علی اور مولانا کی والدہ ماجدہ کی تاریخ وفات درج ہے، جو اس وقت تک دریافت اور کسی مآخذ و تحریر میں درج نہیں نیز ان خطوط کے ذریعہ سے مولانا کے تیسرے صاحبزادے محمد کی ولادت اور وفات کا بھی علم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا توکل و استغناء کے ایسے بلند مقام پر فائز تھے جو ہر ایک کا نصیب نہیں، حضرت مولانا نے پوری زندگی میں جاہ و منصب عہدہ و اقتدار اور مال و دولت کی طرف ایک لمحہ کے لیے بھی توجہ نہیں کی بڑے بڑے مقتدر رؤسا، نوابوں اور اہل ثروت کے گراں قدر نذرانوں اور ہزاروں لاکھوں روپیوں کے عطیات کو بے پروائی کے ساتھ رد کر دیا اور جسم و روح کے رشتہ کو جوڑے رکھنے کے لائق ضروریات کے سوا کبھی کسی دنیاوی چیز کو نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور

اسی شان استغناء کے ساتھ فقر اختیاری میں پوری زندگی گزار دی۔

حضرت مولانا کی زندگی کا کوئی لمحہ معلوم نہیں ہے، جو طلب دنیا سے آلودہ ہوا ہو، مگر اس کے باوجود وہ حضرت حاجی صاحب سے ایسی لجاجت کے ساتھ دعا اور توجہ کی درخواست کرتے ہیں کہ خاص طور پر دعا فرمایئے کہ میرے پاؤں دنیا کی طلب میں نہ اٹھ جائیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی روحانی کیفیات مدارج سلوک اور سفر معرفت کے بھی نقوش ثبت فرماتے ہیں۔

(الف) ان خطوط سے اگر ایک طرف حاجی صاحب کے اپنے اہل تعلق کی خیر و خبر رکھنے کا، ان کی مسرت سے خوش اور ان کے رنج و غم میں شریک رہنے کا علم ہوتا ہے، تو دوسری طرف حضرت مولانا کی سعادت مندی اور جذبۂ خدمت کا تأثر بھی بہت واضح ہے۔ صاف معلوم ہو رہا ہے کہ مولانا، حضرت کے متوسلین کی برائی بھلائی کی واقفیت رکھتے تھے اور حضرت حاجی صاحب کو ان سے مطلع فرماتے رہتے تھے۔

(ب) حضرت حاجی صاحب کے ہندوستان میں جو عزیز و اقارب تھے ان سب کے احوال و کیفیات کا ذکر ہے۔ خوشی اور غمی، لین دین اور باہم مراسم و تعلقات ہر قسم کے واقعات کی ایک جھلک ان خطوط میں دیکھی جا سکتی ہے۔ خود مولانا کے خاندان اور اعزاء میں کیا ہو رہا ہے کون خوش و خرم ہے اور کون بیمار و پریشان ہے، نیز ان خطوط میں نانوتہ، دیوبند اور تھانہ بھون نیز کاندھلہ جلال آباد، گنگوہ، انبیٹہ، گڈھی میاں بھائی وغیرہ قصبات و نواح کا بھی ذکر ہے، جہاں حضرت حاجی صاحب کا قرابت و نسبت کا کچھ رشتہ تھا یا وہاں حضرت حاجی صاحب کے متوسلین رہتے تھے۔

(ج) یہ خطوط اس پہلو سے بھی بہت قابل قدر اور لائق استفادہ ہیں کہ ان میں حضرت مولانا کے ذاتی احوال کی جس قدر جھلک مل جاتی ہے ویسی اس وقت تک معلوم، مولانا کے کسی اور خط یا تحریر میں نظر نہیں آتی۔ اس میں حضرت

مولانا نے اپنے گھریلو واقعات و حوادث کا بھی ذکر کیا ہے، اور یہ خطوط اس لحاظ سے بھی ایک منفرد یادگار ہیں کہ ان میں حضرت مولانا نے اپنے متعدد ممتاز شاگردوں کا حضرت حاجی صاحبؒ سے تعارف کرایا ہے، ان شاگردوں کی حضرت مولانا کی نگاہ میں جو قدر و منزلت تھی اس کا بھی ان خطوط میں ذکر ہے۔ مولانا احمد حسن امروہوی، مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا محی الدین احمد خاں مراد آبادی کا تذکرہ ملاحظہ ہو۔

ان خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا اپنے شاگردوں میں مولانا احمد حسن امروہوی کو سب سے زیادہ باصلاحیت فہیم اور اپنا قائم مقام سمجھتے تھے۔

نیز ان خطوط سے حضرت کے مذکورہ شاگردوں کی حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضری اور تربیت سلوک کا بھی پتہ چلتا ہے، جس کا دوسرے خطوط میں بہت کم ذکر ہے۔ نیز یہ بھی زیر نظر مکتوبات میں سے پہلے چار گرامی نامے سہ ماہی احوال و آثار کاندھلہ کے شمارہ شوال، ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ (اپریل جون ۱۹۹۵ء) میں چھپے تھے جو مکتوبات کے اصل قلمی نسخہ کی ترتیب کے مطابق تھے، مگر بعد میں مکتوبات کی اس ترتیب پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی اور معلوم ہوا کہ مکتوبات کے جامع کی صرف مکتوبات نقل کرنے پر توجہ رہی ہے، خط کی نقل میں ان کی تاریخ تحریر و ترتیب وغیرہ کا خیال نہیں رکھا گیا، لہٰذا راقم سطور نے کوشش کی ہے کہ زیر نظر نسخہ میں مکتوبات کو تاریخی ترتیب پر مرتب کردیا جائے، مگر دو مکتوبات (مکتوبات نمبر نمبر) کی تاریخ تحریر کا صحیح علم نہیں ہو سکا اور چند خطوط ایسے بھی ہیں کہ ان میں ایسا کوئی اشارہ نہیں جس سے تاریخ کی جانب اشارہ ہو جائے، اس لیے ان کو اصل نسخہ کی ترتیب پر باقی رکھا ہے۔

ان خطوط میں درج شخصیات کے متعلق کچھ معلوم ہو سکا حواشی میں درج ہے، تاہم چند مندرجات پر مزید معلومات کی ضرورت ہے۔

مکتوبات میں مذکور بعض شخصیات ایسی تھیں کہ ان متعلق معلومات کا کوئی ذریعہ راقم سطور کی دسترس میں نہیں ہے، ایک مشکل یہ بھی سامنے آئی کہ ایک ہی نام کی کئی شخصیتیں ہیں، ان کا متعین کرنا آسان نہیں۔ مثلاً قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان خطوط میں عبداللہ نام کے جن اصحاب کا ذکر ہے وہ چار یا زائد اشخاص تھے۔ ایک عبداللہ تھانوی، جو حضرت حاجی صاحب کے بھتیجے تھے اور (بہ ظاہر حضرت مولانا محمد قاسم کے بھی ایک عزیز تھے)۔

عبداللہ مہاجر مکی، جو حضرت حاجی صاحب کے خادم خاص تھے، حاجی صاحب ان کو میاں عبداللہ کے نام سے یاد فرماتے تھے ایک عبداللہ ہستان تھے، یہ بھی حضرت حاجی صاحب کے زمرۂ خدام اور حاضر باش اصحاب میں سے تھے۔ ایک اور میاں عبداللہ بھی تھے ان کا شادی کے چند دن بعد آغاز نوجوانی میں انتقال ہو گیا تھا، وہ غالباً ان دونوں کے علاوہ ہیں ان سب کا مولانا محمد قاسم کے ان خطوط میں ذکر آیا ہے۔

اس طرح کے مشترک نام و نسبت والے اشخاص کے حالات میں جو ایک زمانہ ایک علاقہ بلکہ ایک بستی اور ایک ہی خاندان کے ہوں، واضح فیصلہ مشکل ہوتا ہے، جب کہ صحیح روایات بھی کم یاب ہوں، اس لیے یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے تاہم کوشش کی گئی ہے کہ ہر اک متعلقہ کو علاحدہ اور معین کر دیا جائے۔

بہر حال جو کچھ اور جیسا کچھ ہو سکا قارئین کی نذر ہے امید ہے کہ اس کی فروگذاشتوں سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں گے اور ناچیز مرتب کو اپنی دعاؤں میں یاد فرماتے رہیں گے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا مولانا محمد وعلی الہ وصحبہ ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین ۔ واحشرنا فی زمرتہم۔

مجموعہ مکتوبات بنام حضرت حاجی امداد اللہ و حضرت مولانا گنگوہیؒ

(جس میں حضرت مولانا محمد قاسم کے مکتوبات بنام حاجی امداد اللہؒ بھی شامل ہیں) کا ایک صفحہ

مکتوب اول

(نوشتہ، شعبان ۱۲۹۱ھ، ستمبر ۱۸۷۴ء)

کمترین کمتران درگاہ والا! محمد قاسم بخدمت والا! پس از عرض تسلیم سخن بہ نیاز غلامان راشایاں، عرض پرداز است کہ

حامل عریضہ مولوی فخرالحسن صاحب نبیرۂ شاہ حسن عسکری صاحب مرحوم، فرزند میاں عبدالرحمٰن مرحوم بن مولوی حبیب اللہ سہارنپوری اند، اکثر کتب منقول و معقول پیش احقر مطالعہ کردہ اند۔ ذکی الطبع، قوی الحافظہ اند، وبالفعل مدرس مراد آباد (کہ مسلمان آن دیار چندہ فراہم کردہ بنا نہادہ اند، کار میکردند) بکشش جاذبہ توفیق، احرام آن دیار مقدسہ بستہ اند، و علاوہ ایں...... ہوس دارند۔ گر قبول افتد زہے عزوشرف!

باقی احوال ایں نواح از عرائض سابقہ معلوم شدہ باشد، ہم زبانی مولوی صاحب موصوف مفصل معلوم خواہد شد۔ آرے! ضروری تحریر ایں است کہ ہمشیرہ بھائی عبداللہ، اہلیہ عزیزم محمد یٰسین از دیرگاہ مبتلا امراض است، پیشتر بظاہر یاس بود، اکنوں گونہ توقع زندگانی است، حکیم حسین بخش رام پوری و مولوی محمد یعقوب صاحب معالج اند، تائید دعاء حضرت ایں علاج را کامیاب فرماید۔

والد احقر ہفتم ربیع الثانی ازیں جہاں رحلت فرمودند۔ آرزوے دعاء مغفرت اوشان وہم عفو تقصیرات اوشان دارم، اگر وقتے کلمۂ ناشائستہ برزبانِ اوشان رفتہ باشد بحکم سادگی وناز برادرانہ رفتہ باشد، ورنہ دل شان مالا مال عقیدت بود۔ خصوصاً دریں آخر عمر کہ از غایتِ عقیدت گاہے کلام مخاطبانہ وعرض معروض حاضرانہ می کردند۔

حافظ عبد الرحمٰن صاحب بخیریت اند و بہ تھانہ بھون تشریف می دارند، اغلب کہ پس از مرور رمضان بہر فروخت حصہ ُخود تشریف آرند و بحضور مولانا رشید احمد صاحب کہ خاص بہر ہمیں غرض تشریف خواہند آورد، و ایں قصہ صورت انفصال گیرد۔ بالفعل بھائی عبد اللہ صاحب ارادہ خریدن دارند، مگر ہوس دارند کہ از دیگر خریداران قیمت کم دہند، دیدہ باید انجام ایں قصہ چوں می شود۔

باقی حال پریشانم قابل گزارش نیست، اگر عرض کنم بے وجہ موجب ملال خدام والا مقام شود۔ باینہمہ دانم عنایت عامہ را از من ناکارہ ہم دریغ نیست، پس چہ حاجت کہ بار بار باستدعاء۔ دعاء ہمہ خلل انداز اوقات گرامی شوم، آرے! ایں قدر زیادہ استدعاء می کنم کہ در بارہ این پریشانی روزگار، این بار ایں دعاء زیادہ می باید فرمود کہ بہر طلب رزق پائے ایں ناتواں نہ لغزد۔ من بر ارادہ و ہمت خود ہیچ اعتماد ندارم، بار با آزمودہ ام، صد بار عہد بستم و باز بادنی حرکت نفس امارہ و اشارہ صاف بشکستم۔ می ترسم کہ این کم ہمتی بہر رزق پیش دیگران رسوا نشود۔ من کم ہمت و کم یقین، و خداوند کریم بے نیاز، حیرانم معاملہ چوں خواہد شد، اگر نظر است بر عنایت حضرت مخدوم نظر است، کاش! بتوسل حضرت مخدوم بہر دنیا رسوا نشوم۔

بخدمت حافظ عبد اللہ صاحب و دیگر خدام و مولانا رحمت اللہ از یں احقر بشرط یاد سلام و استدعاء دعاء خیر معروض۔ یک دو تہی بدست حافظ حاجی قادر بخش سہارنپوری اگر برسد امید قبول آں دارم، بخدمت حضرت مخدومہ سلام احقر پزیرفتہ باشد۔

مکرر عرض ایں است کہ مولوی محی الدین احمد خان فرزند ارجمند نواب شیر علی خان مراد آبادی، با احقر ہماں رابطہ دارند کہ مولوی فخر الحسن صاحب مذکور، و ایشان نیز ہماں شوق دارند کہ اوشاں جوان صالح اند، محروم نمانند۔ میاں محمد خلیل گنگوہی فرزند میاں ولی محمد گنگوہی اگرچہ بواسطہ، احقر از حلقہ بگوشانِ حضرت مخدوم اند، اما برکتے کہ در دستِ خاص باشد موقوف بر عنایت است،

وایں جا کجا امید کہ اوشاں کامیاب شوند۔

مکرر آنکہ، از خط مولوی محمد رفیع الدین صاحب و ہم زبانی مولوی فخر الحسن صاحب کہ ہم دریں ایام از آں نواح آمدہ بودند معلوم شد، کہ منشی فضل حق صاحب سواری و حجام را بتھانہ بھون فرستادہ، عزیز مقصود احمد را بدیوبند طلبیدہ بودند، بلحاظ آنکہ مبادا از راہ فرار شوند یک حجام از آنجا بہ معیت اوشان کردہ شدہ بود، تا اگر احدے را ضرورتے پیش آید وبکار خود رود، دیگر بہر نگرانی ماند۔ دریں جا رآمدہ اجازت راجوپور خواستند مولوی فخر الحسن صاحب می فرمودند کہ ایں قصد را بہانہ فرار فہمیدہ، منشی صاحب تامل کردند، مگر اوشاں بہر ضرورتے بخانہ رفتند، و عزیز مذکور شتافتند۔ حجام براجوپور فرستادہ شد آنجا رسیدہ، وایشان گفت می باید رفت، مگر صاف انکار کردند، انجام کار حامد علی خان صاحب گفتند کہ من ہمراہ خود خواہم آورد۔ القصہ اوشاں عزیز مذکور ہمراہ گرفتہ بدیوبند رسانیدند، مگر عزیز مذکور گریہ وزاری آغاز کرد و گفت دِلم پریشان است و ہرگز رفتن سوئے عرب نمی خواہد۔ پس از فہمائشِ بسیار برچندے راضی شدند، مگر اہل دانش آنجا باندیشہ فرار از اثناء راہ مشورہ ندادند کہ ہمراہ گیرند، نظر بریں منشی صاحب مجبور شدند، واز محرومی ایں خدمت متاسف گردیدند، اطلاعاً عرض کردہ شد۔

مکتوب دوم

(نوشتہ، شعبان ۱۲۹۱ھ ستمبر ۱۸۷۴ء)

قبلۂ ارشاد ذریعہ یوم التناد سلامت!

کمترین غلامانِ غلام ناکام محمد قاسم، پس از تسلیمات وادب مناسب، عرض پرداز است کہ

ہر چند در خویش واقارب راخیر وعافیت است، فقط فرزند اصغر میاں عبد السمیع نانوتوی ضائع شد، لیکن در اطراف وطن، وہم اطرافِ دہلی وکول مرض ہیضہ چنداں بشدّت است کہ صدہا مردم در یک و دو، دو روز جاں بجان (آفرین) سپردندو می سپارند۔ در نانوتہ پس از شدت بسیار رو بکمی نہاد، بلکہ موقوف شد۔ اما در تھانہ بھون وگڑھی میاں بھائی خاں بغایت اشتد اداست۔ دریں شہر دہلی نیز ایں مرض کار خود میکند، اما در پہاڑ گنج زیاد تیہاست ودر شہر کم، مگر بحساب ما بے نوایاں ایں کمی ہم حکم زیادتی دارد۔

دیشب نوجوانے خوش رو، خوش اخلاق، سید زادہ امروھہ، سلطان الدین نام کہ بنام حضرت بردست احقر بیعت ہم کردہ بود، وپیش مولوی احمد حسن امروہی کہ یکے از احباب احقر اند وپیش احقر کتب درسیہ باتمام رسانیدہ اند، کتب بالائی میخواندند، دریں مرض جاں بحق تسلیم کردند۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

عادات ِ نیکو میداشت وجمعہ وجماعت تامقدور نمیگذاشت۔ بدعائے اگر اوراہم یاد فرمایند بعید از خدام نوازی نیست کہ آن مرحوم حلقۂ ارادت بغرض ہمچو اغراض درگوش کردہ بود۔

باقی ہمہ نیاز مندان وخدام واقارب حضرت بفضلہٖ ہنوز بخیریت اند، اما ہر کسے ہراساں، امیدوار دعاہستند۔ زیادہ چہ عرض دارم کہ از سمع خراشی اندیشہ چیں بہ

جبیں است، مگر چوں اندیشہ وہم تعدی خویشتن است، رمزے ازاں عرض کردن ضرور افتاد۔

اکثر علماء دہلی سوائے مولوی نذیر حسین صاحب فتویٰ تکفیر ایں ناکارہ دادند، وفتوائے مسجل بمواہیر کردہ دراطراف وجوانب بغرض ثبت کردن مواہیر گردانیدند، اکنوں خبر است کہ آں فتویٰ بہ عرب شریف ہم خواہد رسید، وباعثِ ارادہ فرستادن رسالہ (در) عرب شریف مطالعہ رسالہ مولانا رحمت اللہ صاحب سلمہ میدانند کہ بواسطہ مولانا ایں فتوی مسجل بمواہیر علماءِ عرب شریف نیز خواہد شد، احباب این نواح آرزو جواب کردند، مگر اسلامم خود رانگ کفر دانستہ بجز سکوت جوابے ندادم و گفتم کہ، جواب ایں عتاب تکفیر مخالفاں بود، مگر ایں کار نمی توانم، کہ اوشاں را سر دفتر اہل ایمان زماں میدانم۔

محمد یٰسین نوشتہ بود کہ مبلغ قرضہ حافظ احمد حسین صاحب تیار است، مگر اہل کاندھلہ تمسک حوالہ نمیکنند ودریں تاخیر شاید زیان ما ملحوظ نظر داشتہ باشد، چہ می ترسیم کہ اوشاں دیر کنند ودر ہجوم مصارف دست ما بایں ذخیرہ افتد۔

باقی حامل نیاز نامہ از اکابر سادات امروہہ ہستند، بجانب احقر نظر عنایت دارند، چوں ازیں عنایت عقیدت آنحضرت بر آید استحقاق عنایت خدام راست کردہ اند۔

بخدمت جناب حافظ احمد حسین صاحب، وحافظ عبد اللہ مولانا رحمت اللہ وحاجی سکندر خاں از من سلام برسد۔ بخدمت حضرت مخدومہ سلام احقر معروض باد۔ مولوی فیض الحسن صاحب از اتفاقات وارد دہلی اند، بخدمت حضرت قبلہ ارشاد سلام عرض میکنند۔

○○

کمینۂ غلاماں، احقر الزمن احمد حسن عفی عنہ، پس سلام غلامانہ عرض میکند کہ عزیز از جانم محمد سلطان الدین مرحوم خواہر زادہ فقیر بود، وہم دختر عم حقیقی فقیر بنکاح اور آمدہ بود، دو فرزند صغیر سن گزاشتہ، حسبۃً للہ بحق آنمرحوم دعاء مغفرت

فرمائید واہلیہ اوو فرزندان اور او دیگر پس ماندگان اور اہم از دعا یاد دارند۔

مکتوب سوم

(نوشتہ، رمضان المبارک ۱۲۹۱ھ وسط اکتوبر ۱۸۷۴ء)

کمینہ غلامان، ننگ خاندان محمد قاسم عفااللہ عنہ

بخدمت سراپا برکت حضرت مخدوم انام مطاع خاص وعام، وسیلہ اقویٰ ذریعہ کبریٰ، رہبر رہرواں سرور سروراں، حضرت مخدومنا مطاعنا مولانا مرشدنا جناب حاجی صاحب دام برکاتہ۔

پس از عرض تسلیماتِ غلامانہ عرض پرداز است کہ بہ ورود والانامہ کہ متضمن رسیدن بست روپیہ بود، ہرچند اعزازی وامتیازی وافتخاری واہتزازی بحصول پیوست، وچون نباشد عنایت بزرگان سرمایہ کامرانی وبرکات جاودانی است۔

امابا طلاع کہ ضعف بقویٰ شریفہ قوت گرفت تشتتے وترددے دست داد، بجز دعاخیر چہ توانیم، امادعا گنہگاران ونابکاراں است تاچند بالا رود کہ امیدہا بروبستہ آید، مگر آنکہ اجابت بہر استقبال او آید۔ بالجملہ استدعا مانابکاران ہمیں است کہ خداوند رحمٰن برحال مانابکاران رحم فرماید، عمر سامی دراز گردد، وقوت در قوائے شریفہ پدید آید، تاافتادگانِ ظلمت ظلمات افکار ناکارہ راامید خلاصی باشد، ورنہ دیگر بر سر ماکیست کہ باعتاد عنایاتش داد بولہوسیہا خواہیم داد۔

باقی حال اینجا ہماں است کہ بود۔ اقارب حضرت ہمہ بدستور قدیم خوشحال، وہر یک بکارہائے خود مشغول۔ آرے! حافظ احمد حسین را اکنوں تعلقے کہ بہ محکمہ مولوی ذوالفقار علی صاحب بود نماند، آں عہدہ ودیگر عہدہائے دفتر بہ تخفیف آمدید، چنانچہ داماں شاں نیز بہ تخفیف از جاخود برخاستند۔

وہم بست ہشتم شعبان نکاح شاں بدختر مولوی محمد ابراہیم، فرزند مولوی نورالحسن صاحب مرحوم منعقد شد، باقی ماندہ نیاز مندان وغلامان ہمہ بخیریت اند، لمّا والدہ ایں غلام، ہفدہم محرم الحرام ازیں جہان انتقال فرمودند۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

سابق ہم عریضہ خاص بغرض دعاواستدعاء التجا مغفرت شان عرض کردہ ام، رسیدہ باشد، واکنواں ہم عرض پردازم کہ برعنایات سامیہ چہ نازہا کہ ندارم، اگرچہ سراپا گنہگارم وچہ اعتمادہا کہ باعتماداں نمی گزارم، اگرچہ نابکارم۔ دریک دعاء حضرت امید مغفرت شان است بلکہ زائد، نہ تنہا ایں غلام حلقہ بگوش سامی است اوشان ہم از کنیزان جناب بودند، بایں وجہ ہم استحقاق عنایات دارند، للہ! یاد فرمودہ دعائے فرمایند کہ مرا اطمینائے شود، اگر استدعاء احقر قبول افتاد، امید کہ مرا از محسناں مادر شمرند ودر جزاایں خدمت گزاری مرا ہم بخشند، زیادہ چہ عرض دارم کہ عنایات حضرت بے استدعاء..........

بخدمت جناب مستطاب کمالات مولانا رحمت اللہ صاحب، وہم مولوی محمد منعم صاحب ونیز بہ خدمت حافظ عبداللہ صاحب وشیخ سعدی سلام معروض باد، از طرف اہلیہ احقر ودختران وفرزندان احقر بخدمت حضرت دہم اہلیہ حضرت سلام معروض باد۔

☆☆☆

مکتوب چہارم

(نوشتہ، رمضان ۱۲۹۱ھ نومبر ۱۸۷۴ء)

قبلۂ ارشاد، کعبۂ ہدایت مد ظلال فیوضکم، تسلیمات مسنونہ غلامانہ مقبول باد، عرائض چند پیشتر ازیں عرض کردہ ام، از ہمہ حال بیماری ہمشیرہ میاں عبداللہ برادر زادہ حضرت مخدوم امام معلوم خواہد شد، مگر ایں وقت کہ نصف شب از شب بست پنجم شب جمعہ، آخری ماہ مبارک است ساعتے بگذرد کہ آں مرحومہ جان بجان آفریں سپرد۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

دو فرزند یکے مشتاق احمد کہ بہ عمر دوازدہ سیزدہ سالگی است، و یکے اشفاق احمد کہ بہ عمر سہ سالہ، است و بیمار و نوبت بیمار، دیگر دختر سکینہ نام کہ بعمر دہ یازدہ سالہ باشد و بہ فرزند احقر احمد نام منسوب شدہ، بگذاشت، حسرتے کہ با مشاہدہ ایں اطفال رومی دہد گفتنی و شنیدنی نیست، مشاہدہ کردنی است، مگر پیش تقدیر چہ چارۂ، بجز صبر ہیچ نتواں کرد!

پیش آں مخدوم ایں مضمون عرض کردن کلمہ بہ لقمان آموختن است، صبر خواہند فرمود، زیادہ چہ عرض دارم۔ دعائے مغفرت در حق آں مرحومہ خود بتقاضائے محبت نسبی و شفقت عامہ خواہند فرمود، و در حق باقی ماندگان استدعاء عافیت و صلاح خواہند نمود۔

بخدمت حضرت مخدومہ تسلیمات معروض باد، زیادہ بجز تسلیمات چہ گزارش رود، باقی ہمہ بخیریت اند، جناب ماموں جمیل الدین صاحب و عزیزم محمد یٰسین و ہم جناب مولوی محمد یعقوب صاحب کہ ایں وقت حاضر اند تسلیمات معروض باد۔ معین الدین! فرزند اکبر مولانا موصوف ہمیں وقت سلام عرض کردہ رفتہ۔

مکتوب پنجم

(نوشتہ، شوال، ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ دسمبر، جنوری ۷۵، ۱۸۷۴ء)

قبلہ دین وایمان سلامت!

کمترین غلامان محمد قاسم، پس از تسلیمات مسنونہ و آرزو آستانہ روسی عرض پرداز است کہ احوال ایں نواح از عریضہ سابقہ معلوم شدہ باشد، زیادہ چہ عرض دارم۔

ہاں ایں قدر عرض کردنی است کہ در تھانہ بھون وانبہٹہ وگڑھی وغیرہ دیار وطن شدت ہیضہ بدرجہ است کہ ہر کس بر جان خود لرزاں است۔ آرے! ہنوز در خویشاوندانِ حضرت مخدوم عالم عافیت، ہماں ساں است کہ بود۔ باقی حامل عریضہ پیر محمد نامی مسکینے است از سنبھل، بہ شوق زیارت حرمین شریفین، زادھما اللہ شرفا! وہم اشتیاق قدم بوسی، احرام آں دیار بستہ، از آنجا کہ سر زیر پائے خدام نہادہ، وحلقہ ارادت آں مخدوم عالم بواسطہ احقر بگوش خود کشیدہ، اگر مورد مرحمتہائے عمیمہ شود چہ دور؟

بخدمت حضرت مخدومہ وجناب حافظ احمد حسین صاحب وحافظ عبد اللہ ومولوی رحمت اللہ صاحب ازیں ناکارہ سلام برسد۔

مولوی احمد حسن صاحب امروہی کہ انشاء اللہ تعالیٰ امسال بزیارت حرمین شریفین ودولت قدمبوسی مشرف می شوند، وباحقر رابطہ اسناد دارند تسلیمات مسنونہ مقبول باد۔

مکتوب ششم

(نوشتہ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ اکتوبر ۱۸۷۵ء)

حضرت مخدوم قبلہ و کعبہ ما سلامت!

کمترین غلامان محمد قاسم، پس از عرض تسلیمات مسنونہ و شوق آستانہ روبی، عرض پرداز است کہ دریں موسم برشگال وباء ہیضہ دریں اضلاع و قصبہ و شہرے نہ گذاشتہ کہ قلیل و کثیر راراہ آخرت نہ نمودہ، مگر شکر او تعالیٰ چہ ادا کردہ آید کہ ہنوز در اقارب آں مخدوم و نیاز مندان خدام آں محترم خیریت است۔

آرے! اہلیہ محمد میاں عبداللہ برادر زادہ حضرت مخدوم یکم رمضان شریف روز شنبہ، بصدمہ اسقاط جاں بجان آفریں داد، وداغ بر دل دختر و دیگر اقارب بہ نہاد۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اکنوں خانہ اوشاں ہمہ ویران شد، نام زن دراں خانہ نہ ماند، اہلیہ محمد یٰسین در رمضان گذشتہ ازیں جہاں گذشتہ بود، دریں رمضان شریف ایں بیچارہ ہم بر قدم آں برفت۔ اکنوں صعوبتے کہ بوجہ نگہ داری اطفال خورد و پرورش ایشاں می گذرد، دیدنی است نہ شنیدنی۔

مشتاق احمد فرزند کلاں محمد یٰسین بہ ہوش رسیدہ، اما فرزند خود اوشاں اشفاق احمد بعد وفات والدہ خود اہلیہ میاں عبداللہ را والدۂ خود می فہمیدہ، مگر قضائے الٰہی از سر بے نیازی کارِ خود کرد، و اہلیہ میاں عبداللہ را ہم از پہلوئے او برگرفت۔ دریں طرف سکینہ دختر میاں محمد یٰسین، و صدیقہ دختر میاں عبداللہ ہم بوجہ خورد سالگی در پریشانی اند، و محمد یاسین و میاں عبداللہ، و جناب ماموں صاحب بملاحظہ احوال ایں صغار پریشان اند، باایں ہمہ در خویش و اقارب دخترے نیست کہ بوجود رسیدہ

باشد وامید رابطہ نکاح را گنجائش بنظر آید، بلکہ کدام زن بیوہ ہم چناں نیست کہ او وخویش واقارب او بنکاح دہند، بامید خود دریں امر سلسلہ جنبانی بندہ شود، آرے! بخیالم زوجہ محمد میاں مرحوم می آید، مگر آنجا ایں چنیں توقع بستن کارہا نیست، اگر کار کند شاید ارشاد آں مخدوم کارے کند۔

در تھانہ اگر چہ در ہیضہ قیامتے برپا کردہ، مگر الحمد اللہ کہ اقارب آں مخدوم ہمہ بخریت اند، وہم چنیں در کاندھلہ ورام پور ہم خیریت است۔

فرزند خورد احقر محمد نام کہ فرزند سوئی بود بعمر یک سالہ در صدمہ پیچش انتقال کرد۔ باقی دو فرزند احقر یکے احمد، دیگر محمد ہاشم نام بعافیت می گذارند، از طرف شاں آداب قبول باد، واز اہلیہ احقر ہم آداب و تسلیمات معروض گردد۔

حامل نیاز نامہ میاں گوہر علی خاں صاحب مراد آبادی از مریدان مولانا امانت علی صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ ہستند، بدیں سبب باز مرۂ فقرا سر نیاز دارند، بخدام مخدوم عالم ہم رابطۂ عقیدت محکم دارند، انشاء اللہ بخدمت خدام حاضر شدہ مورد عنایت خواہند شد۔

بخدمت حافظ احمد حسین صاحب، وحضرت مخدومہ وہم بخدمت حافظ عبداللہ صاحب و میاں بنیاد از من سلام معروض باد

عریضہ کمترین غلامان

محمد قاسم

از نانوتہ دہم رمضان روز دوشنبہ

مکتوب ہفتم

(نوشتہ رمضان ۱۲۹۲ھ۔ اکتوبر ۱۸۷۵ء)

قبلہ راستان سلامت!

کمینہ آستاں روبان، محمد قاسم نام، پس از عرض تسلیمات مسنونہ و گزارش نیاز مند یہا گزارش پیرا است۔

حامل عریضہ ہذا ایں ننگ خاندان، مولوی سید احمد حسن صاحب امروہی باستماع آنکہ این ناکارہ اگرچہ ناکارہ است دست بداماں والا دارد، دست بیعت بدستِ احقر دادہ اند و پیشتر ازیں جملہ کتب حدیث و کتب بالائی معقول و ہر قدر کہ در تفسیر خواندہ اند پیش ایں ہیچ مداں خواندہ اند، فقہ و اصول و ادب راہم ازیں بے ادب گرفتند، و آخر کار بایں نوجوانی بر مسند استفادہ نشستند، و جملہ کتب حدیث و اکثر معقول و تفسیر و اصول را درس دادند، بخیالم از جملہ کسانے کہ پیش من بغرض اخذ علم آمدہ اند، کم و بیش فائق باشند، بایں ہمہ بایں ناکارہ رابطۂ عقیدت و محبت چناں محکم دارند کہ باہمہ ناہنجاری ہائے من نمی کاہد، بلکہ می افزاید، ایں ناکارہ را نیز بااوشاں رابطۂ محبت از ہمہ زائد است، مگر چوں ایں ہمہ عین انتساب جناب است، ہرچہ از طرف شان است ہمہ را در حساب جناب مخدوم می پندارم، باز عرض احقر دیگر بہ میان آمد، نظر بریں چہ عجب کہ نظر عنایت در کار اوشاں شود، و رحمت خداوندی بایں بہانہ نصیب اوشاں گردد۔ والفضل بید اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

باقی احوال این نواح از عرائض سابقہ معلوم شدہ باشد، دریں عریضہ ہم مختصر مختصر عرض می کنم۔ جملہ اقارب و نیاز منداں و مریدان مخدوم عالم بعافیت اند،

مقصود بہ تھانہ، و ہمشیرہ اش کاندھلہ بخیر اند، آرے والدہ ہمشیرہ اش بعارضہ ......
کہ مرض قدیم است مبتلا است، ایں ہمہ زبانی بی خیرن عرض کردہ شد۔

زوجہ میاں عبداللہ، برادرزادہ حضرت مخدوم عالم یکم رمضان بعارضہ اسقاط جان بجان آفریں سپرد۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

زنان رامپور بتقریب تعزیت آمدہ بودند، فاطمہ ہم ہمراہ بود، بعافیت بود اولاد میاں محمد یٰسین بخیر است، اہلیہ مولوی محمد یعقوب صاحب از یک نیم ماہ، بلکہ زائد بیمار بودند، بغرض علاج اوشاں امسال مولوی صاحب بہ دیوبند در رمضان ہم اقامت کردہ بودند۔ دی شب جمعہ، چہارم دہم ماہ صیام قریب نواخت یازدہ جاں بجان آفریں سپردند۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ خادم حسین از عرصہ بیمار اند، و سخت بیمار اند، بخار و درد گردہ وغیرہ و کثرت بول وغیرہ امراض چند بہم آمدہ اند، علاجے سود نمی دہد، گوشت ہمہ رفت اکنوں یا پوست است یا استخواں۔

بخدمت حضرت مخدومہ تسلیمات، حافظ احمد حسین صاحب و حافظ عبداللہ و قاضی بنیاد، مولوی رحمت اللہ صاحب بہ شرط یاد از من سلام برسد۔ بخدمت حاجی سکندر خاں نیز و عبداللہ مستان ہم۔ مولوی محمد مظہر صاحب نشستہ اند، بہر عرض سلام ارشاد کردہ اند۔

مکتوب ہشتم

(نوشتہ رمضان یا شوال ۱۲۹۲ھ۔ اکتوبر نومبر ۱۸۷۵ء)

قبلہ دین و ایمان من سلامت!

کمینہ آسان روبان محمد قاسم، پس از عرض تسلیمات مسنونہ بعرض نیاز می پردازد۔

امسال بایں نواح وباء ہیضہ کار خود کرد، خصوصا بنانوتہ و تھانہ مگر الحمد اللہ کہ اقارب و نیاز مندان مخدوم عالم بہ یمن انتساب سامی ازیں بلاء جانگزا امامون ماندند، آرے زوجہ میاں عبداللہ برادر زادہ مخدوم عالم بصدمہ اسقاط جان بجان آفریں یکم رمضان شریف سپردہ۔ پس ماندگان را دماغ بر جگر نہاد۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دختر خورد ایشاں دریں خورد سالگی در عالم تحیر است، وچوں نباشد دراں خانہ زن (بلکہ) نام تصویر زن ہم نیست۔ اہلیہ میاں محمد یٰسین در رمضان سابق ازیں جہاں گذشتہ بود، دریں رمضان شریف زوجہ میاں عبداللہ ہم رخت سفر بربستند۔ اطفال خورد میاں محمد یٰسین را انتقال والدہ اوشاں در سال سابق چندا یاد نمی آمد کہ امسال یاد می آید، دریں سال آں مرحومہ تلافی والدۂ اوشاں می کرد، اوچہ مرد والدہ ہمہ بمرد، مگر پیش تقدیر بے نیاز نیاز مندان از می راچہ چارہ! رضینا باللہ ربا!

اہل وعیال حافظ احمد حسین صاحب بفضلہٖ تعالیٰ بشمول عافیت اند، مقصود بہ تھانہ واہلیہ حافظ صاحب بہ کاندھلہ مع دختر حسب بیان بی خیرن بخیریت اند،

وفاطمہ در راجپور بدستور بحال خود است۔

زیادہ بجز ایں چہ عرض دارم کہ حامل عریضہ کمترین خدام سید ہدایت علی صاحب از سادات کرام لاوڑو پھلاودہ ضلع میرٹھ اند۔ باستماع آنکہ قاسم دست بدامان آں مخدوم دارد، دست بیعت بنام سامی بدست من دادہ اند، اکنوں بہ ذریعہ زیارت حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا بہ شرف پائے بوسی ہم می رسند، انشاء اللہ تعالیٰ! ومیدانم کہ از الطاف عمیمہ محروم نہ خواہند آمد۔ حافظ عبدالغنی صاحب (کہ) ہمراہ فرزند برادر زادہ او شاں اند، ہمیں طور بسلک خدام منسلک اند، اگر تقدیر شاں یاور است او شاں ہم انشاء اللہ بہ شرف ملازمت می رسند۔

حافظ صاحب موصوف وعزیزم میاں عبدالحکیم فرزند اصغر سید ہدایت علی صاحب بواسطہ مولوی سید احمد حسن صاحب امروہی کہ انشاء اللہ امسال زیارت حرمین شریفین وبوسہ قدمین کام دل وجان خود می بر آرند، رابطۂ شاگردی ہم با حقر دارند، وازیں وجہ تخم نیاز مخدوم عالم از دیر بدل خود کشتہ اند، زیادہ چہ عرض دارم کہ ایں قدر ہم فضول وگستاخی است۔

بخدمت حضرت مخدومہ از من تسلیمات۔ بخدمت حافظ احمد حسن صاب وحافظ عبداللہ ومیاں بنیا از من سلام واستدعاء خیر معروض باد، اگر بیاد خدام ماند بخدمت مولانا رحمت اللہ صاحب تسلیمات برسد۔ از اہلیہ احقر وفرزندان ودختران احقر تسلیمات۔ محمد یٰسین سلام عرض می کند، از مولوی محمد مظہر ہم سلام معروض باد۔

ہمیں دم زنان رام پور بتقریب تعزیت آمدہ اند، فاطمہ ہم ہمراہ است، از طرفش نیز، وہم از طرف والدہ حافظ وجیہ الدین، وزوجہ ڈپٹی عبدالحق مرحوم وہمشیرہ حافظ محمد یوسف صاحب تسلیمات، ہمہ بخیر اند۔

معروضہ کمترین خدام محمد قاسم از نانوتہ

دہم رمضان شریف، چہار شنبہ ۱۲۹۲ھ

مکتوب نہم

(نوشتہ شوال ۱۲۹۲ھ۔ نومبر ۱۸۷۵ء)

قبلہ دین وایمان من سلامت۔

ننگ خدام محمد قاسم نام، پس از عرض سلام نیاز التیام عرض پرداز است، عرائض چند شعر احوال ایں نواح پیشتر ازیں بشرف ملاحظہ رسیدہ باشد، خبرے تازہ نیست کہ برنگارم، ہاں ایں است کہ جناب شیخ خادم حسین صاحب مرحوم، بست نہم رمضان شریف روز شنبہ، بعد نماز ظہر جان بجان آفریں سپردند، واز تکلیفات امراض گوناگوں کہ از چہاردہ ماہ متواتر بودند، راہ بسلامت بردند، خداوند غفار آنجا بعافیت نصیب فرمابدعاو بتصدق بزرگاں بیامرزد۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دو فرزند سعید احمد و حبیب احمد، و دو دختر کہ یکے بہ شیخ ابوالحسن برادرزادہ خود دادہ بودند و دیگر بفرزند پیرجی قطب الدین انبہٹوی و یک زوجہ گذاشتند۔

و بیشتر از وشاں، بتاریخ چہارہم رمضان شریف شب جمعہ بوقت نصف شب زوجہ مولوی محمد یعقوب صاحب اطفال خورد سال راگذاشتہ، راہ ملک بقاگرفتند، امید از عموم کرم آں است کہ بحق ایں دو جاں دادگان دعائے مغفرت خواہند فرمود۔

بھائی عبداللہ و میاں محمد یٰسین بر وعدہ خود مبلغ باقی را بہ قرض فراہم آوردہ، متولی محمد اسماعیل کاندھلوی را اطلاع دادند، تا تمسک بفرستند، و قرض حافظ احمد حسین صاحب بستانند۔ او شاں جوابے ندادند، چوں چند بار چنیں شر و ازاں طرف صدائے نہ برخاست بہ تنگ آمدہ، محمد یٰسین بہ گنگوہ رفت و جملہ روپیہ دادنی

مولانا رشید احمد صاحب سلمہ اللہ را سپرد۔ وعرض کرد کہ اکنوں حساب...... متولی صاحب، آری وصول تمسک آرزو داریم، ایں سپردن را نیز زیادہ از یک ماہ شد، (عید) روز دویم بمعیت احقر بہ گنگوہ رفتہ بودند، مگر ہنوز تمسک ازاں طرف نیاید، اطلاعاً عرض کردہ شد۔ القصہ روپیہ ہمہ تیار است بلکہ گویا وصول شد۔

بخدمت حافظ احمد حسین صاب وحافظ عبداللہ ومیاں بنیاد، ومیاں سعدی وغیرھم از من سلام۔ از طرف اہلیہ وفرزندانم بخدمت حضرت مخدوم، وہم از طرف من واز طرف اوشاں بخدمت حضرت مخدومہ سلام معروض باد۔ باقی ہمہ بخیر اند۔

بہ رام پور رفتہ بودم، فاطمہ را بہ چشم خود دیدم، خوش وخرم بود، واز آیندگان تھانہ وکاندھلہ خیریت آں نواح معلوم شد، زیادہ چہ عرض دارم۔

مکتوب دہم

(نوشتہ ۱۲۹۳)

قبلہ حق پرستاں سلامت۔

کمترین آستانہ روبان، سراپا گناہ روسیاہ، محمد قاسم بے مایہ دین و دنیا کہ جز تسلیمات در خود پیشکش ندارد۔

پس از عرض تسلیمات عرض پرداز است از روزے کہ ہیچو بزرگان خاک ایں دیار از شرف پائے بوسی خود محروم گردانیدہ اند، سالے نیست کہ بلاء تازہ بر سرش از آسمان نمیریزد، وماہے نیست کہ فتنہ نو، از گرد وغبارش نمی خیزد۔

دریں ولا حال دنیا ودیں ایں دیار ایں است کہ بیماری از ہر طرف در ہجوم در اطراف بریلی از تاخیرات ہیضہ جانہا بسیار و تلف شدند ودریں اطراف از کثرت تپ ولرزہ صدہا کس از زندگانی بہ تنگ آمدند۔

حال ایں قصبہ ایں است، کہ زائد از دو چار کس چناں نہ بر آیند کہ نہ بیمار اندونہ بیمار شدہ اند، و ہمچنیں احوال رام پور بگوش میرسد۔ ودر جلال آباد و تھانہ وشاملی وکاندھلہ ہم ہمیں حال است، لیکن میگویند کہ در تھانہ بنسبت دیگر قصبات گونہ کمی است۔ آرے! در دیوبند امن وامان است، اگر باشد یک دو کس از پنجاہ کس شاید مبتلاء ایں بلا باشد، ایں سلامت وامن امان آنجا شاید از برکات مدرسہ باشد۔ بالجملہ حال دنیوی ایں دیار بطور مشتے نمونہ از خروارایں است، تفصیل تا کجا کنم، ورنہ تعدی حکام، ونزاع خاص وعام وگرانی اشیاء وافلاس روز افزوں شرفارا، اگر شمار کنم دفتر کلاں گردد۔

واحوال دینی است کہ سوائے ایں ضلع ہر طرف کہ نظر می افتد پیشوایاں ہم

در جنگ، یکے راا گر شیشہ بدست است، دیگراں را دست بر سنگ۔ ظاہراً ہمیں جدال پیشوایاں دنیا را ہم مکدر ساخت۔ سرمایہ حفظ بلاء، اتباع سنت و اتفاق امت بود، ایں ہر دو نصیب ما بے نصیبان نیست۔ غرض ازیں سامعہ خراشی ہوس ہمت، و دعا شفقت است، باشد کہ بہ یمن برکت و عنایت بزرگاں چندے دیگر سکان این نواح بآسائش گزارند، وازیں شد تہا کہ احادیث کثیرہ ازاں خبر دادہ روزے چند دیگر بگوشہ عافیت مانند۔ واگر ایں بلاہا و ایں فتنہا ظہور ہماں اخبار است، امیدوار دعاء سلامتی متاع ایمان خویشتم، علاوہ ازیں چہ گزارش کنم؟

دو ہزار و یک صد روپیہ کہ دو ہزار ازاں موعود ہمشیرہ راؤ عبد العزیز خاں است و یک صد نذر تازہ از طرف عبد العزیز خاں صاحب بوساطۂ جناب مخدوم العلماء مولانا احمد علی صاحب سلمہ ربہٗ ودام فیضہ، دیراست کہ روانہ شدند۔

واہلیہ جناب حافظ حسین احمد انتقال کردند۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ زیادہ ازاں دریں بارہ معلوم نہ شد کہ عرض میکردم۔ اگر صاحبزادہ میاں مقصود احمد صاحب رسیدند، جملہ کیفیات مرض و تاریخ و ماہ انتقال عرض خواہند کرد، ورنہ از خطوط تھانہ و کاندھلہ اغلب کہ معلوم شود۔

ومولوی محمد مظہر صاحب از دیر بیمار اند، ونوبت ضعف و توانائی تا بحدے رسیدہ کہ نماز ہم نشستہ میخوانند وہنوز مرض را زوال نشد۔ مولوی رشید احمد صاحب را ہم شنیدہ ام از روزے چند گہ و بیگاہ بخار می آید خداوند کریم رحم فرماید۔ ماموں جمیل الدین صاحب ہم از دیر بیمار اند وہمشیرہ کلاں مولوی محمد یعقوب صاحب بیمار شدید اند، تدابیر مختلفہ کردہ شدند مگر دوائے سود نمی دہد۔

حکیم ضیاء الدین صاحب بہ اطلاع سرسام میاں علاء الدین روز یکشنبہ ہفتہ گذشتہ بہ بھوپال رفتند، مگر امروز مولوی عبد الکریم صاحب رام پوری از رامپور آمدہ بشاملی رفتہ اند، میگفتند کہ دیروز از خطوط بھوپال مژدۂ صحتِ شاں معلوم شد۔

میاں خلیل الدین صاحب رام پوری اہلیہ خود را دیسال ہمین خود بردند، فاطمہ

ہم ہمراہ رفت۔ غالباً بخیریت باشد۔ میاں عبداللہ در بڑوت برکار خود اند۔ دیگر نیاز منداں و عقیدت منداں و غلامان جناب بخیریت ہستند، عرضے قابل گزارش بتحریر نیامد، عرض میکنم۔

مولوی محمد منیر صاحب برادر خورد مولوی محمد مظہر صاحب بالائے صفات ذاتیہ خود بہ عقیدت جناب چناں راسخ اند کہ چہ عرض دارم، دریں ولاء بار قرض زیادہ از طاقت شاں، برسر شاں افتادہ، وایں طرف خبر تخفیف عہدہ شاں مابہ پریشانی است۔ چوں سبب ایں ہجوم قرض مروت او شاں است، زیادہ تر حال شاں دل می سوزد، تاحال حال او شاں لیست ہر کہ بہر چیزے میفر ماید فرمایش او حاضر میکند و کم کسے است کہ باز قیمتش دادہ باشد، اگر بنظر ایں محاسن او شاں بپاداش عقیدت و محبت دعائے فرمایند باشد کہ ازیں بلا نجات یابند، خوف آخرت او شاں را زیادہ تر می ترساند۔

گزارش دیگر ایں است کہ مولوی نذر اللہ صاحب ابن مولانا محمد رمضان صاحب مرحوم، پیش احقر خدام و ننگ خاندان معذرتہا کردند و فرمودند کہ درحق تو کلمۂ نامناسب نوشتہ شدہ بود، حضرت اعلا ناخوش شدند۔ باستماع این واقعہ بخیال عنایات شدام از مسرت برخود باشیدم، وبنظر ناہنجار خویش وانتساب او شاں بحضرت خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت غوث الثقلین محجوب ونادم گردیدم۔

المرام! اول ایں ناکارہ خود سراپا عیوب است، اگر کسے شکایتے نوشت غلط ہم اگر نوشت غلط ننوشت۔ دویم اولاد سرور دین ودنیا صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت غوث الثقلین رامنصب ہر گونہ ناز بر نیاز منداں خویشتن است، نظر بریں مجال روترش کردن ندارم، واگر اتفاق افتد ہمانا کم ظرفی خود پندارم، لہذا امید وارم کہ او شاں را بتحریر راضی نامہ شادکام و معزز فرمایند، ودرحق ایں نابکار دعامی فرمایند کہ ایں تودہ عیوب من ستار العیوب چناں بپوشد کہ باز دیگراں را گنجائش شکایت نماند۔

منشی فضل حق صاحب حامل ایں عریضہ عنایت فرمائے احقر و سراپا عقیدت جناب اند، بایں ہمہ از سادات کرام اند، واز اقارب شیخ ممتاز علی صاحب مرحوم، علاوہ ازیں مرد دیندار و خیر خواہ و دوست مدرسہ ہستند، بحال شاں عنایت اگر شود میدانم بجائے خود باشد۔ صاحبزادہ میاں مقصود احمد آرزو کردہ ہمراہ گرفتہ اند، تا ذریعہ توجہ آن مخدوم عالم در حق اوشاں گردد۔ زیادہ عرض کردن گستاخی است۔

بخدمت حضرت مخدومہ تسلیمات، و بخدمت جناب حافظ احمد حسین صاحب پس از سلام و نیاز مضمون تعزیت انتقال اہلیہ معروض باد، بخدمت جناب مولوی رحمت اللہ صاحب و حافظ عبد اللہ صاحب و حاجی سکندر خاں و میاں سعدی سلام۔

☆☆☆

مکتوب یازدہم

(نوشتہ، شوال ۱۲۹۳ھ۔ نومبر ۱۸۷۶ء)

کمینہ غلامان محمد قاسم بعالی حذمت خدام والا مقام حضرت مخدوم انام افاض اللہ فیوضہ علی الناس الی یوم القیام۔

پس از سلام عقیدت التیام عرض پرداز است حسب ارشاد عالی، سامان روانگی عزیز مقصود احمد بدیں طور کردہ شدہ بود، کہ بھمرہی منشی فضل حق صاحب دیوبندی اوشاں را روانہ کینم، وایں طرف منشی صاحب بھمرہی وخدمت اوشاں را ذریعہ عنایات مخدوم وانام فہمیدہ، ذمہ کش جملہ مصارف وخدمات راہ شدہ بطوع ورغبت بران اوشاں گردیدہ بودند۔ مگر چوں عزیز مذکور بدیوبند رسیدند گریہ وزاری آغاز کردند، وبریں ہم اکتفا نرفت، ناگفتہ حسب عادۃ مستمرہ براجوپور فرار شدند۔

منشی صاحب ودیگر نیاز منداں رابدیں وجہ چہ تشویشہا وندامتہا (است) کہ بردل نمیگزشت، بالآخر از راجوپور سراغ اوشاں را بر آمد، القصد در تجسس اوشاں آں تاریخ ہم بگذشت کہ بروانگی منشی صاحب معین کردہ بودند، مگر چوں عزیز مذکور را از راجوپور باز آوردند، باز بھماں گریہ وزاری انکار کردند، وایں طرف از تقدیر الٰہی منشی صاحب تب محرقہ در گرفت، مگر الحمد اللہ فضل الٰہی در کار اوشاں شد، پس از ایک ماہ تقریباً باز نوبت بایں رسید کہ قصہ دیرینہ را کہ از سر نو راست کردند، مگر ہنوز نہ طاقت سفر است چنانکہ باید، ونہ قوت رفتار وبار برداری۔ چنانکہ شاید اگر ایں راہ، راہ خداوند عالم نمی بود ہیچکس رائے، ومشورہ واجازت سفر نمی داد، مگر شوق اوشاں را زائد از حد دیدہ، ہیچکس منع کردن کارے نکرد، لیکن جملہ غلامان حضرت مخدوم عالم، مولانا رشید احمد صاحب، مولانا محمد یعقوب

صاحب و منشی محمد اسماعیل راجوپوری، و حاجی محمد عابد صاحب، و جناب مولوی رفیع الدین صاحب، و مولوی ذوالفقار علی صاحب و دیگراں ہمہ را ہمیں رائے است کہ حال طبیعت مذکور ایں چنیں و کیفیت حال و طاقت منشی صاحب ایں چنیں اندریں صورت ہرگز مصلحت نیست کہ عزیز مذکورہ را بہمرہی اوشاں کردہ آید۔ اگر خدانخواستہ از راہ فرار شد باز تدبیر چیست؟ نہ منشی صاحب توانا ہستند کہ بدوادوش سراغ اوشاں بر آرند، نہ خادم دیگر ہمراہ است کہ بہر ایں کار بر آں حکم کنند، علاوہ برایں وجوہ دیگر ناگفتہ بہ باعث ایں رائے شد از منشی صاحب معلوم خواہد شد انشاء اللہ! بایں ہمہ اگر خدام ولا مقام راطلب کردنش مذکور خاطر خواہد بود سال آئندہ ہم بشرط خیر قریب است، انشاء اللہ، سال آئندہ کردہ خواہد شد۔

باقی ہمہ غلامان و نیاز مندان واقارب حضرت مخدوم انام بدستور بحال خود اند، دیروز اتفاقاً امداد علی خاں حامل عریضہ بقصد زیارت حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاو تعظیماً سید ند، بواسطہ این کمینہ اوشاں حلقہ ارادت بگوش خود کشیدہ اند۔ امابے واسطہ ہم آرزومند شرف بیعت دارند مرد صالح اند۔ زیادہ چہ عرض دارم، اخلاق عمیمہ خود کارساز نیاز مندان و غلامان است۔

بخدمت جناب حافظ احمد حسین صاحب و حافظ عبداللہ صاحب و شیخ سعدی، و قاضی بنیاد، مولانا رحمت اللہ اگر یاد مانداز من سلام برسد، عاشق علی شاہ دیوبندی بخدمت حضرت مخدوم انام سلام عرض میکند۔

عریضہ کمترین محمد قاسم از دیوبند

۱۴/ شوال پنجشنبہ ۱۲۹۳ھ

☆☆☆

مکتوبات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

بنام

حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ

اردو ترجمہ و حواشی

از...... نور الحسن راشد کاندھلوی

ترجمہ مکتوب اوّل

یہ خط غالباً شعبان ۱۲۹۱ھ ستمبر ۱۸۷۴ء سے پہلے لکھا گیا ہے
(جو قلمی مجموعہ کی ترتیب کے مطابق چوتھا خط ہے)

کمتر لوگوں میں سے سب سے بے حقیقت، محمد قاسم وہ سلام عرض کرنے کے بعد جو غلاموں کے مناسب ہے،

کہتا ہے کہ یہ خط لانے والے مولوی فخر الحسن[1] نبیرہ شاہ حسن عسکری

---

[1] مولانا فخر الحسن بن عبد الرحمٰن، خلف حبیب الرحمٰن سہارنپوری، ثم گنگوہی۔ پہلے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے تعلیم پائی، مدرسہ عربیہ (دار العلوم) دیوبند قائم ہونے کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، جملہ علوم و فنون میں استفادہ کیا، حضرت نانوتوی کے اعلیٰ درجہ کے اور منتخب شاگردوں میں تھے (سوانح قاسمی مولانا مناظر احسن گیلانی صفحہ ۴۳۳ جلد ا (دیوبند: ۱۳۷۳ھ)
سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ پر حاشیہ لکھا۔ حضرت، مولانا محمد قاسم کی تالیفات و تحریرات کی ترتیب و تہذیب اور اشاعت میں مولانا فخر الحسن کا بہت بڑا حصہ ہے، مولانا فخر الحسن نے حضرت مولانا کی مفصل سوانح بھی لکھی تھی جس کا بعد میں پتہ نہیں چلا۔ آخر عمر میں کانپور چلے گئے تھے وہیں ۱۳۱۵ھ (۹۸-۱۸۹۷ء) میں وفات ہوئی۔ نزہۃ الخواطر صفحہ ۳۵۴ جلد ۸، نیز فخر العلماء (احوال و تعارف مولانا فخر الحسن) مرتبہ ڈاکٹر اشتیاق اظہر (کراچی: بلاسنہ)

مرحومؒ[۲] فرزند میاں عبدالرحمٰن مرحوم بن مولوی حبیب اللہ سہارنپوری ہیں، (انہوں نے) منقول و معقول کی اکثر کتابیں مجھ سے پڑھی ہیں، طبیعت کے فہیم اور قوی الحافظہ ہیں اور اس وقت مراد آباد کے مدرسہ[۳] میں جس کو اس علاقہ کے مسلمانوں نے چندہ کر کے بنایا ہے، مدرس ہیں۔ (زیارت حرمین کی) جذب و کشش کی وجہ سے اس دیار مقدس کا احرام باندھنے کی توفیق ہوئی ہے، اس کے علاوہ حضرت والا کی زیارت اور بیعت کا شوق رکھتے ہیں، اگر قبول فرمالیں تو کیا ہی بہتر ہو۔ یہاں کا مزید حال پچھلے خطوط سے معلوم ہو گیا ہو گا، مولوی فخر الحسن صاحب کی زبانی بھی مفصل معلوم ہو گا، مگر ضروری تحریر یہ ہے کہ بھائی عبد اللہ کی ہمشیرہ عزیزم محمد یاسین کی اہلیہ[۴] بہت دنوں سے (مختلف) امراض میں مبتلا ہیں،

---

[۲] شاہ حسن عسکری خلف سید حسین بخش بن شاہ غلام سادات (رام پور منہیاران)۔ سہارنپور کے باشندے اور بزرگوں کے خاندان کے ایک فرد تھے، شاہ سلیمان تونسوی کے خلیفہ اور مشہور شیخ طریقت ہوئے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے پہلے دہلی اور اس کے اطراف میں شاہ حسن عسکری کا وسیع حلقہ مریدین تھا، ہزاروں افراد ان کے سلسلہ بیعت سے منسلک تھے، بہادر شاہ ظفر بھی ان کا بے حد معتقد تھا، اور وہ بہادر شاہ ظفر کے پیر سمجھے جاتے تھے، معرکہ ۱۸۵۷ء کے ایام میں بہادر شاہ ظفر سے قربت تعاون نیز مشوروں کی وجہ سے پھانسی دی گئی، اس طرح آخرت میں بھی سرخ رو اور فائز المرام ہوئے۔ شاہ حسن عسکری کے حالات میں اسی خاندان کے ایک فرد، جناب اشتیاق اظہر نے ایک کتاب "شاہ حسن عسکری" اور جنگ آزادی کے عوامل لکھی ہے جو ۱۹۸۵ء میں کراچی سے چھپی ہے مگر تقریباً تین سو صفحات کی اس کتاب میں شاہ حسن عسکری کے متعلق صحیح معلومات کا فقدان ہے، نہ تاریخ ولادت و شہادت درج ہے، نہ تعلیم اور خدمات کا واضح تذکرہ ہے۔

[۳] مراد آباد کا مدرسہ "مدرسۃ الغرباء" واقع شاہی مسجد مراد آباد، جو مدرسہ شاہی کے نام سے مشہور ہے اور ہندوستان کے اہم اور ممتاز دینی مدارس میں شمار کیا جاتا ہے، ۱۹ر صفر ۱۲۹۶ھ (۱۲ر فروری ۱۸۶۹ء) کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی سرپرستی میں مدرسہ کا افتتاح ہوا، اور مدرسہ کے مطبوعہ ریکارڈ کے مطابق مولانا سید احمد حسن امروہوی پہلے استاد اور صدر مدرس مقرر ہوئے۔ ملاحظہ ہو تاریخ شاہی نمبر، ماہنامہ ندائے شاہی مراد آباد صفحہ ۴۶ مراد آباد: ۱۴۱۳ھ یہی مولانا فریدی نے بھی لکھا ہے (مکتوبات سید العلماء صفحہ ۲۹۶ مولانا احمد حسن امروہوی مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی (امروہہ: ۱۴۱۰ھ) مگر یہ اطلاع صحیح نہیں حضرت نانوتوی کے اس خط سے نیز دار العلوم دیوبند کے محافظ خانہ میں موجود بعض تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدرسہ کے سب سے پہلے مدرس مولانا فخر الحسن گنگوہی تھے اور مدرسہ کا اس تاریخ سے کئی سال پہلے آغاز ہو چکا تھا۔

[۴] بھائی عبد اللہ کی ہمشیرہ (اہلیہ محمد یٰسین۔ بھائی عبد اللہ حضرت حاجی صاحب کے حقیقی برادر زادہ تھے) رام پور (منیہاران) میں قیام تھا، وہیں وفات ہوئی ان کی بہن محمد یٰسین کی زوجہ تھیں۔ محمد یٰسین خلف جمیل الدین نانوتوی حضرت مولانا محمد قاسم کے ماموں زاد بھائی تھے۔ اچھے دولت مند شخص تھے نانوتہ میں ان کی حویلی بڑے دروازہ کے نام سے مشہور تھی۔ حضرت مولانا نانوتوی کے بہت قریب اور قابل اعتماد اصحاب میں تھے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اس وقت زندگی کی کچھ امید ہوئی ہے، حکیم حسین بخش رام پوری اور مولوی محمد یعقوب[۵] علاج کر رہے ہیں، دل چاہتا ہے کہ حضرت کی دعا کی مدد اس علاج کو کامیاب فرمادے۔

میرے والد ماجد[۶] نے ۷ ربیع الثانی دوشنبہ کو اس دنیا سے رحلت فرمائی، ان کے لیے مغفرت کی دعا اور ان کی غلطیوں کی معافی کی درخواست ہے۔ اگر ان کی زبان پر کسی وقت کوئی نامناسب بات آگئی ہو تو وہ ان کی سادگی اور جناب والا سے نازبردارانہ تعلقات کی وجہ سے آئی ہوگی، ورنہ ان کا دل حضرت والا کی عقیدت سے لبریز تھا، خصوصاً اس آخر عمر میں بعض گفتگو اس طرح کرتے تھے جیسے

اس قربت و قرابت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مولانا حافظ احمد (خلف حضرت مولانا محمد قاسم) سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند محمد یٰسین مذکور کو چچا کہتے تھے۔ مستفاد از نسب نامہ (صدیقیان نانوتہ) مولفہ مولانا مفتی محمود احمد نانوتوی صفحہ ۸ دہلی: بلاسنہ) اور سوانح قاسمی، گیلانی صفحہ ۵۵۰ جلد ا۔

۵ مولانا محمد یعقوب نانوتوی: مشہور عالم، عارف، مرشد، مدرس اور مربی، استاذ العلماء مولانا مملوک العلی نانوتوی کے فرزند تھے۔ ۱۳ر صفر ۱۲۴۹ھ (۲ر جولائی ۱۸۳۳ء) کو ولادت ہوئی، اکثر درسیات والد ماجد سے پڑھیں، اوسط اور اعلا تعلیم کے لیے دہلی گئے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ہم سبق اور اس وقت کے علمی محفلوں کی رونق تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے خاص مربی اور استاد نیز مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس تھے۔ تصنیف و تالیف پر زیادہ توجہ نہیں تھی تاہم چند تحریرات و مؤلفات علمی یادگار ہیں۔

مولانا کے شاگردوں اور تربیت یافتہ اصحاب کی ایک بہت بڑی تعداد اور خاص رنگ اور بڑی جماعت ہے جن کے ثمرات آج تک روز افزوں ہیں۔ ۳ر ربیع الاول ۱۳۰۲ھ (۲۲ر دسمبر ۱۸۸۴ء) کو شب دوشنبہ میں ہیضہ سے وفات ہوئی سرسید نے تعزیتی تحریر میں لکھا تھا کہ "مولانا محمد یعقوب نے انتقال کیا درحقیقت ان کا کوئی جانشین نہیں ہوا" انسٹیٹیوٹ گزٹ، علی گڑھ، اکتوبر ۱۸۸۵ء "سرسید کی تعزیتی تحریریں" ص ۲۲ (علی گڑھ ۱۹۸۹ء) تفصیلی معلومات کے لیے نزہۃ الخواطر ص ۵۲۵، ۵۲۴ ج ۸ نیز تذکرہ یعقوب و مملوک، از انوار الحسن شیر کوٹی (کراچی ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء)

۶ شیخ اسد علی (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے والد ماجد) شیخ اسد علی خلف غلام شاہ بن محمد بخش بن علاء الدین ان کے تعارف کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ حضرت مولانا محمد قاسم کے والد تھے استاذ العلماء مولانا مملوک العلی کے ساتھ دہلی گئے فارسی درسیات شاہ نامہ (فردوسی) تک پڑھیں (سوانح مولانا محمد قاسم از مولانا محمد یعقوب طبع اول بہاولپور: ۱۲۹۷ھ) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فارسی میں اعلیٰ درجہ کی استعداد ہوگی، مگر نہایت سادگی پسند تھے۔ خاندانی زمینوں کی نگرانی اور کاشت میں مشغول رہتے تھے مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے الفاظ میں "حال ایسا تھا کہ گویا علم سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے تمام عمر کھیتی کی اور ویسے ہی عادات اور ڈھنگ قصبات کے تھے" (حالات طیب مولانا محمد قاسم ص ۳۔۴) مگر اس سادگی اور محدود معاشی وسائل کے باوجود نہایت صاحب مروت و اخلاق، کنبہ پرور، مہمان نواز، اور پرہیزگار تھے ص ۴۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(حضرت والا) سے باتیں کر رہے ہوں۔

حافظ عبد الرحمن[۱] بخیریت ہیں تھانہ بھون میں تشریف رکھتے ہیں، غالب گمان یہ ہے کہ رمضان المبارک گزرنے کے بعد اپنا حصہ فروخت کرنے کے لیے تشریف لائیں، اور مولانا رشید احمد کے سامنے اسی مقصد سے آئیں گے کہ یہ معاملہ نمٹ جائے۔ فی الوقت بھائی عبد اللہ اس کے خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر چاہتے ہیں کہ اور خریداروں سے کم قیمت لگائیں، دیکھئے اس قصہ کا انجام کیا ہوتا ہے۔

اور میرا دگرگوں حال لائق اظہار و بیان نہیں ہے، اگر عرض کروں بلاوجہ حضرت والا کے رنج و ملال کا سبب بنے گا۔ اس کے باوجود (یہ بھی) جانتا ہوں کہ جناب والا کے عام لطف و کرم سے محروم نہیں ہوں، لہٰذا کیا ضرورت ہے کہ بار بار دعا و ہمت کی درخواست کر کے جناب والا کے اوقات اور مصروفیات میں خلل ڈالوں مگر اس قدر درخواست ضرور کرتا ہوں کہ اس ناچیز پریشان روزگار

شیخ اسد علی کے متعدد اولادیں ہوئیں مگر ان میں سے صرف حضرت مولانا محمد قاسم اور دو بیٹیاں مسماۃ امینہ نیز ایک دختر اور (جن کا نام معلوم نہیں) حیات رہیں (انوار قاسمی مولانا انوار الحسن شیر کوٹی کراچی ص ۲۷: ۱۳۸۹ھ) شیخ اسد علی حج نہیں کر سکے تھے، مولانا محمد قاسم نے اپنے والد بزرگ کی جانب سے حج بدل کیا (انوار قاسمی ص ۵۴۱ بحوالہ مذہب منصور) یہ مولانا نانوتوی کا آخری سفر حج تھا جو ۱۲۹۴ھ۔۱۲۹۵ھ میں ہوا (تذکرہ مولانا قاسم از مولانا یعقوب ص ۲۶)

شیخ اسد علی نے خاصی عمر پائی حضرت مولانا محمد قاسم کے علوے شان اور علمی مراتب کا خود مشاہدہ کیا اور مولانا کی وفات سے صرف پانچ سال پہلے ۷ ربیع الثانی ۱۲۹۲ھ (۳۱ مارچ ۱۸۷۵ء) کو دیوبند میں وفات ہوئی، جیسا کہ حضرت مولانا کے مکتوب سے معلوم ہو رہا ہے۔ دار العلوم دیوبند کی زیر تعمیر بڑی مسجد اور جامعہ طبیہ کے احاطہ کے درمیان مزار ہے (یہاں یہ اطلاع بے محل نہ ہوگی کہ اس مزار پر چند سال پہلے تک کتبہ نصب تھا جو اب موجود نہیں، جس کی وجہ سے قبر کی نشاندھی مشکل ہو جاتی ہے)

[۱] حافظ عبد الرحمان حضرت کے بھتیجے تے تھانہ بھون میں رہتے تھے، حضرت حاجی صاحب کے نہالی ترکہ کو فروخت کرنا چاہتے تھے، حضرت حاجی صاحب کے نام حضرت مولانا گنگوہی کے ایک خط میں بھی اس کا ذکر ہے۔ تحریر ہے:

حافظ احمد حسین بیع ترکہ نانوتہ می خواہند، و جمیل الدین و میاں عبد اللہ خریدار اند، مگر ہنوز قیمت طے نہ شدہ بندہ را و، مولوی محمد قاسم و مولوی محمد یعقوب صاحب دریں باب می کشند، ہر چند ازیں خرخشہ ہانا واقف ایم، وازیں امور (طبیعت) پریشاں می شود، مگر خاطر ایشاں عزیز میویم چہارم شوال بنانوتہ عزم دارم آنچہ خواہد شد، خواہد شد (مکتوبات بنام حضرت حاجی امداد اللہ / غیر مطبوعہ)

کے لیے اس مرتبہ یہ دعا (اپنے معمولات میں) اضافہ فرمالیں کہ اس ناچیز کے قدم روزی کی طلب میں سرگرداں نہ ہوں۔ میں اپنے ارادہ اور ہمت پر قطعاً بھروسہ نہیں رکھتا، بار بار تجربہ کیا ہے، سینکڑوں مرتبہ پختہ ارادہ باندھا ہے، مگر ہر مرتبہ نفس بدراہ کے اشارہ پر اس کو بالکل توڑ دیا ہے۔ ڈرتا ہوں کہ یہ ناچیز معاش کی تلاش میں دوسروں کے سامنے رسوا نہ ہو جائے۔ میں کم ہمت کمزور یقین والا، اور اللہ تعالیٰ بے نیاز، سوچتا ہوں معاملہ کس طرح (حل) ہوگا، اگر نگاہ ہے تو حضرت کی توجہ (اور دعا) پر نگاہ ہے، کاش، حضرت والا کی برکت سے دنیا میں رسوا نہ ہوں۔

حافظ عبداللہ صاحب اور دیگر خدام کی خدمت میں، نیز مولانا رحمت اللہ صاحب سے بشرطے کہ یاد رہے، سلام مسنون اور دعاے خیر کی درخواست ہے۔

ایک دوتہی حاجی حافظ قدر بخش سہارنپوری[۸] کے ہاتھ ارسال خدمت ہے، اگر پہنچ جائے تو اس کے قبول فرمانے کی امید رکھتا ہوں۔ مخدومہ محترمہ کی خدمت میں احقر کا سلام قبول ہو۔

مکرر عرض یہ ہے کہ مولوی محی الدین احمد خان[۹] فرزند ارجمند نواب شیر علی

---

[۸] حافظ قادر بخش سہارنپوری: سہارنپور یا دیوبند کے رہنے والے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ کے متوسل اور حضرت مولانا رشید احمد اور حضرت مولانا نانوتوی کے معتمد اور قریبی لوگوں میں تھے۔ حاجی صاحب حضرت کی خدمت میں تحائف و ہدایا بھیجتے رہتے تھے۔ حاجی صاحب کے ایک خط میں ہے:
"ہم دوستاں و مخلصاں خصوصاً حاجی قادر بخش (را) بعد سلام شوق آں کہ دوپٹہ مرسلہ آں عزیز رسید جزاکم اللہ خیر الجزاء!" (رقومات امدادیہ مکتوب) حضرت نانوتوی کے اس خط سے معلوم ہو رہا ہے کہ حج کے لیے حاضر ہوئے تھے اور حج سے واپسی پر حضرت حاجی صاحب نے ان کے ذریعہ سے اہم خطوط اور پیغامات بھجوائے تھے۔ حاجی صاحب کے متعدد مکتوبات میں اس کا ذکر ہے، ملاحظہ ہو مرقومات امدادیہ مرتبہ (مولانا وحید الدین رام پوری) صفحات ۳۸، ۵۶، ۸۸، ۸۹، ۹۲، دہلی: ۱۹۷۹ء)

[۹] مولانا قاضی محی الدین صاحب: مولانا قاضی محی الدین صاحب، خلف نواب علی بن شبیر علی خاں جو نواب عظمت اللہ (گورنر مراد آباد) کی اولاد میں تھے۔ قاضی وجدی الحسینی نے قاضی محی الدین کے والد کا نام شبیر حسن لکھا ہے (تاریخ قضاۃ و مفتیان بھوپال ص ۲۸۴: ۱۹۸۶ء) نیز قاضی وجدی الحسینی نے نواب شبیر حسن کو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے رہنماؤں میں شمار کیا ہے، مگر مولانا محمد میاں صاحب نے ان صاحب کا نام شبیر علی خاں تحریر کیا ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

خاں مراد آبادی احقر سے وہی تعلق رکھتے ہیں جو مولوی فخر الحسن مذکورہ رکھتے ہیں اور وہ بھی حضرت والا سے بیعت اور استفادہ کا شوق رکھتے ہیں اور جوان صالح ہیں، ان کو بھی محروم نہ فرمائیں۔ میاں محمد خلیل گنگوہی خلف میاں ولی محمد گنگوہی اگرچہ ناچیز کے توسط سے حضرت والا کے حلقہ بگوش ہیں، مگر جو برکت

(علماء ہند کا شاندار ماضی ص ۳۶۸ جلد ۴ مکتبہ محمودیہ لاہور: بلا سنہ) جو مراد آباد اور نواح میں معرکہ آرائیوں میں پیش و پیش تھے۔ اس لیے قرینہ قیاس ہے کہ یہی نام صحیح ہو، درسی اور منتہیانہ کتابیں حضرت نانوتی سے ہی تھیں۔

حضرت مولانا نانوتوی کے درج بالا خط سے معلوم ہو رہا ہے کہ مولانا قاضی محی الدین بھی استفادہ اور اصلاح و تربیت کے لیے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں مکہ معظمہ حاضر ہوئے تھے، یہ سفر حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں ایک سال قیام کے ارادہ سے ہوا تھا (مکتوب حضرت حاجی صاحب بنام حکیم ضیاء الدین رامپوری ۵۴ مرقومات امدادیہ ص ۱۰۹)

مولانا محی الدین مدرسہ شاہی مراد آباد کے مہتمم مقرر کیے گئے تھے اور دار العلوم دیوبند مجلس شوریٰ کے بھی طویل عرصہ (۱۳۱۳ھ سے ۱۳۴۷ھ) تک رکن رہے اور بھوپال میں قاضی بنائے گئے۔ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ (جون ۱۹۲۷ء) میں وفات ہوئی۔

مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ شاہی نمبر ۳۵۵۔۳۵۶ ماہنامہ ندائے شاہی (مراد آباد ۱۳۱۴ھ (۱۹۹۲ء) تاریخ دار العلوم دیوبند نمبر ص ۱۸۳ (الرشید ساہیوال ۱۴۰۰ھ) نیز مضمون مولانا نسیم احمد فریدی، بر مولانا صدیق احمد مراد آبادی ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، ربیع الاول ۱۳۹۶ھ مارچ ۱۹۷۶ء (حاشیہ ص ۳۱)

مذکورہ تفصیلات اور مآخذ کے علاوہ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ

الف: حضرت حاجی امداد اللہ نے ایک گرامی نامہ میں اپنے چند خلفاء کے نام تحریر فرمائے ہیں جس میں مولانا محی الدین خاطر میسوری کا نام بھی شامل ہے، (مکتوب نمبر ۵۲ مرقومات امدادیہ ص ۱۰۶) اس مکتوب کے حاشیہ پر مرقومات کے مرتب۔ اور حاشیہ نگار مولانا سعید الدین رامپوری نے لکھا ہے کہ

"یہ بزرگ مراد آبادی سابق قاضی ریاست بھوپال ہیں" مگر اس اطلاع میں سہو ہوا، مراد آباد کے محی الدین اور قاضی بھوپال۔ ؎ تھے جن کا اوپر تذکرہ ہے۔ محی الدین خاطر نہ مراد آباد کے رہنے والے تھے اور نہ کبھی بھوپال میں قاضی مقرر ہوئے۔ مولانا محی الدین خاطر میسور کے رہنے والے تھے، حیدر آباد دکن میں قیام پذیر تھے، حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں عرصہ دراز تک رہے، ۱۲۹۳ھ میں خلافت ملی، ۱۳۱۲ھ میں حضرت حاجی صاحب کے حالات میں ایک منظوم کتاب لکھی، مفصل سفرنامہ حج قلم بند کیا اور بھی متعدد تالیفات ہیں۔

ب: متعدد اہل علم اور تذکرہ نگاروں نے حضرت مولانا نانوتوی کے متعدد تلامذہ اور متوسلین کو حضرت مولانا کا مجاز بیعت لکھا ہے، مگر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور مولانا رفیع الدین کے خطوط نیز مولانا محمد یعقوب کی تالیف حالات مولانا محمد قاسم میں صراحت ہے کہ مولانا محمد قاسم نے کسی کو خلیفہ اور مجاز نہیں کیا۔ لہٰذا حضرت مولانا کے جو متوسلین و تلامذہ مولانا کے مجاز بیعت سمجھے جاتے ہیں وہ حضرت حاجی کے مجاز بیعت ہیں۔

خود حضرت کے مبارک ہاتھ میں ہے وہ حضرت کی خاص توجہ پر موقوف ہے، یہاں ایسی کہاں امید ہے کہ وہ کامیاب ہوں۔

نیز یہ کہ مولوی رفیع الدین[1] کے خط سے اور مولوی فخر الدین کی زبانی جو ابھی حال میں اس طرف سے آئے ہیں، معلوم ہوا کہ منشی فضل حق نے سواری اور ایک حجام کو تھانہ بھون بھیجا تھا اور عزیز مقصود احمد کو دیوبند طلب کیا تھا، اس ڈر سے کہ راستہ میں سے فرار نہ ہو جائے ایک حجام کو وہاں سے بھی ساتھ کر دیا تھا، تاکہ اگر ایک کو کچھ ضرورت پیش آئے یا اپنے کام سے جائے تو دوسرا نگرانی کے لیے موجود رہے (مقصود احمد نے) یہاں پہنچ کر راجوپور (جانے) کی اجازت چاہی، مولوی فخر الحسن فرماتے تھے کہ اس خیال کو بھاگنے کا بہانہ سمجھ کر منشی صاحب نے تامل کیا، مگر (ادھر) منشی صاحب اپنی کسی ضرورت سے گھر میں گئے، ادھر وہ (مقصود احمد) فرار ہو گئے۔

حجام کو راجوپور بھیجا گیا، اس نے وہاں پہنچ کر مقصود احمد سے چلنے کے لیے کہا مگر مقصود احمد[2] نے صاف انکار کر دیا۔ حامد علی خان کہتے تھے کہ میں اپنے ساتھ

---

[1] مولانا رفیع الدین خلف مولانا فرید الدین دیوبندی ۱۲۵۲ھ ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے، تعلیم کی تفصیل ہمدست نہیں، مگر ایک ممتاز عالم کے حوالہ سے نقل یہ روایت صحیح نہیں کہ مولانا رفیع الدین قطعاً ناخواندہ تھے، راقم سطور نے مولانا کے قلم سے لکھی ہوئی متعدد تحریریں اور خطوط دیکھے ہیں، اس لیے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا ان پڑھ تھے۔ مگر ممکن ہے درسیات کی تعلیم مکمل نہ ہوئی ہو۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا گنگوہی کے قریبی احباب و رفقاء میں سے تھے۔ حضرت شاہ عبد الغنی مجددی سے بیعت ہوئے اور محنت و ریاضت کے بعد اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ مدرسہ عربیہ (دار العلوم) دیوبند کی ابتداء کے وقت سے اس کی مجلس کے رکن رہے اور دوبارہ مہتمم مقرر کیے گئے، ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹ء میں مہتمم تھے کہ سفر ہجرت کا ارادہ کر لیا، مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہیں مستقل قیام فرمایا، اسی قیام کے دوران ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۸ھ شب جمعہ (۲۳؍ جنوری ۱۸۹۱ء) کو مدینہ پاک میں وفات ہوئی اور حسب وصیت جنت البقیع میں حضرت عثمانؓ غنی کی (قبر کے) پہلو میں حضرت شاہ عبد الغنی مجددی کے قدموں میں دفن کیے گئے۔ مرض الوفات، تدفین اور ترکہ کی کیفیت مولوی منظور احمد دیوبندی نے، جو اس وقت مولانا رفیع الدین کی خدمت میں حاضر تھے، ایک خط میں لکھی ہے ملاحظہ ہو: مکتوبات اکابر دیوبند، مولانا نسیم احمد فریدی ص ۸۶-۸۷ (دیوبند: ۱۴۰۰ھ) مزید معلومات کے لیے تاریخ دار العلوم دیوبند، تاریخ دیوبند اور مثنوی فروغ ہر سہ مرتبہ سید محبوب رضوی۔

[2] مقصود احمد تھانوی خلف حافظ احمد حسین تھانوی حضرت حاجی امداد اللہ کے بھتیجے کے فرزند تھے حضرت حاجی صاحب کو ان سے بے حد تعلق خاطر تھا ہر وقت ان کا خیال رہتا تھا، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

لے کر آؤں گا، چنانچہ وہ عزیز مذکور کو لے کر دیو بند آئے، مگر عزیز مذکور نے (حسب معمول) رونا چلانا شروع کر دیا کہ میرا دل پریشان ہے اور میں ہر گز عرب نہ جاؤں گا، مگر بہت کچھ سمجھانے سے کسی قدر آمادہ ہوا ہے، لیکن بعض سمجھداری اس کے راستہ سے بھاگ جانے کے ڈر سے اس کو ساتھ لے جانے کا مشورہ نہیں دے رہے، لہٰذا منشی صاحب مجبور ہوگئے، ان کو بے حد افسوس ہے کہ وہ یہ خدمت انجام دینے سے قاصر رہے۔

دوسرے خط کا ترجمہ

مکتوبہ ۲/ شعبان ۱۲۹۱ھ، ۱۴ ستمبر ۱۸۷۴ء
(جو قلمی نسخہ کی ترتیب کے مطابق پہلا خط ہے)

ہدایت کے مرکز اور آخرت کے دن نجات کی ایک علامت، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے کمترین غلامان محمد قاسم سلام اور مناسب آداب کی بجا آوری کے بعد عرض کرتا ہے کہ اگرچہ خاندان اور اعزا میں خیریت وعافیت ہے صرف

ان کی تعلیم و تربیت کے لیے فکر مند رہتے تھے۔ حضرت کی خواہش تھی کہ وہ اچھی تعلیم حاصل کریں اس مقصد کے لیے بار بار ہندستان خطوط لکھے۔ (مثلاً مکتوب بنام حافظ احمد حسین، مشمولہ مرقومات امدادیہ ص ۲۷ دہلی: ۱۹۷۹ء) جب حافظ احمد حسین صاحب مکہ معظمہ پہنچ گئے اس وقت حضرت حاجی صاحب نے مقصود کو بھی مکہ مکرمہ بلانے کی کوشش تازہ فرمائی، حضرت چاہتے تھے کہ مقصود احمد کی تعلیم و تربیت کی طرف سے اطمینان رہے اور خود حضرت ان کی نگرانی اور تربیت فرمائیں (مکتوب بنام حکیم ضیاء الدین رام پوری مرقومات امدادیہ ص ۱۰۸) مگر حضرت کے بار بار لکھنے اور حضرت کے متوسلین کی مسلسل کوشش کے باوجود مقصود احمد اس کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ بہت عرصہ کے بعد وہ ایک قافلہ کے ہمراہ مکہ معظمہ پہنچے لیکن وہاں طویل قیام پر آمادہ نہ ہوئے تھے (کرامات امدادیہ تالیف مولانا اشرف علی تھانوی ص ۱۲۰۔ انتظامی کانپور: ۱۹۱۸ء) اسی زمانہ میں یا بعد میں کسی وقت ہندستان واپس آگئے تھے، بھوپال میں قیام رہا، وہیں وفات ہوئی، سنہ وفات معلوم نہیں۔ لیکن حضرت مولانا گنگوہی نے حضرت حاجی صاحب کے نام اپنے ایک خط میں مقصود احمد کے مکہ مکرمہ پہنچ کر وفات کا اور اس پر حضرت حاجی صاحب کے متوقع رنج والم پر تعزیت اور اظہار غم کیا ہے (حضرت مولانا گنگوہی کا یہ خط زیر تعارف مجموعہ مکتوبات میں شامل ہے۔)

میاں عبد السمیع[۱۱] نانوتوی کا چھوٹا بیٹا (وبامیں) ضائع ہو گیا (انتقال کر گیا) لیکن وطن کے آس پاس نیز دہلی کے قرب و جوار اور کول (علی گڑھ) میں ہیضہ کی ایسی زیادتی ہے کہ سیکڑوں اشخاص ایک ایک دو دو دن میں جان، جانِ آفریں کے حوالے کر رہے ہیں۔ نانوتہ میں بہت شدت کے بعد کچھ کمی ہو چکی ہے بلکہ (وبا) ختم ہو گئی ہے، مگر تھانہ بھون اور گڑھی میاں بھائی خان[۱۲] میں نہایت زور ہے۔ اس شہر دہلی میں بھی یہ مرض اپنا کام کر رہا ہے، مگر علاقہ پہاڑ گنج میں نہیں ہے، شہر میں کچھ کم ہے، مگر ہم غریبوں کے لیے یہ کمی بھی زیادتی کا حکم رکھتی ہے۔

کل رات ایک خوبصورت، خوش اخلاق نوجوان، امروہہ کے خاندان سادات کا فرد، سلطان الدین[۱۳] نام، جس نے حضرت کے نام سے میرے ہاتھ پر بیعت بھی

[۱۱] مولوی عبد السمیع خلف حکیم یوسف انصاری رام پوری (رامپور منیہاران ضلع سہارنپور) ابتدائی تعلیم وطن میں غالباً خاندان کے علماء سے حاصل کی۔ ۱۲۷۰ھ میں پڑھنے کے لیے دہلی گئے، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا مفتی صدر الدین آزردہ سے تعلیم حاصل کی اور اکابر علمائے دیوبند مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوری، مولانا شیخ محمد تھانوی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے بھی استفادہ کیا۔

تعلیم کے بعد کچھ دنوں رڑکی میں ملازمت کی، پھر میرٹھ آگئے تھے، تمام عمر یہیں رہے ہیں۔ یکم محرم الحرام ۱۳۱۹ھ (۲۰/اپریل ۱۹۰۱ء) کو میرٹھ میں انتقال ہوا، وہیں دفن کیے گئے۔ مولانا عبد السمیع اچھے شاعر تھے غالب سے تلمذ تھا۔ نظم و نثر کی کئی کتابیں علمی یادگار ہیں، مولانا کی تالیف میں حمد باری اور براہین قاطعہ بہت مشہور ہیں۔ مزید معلومات کے لیے: غالب اور عصر غالب ڈاکٹر ایوب قادری ص ۱۶۵ (کراچی: ۱۹۸۲ء تلامذہ غالب مالک رام ص ۵۲، ۵۳ (طبع اول: نکودر بلاسنہ)۔

[۱۲] گڈھی میاں بھائی خاں یا گڈھی میاں جو اب گڈھی پختہ کے نام سے مشہور ہے نواح تھانہ بھون و شاملی ضلع مظفر نگر کا ایک بڑا گاؤں ہے۔ یہ بستی اور اس کی جاگیر اورنگ زیب عالم گیر نے اپنے پہلے سال جلوس (ربیع الثانی ۱۰۶۸ھ جنوری ۱۶۵۸ء) میں ایک بلوچی سردار شہداد خاں بن رستم خان بلوچ کو یہاں کا انتظام درست کرنے، مالیہ وصول کرنے کے لیے عنایت کی تھی۔ شہداد خاں نے اس کا نام بدل کر شہداد پور کر دیا تھا، اس وقت سے اس بستی میں ہمیشہ بلوچ پٹھان آباد ہیں، جو علاقہ میں ہمیشہ محترم اور باوقار ہے۔ ملاحظہ ہو: الف: یادگار امیر (جس میں شہداد خاں کے نام عالم گیر کے فرمان کی نقل اور ان کی اولاد و نسب کی تفصیلات درج ہیں) تالیف حاجی امیر احمد خان گڈھی پختہ خصوصاً ۶،۴،۸،۴ یہ کتاب مؤلف نے شائع کی تھی مگر میرے پاس جو نسخہ ہے اس میں ابتدائی صفحات اور سن طباعت موجود نہیں۔ ب: Muzaffar Nagar A.Gazetteer-Volume III Page No 245 Allahabad 1903

[۱۳] مولوی سلطان الدین، خلف پیر وجیہ الدین، بن پیر کمال رضوی امروہوی۔ شاہ ابن امروہوی کی اولاد میں تھے۔ خورجہ میں اپنے ماموں مولانا احمد حسن امروہوی سے تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کے بعد اصلاح و تربیت کے لیے حضرت مولانا محمد قاسم کی خدمت میں حاضر رہے، دہلی کے زمانہ قیام میں اچانک ہیضہ میں مبتلا ہوئے، یکم شعبان ۱۲۹۱ھ (۱۳/ستمبر ۱۸۷۴ء) یک شنبہ کی رات میں وفات ہوئی۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کی ہوئی تھی اور مولوی احمد حسن امروہوی[۱۱] کے سامنے (جو احقر کے احباب میں

حضرت مولانا نانوتوی نے مولانا صدیق احمد مراد آبادی کے نام ایک خط میں لکھا ہے:

سلطان الدین مرحوم بہ شب یکم شعبان	سلطان الدین مرحوم نے یکم شعبان کی رات میں اس
دریں مرض مہلک پس از چار پاس یا زائد جاں	مرض مہلک میں چار گھڑی رات یا اس سے زائد کچھ
بجان آفریں سپرد و داغ بدل اقارب و احباب	وقت گزرنے کے بعد اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی
خصوصاً مولوی احمد حسن بگذاشت، حال	اور اعزاء و احباب خصوصاً مولوی احمد حسن کے دل
زار او شاں آں روز چہ گویم چہ بود، ہم	پر داغ (فرقت) چھوڑا میں ان (مولانا احمد حسن امروہی) کا اس
چنیں حافظ عبدالغنی بر بستر غم می طپیدند	دن کا حال زار کیا کہوں، کیسا تھا، اسی طرح حافظ عبدالغنی (پھلاودہ)
	بھی بستر غم پر تڑپ رہے تھے۔

(ترجمہ نورالحسن راشد)

(مکتوب مولانا نانوتوی بنام مولانا صدیق احمد و مولانا شمس الدین مراد آبادی۔ از مضمون مولانا نسیم احمد فریدی، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ص ۳۶، مارچ ۱۹۷۶ء)

مولانا فریدی نے لکھا ہے کہ مولانا سلطان الدین کی دیوبند میں وفات ہوئی، مگر یہ اطلاع صحیح نہیں، مولانا نانوتوی کا یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے، وہیں مولوی سلطان کی وفات ہوئی۔

مولانا سلطان الدین آغاز جوانی میں انتقال کر گئے تھے، اس لیے ان کے خاندان والوں کو بھی ان کے متعلق مزید معلومات نہیں۔ جناب خورشید مصطفیٰ رضوی نے (شاہ ابن امروہوی کے اخلاف اور خاندان کی مفصل تاریخ) "تذکرہ بدر چشت" میں مولوی سلطان الدین کا ضمناً ذکر کیا ہے اور راقم سطور کے ایک خط کے جواب میں لکھا ہے کہ "مولوی سلطان الدین کے ایک بیٹے امیر حسن اور امیر حسن کے فرزند ابن حسن (وفات ۱۹۴۵ء) تھے۔ ابن حسن کے چار بیٹے ہیں: فخر الحسن، گل حسن، اختر حسن، شمس الحسن" نیز مکتوبات سید العلماء (مولانا احمد حسن امروہوی) مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی حاشیہ ص ۱۱۱ نیز صفحات ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۲، ۱۱۳ (امروہہ: ۱۴۱۰ھ)

[۱۱] مولانا سید احمد حسن امروہوی: خلف اکبر حسین امروہوی (از اخلاف شاہ ابن امروہوی) ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۰ء) میں تولد ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن میں پائی، بعد میں مختلف بڑے علماء اور اہل کمال سے استفادہ کیا۔ معقولات و منقولات میں مولانا قاسم سے فیضیاب ہوئے اور اس عہد کے ممتاز محدثین حضرت شاہ عبدالغنی مجددی حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، قاری عبدالرحمان پانی پتی رحہم اللہ سے سند حدیث حاصل کی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے بیعت ہوئے جب مکہ معظمہ حاضر ہوئے تو حضرت مولانا کی ہدایت کے مطابق حضرت حاجی امداد اللہ سے براہ راست بیعت کی اور اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ خورجہ، امروہہ اور مراد آباد کے مدرسوں میں درس و تدریس میں مشغول رہے، متعدد رسائل علمی یادگار ہیں۔ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (۱۹/ مارچ ۱۹۱۲ء) کی شب میں طاعون میں وفات پائی، تعارف کے لیے دیکھئے مضمون مولانا نسیم احمد فریدی بر مولانا سید احمد حسن امروہوی، ماہنامہ دارالعلوم، ربیع الاول ۱۳۷۳ھ سے ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ تک (کل نو قسطیں) اور مقدمہ مکتوبات سید العلماء نیز نزہۃ الخواطر ص ۳۸، ۳۹، جلد ۸ (حیدر آباد: ۱۴۰۲ھ)، تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۱۸۹ (ماہنامہ الرشید، ساہیوال۔ پاکستان ۱۴۰۰ھ) جو تاریخ دارالعلوم مؤلفہ سید محبوب رضوی پر مشتمل ہے۔ مولانا کی وفات پر ماہنامہ القاسم۔ دیوبند ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ میں تعزیتی اداریہ شائع ہوا تھا بعد میں اور مضامین بھی چھپے، شمارہ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ میں ایک اور تعزیتی تحریر چھپی جس میں لکھا ہے کہ مولانا شبیر احمد عثانی، مولانا کی سوانح لکھنے کا ارادہ کر چکے ہیں (ص ۴۷) مگر یہ ارادہ عمل میں نہیں آیا۔

سے ایک ہیں) درسی کتابیں پوری کرلی تھیں، اوپر کی کتابیں پڑھتا تھا، اس مرض میں جاں بحق ہوا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ نوجوان اچھی عادات واطوار کا مالک تھا، جمعہ اور جماعت میں حتی الامکان کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ اگر اس کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد فرمالیں، خدام نوازی سے بعید نہیں، کیونکہ اس مرحوم نے ارادۂ بیعت کا رشتہ ایسی ہی اغراض کی وجہ سے کیا تھا۔

اس کے علاوہ حضرت کے سب نیاز مند خادم اور عزیز اللہ کے فضل و کرم سے خیریت سے ہیں، مگر تمام اشخاص حیران اور دعا کے امیدوار ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں کہ سمع خراشی سے ناگواری خاطر کا ڈر ہے، اس میں بھی خطرہ اور اپنے اوپر ظلم ہے، اسی لیے اس کا کچھ نہ کچھ ذکر کرنا ضروری ہے۔

دہلی کے اکثر علماء[۱۵] نے (مولانا نذیر حسین محدث کے علاوہ) اس ناکارہ کے کفر کا فتویٰ دیا ہے[۱۶] اور فتویٰ پر مہریں کراکر علاقے میں ادھر ادھر مزید مہریں لگوانے

---

[۱۵] مولانا سید نذیر حسین: خلف سید جواد علی رضوی جنیری۔ سادات کے ایک ممتاز اور معروف خاندان سے تعلق رکھتے تھے، (سورج گڑھ ضلع مونگیر، بہار) میں آبائی وطن تھا، وہیں تقریباً ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی۔ چند مہینے صادق پور میں گزارے، جہاں سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید کی زیارت کا اور استفادہ کا موقع ملا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد الہ آباد ہوتے ہوئے دہلی آئے، دہلی میں متعدد علماء سے مختلف کتابیں پڑھیں، حضرت شاہ محمد اسحاق کے درس میں حاضر ہوتے رہے، حضرت شاہ اسحاق کے سفر ہجرت کے موقع پر اجازت حدیث حاصل کی اور اس وقت سے زندگی کے آخری لمحات تک دہلی میں مقیم رہے۔ پوری زندگی خدمت حدیث اور درس وافادہ میں بسر فرمائی۔ رجب ۱۳۳۰ھ اکتوبر ۱۹۱۲ء میں وفات ہوئی، دہلی میں قبرستان شیدی پورہ قصاب پورہ میں دفن کئے گئے۔ الحیات بعد الممات (سوانح) مرتبہ مولانا فضل احمد (طبع اول، آگرہ: ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) نیز، نزہۃ الخواطر ص ۴۹۷۔۵۰۱۔ جلد ۸ وغیرہ۔)

[۱۶] وجہ تکفیر: تحذیر الناس کی تالیف کی وجہ سے حضرت مولانا محمد قاسم کی تکفیر کی گئی تھی۔ تحذیر الناس دراصل حدیث ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم ..... الخ کی تحقیق میں لکھا گیا ایک ذاتی خط تھا، جو مولانا محمد احسن نانوتوی کے ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ اس وقت مولانا محمد احسن بریلی میں رہتے تھے ان کا شہر کے زعما میں شمار تھا اور شہر کی عیدگاہ کے امام بھی تھے، مولانا محمد احسن نے ایک موقع پر ضمناً اس حدیث کی تصدیق کی تھی، جس کی وجہ سے مولوی علی نقی خاں (والد مولوی احمد رضا خاں صاحب) بریلوی نے مولانا محمد احسن کی تکفیر کی، مولانا محمد احسن نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور فخر المتاخرین مولانا عبد الحئی فرنگی محلی سے اس حدیث کی استنادی حیثیت اور اس کا حکم معلوم کیا، ان حضرات نے اس حدیث کے سلسلہ میں مولانا محمد احسن کے قول اور اس حدیث کی صحت کی تائید کی، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کے لیے بھیج دیا ہے۔ اب یہ خبر ہے کہ وہ فتویٰ عن قریب عرب شریف بھی پہنچے گا، اس رسالے کے عرب شریف بھیجنے کا ایک مقصد یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا رحمت اللہ[۱۷] اس کا مطالعہ فرمائیں اور ان کے ذریعہ سے عرب شریف کے علماء کی مہریں بھی اس فتوے پر ہو جائیں، اس علاقے کے احباب جواب کی امید کر رہے ہیں، مگر میں نے اپنے اسلام کو ننگ کفر سمجھ کر خاموشی کے علاوہ کوئی جواب نہیں دیا، اور میں نے کہہ دیا کہ اس کا جواب انہیں (جواب لکھنے والوں) کی تکفیر ہو گی مگر یہ مجھ سے نہ ہو گا، کیونکہ میں ان (لوگوں) کو اس زمانے کے اہل ایمان کا رہنما جانتا ہوں۔

محمد یاسین[۱۸] نے لکھا تھا کہ احمد حسین کے قرض کی رقم تیار ہے مگر کاندھلے

ان تحریرات و فتاویٰ کو مولانا محمد احسن نے (خصوصاً) مولانا محمد قاسم کی اطلاع و اجازت کے بغیر تحذیر الناس کے نام سے، اپنے مطبع صدیقی بریلی ۱۲۹۱ھ میں شائع کر دیا۔ اس کی اشاعت سے مخالفت کی آگ اور بھڑک اٹھی، مولانا محمد احسن کے مخالفین نے فتویٰ دینے والے علماء کی بھی تکفیر کر ڈالی، مولانا نانوتوی ان فتاویٰ کا خاص نشانہ تھے، ان تکفیری تحریروں کی وجہ سے ممتاز علماء مولانا سید نذیر حسین محدث اور مولانا عبد الحئی فرنگی محل سے دوبارہ رجوع کیا گیا، ان حضرات نے مولانا محمد قاسم کی تحریر اور حدیث کی صحت کی مکرر تصدیق فرمائی اور حضرت مولانا محمد قاسم کی تکفیر سے انکار کیا۔ یہاں اس فتویٰ کی جانب اشارہ ہے، یہ فتویٰ مولانا نذیر حسین کے مجموعہ فتاویٰ میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ نذیریہ ص ۳۳ جلد اول (دہلی: ۱۳۳۳ھ) مجموعہ فتاویٰ مولانا عبد الحئی (فارسی) ص ۱۹، ۱۶ (یوسفی، لکھنؤ ۱۳۳۵ھ)

[۱۷] مولانا رحمت اللہ بن خلیل الرحمان عثمانی، کیرانوی، مہاجر مکی۔ ممتاز عالم، مجاہد، مصنف، مجدد اسلام، بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ اور اظہار الحق جیسی شہرۂ آفاق کتاب کے مصنف۔ جمادی الاول ۱۲۳۳ھ (مارچ اپریل ۱۸۱۳ء) میں تولد ہوئے، ابتدائی تعلیم والد ماجد اور دہلی کے علماء سے حاصل کی۔ تمام عمر درس و افادہ اور تصنیف و تالیف میں گزاری۔ مولانا کا سب سے بڑا نا قابل فراموش اور تجدیدی کارنامہ عیسائیت کے خلاف جدو جہد ہے، جس نے ہندستان میں اسلام اور مسلمانوں کے قدم جمائے اور عیسائیت کے خلاف ایسا علمی استدلالی سرمایہ فراہم کیا، جس کی پوری دنیائے اسلام میں کوئی نظیر نہیں۔

رجب ۱۲۷۰ھ (اپریل ۱۸۵۴ء) میں فنڈر (C.Gphander) سے آگرہ میں مناظرہ کیا۔ اور تاریخی بلکہ تاریخ ساز فتح حاصل کی۔ ۱۸۵۷ء میں شاملی، کیرانہ، بجنور وغیرہ کئی محاذوں پر انگریز حکومت کے خلاف معرکہ آراء رہے، جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد مکہ معظمہ ہجرت کی۔

رجب ۱۲۸۰ھ میں اظہار الحق کی تالیف کا آغاز ہوا اور ذی الحجہ تک مکمل ہو گئی۔ ۱۲۹۰ھ میں مدرسہ صولتیہ قائم کیا۔ ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ (یکم مئی ۱۸۹۱ء) کو مکہ معظمہ میں رحلت کی۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، ایک مجاہد معمار، مولانا محمد سلیم کیرانوی اور آثار رحمت، امداد صابری (دہلی: ۱۹۶۷ء) نیز نزہۃ الخواطر ص ۱۴۷ ج ۸ (حیدر آباد ۱۴۰۲ھ)۔

[۱۸] محمد یاسین نانوتوی: محمد یاسین خلف جمیل الدین نانوتوی تھے۔ حضرت مولانا نانوتوی کے ماموں زاد بھائی اور معتمد تھے، مولانا نانوتوی کے فرزند مولانا حافظ احمد صاحب ان کو چچا کہتے تھے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

والے[18] اب اس کی دستاویز نہیں دے رہے ہیں اور اس تاخیر میں شاید ہمارے نقصان کی امید رکھتے ہوں گے۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ دیر کریں اور اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے میرا ہاتھ اس رقم پر پڑ جائے اور یہ خرچ ہو جائے۔

حامل عریضہ امروہہ کے ممتاز سادات میں سے ہیں، احقر کی جانب عنایت کی نظر رکھتے ہیں، اسی عنایت کی وجہ سے حضرت والا کی عقیدت ظاہر ہوتی ہے، لہٰذا حضرت والا کی نظر کرم کے مستحق ہیں۔ حافظ احمد حسین[19] کی خدمت میں حافظ عبداللہ[20]

سوانح قاسمی گیلانی صفحہ ۵۵ جلد ۱، نیز نسب نامہ صدیقیان نانوتہ، مرتبہ مولانا مفتی محمود احمد نانوتوی صفحہ ۸ (دہلی بلاسنہ) حضرت حاجی صاحب کے اور مکتوبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں غالباً یہی یٰسین مراد ہیں۔ حضرت حاجی عبداللہ کی بھتیجی میاں محمد یٰسین سے منسوب تھیں۔ حضرت حاجی صاحب اور مولانا نانوتوی کے متعدد مکتوبات میں ان کا ذکر آیا ہے۔

۱۸ اب اس کا متولی محمد اسماعیل (خلف محمد معین الدین بن نجیب الدین بن حمید الدین صدیقی) کاندھلوی کی طرف اشارہ ہے، جو کاندھلہ کے نامور ذی ثروت بااثر اور پاک طینت شخص تھے، قاضی محمد اسماعیل منگلوری (خلیفہ مولانا شیخ محمد تھانوی) کے ممتاز متوسلین میں شامل تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کو قاضی اسماعیل صاحب سے اجازت خلافت بھی حاصل تھی۔ ۱۲ر جمادی الاول ۱۳۳۵ھ (۷ر مارچ ۱۹۱۷ء) کو کاندھلہ میں وفات ہوئی۔ اس قصہ کی کچھ اور تفصیل مکتوب نمبر ۱۹ اور اس کے حاشیہ میں آرہی ہے۔

۱۹ حافظ احمد حسین صاحب پیرجی احمد حسین (بن فدا حسین بن حافظ محمد امین) تھانوی، حضرت حاجی امداد اللہ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ ابتداء میں بہت تنگدستی تھی، تلاش معاش میں برسوں پریشان رہے، محکمہ تعلیم میں ایک ملازمت ملی تھی مگر وہ شعبہ جس میں ملازمت تھی، ختم کر دیا گیا، جس کی وجہ سے یہ ملازمت بھی ختم ہو گئی اور حسب خواہش معقول ذریعہ معاش میسر نہ ہوا۔ آخر میں حضرت حاجی صاحب کے طلب فرمانے پر مکہ معظمہ گئے، امین الحجاج مقرر ہوئے اور ہندوستان سے آنے جانے والے حاجیوں کی خدمت، ان کی رقموں وامانتوں کا رکھنا اور ان کی ہر طرح کی رہنمائی شب و روز کا مشغلہ تھا۔ مکہ مکرمہ میں بیمار ہوئے اور اچانک ۱۳ر ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ (۱۶ر مئی ۱۸۹۵ء) کو وفات ہو گئی۔ مزید معلومات کے لیے تبرکات (مجموعہ مکتوبات حضرت حاجی امداد اللہ و حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی) مرتبہ نور الحسن راشد صفحہ ۶۰، ۶۳، (کاندھلہ: ۱۹۷۶ء)

۲۰ حافظ عبداللہ تھانہ بھون یا نانوتہ کے رہنے والے اور غالباً حضرت حاجی امداد اللہ کے بھتیجے تھے۔ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ کی خدمت بابرکت میں ہمہ وقت حاضر، حضرت کے خادم خاص، معتمد اور نہایت عزیز تھے۔ حضرت کو ان کی وجہ سے جو راحت و آرام اور تعلق خاطر تھا اس کا حضرت حاجی صاحب کے خطوط سے علم ہوتا ہے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"عزیزم حافظ عبداللہ چند مہینوں سے معمولی بخار میں مبتلا تھے حال میں بخار اور کھانسی نے نہایت زور کیا ہے علاج معالجہ کیا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ صحت عطا فرمائے، وہ میرے ہاتھ پاؤں ہیں، اگر خدانخواستہ کوئی اور بات ہو گی تو مجھے بظاہر پریشانی و تکلیف ہو گی۔ وہ خدمت کرنے والے تابعدار شخص ہیں دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ان کو صحت عطا فرمائے" ترجمہ از مکتوب فارسی، مشمولہ مرقومات امدادیہ، صفحہ ۳۰ مکتبہ برہان دہلی: ۱۹۷۹ء

حضرت حاجی صاحب کو جو اندیشہ تھا وہی ہوا، حافظ عبداللہ اس مرض سے جانبر نہ ہوئے (باقی اگلے صفحہ پر)

مولانا رحمت اللہ، حاجی سکندر خان[۲۱] کی طرف سے سلام پہنچے اور مخدومہ پیرانی کی خدمت میں احقر کا سلام بھی عرض ہے۔ مولوی فیض الحسن[۲۲] اتفاق سے دہلی آئے ہوئے ہیں، حضرت کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں۔

کمینہ احقر زماں، احمد حسن عفی عنہ سلام و کلام کے بعد عرض کرتا ہے کہ عزیز از جان محمد سلطان میرا بھانجہ تھا اور میرے حقیقی چچا کی دختران کے نکاح میں تھی، دو چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے۔ للہ اس مرحوم کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں، اس کی اہلیہ بچوں اور پسماندگان کو بھی دعا میں یاد رکھیں۔

اور ان کی شوال ۱۳۰۶ھ (مئی، جون ۱۸۸۹ء) میں مکہ مکرمہ میں وفات ہوگئی۔ مکتوب حضرت حاجی صاحب محررہ ۱۷ محرم ۱۳۰۷ھ انوار امدادیہ۔ جناب امداد صابری کی اطلاع ہے کہ حافظ عبداللہ کو خلیل پاشا نقش بندی سے خلافت حاصل تھی۔ داستاں شرف (تذکرہ مولانا شرف الحق دہلوی) صفحہ ۴۵۰ (دہلی: ۱۹۷۹ء) بظاہر اس سے یہی حافظ عبداللہ مراد ہیں۔

۲۱ میاں سعدی اور میاں سکندر خاں۔ دونوں صاحبان حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خادم اور حاضر باش افراد میں سے تھے۔ تفصیلات ہدست نہیں۔

۲۲ مولانا فیض الحسن (خلف علی بخش بن خدا بخش) قرشی سہارنپوری، عربی ادب، انساب، اور ایام عرب کے جید ترین ہندوستانی فاضل شاعر اور انشاء پرداز تھے۔
۱۲۳۲ھ (۱۸۱۷ء) میں تولد ہوئے ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں، معقولات و ادب مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا مفتی صدر الدین آزردہ سے اخذ کئے حدیث کا درس شاہ احمد سعید مجددی سے لیا۔ طب حکیم امام الدین دہلوی سے پڑھی۔ ۱۸۳۸ء سے ۱۸۵۷ء تک دہلی میں تعلیم و استفادہ کے لیے قیام رہا۔
مجلہ شفاء الصدور، تفسیر جلالین کا حاشیہ، حل ابیات بیضاوی، شرح دیوان حماسہ، شرح معلقات سبعہ، تحفہ صدیقیہ (شرح حدیث امام زرع) فارسی کلام کے دو مجموعے اور عربی کا دیوان مطبوعہ و متعارف ہیں (جو مولانا حمید الدین فراہی نے مرتب کر کے شائع کرا دیا تھا) لیکن مولانا کے بعض قصائد و قطعات ایسے بھی ہیں جو اس مجموعہ میں شامل نہیں۔ حاشیہ تفسیر جلالین کی دوسری جلد حاشیہ مشکوٰۃ، نیز متعدد تحریرات قرابادین فیضی اور مجربات طب پر ایک اور تالیف غیر مطبوعہ ہمارے ذخیرے میں موجود ہے۔

تیسرے خط کا ترجمہ

یہ خط رمضان المبارک ۱۲۹۱ھ (وسط اکتوبر ۱۸۷۴ء) سے پہلے لکھا گیا ہے
(جو قلمی نسخہ کی ترتیب میں آٹھواں خط ہے)

غلاموں میں بدترین، خاندان کا بدنام کرنے والا محمد قاسم، اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے۔

سراپا برکت حضرت مخدوم جہاں خاص وعام کے آقا، وسیلہ عالی، ذریعۂ کبری، راہ دکھانے والوں کے رہنما، سرداروں کے سردار، ہمارے مخدوم جن کی ہم اطاعت کرتے ہیں، ہمارے آقا، ہمارے مرشد، جناب حاجی صاحب دامت برکاتہ کی خدمت میں۔

سلام غلامانہ کے بعض عرض ہے کہ جناب والا کا گرامی نامہ ملنے سے جو بیس روپیہ ملنے کی رسید (واطلاع پر مشتمل) تھا، اس قدر عزت وامتیاز اور فخر ومسرت کی غیر معمولی کیفیت حاصل ہوئی (جس کا اظہار مشکل ہے) اور کیوں نہ ہو کہ بزرگوں کی عنایت کامیابی کا وسیلہ اور ہمیشہ کی برکتوں کا ذریعہ ہے۔

مگر اس خبر سے کہ حضرت کے اعضاء شریفہ میں کمزوری بڑھ گئی ہے، پریشانی اور فکر ہوگئی ہے، دعاے خیر کے علاوہ کیا کرسکتے ہیں۔ گنہگار اور نالائق کی دعا ہے کتنی اونچے جائے گی کہ اس سے امید باندھی جائے، مگر یہ کہ (خود) قبولیت اس کے استقبال کے لیے (آگے) آئے۔

بہر حال ہم نالائقوں کی التجا یہی ہے کہ اللہ رحمان ہم نالائقوں کے حال پر رحم فرمائے۔ جناب والا کی عمر طویل ہو، جناب کے اعضائے شریفہ میں طاقت واپس آجائے تاکہ وہ لوگ جو سیاہ ناکارہ خیالات کے اندھیروں میں پڑے ہوئے

ہیں ان کے نکلنے کی امید ہو، ورنہ دوسرا ہمارے سر پر کون ہے کہ ان کی عنایات پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی بدکرداریوں کی داد چاہی جائے۔

باقی حال یہاں کا وہی ہے جو تھا، حضرت کے رشتہ دار پہلے کی طرح خوش ہیں اور ہر ایک اپنے کام میں مشغول ہے، مگر حافظ احمد حسین کا کچھ تعلق مولوی ذوالفقار علی[۲۳] صاحب کے محکمہ سے باقی نہیں رہا، وہ عہدہ اور (اس) دفتر کے اور عہدے تخفیف میں آگئے (ختم کردیئے گئے) اسی وجہ سے وہ بھی تخفیف میں آگئے اور اپنے منصب سے برخواست کردیئے گئے۔

اور تیرہویں شعبان کو ان کا نکاح مولوی محمد ابراہیم[۲۴] فرزند مولوی نور الحسن[۲۵]

---

۲۳ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی شیخ فتح علی، دیوبندی کے فرزند ارجمند (اور شیخ الہند مولانا محمود حسن کے والدِ ماجد) مولانا ذوالفقار علی تقریباً ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے، مولانا مملوک العلی مفتی صدر الدین آزردہ وغیرہ سے تعلیم حاصل کی۔ عربی ادب میں فخر زماں ہوئے، سرکاری ملازمت کی، دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے تقریباً چالیس سال رکن رہے۔ اعلیٰ درجہ کی متعدد تالیفات یادگار ہیں، تین صاحبزادے ہوئے جس میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن فخر اسلاف، فخر خاندان، فخر دیوبند اور فخر علمائے برصغیر تھے۔ تقریباً پچاسی سال کی عمر میں رجب ۱۳۲۲ھ (ستمبر ۱۹۰۴ء) میں دیوبند میں وفات ہوئی۔
نزھۃ الخواطر صفحہ ۱۴۰، ۱۴۱ جلد ۸ نیز حیات شیخ الہند مولانا سید اصغر حسین صاحب صفحہ ۱۳، ۱۵ (لاہور: ۱۹۷۷ء)

۲۴ مولانا محمد ابراہیم...... مولانا ظہور الحسن محمد ابراہیم، خلف مولانا نور الحسن، بن مولانا ابو الحسن، خلف حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی۔
۲۰ / جمادی الاول ۱۲۴۹ھ ۵ / اکتوبر ۱۸۳۳ء کو ولادت ہوئی۔ والد ماجد سے تعلیم حاصل کی، درسیات و دینیات کی اعلیٰ صلاحیت میں بہت ممتاز تھے۔ حکیم احسن اللہ خاں دہلوی سے طب پڑھی، تعلیم کے بعد وطن میں رہے، قصبہ کے دینی امور اور امامت کی ذمہ داری انجام دی۔
حکیم ابراہیم کا حافظ عبد الرحمٰن حیرت جھنجھانوی کی دختر سے نکاح ہوا، جس سے دو بیٹیاں اور دو لڑکے مولانا عزیز الحسن، مولانا رضی الحسن تولد ہوئے (جو تبلیغی جماعت کے امیر سوم مولانا انعام الحسن کے دادا تھے)
حکیم محمد ابراہیم کی (رجب، شعبان ۱۳۲۷ھ) اگست ۱۹۰۹ء میں کاندھلہ میں وفات ہوئی۔ مزید معلومات کے لیے سفینہ رحمانی تالیف حکیم عبد الرحمٰن حیرت جھنجھانوی، مولفہ ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) صفحہ ۱۰۲، ۱۰۳ (مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۴ء) اور حالات مشائخ کاندھلہ، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی۔

۲۵ مولانا نور الحسن خلف مولانا ابو الحسن کاندھلوی۔ ۲۶ / ربیع الثانی ۱۲۲۷ھ (۱۰ / مئی ۱۸۱۲ء) کو ولادت ہوئی۔ حضرت مفتی الٰہی بخش سے ابتدائی درسیات پڑھیں، اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی اور خیر آباد کا سفر کیا۔ مولانا مفتی صدر الدین آزردہ مولانا فضل حق خیر آبادی سے علوم کی تکمیل کی اور حضرت شاہ محمد اسحاق سے حدیث پڑھی اور تینوں کے اہم ترین شاگردوں میں شمار کیے گئے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

صاحب مرحوم کی بیٹی[۲۵ب] سے ہو گیا۔ اس کے علاوہ سب نیاز مند اور احباب کے غلام خیریت سے ہیں۔ مگر اس غلام کی والدہ ۱۷/ محرم الحرام ۱۲۹۱ھ (جمعہ ۶/ مارچ ۱۸۷۴ء) کو اس دنیا سے انتقال فرما گئیں[۲۶]۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

اس سے پہلے بھی ایک عریضہ خاص صرف (والدہ مرحومہ کے لیے) دعائے مغفرت کی التجا کے لیے لکھا تھا، پہنچا ہوگا۔ اب بھی درخواست کرتا ہوں۔ اگرچہ سراپا گنہگار ہوں، جناب والا کی عنایات عالی سے کون سی امید ہے جو مجھے نہیں ہے، اگرچہ نالائق ہوں مگر کونسا بھروسہ (اور اعتماد ہے) جو لائق اعتماد حضرات پر نہیں کیا ہے۔ حضرت والا کی ایک دعا میں ان مرحومہ (والدہ صاحبہ) کی مغفرت کی امید ہے، بلکہ اس سے زائد (عطایا کی امید ہے) اور صرف یہی غلام جناب والا کا حلقہ بگوش نہیں ہے، وہ مرحومہ بھی جناب والا کی خادماؤں میں سے تھیں، اس وجہ سے بھی عنایات کا حق رکھتی ہیں، اللہ کے لیے یاد فرما کر دعا فرمائیں۔ تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے، اگر ناچیز کی یہ درخواست قبول ہو جائے تو امید ہے کہ (حق تعالیٰ شانہ) مجھے والدہ مرحومہ کے محسنین میں شمار فرمالیں گے اور اس خدمت

مولانا نے متعدد ریاستوں میں اور سرکاری عہدوں پر کام کیا، لیکن درس و تدریس کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا، مولانا ہندوستان کے اہم ترین اصحاب درس میں سے تھے دور دراز سے طلبہ استفادہ اور تلمذ کے لیے آتے تھے متعدد نامور علماء مولانا کے شاگردوں میں ہیں مولانا کی چند مختصر مگر اہم تالیفات بھی ہیں ۱۱/ محرم الحرام ۱۲۸۵ھ (۵/ مئی ۱۸۶۸ء) کاندھلہ میں وفات ہوئی۔ مفصل معلومات کے لیے ملاحظہ ہو:

۱۔ حالات مشائخ کاندھلہ از مولانا احتشام الحسن کاندھلوی

۲۔ شمارہ خاص، سہ ماہی احوال آثار کاندھلہ (بیاد مولانا انعام الحسن کاندھلوی) صفحہ ۱۰۳ تا ۱۱۹

۲۵ب رقیہ دختر حکیم محمد ابراہیم یہ حکیم صاحب کی سب سے بڑی اولاد تھیں۔ تقریباً ۱۲۷۰ھ میں ولادت ہوئی، اور لمبی بیماری کے بعد ۸/ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ (۴/ اپریل ۱۸۷۶ء) منگل کے دن وفات ہوئی (از بیاض مولانا عزیز الحسن و مولانا رضی الحسن صاحبان، برادران خورد رقیہ)

۲۶ بی بی حبیبہ دختر مولوی وجیہہ الدین نانوتوی (زوجہ شیخ اسد علی، والدہ ماجدہ حضرت مولانا محمد قاسم) محترمہ کی وفات کا کہیں اور ذکر نہیں ملا یہ حادثہ ۱۷/ محرم الحرام ۱۲۹۱ھ (۶/ مارچ ۱۸۷۴ء) جمعہ کو پیش آیا تھا، جیسا کہ اس خط میں درج ہے سنہ کی تحقیق زوجہ حافظ احمد حسین کی تاریخ وفات سے ہوئی جو ہماری خاندانی بیاضوں میں درج ہے۔

گزاری کے صلہ میں میری بھی مغفرت فرمادیں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں کہ حضرت والا کی عنایات بلادرخواست بھی (جاری رہتی ہیں)

جناب مولانا رحمت اللہ صاحب اور مولوی محمد منعم صاحب[۲۷] سے نیز حافظ عبداللہ کی خدمت میں اور شیخ سعدی سے سلام عرض اور میرے بچوں کی جانب سے حضرت والا اور زوجہ محترمہ کی خدمت میں سلام عرض ہے۔

---

۲۷ مولوی محمد منعم صاحب غالباً دیوبند یا نانوتہ کے رہنے والے تھے، مکہ مکرمہ جاکر کئی سال حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر رہے، سن ۱۲۹۴ھ میں مولانا محمد قاسم اور مولانا محمد یعقوب وغیرہ کی سربراہی میں جو ایک قافلہ حج کے لیے گیا تھا اس کے ساتھ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ میں واپس آگئے تھے مگر جہاز میں بیمار ہو گئے تھے اور وطن پہنچنے کے ایک ہفتہ بعد انتقال ہو گیا۔ مستفاد از مکتوب مولانا محمد یعقوب نانوتوی بنام حاجی امداد اللہ (غیر مطبوعہ)

چوتھے خط کا ترجمہ

مکتوبہ ۲۵ر رمضان المبارک ۱۲۹۱ھ (۲۶ر نومبر ۱۸۷۴ء) شب جمعہ
(جو قلمی نسخہ کی ترتیب کے مطابق ساتواں خط ہے)

قبلہ ارشاد اور کعبہ ہدایت۔ (آپ کے فیوض کا سایہ طویل ہو)
غلام کا سلام مسنون قبول ہو۔

چند عریضے اس سے پہلے حاضر کئے ہیں، حضرت والا کے بھتیجے میاں عبد اللہ کی بہن[۲۸] کی بیماری کا حال معلوم ہوا ہوگا۔ مگر اس وقت جب کہ رمضان المبارک کی پچیسویں شب کی آدھی رات ہے اور یہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کی شب ہے، چند لمحے گزرے ہیں کہ اس مرحومہ نے اپنی جان جان دینے والے کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!!

دو بچے ایک مشتاق احمد[۲۹] جو بارہ سال کا ہے، دوسرا مشتاق احمد جو تین سال کا ہے، بیمار ہے اور اکثر بیمار رہتا ہے۔ دوسرے ایک لڑکی سکینہ نام کی جو دس گیارہ سال کی ہوگئی اور میرے بیٹے احمد کے نام سے منسوب ہے، چھوڑی۔ وہ حسرت

---

۲۸ اہلیہ منشی محمد یٰسین، حضرت حاجی امداد اللہ کی بھتیجی حضرت کے ایک اور عزیز میاں عبد اللہ کی بہن، ان کا حضرت مولانا اور حاجی صاحب کے مکتوبات میں بار بار ذکر آیا ہے۔ یہ خاتون طویل عرصہ تک بیمار رہیں، حضرت مولانا نانوتوی نے ایک اور خط میں لکھا ہے:

"منشی محمد یٰسین کی اہلیہ بیمار شدید ہیں بظاہر ورم جگر ہے وہ بھی دیر کا" مکتوبات قاسمی قلمی مرحومہ کا اسی بیماری میں انتقال ہو گیا تھا آئندہ خطوط میں اس کی صراحت ہے۔

۲۹ مشتاق احمد کی ۱۳۱۰ھ کے قریب وفات ہوئی۔ مشتاق احمد کے فرزند ظفر احمد تھے، ظفر احمد نانوتوی نے وکالت پڑھی۔ کامیاب وکیل تھے، ۱۹۵۰ء میں پاکستان چلے گئے تھے۔ ۲۰ر مئی ۱۹۵۷ء (۱۹ر شوال ۱۳۷۶ھ) کو کراچی میں انتقال ہوا۔ تذکرہ مولانا محمد احسن نانوتوی حاشیہ صفحہ ۲۲ (کراچی: ۱۹۶۶ء) نیز نسب نامہ (صدیقیان نانوتہ) صفحہ ۸۔ مشتاق احمد کی بہن سکینہ تھیں، ان کا رشتہ اور نکاح حضرت مولانا محمد قاسم کے فرزند حافظ (مولانا) احمد (والد ماجد مولانا قاری محمد طیب) سے ہوا تھا، جیسا کہ اس خط میں بھی ذکر ہے۔

(وافسوس) جو اس (مرحومہ) کے ان بچوں کے دیکھنے سے ہوتا ہے کہنے سننے کے لائق نہیں ہے، مگر تقدیر کے سامنے کیا بس ہے۔ صبر کے علاوہ کچھ نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت والا کے سامنے یہ مضمون عرض کرنا لقمان کو حکمت سکھانا ہے۔ صبر اختیار فرمائیں۔ زیادہ کیا عرض کر سکتا ہوں۔ اس مرحومہ کے حق میں خود نسب کی محبت اور عام شفقت کی وجہ سے دعا فرمانی چاہیے۔ اور باقی رہنے والوں کے لیے عافیت اور نیکی کی دعا کی درخواست کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت مخدومہ کی خدمت میں سلام عرض ہو۔ سلام و آداب کے علاوہ اور کیا گزارش کی جائے اور سب خیریت سے ہیں۔

جناب ماموں جمیل الدینؒ[۲۹ب] صاحب و عزیزم محمد یٰسین نیز جناب مولوی محمد یعقوب کہ اس وقت حاضر ہیں، سلام عرض ہے۔ معین الدینؒ[۳۰]، مولانا (محمد یعقوب) کا بڑا بیٹا اسی وقت سلام عرض کر کے گیا ہے۔

۲۹ب ماموں جمیل الدین صاحب خلف وجیہہ الدین صدیقی نانوتوی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے حقیقی بڑے ماموں، ۱۸۵۷ء تک سہارنپور میں وکالت کرتے تھے، آسودہ و خوش حال شخص تھے۔ مزید معلومات بدست نہیں۔

۳۰ مولانا یعقوب کا بڑا بیٹا...... معین الدین، مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے پہلے فرزند، تقریباً ۱۲۷۲ھ (۵۶-۱۸۵۵ء) میں تولد ہوئے۔ والد اور مولانا محمد مظہر وغیرہ سے تعلیم حاصل کی۔ مولانا محمد یعقوب نے جودھ پور میں ملازمت کی کوشش کی تھی مگر اس کے نتائج کا علم نہیں۔ ملاحظہ ہو: بیاض یعقوبی مکتوب ۱۹، ۳۳ صفحہ ۸۱،۵۸ (طبع اول: تھانہ بھون: ۱۹۲۹ء)

پانچویں خط کا ترجمہ

مکتوبہ ۱۲۹۱ھ غالباً شوال اور ذی الحجہ
دسمبر ۱۸۷۴ء، جنوری ۱۸۷۵ء کے درمیان لکھا گیا ہے
(جو قلمی نسخہ کی ترتیب کے مطابق دسواں خط ہے)

قبلہ دین وایمان! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔

غلاموں میں سے کمترین، محمد قاسم سلام مسنون اور آستانہ پر خدمت کی تمنا کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس نواح کے حالات پچھلے خط سے معلوم ہو گئے ہوں گے، زیادہ کیا عرض کروں۔

مگر اس قدر گزارش کرنی ہے کہ تھانہ بھون اور انبہٹہ[۳۱] اور گڈھی[۳۲] وغیرہ وطن کے علاقہ میں ہیضہ کا اس قدر زور ہے کہ ہر شخص اپنی زندگی کو خطرہ میں محسوس کر کے کانپ رہا ہے، لیکن ابھی تک حضرت والا کے عزیزوں اور اہل خاندان میں ویسی ہی عافیت ہے جیسے کہ تھی۔

باقی یہ عریضہ لانے والے پیر محمد نامی ایک غریب اور سادہ دل شخص ہیں، سنبھل سے زیارت حرمین (اللہ تعالیٰ ان کے عزت وشرف میں اضافہ فرمائے) کے شوق میں اور حضرت عالی کے قدم چومنے کے شوق میں بھی اس دیار کا احرام باندھا ہے۔ اس جگہ سے کہ اپنا سر حضرت والا کے خادموں کے سر کے نیچے رکھے ہوئے اور حضرت والا کی عقیدت کا حلقہ مجھ ناچیز کے واسطہ سے اپنے کانوں (اور دل) میں ڈالے ہوئے ہیں، اگر جناب والا کی عنایات عام کے

---

[۳۱] انبہٹہ ضلع سہارنپور کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے اور نانوتہ، گنگوہ اور دیوبند کی نواحی بستی ہے۔
[۳۲] گڑھی، یا گڈھی میاں بھائی خاں، یا گڈھی پختہ (تعارف گزر گیا ہے)

مستحق قرار پائیں، عجب نہیں ہے۔

حضرت مخدومہ (اہلیہ صاحبہ) حافظ احمد حسین صاحب، وحافظ عبداللہ اور مولوی رحمت اللہ صاحب کو اس ناکارہ کا سلام پہنچے۔

مولوی احمد حسن صاحب امروہوی انشاء اللہ تعالیٰ اس سال حرمین شریفین کی زیارت اور قدم چومنے کی دولت سے مشرف ہوں گے (وہ) مجھ حقیر سے استناد (سند) اور تعلیم کا رشتہ رکھتے ہیں (ان کی طرف سے) سلام مسنون قبول ہو۔

چھٹے خط کا ترجمہ

مکتوبہ ۱۰ر رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ (۱۱راکتوبر ۱۸۷۵ء)
(جو قلمی نسخہ کی ترتیب کے مطابق بھی چھٹا خط ہے)

حضرت مخدوم عالم اور ہمارے قبلہ وکعبہ ...... اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے!

غلاموں میں سے کمترین، محمد قاسم سلام مسنون اور آستانہ عالی کی خدمت کے شوق کے (اظہار کے) بعد عرض کر رہا ہے کہ ہیضہ کی وباء نے اس موسم برسات میں ان اضلاع میں کوئی قصبہ اور شہر ایسا نہیں چھوڑا کہ جہاں کے کم یا زیادہ افراد نے آخرت کی راہ نہ اختیار کی ہو، مگر اس رب تعالیٰ کا شکر کس طرح (ادا) کیا جائے کہ ابھی تک جناب والا کے اعزہ میں اور جناب والا کے نیازمندوں اور خادموں میں خیریت ہے۔ مگر میاں عبداللہ جناب والا کے بھتیجے کی اہلیہ[۳۲] نے پہلی رمضان المبارک (یکم اکتوبر ۱۸۷۵ء) کو ہفتہ کے دن اسقاطِ (حمل) کی تکلیف سے (اپنی) جان جان پیدا کرنے والے کے سپرد کر دی اور بچی اور دوسرے رشتہ

[۳۲] حاجی صاحب کے بھتیجے کی اہلیہ ہمشیرہ میاں محمد لیسین نانوتوی، محمد لیسین بھی حاجی صاحب اور حضرت مولانا کے رشتہ دار تھے دونوں کا حاجی صاحب اور حضرت مولانا کے کئی خطوط میں ذکر آیا ہے۔

داروں کے دل کو (جدائی کا) صدمہ پہنچایا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون!

اس وقت ان کا پورا گھر ویران ہو گیا، اس گھر میں عورت کا نام بھی نہ رہا۔ محمد یٰسین کی بیوی پچھلے رمضان میں اس دنیا سے گزر گئی تھیں، اس رمضان میں یہ بیچاری بھی اس کے راستہ پر گئی۔ اس وقت یہ پریشانی جو چھوٹے بچوں کی نگرانی اور ان کی پرورش میں گزر رہی ہے، دیکھنے کی ہے، سننے کے لائق نہیں ہے (یعنی لکھنے سے صحیح حال اور تکلیف کا اندازہ نہیں ہو سکتا)

مشتاق احمد، محمد یٰسین کا بڑا لڑکا سمجھدار ہو گیا ہے مگر اس کا چھوٹا بیٹا اشتیاق احمد اپنی والدہ کے انتقال کے بعد میاں عبداللہ کی بیوی کو اپنی ماں سمجھتا تھا۔ مگر مشیت الٰہی نے انتہائی بے نیازی سے اپنا کام کیا اور میاں عبداللہ کی بیوی کو بھی اس کے پہلو سے لے لیا۔

اس وقت سکینہ محمد یٰسین اور صدیقہ دختر میاں عبداللہ بھی کم عمری کی وجہ سے پریشانی میں ہیں۔ محمد یٰسین اور میاں عبداللہ اور جناب ماموں[۳۳ب] صاحب چھوٹے بچوں کے ان حالات کو دیکھ کر پریشان ہیں اور ان سب کے ساتھ (اپنے) عزیز و اقارب میں کوئی ایسی لڑکی نہیں ہے کہ جو بڑی ہو گئی ہو اور اس سے نکاح کا سلسلہ ہونے کی گنجائش نظر آتی ہو، بلکہ کوئی عورت اور بیوہ بھی ایسی نہیں ہے کہ اس کو اس کے اعزہ و اقارب نکاح میں دیدیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلہ میں مجھ سے رابطہ کیا جائے، لیکن میرے خیال میں زوجہ محمد میاں مرحوم آئی ہے، مگر وہاں (سے) اس طرح کی امید باندھنا آسان کام نہیں ہے۔ (اس کے لیے) اگر کام کرے (مفید ہو) تو شاید آں مخدوم کا فرمانا کام کر سکتا ہے۔

تھانہ بھون میں اگرچہ ہیضہ نے قیامت برپا کی ہوئی ہے، مگر اللہ کے فضل سے جناب والا کے سب رشتہ دار خیریت سے ہیں، اسی طرح کاندھلہ اور رام پور میں

۳۳ب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے تین ماموں تھے امین الدین، جمیل الدین اور فصیح الدین، یہاں جمیل الدین مراد ہیں اور خطوط میں بھی ان کا ذکر ہے، سہارنپور میں وکالت کرتے تھے۔

بھی خیریت ہے۔

میرا چھوٹا بچہ جو تیسرا لڑکا تھا اور اس کا نام محمد تھا، ایک سال کی عمر میں پیچش کی تکلیف سے انتقال کر گیا، اس کے لیے علاوہ میرے دو لڑکے ایک احمد، دوسرا محمد ہاشم[۳۵] نامی خیریت سے رہ رہے ہیں۔ ان کی طرف سے آداب قبول فرمائیں اور میری اہلیہ کی طرف سے بھی آداب و سلام عرض ہے۔

یہ عریضہ لانے والے میاں گوہر علی خاں مراد آبادی مولانا امانت علی[۳۶] امروہوی کے مریدوں میں سے ہیں، اس وجہ سے فقراء کے طبقہ سے نیاز مندی کے تعلقات رکھتے ہیں اور جناب والا کے خادموں سے بھی عقیدت کا مضبوط رشتہ رکھتے ہیں، اللہ نے چاہا تو خدمت عالی میں حاضر ہوں گے اور عنایات سے نوازے جائیں گے۔

حافظ احمد حسین صاحب، حضرت مخدومہ (اہلیہ محترمہ) اور حافظ عبداللہ صاحب اور میاں بنیا کی خدمت میں بھی میری طرف سے سلام عرض ہو۔

عریضہ کمترین غلامان

محمد قاسم

۱۰ ر رمضان، روز دو شنبہ

(۱۱ ر اکتوبر ۱۸۷۵ء)

---

۳۵ محمد ہاشم تقریباً ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۳ء) میں ولادت ہوئی، بہت ہوش مند فہیم اور باشعور تھے مولانا محمد یعقوب نے حالات مولانا محمد قاسم میں لکھا ہے: "بہت ذی ہوش مستقیم مزاج ہیں قرآن شریف حفظ کر رہے ہیں"۔ ص: ۳۱ (طبع اول: ۱۲۹۷ھ) قرآن مکمل کرنے کے بعد فارسی درسیات پڑھیں عربی متوسطات پڑھ رہے تھے اسی دوران انتقال ہو گیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم کے جیسا کہ مولانا قاری محمد طیب نے صراحت کی ہے کل دس اولادیں ہوئیں، تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: حاشیہ، سوانح قاسمی مولانا گیلانی صفحہ ۵۰۴ جلد ۱ طبع اول۔

۳۶ مولانا سید امانت علی۔ دہلی میں تعلیم حاصل کی، جید فاضل اور چشتیہ سلسلہ کے ممتاز مشائخ میں سے تھے۔ شیخ محمد حسین مراد آبادی وغیرہ سے معرفت و سلوک میں استفادہ کیا اور اجازت حاصل کی۔ مولانا امانت علی سے کثیر اصحاب نے فائدہ اٹھایا وہ اپنے زمانہ کے نامور مشائخ میں سے تھے۔ ذی قعدہ ۱۲۰۰ھ اپریل مئی ۱۸۶۲ء میں وفات ہوئی۔ انوار العارفین، صوفی محمد حسین مراد آبادی صفحہ ۵۵۵ صفحہ ۸ دد (نول کشور لکھنؤ) نزہۃ الخواطر، مولانا عبدالحئی حسنی صفحہ ۸۰ جلد ۷ (حیدر آباد: ۱۳۹۹ھ)

ساتویں خط کا ترجمہ

مکتوبہ ۱۵/ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ (۱۶/ اکتوبر ۱۸۷۵ء)
(جو قلمی نسخہ کی ترتیب کے مطابق گیارہواں خط ہے)

سچے لوگوں کے رہنما! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے!

خانقاہ عالیہ کے خادموں میں سے سب سے معمولی، جس کا محمد قاسم نام ہے سلام مسنون اور عقیدت کے اظہار کے بعد عرض کرتا ہے،

خاندان و سلسلہ کو بدنام کرنے والے کا یہ عریضہ لانے والے، مولوی سید احمد حسن صاحب امروہی یہ سن کر کہ یہ ناکارہ اگرچہ نکما ہے (مگر) اپنا ہاتھ حضرت والا کے دامن میں رکھتا ہے، بیعت کا ہاتھ ناچیز کے ہاتھ میں دیا ہے، اور اس سے پہلے حدیث کی تمام کتابیں اور معقولات کی اونچی کتابیں اور جس قدر تفسیر پڑھی ہے، اس ہیچمداں کے سامنے پڑھی ہے، فقہ، اصول اور ادب کو بھی اس بے ادب سے حاصل کیا ہے، اور آخر کار جوانی میں استفادہ کی سند پر بیٹھ گئے ہیں اور حدیث کی سب کتابوں اور معقول، تفسیر اور اصول کا درس دیتے ہیں۔ میرے خیال میں ان سب لوگوں میں جو میرے سامنے علم حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں، بہت کم ان سے ممتاز ہوں گے۔

اس سب کے باوجود مجھ ناکارہ سے عقیدت اور محبت کا رابطہ اس قدر مضبوط رکھتے ہیں کہ جو میری نالائقی کے بعد بھی کم نہیں ہوتا، بلکہ بڑھتا ہی رہتا ہے۔ اس ناکارہ کو بھی ان کے ساتھ محبت کا رابطہ سب (شاگردوں) سے زیادہ ہے، مگر کیوں یہ سب جناب والا کی نسبت کی برکت ہے، اس لیے ان کی طرف سے جو کچھ

بھی عقیدت و محبت ہے اس کو جناب والا کا ثمرہ سمجھتا ہوں۔ پھر احقر کی گزارش درمیان میں آرہی ہے ان پر توجہ فرمائیں، کیا تعجب ہے کہ یہ نظر عنایت ان کے لیے کارگر ہو جائے اور اس بہانہ سے رحمت الٰہی ان کا مقدر (اور حصہ) بن جائے۔ والفضل بید اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

باقی اس علاقہ کے حالات پچھلے عریضوں سے معلوم ہوگئے ہوں گے، اس عریضہ میں بھی مختصر عرض کرتا ہوں۔ حضرت کے سب رشتہ دار عقیدت مند اور مرید خیریت سے ہیں۔ مقصود تھانہ بھون میں اور اس کی بہن کاندھلہ میں خیریت سے ہیں، مگر اس کی بہن کی والدہ[۴۷]...... کے عارضہ میں جو (ان کی) پرانی بیماری ہے، مبتلا ہیں، یہ سب باتیں زبانی بی خیرا[۴۸] سے عرض کردی ہیں۔

میاں عبداللہ حضرت والا کے بھتیجے کی بیوی نے اسقاط حمل کی تکلیف کی وجہ سے اپنی جان جان پیدا کرنے والے کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

۴۷؎ بہن کی والدہ، یعنی حافظ احمد حسین برادرزادہ حضرت حاجی امداد اللہ کی دوسری بیوی رقیہ دختر مولانا حکیم محمد ابراہیم کاندھلوی۔ ان کے ایک بچی تھی جو اپنی والدہ کی وفات کے بعد غالباً دیر تک حیات نہیں رہی، اس کا بھی انتقال ہوگیا تھا۔

۴۸؎ خیر النساء بنت غلام معین الدین تھانوی۔ جو حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کی نواسی، مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی کی خالہ زاد بہن اور حضرت حاجی امداد اللہ کی دوسری زوجہ تھیں۔ خیر النساء کا حضرت حاجی صاحب سے پہلے ہی رشتہ ہوگیا تھا، مگر حضرت کے سفر ہجرت کی وجہ سے نکاح نہ ہو سکا تھا۔ دوسری جگہ نکاح ہوا، بعد میں پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا۔ حاجی صاحب کی آخری عمر میں جب حاجی صاحب بہت کمزور ہوگئے تھے۔ حاجی صاحب کی پہلی اہلیہ (خیر النساء بنت احمد بخش عرف سوا تھانوی) انتقال کر گئیں تھیں، جس کی وجہ سے حاجی صاحب کو بہت پریشانی ہوگئی تھی، اس لیے خیر النساء کو (ان کی حضرت حاجی صاحب سے رشتہ داری بھی تھی) خیال ہوا، ان کے عزیزوں نے سلسلہ جنبانی کی، شروع میں حضرت حاجی صاحب نے انکار کیا، مگر ۱۳۱۰ھ کے بعد بی خیر النساء اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حج کے لیے حاضر ہوئیں، اس وقت حضرت کے خلفاء اور خدام نے حاجی صاحب کی راحت کے خیال سے نکاح پر اصرار کیا اور یہ نکاح عمل میں آگیا۔

حضرت مولانا تھانوی کے ملفوظات و مواعظ میں بی خیرا کا کئی موقعوں پر ذکر ہے۔ بی خیر النساء نے مثنوی مولانا روم مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی سے سبقاً سبقاً پڑھی تھی اور اس کی شرح و مطالب میں کمال حاصل تھا۔ حضرت مولانا اشرف علی فرماتے تھے کہ: "بہت بڑی عابدہ اور صاحب اوقات تھیں" قصص الاکابر ص ۱۰۰ طبع اول ۱۳۵۷ھ۔ سنہ وفات معلوم نہیں۔

رام پور کی عورتیں تعزیت میں آئی تھیں، فاطمہ[۳۹] بھی ساتھ تھی، خیریت سے تھی، میاں محمد یٰسین کی اولاد بھی بخیریت ہے۔ مولوی محمد یعقوب صاحب صاحب کی اہلیہ جو ڈیڑھ مہینہ بلکہ زیادہ وقت سے بیمار تھیں، ان کے علاج کی وجہ سے اس سال مولوی (یعقوب) صاحب نے رمضان المبارک میں دیو بند میں قیام کیا تھا، کل رات جمعہ کی شب میں ۱۴؍ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ، ۱۵؍ اکتوبر ۱۸۷۵ء) کو تقریباً گیارہ بجے انتقال کر گئیں[۴۰] اناللہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ خادم حسین[۴۱] عرصہ سے بیمار ہیں۔ بخار اور درد گردہ وغیرہ اور کثرت بول وغیرہ بیماریاں اس طرح اکٹھی ہو گئی ہیں، کہ کوئی علاج فائدہ نہیں دیتا، تمام گوشت ختم ہو گیا ہے، یا ہڈی ہے یا کھال۔

حضرت مخدومہ (اہلیہ محترمہ) کی خدمت میں حافظ احمد حسین صاحب اور حافظ عبد اللہ صاحب اور قاضی[۴۱ب] بنیاد اور مولوی رحمت اللہ سے بہ شرط یاد میری جانب سے سلام پہنچے، حاجی سکندر خاں کی خدمت میں نیز عبد اللہ مستان سے بھی

۳۹؎ فاطمہ حضرت حاجی صاحب کے بھتیجے احمد حسین تھانوی کی دختر تھیں۔ حضرت حاجی صاحب کے متعدد مکتوبات میں ان کا ذکر ہے، اور ان سے متعلق مختلف معاملات کی ہدایت درج ہیں، مولانا احمد رامپوری سے نکاح ہوا تھا (مستفاد از حاشیہ مرقومات امدادیہ ص ۱۱۲)

۴۰؎ مولانا محمد یعقوب کی پہلی زوجہ عمدۃ النساء، دختر شیخ کرامت حسین دیو بند، شعبان ۱۲۶۶ھ میں مولانا محمد یعقوب سے نکاح ہوا، مولانا کی اس سے متعدد اولادیں ہوئیں، مولانا نے اپنے خطوط اور بیاضوں میں کئی موقعوں پہ ان کا بڑی محبت سے ذکر کیا ہے اور ایک خط میں ان کی آخری بیماری کی تفصیل لکھی ہے۔ مکتوب نمبر ۴۳، ص ۹۴ بیاض یعقوبی (طبع اول، تھانہ بھون: ۱۹۲۹ء)

۴۱؎ شیخ خادم حسین۔ خلف شیخ علی محمد، حضرت حاجی صاحب کے ماموں اور حضرت مولانا محمد قاسم کے رشتہ کے چچا تھے۔ شیخ خادم حسین کی یہ بیماری مرض وفات ثابت ہوئی۔ آئندہ خط میں ان کے انتقال کا ذکر ہے۔

۴۱؎ب قاضی حافظ بنیاد نانوتہ کے رہنے والے تھے، حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے تھے اور وہیں حاجی صاحب کی خدمت میں رہ گئے تھے۔ عزیز و رشتہ داروں نے ہر چند کوشش کی اور چاہا کہ واپس آجائیں مگر انہوں نے برسوں تک واپسی کا ارادہ نہیں کیا۔ بہت عرصہ کے بعد آئے تھے۔ ایک ہفتہ کے بعد انتقال ہو گیا (مستفاد از مکتوبات مولانا محمد یعقوب بنام حاجی امداد اللہ)

(سلام عرض ہے)

مولوی محمد مظہر[۴۴] صاحب (نانوتوی) بیٹھے ہیں، سلام عرض کرنے کے لیے فرمارہے ہیں۔ فقط

---

۴۴ مولانا محمد مظہر نانوتوی ناموز عالم، محدث، فقیہ، مدرس اور مظاہر علوم سہارنپور کے بانی ارکان میں نمایاں، حافظ لطف علی کے فرزند نیز (مولانا محمد احسن اور مولانا محمد منیر نانوتوی کے بڑے بھائی) تھے۔ ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۱ء میں ولادت ہوئی، وطن میں والد ماجد سے پھر مولانا مملوک العلی سے تعلیم پائی، دلی کالج میں داخل ہوئے، مفتی صدر الدین آزردہ سے تلمذ حاصل رہا، حدیث کی کتابیں شاہ عبدالغنی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے پڑھیں۔ متعدد تذکرہ نگاروں نے مولانا محمد مظہر کے اساتذہ میں مولانا رشید الدین دہلوی کا نام بھی لکھا ہے، مگر یہ اطلاع صحیح نہیں، مولانا رشید الدین کی وفات (محرم ۱۲۴۳ھ) کے وقت مولانا مظہر کی عمر صرف پانچ سال تھی۔ مطبع منشی نول کشور میں تصحیح کتب کی ملازمت کی اور درس افادہ کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ بعد میں مظاہر علوم کے اساسی ارکان اور سرپرستوں میں شامل رہے، ابتدائی درسی کتابوں میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے استاد تھے۔ حضرت گنگوہی سے بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ ۲۳ر ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ (۳ر اکتوبر ۱۸۸۵ء کو سہارنپور میں وفات ہوئی۔ مولانا محمد مظہر سنہ ۹۲، ۱۲۹۱ھ میں ہی بیمار ہوگئے تھے یہ بیماری بڑھتے بڑھتے مایوسی تک پہنچ گئی تھی مگر پھر صحت ہوگئی تھی۔ حضرت مولانا محمد قاسم، حضرت مولانا گنگوہی اور مولانا محمد یعقوب کے خطوط میں اس کا ذکر ہے۔

آٹھویں خط کا ترجمہ

مکتوبہ غالباً، رمضان یا شوال ۱۲۹۲ھ (اکتوبر، نومبر ۱۸۷۵ء)
(جو قلمی نسخہ کی ترتیب کے مطابق پانچواں خط ہے)

میرے قبلہ دین وایمان! اللہ تعالیٰ آنجناب کو عافیت وسلامتی کے ساتھ رکھے۔

آنجناب کے دربار کا نالائق خادم محمد قاسم سلام مسنون عرض کرنے کے بعد نیاز مندانہ گزارش کرتا ہے۔ اس سال اس نواح میں ہیضہ کی وبا نے اپنا کام کیا خصوصاً نانوتہ اور تھانہ بھون میں، مگر الحمد اللہ آنجناب کے رشتہ دار اور خادم جناب والا سے نسبت کی برکت سے اس جاں گداز بلا سے محفوظ رہے۔

مگر جناب والا کے بھتیجے میاں عبداللہ کی اہلیہ نے حمل گر جانے کی تکلیف کی وجہ سے رمضان کی پہلی تاریخ کو اپنی جان، جان پیدا کرنے والے کے سپرد کی اور پس ماندگان کے دلوں پر داغ لگایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ان کی چھوٹی بچی، اپنی کم سنی کی وجہ سے حسرت کے عالم میں ہے اور کیوں نہ ہوگی کہ اس گھر میں عورت کا نام، بلکہ عورت کی تصویر بھی (موجود) نہیں ہے۔ اس رمضان میں میاں عبداللہ[۳۴] کی بیوی نے بھی رخت سفر باندھ لیا۔

میاں محمد یاسین کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنی والدہ کی وفات کا غم پچھلے سال اس قدر یاد نہیں آیا جس قدر اس سال یاد آیا۔ اس سال اس مرحومہ (زوجہ

---

[۳۴] میاں عبداللہ کی وفات سے ایک سال پہلے ۲۵ ر رمضان ۱۲۹۱ھ (۲۶ ر نومبر ۱۸۷۴ء) کو میاں عبداللہ کی بہن (جو حضرت حاجی امداد اللہ کی بھتیجی اور میاں محمد یاسین کی ہمشیرہ تھیں) لمبی بیماری کے بعد انتقال کر گئی تھیں۔ حضرت حاجی کے نام مولانا محمد قاسم کے خط میں گزر گیا ہے اور اسی تاریخ کا لکھا ہوا ہے، اس حادثہ وفات کا ذکر ہے۔

میاں عبداللہ) نے ان کی ماں کی کمی پوری کر دی تھی، اس نے کیا انتقال کیا، گویا سب ہی (بچوں کی ماں مر گئی، مگر بے نیاز کی تقدیر کے سامنے ازلی نیاز مندوں کا کیا بس ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہیں۔

حافظ احمد حسین صاحب کے بیوی بچے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت سے ہیں۔ مقصود تھانہ بھون میں اور حافظ صاحب کی اہلیہ اپنی بیٹی کے ساتھ کاندھلہ میں، بی خیرا کی اطلاع کے مطابق خیریت سے ہیں۔ فاطمہ راجوپور[۴۴] میں بدستور اپنے حال پر ہے۔

اس کے علاوہ اور کیا گزارش کروں کہ جناب والا کے خادموں میں سے ناچیز خادم کا یہ عریضہ لانے والے سید ہدایت علی صاحب لاوڑ اور پھلاودہ[۴۵] (ضلع میرٹھ) کے سادات کرام سے ہیں (انہوں نے یہ سن کر، کہ قاسم نے اپنا ہاتھ حضرت مخدوم کے ہاتھ میں دیا ہے، جناب والا کے نام سے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، اب حرمین شریفین کی زیارت کے واسطہ سے حضرت والا کی قدم بوسی کے لیے بھی انشاء اللہ پہنچیں گے اور میں جانتا ہوں کہ وہ جناب والا کے الطاف عام سے محروم نہ آئیں گے۔

حافظ عبدالغنی صاحب[۴۶] بھی اپنے بیٹے کے ساتھ، جو اُن (سید ہدایت علی) کے

---

۴۴ راجوپور دیوبند ضلع سہارنپور کا ایک گاؤں ہے حضرت حاجی صاحب کی ننہال کی وہاں رشتہ داریاں تھی بعد میں بھی یہ روابط قائم رہے حضرت کے بھتیجے حافظ احمد حسین کی (جن کا اس مجموعہ مکتوبات نیز حضرت حاجی صاحب کے اور خطوط میں بھی بار بار ذکر آیا ہے) راجوپور شادی ہوئی تھی حضرت کے ایک اور بھتیجے بھی راجوپور میں رہتے تھے۔

۴۵ پھلاودہ اور لاوڑ ضلع میرٹھ کے قصبات ہیں دونوں مقامات پر حضرت حاجی صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم سے محبت و عقیدت رکھنے دونوں حضرات کے متوسلین شاگرد یا مریدین کی خاصی تعداد تھی جس میں ممتاز علماء بھی شامل تھے۔ پھلاودہ کے اصحاب میں حضرت مولانا کے معروف شاگرد عبدالغنی نمایاں ہیں۔

۴۶ مولانا عبدالغنی بن سید محمد ایوب پھلاودی پھلاودہ نزد موانہ میرٹھ کے باشندہ اور پھلاودہ کے پرانے رضوی خاندان کے فرد تھے ۳/ ذی قعدہ ۱۲۶۸ھ ۲۰/ اگست ۱۸۵۲ء کو پیدائش ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کتولی کے حافظ صاحب سے کی اور اعلیٰ درسیات اور اکثر بڑی کتابیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے پڑھیں تعلیم کی تکمیل مدرسہ شاہی مراد آباد سے ہوئی حضرت مولانا محمد قاسم کے خاص شاگرد مولانا احمد حسن امروہوی سے بھی تلمذ ہے تعلیم کے بعد مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں مدرس ہوئے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بھتیجے ہیں، اسی طرح خدام کے سلسلہ سے جڑے ہوئے ہیں، اگر ان کی قسمت نے یاوری کی ہے، وہ بھی انشاء اللہ خدمت عالی میں پہنچیں گے۔

حافظ صاحب موصوف اور عزیز میاں عبدالحکیم جو سید ہدایت علی کے چھوٹے بیٹے ہیں، مولوی سید احمد حسن امروہوی کے ذریعہ سے، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا اس سال حرمین شریفین کی زیارت اور (حضرت والا کے) قدموں کے بوسہ کے ذریعہ اپنے دل و جان کی تمنا پوری کریں گے۔ وہ احقر سے شاگردی کی بھی نسبت رکھتے ہیں اور اس (رشتہ) کی وجہ سے جناب والا کی محبت کا بیج (پودا) دل میں لگائے ہوئے ہیں، زیادہ کیا عرض کروں کہ یہ (بعد عرض کیا ہے یہ) بھی زائد اور گستاخی میں داخل ہے!

حضرت مخدومہ (اہلیہ) محترمہ کی خدمت میں میری جانب سے سلام، حافظ احمد حسن و میاں عبداللہ اور میاں بینا کی خدمت میں بھی میری طرف سے سلام اور دعائے خیر عرض ہو، اگر جناب والا کو یاد رہے مولانا رحمت اللہ صاحب کو بھی سلام پہنچے۔ احقر کی زوجہ اور بیٹوں اور لڑکیوں کی طرف سے سلام، محمد یاسین سلام عرض کرتے ہیں، مولوی مظہر کی جانب سے بھی سلام عرض ہے۔

اس وقت رام پور کی عورتیں تعزیت کے سلسلہ میں آئی ہیں، فاطمہ بھی ساتھ ہے اس کی طرف سے نیز والدہ حافظ وجیہ الدین[۴۸] اور زوجہ ڈپٹی عبدالحق

(بقیہ حاشیہ)...... اس کے بعد زیادہ تر وقت وطن پھلاودہ میں گذرا اور وہیں ۷ر ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ ۱۱ر اگست ۱۹۳۲ء میں وفات ہوئی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نہایت عاشق تھے اور حضرت مولانا کی ایک ایک چیز ایک ایک تصنیف بہت محبت اور توجہ سے فراہم کیں اور اس کا بڑا ذخیرہ ان کے گھر میں محفوظ رہا جس کا بڑا حصہ مولانا کے پرپوتے ڈاکٹر محمد خالد اور محمد مطلوب صاحبان نے ہمیں عنایت فرما کر ممنون و سرفراز کیا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ

مولانا عبدالغنی صاحب کے مختصر حالات مکتوبات سید العلماء (مکتوبات مولانا سید احمد حسن امروہوی بنام مولانا عبدالغنی پھلاودی) صفحہ ۷۲ تا ۷۹، امروہہ ۱۴۱۰ھ

۴۸؎ مولوی وجیہ الدین خلف کریم بخش بن نانوتہ کے صدیقی خاندان کے ایک فرد تھے حالات دستیاب نہیں تاہم معلوم ہے کہ مولانا وجیہ الدین فارسی کے ماہر، اردو فارسی کے اچھے شاعر، عربی سے واقف اور نہایت خوش فہم شخص تھے۔ اسی لیاقت و قابلیت کی وجہ سے سہارنپور ایسٹ انڈیا کمپنی کے وکیل مقرر ہوئے۔ مولانا محمد یعقوب نے لکھا ہے:

مرحوم[49] اور ہمشیرہ و حافظ محمد یوسف[50] کی جانب سے سلام۔ سب خیریت سے ہیں۔

عریضہ کمترین خدام۔ محمد قاسم از نانوتہ۔

۱۰ر رمضان شریف ۱۲۹۲ھ چہار شنبہ۔

نویں خط کا ترجمہ

مکتوبہ غالباً شوال ۱۲۹۲ھ (نومبر ۱۸۷۵ء)

(جو قلمی نسخہ کی ترتیب میں بھی نواں خط ہے)

میرے دین و ایمان کے رہنما! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے!

خادموں کو بدنام کرنے والا جس کا محمد قاسم نام ہے، سلام نیاز پیش کرنے کے بعد عرض کرتا ہے کہ چند عریضے جو اس علاقہ کے احوال کے ترجمان تھے، اس

(بقیہ حاشیہ) مولوی وجیہ الدین صاحب نانوتوی، فارسی بہت عمدہ اردو کے شاعر عربی سے آگاہ بڑے تجربہ کار پرانے آدمی ہنگام آمدنی حکومت انگریزی سہارنپور میں وکیل کمپنی ہوئے۔ حالات مولانا محمد قاسم ص ۵ طبع اول ۱۲۹۷ھ۔ مولوی وجیہ الدین اس زمانہ کے نامور شیخ طریقت شاہ احسان علی پٹنی سے بیعت ہوئے۔ بیاض دلکشا (احوال شاہ احسان علی پٹنی ص ۲۶ مرتبہ مولانا نصر اللہ خاں خویشگی) اور تاحیات خوش حال و نیک نامی اور عزت و احترام کے سہارنپور میں مقیم رہے، وہیں وبائی بخار میں مبتلا ہو کر اچانک وفات ہوئی۔ مولانا یعقوب صاحب نے لکھا ہے۔

"ان (مولانا محمد قاسم) کے نانا کا انتقال اس سال کے وبائی بخار بہت سے لوگوں کے ساتھ ان کو ہو گیا تھا"

(حالات مولانا محمد قاسم ص ۶)

مولانا محمد یعقوب نے مولوی وجیہ الدین کا سنہ وفات ۱۲۵۷ھ (یعنی ۱۸۴۱ء) لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ یہ غلط فہمی شاہ محمد اسحاق کا سفر ہجرت ۱۲۵۷ھ میں سمجھنے کی وجہ سے ہوئی، اس لیے یہ اطلاع صحیح نہیں ہے۔ مولانا وجیہ الدین کی تقریباً محرم ۱۲۶۰ھ (جنوری فروری ۱۸۴۵ء) میں وفات ہوئی ہوگی۔

۴۹ ڈپٹی عبدالحق۔ رامپور کے بہت مخیر، دریادل شخص تھے۔ ۱۲۷۹ھ ۱۸۶۲ء میں حج کا ارادہ کیا تو ایک بڑے قافلے کو ساتھ لے کر گئے، جس میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی بھی شامل تھے۔ اسی مبارک سفر میں شروع ۱۲۸۰ھ (جون ۱۸۶۳ء) میں مدینہ پاک میں وفات ہوئی۔ بقیع میں دفن کیے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ملاحظہ ہو تذکرۃ الرشید! مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص ۱۰۸،۲۰۱ ج ۱ (طبع اول، میرٹھ)

تبرکات (مجموعہ مکتوبات، حضرت حاجی امداد اللہ و حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی) مرتبہ نور الحسن راشد کاندھلوی ص ۵۹ (کاندھلہ: ۱۹۷۶ء)

۵۰ ہمشیرہ محمد یوسف دختر حافظ محمد ضامن شہید۔ حافظ محمد یوسف حضرت حافظ صاحب کے صاحبزادے تھے، جو حافظ صاحب کی شہادت کے بعد بھوپال میں رہتے تھے۔ نانوتہ میں اچانک وفات ہوئی، حافظ صاحب کی کون سی ہمشیرہ یہاں مراد ہیں، معلوم نہیں۔

سے پہلے ملاحظہ میں آئے ہوں گے۔ کوئی تازہ بات نہیں ہے جو میں لکھوں۔ ہاں یہ (ضرور) ہے کہ جناب شیخ خادم حسین صاحب نے ۲۹ رمضان شریف، ہفتہ کے دن ظہر کے بعد اپنی جان جان پیدا کرنے والے کے سپرد کر دی، تکلیفات اور طرح طرح کی بیماریوں سے جس میں وہ چودہ مہینہ سے مسلسل مبتلا تھے سلامتی کی راہ پر چلے گئے، اللہ مغفرت فرمانے والا، وہاں آرام نصیب فرمائے اور بزرگوں کے صدقہ میں (ان کو) بخش دے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

(شیخ خادم حسین کے) دو بیٹے سعید احمد اور حبیب احمد اور دو لڑکیاں ہیں جس میں سے کہ ایک شیخ ابوالحسن اپنے بھتیجے کے نکاح میں دے دی تھی، دوسری پیر جی قطب الدین انبہٹوی سے (منسوب ہے) اور ایک بیوی چھوڑی۔

اور ان سے پہلے چودہ رمضان شریف کو جمعہ کی شب میں آدھی رات کے وقت مولوی محمد یعقوب صاحب کی زوجہ کم سن بچوں کو چھوڑ کر ملک بقا کو روانہ ہو گئیں۔ آنجناب کی عمومی عنایات کی وجہ سے امید ہے کہ ان دونوں جانے والوں کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں گے۔

اور بھائی عبداللہ اور میاں محمد یاسین نے اپنے وعدہ پر باقی قرض پر لے کر متولی محمد اسماعیل[۱] کو اطلاع دے دی تاکہ وہ دستاویز لے کر اور حافظ احمد حسین کا

---

[۱] متولی محمد اسماعیل۔ کاندھلہ کے ایک متمول و بااثر فرد متولی محمد اسماعیل کی جانب اشارہ ہے، مکتوب نمبر ۲ میں اس کا ذکر آ چکا ہے، اس کی مزید تصدیق حضرت مولانا گنگوہی کے ایک خط سے ہو رہی ہے۔ حضرت گنگوہی نے ایک خط میں لکھا ہے:

"حافظ احمد حسین کا روپیہ چار ماہ تک محمد یاسین کے پاس تیار رکھا رہا، متولی محمد اسماعیل نے تمسک نہ بھیجا، نہ خود آئے۔ آخر ایک ماہ سے زیادہ ہوا کہ محمد یاسین گنگوہ آئے اور وہ روپیہ میرے سپرد کر گئے، مجھ کو امانت گراں بار رکھنا بھی دشوار ہے، مگر رکھ لی۔ کاغذ اب تک بھی نہیں آیا، لہٰذا اب تک روپیہ ویسا ہی رکھا ہے، نہ مقصود کو کچھ دیا اور نہ اہلیہ حافظ صاحب کو دیا" (بنام حضرت حاجی امداد اللہ۔ غیر مطبوعہ)

اس کارروائی کے بعد حضرت گنگوہی نے پہلے متولی اسماعیل صاحب کو لکھا ہوگا مگر اس کا بھی جواب نہیں ملا اس لیے مولانا حکیم محمد ابراہیم کاندھلوی کو اس معاملہ کو طے کرانے کے لیے خط لکھا تھا۔ یہ خط راقم سطور نے سہ ماہی احوال و آثار، کاندھلہ کی اشاعت خاص (بیاد مولانا انعام الحسن کاندھلوی) میں مولانا انعام الحسن کے پردادا حکیم محمد ابراہیم کے حالات میں درج کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۲۵، ۱۲۶ (کاندھلہ: ۱۹۹۷)

قرض ادا کر دیا جائے، انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، کیونکہ کئی مرتبہ ایسا ہی ہوا، اور اس طرف سے کوئی آواز بلند نہیں ہوئی، یہاں والے تنگ آگئے، محمد یاسین گنگوہ گئے اور دینے کا تمام روپیہ مولانا رشید احمد صاحب کے حوالہ کر دیا اور عرض کیا کہ ابھی حساب متولی صاحب کا ہے، مگر میں دستاویز کے حاصل کرنے کی تمنا رکھتا ہوں۔ اس سپردگی کو بھی ایک مہینہ سے زیادہ ہو گیا (عید کے؟) دوسرے دن میرے ساتھ گنگوہ گئے تھے، مگر ابھی تک ادھر سے دستاویز نہیں آئی، اطلاعاً عرض کر دیا ہے کہ قصہ مختصر روپیہ تیار ہے، بلکہ گویا وصول ہو گیا۔

حافظ احمد حسین صاحب اور حافظ عبداللہ کی خدمت میں اور میاں سعدی وغیرہ سے میرا اسلام۔ میری اہلیہ اور میرے بچوں کی طرف سے حضرت کی خدمت میں نیز میری طرف سے اور اس (اہلیہ) کی طرف سے حضرت مخدومہ (اہلیہ محترمہ) کی خدمت میں سلام عرض ہو، باقی سب خیریت سے ہیں۔

میں رام پور گیا تھا فاطمہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، خوش خرم تھی۔ تھانہ بھون اور کاندھلہ سے آنے والوں سے اس طرف کی خیریت معلوم ہوئی، زیادہ کیا عرض کروں۔

دسویں خط کا ترجمہ

مکتوبہ ۱۲۹۳ھ، جیسا کہ اہلیہ حافظ احمد حسین کی وفات کی اطلاع سے معلوم ہو رہا ہے
(جو قلمی نسخہ کی ترتیب کے مطابق دوسرا خط ہے)

قبلۂ حق پرستان اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔

آستانہ عالی کے کمترین خادموں میں سے ایک روسیاہ محمد قاسم دین و دنیا سے بے نصیب، کہ جو سلام کے علاوہ کوئی چیز پیش کرنے کے لائق نہیں رکھتا، سلام

کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس دن سے جب کہ آپ ایسے بزرگوں نے اس علاقہ کی مٹی کو اپنے قدم چومنے (کی سعادت) سے محروم کیا ہے۔ کوئی سال ایسا نہیں گزرا کہ (ہمارے) سر پر آسمان سے کوئی نئی آفت نازل نہ ہوئی ہو، اور کوئی مہینہ ایسا نہیں جس میں کسی نئے فتنہ کا گردو غبار نہ اٹھتا ہو۔

اس وقت اس علاقہ کا دین و دنیا کا حال یہ ہے کہ بیماری ہر طرف سے ہجوم کیے ہوئے ہے، بریلی کے اطراف میں ہیضہ کے اثر سے بے شمار جانیں ضائع ہو گئی ہیں اور (ہمارے) اس علاقہ میں تپ و لرزہ کی زیادتی کی وجہ سے لوگ زندگی سے عاجز آ گئے ہیں۔ اس قصبہ (نانوتہ) کا حال یہ ہے کہ دو چار آدمی بھی ایسے نہ نکلیں گے جو نہ بیمار ہوں اور نہ بیمار ہوئے ہوں۔ رام پور کا بھی ایسا ہی حال کانوں میں پڑا ہے اور جلال آباد اور تھانہ بھون اور شاملی نیز کاندھلہ کا بھی یہی حال ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ تھانہ بھون میں اور قصبات کی نسبت کچھ کمی ہے، مگر دیوبند میں امن و امان ہے۔ اگر ہوں گے تو پچاس میں سے ایک دو شخص اس میں شاید مبتلا ہوں، یہ سلامتی اور امن و امان (غالباً) مدرسہ[۵۲] کی برکت سے ہوگا۔ بہرصورت یہ اس علاقہ کا دنیاوی حال ہے، جو بہت مختصر بطور مشتے از خروارے ہے تفصیل کہاں تک لکھوں۔

ورنہ حکام کا ظلم، عوام و خواص کے جھگڑے، سامان ضروری کی مہنگائی اور شرفاء کی روز افزوں غربت کا اگر تذکرہ کروں تو (یہ خط) ایک بڑا دفتر ہو جائے گا۔

اور دینی حالات یہ ہیں کہ، اس ضلع کے علاوہ جس طرف بھی نظر جاتی ہے سب (دینی رہنما) جنگ و جدال میں مشغول ہیں، ایک کے ہاتھ میں شیشہ ہے تو دوسرے کے ہاتھ میں پتھر ہے، بہ ظاہر اسی لڑائی نے دنیاوی رہنماؤں کو بھی بے

---

۵۲ مدرسہ عربیہ دیوبند یعنی دارالعلوم دیوبند۔ اگرچہ حضرت مولانا اور بانیان دارالعلوم شروع میں اس مدرسہ کو اکثر مدرسہ عربیہ کے نام سے یاد کرتے تھے مگر مولانا محمد یعقوب صاحب کبھی کبھی دارالعلوم بھی کہا کرتے تھے، غالباً اسی کا اثر ہے کہ بعد میں اس مدرسہ نے دارالعلوم کے نام سے شہرت پائی اور ۱۳۰۳ھ کے بعد دارالعلوم دیوبند نام تجویز ہوا، دارالعلوم دیوبند کا ۱۵ر محرم الحرام ۱۲۸۳ھ (۳۰ر مئی ۱۸۶۷ء) کو آغاز ہوا تھا، اور بفضلہ تعالیٰ پوری دنیا میں اس کا فیض جاری ہے اللہم زد فزد! تفصیلات کے لیے تاریخ دارالعلوم دیوبند وغیرہ۔

کیف کر دیا(سب) بلاؤں سے حفاظت کا ذریعہ اتباع سنت اور امت کا اتفاق و اتحاد ہے اور یہ دونوں نعمتیں ہم بد نصیبوں کی قسمت میں نہیں۔

اس سمع خراشی کا مقصد ہمت و حوصلہ کی آرزو اور حضرت والا سے پر شفقت دعا کی تمنا ہے ممکن ہے کہ بزرگوں کی برکت اور عنایات کے طفیل میں، اس علاقہ کے افراد کچھ اور دن آرام سے گزار لیں، اور ان سختیوں سے کہ جن کی بہت سی احادیث میں اطلاع دی گئی ہے اور کچھ دن گوشہ عافیت میں بسر کر لیں، اور اگر یہ آفتیں اور یہ فتنے انہی احادیث کا شریفہ کا ظہور ہیں، تو میں (اپنے اور سب مسلمانوں کے) سرمایہ ایمان کی عافیت کی دعاؤں کا خواستگار ہوں، اس کے علاوہ اور کیا گزارش کروں......

دو ہزار ایک سو روپے جس میں سے دو ہزار روپے ہمشیرہ راؤ عبد العزیز[۵۳] کے وعدہ کے ہیں اور ایک سو روپے عبد العزیز خاں صاحب کی جانب سے تازہ نذر ہے، جو مخدوم العلماء مولانا احمد علی[۵۴] صاحب (ان کا فیض جاری رہے) کے ذریعہ

---

۵۳ راؤ عبد العزیز غالباً راجوپور کے رہنے والے تھے حضرت حاجی صاحب اور دور کے اور علماء و مشائخ کے خطوط میں ان کا ذکر آتا ہے مگر تفصیل نہیں ملی۔ اسی نام کے؟ ایک اور مخلص حکیم عبد العزیز خاں، مقیم پنجلاسہ تھے ان کے بھی حضرت حاجی صاحب مولانا محمد قاسم اور حضرت مولانا گنگوہی سے نیاز مندانہ اور قریبی روابط تھے حضرت گنگوہی کے موخر الذکر کے نام اہم خطوط مکتوبات رشیدیہ میں درج ہیں نیز حضرت مولانا گنگوہی کے ایک خط بنام حاجی امداد اللہ میں بھی اس رقم کا ان الفاظ میں ذکر ہے۔ "عبد العزیز خاں کی ہمشیرہ نے دو ہزار روپیہ، اور سو روپیہ عبد العزیز خاں نے معرفت مولوی احمد علی صاحب کے روانہ خدمت عالیہ کیا تھا۔ اس کی رسید اگر جلد آ جاوے تو ان کی تسلی ہو جاوے۔"
مگر راقم سطور کو یہ تحقیق نہیں کہ کس خط میں کون سے عبد العزیز کا ذکر ہے۔

۵۴ حضرت مولانا احمد علی، احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری جن کا سلسلہ نسب (شیخ عبد القدوس گنگوہی کے خلیفہ مکتوب الیہ) شیخ ابو سعید جوہر انصاری سہارنپوری کے واسطہ سے حضرت ابوایوب انصاری تک پہنچتا ہے۔ نامور عالم اور محدث تھے۔
تقریباً ۱۲۲۵ھ (۱۸۰۸ء) میں ولادت ہوئی، ابتدائی عمر میں تعلیم کی جانب مطلق توجہ نہیں تھی، کہا جاتا ہے کہ تقریباً سولہ سال کی عمر میں تعلیم شروع کی ابتدائی تعلیم سہارنپور کے علماء سے حاصل کی اور مولانا محمد سلیمان کاندھلوی کی تحریر کے مطابق حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی سے بھی تلمذ حاصل کیا، حضرت شاہ محمد اسحاق سے حدیث پڑھی سفر حرمین میں شاہ صاحب کے خادم و رفیق رہے، لیکن مولانا کی معروف سند حدیث اور صحیح بخاری کا اجازت نامہ اس طرح ہے:

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے عرصہ ہوا روانہ ہو چکے ہیں۔ اور اہلیہ جناب حافظ احمد حسین صاحب انتقال کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس سلسلہ میں زیادہ معلومات نہیں ہوئی جو عرض کر سکتا۔ اگر صاحبزادہ میاں مقصود احمد صاحب پہنچیں گے، سب حالات مرض اور تاریخ وماہ انتقال عرض خدمت کر دیں گے، ورنہ (امید ہے کہ) تھانہ بھون اور کاندھلہ کے خطوط سے معلوم ہو جائے گا۔

مولوی مظہر صاحب دیر سے بیمار ہیں اور ضعف و کمزوری کا حال یہاں تک ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں اور ابھی تک مرض کم نہیں ہوا۔ مولوی رشید احمد[۵۵] کے لیے بھی میں نے سنا ہے کہ چند دن سے بخار آرہا ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ ماموں جمیل الدین صاحب بھی دیر سے بیمار ہیں، اور مولوی محمد یعقوب صاحب کی بڑی بہن[۵۶] بھی سخت بیمار ہیں مختلف تدبیریں کی گئیں مگر کوئی دوا مفید نہیں ہوئی۔

(بقیہ حاشیہ)...... "از حضرت مولانا وجیہہ الدین صدیقی سہارنپوری، از مولانا شاہ عبدالحئی بڈھانوی از حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی از شاہ عبدالعزیز" برصغیر میں حدیث کی کتابوں کی اعلیٰ درجہ کی تحقیق وصحت کے بعد اشاعت حضرت مولانا کا سب سے بڑا غیر معمولی اور ناقابل فراموش کارنامہ ہے، جس میں صحیح بخاری کی تصحیح حاشیہ اور اشاعت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی رحلت کے تیسرے دن ۶ر جمادی الاول ۱۲۹۷ھ (۱۷ر اپریل ۱۸۸۰ء) شنبہ کو رحلت فرمائی۔ رجوع فرمائیے:

مقدمہ اوجز المسالک، نیز تاریخ مظاہر علوم جلد اول از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب۔ تذکرہ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، از جناب سید محبوب رضوی، مطبوعہ دیوبند۔ تذکرہ مولانا احمد علی محدث از نور الحسن راشد (ضمیمہ امداد المشتاق صفحہ ۳۵۲ تا ۳۶۵۔ دہلی: ۱۹۸۱ء)

۵۵ محدث عصر، فقیہ کبیر، عارف جلیل، حضرت مولانا رشید احمد (بن ہدایت احمد) انصاری رام پوری۔ گنگوہی تعارف سے مستغنی ہیں۔ برصغیر خصوصاً وابستگان سلسلہ ولی اللہی (دیوبند) میں حدیث کا چرچا اتباع سنت کا شوق اور بدعات کے نفرت حضرت مولانا کی توجہ اور خدمات کا اثر ہے رحمہ اللہ تعالیٰ۔ جمادی الاخری ۵ ۱۲۴۴ھ (۱۲ر دسمبر ۱۸۲۹ء) کو ولادت ہوئی، ۹ر جمادی الاخری ۱۳۲۳ھ (۱۱ر اگست ۱۹۰۵ء) کو جمعہ کے دن وفات پائی۔ مزید معلومات کے لیے: نزھۃ الخواطر ج ۸ صفحہ ۱۵۲، ۱۴۸ اور تذکرۃ الرشید تالیف مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، وغیرہ

۵۶ مولانا محمد یعقوب صاحب کی بڑی بہن نجیب النساء دختر مولانا مملوک العلی نانوتوی جو مولانا محمد یعقوب کی بڑی بہن تھیں مولانا انصار علی ابن احمد علی (بن شاہ قطب علی) انصاری انبہٹوی سے نکاح ہوا۔ تین فرزند ہوئے احمد حسین، عبدالرحمٰن اور مولانا عبداللہ انصاری، مولانا انصاری ایم اے او کالج علی گڑھ کے سب سے پہلے ناظم دینیات اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے داماد تھے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حکیم ضیاء الدین[57] صاحب، میاں علاء الدین[58] سر سام کی اطلاع پر گذشتہ ہفتہ ۱

(بقیہ حاشیہ)...... مولانا محمد یعقوب کی دوسری بہن عمدۃ النساء شاہ مجید علی انبہٹوی سے منسوب ہوئیں۔ ان کے فرزند حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹوی مہاجر مدنی (مصنف بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد) ہیں ان دونوں خواتین کے سنہ ولادت ووفات راقم سطور کو معلوم نہیں۔

مزید معلومات کے لیے تحفۂ صدیقیہ (نسب نامہ انصاریان انبہٹہ) مرتبہ مولانا مشتاق احمد انبہٹوی صفحہ ۱۵ (بھاول پور: ۱۳۲۹ھ) نیز تذکرۃ الخلیل مولانا عاشق الٰہی میرٹھی صفحہ ۳۵۔

۵۷ مولانا حکیم ضیاء الدین رامپوری خلف غلام محی الدین رام پور کے اس قدیم انصاری خاندان کے فرد ہیں جو اکبر کے دور حکومت میں سہارنپور آکر آباد ہوا، بعد میں رام پور آگیا تھا۔ ۲۷ رمضان ۱۲۴۲ھ (۲۷ اپریل ۱۸۲۷ء) تولد ہوئے۔ حکیم صاحب بلند پایہ عالم اور حاذق طبیب تھے، حافظ محمد ضامن شہید سے بیعت ہوئے، اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت حاجی امداد اللہ سے بھی اجازت حاصل تھی، (تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۳۹) طبع اول میرٹھ: ۱۳۲۷ھ)

حضرت حاجی صاحب کے متعدد مکتوبات سے حضرت حاجی صاحب سے حکیم صاحب کی عقیدت ومحبت اور حاجی صاحب کی نظر میں حکیم صاحب کی وقعت اور حکیم صاحب کے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے دست وبازو ہونے کا بھی علم ہوتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب کے حکیم ضیاء الدین کے نام متعدد خطوط مرقومات امدادیہ (مجموعہ مکتوبات حضرت حاجی امداد اللہ) میں شامل ہیں۔

حکیم صاحب ۱۳۰۵ھ سے ۱۳۱۲ھ تک مدرسہ عربیہ (دار العلوم) کے مجلس شوریٰ کے ممبر رہے۔ ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ (مارچ ۱۸۸۶ء) میں وطن میں وفات پائی (مکتوبات حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی بنام مولانا صادق الیقین کرسوی، مکاتیب رشیدیہ مرتبہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی صفحہ ۱۰۶ طبع اول میرٹھ: ۱۳۲۷ھ)

مولانا احمد حسن امروہوی کے ایک خط (مکتوبات سید العلماء) مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ امروہہ) میں حکیم ضیاء الدین کی تاریخ وفات کیم شوال لکھی ہے، جو صحیح نہیں۔ حضرت گنگوہی نے جو تاریخ لکھی ہے وہی صحیح ہے۔

حکیم ضیاء الدین صاحب نے اپنے پیر ومرشد حضرت حافظ ضامن شہید کے احوال پر دو کتابیں لکھی تھیں ایک مفصل دوسری مختصر، مختصر کتاب کا نام "مونس مہجوراں" ہے۔ (جو ہندوپاکستان میں چھپ گئی ہے)

حکیم ضیاء الدین نے اختلافی مسائل میں بھی کتاب "قول فیصل" کے نام سے لکھی تھی حضرت حاجی امداد اللہ نے اس کو ملاحظہ کیا تھا اور پسند فرمایا تھا مرقومات امدادیہ صفحہ ۶۸ (مکتبہ برہان دہلی: ۱۳۹۹ھ)

۵۸ مولانا علاء الدین خلف نام محی الدین (حافظ ضیاء الدین کے حقیقی چھوٹے بھائی) مونس مہجوراں صفحہ ۹۳) ذی علم اور صاحب کمال شخص تھے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے اور مدرسہ دیوبند میں تعلیم پائی۔ حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے کئی کتابوں کے مصنف ہیں، مولانا عبد السمیع رامپوری کی تالیف انوار ساطعہ کے جواب میں سب سے پہلے مولانا علاء الدین کی مختصر تالیف "توضیح الحق" شائع ہوئی تھی۔ توضیح الحق کا ایک مختصر سا جواب لکھا گیا اس کے اعتراضات کی تحقیق میں مولانا نے ایک اور تحریر "التنقیح الاوثق" مرتب کی اس کا جواب "تلویح الحق" کے عنوان سے شائع ہوا۔ مولانا علاء الدین نے اس کی تردید میں بھی ایک تحریر مرتب کی، مولانا کی اور مولفات ومضامین کا بھی ذکر ملتا ہے۔ سنہ وفات (راقم سطور کو) معلوم نہیں۔

مولانا کے فرزند مولانا احمد رامپوری تھے جو حضرت گنگوہی کے شاگرد اور جید عالم تھے ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۴۱ھ تک دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے (دار العلوم کی صد سالہ زندگی صفحہ ۱۰۳) ۲۲ ۱۳۴۲ھ ۲۴، ۱۹۲۳ء میں وفات پائی خوان خلیل حضرت مولانا تھانوی معہ ضمیمہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی صفحہ ۵۴ (سہارنپور ۱۳۹۲ھ)

شنبہ کو بھوپال گئے۔ مگر آج مولوی عبدالکریم رام پوری[59] رام پور سے (نانوتہ) آئے اور شاملی گئے، کہتے تھے کہ کل بھوپال سے (آئے ہوئے) خطوط سے ان کی صحت یابی کی خوش خبری ملی ہے۔ میاں خلیل الدین صاحب رام پوری اہلیہ کو اس سال اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ فاطمہ بھی ان کے ساتھ چلی گئی، امید ہے خیریت سے ہو گی۔ میاں عبداللہ بڑوت میں اپنے کام پر ہیں، دیگر عقیدت مند اور نیاز مند وغلامان جناب خیریت سے ہیں، کوئی بات لائق تحریر نہیں ہے جو عرض کروں۔

مولوی محمد منیر صاحب[60] (مولوی مظہر کے چھوٹے بھائی) اپنے ذاتی اوصاف کے علاوہ جناب والا کی عقیدت دل میں ایسی راسخ رکھتے ہیں کہ کیا عرض کروں، اس وقت ان کے سر پر ان کی حیثیت سے زائد قرض کا بوجھ پڑ گیا ہے اور ادھر ان کے عہدہ میں تخفیف کی وجہ سے ہمیں پریشانی ہے، کیونکہ اس ہجوم قرض کی وجہ ان کی مروت ہے، اکثر ان کی پریشانی کی وجہ سے دل افسردہ رہتا ہے اور اب تک ان کا حال یہ ہے کہ جو شخص بھی جس چیز کی فرمائش کرے، وہ اس کی فرمائش کی چیز لا دیتے ہیں اور کم لوگ ہیں جو اس کی قیمت دیتے ہوں۔ اگر ان خوبیوں کی وجہ سے اور حضرت والا سے عقیدت و محبت کے سبب، ان کے لیے دعا فرما دیں، ہو سکتا ہے کہ وہ اس مصیبت سے نجات پالیں، ان کو آخرت (میں پرسش) کا ڈر زیادہ پریشان کرتا ہے۔

۵۹　مولوی عبدالکریم رامپوری تحقیق نہیں کہ یہ کون بزرگ تھے حضرت حاجی امداد اللہ کے ایک گرامی نامہ (بنام حکیم ضیاء الدین رامپوری مرقومات امدادیہ صفحہ ۱۰۹ دہلی: ۱۹۷۹ء) سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالکریم، حکیم ضیاء الدین سے بیعت تھے مکہ معظمہ حاضر ہوئے تھے، حضرت حاجی صاحب سے بھی رابطہ تھا۔

۶۰　مولانا محمد منیر خلف لطف علی نانوتوی (مولانا محمد مظہر اور مولانا محمد احسن نانوتوی کے حقیقی چھوٹے بھائی) ۱۲۴۷ھ، ۳-۱۸۳۱ء میں تولد ہوئے، مولانا مفتی صدرالدین آزردہ اور شاہ عبدالغنی مجددی سے تعلیم حاصل کی تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کے سرگرم معاون تھے، محاربہ شاملی تھانہ بھون میں شریک رہے۔ عام معافی کے بعد بریلی کالج میں ملازم ہو گئے تھے، ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد دیوبند کے مہتمم مقرر ہوئے۔ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ (جون ۱۸۹۴ء) سے جمادی الاول ۱۳۱۲ھ (دسمبر ۱۸۹۵ء) تک دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے (دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، از مولانا قاری محمد طیب صفحہ ۹۵ دیوبند ۱۳۸۵ھ)
۱۳۲۱ھ، ۱۸۷۸ء تک حیات تھے، تاریخ وفات معلوم نہیں۔ تذکرہ مولانا محمد احسن نانوتوی، محمد ایوب قادری صفحہ ۱۵۷، ۱۶۰ (کراچی: ۱۹۶۶ء)

دوسری گزارش یہ ہے کہ مولوی نذر اللہ خلف مولانا محمد رمضان صاحب[۱۱] اس حقیر خادم اور ننگ خاندان کے سامنے بہت معذرت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ (میں نے) تیرے متعلق نامناسب الفاظ لکھ دیئے تھے، حضرت والا (حاجی صاحب) ناراض ہوگئے۔ یہ بات سن کر مسرت کی وجہ سے میں بے خود ہوگیا اور اپنی نالائقی کو دیکھتے ہوئے اور ان کی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت غوث الثقلین سے نسبت کی وجہ سے نادم وشرمسار ہوگیا ہوں۔

مقصد یہ ہے کہ اول تو یہ ناکارہ خود سراپا عیوب ہے، اگر کسی نے (میری) شکایت لکھی، غلط بھی اگر لکھی تو غلط نہیں لکھی۔ دوسرے یہ کہ پہلے تو سرورِ دین دونیا صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک امتیاز اپنے نیاز مندوں پر کس قدر ناز فرمانا ہے، اس چیز پر نظر کرتے ہوئے (مولوی نذر اللہ صاحب سے) ترش روئی کی جرأت نہیں ہوتی اور اگر اتفاقاً ہو جائے تو اس کو اپنی کم ظرفی سمجھتا ہوں، لہٰذا امیدوار ہوں کہ ان کو راضی نامہ تحریر فرما کر مسرور و معزز فرمائیں گے اور اس نالائق کے لیے دعا فرمائیں کہ (میرے) عیوب کا انبار حق تعالیٰ اس طرح چھپالے کہ پھر کسی اور کو شکایت کی گنجائش نہ باقی رہے۔

حامل عریضہ منشی فضل[۱۲] حق احقر کے کرم فرما اور جناب والا کے نہایت

---

۱۱ مولوی نذر اللہ، مولانا شاہ محمد رمضان بوڑیہ (جگادھری انبالہ، ہریانہ) کے فرزند تھے، مولانا محمد رمضان صاحب اپنے دور کے مشہور مصلح اور عالم اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے مجاز بیعت تھے۔ مولانا کی متعدد مقبول تالیفات تھیں مثلاً معدن الاعمال والمسائل خزینہ اعمال احمدی تحفۂ رمضان، وغیرہ مولانا محمد رمضان اور ان کے صاحبزادہ کے مفصل حالات نہیں ملے۔

۱۲ منشی فضل حق بن سیف علی (بن کریم بخش بن جان عالم بن سید محمد جمیل) رضوی دیوبند۔ دیوبند کے سادات کے پرانے معروف خاندان سے تعلق تھا (تذکرہ سادات رضویہ دیوبند سید محبوب رضوی ص ۲۰ (دیوبند ۱۳۹۴ھ). محتاط و متقی بزرگ تھے، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے وابستہ اور مولانا کے قریب ترین اصحاب میں سے تھے، شعبان ۱۳۱۰ھ، ۱۸۹۳ء میں دارالعلوم کے مہتمم مقرر ہوئے۔ تذکرۃ العابدین میں ہے:
"اہل شوریٰ نے عرض کیا (حاجی محمد عابد حسین سے) کہ آپ اہتمام جس کو چاہیں سپرد کردیں، مگر مدرسہ کے سرپرست رہیں۔) اس وقت آپ نے بہ مشورہ اہل شوریٰ منشی فضل حق کو، کہ مرید خاص مولوی محمد قاسم و رفیق خاص اہل شوریٰ کے تھے مہتمم مقرر کیا" "تذکرۃ العابدین" صفحہ ۷۶ تالیف حاجی نذیر احمد دیوبندی (طبع دوم: دہلی ۱۳۳۳ھ)
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

عقیدت مند ہیں، مزید یہ کہ سادات کرام میں سے ہیں، اور شیخ ممتاز علی مرحوم[۲۴]
کے رشتہ داروں میں سے ہیں اس کے علاوہ دین دار شخص اور مدرسہ کے ہمدرد
ہیں، ان کے حال پر اگر عنایت ہو جائے۔ میں ان کو اپنی جگہ سمجھتا ہوں، (انہوں
نے) صاحب زادہ میاں مقصود احمد کو اصرار کر کے ساتھ لیا ہے، تاکہ ان کے
ذریعہ سے مخدوم عالم کی توجہ ان پر (منشی صاحب پر) ہو جائے۔ زیادہ عرض کرنا
گستاخی ہے حضرت (اہلیہ محترمہ) کی خدمت میں سلام مسنون، اور حافظ احمد
حسین سے سلام و نیاز کے بعد اہلیہ کے وفات پر تعزیت فرمادیں۔ مولانا رحمت
اللہ صاحب کی خدمت میں، حافظ عبداللہ صاحب سے اور حاجی سکندر خاں اور
میاں سعدی سے سلام مسنون۔

(بقیہ حاشیہ)...... منشی فضل حق ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ تک مدرسہ دیوبند کے مہتمم رہے، خیانت کے الزام کی وجہ سے سبکدوش اور دل برداشتہ ہو کر دیوبند سے چلے گئے تھے۔ بعد میں اس الزام کے غلط اور بے بنیاد ہونے کی تحقیق ہو گئی تھی اور مدرسہ کے منتظمین نے اشتہار کے ذریعہ سے اس کا اعلان بھی کر دیا تھا، مگر منشی صاحب کو اس الزام کا ایسا صدمہ ہوا کہ وہ اس واقعہ کے بعد تاحیات دیوبند نہیں آئے، بلکہ مولانا کے بیٹوں نے بھی پوری زندگی دیوبند میں قدم نہیں رکھا۔ عام روایت جو عموماً تذکروں میں نقل کی جاتی ہے یہ ہے کہ منشی صاحب نے دیوبند سے ترک وطن کر کے بھوپال میں قیام کیا تھا۔ وہیں ان کی وفات ہوئی۔ مگر یہ اطلاع صحیح نہیں۔ منشی صاحب بھوپال نہیں بلکہ ریاست جھالاواڑ (راجستھان) گئے تھے، وہاں ایک مسجد میں امام کی حیثیت سے خاموشی اور گمنامی کی زندگی گزاری۔ اسی بستی میں ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں وفات پائی۔ (روایت زوجہ مولوی حسین احمد کاندھلوی، دختر مولانا ظہور الحق سہارنپوری خلف منشی فضل حق) صاحبزادگان میں سے ایک ہمیشہ جے پور میں رہتے تھے۔ دوسرے مولانا ظہور الحق تھے جو مظاہر علوم سہارنپور کے اعلیٰ مدرس ہوئے تھے، تاحیات سہارنپور میں قیام کیا، وہیں وفات ہوئی۔ تیسرے بھوپال میں تھے۔

منشی فضل حق نے حضرت مولانا نانوتوی کی مفصل سوانح مرتب کی تھی، جو قاری محمد طیب صاحب کی اطلاع کے مطابق ۱۳۸۵ھ تک دارالعلوم کے خزانہ میں محفوظ تھی (تاسیس دارالعلوم دیوبند تاریخی حقائق کی روشنی میں۔ صفحہ ۱۶ مطبوعہ دیوبند: ۱۳۹۹ھ) مگر اب معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔

[۲۴] شیخ ممتاز علی حضرت مولانا نے شیخ لکھا ہے مگر یہ سادات میں سے تھے ممکن ہے عمر میں بڑا ہونے کی وجہ سے اس طرح لکھا ہو۔ شیخ ممتاز دیوبند سادات خاندان کے فرزند اور مدرسہ دیوبند (دارالعلوم) کے مدرس اول، مولانا محمود دیوبندی کے والد ماجد تھے، مولانا محمد ناصر بلیاوی نے اسانید حدیث پر اپنی تالیف میں اس کی وضاحت کی ہے۔ نسخہ مولف ہمارے مجموعہ میں ہے۔

گیارہویں خط کا ترجمہ

مکتوبہ ۱۴ر شوال ۱۲۹۳ھ ۲ر نومبر ۱۸۷۶ء
(جو قلمی نسخہ کی ترتیب کے مطابق تیسرا خط ہے)

غلاموں میں سے نالائق غلام محمد قاسم (مرشد والا مقام) مخدوم جہاں سے (اللہ تعالیٰ ان کے فیوض سے قیامت تک لوگوں کو مستفید فرمائے) نہایت مخلصانہ سلام کے بعد عرض پرداز ہے کہ

جناب والا کی ہدایت کے مطابق عزیز مقصود احمد کو (یہاں سے) روانہ کرنے کا اس طرح انتظام کیا تھا کہ ان کو منشی فضل حق دیوبندی کے ساتھ بھیج دیں، اور منشی صاحب بھی مقصود احمد کی رفاقت اور اس کی خدمت کو جناب والا کی عنایات (مزید) کا ذریعہ سمجھ کر ان کے سب خرچ راستہ کے جملہ اخراجات اور ضروریات کا (اپنی جانب سے) انتظام کرنے کے لیے نہایت خوشی اور شوق کے ساتھ تیار ہو گئے تھے، مگر جب عزیز مذکور کو دیوبند پہنچایا گیا، اس نے رونا دھونا شروع کر دیا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنی پرانی بری عادت کے مطابق راجو پور بھاگ گئے[۲۴] منشی صاحب اور دوسرے نیاز مندوں کو اس کی وجہ سے جو فکر و پریشانی اور شرمندگی کا غیر معمولی احساس ہوا، وہ ناقابل بیان ہے۔ بالآخر راجو پور سے اس کا پتہ ملا، قصہ مختصر اس کی تلاش میں وہ تاریخ گزر گئی جس میں منشی صاحب کی روانگی طے کی گئی تھی، مگر جب عزیز مذکور راجو پور سے واپس آئے پھر

---

[۲۴] حضرت حاجی صاحب کی نہایت تمنا تھی کہ ان کے بھتیجے میاں احمد حسین کے فرزند، مقصود احمد جو حضرت کو نہایت عزیز تھے، ان سے اور ان کے والد سے بہت محبت تھی کہ مکہ معظمہ آ جائیں، یہیں رہیں، مگر مقصود احمد اس کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے، کئی سال تک اس کے لیے حضرت کے متوسلین نے مسلسل کوشش کی جب سے پہلے خط میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ یہاں بھی اس مقصد کے لیے ایک اور ناکام کوشش کا ذکر ہے۔

وہی رونا چلانا شروع کر دیا، اور ادھر قسمت سے منشی صاحب میعادی بخار میں مبتلا ہوگئے، مگر اللہ کا شکر ہے کہ ان پر فضل الٰہی ہوا (اور وہ صحت یاب ہوگئے) پھر تقریباً ایک مہینہ کے بعد اس قصہ کو نئے سرے سے تازہ کیا گیا، مگر ان میں ابھی ایسی طاقت و قوت نہیں ہے جیسی سفر کے لیے چاہیے، نہ چلنے کی طاقت ہے نہ سامان اور بوجھ لدوانے کی ہمت (ان کا ایسا کمزور حال ہے کہ) اگر یہ سفر اس مبارک منزل کا نہ ہوتا تو شاید ایک شخص بھی ان کو اس سفر کی اجازت اور مشورہ نہ دیتا، مگر ان کا شوق سفر حد سے زیادہ نظر آتا ہے اس لیے کسی نے ان کو سفر سے منع نہیں کیا، لیکن حضرت والا کے سب غلام، مولانا رشید احمد صاحب مولانا محمد یعقوب صاحب، منشی محمد اسماعیل راجوپوری، حاجی محمد عابد صاحب[۶۴ب]، جناب مولوی رفیع الدین صاحب اور مولوی ذوالفقار علی صاحب اور دوسرے صاحبان، سب کی یہی رائے ہے کہ مقصود احمد کا یہ چلن ہے اور (منشی صاحب کی) طبیعت کا یہ حال ہے اس صورت میں ہرگز یہ مناسب نہیں ہے کہ عزیز مذکور (مقصود احمد) کو ان کے ساتھ کیا جائے۔ اللہ نہ کرے اگر راستہ میں کہیں فرار ہوگیا پھر کیا تدبیر ہوگی؟ نہ منشی صاحب تندرست ہیں کہ بھاگ ڈور کر کے اس کا سراغ نکالیں، نہ کوئی اور خدمت گار ساتھ ہے جس کو اس کام کے لیے کہہ سکیں اس کے علاوہ کچھ اور وجوہات ہیں (جس کا ذکر اس خط میں مناسب نہیں) جو منشی صاحب سے معلوم ہو جائیں گی۔ اس وجہ سے یہ رائے ہوئی ہے کہ مقصود احمد کو ان کے ساتھ نہ بھیجا جائے۔ اس سب کے باوجود اگر حضرت عالی کا مقصود احمد کو

[۶۴ب] حاجی عابد حسین دیوبند کے قدیم رضوی خاندان کے فرد تھے، تقریباً ۱۲۵۰ھ میں ولادت ہوئی، نہایت عابد و زاہد و متقی معروف مرشد تھے۔ تعویذات و عملیات میں بھی خاص امتیاز و شہرت رکھتے تھے۔ مدرسہ دیوبند کے سب سے پہلے محرک اور مہتمم تھے تاحیات مدرسہ دیوبند (دارالعلوم) کے بنیادی اراکین و اہل مشورہ میں شامل رہے۔ دو مرتبہ اس کا نظام بھی سنبھالا۔
۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (۲۷ نومبر ۱۹۱۳ء) کو اکیاسی سال کی عمر میں وفات ہوئی، تفصیلی معلومات کے لیے: تذکرۃ العابدین، تالیف حاجی نذیر احمد صاحب (طبع دوم، دہلی: ۱۳۳۳ھ)

مکہ مکرمہ بلوانے کا خیال ہے (اللہ خیریت سے رکھے) آنے والا سال (موسم حج) قریب ہی ہے، انشاء اللہ آئندہ سال بھیج دیا جائے گا۔

باقی حضرت مخدوم جہاں کے سب خادم نیاز مند اور جملہ اعزہ حسب سابق اور اپنے اپنے حال کے مطابق ہیں۔ کل گزشتہ اتفاق سے حامل عریضہ راو امداد علی خاں زیارتِ حرمین شریفین کے ارادہ سے پہنچے، وہ اس ناچیز کے ذریعہ سے حضرت ولا کے زمرۂ نیاز مندان میں شامل ہیں (اب وہ) حضرت والا سے بلاواسطہ بھی بیعت سے مشرف ہونا چاہتے ہیں۔ نیک آدمی ہیں، زیادہ کیا عرض کروں کہ جناب والا کے اخلاق عالیہ خود ہی خادموں اور نیاز مندوں کی مدد (رہنمائی) فرماتے ہیں۔

جنابِ حافظ احمد حسین کی خدمت میں، حافظ عبداللہ صاحب سے شیخ سعدی سے، قاضی بنیاد سے، مولانا رحمت اللہ صاحب سے اگر یاد رہے میری جانب سے سلام پہنچے۔ عاشق علی شاہ[۶۵] دیوبندی حضرت والا کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں۔

عریضہ کمترین محمد قاسم از دیوبند۔

۱۴ر شوال پنج شنبہ ۱۲۹۳ھ مطابق ۲ر نومبر ۱۸۷۶ء

---

[۶۵] پیرجی عاشق علی دیوبندی نسب و خاندان کی تفصیلات کا علم نہیں ہو سکا، صرف یہ معلوم ہے کہ یہ حضرت مولانا نانوتوی کے مرید تھے اور حاضر باش خدام میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت مولانا کے پنڈت دیانند سرسوتی سے مناظرہ کے لیے رڑکی کے سفر کے موقع پر پیرجی عاشق علی بھی حضرت مولانا کے ہمراہ تھے، امیر شاہ خورجوی نے اس کی صراحت کی ہے اور ان کے حوالہ سے اس سفر کا ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے: ارواح ثلاثہ (مرتبہ مولانا ظہور الحسن کسولوی) صفحہ ۲۳۶ (طباعت جدید تھانہ بھون: بلاسنہ)
مدرسہ دیوبند (دارالعلوم) کی مجلس شوریٰ کے رجسٹر سے معلوم ہوتا ہے کہ پیرجی عاشق علی مدرسہ کے دفتر کے محافظ (نگراں) تھے، ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ (جولائی ۱۸۹۲ء) میں وفات ہوئی۔ رجسٹر کارروائی مجلس شوریٰ ۱۳۰۹ھ۔

مباحثہ سفر رڑکی کے

چند گم شدہ اوراق کی دریافت

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

اور

سوامی دیانند سرسوتی کی خط و کتابت

(پس منظر، تفصیلات، متعلقہ تحریریں اور طرفین خطوط)

جمع و ترتیب

نور الحسن راشد کاندھلوی

مجلّہ صحیفۂ نور۔ مولویان۔ کاندھلہ ضلع مظفر نگر

یوپی (ہند)

سفر رڑکی کے ایک گمشدہ ورق کی بازیافت

قاسم العلوم، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی
سوامی دیانند سرسوتی سے مناظرہ کے لیے مراسلت

(طرفین کے خطوط اور متعلقات)

نورالحسن راشد کاندھلوی

تمہید

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی سیرت و خدمات کے اہم عنوانات وابواب میں سے ایک اہم اور قابل ذکر عنوان، رڑکی میں سوامی دیانند سرسوتی کے اسلام پر اعتراضات کے جوابات کے لیے سفر سوامی جی سے زبانی گفتگو اوران کے اٹھائے ہوئے سوالات پر مباحثہ کی کوشش کی تھی۔

حضرت مولانا رڑکی تشریف لے گئے تھے، سترہ دن رڑکی میں قیام کیا، سوامی صاحب سے مناظرہ ومباحثہ کی ہر چند کوشش کی، مگر سوامی جی کسی صورت اس پر تیار نہ ہوئے۔ بالآخر سوامی جی خاموشی سے رڑکی سے چلے گئے۔ حضرت مولانا نے سوامی جی کی موجودگی میں رڑکی میں ان کے اعتراضات کے جوابات کی تقریریں اور مواعظ اپنے شاگردوں (خصوصاً مولانا فخرالحسن) سے بازاروں اور عوامی مجمعوں میں کرائے، اور خود بدولت (حضرت مولانا محمد قاسم) نے رڑکی سے واپس آکر سوامی جی کے اعتراضات کے جواب میں "قبلہ نما" اور "انتصار الاسلام" تصنیف فرمائیں، مگر مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ (مرتب حالات مولانا محمد قاسم، وفات ۱۳۰۲ھ) سے مولانا مناظر احسن گیلانی (مؤلف سوانح قاسمی، تین جلدیں وفات: ۱۳۷۵ھ) تک اور مولانا گیلانی سے عصر حاضر تک، حضرت

مولانا محمد قاسم پر تفصیلی اجمالی لکھنے والے تقریباً سب ہی علماء اور اہل قلم نے حضرت مولانا کے سفر رڑکی، سوامی صاحب سے مناظرہ کی کوشش اور رڑکی سے واپسی کے بعد مذکورہ بالا تصانیف کا ذکر کیا ہے نیز حضرت مولانا محمد قاسم نے قبلہ نما کے آغاز پر اور مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی کے قلم سے انتصار الاسلام کی مفصل تمہید میں اس سفر کے مقاصد اور ان کتابوں کی وجہ تالیف کا مفصل ذکر ہے، بعد میں بھی یہ دونوں کتابیں بارہا چھپیں، ان کے فاضل تصحیح کرنے والوں اور ناشرین نے بھی ان کی وجہ تالیف پر روشنی ڈالی ہے، مگر ان کتابوں اور مضامین میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں آیا کہ حضرت مولانا کے رڑکی کے قیام کے دوران حضرت مولانا کی سوامی دیانند سرسوتی سے طویل مراسلت ہوئی تھی، حالاں کہ یہ مراسلت اس قدر ناپید اور کم یاب نہیں تھی کہ اس سے استفادہ دشوار ہو، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس خط وکتابت سے مراجعت واستفادہ کے بغیر سفر ومباحثہ رڑکی کا تذکرہ ناتمام ہے۔

یہ مراسلت سوامی دیانند سرسوتی کی مفصل سوانح "جیون چرتر مہرشی دیانند سوامی" میں شامل ہے جو ۱۹۰۰ء کے قریب شائع ہوئی تھی اور اس کی اشاعت پر تقریباً سو سال گزرنے کے بعد اس وقت پہلی مرتبہ حضرت مولانا کے احوال وسوانح کے ضمن میں اس اہم ماخذ سے استفادہ کیا جارہا ہے اور یہ خط وکتابت مباحثہ رڑکی کے ضمن میں پیش کی جارہی ہے۔ فلحمد لله علیٰ ذلك

یہ مراسلت اور اس کے متعلقات کا تذکرہ تفصیل چاہتا ہے، اس کو راقم سطور نے ترتیب ذیل پر مرتب کیا ہے:

۱۔ سب سے پہلے اس مراسلت کے مأخذ "جیون چرتر سوامی دیانند سرسوتی" کا کچھ تعارف ہے۔ اور اس کتاب میں شامل مراسلت کی ترتیب وغیرہ میں جو غلطیاں ہو گئی ہیں، یا کی گئی ہیں ان کی نشاندہی کی ہے۔

۲۔ سوامی دیانند سرسوتی کا مختصر حال، ہندو مذہب کے احیاء اور اپنے نظریات

اور تعلیمات کی اشاعت کے لیے ان کی جدو جہد اور حضرت مولانا محمد قاسم سے رڑکی میں مباحثہ کی ناکام کوشش کا کچھ ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ رڑکی میں سوامی دیانند کے آنے مباحثہ کے چیلنج اور حضرت مولانا محمد قاسمؒ نیز حضرت مولانا کے شاگردوں حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ کے سفر رڑکی کی وہ سرگذشت و خود نوشت جو حضرت مولانا نے قبلہ نما کے آغاز اور مولانا فخر الحسن گنگوہی نے انتصار الاسلام کی مفصل تمہید میں لکھی ہے، جوں کی توں پیش کی گئی ہے، تاکہ اہل معاملہ کی زبان سے تمام واقعات اور تاریخ سامنے آجائے۔

۴۔ آخر میں مراسلت ہے، جس میں حضرت مولانا کے رڑکی کے پہنچنے پر شائع کرائے گئے اشتہار، آریہ سماج کی طرف سے جوابی اشتہار اور حضرت مولانا کے سوامی دیانند کے نام خطوط اور سوامی دیانند کے جوابات ترتیب وار نقل کے گئے ہیں۔ درمیان میں جو توضیحات ضروری تھیں ان پر بھی کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

اور اس مراسلت کو مفید سے مفید تر بنانے کا خیال پیش نظر رہا ہے یہ کوشش کس حد تک کامیاب رہی اس کا فیصلہ قارئین فرمائیں گے۔

۵۔ مباحثہ رڑکی کے متعلق ایک اہم اور معاصر دستاویز، عربی کے نامور ادیب اور عالم (شیخ الہند کے والد ماجد) مولانا ذوالفقار علی دیوبندی کی وہ اہم تحریر ہے جو مولانا کی تالیف "الھدیۃ السنیہ فی ذکر المدرسۃ الدیوبندیہ" (طبع اول مجتبائی، دہلی ۱۳۰۰ھ) کا ایک حصہ ہے۔ حضرت مولانا سے مباحثہ کے ڈر سے سوامی دیانند کے اچانک رڑکی سے فرار کی خبر عام ہوگئی تھی، اس وقت مولانا ذوالفقار علی صاحب نے اس واقعۂ فرار پر عربی میں چند شعر لکھے تھے، وہ اشعار بھی اس تحریر کے ساتھ شامل ہیں اور یہ دونوں چیزیں اردو ترجمہ کے ساتھ اس مراسلت کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر پیش کی جارہی ہیں:

نام نیکو رفتگاں ضائع مکن ☆ نہ بماند نام نیکت پائدار

ابتدائی گزارشات

سوامی دیانند کی سوانح:

"جیون چرتر مہارشی سوامی دیانند" مرتبہ لکھشمن میں درج حضرت مولانا محمد قاسم کے مکتوبات کی حضرت مولانا سے نسبت میں شبہ نہیں، ان خطوط کی عبارت اور ان کا طرز تعبیر حضرت مولانا کی جانب ان خطوط کی نسبت کی تصدیق کررہا ہے۔ حضرت مولانا نے قبلہ نما کی تمہید میں اور حضرت مولانا فخرالحسن نے "انتصار الاسلام" کے دیباچہ میں جو لکھا ہے یہ خطوط اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔ مذکورہ دونوں کتابوں میں بعض باتیں مجمل ہیں، خطوط میں ان کی وضاحت ہے اور خطوط میں جو اشارات ہیں، مذکورہ بالا کتابوں سے ان کی تصدیق ہورہی ہے، اس لیے ان خطوط کی حضرت مولانا سے نسبت پر اعتماد کیا جائے گا۔

حضرت مولانا نانوتوی اور سوامی دیانند کی زیر تعارف خط و کتابت سے مباحثہ رڑکی کے متعلق متنوع معلومات سامنے آرہی ہیں، حضرت مولانا کے مذاق ومزاج، سوامی جی کی فکر، دونوں کے نظریات اور اختلاف رائے کا واضح علم ہوتا ہے۔ اوران خطوط کے ذریعہ سے حضرت مولانا کی زندگی کے ایک اہم عنوان کی دریافت اطلاعات پر وقیع اضافہ ہورہا ہے۔ مگر مکتوبات سے استفادہ سے پہلے چند باتیں قابل ذکر ہیں:

الف: سوامی دیانند اردو بلکہ عام سادہ ہندی سے بھی تقریباً ناواقف تھے سنسکرت جانتے، بولتے اور لکھتے تھے اور حضرت مولانا کی زبان اعلیٰ درجہ کی فلسفیانہ عالمانہ زبان ہے، اس لیے ممکن ہے کہ سوامی اور ان کے متعلقین کو ان خطوط کے پڑھنے سمجھنے میں کچھ تامل ہوا ہو۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بعض خطوط میں

نقل کی فروگذاشتیں ہیں کہیں کہیں الفاظ اور مفہوم واضح نہیں، ایک دو جگہ متفرق الفاظ مکرر ہیں۔ تین خط ناقص بھی ہیں (... ... ...) جیون چرتر کے مرتب نے اس کا صرف وہی حصہ نقل کیا ہے جو غالباً سوامی جی کے مقاصد کے لیے مفید تھا۔

ب: سوامی جی کے جیون چرتر میں حضرت مولانا کے اکثر خطوط پر، لکھنے والے کا نام "محمد قاسم علی" یا "قاسم علی" لکھا ہوا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ حضرت مولانا، اپنا نام محمد قاسم لکھا کرتے تھے، حضرت مولانا نے اپنے قلم سے اپنا نام قاسم علی کبھی نہیں لکھا، اس وقت تک حضرت مولانا کی جو مطبوعہ یا غیر مطبوعہ تحریریں اور خطوط وغیرہ راقم سطور کی نظر سے گزرے ہیں، ان سب میں حضرت مولانا نے اپنا نام محمد قاسم لکھا ہے۔ اگرچہ حضرت کے بعض معاصرین اور نامور مسلم علماء نے (جن کے حضرت مولانا سے روابط اور خط و کتابت تھی) حضرت مولانا کا نام محمد قاسم علی بھی لکھ دیا ہے، مگر غالباً یہ ان لوگوں کا خیال یا غلط فہمی ہے، مگر جیون چرتر کے مرتب سے جس نے حضرت مولانا کے مکتوبات بہ چشم خود دیکھے ہیں، یہ مغالطہ حیرت انگیز ہے۔ نیز اس کتاب میں مباحثہ رڑکی کے تحت درج حضرت مولانا محمد قاسم کے خطوط کے شمار میں اور خطوط کی تاریخ تحریر میں بھی کچھ غلطیاں ہو گئی ہیں۔ خطوط کا شمار درست نہیں اور تاریخ تحریر بھی آگے پیچھے ہو گئی ہے، دونوں طرح کی کچھ غلطیوں کی وضاحت ضروری ہے:

(۱) حضرت مولانا کے رڑکی آنے اور پہلا اطلاعاتی اشتہار چھپوانے کی تاریخ ۱۸/اگست لکھی ہے، صحیح ۸/اگست (مطابق ۸/شعبان ۱۲۹۵ھ پنجشنبہ) ہے، تفصیل اپنے موقع پر آرہی ہے۔

(۲) حضرت مولانا کے خط نمبر ۴ پر شمار درج ہونے سے رہ گیا ہے (ملاحظہ ہو، جیون چرتر صفحہ ۵۳۵) اس صفحہ ۵۳۵ پر چوتھا خط غلط نقل ہوا ہے، اس کی یہاں ضرورت نہیں تھی۔ اور جو اصل چوتھا خط ہے، اس پر نہ عنوان ہے نہ تاریخ

تحریر۔

(۳) صفحہ ۵۵۰ پر درج خط نمبر ۶ وہی خط ہے جو صفحہ ۵۳۵ پر خط نمبر ۴ کے تحت درج ہوا ہے، مگر وہاں اس کا اندراج صحیح نہیں تھا، صحیح یہی ہے کہ یہ چھٹا خط ہے اور صفحہ ۵۵۰ پر برمحل نقل ہوا ہے۔

(۴) اس کتاب کے الفاظ سے واضح ہے کہ اس کے مرتب نے مکمل مراسلت درج نہیں کی، حضرت مولانا کے ایک خط نمبر ۷ مورخہ ۱۸ اگست کے متعلق لکھ دیا ہے کہ یہ خط ناقص ہے، اس خط کا وہ حصہ جس میں حضرت مولانا نے چند شکایتیں لکھی تھیں، کتاب میں نقل نہیں کیا گیا۔ اس خط کی آخری صرف دو سطریں جیون چرتر میں درج ہیں، اور بھی دو خط ناقص معلوم ہوتے ہیں۔

(۵) جیون چرتر کے مرتب و مؤلف نے مباحثہ رڑکی کے سلسلہ میں سوامی دیانند کے نام لکھے، چند خطوط بہ ظاہر جان بوجھ کر، اپنی اس کتاب میں شامل نہیں کیے، مثلاً حضرت مولانا نے اپنے خطوط نمبر ۵ و نمبر ۶ (دونوں ۱۷ اگست ۱۸۷۸ء کے لکھے ہوئے ہیں) میں لکھا ہے کہ "نیاز نامہ صبح کا جواب پہنچا" یعنی حضرت مولانا نے ۱۷ اگست کے مذکورہ دونوں خطوط کے علاوہ ایک خط اور لکھا تھا، جس کا سوامی جی نے جواب بھی دیا تھا، مگر حضرت مولانا کا وہ خط یہاں درج نہیں ہے۔

(۶) جیون چرتر کے مؤلف نے حضرت مولانا کے مکتوب نمبر ۸ مرقومہ ۱۸ اگست ۱۸۷۸ء (۱۸ شعبان ۱۲۹۵ھ) کو اس سلسلہ مراسلت کا آخری خط قرار دے کر اس پر یہ عنوان لگایا ہے: "مولوی صاحب کا آخری خط" (صفحہ ۵۵۴) یہ اطلاع بھی صحیح نہیں، حضرت مولانا نے اس کے بعد بھی سوامی دیانند کو (جب وہ رڑکی میں موجود تھے) کم سے کم ایک خط یا خطوط لکھے، مگر سوامی نے ان کا جواب نہیں دیا تھا، جس کا حضرت مولانا نے تمہید "قبلہ نما" میں ذکر کیا ہے، تفصیل آخری خط کے تحت آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ

(۷) سوامی دیانند کے خط نمبر ۴ (جیون چرتر صفحہ ۵۴۰ تا ۵۵۸) کی تاریخ

تحریر ۵ راگست ۱۸۷۸ء لکھی ہے، جو یقیناً غلط ہے، صحیح تاریخ ۱۵ راگست ہونی چاہیے۔

(۸) کچھ اور بھی چھوٹے موٹے تسامحات ہیں، ان میں سے بعض کا اپنے اپنے موقعوں پر ذکر کر دیا ہے اور بعض کو نظر انداز کر دیا ہے۔

(۹) جیون چرتر میں درج مکتوبات پرانے طریقہ پر نقل کیے گئے ہیں، نہ پیراگراف ہیں نہ علامات قرأت، بعض فقرے یا کلمات مکرر چھپ گئے ہیں، بعض میں تذکیر و تانیث کا فرق ہے، چند خطوط کی تاریخ تحریر میں بھی کچھ فرق ہو گیا ہے، لہٰذا مکرر فقرے نکال دیے اور تاریخ تحریر وغیرہ جو یقیناً غلط چھپ گئیں تھیں، ان کو بھی صحیح کرنے کی کوشش کی ہے، جس کی حاشیہ میں وضاحت کر دی ہے۔

(۱۰) اس وقت ان مکتوبات کا یہی ایک مأخذ راقم سطور کے علم و نظر میں ہے، اور آئندہ صفحات میں درج حضرت مولانا کے تمام مکتوبات کی یہی اساس ہے۔ مگر اس کتاب میں درج مکتوبات کے اور مآخذ کی تلاش ضروری ہے، ضروری مأخذ مل جاتے ہیں تو زیر نظر مکتوبات کا استناد مکمل ہو جائے گا اور ان کا صحیح متن کرنے میں مدد ملے گی اور فرد گزاشتوں پر اطلاع ہو جائے گی اور اس طرح یہ مکتوبات زیادہ بہتر اور مکمل صورت میں سامنے آسکیں گے، واللہ الموفق وھو یھدی السبیل

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ پیش نظر مأخذ "جیون چرتر مہرشی سوامی دیانند" کی اس طباعت پر جو ہمارے سامنے ہے، یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ اصل ہے، یا ترجمہ ہے۔ بظاہر یہ ہندی تاریخ کا اردو روپ ہے، لالہ لاجپت رائے کی تصریحات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب پہلی مرتبہ ہندی میں "جنم ساکھی" کے نام سے چھپی تھی، بہ ظاہر اردو نسخہ اسی کا ترجمہ ہے۔ مگر راقم سطور کو اس کا ہندی نسخہ نہیں ملا، اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ ہندی اردو نسخوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں، اور ہندی ایڈیشن میں حضرت مولانا کے مکتوبات کس طرح پیش

کئے گئے ہیں، اپنی اس کوتاہی اور لالہ لاجپت رائے کی پرزور تنقید کے باوجود جیون چرتر میں درج حضرت مولانا کے مکتوبات یہاں اس لیے پیش کئے جارہے ہیں کہ ان کے صحیح اور مکمل متن کی جستجو ہو اور اس سلسلہ کی نا تمام معلومات کی تلاش میں پیش رفت ہو سکے۔

آخر میں دو باتیں اور! ہماری ایک بڑی کوتاہی یہ ہے کہ حضرت مولانا نانوتویؒ (اور ہمارے اکابر علماء کی بھی) کے ہندوؤں، پنڈتوں اور عیسائیوں وغیرہ سے جو ملاقاتیں اور مباحثے وغیرہ ہوئے ان کے متعلق واقفیت کے لیے ہمارے پاس وہ تحریرات واطلاعات (ریفرنس بکس) تو ہیں، جو حضرت مولانا کے ساتھیوں اور شاگردوں نے لکھیں۔ لیکن اس وقت کے اردو یا دوسری زبانوں کے اخبارات نے ان مباحثوں، تقریروں اور حضرت مولانا کے افادات پر جو کچھ تاثر ظاہر کیا اور حضرت مولانا کا جن پادریوں اور پنڈتوں سے مقابلہ ہوا ان لوگوں نے اپنی تصانیف اور مضامین میں اس واقعہ کو جس طرح پیش کیا، اس کے دیکھنے کا اور اس سے استفادہ کا ہمارے یہاں معمول نہیں، بلکہ اس کو برا سمجھا جاتا ہے حالانکہ دراصل کمال وہی ہے جس کا مخالف معترف ہو اور اس کو داد و تحسین پیش کرے۔ ہندوؤں یا عیسائیوں نے اس قسم کی جو کتابیں (مختلف علمائے کرام سے مباحثوں اور مناظروں کی جو روداد یں) مرتب کی ہیں اس میں اپنی عظمت بلند مقامی اور اپنے دلائل براہین کی قوت کے پر شور دعوں کے باوجود کہیں نہ کہیں حقیقت ضرور چھلک گئی ہے اور ان سے بھی بلا ارادہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ "الاسلام یعلو ولا یعلی" اس لیے اس قسم کے مطالعہ میں ان کتابوں اور رسائل کو نظر انداز کرنا صحیح نہیں، یقیناً ان مباحث و مضامین کو بہتر طریقے سے مرتب کرنے کے لیے اس دور کے تمام علمی ریکارڈ کی چھان بین ضروری ہے، خصوصاً حضرت مولانا کے شاہجہاں پور دہلی اور رڑکی میں جن لوگوں سے مباحثے اور مناظرے ہوئے، اس کی مخالف تحریرات و کتب سے مطابقت و تحقیق بے حد ضروری ہے، اس

ثبوت اور حوالہ کے بغیر ہماری تاریخ و اطلاعات یک طرفہ اور غیر مسلموں کی نظر میں غیر دیانتدارانہ ہیں، لہٰذا اس بڑے کام کو بلا تاخیر شروع کیا جانا چاہیے۔

اس مراسلت سے ایک خاص بات یہ معلوم ہو رہی ہے کہ باہمی مراسلت اور مباحثہ وغیرہ کے کیا آداب ہیں، اور سخت سے سخت مخالف سے خط و کتابت اور بحث و گفتگو میں کس قدر شائستگی اور اعتدال و توازن مطلوب ہے، حضرت مولانا اپنے بڑے مقام کے باوجود سوامی صاحب کو کس طرح یاد فرماتے ہیں، اور سوامی جی بھی (صحیح اسلامی تعلیمات سے تقریباً ناواقفیت کے باوجود) تہذیب و متانت اور اپنے مدمقابل کے علمی مذہبی مقام کا جو خیال رکھتے ہیں وہ بلا شبہ لائق تحسین ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم معمولی سے معمولی اختلاف کی وجہ سے بڑے سے بڑے فاضل اور صاحب کمال کو بے حیثیت و ذلیل سمجھتے اور مانتے ہیں اور ہر اک بات میں اپنے مقابل کی تضحیک و تذلیل کو نہ صرف حق بلکہ ضروری جانتے ہیں۔

رہ گئی رسم اذاں، روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی

سوامی دیانند سرسوتی کا مختصر تعارف اور پیش نظر ماخذ کی علمی تاریخی حیثیت

موضع موردی، نزد احمد آباد گجرات کے پنڈت کریا شنکر کے گھر میں دسمبر ۱۸۲۴ء کو ایک لڑکا پیدا ہوا اور جس کا نام امبا شنکر رکھا گیا۔ (جیون چرتر: ص ۳۱) اس لڑکے کو بت پرستی سے ایک واقعہ کی وجہ سے نفرت ہوئی، یہ اکیس سال کی عمر میں گھر سے چھپ کر نکل گئے، ویدوں اور ہندو مذہب کی پرانی کتابوں پڑھنے سمجھنے کا بہت شوق تھا، اس لیے کئی پنڈتوں کے پاس رہے، آخر میں ایک بڑے ہندو فاضل سوامی ورجانند کے شاگرد بنے، پنڈت ورجانند نے سنیاس دے کر سرسوتی کا لقب دیا اور اسی وقت سے ہندو دھرم کی تبلیغ میں لگ گئے، سوامی دیانند نے ابتدائی زندگی بہت سخت اور مشقت کے سفروں میں گزاری۔ آخر میں بہت شہرت ملی۔

سوامی دیانند نے ہندو مذہب کے قدیم نظریات اور تعبیرات سے اختلاف و بحث کرتے ہوئے ہندو مذہب کی نئی تعبیر و تشریح کی اور اپنے نئے اصلاحی خیالات کو بہت محنت سے پورے ملک میں پھیلا دیا، اپنے خاص اصولوں اور نظریات کی بنیاد پر آریہ سماج کی بنیاد رکھی، جو ہندوستان کی سب سے بڑی اور منظم ہندو تنظیموں میں ممتاز ہے۔

ویدوں کی شرح پر کتابیں لکھیں، وید کے پرانے اور مغربی شارحوں سے کھل کر اختلاف کیا، اپنے خیالات برملا ظاہر کئے اور کئی کتابیں لکھیں، جن میں سے ستیارتھ پرکاش سب سے زیادہ مشہور اور کثیر الاشاعت ہے۔

مگر یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ سوامی دیانند کی زندگی میں ستیارتھ
پرکاش صرف ایک مرتبہ پانچ سو کی تعداد راجہ جے کشن داس بنارس کے خرچہ
سے ۱۸۷۵ء میں بنارس ہی سے چھپی تھی، اس میں صرف بارہ باب تھے، تیرہواں،
چودھواں باب اس میں موجود نہیں تھا اور نہ اسلام اور عیسایت پر عمومی اعتراض
تھے۔ یہ ستیارتھ پرکاش جو مروج ہے سوامی دیانند کے موت کے بعد چھپی تھی،
لالہ لاجپت رائے نے بھی اس کا ذکر اور اعتراف کیا ہے۔ نیز ستیارتھ پرکاش کا جو
اصل نسخہ (مسودہ) اب تک محفوظ ہے، اس میں بھی فقط بارہ باب ہیں۔

ستیارتھ پرکاش کی پہلی طباعت میں کئی باتیں ایسی تھیں جو عام ہندو نظریات
کے خلاف تھیں اور ایسے ہی بعض تاریخی حقیقتیں بھی واضح کی گئی تھیں، یہ پہلی
طباعت بہت کم یاب ہے، تاہم اس کے کچھ نسخے موجود ہیں۔

سوامی دیانند سرسوتی کی تقریباً ایک ہفتہ کی بیماری کے بعد ۳۰/اکتوبر ۱۸۸۳ء
کو اجمیر میں موت ہوئی اور وہیں آخری رسومات ادا کی گئیں۔ تفصیلات کے لیے
سوامی جی کی جیون چرتر وغیرہ دیکھئے۔

سوامی دیانند کے حالات پر اور ان کی کتابوں اور نظریات کے رد میں بہت کچھ
لکھا گیا ہے، اردو میں مفصل ترین سوانح "جیون چرتر مہرشی سوامی دیانند ہے"
(جس کا زیر نظر صفحات میں بار بار ذکر ہوا ہے) اس کتاب کے لیے لیکھ رام آریہ
مسافر نے دس برس سے زائد عرصہ تک لوازمہ فراہم کیا، مگر وہ کتاب لکھنے سے
پہلے (۶/مارچ ۱۸۹۷ء کو) مارے گئے تھے، اس لئے ایک اور آریہ اپدیشک
(واعظ) لکھشمن نے اس کو ترتیب دیا، جیون چرتر کا پہلا ایڈیشن جو یونین اسٹیم
پریس لاہور میں، آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب کے اہتمام سے چھپا تھا، راقم سطور
کے سامنے ہے۔ یہ پہلی طباعت ۱۹۰۰ء کے قریب کی ہے، مگر اس پر سن تالیف
وطباعت دونوں درج نہیں، یہ کتاب مقدمہ تمہید اور ضمیمہ وغیرہ ملا کر ساڑھے
تیرہ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ پیش نظر نسخہ میں ضمیمہ کے آخری

صفحات موجود نہیں، اس لیے مکمل ضخامت کا علم نہیں ہو سکا، ممکن ہے انہیں ضائع صفحات میں سنہ طباعت ہو۔

مگر سوامی دیانند کے ایک مشہور معتقد، ممتاز آریہ سماجی اور ہندوستان کے ایک مشہور سیاسی رہنما، لالہ لاجپت رائے کو مذکورہ کتاب کے مندرجات سے کم اتفاق تھا۔ لالہ لاجپت رائے نے اس کتاب پر مفصل تنقید کی اور اس کی معلومات پر وقیع اور مستند اضافہ کیا تھا، یہ تبصرہ اور اضافہ (مہرشی سوامی دیانند سرسوتی اور ان کا کام) کے نام سے شائع ہوا، اس کا پہلا ایڈیشن جو رفاہ عام پریس لاہور میں چھپا تھا، ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔

لالہ لاجپت رائے نے اس کتاب میں پنڈت لیکھ رام آریہ مسافر کی اطلاعات پر سخت اعتراضات کئے ہیں اور اہم سوالات اٹھائے ہیں۔ دونوں کتابوں اور مصنفین کی فکر میں اور خیالات میں واضح فرق اور کھلا اختلاف ہے، اور اس کتاب پر لالہ لاجپت رائے نے جو تبصرہ کیا ہے، اس کا ایک فقرہ یہاں درج کر دینے میں کوئی حرج نہیں!

> "ان (پنڈت لیکھ رام) کی تحقیقات اور محنت کا نتیجہ نومبر ۱۸۹۷ء میں شائع ہو کر پبلک کے سامنے پیش کیا گیا، اگر ہم اس نو سال کے عرصہ کو اور اس کتاب کو دیکھتے ہیں جو سوانح عمری کے نام سے آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب کی طرف سے مشتہر کی گئی ہے تو ہمیں سخت مایوسی ہوتی ہے اور بے اختیار ہماری زبان سے نکلتا ہے":
>
> بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
> جو چیرا تو اک قطرہ خون نہ نکلا
>
> "پنڈت لیکھ رام کی مرتب کردہ "جنم ساکھی" میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کو ہم نو سالہ محنتوں کا معقول ثمرہ کہہ سکیں اور ہم خوش ہیں کہ دبے الفاظ میں پرتی ندھی سبھا کی طرف سے سوانح عمری مذکور کے

دیباچہ میں یہ امر تسلیم کیا گیا ہے"[۱]

لالہ لاجپت رائے نے اسی دیباچہ میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ:

"اس کتاب میں متضاد، ایک دوسرے کی تردید کرنے والے بیانات وواقعات کا ایسا مجموعہ ہے کہ تمیز اور خبرداری سے پڑھنے والا منشی حیران رہتا ہے کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے، اصلیت کتنی ہے اور مبالغہ کتنا (مثلاً دیکھئے حالات جے پور بیان کردہ سوامی جی و تحقیق کردہ پنڈت لیکھ رام)"[۲]

تاہم لالہ لاجپت رائے نے بھی سوامی دیانند کے رڑکی کے سفر کا دو صفحہ میں ذکر کیا ہے، اور اس میں حضرت مولانا محمد قاسم کے تشریف آوری کا بھی تذکرہ ہے، لکھا ہے کہ:

"مسلمان صاحبان نے مولوی محمد قاسم صاحب دیوبندی کو مباحثہ کے لیے بلایا، مولوی صاحب سوامی جی کے درمیان کئی روز شرائط کے تصفیہ کے لیے باہمی لمبی چوڑی خط وکتابت ہوتی رہی، کئی دفعہ شرائط طے ہوئیں اور کئی دفعہ منسوخ ہوئیں، آخر کار مولوی صاحب کی جانب سے اجتناب پایا گیا، تو اس سلسلہ کو بند کر دیا گیا"[۳]

---

[۱] سوامی دیانند سرسوتی اور ان کا کام، از لالہ لاجپت رائے، دیباچہ ص د، مرتبہ اگست ۱۸۹۸ء (طبع اول لاہور، بلا سنہ)
[۲] سوامی دیانند سرسوتی اور ان کا کام، از لالہ لاجپت رائے، دیباچہ د، مرتبہ اگست ۱۸۹۸ء (طبع اول لاہور، بلا سنہ)
[۳] کتاب مذکور۔ باب دوم، صفحہ ۳۷۲، ۳۷۳

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا رڑکی کا سفر

(مقاصد، تفصیلات، سرگذشت سفر اور متعلقات)

سوامی جی نے اپنے نظریات کے پرچار کا کام، بیساکھ ۱۹۲۰ (اپریل ۱۸۶۳ء) میں شروع کیا تھا جو سوامی کی زندگی کے آخری دنوں (اکتوبر ۱۸۸۳ء) تک جاری رہا۔ پنڈت جی کا طریقہ یہ تھا کہ سفر کے لیے پہلے سے تیاری ہوتی، جہاں جانا ہوتا تھا وہاں تعاون کرنے والے دعوت دیتے، سب خرچہ کی ذمہ داری لیتے، رہنے کے لیے مکان کا معقول انتظام کرتے، ملازم، خادم، ضروری سامان، اور رسوئیا (کھانا بنانے والا) ساتھ ہوتا تھا۔ سوامی جی وہاں پہنچ کر سب سے پہلے اپنے آنے کا اشتہار چسپاں کراتے، اپنی قیام کا اور دوسری جگہوں پر تقریریں اور پروگرام شروع کر دیتے تھے۔ سوامی جی کے ایک اہم سوانح نگار لکشمن کے الفاظ میں:

> ”عام طور پر یہ ظاہر کر دیا گیا کہ سوامی جی وید مت کو مانتے ہیں اور دیگر جدید مذاہب یعنی پورانی، قرآنی، کرانی، جینی وغیرہ کے نقص اور قباحات بدلائل عقلی و نقلی ثابت کرتے ہیں۔ اس لیے جو صاحب منجملہ مذاہب مذکورہ بالا کے اپنے مذہب کی تصدیق اور وید مت کی تردید کرنے کی طاقت رکھتے ہوں، آکر اس طور سے مباحثہ کریں“[1]

سوامی جی اپنی تقریروں میں اور موضوعات کے علاوہ اسلام کی تعلیمات، قرآن پاک اور شریعت اسلامی پر ضرور اعتراضات کرتے تھے اور گویا چیلنج کرتے تھے کہ کوئی بھی مسلمان آئے اور ان سے بحث و مناظرہ کرے۔

---

[1] جیون چرتر، سوامی دیانند سرسوتی، مرتبہ لکھشمن صفحہ ۲۹۹ (طبع اول لاہور، بلا سنہ)

اگرچہ سوامی دیانند سے علمائے اسلام کے بار بار مناظرے اور گفتگو ہوئی، مگر سوامی دیانند کی یہ روش برقرار رہی۔ سوامی جی اپنے اسی معمول اور مناظرہ وغیرہ کے خیال سے میلہ خداشناسی کے موقع پر بھی (ایک اور مشہور مخالف اسلام، پنڈت اندر من کے ساتھ) ۱۵؍مارچ ۱۸۷۷ء کو چاندا پور آئے تھے، اس کے تین دن بعد حضرت مولانا محمد قاسم اور مولانا ابوالمنصور دہلوی رونق افروز چاندا پور ہوئے تھے۔ سوامی دیانند کے سوانح نگار نے لکھا ہے:

"اسی روز (۱۹؍مارچ ۷۷ء کو) اسی وقت ہندوستان کے سب سے بڑے اور مشہور عربی مدرسہ دیوبند کے فاضلؒ استاد اول اور رسالہ تقریر دل پذیر وغیرہ کے مصنف مولوی محمد قاسم صاحب ساکن نانوتہ علاقہ رام پور ضلع سہارنپور جن کے ہاتھ سے مولوی صاحبان کو دستار فضیلت ملتی ہے اور مولوی سید ابوالمنصور[1] صاحب دہلوی امام فن مناظرہ جن کے پاس سلطان روم کا تمغہ فضیلت موجود ہے اور جن کی کتابیں زندۂ جاوید وغیرہ پادری صاحبان کے مقابل تصنیف موجود ہیں "[2]

جلسہ خداشناسی میں حضرت مولانا سے سوامی جی وغیرہ کی مذہبی عقائد و نظریات پر گفتگو ہوئی مگر اس پر سوامی دیانند نے مولانا سے مباحثہ یا مناظرہ کی بات نہیں کی، جو مختصر بات چیت ہوئی تھی سوامی جی کو اس سے حضرت مولانا کے علم و فضل، عالی دماغی اور وسعت پرواز کا اندازہ ہو گیا ہو گا، اس لیے اس وقت سوامی جی نے اسی میں عافیت سمجھی ہو گی کہ مولانا سے مباحثہ نہ ہو۔

بعد کے سوا سال میں سوامی جی کی ان اطلاعات پر بہت اضافہ ہوا ہو گا بلکہ تحقیق ہو گئی ہو گی کہ عقلیات، کلام اور معقولی و فلسفیانہ مباحث میں حضرت مولانا کو مہارت حاصل ہے، نیز مولانا پورے ہندوستان میں یکتا اور تمام علمائے اسلام کے پیشوا اور مقتدا ہیں۔ اس لیے مباحثہ شاہ جہاں پور کے تقریباً سوا سو سال بعد

---

1. جیون چرتر، سوامی دیانند سرسوتی، مرتبہ لکھشمن ص ۷۹۹ (طبع اول، لاہور: بلاسنہ)
2. جیون چرتر ص ۳۸۳

جب سوامی دیانند رڑکی آئے اور انہوں نے اپنے روزانہ کے دھرم پرچار کے سلسلہ کو شروع کیا تو پہلے ہی دن سے اسلام پر اعتراضات کرنے شروع کیے۔ مقامی مسلمانوں نے سوامی جی سے گذارش کی کہ آپ بلاشبہ اپنے مذہب اور خیالات کا پرچار کریں، مگر مذہب اسلام پر زیادہ کرم نہ فرمائیں، لیکن سوامی نے اس درخواست پر کچھ توجہ نہیں کی۔ اپنی تقریریں اسی طرح جاری رکھیں سوامی جی کے تذکرہ نگار کے الفاظ میں:

"قوی سے قوی اعتراض جو مذہب اسلام پر ہو سکتے ہیں، کیے"[1]

جب بات بڑھ گئی تو مسلمانوں کے مقامی نمائندوں نے سوامی جی سے مباحثہ کی بات کی، مگر سوامی جی نے اس کو بھی ناقابل التفات سمجھا، جب اصرار بڑھا تو شرط لگائی کہ اگر مولبی کاسم (مولانا قاسم) آئیں، تو ان سے مباحثہ کے لیے تیار ہوں۔ اس وقت سوامی دیانند کو یقیناً معلوم ہو گا کہ حضرت مولانا بہت بیمار ہیں، کھانسی کی زیادتی کی وجہ سے بات کرنی بھی مشکل ہے اور ضیق النفس کی تکالیف کی وجہ سے مولانا کے اپنے سب کام اور مصروفیات بند ہیں۔ اس لیے مولانا کا سفر کرنا بہت مشکل ہے اور مباحثہ کرنے میں جس قوت وصحت، حاضر دماغی، مسلسل نشست اور متواتر گفتگو کی ضرورت ہوتی ہے مولانا کا اپنی سخت اور لمبی بیماری کی وجہ سے اس کو برداشت کرنا مشکل ہو گا اور میری واہ واہ ہو جائے گی۔ مقامی مسلمانوں اور واقفین حالات کو بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ حضرت مولانا کی صحت ایسی نہیں کہ وہ تشریف لا سکیں گے، مگر سوامی جی ٹس سے مس نہ ہوئے، ان کی ایک ہی آواز ایک ہی رٹ تھی کہ:

"مولبی کاسم آئیں گے تو ان سے گفتگو کریں گے اور کسی سے ہرگز گفتگو نہ کریں گے"[2]

---

[1] جیون چرتر سوامی دیانند ص ۵۱۵

[2] تمہید۔ انتصار الاسلام ص ۳ (دہلی: ۱۲۹۸)

رڑکی کے مسلمانوں کے خطوط اور قاصدوں سے حضرت مولانا کو سوامی دیانند کے مذہبی اعتراضات اور اس اصرار کی خبر ملی، مگر حضرت مولانا کی نظر میں سوامی دیانند کچھ ایسے بڑے فاضل اور ماہر اسلام نہیں تھے کہ ان کے اعتراضات سے کچھ پریشانی ہوتی اور اُن کی لن ترانیوں کے جواب میں مشکل پیش آتی۔ اس لیے اول اول حضرت مولانا نے رڑکی جانے سے منع فرمادیا اور کہا کہ مدرسہ (دیوبند) کا کوئی طالب علم یا (حضرت مولانا کا) کوئی شاگرد چلا جائے گا اور سوامی جی کی کتھا میں کھنڈت ڈال آئے گا۔ مذکورہ تمام واقعات کا حضرت مولانا اور فخر الحسن گنگوہی دونوں حضرات نے صاف ذکر کیا ہے۔ مولانا فخر الحسن نے لکھا ہے:

"اگر کبھی کوئی طالب علم یا کوئی فارسی خواں پنڈت جی کے اعتراضوں کے جواب میں کچھ جرأت بھی کرتا ہے تو پنڈت جی اور ان کے معتقد اس کو خاطر میں نہیں لاتے اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم جاہلوں اور بازاریوں سے گفتگو نہیں کرتے، اپنے مذہب کے کسی بڑے عالم کو بلاؤ اس سے گفتگو کریں گے"[1]

اور خود حضرت مولانا نے بھی سوامی دیانند کے نام اپنے پہلے خط میں اس کا وضاحت سے ذکر کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"ہیچ مداں کمترین محمد قاسم ایک عرصہ سے کھانسی میں مبتلا تھا، کھانسی کی یہ شدت تھی کہ بعض اوقات بات کرنی دشوار تھی اور بعض ضرورتیں بھی درپیش تھیں جو اتنے میں شور اٹھا کہ جناب رڑکی میں رونق افروز ہوئے ہیں"[2]

چند قدم چلنے سے سانس اکھڑنے کی جان لیوا بیماری، حد سے بڑھی ہوئی کمزوری، اور نہایت مجبوری کے باوجود جب حضرت مولانا نے بقول خود غیرت دین کی وجہ سے اس چیلنج کو قبول فرمالیا اور کسی نہ کسی طرح رڑکی تشریف فرما

---

[1] تمہید انتصار الاسلام ص ۲ (طبع اول، دہلی)
[2] جیون چرتر، سوامی دیانند ص ۵۲۱

ہو گئے، تو یقیناً یہ خبر سن کر سوامی جی حیران و پریشان ہو کر رہ گئے ہوں گے۔ سوامی جی کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے مخلص بندے، دین اسلام کے ایسے سچے خادم اور خدمت دین کے جذبہ سے سرشار، خود کو اس طرح مٹا دینے اور فنا کر دینے والے اصحاب اب تک موجود ہیں، جو ایسے حال میں بھی جب کہ اپنی زندگی اور صحت سے ایک درجہ میں مایوسی ہے، پیدل سفر کر کے یہاں جلوہ افروز ہو جائیں گے۔ حضرت مولانا کا رڑکی پہنچنا سوامی جی کے لیے ایک بڑا امتحان اور ایسی کڑوی گولی تھی جس کو نہ اگلنا ان کے بس کا تھا نہ نگلنا۔

اُدھر یہ پریشانی تھی اور یقیناً مشورے ہو رہے ہوں گے کہ اس بلائے بے درماں سے چھٹکارے کی کیا صورت ہو، کہ حضرت مولانا نے (سوامی دیانند ہی کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے) رڑکی پہنچتے ہی، اپنے رڑکی پہنچنے اور سوامی جی کی فرمائش بلکہ اصرار کے مطابق، مناظرہ کے لیے تیار ہوتے، بلکہ خود سوامی جی کو چیلنج کرنے کا اشتہار کے ذریعہ سے اعلان فرما دیا۔

حضرت مولانا نے اشتہار چھپوا کر رڑکی میں چسپاں کر دیئے اور دوسرے دن ۹/ اگست ۱۸۷۸ء (۹/ شعبان ۱۲۹۵ھ) کو سوامی کو براہ راست خط لکھ کر مناظرہ کا شوق پورا کرنے اور کھلے عام مباحثہ کرنے کی دعوت دے کر تحریر فرمایا کہ تاریخ اور وقت طے کیجئے، بندہ حاضر ہے۔ سوامی جی بے چارے حیران و پریشان، نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کا مضمون سامنے تھا۔ حضرت مولانا کی گزارش منظور کرتے ہیں تو اپنے علم کی پوٹلی کی اوقات معلوم ہوتی ہے، مناظرہ سے انکار کرتے ہیں تو ان کی بلند بانگ دعوؤں کی قلعی کھلتی ہے۔ سوامی جی کی ذہانت نے اس کا ایک حل اور نکالا کہ اول تو ان لوگوں کو شرائط کی بحث سے الجھاؤ اور کوشش یہ کرو کہ شرائط طے نہ ہو سکیں اور اگر کسی طرح شرائط طے بھی ہو جائیں گی تو کوئی تدبیر کریں گے۔

یہی ہوا شروع شروع میں شرائط پر لمبی چوڑی نشستیں جمیں، مشورے ہوئے

مگر جب حضرت مولانا اور ان کے عالی ہمت رفقاء اور علمائے کرام نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ راستہ پر آنے والے نہیں ہیں، اس لیے انہوں نے شرائط کی بات ہی ختم کردی اور کہہ دیا کہ ایک بار میدان میں آؤ تو سہی، دیکھا جائے گا، کیسی شرائط، کہاں کے ضابطے:

مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

ظاہر ہے کہ حضرات علمائے کرام کا بغیر کسی شرط کے مباحثہ کے لیے تیار ہو جانا سوامی جی اور ان کی جماعت کے لیے خطرہ کی گھنٹی اور سوہان روح اطلاع تھی، آویں تو جاویں کہاں! لہٰذا اب ایک اور تدبیر کی گئی کہ صاحب! اس طرح مناظرہ اور سرعام مباحثہ کسی وجہ سے عام ہندو مسلمانوں میں جھگڑے کا ڈر ہے، اس لیے سرعام مناظرہ نہ ہونا چاہیے، انگریز افسران تک اس طرح کی اطلاعات پہنچائی گئیں۔ افسران کے لیے نقضِ امن کی بات ایسی نہیں تھی کہ وہ اس کو نظرانداز کردیتے، اس لیے اب افسران کی بھی یہی رائے ہوئی کہ عام جلسہ یا میدان میں مباحثہ نہ ہو، اگر بات چیت ہو تو کسی افسر کے بنگلہ پر، یا سوامی دیانند کی قیام گاہ پر ہو جائے۔ افسران کے بنگلہ پر پہلے سے اجازت لیے بغیر پہنچنا ممکن نہیں تھا، وہاں وہی چند اصحاب آسکتے تھے جن کو وہاں آنے کی اور اس کی نشست میں موجود رہنے کی پہلے سے اجازت مل گئی ہو۔ افسران نے مناظرہ کے لیے وقتی طور سے رکاوٹ کو ختم کرنے کا بھی خیال ظاہر کیا تھا، مگر سوامی جی نے مناظرہ کی ہمت نہیں کی، اب شرط ہوئی کہ سوامی جی کی قیام گاہ پر بات چیت ہو، مگر وہاں بھی مجمع عام میں بات نہ ہو۔ غرض ہر مرتبہ تازہ گفتگو میں نئی نئی شرطیں اور عجیب شگوفے چھوڑتے رہے، نہ شرائط طے ہوں گی، نہ مناظرہ کا موقع آئے گا: نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی!

حضرت مولانا نے جب سوامی کے یہ حیلے بہانے دیکھے اور یقین ہو گیا کہ سوامی جی کسی صورت بھی سرعام بحث و مناظرہ کے لیے تیار نہیں، تو ایک اشتہار

اور [جس میں سوامی جی اور ان کے ہم نواؤں کو غیرت دلائی گئی تھی اور ان سے کہا گیا تھا کہ سوامی جی کو میدان مناظرہ میں لایئے اور اپنے اعتراضات و سوالات کے جواب سن لیجئے) چھپوا کر رڑکی میں چسپاں کرا دیا مگر سوامی جی اور ان کے متعلقین بہ ظاہر پہلے سے طے ایک منصوبہ کے مطابق، خاموش رہے، آخر میں حضرت مولانا نے سوامی جی کے پاس پیام بھیجا کہ:

"خیر آپ مباحثہ نہیں کرتے نہ کیجئے، ہم مجمع عام میں وعظ بیان کریں گے آپ مع شاگردوں اور معتقدوں کے وعظ تو سن لیں الخ"[1]

سوامی جی وعظ میں تو کیا آتے، رڑکی سے ہی چل دیئے۔ مباحثہ نہ ہونا تھا، نہ ہوا، حضرت مولانا نانوتوی کے الفاظ میں:

"جواب تو در کنار پنڈت جی نے اپنی راہ لی۔ شکرم[2] پر بیٹھ وہ جا، یہ جا"[3]

لیکن حضرت مولانا نے سوامی جی کی رڑکی میں موجودگی کے وقت ہی اپنے شاگردوں اور اپنے ساتھیوں کو ہدایت فرمادی تھی کہ:

"بازار میں کھڑے ہو کر پکارے گلے کہدو کہ پنڈت جی پہلے تو بہت سے زبان درازیاں کرتے تھے، اب وہ زبان درازیاں کہاں گئیں۔ ذرا مردوں کے سامنے آئیں، کوٹھی سے باہر نکلیں، اور یہ فرمایا کہ پنڈت کے اعتراضوں کے جواب علی الاعلان بیان کردو"

حضرت مولانا کے شاگردوں، خصوصاً مولانا فخر الحسن گنگوہی نے سوامی جی کے اعتراضات کے بازاروں مجمعوں میں کھڑے ہو کر جوابات دیئے اور جو لوگ سوامی جی کے اعتراضات اور باتیں سن کر پریشان ہو گئے تھے ان کو یقین و اطمینان ہو گیا کہ سوامی جی کے اعتراضات کی کچھ بھی علمی عقلی بنیاد نہیں اور ان کی حیثیت پانی کے بلبلے سے زیادہ نہیں تھی، حقائق اس سے بہت مختلف ہیں، جس کا

[1] تمہید انتصار الاسلام ص ۲
[2] شکرم۔ تانگہ کی طرح چار پہیوں کی ایک سواری۔ گاڑی
[3] تمہید قبلہ نما ص ۲ (طبع اول: ۱۲۹۸)

سوامی جی ذکر کرتے تھے۔

حضرت مولانا کی رڑکی تشریف لے جانے اور علمائے کرام کی تقریروں اور جوابات سے سفر رڑکی اور سوامی دیانند کے سوالات کے جوابات کا پہلا اور وقتی مرحلہ ختم ہو گیا تھا، مگر حضرت مولانا نے غالباً یہ محسوس فرمایا کہ سوامی دیانند ان کے ہم نوا، یا ان جیسے اور لوگ ان اعتراضات کو اور مقامات پر بھی دہرائیں گے اور ممکن ہے وہاں بڑے علماء یا ایسے اصحاب موجود نہ ہوں جو بروقت ان کے جوابات دے سکیں، اس لیے ان اعتراضات کے جوابات لکھ دیئے جائیں۔

چنانچہ حضرت مولانا نے سوامی دیانند کے سوالات کے جوابات پر قلم اٹھایا۔ کل گیارہ سوالات یا اعتراضات تھے، اس کے جواب کا مجموعہ دو کتابوں پر مشتمل ہے۔ دس اعتراضات کے جوابات انتصار الاسلام میں ہیں، اور ایک اعتراض (جو سوامی جی کے خیال میں بہت بھاری بھر کم اعتراض تھا کہ مسلمان کعبہ کی پوجا کرتے ہیں، جو پتھر کی ایک عمارت ہے) کے جواب میں قبلہ نما رقم فرمائی۔

پہلے دس اعتراضات کے جواب میں جو تحریر یا تالیف مرتب فرمائی تھی اس کا نام، حضرت مولانا تجویز نہیں فرما سکے تھے کہ بیماری جو پہلے سے چل رہی تھی شدید ہو گئی تھی اور اس بیماری میں حضرت مولانا رحلت فرما گئے، بعد میں مولانا فخر الحسن گنگوہی نے اس تالیف (یا مجموعہ جوابات) کا نام ''انتصار الاسلام'' تجویز کیا، ''قبلہ نما'' کا نام اور تکمیل خود حضرت مولانا نے فرمائی تھی اور اس پر ایک تمہید بھی لکھی تھی۔

''انتصار الاسلام'' پہلی بار مطبع اکمل المطابع دہلی سے ربیع الثانی ۱۲۹۸ھ (مارچ ۱۸۸۱ء) میں چھپی تھی، اسی کے ساتھ قبلہ نما (جو گویا اس کا دوسرا حصہ ہے) کی طباعت شروع ہو گئی تھی، قبلہ نما کی طباعت ۲۲ / رجب ۱۲۹۸ (۲۰ جون ۱۸۸۱ء) کو مکمل ہوئی، دونوں کتابوں کی یہ پہلی طباعت یک جا ملتی ہے۔

☆☆☆

(بسلسلہ سفر رڑکی)

(۱)

حرف آغاز قبلہ نما

(از۔ قاسم العلوم، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ)

بسم اللہ الرحمان الرحیم

الحمدللّٰہ رب العالمین۔ والصلوۃ والسلام علی رسولہ سیدنا محمد۔ خاتم النبین۔ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ وعلی من تبعھم الی یوم الدین۔

بعد حمد و صلوٰۃ، بندہ ہیچمداں، سراپا گناہ، محمد قاسم ناظرین اوراق کی خدمت میں عرض پرواز ہے کہ ۱۲۹۵ھ آخر رجب میں پنڈت دیانند صاحب نے رڑکی میں آکر سر بازار مجمع عام میں مذہب اسلام پر چند اعتراض کئے، حسب طلب بعض احباب اور نیز بہ تقاضائے غیرت اسلام یہ ننگ اہل اسلام بھی شروع شعبان میں وہاں پہنچا اور آرزوے مناظرہ میں سولہ سترہ روز وہاں ٹھہرا رہا۔

ہر چند چاہا کہ مجمع عام میں پنڈت جی سے اعتراض سنوں اور بالمشافہ بعنایت خداوندی، اسی وقت ان کے جواب عرض کروں، مگر پنڈت جی ایسے کاہے کو تھے، جو میدان مناظرہ میں آتے، جان چھڑانے کے لیے وہ داؤ کھیلے کہ کاہے کو کسی کو سوجھتے ہیں۔

اعتراض تو مجمع عام کیا کیے، پر مناظرہ میں اپنی قلعی کھلنے کا وقت آیا تو پچاس پچاس آدمیوں سے زیادہ پر راضی نہ تھے، وجہ پوچھی تو اندیشہ فساد زیب زبان تھا۔ مگر نہ پہلے مناظروں کی نظیروں کا کچھ جواب، نہ حسن انتظام سرکاری پر کچھ اعتراض، ٹلانے کے لیے دعویٰ بلا دلیل سے مطلب تھا۔ رمضان کی آمد آمد ان کو بھی معلوم تھی اور اس وجہ سے یہ امید تھی کہ کچھ اور دن ٹلیں، یہ لوگ آپ ٹل جائیں گے۔ اس لیے منتیں کیں، غیرتیں دلائیں، حجتیں کیں، سعیں کرائیں، مگر وہاں وہی نہیں کی نہیں رہی۔

مجمع عام کی جا بدشواری دو سو تک آئے، پر اپنے مکان تنگ کے سوا اور کہیں راضی نہ ہوئے۔ وقت صبح کے بدلے چھ بجے شام کے ٹھہرائے، کمی وقت کی شکایت کی تو نو بجے تک کی نوبت آئی، مطلب یہ تھا کہ ہماری فرودگاہ سے بلکہ شہر سے ان کا مکان ڈیڑھ میل تھا، نو بجے فارغ ہو کر چلے تو دس بجے پہنچے، ایک گھنٹہ میں نماز سے فارغ ہوئے۔ اس وقت نہ بازار کھلا ہوا جو کھانا مول لیتے، نہ خود پکانے کی ہمت، جو یوں (ص ا) اپنا کام کیجئے۔ علاوہ ازیں برسات کا موسم، مینہ برس گیا تو اور بھی اللہ کی رحمت ہو گئی۔

غرض، ان کی غرض یہ تھی کہ یہ لوگ تنگ ہو کر چلے جائیں اور ہم بیٹھے ہوئے بغلیں بجائیں۔ پھر اسی تحریر و تقریر کی شاخ اور اوپر لگی ہوئی، غرض کچھ تو بوجہ نماز مغرب، وقت مذکور میں گنجائش کم تھی، رہی سہی اس تدبیر سے گئے، مگر جب بنام خدا ہم نے ان سب باتوں کو سر رکھا، تو منجملہ ان شرائط کے ان کے مکان پر مناظرہ ہونے کو سرکار نے اڑا دیا۔

حکام وقت نے قطعاً ممانعت کر دی کہ سرحدی چھاونی اور رڑکی میں مناظرہ نہ ہونے پائے اور اس سے خارج ہو تو کچھ ممانعت نہیں۔ اس پر ہم نے میدان عیدگاہ وغیرہ میں پنڈت جی سے التماس قدم رنجہ فرمائی کیا، تو پنڈت جی کو اپنے دن نظر آئے اور سوائے انکار اور کچھ نظر نہ آیا، لاچار ہو کر ہم نے یہ چاہا کہ اپنے

اعتراض ہی بھیج دو، تاکہ ہم ہی مجمع عام میں ان کے جواب سنادیں اور مرضی ہو تو آؤ مناظرہ تحریری ہی سہی، مگر جواب تو در کنار، پنڈت جی نے اپنی راہ لی، شکرم پر بیٹھ وہ جا یہ جا!

مجبور ہو کر یہ ٹھہرائی کہ جو ان کے اعتراض سننے والوں سے سنے ہیں ان کے جواب مجمع عام سنادیں، مگر چونکہ یہ بات ایک جلسہ ممکن نہ تھی اور ہم کو در بارہ توحید ور سالت وغیرہ ضروریات دین واسلام بھی کچھ عرض کرتا تھا اور بوجہ ہجوم بارش، وخرابی راہ و قرب رمضان شریف زیادہ ٹھہرنے کی گنجائش نہ تھی۔

ایک جلسہ میں تو ان تین اعتراضوں کے جواب سنائے، جو سب میں مشکل تھے اور دو جلسوں میں توحید ور سالت کا ذکر کر کے، شب بست و سوم ماہ شعبان کو رڑکی سے روانہ ہوا اور ایک دن منگلور اور دو تین دن دیوبند ٹھہر کر ستائیسویں کو اس قصبہ ویرانہ میں پہنچا، جس کو نانوتہ کہتے ہیں اور اس خاکسار کا وطن بھی یہی ہے۔ (قبلہ نما اکمل المطابع، دہلی)

(۲)

سفر رڑکی کی روداد

مولانا فخرالحسن گنگوہی (شاگرد، ورفیق سفر رڑکی، حضرت مولانا محمد قاسمؒ) کے قلم سے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبین وعلی الہ الطاہرین واصحابہ المطہرین

گزارش قابل ملاحظہ

زلاف حمد ونعت اولی است بر خاک ادب خفتن۔

بجودے می تواں کردن، درودے می تواں گفتن!

امابعد! کمترین فخرالحسن عفی اللہ عنہ، خدمات عالیات میں ناظرین رسالہ ہذا کی عرض پرداز ہے کہ یہ رسالہ جس کا نام انتصار الاسلام کمترین نے رکھا ہے۔ مصنفہ جناب فیض مآب حامی شریعت وطریقت، آیت من آیات اللہ، حجۃ اللہ فی الارض، مصداق حدیث: علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل نائب رسول، سلطان الاذکیاء، صوفی صافی، غازی، حاجی، حافظ، مولوی، محمد قاسم صاحب مرحوم مغفور طاب اللہ ثراہ وجعل الفردوس ماواہ کا ہے،

جس کو جناب مغفور نے بجواب اعتراضات پنڈت دیانند سرسوتی کی ۱۲۹۵ھ میں تصنیف کیا تھا اور باعث تصنیف اس رسالہ اور رسالہ قبلہ نما کا جو گویا اس کا دوسرا حصہ ہے، یہی ہے کہ پنڈت دیانند سرسوتی نے رڑکی میں آکر بر سر بازار دین اسلام پر طرح طرح کے اعتراض کرنے شروع کیے، چوں کہ رڑکی میں کوئی اہل علم ایسا نہ تھا

کہ پنڈت جی کے فلسفیانہ اعتراضوں کے جواب دے سکے، اس لیے پنڈت جی اور ان کے معتقدین اہل ہنود نے میدان خالی پاکر بہت کچھ زبان درازیاں کیں۔

اہل اسلام رڑکی نے پنڈت جی کی زبان درازی کی اطلاع خدمت میں جناب مغفور کے کی، اور یہ بھی لکھا کہ پنڈت جی فلسفیانہ اعتراض ہر روز بر سر بازار کرتے ہیں، اول تو یہاں کوئی ایسا اہل علم نہیں جو فلسفیانہ گفتگو کر سکے، اور اگر کبھی کوئی طالب علم یا کوئی فارسی خواں پنڈت جی کے اعتراضوں کے جواب میں کچھ جرأت بھی کرتا ہے، تو پنڈت جی اور ان کے معتقد اس کو خاطر میں نہیں لاتے اور یہ کہتے ہیں کہ ہم جاہلوں اور بازاریوں سے گفتگو نہیں کرتے، اپنے مذہب کے کسی بڑے عالم کو بلاؤ، اس سے گفتگو کریں گے۔ انہیں مضمون کے متواتر خط آنے لگے، یہاں مولانا کی یہ تجویز تھی کہ اپنے شاگردوں میں سے یا مدرسہ دیوبند سے کوئی طالب علم چلا جائے اور پنڈت کی کتھا میں کھنڈت ڈال آئے۔

اتنے میں رڑکی سے اور خط آیا، اس میں یہ لکھا تھا کہ پنڈت جی کہتے ہیں کہ "مولی کاسم (مولوی قاسم) اگر آئیں گے، تو گفتگو کریں گے، ورنہ اور کسی سے ہرگز گفتگو نہ کریں گے" اور وجہ اس کی غالباً یہ ہو گی کہ پنڈت جی نے سمجھا کہ اب تو معتقدین میں اپنی ہوا بندھ گئی ہے، کوئی ایسی شرط لگاؤ کہ گفتگو کی نوبت نہ آئے اور چوں کہ مولانا مرحوم بیمار ہیں، اس لیے نہ وہ آئیں گے، نہ گفتگو ہو گی، نہ اپنی ہوا بگڑے گی۔

الغرض چوں کہ جناب مولانا کو بخار آتا تھا اور خشک کھانسی کی یہ شدت تھی کہ بات بھی پوری کرنی مشکل ہوتی تھی اور ضعف کی وہ نوبت تھی کہ پچاس سو قدم چلنے سے سانس اکھڑ جاتی تھی اور یہ مرض و ضعف بقیہ اس مرض سخت کا تھا جو اسی سال میں مکہ معظمہ سے آتے وقت جہاز میں پیش آیا تھا، بناچاری جناب مولانا نے اہل اسلام رڑکی کو یہ لکھ بھیجا کہ بسبب مرض و ضعف کے اول تو میرا وہاں تک پہنچنا معلوم، اور اگر پہنچا بھی تو گفتگو کے قابل نہیں، کھانسی دم لینے ہی نہیں دیتی، بات

پوری کرنی مشکل ہے۔اس لیے میں تو مجبور ہوں، ہاں یہاں سے دو ر چار ایسے شخص بھیج سکتا ہوں کہ پنڈت جی کا کام بند کر دیں گے، اور ان کی ہوا بگاڑ دیں گے۔

اہل اسلام رڑکی نے بجواب اس خط کے لکھا کہ پنڈت جی تو یہی ضد کرتے ہیں کہ سوا مولی کاسم کے ہم اور کسی سے گفتگو نہ کریں گے۔

اس پر جناب مولانا مرحوم نے کمترین انام اور جناب مولوی محمود حسن صاحب اور مولوی حافظ العدل صاحب سے ارشاد کیا کہ تم خود رڑکی ہو آؤ اور اصل حال دریافت کر آؤ، اگر پنڈت جیؒ گفتگو کریں تو گفتگو تمام کر آؤ۔ چنانچہ ہم تینوں نے رڑکی جانے کی تیاری کی اور مولوی منظور احمد جوالا پوری کو ہمراہ لیا اور جمعرات کو قبل از مغرب ہم چاروں پا پیادہ رڑکی کو روانہ ہوئے، دیو بند کے باغوں میں نماز مغرب پڑھی اور راتوں رات چل کر علی الصباح رڑکی میں داخل ہوئے۔ (ص ۳)

وہاں کے اہل اسلام سے ملاقات ہوئی، جمعہ کی نماز کے بعد ہم چاروں مع چند اشخاص اہل رڑکی پنڈت جی کی کوٹھی پر جو سرحد چھاؤنی میں تھی گئے، ہمارے ہمراہیوں میں سے بعضے لوگوں نے کہا کہ پنڈت جی اپنے اعتراضوں کا جواب ان لوگوں سے سن لو، یہ لوگ اسی لیے آئے ہیں، پنڈت جی نے کہا کہ میں تو نہیں سنتا، نہ مجھے فرصت ہے، نہ میں گفتگو کا آرزو مند ہوں، اور نہ میں نے اشتہار میں مباحثہ کی خواستگاری کی، کسی نے بغیر میری اطلاع اگر اشتہار چسپاں کر دیا ہو تو مجھے خبر نہیں، ہر چند ہم لوگوں نے اصرار کیا، مگر پنڈت جی نے نہیں نہیں کے سوا کچھ اور نہ کہا۔اس ردو بدل میں پنڈت جی کئی بار ایسے لیے گئے کہ دم بخود ہونا پڑا۔

پھر ہم نے پنڈت جی سے یہی دریافت کیا کہ آپ جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب کے ساتھ مباحثہ کرنے کو تو راضی ہیں یا ان سے بھی راضی نہیں، پنڈت جی نے کہا میں خواہ مخواہ متقاضی اس امر کا نہیں ہوں، لیکن اگر جناب مولانا ممدوح تشریف لے آئیں تو مباحثہ کے لیے آمادہ ہوں اور کسی سے تو مباحثہ ہر گز نہ کروں گا۔ وجہ اس تخصیص کی پوچھی تو کہا کہ میں تمام یورپ میں پھرا، اب تمام

پنجاب میں پھر کر آیا ہوں، ہر اہل کمال سے مولانا کی تعریف سنی ہے، ہر کوئی مولانا کو یکتائے روزگار کہتا ہے اور میں نے مولانا مرحوم کو شاہ جہاں پور کے جلسہ میں دیکھا ہے ان کی تقریر دلآویز سنی ہے اگر آدمی مباحثہ کرے تو ایسے کامل و یکتا سے تو کرے، جس سے کچھ فائدہ ہو کچھ نتیجہ نکلے۔

الغرض وہاں سے آکر شہر میں رات بسر کی اور علی الصباح دیوبند روانہ ہوئے، شام کو جناب مولانا کی خدمت میں پہنچے، جو کچھ سرگزشت تھی وہ عرض کی۔ دو تین دن کے بعد پھر اہل اسلام رڑکی کا خط آیا، اس مین پھر وہی تشریف آوری مولانا کی تاکید تھی اور پنڈت اور ان کے شاگردوں و معتقدوں کے زبان درازی کی شکایت تھی۔ جناب مولانا نے ان کے جواب میں یہ لکھا کہ آپ صاحب پنڈت جی سے تاریخ مباحثہ کی مقرر کر کے ہمیں اطلاع دیں، ہم خود حاضر ہوتے ہیں، وہاں سے پھر یہ جواب آیا کہ پنڈت جی کہتے ہیں کہ مولانا خود ہی آکر تاریخ مقرر کرلیں گے، ہم تو لوگوں سے اس باب میں کوئی گفتگو نہ کریں گے۔

آخر الامر جناب مولانا ہم چاروں اور جناب حاجی محمد عابد صاحب، (ص ۴) وحکیم مشتاق احمد صاحب کے اوائل شعبان میں رڑکی روانہ ہوئے، گرمی کی وجہ سے رات کو چل کر علی الصباح رڑکی پہنچے، اہل اسلام جوق جوق شاداں و فرحاں آکر ملنے لگے، مولانا کی آمد کا تمام رڑکی میں شور پڑ گیا۔ شرائط مباحثہ میں تحریری گفتگو شروع ہوگئی، جناب مولانا شہر میں فروکش تھے اور پنڈت جی چھاؤنی میں مقیم تھے، پنڈت جی کئی روز تک بے فائدہ ضد کی، میدان مناظرہ مین آنا قبول نہ کیا، طرح طرح بہانے تراشا کیے، آخر الامر تحریر میں بھی گھبرا گئے اور کہلا بھیجا کہ: مولوی جی تو بہی کھاتہ لکھ بھیجتے ہیں، ہم سب (یعنی پنڈت جی اور ان کے معتقد) بانچتے بانچتے تھک جاتے ہیں، ہمارے سارے کام بند ہوگئے۔ آج سے ہمارے پاس کوئی تحریر نہ آئے، ہم ہرگز جواب نہ دیں گے۔

اسی اثناء میں مولوی احسان اللہ ساکن میرٹھ، مولانا کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور عرض کیا ہمارے کرنل جن کی پیشی میں، میں کام کرتا ہوں، آپ کی ملاقات کے بہت مشتاق ہیں اور کپتان بھی آپ کی ملاقات کے آرزومند ہیں، اور ان کو مذہب کی بابت کچھ پوچھنا ہے، جناب مولانا نے فرمایا کہ ہم تو اسی کام کے لیے آئے ہیں، یہ خوب موقع ہاتھ لگا جب آپ کہیں میں حاضر ہوں۔ اگلے روز جناب مولانا مع چند ہمراہیوں کے کرنل کی کوٹھی پر تشریف لے گئے۔

کرنل اور کپتان دونوں نے استقبال کیا، مولانا کرسی پر بیٹھ گئے، کرنل نے اول تو مولانا سے یہ کہا کہ آپ کے علم و فضل کا شہرہ سن کر میں بھی مشتاق ملاقات تھا، سو بارے آج اپنی مہربانی کی اور پھر یہ پوچھا کہ دنیا میں بہت سے مذہب ہیں اور ہر کوئی اپنے مذہب کو حق کہتا ہے، آپ یہ فرمایئے کہ حقیقت میں کون مذہب حق ہے۔

جناب مولانا نے فرمایا مذہب حق جس پر انسان کی نجات موقوف ہے، مذہب اسلام ہے اور پھر ایسی دلیلیں بیان کیں کہ کرنل و کپتان کرسی پر سے اچھل اچھل پڑتے تھے۔

پھر کرنل نے یہ کہا کہ جب مذہب اسلام حق ہے تو خدا نے تمام مخلوق کو مسلمان ہی کیوں نہ کر دیا، جناب مولانا نے اس کا ایسا کچھ جواب دیا کہ کرنل و کپتان سن کر حیران رہ گئے، اور مولانا کے علم و فضل کی تعریف کرنے لگے۔

کرنل نے وجہ مینھ نہ برسنے کے دریافت کی، کیونکہ اسی سال میں موسم برسات اکثر خشک ہی گزر گیا تھا قحط کا اندیشہ تھا۔

اور پھر آپ ہی کہنے لگا کہ ہمارے یورپ کے حکماء اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ آفتاب پرانا ہو گیا، گھس گیا، اس میں گرمی ایسی نہیں رہی کہ جس سے بخارات آسمان کی طرف صعود کریں، اور پانی ہو کر زمین پر ٹپک پڑیں۔ جناب مولانا نے حکمائے یورپ کے قول کی تغلیط کی اور وجہ اس کی شامت اعمال انسان بیان فرمائی۔ یہ تقریریں بھی مفصل سننے کے قابل ہیں، لیکن یہاں ان تقریروں

کو لکھنا گویا ایک دوسرا رسالہ لکھنا ہے، اس لیے تفصیل کو ترک کرتا ہوں اور آگے جو گزرا ہے اس کو عرض کرتا ہوں۔

بعد اس کے کرنل نے پنڈت جی کو بلوایا، پنڈت جی آئے، کرنل نے پنڈت جی سے کہا تم مولوی صاحب سے کیوں نہیں گفتگو کرلیتے، مجمع عام میں تمہارا کیا نقصان ہے؟ پنڈت جی نے کہا، عام میں فساد کا اندیشہ ہے۔ اس پر کپتان نے کہا کہ اچھا ہماری کوٹھی پر گفتگو ہو جائے، ہم فساد کا بندوبست کرلیں گے۔ پنڈت جی نے کہا کہ ہم تو اپنی ہی کوٹھی پر گفتگو کریں گے اور پھر اگر مجمع عام نہ ہو۔ جناب مولانا نے پنڈت جی سے کہا کہ لیجئے اب تو مجمع عام نہیں، دس بارہ آدمی ہیں، اب ہی! آپ اعتراض کیجئے، ہم جواب دیتے ہیں۔ پنڈت جی نے کہا میں تو گفتگو کے ارادہ سے نہیں آیا تھا، مولانا نے فرمایا کہ اب ارادہ کرلیجئے، ہم آپ کے مذہب پر اعتراض کرتے ہیں، آپ جواب دیجئے یا آپ اعتراض ہم پر کیجئے اور ہم سے جواب لیجئے۔

پنڈت جی نے ایک نہ مانی۔ شرائط کے باب میں گفتگو رہی، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ مجلس برخاست ہوئی۔ مولانا بھی اپنی فرودگاہ پر تشریف لائے اور کئی روز تک شرائط میں ردوبدل رہی۔

آخرالامر مولانا نے یہ کہلا بھیجا کہ، پنڈت جی کسی جگہ مباحثہ کرلیں، برسر بازار کرلیں، عوام میں کرلیں، خواص میں کرلیں، تنہائی میں کرلیں مگر کرلیں۔ پنڈت جی اپنی کوٹھی پر مباحثہ کرنے کو راضی ہوئے اور وہ بھی اس شرط پر کہ دس سے زیادہ آدمی نہ ہوں۔ مولانا مرحوم پنڈت جی کی کوٹھی پر جانے کو تیار تھے لیکن سرکار کی طرف سے ممانعت ہوگئی، کہ چھاؤنی کی حد میں کوئی شخص گفتگو نہ کرنے پائے۔ شہر میں، جنگل میں، جہاں کہیں جی چاہے گفتگو کرلے۔

مولانا نے پنڈت جی کو لکھا کہ نہر کے کنارے پر (ص۶) یا عیدگاہ کے میدان میں یا اور کہیں مباحثہ کرلیجئے، مگر پنڈت جی کو بہانہ ہاتھ آگیا تھا، انہوں نے ایک نہ سنی، یہی کہا کہ میری کوٹھی پر چلے آؤ چونکہ سرکاری کی طرف سے ممانعت

ہو گئی تھی، اس لیے جناب مولانا کوٹھی پر نہ جا سکے اور پنڈت جی کوٹھی سے باہر نہ نکلے۔ ادھر تو یہ قصہ ہوا اور ادھر جناب مولانا نے ہم لوگوں کو حکم دیا کہ بازار میں کھڑے ہو کر پکارے گلے کہدو کہ پنڈت جی پہلے سے تو بہت سی زباں درازیاں کرتے تھے، اب وہ زبان درازیاں کہاں گئیں۔ ذرا مردوں کے سامنے آئیں، کوٹھی سے باہر نکلیں، اور یہ فرمایا کہ پنڈت جی کے اعتراضوں کے جواب علی الاعلان بیان کردو۔ چونکہ یہ کام کچھ ایسا مشکل نہ تھا کہ جناب مولوی محمود حسن اور مولوی حافظ العدل صاحب کو تکلیف کرنی پڑتی، اس لیے بندہ نے اس کی تعمیل کر دی۔ یعنی پنڈت جی کے اعتراضوں کے جواب بر سر بازار کئی روز تک بیان کئے اور پنڈت جی کے مذہب جدید پر بہت سے اعتراض کئے اور بہت سی غیرت دلائی، اگرچہ مجمع عام میں پنڈت جی کے معتقد و شاگرد بھی ہوتے تھے، لیکن کسی کو نہ اتنی جرأت ہوئی کہ لب کشائی ہو، نہ اتنی غیرت آئی کہ پنڈت جی کو کشاں کشاں میدان میں لائے اور اسی مضمون کے اشتہار بازاروں میں چسپاں کر دیئے۔ آخرالامر مولانا نے پنڈت جی کے پاس یہ پیام بھیجا کہ خیر آپ مباحثہ نہیں کرتے نہ کیجئے۔ ہم مجمع عام میں وعظ بیان کریں گے، آپ مع شاگردوں اور معتقدوں کے وعظ تو سن لیں، لیکن:

کب وہ سنتا ہے کہانی میری۔ اور پھر وہ بھی زبانی میری

پنڈت جی وعظ میں تو کیا آتے، رڑکی سے بھی چل دیئے اور ایسے گئے کہ پتہ بھی نہ ملا کدھر گئے۔

آخرش مولانا نے بنفس نفیس بر سر بازار تین روز تک وعظ فرمایا، مسلمان، ہندو عیسائی اور سب بڑے چھوٹے انگریز جو رڑکی میں تھے ان وعظوں میں شامل تھے۔ ہر قسم کے لوگوں کا ہجوم تھا، مولانا نے وہ وہ دلائل مذہب اسلام کے حق ہونے پر بیان فرمائے کہ سب حیران تھے، اہل جلسہ پر عالم سکتہ کا سا تھا، ہر شخص متاثر معلوم ہوتا تھا۔ پنڈت جی کے اعتراضوں کے وہ وہ جواب دندان شکن دیئے

کہ مخالف بھی مان گئے۔ توحید ورسالت کے بیان میں (ص ۷) تو وہ سماں بندھا تھا کہ بیان سے باہر، جس نے سنا ہوگا وہی جانتا ہوگا:

قدر ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی

جو لوگ اہل اسلام میں سے اس جلسہ میں اہل دل تھے، وہ تو نیم بسمل ہو گئے مرغ بسمل کی طرح تڑپتے تھے۔

حوریاں رقص کناں ساغر مستانہ زدند

ان تینوں وعظوں میں جناب مولانا نے تمام اہل مذاہب پر ظاہر کر دیا کہ بغیر اسلام لائے عذابِ آخرت سے جوابدی ہوگا، نجات ممکن نہیں۔ حجت الٰہی سب پر قائم کر دی، بلکہ تمام کر دی اور اب بھی اگر کوئی دوزخ کی آگ کو اپنے واسطے پسند کرے تو وہ جانے۔

"نہ مانے آتش دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے"۔ "برسولان بلاغ شد و بس"

الغرض جناب مولانا نے ۲۳ر شعبان کو رڑکی سے روانہ ہو کر ایک روز منگلور رہے، دوسرے روز دیوبند پہنچے اور دو تین روز رہ کر، نانوتہ رونق افروز ہوئے اور پنڈت جی کے اعتراضوں کے جوابات لکھے، جو کل گیارہ تھے۔ خانہ کعبہ کی طرف سجدہ کرنے پر جو اعتراض ہے، اس کا جواب چونکہ بہت شرح وبسط رکھتا ہے، اس کو جناب مصنف مرحوم ہی نے ایک جدا رسالہ کر دیا تھا اور اس کا نام "قبلہ نما" فرمایا کرتے تھے اور دس اعتراضوں کے جو جوابات ہیں ان کا جدا رسالہ کر دیا تھا مگر اس کا نام کچھ مقرر نہیں فرمایا تھا، اس لیے بندہ نے اس کا نام انتصار الاسلام رکھا۔ (ص ۸)

مندرجہ تمہید انتصار الاسلام
(طبع اول۔ اکمل المطابع، دہلی ۱۲۹۸ھ)

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

اور

سوامی دیانند سرسوتی کی خط و کتابت

اوپر گزر گیا ہے کہ حضرت مولانا نانوتوی رڑکی پہنچ کر سب سے پہلے ایک اشتہار شائع کرایا تھا اور یہ اشتہار اپنے ایک خط کے ساتھ سوامی دیانند کو بھی ارسال فرمادیا، خط ملتے ہی سوامی جی نے اس کا جواب لکھوایا، اس طرح طرفین سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہوا۔ چونکہ اس مراسلت کی ابتدا حضرت مولانا کے شائع کرائے ہوئے اشتہار سے ہوتی تھی، اس لیے یہاں بھی سب سے پہلے وہ اشتہار درج کیا جاتا ہے جو حضرت مولانا نے تحریر فرمایا ہے، عنوان راقم سطور نے لگایا ہے۔

اشتہار سوامی دیانند سرسوتی اور ان کے ہم نواؤں کے نام

از حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

پنڈت دیانند سرسوتی صاحب کی لن ترانیاں اور ان کی زبان درازیاں بالخصوص نسبت مذہب اسلام کے کس کس کے کان میں نہیں پڑیں، چونکہ گورنمنٹ نے دربارہ مذہب و تحقیق مذہب اپنی رعیت کو آزاد کر رکھا ہے، یہی وجہ ہوئی کہ ابتدائے عمل داری انگریزی سے آج تک ہندوستان میں سیکڑوں جلسہ مباحثہ کے منعقد ہوئے اور سرکار کی طرف سے کچھ داروگیر نہ ہوئی، اور دو سال سے نواح شاہجہاں پور میں میلہ خدا شناسی ہوتا ہے جس میں ہزاروں آدمی

جمع ہو کر مباحثہ مذہبی کا تماشہ دیکھتے ہیں، اس لیے ہم نے پنڈت جی کی زبان درازیاں کی شہرت سن کر بذریعہ بعض احباب بہت چاہا کہ تاریخ جلسہ مباحثہ مقرر ہو جائے، جو کاروبار مدرسہ دیوبند کا حرج نہ ہو،|جو ہمارے متعلق ہیں اور ضروریات خانہ داری میں ہم کو کچھ وقت پیش نہ آئے، اور شائقین دور نزدیک سے وقت پر آ جائیں اور بآسانی خط تحقیق حق اٹھائیں مگر خدا جانے کیا بھید تھا جو پنڈت جی کسی طرح تقرر تاریخ پر راضی نہ ہوئے اور کہا تو یہ کہا کہ میں مولوی قاسم علی سے گفتگو کروں گا اور جب وہ آئیں گے تبھی سب باتیں ہو جائیں گی۔ ہر چند یہ تخصیص بے معنی ہے، اعتراض سب کو سنایا جائے تو جواب بھی سب ہی دے سکتے ہیں، مگر بہ مجبوری سب کاموں کو چھوڑ کر آج ہمیں ہی آنا پڑا۔

اب جملہ حضرات ہنود بالخصوص پنڈت جی کے مریدوں کی خدمت میں یہ التماس ہے، کہ جس طرح بن پڑے پنڈت جی کو گفتگو پر راضی کریں، اور تاریخ جلسہ ایسی مقرر کرائیں جو باہر کے لوگ بھی اس کی اطلاع پا کر شامل ہو سکیں، اور سوائے اس کے امور متعلقہ مناظرہ جلدی طے کرالیں۔ تین دن تک ہم انتظار کرتے ہیں، اگر جواب باصواب آیا، ورنہ الزام پنڈت جی اور ان کے مریدوں کے ذمہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہے گا۔

ہم وہ نہیں کہ دور سے وعدے کیا کریں
ہم وہ نہیں کہ دون کے بیٹھے لیا کریں
اپنا یہ قول ہے کہ ہم آئے ہیں آیئے
دعوے اگر کیا ہے تو ہاں کچھ دکھایئے

الملتمس

محمد قاسم علی عفی عنہ

تاریخ ۱۸ اگست ۱۸۷۸ء یوم پنجشنبہ

جیون چرتر ص ۵۲۰ تا ۵۲۱
دون کی لینا، ڈینگ مارنا، تعلی کرنا، شیخی بگھارنا۔ اترانا خودستائی کرنا۔ فرہنگ آصفیہ ص ۸۶ ج ۲ (دہلی: ۱۹۷۴ء

حضرت مولانا کے اس اشتہار کا تذکرہ کرتے ہوئے، سوامی دیانند کے سوانح نگار لکشمن نے لکھا ہے کہ:

"مسلمانوں نے سوامی جی کے اعتراضات سے گھبرا کر مولوی محمد قاسم، اعلیٰ مدرس مدرسہ دیوبند کو بلایا جس نے ١٨/ اگست ١٨٧٨ء کو آتے ہی مندرجہ بالا اشتہار بازار میں چسپاں کرائے"۔ [١]

مگر اس اقتباس کی تینوں باتیں غلط ہیں، جن میں سے پہلی بہ ظاہر، جان بوجھ کر غلط لکھی گئی ہے کہ:

"مسلمانوں نے سوامی جی کے اعتراضات سے گھبرا کر مولوی محمد قاسم، اعلیٰ مدرس مدرسہ دیوبند کو بلایا"۔ [٢]

سوامی جی کے اعتراضات کے لیے مقامی مسلمانوں کو حضرت مولانا جیسے شیخ العلماء اور جلیل القدر عالم کو بلانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی، جیساکہ مولانا محمد قاسم نے خود اسی اشتہار میں فرمادیا تھا کہ اس پر خود سوامی دیانند کا اصرار تھا کہ "اگر بات کروں گا تو مولبی کاسم (حضرت مولانا محمد قاسم) سے کروں گا" اگرچہ رڑکی کے مقامی علماء اور معمولی فارسی جاننے والے بھی سوامی جی کے اعتراضات کے جوابات دینا چاہتے تھے اور اچھی طرح سے دے سکتے تھے، مگر سوامی جی اس کو کسی صورت بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ عامی شخص میرے سوالات کے جوابات دیں اور میری جگ ہنسائی ہو۔ مولانا فخر الحسن نے درج ذیل الفاظ میں اسی حقیقت کا تذکرہ فرمایا ہے:

"اور اگر کبھی کوئی طالب علم یا کوئی فارسی خواں پنڈت جی کے اعتراضوں کے جواب میں کچھ جرأت بھی کرتا ہے تو پنڈت جی اور ان کے معتقد اس کو خاطر میں نہیں لاتے اور یہ کہتے ہیں کہ ہم جاہلوں اور بازاریوں سے گفتگو نہیں کرتے اور اپنے مذہب کے کسی بڑے عالم کو بلاؤ اس سے گفتگو کریں گے"۔ [٣]

مقامی علماء کے علاوہ حضرت مولانا کے شاگردان گرامی بھی کسی سے کم نہیں

---

[١] [٢] جیون چرتر ص٥٢ [٣] انتصار الاسلام ص٣

تھے وہ بھی سوامی جی کے شبہات کا خاطر خواہ جواب اور علمی استدلال تحقیق فرما سکتے تھے مگر سوامی جی نے ان کو بھی نا قابل التفات سمجھا، شاید اور وجوہات کے علاوہ حضرت مولانا کے شاگردوں کا اس وقت نوعمر ہونا بھی سوامی جی کے پندار علم کے لیے رکاوٹ بنا ہو جب کہ یہ حقیقت پرانے زمانے سے تسلیم کی جاتی ہے کہ "علم بعقل است نہ بہ سال"

مگر جب بات کو ٹلانا ہو اس کے لیے سو حیلے بہانے کیے جاتے ہیں۔ سوامی جی نے ان صاحبان کی درخواست بھی مسترد کر دی تو حضرت مولانا کا تشریف لانا ضروری ہو گیا تھا مسئلہ سوامی جی کے جوابات کا اس قدر اہم نہیں تھا جس قدر غیرتِ ملی کو للکارنے کا تھا اس لیے حضرت مولانا نے حالانکہ وہ سخت بیماری کی وجہ سے سفر سے تقریباً معذور تھے، رڑکی آنے کا قصد کیا اور منجانب اللہ یہ کھلی مدد ہو گئی کہ مولانا رڑکی پہنچ گئے اور صحت مند رہے اور سوامی جی سے ملاقاتوں گفتگو اور خط و کتابت کے ذریعہ سے باہم مناظرہ یا آخری درجہ میں اپنے جوابات کے اعتراض سننے کی خواہش بلکہ اپنے مرتبہ سے بہت اتر کر درخواست کرتے رہے، مگر سوامی دیانند ایک مرتبہ بھی اس پر تیار نہیں ہوئے۔

۲۔ حضرت مولانا محمد قاسم مدرسہ دیوبند کے مدرس اعلیٰ بلکہ باقاعدہ مدرس بھی کبھی نہیں رہے، مولانا مدرسہ کے اہم ترین سرپرست اور اس کے علمی رہنما اور (غالباً) منصوبہ ساز تھے اس وقت مدرسہ دیوبند کے مدرس اعلیٰ مولانا محمد یعقوب نانوتوی تھے، حضرت مولانا کی (وفات ۱۲۹۷ھ) تک وہی مدرس اول رہے۔

۳۔ اشتہار چھپوانے کی تاریخ ۱۸راگست لکھی ہے، جو غالباً سہو کتابت ہے۔ حضرت مولانا ۸ر شعبان ۱۲۹۵ھ، ۸راگست ۱۸۷۸ء پنجشنبہ کو رڑکی پہنچے تھے اسی دن اشتہار لکھ کر چھپوا دیا اور غالباً اسی دن رڑکی کے کوچہ و بازار میں لگوا دیا گیا۔ اس تاریخ کی اشتہار پر درج تاریخ اور بعد کی خط و کتابت دونوں سے تصدیق ہو رہی

ہے۔

حضرت مولانا کی طرف سے شائع اس اشتہار کے جواب میں اول سوامی جی کے ساتھیوں کی طرف سے بھی ایک اشتہار چھپا جو درج ذیل ہے۔

ایشیا و یورپ میں جو مہذب اجلاس و مباحثوں کا ابتدائی طرز خط و کتابت ہوتا ہے، اس سے تجاوز چاہے کوئی اپنی تحریر میں استعمال کرے مگر ہم درآنحالیکہ اس کی نامناسبت کے قائل ہیں، ہرگز روا نہیں رکھ سکتے۔ نہ اپنا یہ عقیدہ ہے کہ مطالب اصل سے تعلق معاملات کی گفتگو میں اظہار غلطی تلفظ پر بالخصوص جب کہ اس کی صحت کا بھی کسی کو دعویٰ نہ ہو مثل اطفال مکتب کوشش کرنی بے جا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس موقع پر ان تمام صرف و نحو کی غلطیوں کا ذکر نہ آتا جو کہ مولوی صاحب کے اشتہار میں پاتے ہیں۔

(۱) وہ بھی زمانہ تھا کہ معاملات مذہب میں گفتگو و مباحثہ کرنے سے لوگوں کے سر قلم ہوتے تھے اور ایسا بھی وقت تھا کہ سوائے ایک ملت کے دوسری کی نسبت وعظ اور درس کرنا گویا جان ہی کھودینا تھا اور ایسے بھی دن تھے کہ جو بادشاہ کا مذہب ہوتا تھا اس کے پیرو تو بہرحال آزاد تھے، لیکن کیا مجال کہ دوسرے مذہب والا اپنے عقائد کا اظہار کر سکے، لاکھ اپنے دل میں کوئی حق کو حق کیوں نہ جانے، لیکن باطل کو باطل کہنے کا اختیار نہ رکھتا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تحقیق حق و ابطال زندانِ سلیمان میں نہیں، تو ان سے متأخرین کے قید خانہ میں تو ضرور تھیں۔

ہزار ہزار شکر ایشور کا اب سلطنت انگلشیہ نے اپنی انصاف پسندی سے رعیت کو آزادی بخشی، جو بات انسان اپنی طبیعت کے زور سے پایہ ثبوت کو پہنچاتا تھا، اس کے اظہار کا طریق بھی پیدا ہو گیا، سچ تو یوں ہے کہ منصفوں اور محققوں کو تو گویا ایک نعمت ہاتھ لگی، ہاں ایسوں کے واسطے تو قیامت کا ہی روز آ گیا جن کا یہ خیال تھا اور ہے کہ جس کے ہم قائل ہیں، چاہئے ثبوت کو پہنچو یا نہ پہنچو ہم ویسا ہی مانے

جائیں گے اور جن مسائل کو ہم مانتے ان کے غیر معقول ہونے میں عاقلوں کو چاہئے کچھ بھی کلام نہ ہو، مگر ہم کلام کرنے کا موقع ہی نہ پیدا ہونے دیں گے۔

(۲) مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے بذریعہ بعض احباب بہت چاہا کہ تاریخ جلسہ مباحثہ مقرر ہو جاوے الخ۔

ہم نہایت افسوس کرتے ہیں کہ ان احباب میں سے کوئی صاحب ہمارے پاس آکر بیان نہیں کرتے کہ انہوں نے ہم سے جس معاملہ میں گفتگو کی تھی اس کا کیا جواب پایا، اور بعد اس کے وہ ہم سے جواب کے متوقع ہیں یا ہم ان سے۔ ہم میں سے ایک سے بموجودگی ایک دو صاحبان دیگر احباب میں سے ایک (جن کی تعداد سے ہم ناواقف ہیں اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ مشار الیہ زمرہ احباب مذکورہ میں سے ہیں (یا نہیں) صاحب نے بمقابلہ مباحثہ گفتگو کی تھی تو جو جو شرطیں انہوں نے بیان کیں ان میں سے سوائے ایک کے کُل فیصل ہو گئی تھیں، ایک باقی جو تنقیح طلب تھی اس کی بابت ان کی رائے طلب کی گئی تھی، اس کا جواب شاید مولوی صاحب کا اشتہار ہو تو ہو اور تو کوئی جواب ہمیں ملا نہیں۔

اب ذرا ناظرین خود غور فرمائیں کہ تعین تاریخ مباحثہ میں اس طرف سے تساہل ہوا، یا اس طرف سے۔ علاوہ ازیں مولوی صاحب کو تو شری سوامی جی سے پہلے ہی تعارف ہو چکا تھا، وہ خود ہی اس معاملہ میں تحریر کرتے ہیں، ہاں اس صورت میں اتنا نقص بیشک تھا کہ مولوی صاحب یا ان کے مریدوں کو شاید وہ فخر حاصل نہ ہو تا جو اشتہار کے شائع کرنے سے ہوا۔

(۳) پھر صاحب اشتہار فرماتے ہیں کہ اعتراض سب کو سنایا جاوے، تو جواب بھی سب ہی دے سکتے ہیں۔ اس منطق کے قربان ہو جائے اگر یوں کہا جاتا کہ اعتراض سب کو سنایا جائے تو جواب دینے کا بھی سب کو اختیار ہے تو باب الفاظ (میں) یہ جملہ غلطی سے مبرّا کہا جاتا، اس میں فلسفہ کی حقیقت سے کہ جواب سب ہی دے سکتے ہیں عاقل خود ہی واقف ہیں۔ اے صاحب! مذہبی معاملہ تو مشکل

ہے ہمیں تو ایسا کوئی کام نظر نہیں آتا جسے سب کر سکیں۔

(۴) الف) قولہ جس طرح بن پڑے پنڈت جی کو گفتگو پر راضی کریں۔

لہٰذا تحریر بالا کو ایک دو دفعہ بغور پڑھ لیجئے اور پھر دیکھئے کہ پنڈت جی گفتگو کرنے پر راضی بلکہ آمادہ کب نہ تھے، بلکہ ان کے یہاں اس قدر عرصہ تک ٹھہرنے کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ جو صاحب قابلیت گفتگو مذہبی رکھتے ہوں آئیں اور گفتگو کریں۔

(۴ب) سوامی جی صاحب فرماتے ہیں کہ ہم آج (اور شاید فرصت نہ ملے تو کل) مولوی صاحب کی خدمت میں شرائط بحث بہ تفصیل رجسٹری شدہ خط کی معرفت ارسال کریں گے، اگر مولوی صاحب سے جواب باصواب ملا تو خیر ورنہ "عاقلاں خود میدانند"

المشتہر

مریدان سوامی جی دیانند سرسوتی

۱۰/اگست ۱۸۷۸ء

حضرت مولانا کا پہلا خط

مگر اس وقت سوامی جی اور ان کے ہم نواؤں کی طرف سے حضرت مولانا کو براہ راست مخاطب نہیں بنایا گیا تھا، اگرچہ اشارات سب حضرت مولانا کی جانب ہی تھے، مگر تخاطب عام تھا حضرت مولانا نے اس تکلف کو کہ:

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

دور کرنے کے لیے مذکورہ اشتہار سوامی دیانند کو بھیجنا ضروری سمجھا، چنانچہ اشتہار اور اس کے ساتھ ایک خط رجسٹری ڈاک سے سوامی جی کے پتہ پر بھیجا گیا جس میں حضرت مولانا نے سوامی جی کو فیصلہ کن مباحثہ پر آمادہ کرنے کی کوشش فرمائی تھی، یہ خط جو حضرت مولانا نے ۹/اگست ۱۸۷۸ء (۹/شعبان ۱۲۹۵ھ) کو تحریر فرمایا تھا، درج ذیل ہے:

پیشوائے دین ہنود سوامی جی پنڈت دیانند سرسوتی صاحب

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو ہدایت کرے۔ السلام علیٰ من اتبع الهدیٰ

یہ کمترین ہیچ مداں محمد قاسم ایک عرصہ سے کھانسی میں مبتلا تھا۔ کھانسی کی یہ شدت تھی کہ بعض اوقات بات کرنی دشوار تھی اور بعض ضرورتیں بھی درپیش تھیں، جواتنے میں یہ شور اٹھا کہ جناب رڑکی میں رونق افروز ہوئے ہیں اور جملہ مذاہب بالخصوص مذہب اسلام پر اعتراض فرماتے ہیں۔

خیر یہ بات تو قابل لحاظ نہ تھی کیونکہ ہر مذہب والا دوسرے مذہبوں پر اعتراض کیا ہی کرتا ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی سنا گیا کہ آپ کو کوئی شخص جواب دیتا ہے تو آپ نہیں لیتے اس کو سن کر کمال تعجب ہوا، کیونکہ اعتراض مذہب پر ہو تو بیشک ہر صاحب مذہب منصب رکھتا ہے، پھر اس کی کیا معنے کہ میں تجھ سے جواب نہیں لیتا، اس شخص سے جواب لوں گا۔

پھر اس کے ساتھ یہ بھی سنا گیا کہ باایں ہمہ آپ اشتہار عام اس بات میں جابجا اویزاں کرا چکے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس کسی کا جی چاہے آؤ اور بحث کر جاؤ، اگر یہ منادی عام تھی تو پھر وہاں تخصیص علوم کیونکر قابل لحاظ ہوئی، مگر ہم کو پھر بھی کچھ مطلب نہ تھا، اتنے میں سنا کہ آپ میری تخصیص فرماتے ہیں، بوجہ بیماری وضروریات مشار الیہا ہر چند مجھ کو آنا دشوار تھا، مگر یوں سمجھ کر کہ تحقیق راہ حق میں سعی کرنی انسان کا سب سے پہلا فرض ہے، جب خدا خالق اور اس کے راہ ہی کو ہم نے اور ہمارے بھائیوں نے نہ پہچانا تو اور کسی چیز کو جانا بھی تو کیا ہوا، اس امر میں پہلو تہی (مناسب) نہ سمجھی اور آپ کی اس تخصیص کو اس بات پر مبنی سمجھا کہ میری اور آپ کی ایک بار ملاقات اور باہم ایک دو بات بھی ہو چکی ہے اور جس سے تعارف ہوتا ہے، اس کی حال و قال پر زیادہ اطمینان ہوتا ہے اور ویسی گفتگو کرنے میں شاید آپ کو یہ کھٹکا ہو کہ خدا جانے سلیقہ گفتگو بھی ان کو ہے یا

نہیں، گو یہ بات اس وقت مناسب ہے کہ اپنی مقابل کی کیفیت کسی ذریعہ سے معلوم بھی نہ ہوسکے۔ سو یہاں جو مولوی احمد علی صاحب اور حافظ رحیم اللہ صاحب آپ سے گفتگو کی آرزو رکھتے تھے، ان کی لیاقت ایسی نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو، مگر ہر چہ بادا باد! آپ کی اس عنایت نے کہ آپ میری تخصیص فرماتے ہیں باوجود موانع مجھ کو کل یہاں تک پہنچایا، ورنہ میں اپنے آپ کو بجناب علم علما اہل اسلام میں شمار نہیں کرتا خواہ مخواہ پیش قدمی کرتا، یہ کام اہل علم اور اہل کمال کا ہے۔ مگر یہ بھی ہے کہ ایسے معرکوں میں بڑے بڑے عالموں کا آنا زیبا نہیں، ہم جیسے کم علم کافی ہیں۔

خیر کل حاضر ہو کر آپ کا اقتداء کیا، یعنی جیسے آپ نے اعلان مباحثہ کے لیے اشتہار آویزاں کرائے تھے، میں نے بھی اشتہار آویزاں کرائے۔ آپ کو ان کی اور ان کے مضمونوں کی خبر پہنچی ہو گی، اس لیے اس کے کسی پرچہ کے ارسال کی ضرورت نہیں۔ باایںہمہ اس نیاز نامہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں جدا پرچہ بھی پہنچے۔ خیر بنظر احتیاط بذریعہ رجسٹری ایک خاص خط بھی اسباب میں بھیجنا مناسب سمجھا۔

اب یہ التماس ہے کہ آپ کوئی تاریخ ایسی معین فرمادیں جس کی اطلاع کے بعد دور نزدیک کے شائق بھی شامل ہو سکیں، مگر اتنا ملحوظ رہے کہ ہم محض بیکار نہیں اور نہ بالکل آزاد، ہزاروں کار اور سیکڑوں تعلقات ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ اگر تاریخ میں زیادہ عرصہ ہوا تو پھر ہم کو ٹھہرنا دشوار ہو گا۔

بعد اس کے ہماری طرف سے یہ التماس ہے کہ آپ گفتگو کریں تو زبان اردو میں کریں۔ آخر یہ شہادت مجمع کثیر آپ اردو بولنے پر قادر ہیں، لیکچر سننے والے سب اس بات کے گواہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ بیان کے لیے خواہ مخواہ ایسے تحدید نہ کی جاوے کہ مطلب ضروری بیان نہ ہو سکے، اگر نہ ہوا تو مناظرہ ہی کیا ہوا۔ تیسرے یہ کہ جب تک ایک بات میں فیصلہ نہ ہولے تب تک دوسری بات میں گفتگو

شروع نہ ہو۔

ہر چند مناسب تو یوں تھا کہ ہم اور آپ ہم پلہ رہتے۔ یعنی دو چار مسئلہ اسی طرح معین ہو جاتے کہ نصف میں ہم معترض تم مجیب اور نصف میں تم معترض اور ہم مجیب۔ مگر ہماری انصاف پرستی دیکھئے کہ ہم اس کی بھی تخصیص نہیں کرتے، غرض چاندا پور کی بد نظمی نہ ہو۔ زیادہ بجز انتظار جواب باصواب اور کیا عرض کروں فقط تحریر تاریخ ۹/ اگست ۱۸۷۸ء

مکرر یہ ہے کہ بعد شروع مناظرہ انشاء اللہ ہم آپ سے زیادہ ثابت قدم رہیں گے۔ البتہ ایام گزاری بیکاری میں دشوار ہے۔

فقط

العبد

محمد قاسم

اس کی تردید مولانا فخر الحسن گنگوہی کی تحریر سے ہو رہی ہے جو اعتراضات کے جوابات یا مناظرہ کے لیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ سوامی جی سے ملے تھے، اور سوامی صاحب نے مباحثہ سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ:

"مولبی کاسم (مولوی قاسم) اگر آئیں گے تو گفتگو کریں گے، ورنہ اور کسی سے ہرگز گفتگو نہ کریں گے"۔[۱]

مگر اس اشتہار کی آخری سطروں:

"سوامی جی صاحب فرماتے ہیں کہ ہم آج (اور شاید فرصت نہ ملے تو کل) مولوی صاحب کی خدمت میں شرائط بحث بہ تفصیل رجسٹری شدہ خط کی معرفت ارسال کریں گے مگر مولوی صاحب سے جواب باصواب ملا تو خیر ورنہ عاقلاں خود میدانند"۔[۲]

سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ سوامی جی نے حضرت مولانا کا خط جان بوجھ کر واپس کیا تھا کہ جواب کے لیے کچھ فرصت اور سوچنے کا موقع مل جائے، بہر حال جب حضرت مولانا کو خط ملا، اسی وقت آریوں کی طرف سے شائع کیا ہوا اشتہار بھی موصول ہو گیا تھا۔ سوامی جی نے حضرت مولانا کے خط کے جواب یہ سطور لکھوائیں:۔

سوامی جی کا پہلا خط:۔

جناب مولوی محمد قاسم علی صاحب۔ آپ کی خدمت میں واضح ہو کہ کل بوقت شام چھ بجے کے رجسٹری چٹھی آپ کی میرے پاس پہنچی اُس چٹھی پر آپ کے دستخط نہ تھے اس واسطے آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ منشی چٹھی لے کر آپ کی خدمت میں پہنچتا ہے آپ اس پر دستخط ثبت کر دیویں، کیونکہ اشتہار اور لفافہ پر تو آپ کے دستخط موجود تھے مگر صرف چٹھی پر نہ تھے۔ لہٰذا عرض ہے کہ براہ عنایت دستخط چٹھی مذکور پر کر دیویں تاکہ ہم بھی اپنے دستخط کر کے چٹھی براہ ڈاک

---

[۱] انتصار الاسلام ص۳

رجسٹری آپ کے پاس روانہ کر دیویں زیادہ خیریت۔

دیانند سرسوتی

رڑکی ضلع سہارنپور ۱۰؍اگست ۱۸۷۸ء

اس کے جواب میں مولوی صاحب نے اس چٹھی پر دستخط کر دیئے۔ کوئی خط ارسال نہیں کیا۔

حضرت نے سوامی دیانند کا خط ملتے ہی لفافہ پر دستخط فرما دیئے، مگر غالباً اس تاخیر سے سوامی جی کو کسی وقفہ کی جستجو تھی، جو سوامی جی کو مل گیا اور اسی درمیان سوامی جی کے لوگوں کی طرف سے حضرت مولانا کے اشتہار (اور غالباً خط کے جواب میں بھی) ایک اشتہار چھپوا کر رڑکی میں لگوایا گیا اور ایک اشتہار حضرت مولانا کو بھی بھیجا گیا، اشتہار کا مضمون یہ تھا:

آریوں کی طرف سے اشتہار بنام مولانا محمد قاسم

دونوں اشتہاروں میں اس دور میں انگریز حکومت کی طرف سے بحث و مباحثہ کی جو عام اجازت ملی ہوئی تھی اس کا ذکر ہے، مگر آریوں کے اشتہار میں جو یہ لکھا ہے کہ:

مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ "ہم نے بذریعہ بعض احباب بہت چاہا کہ تاریخ جلسہ مباحثہ مقرر ہو جاوے الخ ہم نہایت افسوس کرتے ہیں کہ ان احباب میں سے کوئی صاحب ہمارے پاس آکر بیان نہیں کرتے کہ انہوں نے ہم سے جس معاملہ میں گفتگو کی تھی اس کا کیا جواب پایا، اور بعد اس کے وہ ہم سے جواب کے متوقع ہیں، یا ہم ان سے ہم میں سے ایک سے بموجودگی ایک دو صاحبان دیگر احباب میں سے ایک (جن کی تعداد سے ہم ناواقف ہیں اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے مشارٌ الیہ زمرہ احباب مذکورہ میں سے ہیں یا نہیں) صاحب نے بمقابلہ

مباحثہ گفتگو کی تھی تو جو جو شرطیں انہوں نے بیان کیں ان میں سے
سوائے ایک کے کل فیصل ہو گئی تھیں۔

سوامی دیانند کا دوسرا خط:

اس کے ساتھ ہی سوامی جی نے مولانا کو ایک مفصل خط لکھا جس حضرت مولانا کے گرامی نامہ کے مندرجات اور متعلقہ پہلوؤں پر مفصل گفتگو کی ہے۔ حضرت مولانا نے لکھا تھا کہ مولوی احمد علی اور حافظ رحیم اللہ (جو حضرت مولانا کے الفاظ میں فخر الواعظین تھے) آنجناب سے گفتگو کی خواہش کرتے ہیں ان سے گفتگو ہو جائے۔ مگر سوامی جی ان کی دین اسلام سے واقفیت اور خود سے مناظرہ کی لیاقت ناکافی سمجھتے ہوئے ان سے گفتگو کرنے سے انکار کر دیا تھا اور لکھ دیا کہ خود شرائط مناظرہ طے فرمالیجئے، اصل خط ملاحظہ ہو:

پیشوائے دین اسلام، مولوی محمد قاسم صاحب
پرمیشر آپ کو ہمیں اور کل کو راہ حق پر قائم رکھے۔

میں افسوس کرتا ہوں کہ فی الحال آپ کو صحت جسمانی حاصل نہیں ہے، مگر ایشور کی ذات سے امید ہے کہ آپ کو شفا بخشے۔ میں آپ کے اس موقعہ پر تشریف لانے کا اظہار شکر کرتا ہوں، بالخصوص اس وجہ سے کہ آپ حالت بیماری میں تکلیف فرما ہوئے۔ اب بعد اظہار واجبات آپ کے عنایت نامہ کے جواب میں حسب ذیل ملتمس ہوں۔

میں نے اس قصبہ میں آکر حسب عادت خود معاملہ مذاہب میں گفتگو کرنی شروع کی، مگر میں افسوس کرتا ہوں کہ میرے وعظ و درس سے بعض اصحاب نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ بحث بالخصوص مخالف اہل اسلام تھی۔

یہ تو میں بہرحال تسلیم کرتا ہوں کہ میں بدانست خود جہاں مناسب سمجھتا ہوں بخلاف اسلام گفتگو کرتا ہوں، لیکن اس معاملہ میں یہاں خصوصیت بجانب اسلام سرتاپا غلط ہے۔ جیسا میں مذہب اسلام پر معترض ہوں ملت عیسائی پر ہرگز

اُس سے کم نہیں، حتی کہ میں اپنے ہندوؤں کی مذہبی حالت موجودہ سے اظہار اتفاق نہیں کرتا۔ آپ واقف ہوں گے کہ لکچر کے وقت مباحثہ کرنا مدعا فہمی کی حقیقت اور درس کی وقعت کو قطعی ضائع کرنا ہے، اصل تو یہ ہے کہ کوئی کام بھی بلاترتیب وانتظام بدرستی تمام انجام کو نہیں پہنچ سکتا، اس لیے میں نے درس کے شروع کرنے سے پہلے یوں مشتہر کیا تھا کہ جو صاحب میرے بیان میں کوئی ایسا اعتراض پائیں کہ جس کی بابت اُنہیں استفسار منظور ہو یا جواب طلب اعتراض رکھتے ہوں، یا میرے بیان کے متعلق کسی امر دیگر پر معترض ہوں، تو انہیں لازم ہے کہ ایسے بیانات بخلاصہ واشارہ رائے یادداشت سے لکھتے جائیں، بعد اختتام سلسلہ درس جو وقت اس کام کے لیے معین کیا جائے اُس وقت بطور بحث اُن امور میں گفتگو کریں۔

آپ تو عالم ہیں، کیا آپ کی یہ رائے نہ ہوگی کہ جب تک کسی پیرایہ میں ایک سلسلہ گفتگو ختم نہ ہو جائے اور جب تک کوئی اپنی رائے کے موافق دعوی کا اثبات حق کا مطالبہ اور قضایا کا اعادہ بہ تفصیل بیان نہ کرے، تب تک بیان میں تباین کی پردہ داری، مانعۃ الجمع کا انشا غرضیکہ اعتراض کی تردید کب کوئی کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے سلسلہ درس کے وقت سے مباحثہ کو علیحدہ کیا تھا بعد اختتام درس میں نے دوروز تک اس امر کا اشتہار دیا کہ جو صاحب چاہیں درس کے متعلق معاملہ کی بابت جو امر بحث واستفسار طلب معلوم ہو اُس میں گفتگو کریں، اشتہار میں صرف ایک روز کا ذکر تھا لیکن آخر جملہ تحریر کا یہ مضمون تھا کہ اگر کل اور اشتہار باسترداد اشتہار ہذا شائع نہ ہو تو مضمون اشتہار ہذا کل کے واسطے بھی مسلم گردانا چاہیے۔ اِن دوروز کے عرصہ میں کوئی صاحب مباحثہ کی غرض سے تشریف نہ لائے نہ کسی نے کوئی تحریری اعتراض بھیجا۔ دوسری یہ بات بھی واجب الاظہار ہے کہ میں مناظرہ مہذبانہ طور سے ایسے لوگوں سے ہی کرنا چاہتا ہوں جو اپنے مذہب کے اصول وفروع سے ذرا عمدہ واقفیت رکھتے ہوں۔ یعنی خواہ

میری نسبت عوام کا کچھ ہی عقیدہ ہو۔ مگر میں بنظر مباحثہ گفتگو کرنے کا ارادہ صرف ایسے صاحبوں سے رکھتا ہوں جو خُلق اور علمی (علمی سے مراد علم دین ہے) دونوں میں اپنا مثل نہیں رکھتے ہوں آپ کی ان دونوں قابلیتوں پر مجھے بوجہ تعارف سابق بخوبی اطمینان تھا اور یہی سبب ہوا کہ کئی مرتبہ آپ کا ذکر مذہبی معاملات کے متعلق باتوں میں زبان پر لایا گیا۔ مولوی احمد علی صاحب وحافظ رحیم اللہ صاحب کی بابت جو آپ فرماتے ہیں اس معاملہ میں میرا یہ جواب ہے کہ مولوی احمد علی صاحب کی بابت یہ تو میں نے بیشک سنا تھا کہ اُن کی علمی لیاقت بالاوسط اتنی کافی ہے کہ وہ اپنی اہل مذہب میں سے عام اطمینان کے ساتھ اور ملت کے علمائے دین سے گفتگو کر سکتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ مجھے مولوی صاحب کی طرز بحث کی بابت قابل اطمینان خبریں نہ پہنچیں، بلکہ ایسی پہنچیں کہ جن کو سن کر جرأت تہذیبی نے یہ تقاضا نہ کیا کہ مناظرہ شروع کیا جائے۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ میں مولوی صاحب کی نسبت اس اظہار شکایت کا باعث ہوا مگر انصاف پسندوں کی خدمت میں امر واقعی کا اظہار کچھ عیب نہیں ہے۔ اب حافظ رحیم اللہ کی نسبت سنئے! اِن کی بابت مجھے نہایت معتبر طور سے معلوم ہوا ہے کہ انہیں اپنے مذہب سے اس قدر واقفیت نہیں کہ جو مناظرہ کے واسطے کافی شمار کی جاوے، اس کی سب سے بڑی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حافظ صاحب زبان عربی سے ناواقف ہیں، جس میں قرآن اور حدیث کے علاوہ بڑی بڑی معتبر تفسیریں اور دیگر کتب مذہب پائی جاتی ہیں۔ جو لوگ اس امر کے مدعی ہیں وہ اپنی دعوے کے ثبوت کے ذمہ دار ہیں، بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر ہم حافظ صاحب سے حدیثوں وغیرہ کی بابت (نہ بطور مناظرہ از اہل مذہب دیگر) چند سوال کریں، اور اگر وہ آپ کے ہی رائے کے موافق جواب دیں تو ہمارے دعوے جھوٹا گنا جائے۔ یہ بیشک تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ حافظ صاحب حافظ ہوں گے، لیکن علم ادب کے عالم سے مسائل ریاضی حل کرانا نا ممکن ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان ہر

دو صاحب سے میرا بحث کرنا باوجہ تھا بے وجہ نہ تھا۔ آپ اپنی قابلیت کی نسبت جو فرماتے ہیں وہ کوئی ذی ہوش تسلیم نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ اہل دماغ اپناذکر فروتنی سے ہی کیا کرتے ہیں، ع۔ "نہد شاخ پر میوہ سر بر زمین" مگر ہاں میں علماء آریہ دھرم سے شمار کے لائق نہیں، قابلیت تو اتنی نہیں کہ مباحثہ یا مناظرہ کا دعوی یا ارادہ کروں، مگر طبیعت و شوق سے لاچار ہوں۔ علاوہ ازیں ایسے ایسے چھوٹے چھوٹے مباحثوں کے واسطے بھی ضرورت نہیں کہ لالہ گھنیالال الکھ دھاری صاحب و منشی اندرمن صاحب و بابو ہریش چندرو گوپال راؤ وہر یدیشمکھ و پنڈت ہیت رام صاحب وغیرہ تکلیف فرماویں۔ مجھے اس امر کا بڑا تعجب ہے کہ درحالیکہ آپ مجھ سے بالخصوص گفتگو کرنے کے لیے تشریف لائے تھے تو اشتہار عام کے اعلان کی کیا ضرورت ہوئی۔ اگر آپ غریب خانہ پر (درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست) تشریف لانا اپنے شان کے خلاف فرماتے ہیں تو بذریعہ خط و کتابت اظہار مدعا ہو سکتا تھا، لیکن نہ معلوم کہ اشتہار آویزاں کرنے سے کیا غرض مقصود تھی، میرا ہر حال یہ بھی فرض نہ تھا کہ جواب اشتہار تحریر کرتا، لیکن جن لوگوں نے بدانست خود مناسب سمجھ کر جواب تحریر کیا کہ جواب اشتہار کی نقل میں اپنے خط کے ساتھ آپ کی خدمت میں ارسال کروں، لہٰذا اس کی تعمیل کرتا ہوں۔

اب باقی رہی بحث کی بابت گفتگو، روز اور وقت تو تجویز ہو ہی گیا ہے، اب یہ التماس ہے کہ آپ جملہ شرائط بحث جو آپ اپنی دانست میں مناسب سمجھیں، تحریر کر کے عنایت فرمائیں اور علی ہذا القیاس میں بھی جو شرطیں مناسب سمجھوں گا اُن سے آپ کو مطلع کروں گا۔

میں افسوس کرتا ہوں کہ آپ کی تحریر رجسٹری شدہ خط کی معرفت نے اور بھی وقت زیادہ ہرج کیا، اگر دستی رقعوں سے کام چلتا تو ایک دن میں سوال و جواب دونوں کے طے ہو جاتے، لیکن آپ نے جانے کیا ظاہری مصلحت سمجھی؟

پھر آپ اپنے عنایت نامہ میں چاند پور کی بد نظمی کا ذکر کرتے ہیں، اس سے تو آپ ضرور واقف ہوں گے کہ اس بد نظمی کا باعث کیا تھا؟ جس کا حال میلہ چاندا پور کے منتظم رئیس مکتا پرشاد منشی پیارے لعل صاحب کے رسالہ مطبوعہ سے بخوبی واضح ہو سکتا ہے۔

اب کیا عرض کروں، ہاں اس قدر مناسب ہے کہ اس خط کا خاتمہ بھی آپ کے خط کے خاتمہ کے جواب میں ہو تو بہتر۔ آپ فرماتے ہیں پھر بعد شروع مباحثہ کے! اے صاحب! میری پہلے مباحثہ کی ثابت قدمی کو فراموش نہ کیجئے، مجھے بھی آپ کی ثابت قدمی کے اظہار پر کچھ تعجب نہیں آتا مگر خدا ایسا کرے کہ مرض کھانسی سے آپ کو ذرا پناہ ملے اور پھر عذر نو کی گنجائش نہ ہو۔

دیانند سرسوتی

۱۱؍اگست ۱۸۷۸ء

حضرت مولانا کا سوامی کے نام دوسرا خط:

حضرت مولانا اپنی بیماری یا کسی اور وجہ سے اس وقت سوامی جی کے مکان پر جانے سے قاصر تھے، اس لیے سوامی کو لکھ دیا کہ حافظ رحیم اللہ گفتگو اور شرائط مناظرہ طے کرنے میں میری طرف سے مختار عام ہیں، ان سے سب باتیں طے کر لیجئے۔ گرامی نامہ کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"بخدمت شریف پنڈت دیانند سرسوتی صاحب! بعد ما واجب گزارش یہ ہے کہ میں تو بعض وجوہ سے حاضر نہیں ہو سکتا، جناب حافظ رحیم اللہ صاحب فخر الواعظین تشریف لاتے ہیں وہ میری طرف سے مختار عام ہیں اُن سے گفتگو کر کے آج سب باتوں کو طے کر دیجئے اور جو بات قابل ترمیم ہو اس کو ترمیم فرما دیجئے۔ والسلام علیٰ من تبع الہدیٰ

الملتمس

محمد قاسم ۱۱؍اگست ۱۸۷۸ء

مگر سوامی دیانند نے مولانا کے عذر کو تسلیم نہیں کیا اور کہہ دیا کہ جب تک مولانا بذات خود یہاں نہ آئیں، شرائط مناظرہ طے نہیں ہو سکتے اس لیے مولانا گئے اور مجلس شوریٰ ہوئی۔

شرائط مناظرہ طے کرنے کے لیے مشورہ:

اس نشست میں حضرت مولانا، سوامی دیانند نیز (سوامی دیانند کی سوانح کے مصنف کے بقول) رڑکی کے انگریز افسروں کے (علاوہ) تیس چالیس آدمی اور تھے ۱۱ر اگست ۱۸۷۸ء کو شرائط پر گفتگو ہوئی اور یہ شرائط طے ہوئیں:

شرط اول: جس کوٹھی میں کہ سوامی جی اترے ہوئے ہیں وہیں مباحثہ ہوگا (اول مولوی صاحب نے عذر کیا، تب کپتان صاحب نے یہ کہا کہ اگر اس مکان سے عذر ہے تو خاص ہمارے بنگلہ پر مباحثہ ہو جائے، بشرطیکہ آدمیوں کی تعداد ۲۴ سے زیادہ نہ ہو، کیونکہ وہاں زیادہ گنجائش نہیں ہے) مولوی صاحب نے اس کو نامنظور فرما کر کوٹھی (جائے رہائش سوامی جی) پر مباحثہ منظور فرمایا۔

شرط دوم: آدمی فریقین کے چار سو سے زیادہ نہ ہوں گے۔

شرط سوم: احاطہ مباحثہ میں جانے کے واسطے ہوشیار اور فہیم آدمیوں کو ٹکٹ تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

شرط چہارم: مباحثہ تحریری ہوگا یعنی جو کچھ کوئی بولے گا وہ تحریر کرا تا جاوے گا، تاکہ انکار کی گنجائش نہ رہے اور طبع کرانے کے کام آوے۔

شرط پنجم: ۶ بجے سے ۹ بجے رات تک مباحثہ رہے گا۔

شرط ششم: دونوں جانب سے مناظرہ میں گفتگو مہذبانہ مثل حکما کے ملحوظ رہے، کوئی کسی کے بزرگوں یا پیشواؤں کی نسبت گفتگو سخت استعمال نہ کرے۔

شرط ہفتم: بوقت مناظرہ سوائے میرے اور آپ کے اور کوئی صاحب مباحثہ کے متعلق کسی جانب سے گفتگو نہ کر سکیں گے۔

شرط ہشتم: سوامی جی وید کے مجیب بنیں گے اور صرف قرآن پر معترض اور مولوی صاحب قرآن کے مجیب اور صرف وید پر معترض۔

شرط نہم: ۱۸؍اگست ۱۸۷۸ء وقت مقررہ سے مباحثہ بموجب شرائط بالا شروع کیا جاوے گا۔

سوامی دیانند کا تذکرہ نگار لکھشمن لکھتا ہے:

"شرائط تحریر ہو کر فریقین کو سنائی گئیں اور دونو نے منظور کیں اس کے بعد مولوی صاحب اور سوامی جی دونو معمولی آداب نیاز سے رخصت ہوئے"۔

اور اسی میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

وہاں تو خدا جانے کیوں اور کس لحاظ سے مولوی صاحب نے شرائط تسلیم کرلیں، جب مکان پر آئے تو مباحثہ کا خوفناک دن سیاہ پہاڑ کی طرح سامنے دکھائی دینے لگا اور چاندا پور کی سی مصیبت نے پہلے ہی سے گھیرنا شروع کیا، جس سے قبل از وقت عقل آگئی اور مولوی صاحب نے صاف طور پر مباحثہ تحریری اور تعداد سامعین سے انکار کردیا اور فرمایا کہ جلسہ عام ہو اور گفتگو زبانی ہوا کرے، جیسا کہ اُن کے اگلے خط سے ظاہر ہے۔

مگر لکھشمن کا یہ کہنا سراسر غلط ہے، اس کی حضرت مولانا کے گرامی نامہ سے (جو آرہا ہے) صاف تردید ہو رہی ہے، یا تو لکھشمن کو صحیح بات معلوم نہیں ہوئی، یا اس کو جان بوجھ کر غلط رنگ دیا گیا۔ بہر حال حضرت مولانا کے خط میں جو اسی دن سوامی صاحب کو لکھا گیا تھا تحریر ہے کہ:

"ہمیں مذکورہ شرائط نامہ پر دستخط کرنے میں تامل نہیں، مگر ہمیں یہ معلوم نہ تھا یعنی سوامی جی اور ان کے ساتھیوں نے اس بات کو شاید جان بوجھ کر چھپائے رکھا کہ سوامی صاحب جس مقام پر قیام کئے

ہوئے ہیں، وہ شہر سے کس قدر دور ہے اور کس قدر گنجائش کا ہے، اگر رات کو تقریباً دو سو یا زائد مسلمان وہاں جائیں گے، وہاں اس قدر مسلمانوں کے وضو کے پانی کا کیسے انتظام ہوگا اور واپسی پر ان کے کھانے کا کیا نظم ہے، اس لیے وہاں آنا مشکل ہے۔ مزید تفصیلات اصل خط میں ملاحظہ ہوں:

حضرت مولانا کا تیسرا خط:

پیشوائے دین ہنود پنڈت دیانند سرستی صاحب!

خدا ہم کو اور آپ کو اور سب کو ہدایت دیوے۔

السلام علی من اتبع الہدیٰ۔ کل آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ آپ کی عنایتیں میرے سر پر، رجسٹری کرا کے بھیجنے کا فقط یہ باعث ہے کہ مجھ کو معتبر طریقہ سے یہ خبر پہنچی تھی کہ آپ اس باب میں خط و کتابت ہو تو رجسٹری شدہ خط ہی کا اعتبار کریں گے، مگر اب اس عنایت نامہ سے معلوم ہوا کہ اس کی کچھ ضرورت نہیں، اس لیے ڈاک کے وسیلہ کی کچھ حاجت نہیں ہے اور ویسے ہی آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں اور یہ عرض کرتا ہوں کہ حسب دستور ایسے معاملات میں انفعال بعد تحریر بہ ثبت مہر یا دستخط سمجھا جاتا ہے۔ گفتگوئے مناظرہ پر دستخطوں کی ضرورت نہیں اور نہ دستور فقط حاضرین کی شہادت پر ظہور غلبہ یا مغلوب کا مدار ہوتا ہے۔ اس میں آپ دستخطوں کی ضرورت سمجھتے ہیں تو شرائط قبل تحریر و دستخط کیوں کر واجب تسلیم ہوں گے، ہاں اتنی بات میں کچھ شک نہیں کہ جب آپ اپنی کسی بات سے نہ ہٹے اور وجوہ معقول کے جواب میں بے وجہ اپنی وہی ایک کہے گئے تو حسب عادت مجھ کو نرم ہونا پڑا، ورنہ اس گفتگو کا انتہا نہ تھا، غرض مفت کی مغز پچی اور تضیع اوقات سمجھ کر قصہ کو مختصر کیا۔ اور نیز بوجہ اندیشہ تاخیر نماز مجھ کو اُٹھنا پڑا۔ ورنہ میری رائے کی کیفیت اُسی تقریر سے واضح ہے جو درباره شرائط آپ کے گوش گزار چکا ہوں۔ ہاں اگر آپ کچھ وجہ معقول درباره تعداد

حضار و وقت گفتار بیان فرماتے تو بیشک میری رائے بدل جاتی۔ البتہ تخصیص تعین مکان میں اپنی یہ کیفیت ہے، نہ کسی کے مکان سے انکار نہ کہیں آنے جانے سے یہاں عار، ایسے لحاظ سے جیسے آپ نے کچھ اصرار نہ کیا تھا، میں نے بھی کچھ تکرار نہ کیا، مگر نہ مجھ کو آپ کے مکان کی فراخی و تنگی سے اطلاع تھی، نہ اُس کے قرب وبعد سے کچھ آگاہ تھا، یہاں آکر سنا توسب کو یہ بات ناپسند معلوم ہوئی۔ پھر اُس پر نماز کی دقت نظر آئی، دوسو آدمیوں کو نماز کے لیے پانی وغیرہ بہم پہنچنا دشوار معلوم ہوا، اور آنے جانے اور کھانے پینے کی تکلیف علیحدہ رہی۔ میرے احباب شوق مناظرہ میں لبریز ہیں، ان کا مکان پر ٹھہرنا مشکل جو کھانے کا انتظام کریں اور اُس وقت بازار کھلا نہ رہے گا جو بازار سے کھا کر کام کریں، علی ہذا القیاس اور مسافروں کو کھانے پینے کی جو کچھ تکلیف ہوگی وہ ظاہر ہے۔ غرض خواہ مسافر، خواہ اہل شہر اتنی دور رہنا جماعت کثیر کا جانا اور ہنگام نواخت واپس آنا پسند نہیں کرتے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ آپ قدم رنجہ فرمایا کریں اور قرب شہر رونق افروز ہو کر تشنہ کامان گفتگو کو سیراب کیا کریں۔ باقی رہی تعداد اس کی کیفیت سنئے، یہاں آکر جس کو دیکھا اُسے برہم پایا کہ مشتاقان دیرینہ کو محروم رکھا جاوے۔ کوچہ و بازار میں آپ کے انکار پر جو کچھ تکرار ہو رہی ہے اور آپ کی نسبت جو کچھ اظہار ہو رہے ہیں میں لکھ نہیں سکتا، اور کچھ حاجت بھی نہیں، آپ کو ضرور خبر پہنچی ہوگی۔ اہل اسلام تو اہل اسلام، آپ کے ہندو پنڈت بھی بوجہ مخالفت معلوم برہم ہیں اور پھر باایں ہمہ وقت پر رکتے نظر نہیں آتے۔ اگر خدانخواستہ کوئی امر ناگفتہ بہ پیش آیا تو بایں وجہ کہ خواست گاران اجازت عام میں میرا نمبر اول ہے عجب نہیں کہ اُس کی دارو گیر مجھ سے ہو، بالخصوص جب یہ لحاظ کیا جاوے گا اندھیری راتیں ہوں گی اور وقت شب ہوگا اور پھر وہ شوق عام جس نے ایک عالم کو دیوانہ بنا رکھا ہے، پھر کسی قسم کی بے اعتدالی کسی سے آپ کی نسبت ہو جائے تو دور نہیں۔ اندیشہ مذکور اور بھی قوی ہوتا ہے۔ ہاں! اگر آپ باتباع رسلان دین

اظہار حق میں سینہ سپر ہو جاویں اور مردانہ وار میدان میں آئیں تو پھر کچھ اندیشہ نہیں؛ بلکہ اظہار حق اگر آپ کے ذریعہ سے ہو گیا تو وہ رنج دیرینہ جو آپ کے سوا ماہ اعتراض فرمانے سے ہندو مسلمانوں کے دلوں میں بھرے ہوئے ہیں مبدل بمحبت ہو جاویں گے۔ اور آپ اور کل اُن اعتراضوں میں معذور سمجھے جاویں گے، اور اس لیے کوئی ضرر بھی پیش نہ آئے گی اور اگر آئی تو اظہار حق میں پھر دین کے پیشواؤں نے بہت کچھ رنج اُٹھائے ہیں، اُن کا اتباع کچھ برا نہیں۔ پر اخفائے حق میں اگر کچھ رنج پیش آیا تو اس کو کسی کی تقلید میں شمار کر کے اپنے دل کی تسلی فرمائے گا۔ علاوہ بریں یہ اندیشہ تو مجھے آپ کو برابر ہے، میں باوجود کثرت تعلقات ایک وہم غلط سمجھتا ہوں، آپ اس آزادی سے کیوں اتنا ڈرتے ہیں۔ اور ان سب کو جانے دیجئے اس ضلع میں علماء اور طلباء اس کثرت سے ہیں کہ ان سب کو جمع کیجئے تو ان کی تعداد حد معین سے کہیں بڑھ جاتی ہے اور برابر خبریں آتی ہیں کہ سب کو شوق مناظرہ ہے شب و روز اسی خیال میں رہتے ہیں، سوائے اس کے اور مذہب جدے رہے، کتنے ستم کی بات ہے کہ اُن کے ارمان دل کے دل میں رہیں اور رڑکی کے اکثر عام و خاص محروم رہیں، پھر کالج کے چند ملازموں کا یہ پاس ہو کہ صبح کی شام کر دی جائے، بالجملہ بوجوہ مذکور یہ دونوں شرطیں یعنی تعداد اور وقت بھی قابل تسلیم نہیں اس لیے یہ آخری گزارش ہے کہ اگر آپ کو مناظرہ کرنا ہے تو کچھ پس و پیش نہ فرمایئے، اجازت عام دیجئے۔ اور وقت کو بھی بدل دیجئے، ورنہ انکار لکھ بھیجئے۔ تاکہ ہم بحالت مایوسی اپنے گھر کی راہ لیں، مگر اس صورت میں یہ رنج رہے گا کہ ہم ناکام گئے اور بدنام ہوئے۔ رہی تاریخ، اس کی تسلیم میں ہر چند زیرباری بھی ہے اور بوجہ ہرج اوقات دشواری بھی، مگر پھر بھی ہم کو کچھ عذر نہیں، جب چاہیں آپ دستخط کرالیں! علیٰ ہذا القیاس

اس امر میں بھی ہم کو کچھ تکرار نہیں کہ آپ برخلاف زمانہ گزشتہ تین بیدوں کو کیوں نہیں مانتے اور باوجودیکہ بمشتبہ روایت سب بید برابر ہیں سب کو

یکساں کیوں نہیں جانتے۔ اگر بوجہ خرابی مضامین یہ انکار ہے تو وہ ساری روایتیں مثل دستاویز مخدوش پایہ اعتبار سے ساقط ہونی چاہئیں۔ اسی طرح ہم کو اس سے بھی کچھ بحث نہیں کہ وہ ترجے جو سب علمائے بید کے نزدیک مسلم ہیں آپ کیوں نہیں مانتے، باقی رہی مولوی احمد علی صاحب کی شکایت، ان کی تہذیب سے میں ایک مدت سے واقف ہوں، انہوں نے اپنی طرز سے ہرگز کچھ نہ لکھا ہوگا اگر لکھا ہوگا تو آپ کی اور آپ کے مریدوں کی طعن و تشنیع و زبان درازی کے جواب میں لکھا ہوگا۔ آپ کے تشنیعات کا ثبوت تو میں سوائے اس کے کچھ نہیں دے سکتا کہ سینکڑوں آدمی اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ کے اعتراض اس پیرایہ میں بھی تھے چنانچہ یہی وجہ ہوئی کہ جو سرکار کی طرف سے آپ کے لکچر کی ممانعت ہوئی۔ پر آپ کے مریدوں کی تہذیب پر تو بھی اشتہار مرسل گواہ ہے۔ یہ آپ کا نیاز ہے جو اُن کے اس نازیجا کا ہم جواب نہیں دیتے، ورنہ کسی کے اس قول کے موافق ؎

خدا جانے سبب کیا ہے جو ہم خاموش ہیں ظالم
وگرنہ ہم رقیبوں کے ابھی چھکے چھڑا دیتے

ان کے ایسے لتے لئے جاتے کہ شاید اُن کو اپنے پاس سے پاس سرکاری واپس کرنی پڑتی؟ ماشاء اللہ حوصلہ تو دیکھو صرف و نحو کی طرف مصروف ہوئے تو ہوتے، منطق و حکمت کے اندر بھی دخل در معقولات ہے۔ آپ ان کو سنادیں کہ ایک دوبار کے درگزر کے بعد بھی انہوں نے نہ مانا تو پھر موافق مثل مشہور ایک خط دو خط الخ بہ مجبوری ان کو معقول بنانا پڑے گا۔ بالحمد للہ ان کی اُلٹی بات مثل صورت معکوس اُن کے منہ پر زیب نہیں دیتی اور آپ کو جو کچھ کسی نے کہا وہ سب آپ کے مریدوں کے عنایت کا ثمرہ ہے۔

من از بیگانگاں ہرگز نالم
کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

باقی حافظ رحیم اللہ صاحب کی نسبت جو آپ کے مرید کچھ ارشاد فرماتے ہیں، شاید ان کو اس خطاب اور اس سند کی خبر نہیں جو اہل اسلام میں کاملوں کی طرف سے ملنے کا دستور ہے، اور ہم نے فرض کیا کہ ان کو زبان عربی میں وہ ملکہ نہیں جس پر اطلاق زبان دانی صحیح ہو، مگر اہل اسلام میں وہ کون سی کتاب ضروری ہے جس کا ترجمہ زبان فارسی و اردو میں بکثرت موجود نہیں، قرآن کے ترجمے اور احادیث کی کتب کے ترجمے بکثرت بازار و میں موجود ہیں، مطلب فہمی اور اصول و فروع کی آگاہی کے لیے جس پر بناء مناظرہ ہے اتنا کافی ہے، ورنہ میں جانتا ہوں بید شناسی عالم سے مفقود ہو چکی ہے، چنانچہ زبان سنسکرت کے رواج کی کیفیت سے ظاہر ہے۔ اور چاندا پور کی بد نظمی کا جو آپ ذکر کرتے ہیں، تو آپ شاید حسب محاورہ عوام کچھ اور سمجھ گئے۔ اصل میں نظم اس فعل کا نام ہے جس کا نتیجہ انتظام ہوتا ہے، مسودہ انتظام جس کو انتظام مناظرہ کہئے نہ انتظام میلہ، وہ بھی تجویز شرائط ہے، اس میں آپ کو یاد ہوگا کہ آپ پانچ ہی منٹ پر اڑ گئے تھے اور اس باب میں ہم صفیر پادریاں ہو کر بیان فضائل کے لیے وقت میں وسعت نہیں دیتے تھے۔ ہاں بعد میں بہت اصرار و انکار کے بعد اور پادری اسکاٹ صاحب کی تشریف آوری میں پیچھے ان کے تائید سے کسی قدر وقت میں وسعت ہوئی اور میں آپ کی ثابت قدمی پر کب معترض ہوا تھا جو آپ نے یاد دلایا، جس سے مجھ کو یہ یاد آیا کہ منشی پیارے لعل اور منشی مکتا پرشاد نے جن کے ہاں آپ مہمان عزیز تھے اور ہر طرح سے آپ کی دلجوئی اور رضا طلبی کے لیے حاضر تھے، سب سوالوں کو چھوڑ کر سوال آخیر پر بحث کرائی اور جب جلسہ کی طوالت کی امید تھی اس کو ایک ہی دن میں ختم کرا دیا، جس سے ہمارا وہ سفر دور دراز اور خرچ زائد از حیثیت بیکار گیا۔ اس کی مجبوری شاہجہانپور میں واپس آکر جو موتی میاں صاحب کی طرف سے منشی اندر من اور آپ کی خدمت میں دو نیاز نامہ یکے بعد دیگرے بھجوائے گئے تو اس کا جواب آپ کو یاد ہوگا۔ کیا آیا جب ہر طرح سے مایوسی ہو چکی تب

مناظرین اور شایقان مناظرہ نے اپنی اپنی راہ لی اور قہر درویش بر جان درویش کہہ کر چلے آئے۔ اب اس دفتر طویل کو ختم کرتا ہوں پر خاتمہ پر دو ایک بات عرض کئے دیتا ہوں۔ عرض سے اگر کوئی شخص مجبور ہو جائے تو کسی کے نزدیک قابل اعتراض نہیں، باایں ہمہ آپ کی دعا سے روز بروز شفا ہوتی جاتی ہے آپ کچھ تردد نہ فرمائیں، پر خدا تعالیٰ ایسا نہ کرے کہ آپ کو کسی بمبئی کی رجسٹری اور تار برقی کا عذر پیش آئے۔ جس کی تصدیق اور ضرورت پیش آمدہ کے اثبات میں آپ کو عرق ریزی کرنی پڑے۔ آخری کلام یہ ہے کہ آپ بغرض تخفیف تصدیع اپنے مریدوں کو ارشاد فرمائیں کہ جواب ترکی بہ ترکی کا خیال نہ فرمائیں۔ ورنہ یہ طرز بھی ہم کو کچھ یاد ہے گو ویسا کمال نہیں جیسا آپ کے مرید آپ کی نسبت خیال فرماتے ہیں جواب بہت جلد مرحمت ہو اور اقرار و انکار جو کچھ ہو، صاف صاف ارقام فرمادیں۔

الملتمس

ہیچمدان محمد قاسم

۱۲/اگست ۱۸۷۸ء

سوامی جی کا تیسرا خط

حضرت مولانا کے اصل گرامی نامہ کے جواب میں سوامی جی نے ایک خط اور لکھا اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسی خط سے سوامی جی کا شوق مناظرہ کم ہونے لگا تھا کیونکہ ان کو حضرت مولانا کے خط کے جواب کے لیے بہت سوچنا غور کرنا ہوگا، لکھتے ہیں:

"آپ کا نوازش نامہ جس کے ورود سے میں کل ممتاز ہوا تھا، عبارت و مضمون کے معاملہ میں ایسا درجہ رکھتا تھا کہ مجھے بہت کچھ غور و فکر کرنے سے پہلے ہی اس کا جواب دینا خالی از حکمت معلوم ہوا" [۱]

اس لیے اک دن اس کا مختصر جواب لکھا جو یہ ہے:

پیشوائے دین اسلام مولوی محمد قاسم صاحب پر میشر ہمیں اور آپ کو اور کُل کو ہدایت کرے۔

آپ کا نوازش نامہ جس کے ورود سے میں کل ممتاز ہوا تھا۔ عبارت و مضمون کے معاملہ میں ایسا درجہ رکھتا تھا کہ مجھے بہت کچھ غور و فکر کرنے سے پہلے ہی اس کا جواب دے دینا خالی از حکمت معلوم ہوا۔ مگر ہاں آج اس کا جواب جہاں تک مختصر ممکن نظر آتا ہے ارسال کرتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کے نوازش نامہ کے ایک ایک لفظ پر اعتراض ہے اور ہر ایک کے واسطے جواب معقول رکھتا ہوں۔ مگر اس شرط کے مفصل تحریر میں اب اپنے واسطے صرف تضیع اوقات سمجھتا ہوں، وجہ یہ کہ معقول بات کا جواب معقول نہیں ملتا۔ بلکہ ایسی طرز کی مجھے آپ سے ہرگز توقع نہیں ہو سکتی تھی مگر اپنا ہرگز یہ عقیدہ نہیں کہ کسی کی نسبت غیر مہذبانہ و ناہموار گفتگو استعمال کی جاوے جیسا کہ آپ اپنی تحریر میں استعمال کرتے ہیں، خیر ان معاملات کو علاحدہ

---

[۱] جیون چرتر صفحہ ۵۳

رکھ کر مدعائے ضروری الاظہار تحریر کرتا ہوں۔ آپ کے اور میرے درمیان کپتان اسواٹ و کرنیل مانسل صاحب کے سامنے یہ چار امر فیصل ہو چکے تھے (۱) تعداد حضار مباحثہ (۲) مکان مباحثہ (۳) وقت مباحثہ (۴) گفتگوے مباحثہ کا تحریر ہو جانا۔

اب میں آپ کی تحریر سے ان سب معاملوں میں آپ کا اتفاق نہیں پاتا۔ میری رائے میں عاقلوں کا یہ طریق ہے کہ جس معاملہ پر متفق ہو کر عہد کرتے ہیں پھر اس سے منحرف نہیں ہوتے، اگر کوئی بات یا دلیل مناسب نہ معلوم ہو تو اس پر اول ہی سے ہرگز اتفاق بھی نہ کرنا چاہئے، مگر بعد معاہدہ انحراف کرنا ہرگز جائز نہیں معلوم ہوتا۔ خیر میں اس بارے میں اپنی رائے یہ ظاہر کرتا ہوں کہ چار امور مذکور جو طے ہو چکے ہیں میں ان میں ہرگز تجاوز نہیں رکھ سکتا، ماننے نہ ماننے کا آپ کو اختیار ہے۔ کچھ جبراً تو آپ کو بحث پر آمادہ کیا ہی نہیں جا سکتا، اگر آپ ہر ایک دفعہ چند شرائط قبول کر کے پھر ان سے منحرف ہو جاویں۔ تو اس کا کچھ علاج نظر نہیں آتا، میں از جانب خود شرائط فیصل شدہ میں تبدیلی مناسب نہیں سمجھتا، اور نہ ایسا کرنے سے اتفاق کرتا ہوں اگر آپ کو شرائط کے فیصل ہونے میں کچھ شبہ ہے تو کپتان صاحب وغیرہ سے جن کے سامنے یہ امور طے ہو چکے تھے دریافت کیجئے۔

چاروں ویدوں میں میرے ایک پر معتقد ہونے کی بابت جو آپ کا بیان ہے بہ جواب اس کے ملتمس ہوں نہیں معلوم آپ نے یہ تحریر کس بنیاد پر کی، میری کون سی تحریر و تقریر سے آپ نے یہ دریافت کیا کہ میں صرف ایک ہی وید کو مانتا ہوں۔ اے صاحب اس معاملہ میں میرا یہ عقیدہ ہے کہ چار ویدوں میں سے ایک جملہ بھی ایسا نہیں جس سے میں منکر ہوں، پھر وید کے ترجموں کی بابت جو آپ فرماتے ہیں سو صاف بیان نہیں کہ کن ترجموں سے مدعا ہے، اردو فارسی عربی میں تو تحقیق ہے کہ ابھی وید کا ترجمہ نہیں ہوا، لیکن انگریزی میں بعض بعض اجزاء کا

ترجمہ ہوا ہے، مجھے ان انگریزی مترجموں کی لیاقت کی نسبت بڑے بڑے اعتراض ہیں، ہم ان کی اتنی علمی و مذہبی لیاقت کو تسلیم نہیں کرتے اور یہی وجہ ہے کہ یہ انگریزی کے چند مختصر سے ترجمے قدیم تفاسیر سے کہیں مطابق نہیں ہوتے۔

خاتمہ میں ملتمس ہوں کہ علاوہ چار شرائط فیصل شدہ کے اور جو شرطیں آپ اپنی رائے میں مناسب سمجھتے ہیں تحریر فرمایئے میں اپنی رائے ان کی نسبت جلد ارسال کروں گا۔

زیادہ نیاز

۱۳ر اگست ۱۸۷۸ء

حضرت مولانا کا چوتھا خط!

مگر ابھی سوامی جی نے مفصل جواب لکھنا شروع بھی نہ کیا ہوگا، اسی فکر میں ہوں کہ اس جنجال سے کیسے نکلوں، کہ حضرت مولانا نے ۱۳ر اگست کو چوتھا[1] خط بھی رقم فرما کر ارسال فرمادیا۔ یہ خط حضرت مولانا کے اور خطوط کی نسبت طویل ہے، اس کا ایک ضمیمہ بھی ہے۔ اصل خط تین صفحہ کا ہے اور اس کے ساتھ ڈھائی صفحات پر مشتمل ضمیمہ بھی ہے۔ سوامی جی کا جواب پڑھنے سے پہلے حضرت مولانا کے چوتھے گرامی نامہ کا مطالعہ ضروری ہے، فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمان الرحیم

پیشوائے دین ہنود سوامی جی دیانند سرستی صاحب اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ حق

---

[1] سوامی دیانند کی زیر نظر سوانح جیون چرتر میں اس خط کا نمبر شمار درج نہیں مندرجہ ص ۵۴۵، مگر اس سے پہلے درج ایک خط کو جس کی تاریخ تحریر ۱۳ر اگست لکھی ہے۔ چوتھا خط قرار دیا ہے، مگر دونوں باتیں غلط ہیں: پہلے جو خط درج ہے جس کو نمبر ۴ لکھا ہے وہ شاید غلطی سے اور بے موقع درج ہو گیا ہے، وہ دراصل نمبر ۶ ہے اور اپنی جگہ آرہا ہے اور جس خط پر شمار درج نہیں وہ نمبر ۴ ہے۔

دکھلائے۔

السلام علی من اتبع الہدیٰ! کل ایک نیاز نامہ آپ کی خدمت میں آپ کے عنایت نامہ کے جواب میں ارسال کر چکا ہوں، آج یہ نیاز نامہ دو وجہ سے لکھنا مناسب معلوم ہوا۔ اول تو پرسوں جس وقت آپ کا عنایت نامہ پہنچا، بوجہ تشریف آوری بعض احباب اس وقت اس کی مطالعہ کا اتفاق نہ ہوا، تھوڑی دیر میں شام ہوگئی، اس وقت خط خفی کے کے پڑھنے میں دشواری معلوم ہوئی، صبح کو ایک نظر دیکھ کر اس کا جواب لکھنا اور اس کی نقل کرا کر اسی وقت آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ غرض جلدی میں لکھا تھا، وقت تحریر نیاز نامہ تمام مضامین یاد نہ رہے، جو سب کا جواب لکھتا، اور مضامین تو چنداں قابل لحاظ نہ تھے پھر شکایت اشتہار کی معذرت بحکم ملاقات ونیاز ضروری تھے، اس لیے تاخر معذرت عذر بجالا کر عرض پرواز ہوں کہ اشتہار مذکور کے آویزاں اور چسپاں کرنے سے کچھ اپنا اشتہار اور آپ کی تشہیر مد نظر نہ تھی، فقط اس امر کا جتانا مقصود تھا کہ مناظرہ اور بحث کی خواستگاری ہماری طرف سے شروع نہیں ہوئی، میرے دیوبند سے یہاں تک آنے اور آپ کی اس طرف تشریف لے جانے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ابتدا اس کمترین کی طرف سے ہے مگر یہ امر بے تفصیل جملہ سرگزشت متصور نہ تھی۔ باایں ہمہ بہ تقاضائے محبت مذہب ہر کسی کو اپنے مذہب کی صفائی مقصود ہوتی ہے اور برآت کا اپنے مذہب کے ہر کسی کو خیال رہتا ہے، مگر یہ بات بے اس کے نہیں ہو سکتی، کہ موافق مثل مشہور "آں را کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک"

دوسروں کے اعتراضوں کو سن کر بے باکانہ اپنے مذہب کے حقانیت کے اظہار کے لیے آموجود ہو، اور ہر کسی کو زبانی اور نیز اگر ضرورت ہو تو بذریعہ تحریر اپنی آمادگی سے آگاہ کر دے۔

آپ نے کچھ اور سمجھ کر دوستانہ شکایت فرمائی اور مجھ کو ایسا شرمایا کہ کیا کہیے! اور اس شکایت سے بایں وجہ کہ شکایت بے عنایت نہیں ہوتی، اپنا ممنون بنالیا۔

اس لیے یہ گزارش ہے کہ یہ شکایت میرے نزدیک ہم سنگ عنایت ہے، اور کیا عرض کروں۔ غرض اپنی بڑائی اور آپ کی توہین منظور نہ تھی۔ گو آپ بوجہ خاکساری اپنے آپ کو اتنا نہ سمجھیں جتنا ہم سمجھتے ہیں، میرے خیال میں آپ اپنے زمانہ میں اپنے مذہب میں یکتا ہیں، منشی گھنیا لعل صاحب وغیرہ بھی شاید ہوں تو اتنے ہی ہوں۔ ہاں منشی اندر من کی نسبت آپ کچھ نہ فرمائیں، بوجہ عدم تعارف منشی گھنیالال کے حق میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پر منشی اندر من کو تو آپ رہنے ہی دیں، دو باتیں تو مجھ سے سن لیجئے، سال گزشتہ میں بوجہ کثرت الفاظ سنسکرت جب میں آپ کی تقریر کو نہ سمجھتا تو قبل تکلیف دہی جناب مولوی محمد علی صاحب مصنفِ سوط اللہ الجبار، منشی اندر من سے میں نے کہا کہ آپ پنڈت جی کی تقریر کا ترجمہ ہی کر دیں انہوں نے آہستہ سے یہ جواب دیا سچ تو یہ ہے مجھے کبھی لکچر دینے کا اتفاق نہیں ہوا۔ جو لوگ یہ کام کرتے رہتے ہیں انہیں سے یہ کام ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اول تو صبح کے جلسہ میں میری تحقیق کی نسبت آپ کو دوبارہ یوں کہنے کا اتفاق ہوا کہ کیا کہئے دقت ہو لیا، اگر وقت باقی رہتا تو مولوی صاحب کی بات کا بھی جواب دیا جاتا۔ مگر قریب گیارہ بجے کے یعنی آخر جلسہ میں شاید بایں نظر کہ اب جلسہ برخاست ہو جائے گا اور اہل اسلام کو موقع جواب نہ ملے گا آپ نے میرے اس مضمون کی نسبت جس میں میں نے یہ ثابت کیا تھا کہ مادہ عالم وہ وجود واسع ہے جو ذات خداوندی سے ایسی نسبت رکھتا ہے، جیسے شعاعیں کرۂ آفتاب کے ساتھ۔ یہ ارشاد فرمایا کہ اگر مولوی صاحب کا قول صحیح ہو، تو بایں نظر کہ برائی بھی عالم میں ہے خدا کی طرف برائی عائد ہو گی۔ اس کے بعد میں موقع گفتگو پر پہنچا تو پادری صاحبوں نے نہ مانا اور یہ کہا کہ جلسہ کا وقت ہو چکا۔ اس وقت میں نے آپ سے عرض کیا کہ پنڈت جی گفتگو تو اب ہمارے اور آپ کے درمیان ہے، آپ ذرا ٹھہر جایئے۔ آپ نے بھی یہ فرمایا کہ مجھ سے بھی ٹھہرا نہیں جاتا بھوجن کا وقت آگیا ہے، یہاں تک کہ میں نے اپنی یاد

کی موافق آپ کا ہاتھ تک پکڑا۔ پر آپ ہاتھ چھوڑا کر چل دیئے، جب آپ کی طرف سے بھی بے اعتنائی ہی دیکھی تو پھر میں منشی اندر من کی خدمت میں پہنچا اور یہ عرض کیا کہ پنڈت جی تو نہیں سنتے آپ ہی سنتے جائیں، ان کو کچھ موقع عذر سمجھ میں نہ آیا، ناچار سننا پڑا۔ میں نے عرض کیا، جواب تو اس اعتراض کا بطور دفع دخل مقدر میں اپنی تقریر اور تحقیق کے وقت ضمن مثال میں دے چکا ہوں، اس کو سمجھ لیجئے۔ تو پھر اس اعتراض کا موقع ہی نہیں رہتا۔ پھر جب پنڈت جی نے اس کا کچھ لحاظ نہ کیا تو مجھ کو مکرر مفصل عرض کرنا پڑا۔ غرض اس وقت وہ مضمون عرض کیا جس کی بنا اس بات پر تھی کہ بحیثیت فاعلیۃ و مفعولیۃ فاعل کا اثر تو مفعول کی طرف آتا ہے پر مفعول کا اثر فاعل کی طرف نہیں جاتا۔ اس پر منشی صاحب نے فرمایا تو یہ فرمایا کہ شاید پنڈت جی اس پر اور کچھ اعتراض کریں، میں نے ان کے ابھارنے کو یہاں تک کیا کہ پنڈت جی سے قیامت تک بھی انشاء اللہ تعالیٰ اس کا جواب نہ آئے گا، مگر پھر بھی وہ کچھ نہ بولے، اور اٹھ کر چل دیئے۔ اگر وہ بھی منجملہ اہل کمال ہوتے اور آپ کا خیال ان کی نسبت صحیح ہوتا تو اور بھی نہیں تو موقع مذکور میں تو بولتے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ باوجودیکہ ان کا نام بھی مناظرین میں تھا، دونوں روز اول سے آخر تک کچھ نہ بولے، بایں نظر کیوں کر کہہ دیجئے کہ وہ تو اہل کمال میں سے ہیں اور آپ بایں ہمہ جرأت ان سے کم نہیں مگر آپ کو ان باتوں کی کیونکر خبر ہوئی ہوگی جو بہ نسبت منشی اندر من حسن ظن میں کچھ فرق آتا۔ مگر میرے نزدیک ان کا بلانا بے سود ہے، میں تو یوں گمان کرتا ہوں کہ اگر منشی صاحب کو یہ گمان بھی ہوگا کہ شاید مجھ کو گفتگو کرنی پڑے تو انشاء اللہ اس طرف کا خیال بھی نہ کریں گے۔ دوسری وجہ تحریر نیاز نامہ کے یہ ہے کہ آپ کو شاید مجمع عام کے ہونے سے علی ہذا القیاس جلسہ کے قریب نہر ہونے سے اس وجہ سے تامل ہو کہ ہنوز آپ کو اس کی دلائل پر نظر نہیں، اس لیے جلدی میں کچھ وجوہ لکھ کر عرض کرتا ہوں اس کے بعد کچھ اور سمجھ میں آئے گا تو مکرر

عرض کروں گا۔ اب آپ کی حق پرستی سے مجھ کو یہ امید ہے کہ باوجود اصرار معلوم خلاف عادت آپ بھی مجمع عام ہی کی رائے دیں گے اور کچھ تامل نہ فرمائیں گے۔ اور گو آپ گفتگو سے انکار کر چکے ہیں جیسا آج کے خط سے معلوم ہوتا ہے، مگر پھر بھی طوعاً و کرہاً گفتگو پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اے صاحب آپ کے مشتاقوں کو اپنے محروم ہو جانے سے کمال ہی رنج ہے پر میشر کے لیے اب تو آپ مان ہی لیجئے۔ باقی چار ویدوں کی تعلیم سے ہم کو کمال ہی درجہ کی خوشی ہوئی، پر اس کا رنج ہے کہ آپ اس کو بھول گئے جو کپتان سٹوارٹ صاحب کے سامنے چند آدمیوں کے مجمع میں آپ نے ارشاد فرمائے تھے، لیکن بڑا افسوس ہے کہ آپ اس قول کے پھر جانے سے نہیں شرماتے۔ اور ہم کو یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ معاہدہ کر کے نہیں پھرا کرتے۔ سبحان اللہ کیا کہئے، خدا جانے اس میں بھی کچھ بھید ہو گا۔ شاید آپ کو یاد نہ رہا ہو آپ اپنے ان مریدوں سے ہی دریافت کریں جو اس وقت ساتھ تھے۔ ان کو یاد ہو گا ورنہ کپتان صاحب سے دریافت کر دیکھیں۔ ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ کرنیل صاحب کو بھی آپ گواہ فیصلہ قرار دیتے ہیں۔ اے صاحب ان کے سامنے تو ہماری آپ کی کچھ گفتگو نہیں ہوئی، مگر کاش آپ اسی پر پختہ رہیں، باقی شکایت عدم تہذیب آپ کو زیبا نہیں۔ اول تو میرے کلام میں کوئی جملہ خالی از تہذیب نہ تھا، دوسری آپ نے نہ دیکھا کہ ابتداء کس نے کی مصرعہ۔ ''ذرا انصاف تو کیجئے نکالا کس نے شر پہلے''

جس جملہ کو آپ نے غیر مہذب سمجھا اس کے معنی آپ کچھ اور سمجھ گئے ہیں۔ اس کے یہ معنے نہیں جو آپ سمجھے، زیادہ کیا عرض کروں آپ سے توقع مناظرہ ہی رہی۔

العبد محمد قاسم

۱۳ اگست ۱۸۷۸ء

مکرر گزارش یہ ہے کہ آج آپ نے اور بھی ترقی فرمائی کل کے عنایت نامہ میں تو تین ہی شرطیں طے ہوئیں تھیں۔ آج چوتھی شرط بھی طے ہو گئی، اس انداز سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ روز معہود سامی تک بے طے کیے ہوئے سب شرطیں طے ہو جائیں گی، اتنی راست بیانیوں پر یہ آپ ہی کی جرأت ہے، ہم کو منحرف بناتے ہیں۔ مہاراج کرنیل صاحب آپ کے گواہ ہو گئے، کپتان صاحب کو آپ نے گواہ بنالیا، ہمارے واسطے آپ نے کس کو چھوڑا۔ اے صاحب یہاں سے کرنیل صاحب دور نہیں۔ کپتان صاحب کی چٹھی موجود ہے، وہ منشی احسان اللہ صاحب کو لکھتے ہیں کہ امور مذکورہ میں باہم متفق ہو کر اور فیصلہ کر کے ہم کو اطلاع دو تاکہ ہم اس رائے میں شریک ہوں یا اور کچھ رائے دیں، اگر ان کے نزدیک فیصلہ ہو چکا تھا تو یوں کہو کپتان صاحب کی نسبت بھی آپ نے جھوٹ ثابت کر دیا، شاید انہیں باتوں کو آپ معقول باتیں سمجھتے ہیں، جن کے بھروسے یہ فرماتے ہیں کہ معقول بات کا جواب نہیں ملتا۔ اے صاحب اگر آپ کپتان صاحب پر بھروسہ رکھتے ہیں تو وہی ہمارے حاکم رہے جو وہ تجویز فرماویں اور جس کی طرف ان کی رائے ہو وہی ہم کو منظور ہے، اور انہیں سے یہ بھی دریافت کیا جاوے کہ وید کی بابت آپ نے کیا کہا تھا اور اب کیا کہتے ہیں اور ہم نے مانا فیصلہ ہو گیا تھا، مگر ہم اگر اپنے نفع کی کہیں تو آپ نہ مانیں، آپ فرمائیے ہمارا مجمع عام اور میدان وسیع میں کیا نفع ہے، یہ تو نفع عام ہے اور یا آپ کی جرأت اور علم کا اظہار ہے۔ پھر اگر ہم بعد معاہدہ کے آپ سے یہ التماس کریں کہ آپ بہ نسبت سابق اور عنایت کریں اور تعداد کو معدود نہ کریں تو آپ کو کیوں انکار ہے۔ ہاں اگر اس قسم کی تردید ممنوع ہو تو یوں بھی سہی، آپ انصاف سے کہئے کہ یہ بات کون سے وید کے رو سے ممنوع ہے، باقی یہ جواب جو آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ کو تیرے لفظ پر اعتراض ہے۔ واقعی کمال ہے...... انصاف کا جملہ ہے اور کمال ہی درجہ کے حقانیت کی بات ہے اور کیوں نہ ہو اہل علم ہی میں یہ کمال ہوتا ہے کہ

کسی کی صحیح بات اور لفظ لفظ کو غلط کر دیں، مگر مجھ کو ان اعتراضوں کی اطلاع کی آرزو رہی ہی کیا کہئے، آپ کی اس مختصر نویسی سے یہ رنج اٹھانا پڑا ورنہ آپ بیشک تحریر فرما ہی دیتے۔ پنڈت جی صاحب میں اس کے آگے کوئی مرثیہ نہیں دیکھتا جو جواب میں لکھوں، بجز اس کے کیا لکھوں کہ آپ کے لفظ لفظ اور غلط صحیح باتیں سب صحیح ہیں، خود یہی کہہ سکتا ہوں اور کیا کہوں۔ جناب پنڈت جی صاحب اگر معاہدہ اسی کا نام ہے تو یوں کہو کل کو آپ ان مالداروں کو بھی افزائش مقدار خرچ فقرا سے منع کریں گے۔ جنہوں نے یہ التزام کرر کھا ہو کہ روپیہ دو روپیہ اور فقیروں کو بانٹ دیا کریں۔ بایں ہمہ اگر کچھ خرابی آگئی تو ہماری جانب سے آئی گئی آپ کو کیا نقصان؟ البتہ اس میں نقصان ہے کہ کہیں کچھ کہہ دیا کہیں کچھ، کپتان صاحب کے بنگلے میں گئے تو تین بیدوں سے انکار کر دیا اور مریدوں کے تھامنے کا وقت آیا تو چاروں کو برسر و چشم رکھا، کانپور کے اشتہار میں اکیس شاستروں پر ایمان لائے اور کہیں اور پہنچیں تو صرف چار بیدوں پر قناعت فرمائی، کبھی سارے حصہ واجب التسلیم اور کبھی برہمن کا انکار اور منتر بھاگ کا قرار، مگر تعجب اس پر آتا ہے کہ پہلے زمانہ میں تو آپ تبدیل عقائد پر بھی قادر تھے، اور اب دوسو آدمیوں سے آگے بڑھانے کی بھی طاقت نہیں۔ پنڈت صاحب عقیدہ تو ایک امر خارجی کے تابع ہوتا ہے۔ یعنی کسی مخبر عنہ کی خبر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ امر خارجی واقعی کسی کے اختیار میں نہیں، واقعی کو کوئی غیر واقعی نہیں بنا سکتا، غیر واقعی کو واقعی نہیں کر سکتے۔ اگر تبدیل عقائد مشار الیہ پر آپ اس وجہ سے قادر ہیں کہ آپ تبدیل امور خارجہ پر بطور مذکور قادر ہیں تو انساء عہد و تسلیم التماس احقر پر آپ کو قدرت کیوں نہیں؟ اور اگر وجہ تبدیل یہ ہے کہ اپنی غلطی معلوم ہو گی تو بیان فرمائیے، آپ کی رائے کی صحت پر کیا دلیل ہے۔ باقی رہی میری رائے اس کی صحت، اول تو آپ کو کپتان صاحب کی کوٹھی پر اس وقت معلوم ہو گئی تھی جب آپ وجوہ معروضہ احقر کی تردید نہ کر سکے اور جو کچھ

شک ہو گا وہ انشاء اللہ اب زائل ہو جائے گا، یہ تو میں جانتا ہوں کہ تامقدور آپ گفتگو نہ کریں گے اور جس طرح ہو سکے گا ٹلائیں گے، مگر میں اپنے شوق کو کیا کروں اس لیے آپ کے اس پردہ میں انکار پر بھی میں بے پردہ اصرار کئے جاتا ہوں۔ پنڈت صاحب اگر بالفرض میں معاہدہ سے انحراف کرتا ہوں تو آپ بروئے انصاف مباحثہ سے انکار کرتے ہیں، حضرت سلامت معاہدہ اس کو کہتے ہیں کہ ایسے معاملات میں جن میں طرفین کو نفع نقصان کا احتمال ہو جیسے بیع و شرا و عہود سلاطین باہم کسی بات پر راضی رضا ہو جائیں، اس سے انحراف برا ہے یہاں کس کا نفع اور کس کا نقصان ہے۔ یہ جواب انحراف کو مذموم سمجھتے ہیں اور منحرف نہیں ہوتے، آپ اوروں سے تو مشورہ کیجئے۔ اگر اہل فہم ہوں گے تو یہی کہیں گے کہ اگر دوسری بات میں زیادہ خوبیاں نظر آئیں۔ تو پھر پہلی بات پر اڑ جانا اور ہٹ کئے جانا ضد کرنا عاقلوں کا طریقہ نہیں کے اوروں کا طریقہ ہے، اس لیے بال ہٹ اور تریاہٹ کسی کو پسند نہیں آتی۔ اب التماس یہ ہے کہ آپ جس طرح بن پڑے میدان اور مجمع عام کو تسلیم فرمایئے ہماری منتوں پر نظر کیجئے، یہ بھی نہیں تو ایک جہان کی آرزو پر خیال فرمایئے۔ اس کی بھی پرواہ نہیں تو موجودہ معروضہ عقلی ہی کا اتباع کیجئے، یہ بھی نہیں ہو سکتا پر میشر ہی کے لیے اعلان حق پر کمر باندھیے، ان سے بھی غرض نہیں تو اپنی اور اپنے مریدوں کی آبرو تو سنبھالیے، یہ بھی منظور نہیں تو یہی کہہ دیجئے کہ مجھ میں جرأت نہیں، ہم اپنا سامنہ لے کر چلے جائیں گے۔ اب گزارش یہ ہے کہ آپ کو پچاس سے دو سو تک آنا تو یاد رہا، پر یہ یاد نہ رہا کہ ہم دوبارہ یہ عرض کر چکے تھے کہ اس شرط کو ملتوی رکھئے، کیا ملتوی کے یہ معنے نہیں کہ اس پر پھر بحث کی جاوے گی، ہاں شاید آپ یہ فرمانے لگیں کہ ملتوی کہنے کو پہلے کہا تھا مگر اس کا کیا جواب دیجئے گا کہ ہم نے اٹھتے وقت یہ کہا تھا کہ اگر آپ دو سو سے زیادہ نہیں بڑھتے تو اتنا تو کرو کہ ان کے سوا جن کے ہم ضامن ہوں وہ آجائیں۔ البتہ آپ نے اس وقت بھی موافق مصرعہ ''خلقے ہمیت یک

طرف این بندہ تنہا یک طرفے نمانا۔ مگر میری رضامندی کے لیے بھی تو کوئی دلیل چاہئے، اگر آپ ایشور کو گواہ کر کے یہ فرمادیں کہ تو راضی ہو گیا تھا تو یوں ہی سہی، باقی بندوں کے ترجموں کی نسبت آپ کی تحقیقات تو نئی ہی نکلی، اکبر بادشاہ اور داراشکوہ کے زمانہ کے ترجموں کو پہلے صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیتا تھا، پھر یہ کلمہ کہنا تھا یوں تو یہ باتیں زیبا نہیں۔ جواب جلد عنایت فرمائیے۔ دن تھوڑے رہ گئے ہیں، آنے والوں کے پیام چلے آتے ہیں، آپ کے حصہ کی شرم بھی ہمیں ہی اٹھانی پڑتی ہے۔ اگر آپ تھوڑی سی خیرات فرمائیں تو سب کا دل بھلا ہو جائے گا۔

محمد قاسم
۱۴/ اگست ۱۸۸۷ء

سوامی جی کا خط نمبر چار

سوامی جی نے حضرت مولانا کے مذکورہ دونوں خطوں کا مفصل اور ایک ساتھ جواب لکھا، لطف کی بات یہ ہے کہ اس خط سے خود ان الزامات کی تردید ہو رہی ہے جو سوامی جی نے اپنے تیسرے خط میں حضرت مولانا پر لگائے تھے۔ یہ خط اس مراسلت کا سب سے بڑا خط ہے، جو سوامی دیانند کے جیون چرتر کے طویل ساڑھے آٹھ صفحات پر مشتمل ہے[1] پھر بھی ناقص ہے۔ خط کا آخری حصہ ایسا خراب لکھا ہوا تھا کہ جو جیون چرتر کے مرتب سے بھی نہیں پڑھا گیا، حالانکہ جیون چرتر کے جامع اور مرتب لیکھ رام آریہ مسافر اور لکشمن دونوں کی عمریں سوامی دیانند کی تحریریں اور مسودات پڑھنے میں گزری تھیں اور دونوں سوامی دیانند کی تحریروں اور فکر کے ماہر تھے، مگر پھر بھی یہ ضمیمہ ان کی دسترس سے باہر رہا، لکھا ہے کہ:
"آگے ضمیمہ ہے" جس میں ان وجوہ کی تردید ہے جن کے لحاظ سے اجازت

---

[1] جیون چرتر، مہرشی سوامی دیانند صفحہ ۵۴۰ سے ۵۴۸ تک

عام کا ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے، مگر بہ لحاظ بد خط ہونے کے باوجود سخت کوشش کے وہ نہیں پڑھا جاتا، بنابر آں ترک کر دیا گیا۔"[1]

مریدین کے اس اعتراف کے بعد اب سوامی جی کا اصل خط ملاحظہ ہو

پیشوائے دین اسلام مولوی محمد قاسم صاحب پر میشر آپ کو اور ہم کو اور کل کو ہدایت بخشے۔

کل آپ کا عنایت نامہ بجواب نیاز نامہ مرسلہ ۱۳ راگست و نیز بجواب عریضہ مرسلہ یکشنبہ گزشتہ وارد ہوا۔ آپ کے نوازشنامہ کے ابتدائے کی نسبت میں از جانب خود اظہار بندوبست کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ آپ نے شکایت اشتہار بحکم ملاقات اور ہی خیال فرمائی اور گو عبارت اشتہار سے وہ امور بخوبی واضح ہیں کہ جن پر شکایت کی بنا تھی مگر درحالیکہ آپ بفضد صدرات عنایت و کرم اپنے عنایت نامہ میں اپنا مقصد اور ہی بیان فرماتے ہیں تو میری رائے میں باوجود تحریری عبارت کے نقص لفظی کے بھی اُن شکایتوں کا یاد رکھنا ہرگز مناسب نہیں معلوم ہوتا اور گو میں جانتا ہوں کہ بحث و مناظرہ کی خواستگاری اولاً میری طرف سے نہ تھی، لیکن میرا مدعا سوائے اظہار حق بلا تخصیص بیک مذہب اور کچھ نہ تھا لیکن تو بھی اب آپ کے اس محبت آمیز تحریر کی تردید بخیال کس کے اس میں صحت مطلب نہیں اس موقعہ پر گوارا نہیں کرتا۔ آپ پھر اپنے نوازشنامہ میں اپنی لیاقت کے سبب میری ویسی ہی قدردانی فرماتے ہیں، جیسے آپ اپنی رائے صاحب کے موافق پہلے بھی ظاہر کر چکے تھے۔ لیکن میں چونکہ اپنی نسبت منشی گھنیالال و منشی اندر من و دیگر اصحاب کو کہ جن سے آپ واقف نہیں معلوم ہوتے، معاملات مذہبی (دین اسلام) میں بدرجہا فائق پاتا ہوں، لہٰذا آپ کے اس سخن گسترانہ طرز توصیف سے کہ جس کے میں لائق

---

[1] کتاب مذکور صفحہ ۵۴۸

نہیں صرف خجل ہوتا ہوں، مگر افسوس صد افسوس کہ منشی اندر من صاحب کی نسبت جو آپ تحریر فرماتے ہیں ہر گز قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ جو دو وجہیں کہ آپ اپنے کلام کے ثبوت کی غرض سے پیش کرتے ہیں اُن کی صحت کی شہادت آپ کے کلام میں کہیں بھی پائی نہیں جاتی۔ اول تو یہ کہ منشی اندر من صاحب اُس موقعہ پر مجھ سے کبھی علیحدہ نہیں ہوئے۔ البتہ جن معاملات میں آپ اُن سے گفتگو کرنا بیان کرتے ہیں، البتہ قبل از وقت ابتدائے مناظرہ آپ چند صاحبوں نے اُن سے یہ درخواست کی کہ منشی صاحب اگر آپ ذرا سی دیر کے واسطے عوام سے علیحدہ تشریف لادیں تو آپ سے ایک امر تنہائی میں طے کیا جاوے۔ منشی صاحب نے اس امر کو منظور کیا اور پادری نول صاحب کے ڈیرے کے قریب آپ کے ساتھ ہوئے، تنہائی میں آپ صاحبوں نے منشی صاحب سے یوں فرمایا کہ حضرت ہماری اور آپ کی کتابی بحث مدت سے چلی آتی ہے، اور اسی طرح چلی جائے گی ہمارا آپ کا کوئی نیا مناظرہ نہیں، اس موقعہ پر ہماری رائے یہی ہے کہ آپ خاموش بیٹھے رہیں تو بہتر ہے اوروں سے گفتگو ہوتی رہے گی۔ منشی صاحب نے بجواب فرمایا کہ جیسا مناسب مجلس ہوگا آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔ الا بہ وقت مناسب، وہ حسب ضرورت خاموشی مشکل سے اختیار ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر آپ کی اس درخواست اور منشی اندر من صاحب کے اس جواب سے ان کی لیاقت کی نسبت آپ کو ایسی رائے قائم ہوئی ہو تو فی الواقع ہر عاقل کے نزدیک واجب التسلیم ہے۔ دوسری اس راست بیانی کے ارتفاع کی تو انتہا ہی نہیں پائی جاتی کہ آپ نے مجھ سے ایک معاملہ مناظر میں گفتگو کرنی چاہی، مگر میں نے بعوجن کا عذر کیا، حتی کہ آپ نے میرا ہاتھ تک بھی پکڑ لیا، مگر میں بزور ہاتھ چھوڑا کر چلا ہی دیا۔ اے صاحب منشی پیارے لعل صاحب اور دیگر چند صاحب جو شریک انجمن تھے وہ بہت دور نہیں ہے۔ انہیں تحریر کیجئے اور شہادت بہ مصداق بیان منگا لیجئے، پھر اگر ان امور کی صداقت میں انکار بیجا ہوگا تو اسے بھی ہر گز گنجائش نہ

رہے گی۔ پھر آپ کا یہ فرمانا کہ باوجودیکہ منشی جی کا نام مناظرین میں تھا دونوں روز اول سے آخر تک کچھ نہ بولے، مجھے یقین نہیں آتا کہ اس موقع پر آپ کی تحریر سے یہ مطلب ہے چونکہ منشی صاحب کو دو روز تک کچھ فرمانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس سے منشی صاحب کی عدم لیاقت کا ثبوت ہوا۔ اگر آپ کا دراصل یہی مطلب ہے تو سید ابوالمنصور صاحب کی لیاقت سے بھی آپ ضرور منکر ہوں گے، کیونکہ سید صاحب نے بھی دو روز تک اول سے آخر تک کچھ گفتگو نہیں کی پھر آپ کا یہ گمان کہ منشی صاحب کا بلانا بے سود ہے الخ۔ آپ خاطر جمع رکھئے میں منشی صاحب کو نہیں بلاتا، میں آپ کی نصیحتانہ گفتگو کا مدعا خوب سمجھتا ہوں۔ منشی صاحب تو ذکر مباحثہ سن کر جیسا اس طرف تشریف لانے کا خیال کریں گے یا نہ کریں گے میں خوب جانتا ہوں، مگر ان کے یہاں تشریف لانے سے واقعی مجھے ایک خوف ہے وہ یہ کہ منشی صاحب کی غیبت میں جنہوں نے یہاں برائے مباحثہ تشریف لانے کا خیال کیا ہے کہیں وہ اپنے خیال کو خیال خام نہ سمجھ جائیں اور پھر اس سمجھ کا نتیجہ بھی کچھ اور ہو۔ خیر اب اس مدعا کو ختم کرتا ہوں اور دوبارہ اس نیاز نامہ میں گزارش کرتا ہوں کہ میں کبھی چار وید کا قائل ہونے سے منحرف نہ تھا۔ یعنی ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے صرف ایک وید کو تسلیم کیا ہو اور باقی کو نہیں؟ مجھے آپ کی لیاقت پر ہرگز یہ گمان نہیں ہوتا کہ میں نے اپنا اظہار اعتقاد جو وید مقدس کی نسبت کیا تھا۔ اس نے اپنے خلاف واقعی معنے سمجھے ہوں گے یہ تو بڑے ہی تعجب کا مقام معلوم ہوتا ہے کہ کپتان صاحب جو اس ملک کے اہل زبان نہیں میرے مختصر سے بیان سے مدعائے اصلی سمجھ جائیں اور آپ جو صرف یہی نہیں کہ باشندہ ممالک مغربی و شمالی ہیں بلکہ ان اضلاع کے خواص میں سے ہیں، مدعائے اصلی کو چھوڑ کر کچھ اور ہی معنے خیال کرلیں؟ اس وقت جو میں نے اپنی گفتگو سے متعلق الفاظ استعمال کئے تھے وہ قریباً یوں تھے۔

میں صرف ایک قرآن ہی پر اعتراض کروں گا اور آپ بھی صرف ایک وید پر

کیجیے، کہ اس جملہ میں جو لفظ ایک دو جگہ واقع ہوا ہے اس سے اظہار تعداد مقصود نہیں ہے بلکہ ایک لفظ صرف کی اعانت کا اعادہ کرتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ اس جملہ کے اظہار کے وقت لفظ ایک سے معنے مذکور کے استحصال کے لیے اس لفظ پر اور بالخصوص اس کے حرف وسطی پر دیگر الفاظ کی نسبت کم زور دیا تھا۔ پرسوں کپتان صاحب سے میں نے جو اس بارے میں گفتگو کی تو وہ افسوس کرنے لگے کہ مولوی صاحب نے اس سادہ جملہ کے معنے ایسے خلاف موقع سمجھ لیے، پھر آپ مجھ سے اس امر کے شاکی ہیں کہ میں نے کرنیل صاحب کو اپنا گواہ فیصلہ قرار دیا، میں اب بھی کرنیل صاحب کو گواہ قرار دیتا ہوں۔ کپتان صاحب سے جب میں نے اس شکایت کا ذکر کیا تو وہ فرمانے لگے کہ بیشک کرنیل صاحب گواہ فیصلہ ہیں۔ اگر آپ کو اس امر میں کچھ کلام ہو فوراً کپتان صاحب و کرنیل صاحب سے میرے اس نیاز نامہ کے حوالہ سے دریافت کیجیے۔ نیز آپ کو معلوم ہوگا کہ آیا میں نے آپ کے قول کے موافق کپتان صاحب کی نسبت جھوٹ ثابت کر دیا یا آپ نے ہر دو صاحب کی نسبت جھوٹ ثابت کیا۔ آپ فرماتے ہیں مجھے شکایت عدم تہذیب زیبا نہیں اور اس کا ثبوت یہ دیتے ہیں کہ مصرعہ "ذرا انصاف تو کیجیے نکالا کس نے شر پہلے"، تسلیم میں اس ثبوت کو کافی سمجھتا ہوں۔ اس معاملہ کے متعلق میری اول تحریر اور آپ کا اشتہار بھی پڑھیے اور انصاف کیجیے۔ باقی رہا آپ کا یہ جملہ کہ جس جملہ کو آپ نے غیر مہذب سمجھا الخ۔ اے صاحب معنے ان الفاظ سے وہی لیے جاویں گے جن کے واسطے وہ موضوع ہیں۔ ہاں اگر آپ کہنا کچھ اور چاہیں اور کہیں کچھ اور یعنی مدعا کچھ ہو اور ادائے مدعا اس سے مختلف، تو ایسی تحریر و بیان سے وہی مدعا سمجھ سکتا ہے جسے آپ نے پہلے فرمادیا ہو کہ میں کہوں گا یوں لیکن تم نے اس بیان سے یہ دیگر مطلب دیگر سمجھنا مگر شکر ہے کہ آپ نے اپنی کل تحریر سے آخر ایک جملہ پر غیر مہذب ہونے کا شبہ تو کیا، مگر ہر مذہب کے نزدیک ایک کیا کتنے ہی جملے اس صفت سے موصوف بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس

عیب سے معیوب ہیں۔ نیز آپ کا یہ قول کہ آج آپ نے اور نئی ترقی کی، کل کے عنایت نامہ میں تو تین ہی شرطیں الخ جناب مولوی صاحب! انصاف کو ہاتھ سے نہ دیجئے، ذرا مدعا ہی کی طرف بھی مائل ہو جایئے۔ نیاز نامہ سابق میں تین طے شدہ شرائط کا ذکر کیا گیا اور اس سے بعد کے خط میں حسب ضرورت چار طے شدہ باتوں کا ذکر آیا۔نہ پہلے خط میں یوں لکھا تھا کہ تین ہی شرطیں طے ہو چکی ہیں،نہ دوسری کا بیان ہے کہ صرف چار شرائط کا انفصال ہے، اختتام انفصال ہے۔ پہلے نیاز نامہ میں فیصل شدہ شرائط میں سے صرف تین کے ذکر کی ضرورت ہوئی تھی، اس سے بعد کے نیاز نامہ میں چوتھی فیصلہ شدہ شرائط بھی درج التحریر ہوئی۔ وجہ یہ ہوئی کہ نیاز نامہ اول کے جواب میں جو آپ کا خط آیا، اس میں آپ نے چوتھی شرط سے اظہار انحراف کیا، علاوہ ان چار شرائط کے اور بھی کئی شرطیں ہیں جو طے ہو چکی ہیں، مگر بار بار آپ کی خدمت میں ان کے اظہار کی ضرورت پیش نہ آئی۔ لیکن اگر آپ اب ان میں سے کسی سے منحرف ہوتے نظر آتے یا کوئی اور موقع ضرورت بیان کرتے تو بلاشک ان شرائط کا بھی ذکر نیاز نامہ جات آئندہ میں کیا جاوے گا۔ مثلاً آپ یاد کیجئے کہ سب سے اول یہ بات طے ہوئی تھی کہ مناظرہ میں دونوں جانب سے گفتگو مذہب ہندی مثل حکماء ملحوظ رہے، کوئی کسی کے بزرگوں و پیشواؤں کی نسبت الفاظ سخت استعمال نہ کرے۔ دوسری یہ کہ بوقت مناظرہ سوا میرے اور آپ کے اور کوئی صاحب نہ میری طرف سے نہ آپ کی طرف مباحثہ کے متعلق گفتگو کر سکیں گے۔ تیسری یہ کہ میں وید کا مجیب بنوں گا اور صرف قرآن پر معترض اور آپ بخلاف اس کے قرآن کے مجیب اور وید پر معترض۔ اب آپ ہی فرمایئے کہ چار شرائط مذکورہ سابق میں یہ تین بھی طے ہو گئی ہیں، یا نہیں۔ ذکر تو ان کا اب تک میں نے کسی نیاز نامہ میں نہیں کیا، ظاہر ہے کہ ضرورت ذکر بھی نہیں درپیش ہوئی۔ ماورائے ازیں یہ آپ کا اعتراض صرف اس حالت میں معقول گنا جا سکتا ہے، کہ جب یہ فرماتے کہ تین شرائط مذکورہ خط

سابق تو فیصل ہو چکے ہیں، یہ چوتھی فیصل بھی نہیں ہوئی۔ نہ معلوم آپ اس چوتھی کے طے ہو جانے کے مقر ہیں یا نہیں، کپتان صاحب و کرنیل صاحب کے گواہ ہونے کا آپ پھر ذکر کرتے ہیں اور میں پھر بجواب اس کے آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ یہ امر میں ہی صرف نہیں کہتا کہ وہ معاملات طے شدہ کے گواہ ہیں، بلکہ وہ خود اپنے گواہ ہونے کے مقر ہیں اے صاحب! یہاں سے یہ دونوں صاحب کچھ دور نہیں، آپ ذرا ان کے مکان تک قدم رنجہ فرمایئے، یا بذریعہ تحریر دریافت کیجئے اور اپنی طبیعت کو تشفی بخشئے۔ پھر اس چٹھی کا ذکر کرتے ہیں جو کپتان صاحب نے منشی احسن اللہ صاحب کو تحریر کی تھی "میں نے آپ کی اس چٹھی کے متعلق عبارت کپتان صاب کو پڑھ کر سنائی تھی کپتان صاحب بیان کرتے تھے کہ لوگوں نے میری عبارت کے الٹے معنے لگائے اور کیا سمجھے اور فرمایا کہ میں منشی احسن اللہ صاحب سے ملوں گا تو کہوں گا کہ میرا یہ مطلب نہ تھا جو آپ سمجھے بلکہ یہ تھا۔ کپتان صاحب اس اپنی تحریر کی نسبت یوں فرماتے ہیں کہ ان کے پاس منشی احسن اللہ صاحب کا ایک اس مضمون کا رقعہ آیا، اتوار کا روز تھا کہ مولوی صاحب آپ سے امور متعلق مناظرہ کے معاملہ میں گفتگو کیا چاہتے ہیں۔ بجواب اس کے کپتان صاحب نے تحریر کیا کہ مجھے اب فرصت نہیں" مولوی صاحب کو چاہئے کہ وہ اور پنڈت صاحب باہم جس معاملہ میں گفتگو کی ضرورت سمجھیں کریں بعدہ میں بھی دیکھ لوں گا، در آں حالیکہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ کپتان صاحب نے یہ جو کچھ فرمایا سچ ہے، تو میرا یہ کہنا کہ شرائط معلوم ان کے سامنے فیصل ہو گئی تھیں اور وہ گواہ فیصلہ ہیں" ہرگز کپتان صاحب کے بیان کے متناقص نہیں" بلکہ ان کی کلام کو میری کلام سے نسبت مساوی ہے۔ میں یہ ہرگز نہیں کہتا کہ کوئی شرط صرف میرے کہنے سے واجب التسلیم گردانی جائے، یا کپتان صاحب فرمادیں تو قابل سند شمار ہو یا کسی اور صاحب کی رائے پر صرف اس کا فیصلہ ہو، بلکہ اصل یہ ہے کہ وہ شرائط جو میں نے بہ کوشش تمام طے کرائیں اور جن پر آپ بہت سی گفتگو کے

بعد راضی ہو گئے، میری رائے میں نہایت مناسب اور ضروری تھیں اور کپتان صاحب اور کرنیل صاحب نے بھی انہیں ایسا ہی خیال فرمایا اور ان کے طے ہونے سے مطمئن ہونے اور اب تک فیصلہ کے گواہ ہیں۔

آپ پھر یوں کیوں لکھتے ہیں کہ ہم نے مانا یہ فیصلہ بھی ہو گیا تھا کہ اے صاحب اگر فیصلہ نہیں ہوا تھا تو ہر گز تسلیم نہ کیجئے، میں تو ایک طرف کپتان صاحب و کرنیل صاحب جو اس کیمپ میں بڑے باوقار ہیں، ان کا تو اعتبار کیجئے۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ اگر اس قسم کی تردید ممنوع ہو تو یوں ہی سہی، آپ انصاف سے لکھئے کہ یہ بات کون سے وید کی رو سے ممنوع ہے الخ بیشک ہمارا یہ مذہبی عقیدہ ہے کہ جو بات مسلم الثبوت و معقول نہ ہو ہر گز واجب التسلیم نہیں ہو سکتی اور یہی وجہ ہے جو تعداد کے معدود ہونے میں اتنا ساعی ہونا پڑا، بے وجہ نہیں کہتا، کیونکہ تعداد کا معدود ہونا نہایت معقول اور ضروری دیکھتا ہوں اور اس کے خلاف ہونے میں بہت نقصان نظر آتا ہے۔ اس امر کی تفصیل ضمیمہ مسلکہ رقعہ ہذا سے بخوبی واضح ہو گی جو ان وجوہ کے تردید میں پیش کرتا ہوں جو آپ نے تعداد کو معدود کرنے کی بابت میں اثبات کے واسطے قائم کی ہیں۔

آپ میرے اس لکھنے کے شاکی ہوتے ہیں کہ مجھے آپ کے لفظ لفظ پر اعتراض ہے۔ مجھے خوف معلوم ہوتا کہ آپ نے شاید اس موقع پر بھی لفظ لفظ کے ایسے معنی لیے ہوں گے جیسے میرے ویدوں کے اعتقاد کی بابت الٹے معنے سمجھ لیے تھے اور مدعا فہمی سے ہاتھ ہی دھو بیٹھے تھے، اس فقرے کے معنے لگاتے وقت یہ بھی خیال رکھئے کہ عبارت میں ایسے ہی موقع ہوا کرتے ہیں جہاں دلالت التزامی یعنی مجاز کے ماننے کی بھی ضرورت ہوا کرتی ہے، یہ تو جملہ مذکورہ کی عبارت سے بخوبی واضح ہے کہ معنے موضوع اثر اور معنے مدلول مین التزام کیسا قوی ہے۔ میں بیشک وہ کل اعتراض جو مجھے آپ کے اس کل تحریر پر تھے یہاں پر ظاہر کر دیتا، مگر چونکہ اس طول تحریر سے مدعائے اصلی فوت ہوتا معلوم

ہوا، لہذا اس سے در گزر کی۔ اب آگے آپ کی یہ تحریر "کہیں کچھ کہہ دیا کہیں کچھ" الخ۔ آدمی کو چاہئے کہ بات کو منہ سے نکالنے سے پہلے سوچ لے اور الفاظ وعبارت کو قلم سے پیچھے نکالے، پہلے ذرا غور بھی کر لے۔ کپتان صاب کے سامنے معاہدے اور اپنے ویدوں کے اعتقاد کی نسبت تو میں مفصل بیان کر چکا اگر وہ بیان نیاز نامہ کو یہاں تک پڑھتے پڑھتے حافظہ سے محو ہو گیا ہو، تو ایک مطالعہ کر لیجئے، آپ فرماتے ہیں کہ کانپور کے اشتہار میں اکیس شاستروں پر ایمان لائے الخ۔ کیا خوب سمجھے تو کیا سمجھے، ذرا پہلے کسی شاستر کے معنے دریافت کیجئے اور پھر اعتراض پر کمر باندھئے، اگر میں آپ سے آپ کے اس بیان کی صحت کا ثبوت طلب کروں تو فرمایئے آپ کیا جواب دیں گے۔ جناب میں نے اس مباحثہ میں وید مقدس کے اکیس مختلف تفاسیر کی صحت تسلیم کی ہے اور اب بھی ان کے صحیح ہونے کا قائل ہوں۔ آریوں میں شاستر صرف چھ ہیں ان سے اور ان تفاسیر سے کچھ بھی نسبت نہیں ہے۔ براہمن اور منتر بھاگ فرمایئے میں نے ان سے کہاں انکار کیا، دعویٰ بے ثبوت کے تو ہم قائل نہیں، آپ ہی اسے کچھ اظہار غنیمت سمجھتے ہوں گے۔

پھر آپ کا قول کہ پہلے زمانہ میں تو آپ تبدیل عقائد پر بھی قادر ہیں، تا التماس احقر پر آپ کو قدرت کیوں نہیں الخ۔ کیا تماشا ہے کہ پہلے تو آپ یوں لکھتے ہیں کہ امر خارجی واقعی کسی کے اختیار میں نہیں، واقعی کو کوئی غیر واقعی نہیں بنا سکتا اور غیر واقعی نہیں کر سکتے اور پھر آپ ہی ہماری طرف سے وکیل بن جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ تبدیل امور خارجہ پر بطور مذکور قادر ہیں۔ اے صاحب اگر ہمارے عقیدہ کی نسبت ہم سے بھی دریافت کر لیتے تو کیا گناہ ہوتا۔ اصل یہ ہے کہ وہ مسائل مذہبی جن پر عقائد مبنی ہیں قائم بالذات ہیں، ہرگز اس میں تبدیلی کو دخل نہیں۔ لیکن یوں دیکھئے کہ جب دو شخص ایک ہی مسئلہ مذہبی کو مطالعہ کرتے ہیں اور دونوں کی لیاقت علمی میں اختلاف ہے، اس وجہ سے ایک

ایک معنے سمجھتا ہے دوسرا دوسرے معنی۔ فی الواقع ان میں سے ہر ایک یہ کبھی نہیں جانتا کہ معنے میں اصلی سے اختلاف پیدا کرتے ہیں، کیونکہ یہ امر اس کی طاقت سے قطعی باہر ہے۔ ہاں دوسرے کی نسبت وہ نقص فہم خیال کرتا ہے، مثلاً فساد قوت باصرہ سے اگر کسی کو اشیاء محیط فاحانت سے خود نظر آنے لگیں تو وہ اس کو اپنی بینائی کا فساد مانتا ہے نہ چیز کا اصل میں ہی چھوٹا ہونا۔ دوسرے یہ کہ میں یہ کبھی نہیں کہتا کہ میں دو سو آدمیوں سے تعداد کے آگے بڑھانے کی طاقت نہیں رکھتا، میں صرف یہ کہتا ہوں کہ جب تک کوئی وجہ معقول نہ ہو میں اس طاقت کا استعمال ہرگز جائز نہیں سمجھتا۔ کپتان صاحب کے مکان پر اس معاملہ میں جو کچھ آپ نے رائے ظاہر کی تھی میں اسے بخوبی سمجھا مگر افسوس کہ اس کے جواب میں جو کچھ میں نے عرض کیا وہ یا تو آپ بالکل بھول گئے، یا اول ہی نہ سمجھے تھے۔ اب ضمیمہ منسلکہ سے میرے سوال کا مشرح اظہار ہو جائے گا، مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ ان کو باوجود معقول ہونے کے بھی تسلیم کریں گے، کیونکہ شرائط معقول کے تسلیم کرنے سے گفتگو مناظرہ کرنی ہی پڑے گی اور پھر آپ کی اس کوشش کا خون ہو جاوے گا جو آپ اس غرض سے کر رہے ہیں کہ کہیں مناظرہ تک نوبت نہ پہنچے۔ صرف بالائی باتوں ہی سے فیصلہ ہو جائے۔ شرائط نہ ماننا ہی ہمارے مباحثہ کا نتیجہ ہو مگر آپ شرطوں کو کیوں مانیں گے۔ یہ تو خوب معلوم ہے کہ تا مقدور آپ گفتگو نہ کریں گے، بعد اس کے آپ کا یہ فرمانا اگر بالفرض میں معاہدہ سے انحراف کرتا ہوں تو آپ بروئے انصاف مناظرہ سے انکار کرتے ہیں۔ اب میری نسبت جو آپ فرماتے ہیں اس کی بابت اول تو یہ کہ مناظرہ سے کب انکار کرتا ہوں، ہاں مناظرہ سے پہلے شرائط مناسب کا طے ہو جانا کہ جن سے درستی انتظام ملحوظ ہے، بلاشک چاہتا ہوں۔ آپ یہ جو فرماتے ہیں کہ معاہدہ اس کو کہتے ہیں جس میں طرفین کے نفع و نقصان کا احتمال نہ ہو، یہاں کس کا نفع اور کس کا نقصان ہے۔ تو یوں کہیے کہ شرائط مناظرہ سے متعلق معاہدہ ہو ہی نہیں سکتا

کیونکہ جو معاہدہ معلوم کے وجود کا قائل ہوں تو آپ دریافت کریں گے کہ اس کا موضوع الیہ ضروری کیا ہے اور مجھے بجواب اس کے التماس ہوتا ہے اپنا موضوع الیہ ضروری رکھنا ہے بلا موضوع الیہ کے وجود بمعاہدہ لازم نہ آئے گا۔ آپ کو درحالیکہ معاہدہ کرنا پڑے گا کہ اس معاملہ کا موضوع الیہ خوش انتظامی ہے، جس کی تکمیل اور غیر تکمیل کو نقصان کہیں گے۔ بعد عہود سلاطین و بیع و شراء کے باہم کسی بات پر راضی ہو جانے پر عہود کا خاتمہ نہیں ہو سکتا، عہود اور بھی ہوتے ہیں اور انحراف ان سے بھی اچھا نہیں۔ اگر آپ کے نزدیک سوائے ان دو عہود مذکورہ کے اوروں سے انحراف بھی روا ہے تو خیر ''چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی'' آپ ذرا انصاف کیجئے ہٹ دھرمی کو چھوڑیئے اور شرائط معقول کو معقول ہی کیجئے اور اگر بحث نہیں کرتے تو در پردہ کہتے ہو صاف فرما دیجئے، پھر زیادہ اس معاملہ میں تکرار نہ کی جاوے گی۔ گو ہمارا وقت بے سود ضائع کیا اور آپ کے معتقدوں کی لن ترانیاں نہ بنیں تو کہئے، آپ کی شرط معلوم پر راضی نہ ہونے کے لیے ایشور کی گواہی کی (بطور قسم) تو اس وقت ضرورت ہو سکتی ہے جب کپتان اسٹوارٹ و کرنیل مانسل آپ کی طرح منحرف ہو جائیں، ابھی گواہ موجود ہیں یوں ہی فیصلہ ہو جانا ممکن ہے۔ ویدوں کے ترجموں کی نسبت میری تحقیقات نئی نہیں ہے، نیست و نابود کا لفظ اس وقت صادقاً کہا ہے، جب پہلے وجود کا ثبوت ہو لے، مثلاً قرآن کا ترجمہ اب تک زبان سنسکرت میں نہیں ہوا ہے، اس حالت میں آپ یوں نہیں کہہ سکتے کہ کس نے قرآن کے اس ترجمہ کو صفحہ ہستی سے غارت کر دیا۔ اکبر و دارا شکوہ کے وقت میں کہیں وید کا ترجمہ نہیں ہوا، صرف دارا شکوہ نے آپ نشیدوں کا ترجمہ فارسی میں کیا اور اس کا نام سر اکبر رکھا، مگر اس بیان میں آپ کا کیا قصور۔ آپ کو یہ تو خبر نہیں کہ وید کسے کہتے ہیں اور اُپ نشد کس کا نام

ـ آگے ضمیمہ ہے جس میں ان وجوہ کی تردید ہے جن کے لحاظ سے اجازت عام کا ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مگر بہ لحاظ بدخط ہونے کے باوجود سخت کوشش کے وہ نہیں پڑھا جاتا۔ بنا بریں ترک کر دیا گیا۔ (مولف جیون چرتر سوامی دیانند) صفحہ ۲۴۸

ہے، اُپ نشد ویدانت یعنی علم الحیات کس کی تصنیف سے ہیں، اور وید سے کیا علاقہ رکھتے ہیں۔ اور وید سے کس کا کلام مراد ہے اے صاحب ہم صرف وید ہی کو کلام الٰہی مانتے ہیں۔ اب خاتمہ پر ملتمس ہوں کہ انصاف فرما کر شرائط طے شدہ سے منحرف نہ ہو جایئے اور اپنی رائے سے آج ہی قطع فرمایئے اور اگر آج فرصت نہ ملے تو کل علی الصباح تک ضرور اطلاع دیجئے تاکہ کل بندوبست مناظرہ کا کیا جائے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے لیکن اس حالت اختلاف میں اپنی رائے سے مطلع فرمایئے۔ ۵/اگست ۱۸۷۸ء

سوامی جی جو اسلام پر اعتراضات کرتے تھے وہ زیادہ تر اپنی عام تقریروں اور عوامی جلسوں میں کرتے تھے اس لیے قدرتی طور پر مسلمانوں کی دلی خواہش تھی کہ ان کے اعتراضات کے جوابات عوامی جلسوں میں اور اگر ہو سکے تو سوامی کی موجودگی میں روبرو دیئے جائیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے اور بعد میں سوامی جی اور ان کے چیلوں کو ان اعتراضات کے دہرانے یا کم سے کم ان پر نازاں رہنے کا موقع نہ رہے، مگر سوامی جی جو حضرت مولانا کی حاضر جوابی اور تیز ذہن کا خوب مشاہدہ کر چکے تھے یہ خطرہ مول لینے کے لیے کسی صورت تیار نہ ہوئے، کبھی کوئی عذر ہوتا، کبھی کوئی اور آخر میں اس پر فیصلہ ہوا کہ خود سوامی جی کے مکان پر جو چھوٹا سا تھا اور جس میں حضرت مولانا محمد قاسم کی تصریح کے مطابق گھر کے سامان کے علاوہ صرف دس بارہ آدمیوں کی گنجائش تھی، آپس میں گفتگو ہو جائے چونکہ مسلمان جانتے تھے کہ سوامی جی مباحثے سے جان چھڑانے کے لیے ایک بڑے حیلہ کے طور پر اپنے مکان کی شرط لگا رہے ہیں مگر مجبور اس پر تیار ہو گئے اور اس شرط پر سوامی کے اصرار سے عاجز آکر مسلمانوں کے مقامی نمائندوں نے انگریز افسران کو درخواست دی کہ ہم چھاؤنی میں سوامی دیانند کی قیام گاہ پر سوامی جی کے اعتراضات کے جوابات دینا چاہتے ہیں ہمیں وہاں آکر مباحثہ اور جلسہ عام کرنے کی اجازت دی جائے کیونکہ چھاؤنی میں بغیر فوجی افسران کی اجازت کے عوامی

جلسہ یا پروگرام نہیں ہو سکتا اس لیے یہ کوشش کی گئی تھی مگر افسران شروع سے درپردہ سوامی جی کے ہم نوا تھے اور خود سوامی جی نے بھی مجمع ہونے کی صورت میں فتنہ وفساد کا شور مچا رکھا تھا۔ اور سوامی جی کے ہم نوا پوری کوشش کر رہے تھے کہ مباحثہ و گفتگو نہ ہو، اس لیے افسران تیار نہیں ہوئے اور رڑکی چھاؤنی کی حدود میں جلسہ کی اجازت سے صاف انکار کر دیا۔ سوامی دیانند کے سوانح نگار نے مباحثہ کے لیے مسلمانوں کی درخواست اور افسران کے جوابات اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں، دونوں کا مطالعہ مفید ہوگا اور مباحثہ نہ ہونے میں کیا کیا محرکات شامل تھے، اس کے درون پردہ کا بھی کچھ انکشاف ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کی درخواست کے الفاظ یہ ہیں:

جناب عالی

گزارش حال یہ ہے کہ ہم لوگوں سے کہہ کہہ کر پنڈت دیانند سرسوتی صاحب نے جو جناب مولوی محمد قاسم کو واسطے مباحثہ کے بلوایا ہے تو ہم لوگوں نے جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر سے واسطے مباحثہ کے ایک میدان وسیع کی درخواست کی تھی جس پر صاحب مجسٹریٹ بہادر نے یہ حکم دیا کہ ہم مباحثہ کی، نہ رڑکی میں، نہ سول اسٹیشن میں، نہ چھاونی میں کہیں اجازت نہیں دیتے۔

اب چونکہ پنڈت دیانند سرسوتی صاحب بار بار یہ اصرار کرتے ہیں کہ میرے مکان پر آکر مباحثہ کرو اور وہ جگہ حضور کے علاقے میں ہے، لہذا خدمت عالی میں ملتمس ہیں کہ حضور ہم لوگوں کو پنڈت صاحب کے مکان پر عام طور سے جانے کی اجازت فرمادیں۔ تاکہ مولوی صاحب مجبوراً انہیں کے مکان پر جاکر مباحثہ کریں، واجب جان کر عرض کیا ہے۔

عرض

محمد لطیف اللہ خاں، ظہیر الدین، احمد بیگ، صفدر علی، ضامن علی وغیرہ و جمیع مسلمانان رڑکی۔ مورخہ ۱۷ اگست ۱۸۷۸ء

اس کے جواب میں کرنل مانسل نے لکھا ہے:

ہمارے علاقہ سے اس مباحثہ کو کسی طرح کا تعلق نہیں ہے۔ اگر تم کو مباحثہ کرنا ہے تو کہیں اور کرو۔

رڑکی یا چھاونی میں ہم اس کا قطعی حکم نہیں دیتے۔ ہمارے اور مجسٹریٹ صاحب کے علاقہ سے کچھ فاصلہ سے اگر تم کو کرنا منظور ہے تو جاکر کرو، مگر احتیاط سے کرو، جس میں فساد نہ ہو، اور ہمارا اور مجسٹریٹ صاحب کا علاقہ کچھ دور تک نہیں ہے اور ہم اس مباحثہ کو منع نہیں کر سکتے۔

کرنیل مانسل صاحب (دستخط انگریزی)

۱۷/اگست ۱۸۷۸ء

حضرت مولانا کا پانچواں گرامی نامہ

مگر حضرت مولانا اس پر بھی مایوس نہیں ہوئے اور یہ ارادہ فرمایا کہ ایسی جگہ مباحثہ ہو جائے کہ افسران کے فیصلہ کی خلاف ورزی بھی نہ ہو اور مقصد حاصل ہو جائے، اس کے لیے رڑکی کی عید گاہ سب سے موزوں جگہ سمجھی گئی اور اب اس کے لیے کوشش ہوئی کہ سوامی جی وہاں آجائیں اور یہ کام پورا ہو۔ حضرت مولانا نے سوامی جی کو ۱۷/اگست کے خط میں لکھا ہے۔

"آپ کے مکان اور رڑکی میں تو یہ مباحثہ ہو ہی نہیں سکتا البتہ خارج از علاقہ چھاونی ورڑکی ممکن ہے چنانچہ کرنل صاحب کے حکم سے صاف عیاں ہے سو ہمارے نزدیک تو میدان عید گاہ سب سے بہتر ہے اگر آپ فرمائیں تو وہاں ہی سب سامان کیا جاوے ہم سب کام کرلیں گے آپ کو فقط تشریف آوری ہی کی تکلیف ہوگی۔"

مگر حضرت مولانا کی ہزار کوششوں آرام وراحت کے جملہ انتظامات کے اہتمام اور سوامی جی سے مناظرہ میں آنے کی بار بار استدعا کے باوجود سوامی جی کی

رائے نہ ہوئی اس موقع پر حضرت مولانا نے جو خط لکھا تھا اس کا ایک اقتباس ابھی گزرا ہے مفصل خط سطور ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

پیشوائے دین ہنود سوامی دیانند سرسوتی صاحب خدا تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سب کو ہدایت فرمائے۔

صبح ایک نیاز نامہ آپ کی خدمت میں ارسال کر چکا ہوں۔ اس کے ملاحظہ سے کیفیت کلی معلوم ہو گئی ہو گی۔ اور یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہم بہ مجبوری جس طرح آپ فرمائیں آپ ہی کے مکان پر حاضر ہونے کو تیار ہیں مگر بہ نظر دور اندیشی جیسا کل مجسٹریٹ صاحب کی خدمت مین ایک عرضی بغرض حصول اجازت دی تھی آج کرنیل صاحب کی خدمت میں ایک عرضی گزارنی مگر آپ نے جو اندیشہ فساد کا غل مچایا تو نہ انہوں نے اجازت دی نہ اُنہوں نے۔ دونوں نے قطعی ممانعت فرمائی کل کا قصہ سنا ہو گا۔ آج کی کیفیت نقل عرضی اور نقل حکم سے جو اس نیاز نامہ کے ساتھ ملفوف ہے۔ معلوم ہو گی۔ لہذا گزارش ہے کہ آپ کے مکان پر اور رڑکی میں تو یہ مباحثہ ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ خارج از علاقہ چھاونی ورڑکی ممکن ہے چنانچہ کرنیل صاحب کے حکم سے عیاں ہے سو ہمارے نزدیک تو میدان عید گاہ سب سے بہتر ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو وہاں ہی سب سامان کیا جاوے ہم سب کام کر لیں گے۔ آپ کو فقط تشریف آوری ہی کی تکلیف ہو گی۔ اور انشاء اللہ تا مقدور آپ کی دلجوئی میں قصور نہ ہو گا۔ اور آپ بالیقین سمجھئے کہ آپ کے اور آپ کے ہمراہیوں کی مدارات اور تواضع میں اور تعظیم و توقیر میں کچھ پہلو تہی نہ ہو گی ہمارا یہ شیوہ نہیں کہ کسی کی توہین کا ارادہ کریں بلکہ کسی قسم کا صاحب کمال ہو ہم اس کی مدارات اپنے ذمہ ضروری سمجھتے ہیں۔ آپ انشاء اللہ اس سے زیادہ خوش رہیں گے۔ جتنا اپنے مکان پر خوش رہتے۔ آپ بے تکلفانہ عزم مصمم فرمائیں اور بہت جلد ہم نیاز مندان کو اپنے منشا سے مطلع فرمائیں تاکہ ابھی سے میدان عید گاہ میں یا جہاں آپ فرمائیں سامان

معلومہ روانہ کریں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ جواب باصواب کا منتظر ہوں۔ اور کسی طرح آپ کو کسی اور مکان پر قدم رنجہ فرمائی منظور ہی نہیں تو اپنے مکان پر مباحثہ کی اجازت حاصل کر کے ہم کو اطلاع دیں۔ فقط

العبد

محمد قاسم ۱۷/ اگست ۱۸۷۸ء

مگر حضرت مولانا کی یہ کوشش بھی بیکار گئی، سوامی جی نے حضرت مولانا کے اس سوال کا تو کوئی جواب نہیں دیا کہ عید گاہ پر مناظرہ کے لیے کیا رائے ہوئی، لیکن سوامی جی کے ساتھیوں نے چھاونی کے افسران کو ایک درخواست اور دے دی، جس میں اپنے اس حکم کو واپس لینے کی گزارش کی گئی تھی جو مسلمانوں کے نمائندوں کی درخواست کے جواب میں دیا گیا تھا اور مکرر درخواست کے ذریعہ خواہش ظاہر کی تھی کہ سوامی جی کی قیام گاہ پر مباحثہ کی اجازت دے دی جائے۔ مگر افسران نے اس دوسری درخواست کو بھی رد کر دیا۔ یہ درخواست اور اس کا جواب لکشمن نے سوامی جی کے جیون چرتر میں نقل کیا ہے، جو یہ تھا: پہلے انگریزی کی درخواست اور اس کا ترجمہ ہے بعد میں کرنل کا انگریزی میں جواب ہے اور اس کا ترجمہ ہے:

To Captain W. Stuart, R.E. Rurkee.

Sir,- We beg leave to state that some Mohamedans of the station applled to Cantonment Magistrato for perunission for a religious discussion between Maulvi Muhammad Qasim and Swami Dayanand, the Magistrate said in reply that be could not sanction such a meeting to be held in the Civil or Cantonment Station. A similar reply was received by the Muhomedans on their application to Colonel Maunsell. The Mahomedans in this case propose to us

the holding of the assemblage in jungle out of the station where all could attend, but we believe that it would be inconvenient, and request the favor of oeing allowed to hold a meeting in the place where swamiji presently stops.

We beg to remaro.
SIR,
Yours obediently,
17th August 1878. Umrao Singh

ترجمہ:- بخدمت جناب کپتان اسٹوارٹ صاحب مقام رڑکی۔

گزارش ہے کہ کچھ مسلمانوں نے بخدمت جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر چھاؤنی بغرض حصول اجازت مباحثہ مابین سوامی دیانند سرسوتی اور مولوی محمد قاسم درخواست دی تھی جس پر انہوں نے حکم صادر فرمایا کہ میں ایسا مباحثہ سول یا چھاؤنی سٹیشن پر ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ جس میں مسلمانوں نے جنگل میں سٹیشن سے باہر مباحثہ کرنے کے لیے کہا۔ جس کو ہم لوگ پسند نہیں کرتے آپ سے درخواست ہے کہ اُسی مکان پر مباحثہ کی اجازت مل جاوے جہاں کہ سوامی جی اس وقت رہتے ہیں۔

عرضے

امراؤ سنگھ وللتا پرشاد وغیرہ ممبران آریہ سماج

۱۷/اگست ۱۸۷۸ء

کپتان صاحب نے حسب ذیل جواب دیا۔

To Pandit Umrao Singh and Friends

Colonel Maunsell has already said that he had no objection to a few poople meeting and discussing their affairs in a quite arderly way like Philosophers.

I think, therefore, that all concerned, both Mohammadans and Aryans, should adopt his suggestion, and meet as they do at present at the Swami's residence.

I wonld willingly give my own house, but it would not admit of more than twentyfour people attending.

(Sd.) W.Stuart

Dated 17th August 1887.

ترجمہ:۔ بنام پنڈت امراؤ سنگھ اور اُن کے دوستوں کے۔

کرنیل مانسل نے کہا ہے کہ تھوڑے آدمیوں کے اجلاس کو جو کہ فلاسفوں کے طریقہ پر اپنا کام کرنا چاہیں۔ کوئی رکاوٹ نہیں ہے اس لیے میرے خیال میں مسلمان اور ارین بالفعل اسی مکان پر اپنا مباحثہ کریں۔ جہاں پر سوامی جی رہتے ہیں۔ میں اپنا مکان بھی دینے کو تیار تھا مگر اس میں چوبیس آدمیوں سے زیادہ نہیں آسکتے۔

استوارٹ

۱۷/اگست ۱۸۷۸ء

سوامی دیانند کا پانچواں خط:

ادھر یہ کارروائی ہو رہی تھی اور ادھر سوامی جی کے خطوط میں نئی شرطیں بڑھائی جا رہی تھیں اور مباحثہ کی روداد اسی وقت حرف بہ حرف قلم بند کئے جانے کا اصرار ہو رہا تھا اور اس سلسلہ میں سوامی جی کے دو خط ایک ساتھ آئے جو مندرجہ ذیل ہیں:

خط نمبر۵:...... ہزاروں ہزار شکر پرمیشر کا ہے کہ آخر آپ شرائط متعلقہ مباحثہ پر راضی تو ہوئے لیکن تو بھی اس موقعہ پر مجھے اس امر کا افسوس ہے کہ آپ اس عنایت نامہ میں نہیں فرماتے۔ کہ ہم تحریر گفتگو مباحثہ میں مددگار ہوں گے۔ آپ بخلاف اس کے یوں کہتے ہیں کہ تم کو اختیار ہے تم سے لکھا جائے تو لکھ

لینا۔ ہم اپنی تقریر کو جب ختم کریں گے جب ہی بیٹھیں گے اس سے تو یوں پایا جاتا ہے کہ آپ ہمارے اس ارادہ کے خلاف کوشش کریں گے اگر کوئی شخص تقریر باہستگی کرے تو اس کا کہنا کچھ مشکل نہیں۔ لیکن اگر کوئی اِس اِرادہ سے بولے کہ دوسرا میرا بیان نہ لکھ سکے تو واقعی دوسرا نہیں لکھ سکتا۔ بشرط تحریر مباحثہ اس قدر ضروری ہے کہ میں آپ کے بلا اس کے منظور کرنے کے مناظرہ پر ہرگز راضی نہیں مفصل یہ کہ ایک طرف سے سوال ہو تا وقتیکہ وہ تحریر نہ ہو جاوے طرف ثانی جواب نہ دے اور جب تک یہ جواب نہ لکھا جاوے دوسرا سوال نہ ہو۔ بولنا ایسا آہستگی سے چاہیے کہ تحریر میں دقت نہ آئے۔ تعداد وقت سوال و جواب کے واسطے کل شروع مناظرہ سے پہلے تجویز ہو جاوے گی۔ ان امور میں اگر آپ اتفاق کریں تو ابھی مطلع فرمایئے معرفت حامل ہذا۔

دیانند سرتی

۱۷/اگست ۱۸۷۸ء

سوامی جی کا چھٹا خط:

اس کے ساتھ ہی حضرت مولانا کو سوامی دیانند کا ایک مختصر خط اور ملا تھا جس میں سوامی جی نے اپنی پچھلی شرطوں پر اصرار کیا تھا اور پوری گفتگو کو حرف بہ حرف لکھے جانے کا تقاضا تھا، خط ملاحظہ ہو:

خط نمبر ۶:...... آپ کے اس عنایت نامہ کے جواب میں پھر دو چار باتیں عرض کرتا ہوں تاکہ پھر آپ کو ایک دفعہ سوچنے اور انصاف کرنے کا موقعہ ملے کوئی اہل عقل و انصاف پسند اس بندوبست کی خوبی سے انکار نہیں کر سکتا کہ مناظرہ کے وقت ایک محرر میری طرف سے تجویز ہو جاوے اور ایک آپ کی طرف سے وہ دونو جو گفتگو ہو تحریر کرتے جائیں بعدہٗ دونوں تحریروں کو مطابق کر کے میرے آپ کے دستخط ہو جائیں۔ تاکہ بعد مباحثہ ہر دو طرف کے جواب و صواب میں شک نہ ہو اگر آپ اس شرط مناسب کو تسلیم نہیں کرتے۔ تو آپ

جانیں اس سے تو آپ کا صرف بحث نہ کرنے کا ارادہ معلوم ہوتا ہے میں کسی امر ضروری سے ہرگز انحراف اختیار نہیں کر سکتا اس وقت آپ کا دوسرا رقعہ آیا۔ میرے احباب نے کپتان صاحب کو تحریر کیا ہے جس وقت نتیجہ برآمد ہوگا۔ آپ کو مطلع کروں گا۔

۱۷ / اگست ۱۸۷۸ء

حضرت مولانا کا چھٹا گرامی نامہ:

حضرت مولانا کا فرمانا یہ تھا کہ جب مباحثہ زبانی ہونا ہے تو اس کے لفظ بہ لفظ لکھنے یا نہ لکھنے سے اصل معاملہ اور مباحثہ پر کچھ اثر نہیں ہوگا اور اس صورت میں جب سوامی جی نے ہزاروں کوششوں کے بعد بحث کے لیے صرف تین گھنٹے کا وقت دیا ہے (شام کے چھ بجے سے نو بجے تک) اگر اس میں ایک ایک حرف کے لکھنے کا اہتمام ہوگا تو اکثر وقت اسی میں نکل جائے گا، جو باتیں لائق مباحثہ ہیں وہ رہ جائیں گی، مگر سوامی جی کو اس سے اتفاق نہ ہوا۔ کیونکہ سوامی جی شروع سے جن منصوبہ پر عمل کر رہے تھے اور مباحثہ سے جان بچانے کے لیے جو حیلہ بہانہ کر رہے تھے، مولانا کی بات مان لینے سے وہ ساری منصوبہ بندی ختم ہو جاتی، اس لیے حضرت مولانا نے اس کے جواب میں صاف لکھوادیا (کہ کمزوری اور بیماری کی وجہ سے) جلدی بولنے کی طاقت نہیں، اس لیے یہ شرط غلط ہے اور یہ کہنا کہ:

> "تاوقتیکہ یہ شرائط تسلیم نہ کی جائیں، مناظرہ کو بہتر نہیں سمجھتا، درپردہ انکار ہے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ آپ صاف انکار کریں اور اوقات کسی کے ضائع نہ کریں"۔

پیشوائے دین ہنود پنڈت دیانند سرستی صاحب اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سب کو راہ حق دکھائے۔

[1] حضرت مولانا کا یہ خط سوامی جی کے جیون چرتر میں دو جگہ درج ہو گیا ہے (صفحہ ۵۳۵) پر اور یہاں صفحہ ۵۵۰ پر۔ یہی دوسری جگہ اس کا صحیح موقع اور شمار ہے۔ یہ حضرت مولانا کا چھٹا خط ہے اور اس کی تاریخ تحریر بھی بہ ظاہر یہی صحیح ہے جو یہاں لکھی ہے۔ (نور)

اس وقت نیاز نامہ صبح کا جواب پہنچا۔ جی تو یوں چاہتا تھا کہ جب مراسلہ ثانی کا بھی جواب آلیتا تب سے جواب لکھتا۔ مگر نامہ بر جلدی کرتا ہے۔ اس لیے یہ گزارش ہے کہ آپ کی اور میری ملاقات پہلی نہیں۔ سال گزشتہ میں میرا انداز تقریر آپ دیکھ چکے ہیں اُس کے تغیر میں طبیعت کی روانگی نہ رہے گی اور اس سے زیادہ جلدی کی طاقت نہیں۔ اس صورت میں آپ سے ہو سکے تو لکھ بھیجئے گا اور نہ ہو سکے تو آپ جانئے۔ مگر یہ عذر کہ میں تاوقتیکہ یہ شرائط تسلیم نہ کی جائیں۔ مناظرہ کو بہتر نہیں سمجھتا در پردہ وہ انکار ہے اس سے بہتر یہ ہے کہ آپ صاف ہی انکار کریں۔ اور اوقات کسی کے ضائع نہ کریں ہزاروں مباحثے ہوئے کسی نے یہ شرط نہ کی تھی آپ کو یہ شرط سوجھی وجہ اُس کی بجز اُس کے اور کچھ نہیں کہ آپ کو بچاؤ مد نظر ہے زیادہ بجز انتظار نیاز نامہ سابق اور کیا عرض کروں۔[1]

العبد محمد قاسم

۱۷/اگست ۱۸۷۸ء

اس موضوع پر دونوں طرف سے خطوط کا تبادلہ ہوا، مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات! سوامی جی کو مناظرہ کرنا نہ پہلے منظور تھا، نہ اب اس کے لیے تیار ہوئے، حالانکہ سوامی جی نے ۱۷/اگست کو ملتان کی آریہ سماج کے سکریٹری کو جو خط لکھا تھا اس میں ہے کہ:

"مولوی محمد قاسم بھی ہم سے مباحثہ کرنے کے لیے آیا ہے اور ۱۸/ تاریخ مقرر ہے سو ابھی کچھ (مباحثہ ہونے کی) امید ٹھیک ٹھیک نہیں ہے، جب کچھ ہوگا اطلاع دی جاوے گی"۔[2]

اس خط سے بھی سوامی جی کی ہوشیاری جھلک رہی ہے، یعنی اگر ۱۸/اگست مناظرہ کے لیے مقرر ہو گئی ہے، مگر ابھی کچھ ٹھیک ٹھیک نہیں ہے۔ گویا ہمارا

---

[1] جیون چرتر، صفحہ: ۵۵۱

[2] جیون چرتر، صفحہ: ۵۵۳

ارادہ نہیں ہے، جب وقت آئے گا ٹال دیں گے، حیلہ بہانہ کر دیں گے، اگر ارادہ نہیں تھا تو تاریخ مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

۱۸ر اگست کو حضرت مولانا کو سوامی جی کا ایک اور خط ملا جس میں لکھا تھا کہ:

"میں افسوس کرتا ہوں کہ عید گاہ کے قریب مجمع ہرگز مناسب معلوم نہیں ہوتا" ؎

بظاہر یہ خط بھی اسی تدبیر کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی طرح مباحثہ اور گفتگو کی بات ٹل جائے، تاہم سوامی جی کا یہ خط بھی جوں کا توں درج کیا جاتا ہے:

پیشوائے دین اسلام مولوی صاحب۔ پرمیشر آپ کو ہمیں اور کل کو ہدایت بخشے۔

میں افسوس کرتا ہوں کہ عید گاہ کے قریب مجمع ہرگز مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ وہاں انتظام کامل کے بدون تعداد معینہ کی صورت نظر نہیں آتی۔ اور آپ بھی سوائے اپنے اوروں کی طرف سے کسی بے ضابطہ کارروائی کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا میرا مکان یا کپتان صاحب وغیرہ کا مکان ہی مناسب معلوم ہوتا ہے کپتان صاحب کی خدمت میں کل ہم نے اس عرضی کے پیش کرنے کا ذکر کیا تھا۔ اُس کا جواب آگیا نقل ہر دو ارسال خدمت ہیں۔ ملاحظہ فرما کر فیصلہ کیجئے۔

(دیانند سرستی)

۱۸ر اگست ۱۸۷۸ء

حضرت مولانا کا ساتواں خط:

حضرت مولانا نے سوامی جی کی ضد اور بے جا اصرار پر یہ بھی تسلیم کر لیا تھا کہ سوامی جی کی قیام گاہ پر گفتگو ہو جائے اور وقت بھی وہی رہے جو سوامی جی چاہتے ہیں مگر اب مجبوری یہ ہے کہ چھاونی کے افسران نے اس کی سختی سے ممانعت کر دی کہ اب یہاں کوئی جلسہ اور بحث و مباحثہ نہ ہو اس لیے پہلے افسران سے

اجازت لیجئے ہم وہیں آئیں گے اور تمام شرائط پوری کریں گے مگر پتہ نہیں کیا وجہ ہے سوامی دیانند کے سوانح نگار لکشمن نے یہ خط بھی پورا نقل نہیں کیا اس کی صرف سطریں پیش نظر مآخذ سوامی جی کا جیون چرتر میں درج ہیں یہ سطور نقل کرنے سے پہلے اس کتاب کے مصنف نے لکھا ہے:

"مولوی (مولانا محمد قاسم) صاحب اس (خط) میں بعد چند شکایات کے لکھتے ہیں"۔

اور اس گرامی نامہ کی صرف یہ سطریں نقل کی ہیں جو یہاں پیش کی جارہی ہیں۔

مولوی صاحب کا خط نمبر ۷:...... مولوی صاحب اس میں بعد چند شکایات کے لکھتے ہیں:

"ہم دو حکم سنا چکے ہیں۔ آپ ایک کرنیل صاحب ہی کی اجازت حاصل کر کے اطمینان فرمائیں مجمع عام نہ سہی ہم تھوڑے ہی آدمیوں سے حاضر ہوں گے۔ کل بھی لکھا آج بھی لکھتا ہوں"۔

العبد

محمد قاسم ۱۸/اگست ۱۸۷۸ء

حضرت مولانا کا آٹھواں اور جیون چرتر کے مولف کے بقول اس مراسلت کا آخری خط:

مگر سوامی جی اور ان کے ہم نوا بھی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوئے اور اس کی اطلاع حضرت مولانا تک پہنچائی تو حضرت مولانا نے سوامی جی کو ایک خط اور لکھا، یہ خط سوامی کے سوانح نگار کے بقول اس مراسلت کا آخری خط ہے، مگر خط کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس کا ابتدائی مضمون اور کلمات جیون چرتر سوامی دیانند کے مرتب نے یہاں نقل نہیں کیے تاہم گرامی نامہ کا نا تمام حصہ درج ذیل ہے:

یہ حکم کپتان صاحب کا ہے، کپتان صاحب کو اُس سے کیا علاقہ جو ان کو تکلیف

دے۔ اس بات کا اختیار کرنیل صاحب کو ہے کپتان صاحب کا ارشاد بجا، پر اُن کی اُس تحریر میں اگر اس اول بات کی طرف اشارہ ہے تو بعد صدور حکم صریح اب وہ قابل التفات نہیں۔ بعد صدور حکم جنٹ صاحب اور کرنیل صاحب ہم کو سر دست اندیشہ وار دگیر تو ہے بعد تحقیقات بھی یہ معنی نکلیں گے۔

آپ کا بنگلہ کپتان صاحب کی کوٹھی سے بڑا نہیں، اثاث البیت کے سوا اگر اس میں چوبیس پچیس کی گنجائش ہے، تو آپ کے بنگلہ میں سوائے محل اثاث البیت شائد بارہ ہی آدمی سمائیں، اس میں بعد منہائی صاحبان سول و چھاونی ہمارے حصہ پر شائد پانچ بچار ہی آئیں تو آئیں اگر ٹھوس ٹھاس کر سو پچاس کو بھر ہی دیجئے تو باقی دو سو کیا آپ کے چھپر پر بیٹھیں گے؟

ہر اک جملہ اگر لکھا جائے تو پھر مباحثہ تقریری و تحریری میں کیا فرق رہے گا؟ اس سے بہتر یہ ہے کہ مباحثہ تحریری ہی ہو جائے، چھ بجے سے نو بجے تک کل مباحثہ کا وقت ٹھہرا، اس میں تحریر کی بکھیڑ لگا دی جائے تو یہ معنی ہوئے کہ جاؤ اپنا کام کرو"۔

المختصر

۱۸ ر اگست ۱۸۷۸ء (مولوی محمد قاسم)

اگرچہ جیون چرتر سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کا مذکورہ خط اس مراسلت کا آخری خط تھا مگر قرائن سے یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

حضرت مولانا کا رڑکی سفر صرف سوامی جی کے چیلنج اور مولانا سے مناظرہ پر اصرار کی وجہ سے ہوا تھا اور حضرت مولانا اپنے پہلے اشتہار میں اعلان فرما چکے تھے کہ:

آں نہ من باشم کہ روز جنگ بنی پشت من

اس لیے اس کا تو کچھ بھی امکان نہیں تھا کہ حضرت مولانا ارادۂ بحث ملتوی فرما دیتے لیکن سوامی جی شروع سے اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ یہ مصیبت

ٹل جائے، مگر ان کی یہ کوشش کسی طرح کامیاب نہ ہوئی، آخر میں انہی کو میدان چھوڑ کر جانا پڑا، بہر صورت یہ واضح ہے کہ سوامی جی کے مذکورہ خط کے بعد بھی حضرت مولانا نے سوامی جی کو ایک خط اور لکھا تھا اس کا حضرت مولانا نے قبلہ نما کی تمہید میں یوں ذکر فرمایا ہے:

اس پر ہم نے میدان عید گاہ وغیرہ میں پنڈت جی سے التماس قدم رنجہ فرمائی کیا، تو پنڈت جی کو اپنے دن نظر آئے اور سوائے انکار اور کچھ نظر نہ آیا لاچار ہو کر ہم نے یہ چاہا کہ اپنے اعتراض ہی بھیج دو تاکہ ہم ہی مجمع عام میں ان کے جواب سنادیں اور مرضی ہو تو آؤ مناظرہ تحریری ہی سہی، مگر جواب تو در کنار، پنڈت جی نے اپنی راہ لی، شکرم پر بیٹھ وہ جا یہ جا۔

جواب در کنار، کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ سوامی جی نے حضرت مولانا کے آخری خط یا خطوط کا کچھ جواب نہیں دیا، اور رڑکی سے خاموشی سے نکل گئے اور سب نے دیکھ لیا کہ وہ بلند بانگ دعویٰ جس میں حضرت مولانا کے مد مقابل ہونے کی آرزو اور مولانا کو مناظرہ میں نیچے دکھانے کا خیال جھلک رہا تھا یہ کیسا بے بنیاد ثابت ہوا، اور صورت حال سے واقف اصحاب زبان حال سے کہتے ہوں گے:

فسوف تری اذا نکشف الغبار
اتحت رجلك فرس او حمار

(والحمدلله اولا و آخرا، و صلی الله علی خیر خلقه محمد)

حضرت مولانا محمد قاسم کے آنے کی وجہ سے سوامی دیانند کا رڑکی سے فرار

مولانا ذوالفقار علی دیوبندی کی گواہی اور تاثرات

سوامی دیانند کے بڑے بڑے دعوؤں اور اعلانات اور رڑکی میں مناظرہ کے چیلنج کا اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے رڑکی پہنچ کر جوابات دینے اور سوامی جی مناظرہ کے لیے بلانے اور سوامی جی کے شرمندہ وناکام ہو کر رڑکی سے خاموشی سے چلے جانے کا حضرت مولانا کے ایک بزرگ رفیق اور عربی کے نامور ادیب اور عالم مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی نے مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) دیوبند کے حالات پر اپنی تالیف الہدیۃ السنیہ میں خوبصورت الفاظ میں ذکر کیا ہے اور اپنے وہ اشعار بھی لکھے ہیں جو مولانا ذوالفقار علی نے اس موقع پر کہے تھے، ملاحظہ ہوں۔

ولما اتی دیانند حبرا الهنود وصنديد هم مدعياً حقيقة معتقداته، بإباطيله ومن خرفاته، معترضاً على الاسلام لجز عبيلاته وترهاته قائلاً تعال ونزال ومنادياً باعلىٰ صوته هل من مبارزٍ وطالباً للمناظرة بل المجادلة من كل غائب وبارز، نهض مولانا (محمد قاسم) ذباً عن حوزة القويم، معرّة شبهات اللئيم، وغلّق عليه سدد الخلاص، ففكر وقدر وأفلَتَ وله حصاص، فقلت في ذالك:

اور جب دیانند سرستی آریہ مذہب کا بانی اور عالم اپنے مذہب اور عقائد کی حقانیت کا باوجود اپنے باطل اور فضول سے خیالات کے مدعی بن کر آیا۔ اور اسلام پر اپنے باطل اور لچر خیالات سے اعتراض کرنے لگا اور اپنی بلند آوازی کے ساتھ

اس نے چیلنج کیا اور کہا کہ ہے کوئی مقابلہ اور مناظرہ کرنے والا بلکہ ہر موجود اور غیر موجود سے مجادلہ پر آمادہ ہوا تو اس وقت مولانا محمد قاسم صاحب دین اسلام کے دفاع کے لیے اٹھے، اور دیانند کے اعتراضات کے پرخچے اڑا دیئے اور اس کے بھاگنے کے راستے بند کر دیئے تو وہ حیران و پریشان ہو کر رہ گیا اور اس کی ہوائیں نکلنی شروع ہو گئیں تو میں[۹] نے کہا۔

جاء متشدقاً دیانند زهراً   و فخوراً متبختراً مختالا
دیانند شیخیاں بگھارتا ہوا   اکڑتا کڑتا فخر وغرور سے آیا

و تباهیٰ بزوره و تناهی   بابا طیله و قال محالا
اور اپنے جھوٹ میں سرشار اور   فضول سی محال باتوں کا دعویٰ کرتا ہوا

و دعا للبراز کل نبیه   مسلم حاز عظمة و جلالا
اور اس نے ہر صاحب عظمت وجلال   فہمیدہ مسلمان کو مقابلے کا چیلنج دیا

فتصدّی لردّه الا مجدالاو   حد من قد احاط سحراً حلالا
تو اس کی تردید کے لیے ایک نہایت   لائق وفائق شخص نے اس کا تعاقب کیا

قاسم الخیر قاصم الضیبر طراً   من کسی الدّین بهجة وجمالا
جن کا نام محمد قاسم بھلائی کے تقسیم کرنیوالے   برائی کی کاٹ کرنیوالے اور دین کو رونق بخشنے والے ہیں

صاحب المشرب الهنیئی وتحقیق   فلا یقتدی بقیل وقالا
جو تحقیق اور سچائی کا راستہ چلتے ہیں   اور فضول کی بحث کے پیچھے نہیں پڑتے

مرجع للرشاد قولا وفعلاً   ملجاءً للهدی مالاً وحالا
جو قول وفعل سے ہدایت کا مرکز ہیں   اور حال و مستقبل میں ہدایت کا منبع ہیں

ثم لما اعییٰ السفیه احتیاله   ورأی فیه نکبة و وبالا
پھر جب کہ اس کی تدبیر فیل ہو گئی   اور مناظرہ کرنے میں اُس نے مصیبت دیکھی

عند ذکر الشروط قال احتیالا   فکذا هکذا والا فلا لا
تو اینڈی بینڈی شرطیں کرنے لگا   کہ یہ شرط ہوگی اور وہ ورنہ نہیں نہیں

ویله فرّ مدبر الم یعقّب وکفی اللّٰه المومنین القتالا
کم بخت دم دبا کر مناظرے سے بھاگا اور مقابلے میں مومنین کیلئے اللہ ہی مددگار ہے

وعلی سید الانام سلام ماتثیر الصبا سحاباً ثقالاً
اور دنیا کے سردار پر سلام ہو جب تک کہ صباپانی سے بوجھل دیونکواڑاتی ہے

ترجمہ از مولانا انوارالحسن شیرکوٹی
مندرجہ، انوار قاسمی (سوانح مولانا محمد قاسمؒ)
ص ۵۳۷ تا ۵۳۹۔ جلد اول
طبع اول، (لاہور: ۱۳۸۹ھ)

حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی آواز گرام فون میں؟

امداد الفتاویٰ (مجموعہ فتاویٰ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ص ۲۳۹ ج چہارم۔ کراچی: ۱۳۷۴ھ) میں درج ایک سوال ہے (یہ سوال کرنے والا غالباً اسی علاقہ کا باشندہ ہے اور سب اکابر علماء سے تعلق و روابط رکھنے والا معلوم ہوتا ہے) اس سوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ سوال کرنے والے شخص یا ان کے کسی قریبی جاننے والے کے پاس گرام فون میں (غالباً) حضرت مولانا محمد قاسم کی آواز محفوظ تھی۔ (بعد میں نہ معلوم اس آواز اور گرام فون کا کیا ہوا، کہاں گیا؟)

قاسم العلوم، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

کے

مکتوبات وافادات کا ایک نادر وغیر مطبوعہ مجموعہ

مکتوباتِ قاسمی

(عکس نسخہ پھلاودہ، مکتوبہ ۱۳۲۲ھ)

تعارف وپیش کش

نورالحسن راشد کاندھلوی

مجلہ صحیفۂ نور ـ مولویان ـ کاندھلہ ضلع مظفر نگر یوپی (ہند)

مکتوبات قاسمی

مندرجات، خطی نسخے، مرتب و ناقل اور متعلقات

نورالحسن راشد کاندھلوی

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم کے علوم و افادات کا بڑا حصہ حضرت مولانا کے مکتوبات میں محفوظ ہے، جس میں سے اکثر معلوم مجموعے شائع ہو چکے ہیں، کچھ بار بار چھپے ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جو ایک دو مرتبہ ہی شائع ہو سکے اور مرتب و معلوم مجموعہائے مکتوبات میں ایک مجموعہ مکتوبات ایسا بھی ہے جو تاحال شائع نہیں ہوا، یہ مجموعہ مکتوبات قاسمی ہے۔ راقم سطور کو اس مجموعہ مکتوبات کے دو نسخوں کا علم ہے جس میں ایک مکمل ہے دوسرا ناقص۔ جو مکمل نسخہ پہلے پھلاودہ ضلع میرٹھ میں مولانا سید عبدالغنی صاحب پھلاودی کے ذخیرہ میں تھا جو حضرت مولانا مرحوم کے پرپوتوں جناب ڈاکٹر سید محمد خالد اور سید محمد مطلوب صاحبان کی عنایت سے ہمارے پاس آ گیا ہے۔ جزاهما الله تعالیٰ

زیرِ نظر نسخہ کا تعارف اور ترتیب: یہ مجموعہ کب مرتب ہوا، کس نے ترتیب دیا پیش نظر دونوں نسخوں میں اس کی صراحت نہیں۔ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس کی ترتیب میں مولانا عبد الغنی صاحب پھلاودی کی کوشش شامل رہی ہوگی، کم از کم زیر نظر نسخہ کی نقل مولانا کی توجہ کی مرہون منت ہے۔

اگرچہ اس کا نام مکتوبات قاسمی ہے، مگر یہ بھی حضرت کے مکتوبات کے بعض اور مجموعوں کی

طرح مکتوبات وافادات کا مشترک مجموعہ ہے، جس میں تین خط ہیں اور ایک بہت مفصل بحث وضوء اور طہارت و نجاست کے شرعی احکامات کے عقلی حکمتوں پر ہے اور اس کتاب یا مجموعہ کا بڑا حصہ اسی تحریر وافادہ پر مشتمل ہے۔ اس مجموعہ میں شامل تینوں خطوط اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہیں یہ صفحات پوری کتاب کے کل صفحات کے ایک تہائی سے کچھ ہی زیادہ ہیں، باقی تقریباً دو تہائی صفحات پر (ص ۴ سے ۴۳ تک) یہ افادہ اور بحث درج ہے۔

حضرت مولانا نانوتوی کا یہ رسالہ یا افادہ ایک پادری کے اعتراضات کے جواب میں لکھا گیا تھا، مگر یہ معلوم نہیں کہ یہ پادری کون تھا اور یہ اعتراضات کس وجہ سے اور کس موقع پر کئے گئے تھے اور ان اعتراضات کے اصل مخاطب حضرت مولانا ہی تھے یا حضرت کے پاس ضمناً کہیں اور سے آئے تھے۔ غالباً پادری صاحب کے اعتراضات کسی نے خط میں لکھ کر حضرت مولانا کی خدمت میں بھیجے تھے، اس کے جواب میں حضرت مولانا نے یہ جامع اور مفصل تحریر مرتب فرمائی تھی اعتراضات و سوالات یہ تھے:

۱۔ ریاح خارج ہونے سے وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟

۲۔ قہقہہ سے وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟

۳۔ نیند سے وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟

حضرت مولانا نے تینوں سوالات کے مفصل جواب اپنے خاص متکلمانہ عقلی اصول پر تحریر فرمائے، آخری سوال کے جواب میں اس پر بھی بحث فرمائی ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کیوں ناقض وضو نہیں، اور اسی کے آخر میں انبیاء علیہم السلام پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ نہ ہونے کا بھی ذکر ہے مذکورہ تینوں سوالات کے علاوہ اسی سلسلہ کا ایک سوال یہ بھی تھا کہ:

گندگی نجاست کے ایک خاص جگہ سے نکلنے کی وجہ سے وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟"

حضرت مولانا نے اس کا جو جواب لکھایا فرمایا تھا وہ مکتوبات قاسمیہ میں شامل نہیں، مگر اس کا جواب مولانا قاری محمد طیب نے مولانا عبدالرحمان امروہوی کی زبانی (حضرت نانوتوی کے

حوالہ سے) سنا تھا، یہ جواب مولانا طیب صاحب نے "اسرار الطہارہ" میں نقل کیا ہے، اگرچہ اس سوال و جواب کا مکتوبات قاسمی کے پیش نظر نسخہ میں ذکر نہیں، مگر اس موضوع کے مباحث کی تکمیل کے لئے یہ جواب بھی مکتوبات کے بعد ضمیمہ میں شامل کیا جارہا ہے۔

اس مجموعہ کی ترتیب میں مکتوبات اور محولہ بالا افادہ کو علیحدہ علیحدہ رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی خط اور افادہ بلا کسی عنوان کے مشترک طور پر نقل ہیں۔ نسخہ کی ترتیب یہ ہے:

۱۔ سب سے پہلے ایک خط ہے جس کے مکتوب الیہ کا نام معلوم نہیں، پھر پادری کے اعتراضات کے جواب پر مشتمل تحریر ہے، جو تیس صفحات پر مشتمل ہے (ص ۴ سے ۳۴ تک) اس کے بعد دو خط ہیں، ایک فارسی میں ایک اردو میں، اسی پر کتاب ختم ہوگئی۔ ترقیمہ کے بعد ایک خط اور نقل کیا گیا ہے، جس کو ضمیمہ کہنا چاہئے۔

پہلے خط کے مکتوب الیہ کی صراحت نہیں اس کا سرنامہ یہ ہے:

"اجی مولوی صاحب، حافظ صاحب، حاجی صاحب! السلام علیکم الخ"

اس طرز تخاطب سے خیال ہوتا ہے کہ یہ گرامی نامہ مولانا عبد الغنی صاحب یا مولانا سید احمد حسن امروہوی کے نام صادر ہوا ہوگا، حافظ مولانا عبد الغنی صاحب تخلص تھا، حضرت مولانا ان کو حافظ صاحب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ دوسرے بزرگ جن کے نام کے ساتھ حافظ کا لاحقہ استعمال ہوا ہے اور حضرت ان کو بھی کبھی کبھی حافظ صاحب کہتے تھے، مولانا سید احمد حسن امروہوی تھے، اس لئے خیال ہے کہ یہ خط مذکورہ دونوں احباب میں سے کسی کے نام ہوگا۔

دوسرا خط حافظ عبد الرحیم صاحب کے نام ہے۔ تیسرا مولانا عبد العدل پھلتی کو لکھا گیا ہے۔ مولانا عبد العدل پھلتی کے نام گرامی نامہ کو دو حصوں پر منقسم سمجھنا چاہئے، پہلا حصہ جو تقریباً دو صفحات پر مشتمل ہے، ذاتی شخصی احوال و تذکرہ پر مشتمل ہے، اس میں مولانا عبد العدل کی صحت پر اظہار مسرت ہے، اپنے ضعف اور کمزوری کا ذکر ہے اور لکھا ہے کہ ضعف دماغ بے حد ہے، سر کے بال سب گر گئے ہیں:

"ضعف دماغ ہماں است کہ بود، کہ باز موہائے سرم ہمہ ریختند، بہر

صحیح کہ از ہوائے سرد باشد اندیشہ ایں خلش است، ایں بار خلاف عادت یک لنگی بار سرم می ماند" (۱)

اسی خط میں مولانا محمد یعقوب کی اہلیہ کی وفات کے حادثہ کی خبر ہے اور اس موقع پر مولانا محمود حسن (شیخ الہند) حادثہ وفات کے فوراً جس جانکاہی اور نیاز مندی سے اندھیری رات میں دیوبند سے نانوتہ کا پیدل سفر کے بلا تاخیر صبح چار بجے حضرت مولانا محمد قاسم کو اس واقعہ ہائلہ کی خبر پہنچائی، اس کا بھی خاص انداز میں ذکر ہے(۲) اور مولانا محمود حسن (شیخ الہند) کی سعادت مندی کی تحسین فرمائی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"ہمہ وابستگان بخیر اند، اما اہلیہ احقر راصدمہ جانگداز دی شب بجان رسید ساعتے پیشتر از صبح مولوی محمود حسن صاحب پاپیادہ بہ معیت دیگرے از دیوبند رسیدند، و خبرے انتقال اہلیہ مولانا محمد یعقوب صاحب رسانیدند۔ غرض ایں افتاں و خیزاں آمدنی آں بود کہ میاں معین الدین بہ نانوتہ بودند، آنجا فکر رسیدن اوشاں بجنازہ بود۔ چوں دیگرے کفیل ایں کار نشد، بحکم سعادت کہ زائد از دیگراں نصیب اوشاں شد، بیاد حق استادی برخاستند و خبر ایں واقعہ کہ وقت نواخت یازدہ جاں گزاشد، قریب نواخت چار رسانید انا لله و انا الیہ راجعون!"

اس کے بعد تقریباً سات صفحوں میں حضرت مولانا کے اپنے ایک مضمون کی وضاحت اور مولانا عبدالعدل کے حسب طلب ولكن رسول الله و خاتم النبين سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے ثبوت پر مفصل گفتگو فرمائی ہے اور اسی بحث کے اختتام پر یہ

(۱) مکتوبات قاسمی ص ۳۹

(۱) حضرت مولانا نے لکھا ہے کہ وفات کا واقعہ تقریباً گیارہ بجے پیش آیا تھا اور اس کی خبر لے کر مولانا محمود حسن اسی وقت نانوتہ روانہ ہو گئے تھے اور تقریباً چار بجے یہ اطلاع حضرت مولانا محمد یعقوب کے فرزند مولوی میاں معین الدین کو پہنچا دی تھی، اس کو خاص غیبی مدد کہئے یا کرامت کہ دیوبند سے نانوتہ کا فاصلہ جو چھبیس کلو میٹر ہے کچے راستے سے، رات میں تقریباً چار گھنٹے میں طے ہو گیا تھا۔ مولانا محمد یعقوبؒ کی اہلیہ کی وفات ۱۴ر رمضان ۱۲۹۳ھ کی شب میں ہوئی تھی۔ رمضان المبارک کی مشغولیات کے ساتھ اس سرعت کے ساتھ سفر طے ہوا کہ چار بجے یعنی تقریباً چار گھنٹے میں دیوبند سے نانوتہ پہنچ گئے، حیرت انگیز ہے۔

مجموعہ بھی اختتام پذیر ہو گیا ہے۔

تعارف نسخہ: یہ نسخہ کل اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہے، تحریر خوبصورت نستعلیق ہے، جو جاذب نظر معلوم ہوتی ہے، یہ نسخہ مولانا عبد الغنی کے بھائی، محمد ابراہیم پھلاودی نے نقل کیا ہے یہ نسخہ زرد رنگ کے کسی قدر دبیز کاغذ پر لکھا ہوا ہے اور ہر پہلو سے نہایت عمدہ ہے۔ اس کے اختتام پر مختصر سا ترقیمہ بھی درج ہے، جس کے الفاظ یہ ہے:

"الحمد للہ! کہ امروز تاریخ پانزدہم ماہ محرم در ۱۳۲۲ھ یک ہزار وسہ صد وبست ودو ہجری نبوی، صلعم از نقل جملہ تحریرات انفراغ یافتم"

بقلم خادم قدیم محمد ابراہیم غفرلہ۔

اس نسخہ کا ضمیمہ: یہ مجموعہ درج بالا سطور اور مذکورہ تین خطوط کی تکمیل پر مکمل ہو گیا ہے مگر اختتام نسخہ اور ترقیمہ کاتب کے بعد ایک خط کا اور اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ حضرت مولانا نے منشی ممتاز علی صاحب مالک مطبع مجتبائی میرٹھ ودہلی کو ان کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا، یہ خط بھی تحذیر الناس پر ردوجواب کے سلسلۂ تحریرات کی ایک ضمنی کڑی ہے، اس میں حضرت مولانا نے منشی کو ہدایت کی ہے کہ مولانا محمد علی کے نام جو خط لکھا ہے وہ اصل خط جا رہا ہے اس کو مولانا کے حوالہ کر دینا۔ حضرت مولانا کا منشی جی کے نام یہ خط ذاتی نوعیت کا ہے اور ایک مرتبہ شائع بھی ہو چکا ہے۔ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی نے ماہنامہ دار العلوم، دیوبند: ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ میں شائع کرا دیا تھا، یہ اشاعت اسی قلمی نسخہ پر مبنی ہے جس کا تعارف کرایا گیا ہے۔

اس نسخہ کی نقل اور طباعت: مکتوبات قاسمی کے اور کسی مکمل نسخہ کا راقم سطور کو علم نہیں تاہم اس کے ابتدائی صفحات کی ایک خوشخط نقل جناب حکیم سیف الدین احمد صاحب (محلّہ بنی سرائے میرٹھ) کے ذاتی ذخیرہ میں راقم کی نظر سے گذری ہے اور اس کے سات صفحات کا فوٹو اسٹیٹ بھی میرے پاس ہے۔ نسخہ میرٹھ پر اس تالیف کا نام مکاتب قاسمیہ درج ہے۔

نسخہ پھلاودہ اور نسخہ میرٹھ دونوں قلم کا بہت مشابہ ہے، ممکن ہے دونوں ایک ہی شخص کے

قلم سے ہوں، مگر یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے یہ مجموعہ مکتوبات (راقم سطور کی معلومات میں) اس وقت تک شائع نہیں ہوا، اسی لئے نسخۂ پھلاودہ کا جوں کا توں عکس شائع کیا جا رہا ہے۔

مکاتیب قاسمیہ میں شامل افادہ کا ایک اضافہ اور تکملہ: مولانا قاری محمد طیب صاحب کی فرمائش پر، پھلاودہ سے حضرت مولانا نانوتوی کے غیر مطبوعہ افادات کے کچھ صفحات کی نقل مولانا قاری طیب صاحب کو بھیجی گئی تھی، جس میں یہ صراحت نہیں تھی کہ یہ کیا کتاب ہے، کہاں سے حاصل یا نقل ہوئی ہے اور اس کی کیا افادیت و اہمیت ہے اور بہ ظاہر اس نسخہ کا نقل کے بعد اصل سے مقابلہ بھی نہیں کیا گیا تھا، مولانا قاری طیب صاحب نے اس کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "حسب وعدہ کچھ عرصہ ہوتا ہے کہ فولسکیپ کی نصف تقطیع کے ستاون صفحے نقل کرا کر ارسال فرمادئے، جو شاید کل ذخیرہ کا کوئی قلیل جزو معلوم ہوتا ہے، جس میں بعض ملفوظات ہیں اور بعض مکتوبات جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں اور عجیب و غریب نکات و لطائف کا خزینہ ہیں چونکہ اصل تحریرات دستیاب نہیں ہوئیں اور نہ غالباً نقل کے بعد اصل و نقل کا مقابلہ کیا گیا اور پھر اسی کے ساتھ اکثر مضامین میں روایت بالمعنی کی گئی ہے، اس لئے کہیں املا کی غلطیاں اور کہیں نفس عنوان یا تعبیرات کی کوتاہیاں دیتی ہیں"

مولانا قاری طیب صاحب نے موصولہ نسخہ کی فروگذاشتوں اور نقل کے ناتمام ہونے کے احساس کے باوجود اس کی خدمت پر توجہ فرمائی اور اس پر بعض افادات کا اضافہ فرما کر "اسرار الطہارہ" کے نام سے شائع کر دیا تھا۔

اسرار الطہارۃ رسائل کے معمولی کے عام سائز سے بڑے سائز کے اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں پہلے چار صفحے تمہید کے ہیں، اس کے بعد صفحہ ۵ سے ۲۳ تک اٹھارہ صفحات میں اصل کتاب آئی ہے، چوں کہ مولانا طیب صاحب کو جو نسخہ ملا تھا قاری صاحب کے ارشاد کے مطابق اس کے:

"اکثر مضامین میں روایت بالمعنیٰ کی گئی ہے، کہیں املاء کی غلطیاں اور کہیں نفس عنوان یا تعبیرات کی کوتاہیاں دکھائی دیتی ہیں"

مگر قاری صاحب نے اس نسخہ کی اساس پر اس کو مرتب فرمادیا اس پر ایک مفید اضافہ بھی کیا، جو اس مجموعہ افادات کی تکملہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت مولانا نے طہارت و نجاست کی جن حکمتوں اور پہلوؤں کا اس تحریر میں ذکر فرمایا ہے اس کے سلسلہ کا ایک افادہ مولانا قاری طیب صاحب نے مولانا عبدالرحمٰن امروہوی (وفات ۱۹۴۸ء) کی زبان سے سنا تھا، جو مولانا عبدالرحمان نے اپنے استاد سید احمد حسن امروہوی سے اخذ کیا ہوگا، جو حضرت مولانا نانوتوی کے خاص بلکہ مایہ ناز شاگرد تھے، اس افادہ میں اس سوال کا جواب ہے کہ:

"خروج نجاست (بول و براز) ناقض وضو کیوں ہے، حالاں کہ بہ ظاہر نجاست کا بدن سے منفصل اور جدا ہو جانا باعث طہارت ہونا چاہئے نہ باعث نجاست"

مگر یہ افادہ جوں کے توں حضرت نانوتوی کے ارشادات و افادات نہیں بلکہ مہتمم صاحب نے اس کو خاصے عرصہ کے بعد یاد داشت سے کچھ اضافات کے ساتھ قلم بند کیا تھا، پھر جب اس کی اشاعت کا ارادہ ہوا تو اس میں نصوص شرعیہ اور دوسرے مباحث بھی شامل فرمادئے تھے اور اس مجموعہ کو "اسرار الطہارہ" کے نام سے شائع کر دیا تھا، لکھا ہے:

"پہلے سوال کا جواب احقر نے حضرت مولانا حافظ عبدالرحمان صاحب دام ظلہ محدث امروہی کی زبان مبارک سے سنا اور اپنے الفاظ میں نیز اپنی ہی ذہنی تفصیل کے ساتھ بعد میں قلم بند کرلیا، مولانا نے اصول و اجمالی تقریر فرمائی تھی، احقر نے ضروری تفصیل و ترتیب کے ساتھ موقع بموقع اس میں نصوص شرعیہ کو بھی نقل کر دیا۔" (۱)

مذکورہ مجموعہ افادات اسرار الطہارہ کی اشاعت: اسرار الطہارہ کب چھپی اس

(۱) تمہید اسرار الطہارہ ص ۴۔

کی صراحت نہیں ملی، اس کے جو نسخے میری نظر سے گذرے ہیں وہ سب ایک ہی طباعت کے ہیں اور غالباً اس وقت تک یہی پہلی اور آخری طباعت ہے۔ اس کے ٹائٹل پر صرف یہ عبارت درج ہے:

اسرار الطہارہ

از افادات مبارکہ حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب
بانی دار العلوم نور اللہ مرقدہ
باہتمام
جناب مولانا قاری محمد طیب صاحب و مولانا قاری محمد طاہر صاحب
در مطبع قاسمی واقع دیوبند طبع گردید

یہ تالیف یا افادات قسط وار کسی رسالہ میں چھپے تھے، ان صفحات پر رسالہ کا نام درج نہیں مگر (ص ۸ پر) لکھا ہے: باقی آئندہ" ص ۱۳ کے صفحہ کے آخری کونہ پر بھی یہی اندراج ہے، پھر ص ۱۸ پر یہی الفاظ ملتے ہیں اور صفحات کا مذکورہ شمار بھی مسلسل صفحات کا نہیں ہے، صفحات بے ترتیب اور اسی رسالہ کے مطابق ہیں جس میں یہ ترجمہ قسط وار چھپا تھا۔

رسالہ میں اشاعت کے بعد اس پر تمہید کا اضافہ کیا گیا جو چار صفحات پر مشتمل ہے اور ٹائٹل لگادیا گیا، مگر صفحات کی ترتیب درست کرنے پر توجہ نہیں کی گئی، صفحات وہی رسالہ کے نکلے ہوئے اوراق ہیں۔

حضرت مولانا کے افادہ کا صرف وہ حصہ جو مکتوبات قاسمیہ کے زیر نظر نسخہ میں شامل نہیں اور جو مولانا محمد طیب صاحب نے مولانا عبد الرحمان امروہوی سے سنا تھا اور مولانا طیب صاحب کی اس تحریر کے آغاز پر شامل ہے، افادات کی تکمیل کے لئے زیر نظر نسخہ کے آخر میں ضمیمہ کے طور سے شائع کیا جارہا ہے۔ (نور)

ادارہ

مکتوبات قاسمی

مرتبہ (غالباً) مولانا عبدالغنی پھلاودی مکتوبہ ۱۳۲۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب اول / اجی مولوی صاحب حافظ صاحب حاجی صاحب السلام علیکم آج ستائیسویں روز پنجشنبہ
کو آپکا عنایت نامہ آیا اگرچہ سلام روستائی ہی پر ہمیسی یاد کرنیوالون کی ممنون ہونیکی لئی کافی
ہی آپ کو اشارہ تعجیل کی شعر کی پیرایہ مین تاکید فرمانی کی کیا حاجت تہی مین تو یون ہی
آپ کی نام خط لکہنی کی لئی فقط بہانہ ہی کا طالب ہون سنئی اسمین تو شک نہین کہ کوئی
لفظ اپنی معنی مطابق سی زیادہ دلالت نہین کرسکتا پہر جب کوئی لفظ اوسکی ساتہہ
ملا دیجئی تو مجموعہ اول و ثانی لاریب مجموعہ معنیین پر دلالت کریگا لیکن ملانی کی کئی
صورتین ہین ایک تو یہی الحاق لفظی جیسی یہان اول کی ساتہہ لفظ المومنین ملحق ہی ظاہر
ہی کہ قبل الحاق مضاف الیہ مشار الیہ اول اولیت مطلقہ پر دلالت کرتا تہا مومنین
غیر مومنین کی کچہہ تخصیص نہ تہی بعد الحاق معلوم اون معنون مطلق پر ایک اور قید زاید
ہوگئی اگرچہ حاصل معنی نسبت حاصل معنی اول کم ہوگیا کیونکہ خاص اور مقید ہی اگرچہ
باعتبار معنی مدلول عام اور مطلق سی زیادہ ہون پر وصف مصداق مقید و خاص
وصف مصداق مطلق اور عام سی کم ہوتی ہی دوسری الحاق معنوی یعنی لفظون کو دیکہی

تو لفظ ملحق بہ تنہا ہو پر معانی کو دیکھیے تو اوسکے ساتھ معنی لفظ دیگر ملحق ہوں مگر اسکی
دو صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہہ کہ گو مرتبہ لفظی بدلالت عقلی کسی لفظ پر دلالت کرے
اور وہ لفظ بدلالت لفظی معنی زائد پر دلالت کرے مثلاً کلام اللہ میں فرماتے ہیں فَاِنْ لَّمْ
تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا دونوں تفعلوا کا مفعول محذوف ہے پر بقرینہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ مفعول
معلوم ہے الغرض لفظ بظاہر مطلق ہے پر بدلالت قرینہ لفظیہ مقید ہے لہذا یہاں السورۃ
اوسکے ساتھ ملحق ہے غرض متکلم نے جسکو قرینہ کے بھروسے حذف کیا تھا مخاطب نے بدلالت
قرینہ مذکور ملحق کرلیا دوسری یہہ کہ کوئی قرینہ خیالی جسکو واقعات مناسبت کہیے اوسپر دال
ہو قرینہ لفظی کوئی بھی ہو تو صورۃ مسئولہ میں یہی صورۃ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام
توراۃ لینے کے لیے کوہ طور پر تشریف لیگئے تھے چنانچہ شروع رکوع ع [illegible] فرماتے ہیں وَوٰعَدْنَا
مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً اور اسمیں چلہ کشی
موسوی کی طرف اشارہ ہے تو یہہ چلہ اسی نعمت کے حصول کا مقدمہ تھا اور وَكَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَ
لْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً الخ بھی اسکی طرف اشارہ ہے اور ظاہر ہے کہ توراۃ آپکے اور
آپکی امت کے لئے عطا ہوئی تھی اس صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غرض وقت
عرض انا اول المومنین اس گروہ خاص کی طرف ہوئی جاتی ہے اور یہہ قصہ ایسا ہے جیسے
یوں فرض چند آدمیوں کی دعوت کریں اور کھلا چکیں تو پوچھنے والوں کے جواب میں
کہیں کہ سب کو کھلا چکے سو پوچھنے والوں کو اور جواب دینے والوں کو وقت سوال و جواب

جو ایک ہی لفظ یعنی سب کو کہا جکنی ہی متصور ہی گروہ خاص پر نظر ہی یعنی فقط گروہ
مدعوین بلحوظ نظر ہی کافۂ انام جو مدلول ظاہری ہی مراد نہیں سو جیسی یہان کوئی قرینہ
لفظی نہیں فقط قرینۂ خیالی او سپر شاہد ہی ایسی ہی جملہ مومنین مراد نہیں مومنین امّت
موسیٰ علیہ السلام مراد ہین الغرض لفظ اگرچہ عام ہی پر قرینۂ خیالی تخصیص ہی مگر جونکہ اس
قسم کی قرینہ لفظوں مین مذکور نہین ہوتی تو بظاہر نظر دہوکا پڑتا ہی لیکن نظر کو غایر کر کی
دیکہی تو کوئی دہوکہ کی بات نہین رہتا آپکا گانا آپ کا وعظ سنانا ہی یہہ تو ظاہر ہی کہ
راگمین استماع مخاطبین مد نظر ہوتا ہی سو اگر قاعدہ کیموافق ہوتا ہی تو پسند بہی آتا ہی
اور اثر بہی کرجاتا ہی سو آپ کو خدا یتعالیٰ نی اور آپ کی راگ مین یہہ بات عطا فرمائی
ہی اب میرا حال سنئی بظاہر اچہا ہون اگرچہ بیمار ونسی پڑ سے ہون تیسر و چار دن
کہنی کو بخار ودرد سر نی میری ناتوانی کی شرم بہی رکہہ لی مگر اب بفضلہ تعالیٰ اچہا ہون پر ناتوانی
زور پر ہے اور کیون نہو کہ احباب اور اعداء دونون کی ہاتہون سی کیا کیا نہین اوٹہاتی میری خانمان
بالفعل سب اچہی ہین ہان خوب یاد آیا ہمین تو آپ کی گہر والی یاد کرتی ہین جب آپ نہین
آتی تو ہمین ہی کیا آنا پڑا ہی مولویصاحب کی گہر بہی خیریت ہی اپنی چچا اور دادی والدہ
بیٹی بہائی وغیرہم کو یاد رہی تو میرا سلام کہدینا مولوی معین الدین صاحب کو اگرچہ گاہ
وبیگاہ بخار آ دباتا ہے پر کوئی کام بہی نہین اونکی والدہ بہی اب بہ نسبت سابق اچہی
ہین پر منشی محمد یٰسین کی بیمار شدید ہین بظاہر ورم جگر ہی اور وہ بہی دیر کا آج شاید حکیم

حسین بخش رام پوری کی پاس لگئی ہین فقط ؛ مکتوب دیگر الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین بعد حمد وصلوٰۃ یہہ گزارش ہی کہ اور مذہبون والی جب اہل اسلام کی عقائد مین مجال دم زدن نہین پاتی تو اونکی اعتراضون کی مقابلہ مین جو وہ اور ردّ ونکی عقائد پر کرتی ہین اہل اسلام کی فروع اور مسائل پر اعتراض کرتی ہین حالانکہ اہل عقل کی نزدیک بعد ثبوت عقائد و درستی اصول اعمال کی وجوہ سی باز پرس کرنی ایسی ہی جیسی بعد اسبات کی معلوم ہوجانی کی کہ ملکہ بادشاہ ہند ہی اور کلکٹر اوسکا مقرر کیا ہوا حاکم قانون سرکاری اور احکام سرکاری مین جو بواسطہ کلکٹر وغیرہ نافذ اور جاری ہوتی ہین تکرار کیجئے اور اونکی اوپر اعتراض کیجئے جیسی اس قسم کا شخص لایق جواب تو کیا ہوتا اولٹا قابل مواخذہ ہوتا ہے ایسی ہی وہ شخص جو فروع پر اعتراض کری لائق جواب تو کیا اولٹا لایق عتاب خداوندی ہی القصہ حکّام کی بات مین جیسی چون وچرا مناسب نہین ہوتی ایسی ہی دلیل اونکی احکام کا ماننا لازم ہوتا ہی اس سی بڑھکر خدا کی احکام مین چون وچرا نامناسب ہی ایسی ہی دلیل تسلیم کرنا واجب ہی ہان جیسی حکام کو بوجہہ مراعات عدل تنفیذ احکام اور تجویز قوانین مین وجوہ اور حکمتون کا لحاظ ہوتا ہی گو بوجہہ حکومت اوسکی ضرورت کچھہ نہو ایسی ہی خدا تعالیٰ کی احکام مین بلحاظ عدل حکمتین اور وجہین ہوتی ہین بوجہہ حکومت اوسکی کچھہ ضرورت نہین ہوتی مگر پرچہ ہائی بادا و استفسار دلائل و وجوہ احکام بنظر تسلیم سخت گستاخی ہی مگر ہم بپاس ملت محمدی اسپر بہی بادر لعیاب کی

اون چار اعتراضون کی جواب جو اونہون نی بعض احکام و منوپر وارد کئی ہین لکہی دیتی ہین
مگر اول پادری صاحب سی یہہ التماس ہے کہ آپ اول تثلیث اور کفارہ کی وجہہ بتلائی جو
آپ کی دین کی اصل اصول ہین تماشا ہی کہ پادری صاحب ایسی نامعقول عقیدی تو تسلیم کئی
بیٹہی ہین کہ جنکو نہ عقل مانی نہ نقل سی ثبوت ہو نہ انجیل مین پتہ ہو نہ توریت مین ذکر ہو نہ
پہلی کسی نبی نی اونکی طرف ہدایت فرمائی نہ کوئی کتاب اونکی تائید مین آئی جسکی وجہہ سی
یہہ کہنا لازم آتا ہی کہ حضرت عیسی علیہ السلام سی پہلی پہلی جتنی نبی یا ولی یا صلحاء یا شہداء ہوئی
سب دولت ایمان سی نری بہرہ رہی عوام تو عوام پادری صاحب آپ کس مونہہ سی اہل اسلام پر
اعتراض کرتی ہین تین خدا ؤنکو ایک کہو اور ایک کو تین کہو ایسی محال بات کو مان کر
بہی آپ کو ہوس اعتراض اہل اسلام پر ہی یہہ وہ عقیدہ غلط ہی کہ بت پرستان جاہل
بہی اسکو سنکر کانون پر ہاتہہ دہرتی ہین اول تو کوئی بت پرست خدا کو متعدد نہین کہتا نہ عرب
کی جاہل مشرک نہ ہندوستان کی بیوقوف صورت پرست سب کی سب پیدا کرنی والا ایک
ہی کو سمجہتی ہین گو کسی اور وجہہ سی اور ونکی بہی عبادت کرتی ہون دوسری اوسپر یہہ طرہ کہ
ایک اور محال بہی سر دہری یعنی تین خداؤنکو پہر ایک کہی اور وحدت حقیقی اور کثرت
حقیقی کو اکہٹا کر دیجئی رہا کفارہ اوسکی یہہ معنی ہوئی کہ کری کوئی بہری کوئی گناہ کرین اپنی
پکڑی جائین حضرت عیسی علیہ السلام جو خدا بہی خدا کی بیٹی بہی اس علوشان پر تین دن دوزخ
مین رہنی سی تو یہی بہتر تہا کہ بندہ رہتے کہ خدا اور خدا کا بیٹا نہ بنتی با اینہمہ تثلیث کا

توکہین پتہ بہی نہین انجیل مین ہوتا توہوتا اوسمین بہی نہوتو پہر کہان ہو رہا کفارہ اوسمین
ہی اتنی بات تو اس انجیل محرّف سی نکلتی ہی کہ تین دن کی بعد قبر مین نعش کا پتہ نہ ملا
کہنی والی تو کہہ سکتی ہین کہ کسینی نعش نکال لی ہوگی باقی اور جو کچہہ ہی نصرانیون کا ایجاد بندہ
ہی باور لیصاحب آپ اول اسکا جواب عنایت فرماوین اور پہر ہماری جوابات ملاحظہ فرماوین
جواب اعتراض اول معدہ یا ماتحت معدہ جب پائخانہ سی بہر جاتا ہی تو طبیعت اوسکی
نکالنی اور باہر پہینکنی کی فکر مین ہوتی ہی اوسکی اوس حرکت طبعی کی باعث ہوائی محتبس ہی
اودہر کو ہولیتی ہی غرض گوز کا آنا اور پائخانہ پیشاب کا آنا بحکم طبیعت اسپر شاہد ہی کہ
اب ظرف ناپاکی معلوم پُر ہوگیا اور ظاہر ہی کہ اوس ظرف کا ناپاکی سی پُر ہوجانا اسقدر طبیعت
کو مکدر کردیتا ہی کہ ہر فرد بشر اوس سی واقف ہی اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام رونق افروز
ہوتی تو وہ بہی اسکی تصدیق فرماتی سو اصل مین وہ کدورت ہی ناقض وضو ہی کیونکہ کدورت
صفائی کی مخالف ہی مگر جیسی معدہ وغیرہ کی امتلاء سی جو اصل مین موجب آلودگی باطن
جسم انسان ہی روح کو بواسطہ جسم ایک آلودگی حاصل ہوتی ہی جسکا حاصل وہی
کدورت مذکورہ ہی ایسی ہی غسل و وضو وغیرہ سی جو اصل مین صفائی جسمانی ہی بواسطہ
جسم صفائی روحانی حاصل ہولی ہی جسکا حاصل طہارت روحانی ہی اور وہ طہارت
موجب زوال کدورت مذکورہ ہوجاتی ہی جو نجاست روحانی تہی بالجملہ اصل مین وہ
امتلاء مشارٌ الیہ ناقض وضو ہی اور خروج ریح و بول و براز اوسکی علامت ہی اور

بعض اوقات جو خلو معدہ پر ریح خارج ہوتی ہی تو اوسکا اعتبار نہین اوسکی لحاظ سی قاعدہ توڑئی تو گوز کی علی العموم برائی کا قاعدہ ہی پادر لصیاحب کو توڑنا پڑیگا اور اسوجہہ سی ایسی حالت مین کسی کا پادر لصیاحب یا کسی اور کی ناک پر سُرین رکھکر گوز مارنا اور ایسی گوزون کا سونگھنا بہی ممنوع و معیوب نہوگا غرض خلاف طبیعت اگر کوئی حالت مشابہ حالت طبعی پیش آئی تو جب تک کچہہ حرج اور دقت نہو اوسکو حالت طبعی کی حکم مین رکہا کرتی ہین تاکہ انتظام خراب نہو جائی دیکہی شب کو جو وقت استراحت عام و خاص ہی باہر اکثر چور ہی پہرا کرتی ہین اسلئی ہر کسیکو محافظان سرکاری گرفتار کرلیا کرتی ہین اگرچہ کوئی کسی اور ہی ضرورت کی باعث پہرتا ہو فقط اس تقریر سی جیسا یہہ سمجہہ مین اگیا کہ خروج ریح مین باوجودیکہ آثار ناپاکی نہین یہانتک کہ اسلئی کپڑی اور بدن کی پاک کرنیکی ضرورت نہین وضو کیون ٹوٹ جاتی ہی ایسی ہی یہہ سمجہہ مین اگیا ہوگا کہ پائخانہ اور پیشاب کی نکلنی سی وضو کیون ٹوٹ جاتی ہی حالانکہ ناپاکی کا رہنا موجب ناپاکی نظر آتا تہا نکلجانا تو اور موجب پاکیزگی ہوتا مگر جسکو فہم نہو اوسکی حساب سی یہہ تقریر دلپذیر بہی لغو ہی اور کیون نہو لطف سیر گلزار و مشاہدہ انوار و دیدار خوبان دلارام و دل آزار آنکہونسی متعلق ہی آنکہین ہی نہون تو پہر کچہہ نہین ایسی ہی ذوق مضامین دلچسپ فہم سلیم سی متعلق ہی فہم ہی نہو تو تو پہر کچہہ بہی نہین ٭ جواب سوال دوم یہ ہی اگر انسان پیدا ہوتا ہے تو پائخانہ کی کہات سی کہیت مین وہ غذائین نفیس و لذیذ پیدا ہوتی ہین کہ انسان بہا

اشرف المخلوقات ہی جن پر جان نثار کرتا ہی اور ایک جہان میں لڑتا بھرتا ہی اس حساب سی دیکھی تو وہ انسان سی بھی کسی درجہ مین اعلیٰ ہین ورنہ طالبی اور مطلوبی کی کیا وجہ تھی غرض انسان کا اشرف المخلوقات ہونا گو مسلّم ہی پر ایسا بدیہی بھی نہین جیسا اغذیہ لطیفہ و لذیذہ کا مرغوب و مطلوب ہونا جس سی ایک طرح کا شرف اونکو خدائی انسان پر بھی عطا فرمایا گو شرف کلی انسان ہی کو سہی مگر جب اغذیہ مذکورہ باعتبار فضل جزئی انسان سی بھی افضل ہوئی تو معلوم نہین ایسی اچھی پاک و پاکیزہ چیزین ایسی ناپاک یون سی کیونکر پیدا ہوئین ہان یون کہیی کہ معترض کی نزدیک پائخانہ بھی پاک ہو اور کیون نہو گا جب یہہ ہی قاعدہ ٹھیرا کہ اچھی شئی سے بری شئی پیدا نہین ہو سکتی اور بری شئی سے اچھی شئی کا پیدا ہونا محال ہی تو یہان تو دونون طرف بھلائی ہی بھلائی ہی جن غذاؤن کی کھانی سی پائخانہ پیدا ہو وہ اچھی ستھری پاک پاکیزہ جو غذائین لذیذ یا پھول پھلواری پائخانہ کی کھات سی پیدا ہوتی ہین وہ اچھی ستھری پاک پاکیزہ علیٰ ہذا القیاس خون غذاؤن سی پیدا ہو اور خون سے گوشت سی عمدہ غذا پیدا ہو جسم انسانی بھی باوجود اس اشرفیت و افضلیت مسلّمہ معترض صاحب اسی خون سی بنتا ہی القصہ منشاء غلطی یہہ قاعدہ غلط ہی جو ذہن نشین معترض صاحب ہی مگر یہہ غلط ہی تو پھر منی کا پائخانہ پیشاب سی زیادہ ناپاک ہونا اہل عقل کی نزدیک بیشک مسلّم ہو گا جس راہ سی پیشاب آئی اوسی راہ سی منی آئی اتنا فرق ہی کہ پیشاب کی اصل وہی پانی ہی جس سے

ناپاک چیزون اور ناپاک جسمون کو پاک کرتی ہی اور منی کی اصل وہ مادۂ بلغمی کیا ہی
سو نہہ اور ناک سی بہی نکلی تو نفرت ہی آئی باعتبار ظاہر تو یہہ فرق ظاہری اور باعتبار باطن
یہہ تفاوت ہی کہ باعث خروج پیشاب وہ تقاضائی اندرونی ہی جسکی حقیقت سی معترض
صاحب ہی خوب واقف ہین وانشگاف کہی تو یہہ معنی ہون کہ پیشاب کا اندر ہونا اتنا
گران اور نفرت انگیز ہی کہ طبیعت کو بلی مدافعت و اخراج چین نہین اور ظاہر ہی کہ وقت
نفرت اوسکی ضد کی رغبت ضروری ہی جس سی نفرت ہو یعنی کڑوی چیز اگر بری لگتی ہی تو اسی
وجہہ سی کہ مٹہائی وغیرہ ذائقہ دار چیزین مرغوب ہین وہ مرغوب نہوتین تو اس سی نفرت
بہی نہوتی علی ہذ القیاس مرض سی اگر نفرت ہی تو اسی وجہہ سی کہ صحت مرغوب و مطلوب ہی
وہ مرغوب و مطلوب نہ ہوتی تو مرض سی نفرت بہی نہوتی اور دکی صحت اگر اپنی آپ کو محبوب
و مطلوب نہوتی تو اونکی بیماری سی بہی کچہہ تکلیف یعنی نفرت نہین ہوتی بالجملہ جس سی نفرت
یا تکلیف ہو اوسکی ضد کی طرف رغبت اور اوس سی راحت ہونی چاہئی اس صورت
مین بیشک وہ صفائی جو ضد کدورت لازمہ امتلاء بول ہی وقت تقاضاء بول محبوب
ہوجانی چاہئی اور وہ محبوب ہوئی تو یون کہو وہ چیز محبوب ہوئی جو خدا تعالیٰ کی نزدیک
محبوب ہی غرض وقت تقاضاء بول باعتبار اصل مرضیات طلب خداوندی کی طلب
مکنون طبیعت ہوتی ہی گو شدت تقاضاء مین اودہر کو دہیان نہ جائی مگر یہہ غفلت ایسی
ہی جیسی کرب مرض مین صحت کا خیال دل سی زائل ہوجائی سو جیسی یہہ غفلت دلیل

عدم محبوبیت و مطلوبیت صحیح نہین ایسی ہی رہ غفلت ہی دلیل عدم محبوبیت و مطلوبیت
نہین جیسی یہان یہہ کہنا لازم ہی کہ طلب ہی پر علم طلب نہین یا محبت ہی پر علم محبت نہین
اور یہہ ایسی بات ہی جیسی علم مین ہوتا ہی کہ بسا اوقات علم ہوتا ہی اور علم العلم نہین ہوتا
یا علم العلم ہوتا ہی اور اوسکا علم نہین ہوتا ایسی ہی وہان بہی یہہ کہنا لازم ہی کہ طلب ہی پر علم
طلب نہین اور محبت ہی پر علم محبت نہین، القصہ اوس محبت کا اور طلب کا علم نہین
تو کیا ہوا محبت اور طلب موجود ہی اور باعتبار باطن طبیعت اسوقت خدا ہی کی طرف متوجہ
رہتی ہی اور دل وجان آلودگی طلب غیر سی ملوث نہین ہوتی اور خروج منی کا حال گو نامردون
کو معلوم نہو پر مردونسی پوچہنا چاہئی کہ موجب خروج کیا لذت روح افزا ہوتی ہی اور جب
باعث خروج لذت مذکورہ ہوئی تو بیشک دل وجان اوسوقت فدائی مونس جان
ہو نگی اور اسوجہہ سی بیشک اور تمام اشیاء سی اوسوقت اسقدر غفلت اور انحراف ہوگا
کہ اوس سی زیادہ جب ہی متصور ہو جو اوس سی زیادہ لذت نصیب ہو بہر حال ہر وقت
لذت جماع جو موجب خروج منی ہی خدا سی غفلت اور انحراف نہوگا مگر یہہ ہی تو بہر صورت
حال صاحب جماع سی یہہ نمایان ہوتا ہی کہ وہ طلب و محبت جو حصہ خداوندی تہا اور کی
حوالہ کر بیٹہا اور ظاہر ہی کہ محبت غیر اللہ کسقدر ناپاک چیز ہی شرک مین اور کیا ہوتا ہی
یہی محبت غیر ہوتی ہی مگر اتنی بات ہی کہ محبت خدا تعالیٰ از قسم محبت قرابت نہین
اور محبت قرابت ایسی طبعی ہی کہ اول سی ہوتی ہی اور آخر تک رہتی ہی محبت قرابت

نہ مزاحم محبت خدا تعالی ہوگی جو خدا کے نزدیک موجب ناخوشی ہو اور نہ بوجہ طبعی ہونیکے قابل زوال ہے جو اوسکے ازالہ کا تھوڑا بہت فکر کیا جائے اور زایل نہو سکے تو کچھہ تاوان سر پڑے البتہ محبت خداوندی از قسم محبت عشقی ہے یعنے باوجود عدم قرابت جیسے کسی محبوب کے خوبیاں موجب محبت ہوجاتی ہیں ایسے ہی خدا تعالی کی خوبیاں بہی باوجود عدم قرابت موجب محبت ہوجاتی ہیں اور اس وجہہ سے اگر محبت عشقی کو مزاحم محبت خداوندی کہیے تو بجا ہے اور پہر بوجہہ مزاحمت اگر اس محبت کو موجب ناخوشی کہیے تو زیبا ہے اور یہہ بہی ظاہر ہے کہ محبت باہمی زن و شوہر از قسم محبت عشقی ہے پہلے سے کچھہ قرابت نہیں ہوتی ہاں ایک دوسرے کو بوجہہ تقاضاء بشریت ایسا بہاتا ہے کہ اپنوں سے چہڑا دیتا ہے اسلیے اس محبت و رغبت کو اگر مکروہ کہیے تو دور از عقل نہیں یہی وجہہ ہوئی کہ اکابر اہل اسلام کی یہہ راے ہوئی اور قرآن و حدیث میں اوسکی طرف اشارے پائے کہ اصل میں اس قصہ میں حرمت و کراہت ہے مگر بوجہہ ضرورت بقاء نسل یہہ امر مخالف عقل سلیم ایسے طرح جائز ہوگیا جیسے بضرورت بقاء زندگانی دوائے مخالف طبع مگر پہر بہی باوجود اباحت اصلی خرابی کی طرف کچھہ اشارہ چاہیے اسلیے تاوان غسل و حکم تطہیر جامہ و جسم لگا دیا گیا تاکہ اشارہ شناسان حقیقت کو یہہ بات یاد رہے کہ موجب خروج منی وہ محبت غیر اور غفلت من اللہ ہے جو سب ناپاکیوں کی ناپاکی ہے الغرض پیشاب اور منی دونوں ایک راہ سے نکلتے ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ پیشاب کی اصل وہ پانی ہے جو ظاہر چہوڑ مطہر ہے اور منی کی اصل وہ مادہ

بلغمی ہے کہ اپنے مونہہ اور ناک سے نکلے تب بھی نفرت آئے موجب خروج پیشاب وہ کدورت
اور امتلاء ناپاکی ہے جسکی پہلو مین رغبت صفائی اور رغبت مرضیات الٰہی ضرور ہے اور موجب
خروج منی وہ لذت اور محبت غیر اللہ ہے جسکو غفلت من اللہ لازم ہے پیشاب کی غلبہ کی
وقت جو کچھہ کیفیت مخالف طبیعت پیش آتی ہے فقط آلہ تناسل اور اوسکی گرد و پیش
مین ہوتی ہے اور لذت جماع جو مین موافق طبیعت بشری ہے ساری جسم کو محیط
ہوتی ہے اس صورت مین اہل عقل تو بیشک منی کو پیشاب سے زیادہ ناپاک کہین گے
پیشاب سے اگر وضو لازم ہوگی تو خروج منی سے غسل واجب سمجھین گے چنانچہ لذت
جماع کا تمام جسم کو محیط ہونا ہی اسیکو مقتضی ہے کیونکہ موجب خروج منی وہ ہی لذت ہے
اور بیعقل یا کم عقل اور ہی لوگ ایسے مضامین پر معترض ہوتے ہین اگر پیشاب کو بھی پاک
سمجھین تو دور نہین صاحبو دین اسلام پر جو اعتراض ابناء روزگار کی خیال مین آتی
ہین تو بوجہہ قصور فہم خیال مین آتی ہین اور اسلئی مجیب کو یہہ وقت پیش آتی
ہے کہ قرار واقعی بیان کیجئے تو معترضون مین مادہ عقل نہین اور بات کو اوپرہی چھوڑ دیجئے
تو کام نہین چلتا مگر بناچاری کچھہ نہ کچھہ کہنا ہی پڑتا ہے خیر اہل فہم سے کام ہے بدفہمون
کی حساب سے تو مضامین عالیہ ایسے ہین جیسے ہلال شب سوم کم نظرون اور بے بصرون
کی حق مین اسلئی اتنا اور کہنا لازم ہے کہ علوم شرعیہ اگر ایسے آسان ہوتے جیسے اور
علوم تو خداوند عالم ہماری ہی عقل پر چھوڑ دیتا اور اپنی طرف سے معلم یعنی انبیاء کرام

علیہم السلام کو نہ بھیجا یہہ علوم کچہہ دقیق ہی تہی تو یہہ انتظام ہوا اور اس وقت ہی کی وجہہ یا
تو اس علم کا نام منقول ہوا معقول نہوا ورنہ یہہ مطلب نہیں کہ علوم نقلیہ سی عقل کو سروکار
ہی نہیں: جواب سوال سویم جواب سی پہلی ایک بات سن لیجی غیر کی طرف توجہہ اور
التفات کی دو صورتیں ہیں ایک تو توجہہ و التفات محبت جیسی محبوبوں کی طرف ہوتا ہی
دوسری توجہہ و التفات ضرورت جیسا اہل معاملات کی طرف ہوتا ہی محبوبوں کو غیر کی طرف
پہلی قسم کی توجہہ اور التفات تو ناگوار ہوتی ہی پر دوسری قسم کی توجہہ ناخوش نہیں معلوم
ہوتی غرض جیسی عشاق کو معشوقوں کا اوروں کی ساتہہ ارتباط موجب آزار ہوتا ہی ایسی ہی معشوقوں
اور محبوبوں کو بہی اور کسی محبوب کی طرف التفات ناگوار ہوتا ہی اور کیوں نہو جان
نثاروں کی کس کو طلب نہیں اونکا گرفتار رہنا ہی بہلا ہی چہوٹی تو یہہ کہ کی آشنا جو محبوبوں کی
ناز اوٹہائیں اور اپنی جان گنوائیں کام کریں اور جوتیاں کہائیں جان دیں اور صلہ
نہ پائیں اس تمہید کی بعد یہہ عرض ہی کہ محبت خداوندی کا حال معلوم ہی ہوگا کہ از
قسم محبت عشقی ہی اقسام محبت قرابت میں سی نہیں اور یہہ بہی ظاہر ہی کہ خندہ و قہقہہ
وقت خرمی و خوشنودی آتا ہی اور کون نہیں جانتا کہ موجبات خوشنودی محبوب
انکو مرغوب اور دلکش ہوتی ہیں اسی وجہہ سی یہہ ہوتا ہی کہ میسر آتی ہیں تو راحت
اور خوشی ہوتی ہی اور نہیں تو رنج و غم اتنا فرق ہی کہ کبہی اول سی محبت ہوتی ہی اور
اس وجہہ سی طلب میں سرگردان ہونا پڑتا ہی پہر اگر کامیابی ہوئی تو راحت پر راحت

اور سرور پر سرور ہی ورنہ غم ناکامی و رنج و حسرت جانگذا ہوتا ہی اور کبھی یون ہوتا ہی
کہ نہ پہلی سی محبت ہی نہ پہلی سی بوجہہ محبت طلب ہی کوئی اور ضرورت مثلاً ضرورت
بیع و شرا باعث ملاقات و دیدار ہوئی صورت مہوش و ناز دلکش موجب دلبستگی
ہوگیا پہلی صورت مین وہ صورت پاک نقش کالحجر کی طرح نقش دل بیقرار اور دل محو یاد
دلدار ہوتا ہے اور دوسری صورت مین وہ صورت نقش بر آب اور مثل خیال و خواب
ہوتا ہے تہوڑی دیر مین مثل سراب زایل ہوجاتی ہی مگر خارج از نماز تو گنجایش معاملات
باہمی ہی او سوقت اگر کسی چیز کی طرف توجہہ اور التفات ہو تو اندیشہ ناخوشی خداوندی
چندان نہین اور خاص نماز مین کسی اور طرف توجہہ اور التفات ہو تو احتمال معاملہ باہمی تو ہو
ہی نہین سکتا ہو نہو توجہہ محبت اور التفات مودت ہوگا مگر یہہ بہی اہل عقل کو معلوم ہوگا
کہ شرک کی کل دو قسمین ہین ایک تو یہہ کہ منصب حکومت احکم الحاکمین مین کسی دوسری
کو شریک سمجھی یعنی احیا و اماتت پیدا کرنی اور ناپید کردینی وغیرہ مین جو تصرفات خاصہ خداوندی
مین ہین کسی دوسری کو شریک سمجھی دوسرے یہہ کہ کمال و جمال وغیرہ امور مین جو
منشاء محبوبیت ہین کسی دوسری کو ہمتا ذات یکتا وحدہٗ لاشریک لہٗ اعتقاد کری
باقی رہا علم غیب وہ بحیثیت کمال تو دوسری قسم مین داخل ہی اور باین نظر کہ حکم
بی پہلی ارادہ اور ارادہ سی پہلی علم مراد کی ضرورت ہی وہ مبادی حکومت مین ہی بہر
بہرحال شرک کی یہی دو صورتین ہین اور کیون نہو معبودیت انہین دو صورتون میں

منحصر ہی یا پہلی صورت کی طرف تو آیۃ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ نَفْعًا
وَلَا ضَرًّا ۔ وغیرہ آیات مین اشارہ ہی کیونکہ مالکیت نفع و ضرر اور اختیار راحت
رسانی و تکلیف دہی ہی کو حکومت کہتی ہین اور دوسری صورت کی طرف آیۃ
وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ۔ وغیرہ آیات مین اشارہ ہی اور یہہ بہی ظاہر ہی کہ اطاعت
بوجہہ حکومت کیسی ہی اخلاص سی کیون نہو پہر بوجہہ مجبوری ہی اخلاص حکومت اس
سی زیادہ اور کیا ہی کہ حاکم کو دل سی حاکم سمجہی اور باین نظر کہ خداوند عالم عالم الغیب
ہی نفاق کو دل سی دور کر دی مگر ہر چہ باد اباد بنا بر تابعداری مجبوری اور لاچاری
پر ہوگی اور وہ اطاعت جو بوجہہ محبت ہو اوسمین ہرگز وہم جبر و تعدی اور گمان
ناچاری نہین ہوتا وہان جو کچہہ ہوتا ہی تہ دل سی ہوتا ہی غرض وہ بندگی جو بوجہہ محبت
ہو وہ اول درجہ مین ہی اسلئی وہ شرک جسمین محبوبیت خاصۂ خداوندی مین دوسرون
کو شریک کیا جائی اعلیٰ درجہ کا شرک ہوگا اور اوسکی ناپاکی اول مرتبہ کی ناپاکی
ہوگی اور یہہ بہی مسلّم ہی کہ کمال ہو یا جمال زر سب عطاء خدا ہی اور پہر وہ عطا بہی
از قسم داد و دہش روپیہ و فلوس نہین یعنی یہہ نہین کہ جیسی یہہ چیزین بعد عطاء معطی
کی قبضہ سی نکلجاتی ہین اور معطیٰ لہٗ کی قبضہ و تصرف مین چلی جاتی ہین کمال و جمال
خداوندی بہی بعد عطاء خدا مین نرہی اورون مین چلا جائی بلکہ اوسکی خوبیان سب
ازلی و ابدی ہین اسلئی یہہ ہی کہنا پڑیگا کہ عطاء خداوندی اس قسم کی ہی جیسی آفتاب سے

اوروں کو فیض نور ہوتا ہے اور آفتاب میں جوں کا توں رہتا ہے مگر جیسے کسی مستفیض النور کو دیکھئے آفتاب ہی کا پرتوہ سمجھتے ہیں اور اسوجہہ سے یوں ہی کہتے ہیں کہ یہاں بھی نور آفتاب ہی جلوہ گر ہے اور اسلیئے آفتاب ہی اوس محبت اور قدر دانی کا مستحق ہے جو بوجہہ نور ہونی چاہیئے مستفیض شریک محبت نہیں ایسے ہی سوای خداوند عالم کوئی صاحب کمال وجمال کیوں نہو اوسمیں خدا ہی کا پرتوہ ہوگا اور اسلیئے وہ محبت جو بوجہہ کمال وجمال ہونی چاہیئے خاص حصہ خداوندی ہوگا وہ صاحب جمال و کمال بذات خود اسکا مستحق نہوگا اور اسلیئے سوای محبت انبیاء و اولیاء و علماء جو بلحاظ تقرب و نیابت خداوندی ہوتی ہے اور سب اس قسم کی محبتیں شرک سے خالی نہونگی اتنا فرق ہوگا کہ اعتقاد اور محبت دونوں کی مرتبہ میں خدا کی ظل و پرتوہ کا لحاظ نہیں تب تو وہ شرک قابل مغفرت نہوگا اور اگر اعتقاد کی مرتبہ میں ظل و پرتو خداوندی سمجھتا ہے پر محبت میں مثل محبت انبیاء و علماء و اولیاء خدا کا واسطہ نہیں جیسے عشق خوباں میں ہوتا ہے تو بوجہہ صحت اعتقاد دربارہ دار و گیر اور ہر سے چشم پوشی ہوگی پر وہ آلودگی جو شرک کی ماہیت کو لازم ہے کسی درجہ میں کیوں نہو کہاں جائے کیونکہ غور سے دیکھئے تو آلودگی کی بناء یہہ محبت ہی ہے اعتقاد درست ہو یا غلط ہو آخر اعتقاد غلط میں اس سے زیادہ اور کیا ہوتا ہے کہ دلکو ایک لگاؤ محبت ہوجاتا ہے اور اسیوجہہ سے محبوب مثل نقش کالحجر نقش دل ہوجاتا ہے اور چونکہ غیر اللہ کا دلمیں نقش ہوجانا دل کو آلودہ کردیتا ہے

اسلی یہ شرک کو رجس اور نجس کہتی ہین بہرحال اعتقاد اگر درست بہی ہی تب بہی وہ
ناپاکی شرک وقت محبت غیر اللہ جسمین خدا کا واسطہ نہو کہین نہین گئی اسوقت
محبت غیر مین مبتلا ہوجانا ایسا ہوگا جیسی جوڑ سے ہی کو جوڑنا مجہی اور پہسلکر اوسمین گر
پڑی غرض جان بوجہکر جوڑ رہی ہین گر ویا پہسلکر گرو ناپاک ہوجاتی ہین دونون صورتین
برابر ہین ایسی ہی محبت غیر مین اعتقادسی مبتلا ہو یا بی اعتقادی کی سی مبتلا ہو آلودگی
مذکورہ مین دونون حالتین برابر ہین جب یہہ مرحلہ طی ہوگیا تو اور سنئی روح اور
بدن مین ارتباط ہی کہ ایدہر کی احوال اودہر جاتی ہین اور اودہر کی کیفیات ایدہر آتی
ہین رنج وغم راحت وسرور اصل مین احوال قلبیہ مین سی ہین اون سب کا اثر بوجہہ
ارتباط باہمی چہرہ اور تن پر نمایان ہوجاتا ہی اور درد بخار وغیرہ کیفیات جسمانی مین سی
ہین اونکی آثار یعنی تکلیفین روح کو بیتاب بنا دیتی ہین مگر اوس کدورت کو دیکہا جو
بوجہہ تقاضاء بول وبراز روح پر عارض ہوتی ہی روح پر جسم کی طرف سی آتی ہی
اور اوس حالت کو دیکہا جو بوجہہ خرمی پیش آتی ہی یعنی یہہ ہی خندہ وضحک تو وہ
روح کی طرف سی بدن کی طرف آتی ہی اور ظاہر ہی کہ جو چیز خانہ زاد نہین ہوتی اورکی
عطاء اور فیض ہوتی ہی وہ اوس درجہ کو قوی اور شدید نہین ہوتی جو خانہ زاد ہو اور
اوسمین کسی کا واسطہ نہو اب التماس یہہ ہی کہ وقت خندہ جو آلودگی پیش آتی ہی وہ
بی واسطہ اور خانہ زاد روح ودل اور وقت تقاضاء بول وبراز جو آلودگی پیش

آتی ہی وہ فیض تن خاکی پہر کیونکر کہدیجئی کہ یہہ اوسکی ہمسنگ ہوگی پہر یہہ آلودگی جو وقت تقاضاء بول و براز پیش آتی ہی حسب قرارداد جواب دوم توجہہ مرضیات الہی کو اپنی آغوش مین لئی ہوئی جسکا حاصل یہہ ہوا کہ خدا سی غافل نہین تہا نہ خانہ طبیعت مین اودہر کو توجہہ ہی گو اوس توجہہ کی ایسی طرح خبر نہو جیسی علم کا علم نہین ہوتا اور وقت تعجب بوجہہ دلکشی اشیای تعجب انگیز وہ غفلت کہ خدا کی یاد کا اوپر سی لیکر نیچی تک پتہ ہی نہین اسلئی وہ آلودگی جو وقت تعجب ہوتی ہی اور بہی زیادہ موجب آلایش ہوگی پہر کیونکر کہدیجئی کہ کدورت بول و براز تو ناقض طہارت ہو اور کدورت محبت غیر ناقض طہارت نہو مگر جیسی ایدہر خروج بول و براز کو علامت امتلاء قرار دیا ہی اور اسلئی اوسی وقت حکم طہارت صادر ہوتا ہی ایسی ہی ضحک و قہقہہ کو علامت توجہہ الی الغیر قرار دینا چاہئی لیکن کدورت بول و براز مین تو سوای اوسکی اور احتمال نہ تہا نا پاکی کی آمد آمد ہی اور توجہہ الی الغیر مین یہہ بہی احتمال ہی کہ بوجہہ محبت نہو جو موجب آلایش دل و جان ہوتی ہی بلکہ بوجہہ ضرورت معاملات ہو جو موجب تکدر خاطر محبوب نہین ہوتی اسلئی جہان احتمال مذکور ہو وہان تو خداوند کریم و رحیم کی طرف سی چندان دار و گیر نہوگی گو وہ توجہہ جسکا باعث اول معاملہ تہا فی الجملہ دل کشی کا باعث ایسی طرح ہو جائی جیسی کسی حسین و جمیل کی طرف بوجہہ معاملہ بیع و شرا کسی قدر دل کو میلان پیدا ہو جائی مگر جیسی ایسی توجہہ اور میلان سی صورت حسینان نقش دل نہین ہو جاتی بلکہ اگر تہوڑی

دیر کے بعد وہ خیال دل سے محو ہو جاتا ہے ایسے ہے وہ دل کشی جو بوجہہ اوس توجہہ کے
ہوئی ہو جو معاملہ کے باعث پیش آتی ہے لائق اندیشہ نہیں اکثر یون ہوتا ہے کہ تہوڑی
دیر مین وہ خیال محو ہو جاوے اور نقش دل نہونے پائے جو دل وجان آلودہ ہو بہر حال
وہ توجہہ الی الغیر جو بضرورت معاملات ہو دلیل محبت غیر نہیں جو بوجہہ ازالہ نجاست
شرک خفی سامان تطہیر کیا جاوے پر جہان یہہ احتمال ہے نہو وہان انتقاض طہارت
لازم واجب ہے سو وقت نماز تو احتمال معاملہ باہمی بنی آدم ہو ہے نہین سکتا اسلئے
اسوقت کے ہنسی اور قہقہہ تو جہہ محبت غیر کا ثمرہ سمجہا جائیگا اور وضو کو فغو کہنا پڑیگا
اور اسوجہہ سے نماز کو بہی فاسد کہنا پڑیگا کیونکہ بے طہارت نماز جائز نہین علاوہ برین
حقیقت نماز حضور دربار خداوندی ہے اور قہقہہ اسپر شاہد ہے کہ توجہہ الی اللہ کا نام
ونشان نہین جو کچہہ ہے توجہہ الی الغیر ہے اِس تقریر کو سنکر اہل فہم کا دل تو باغ
باغ ہو جائیگا انشاء اللہ احکام دین کی حقیقت اور حقانیت کے لئے یہہ ایک دو مسئلہ
بمنزلہ مشتے نمونہ از خرواری ہو کر موجب قبول اسلام ہو گا ہان بد فہمون کے لئے
یہہ تقریر خوش آیندہ ایسی طرح موجب انکار و استنکاف ہو گی جیسے کُتے نہالے
والون اور پاخانہ اوٹہانے والون کے لئے عطر کی خوشبو ناک چڑہانے کے باعث
ہو جاتی ہے واللہ اعلم ؛ جواب سوال چہارم نوم بذات خود ناقض وضو
نہین اگر ہے تو باین نظر ہے کہ اوسوقت بوجہہ استرخاء اعصاب گمان نکلنے

یہہ ہی کہ ریح نکلجائی اور خبر نہو اور یہہ خوب معلوم ہی کہ اکثر افراد بنی آدم کا شکم جیسی ہر وقت
کسیقدر نہ کسیقدر بول و براز پر مشتمل رہتا ہی ایسی ہی ریح سی بھی خالی نہین رہتا اور دوسری
وجہہ اگر ہوسکتی ہی تو یہہ ہوسکتی ہی کہ اصل مین یاد خداوندی موجب روشنی و صفائی
قلب ہے اور غفلت موجب کدورت اصلی اور ظاہر ہی کہ نیند کی وقت سی زیادہ غفلت
متصور نہین مگر جب کدورت ہوئی تو اثر طہارت جو صفائی باطن تہا کہان رہا اسلئی
یون ہی کہنا پڑیگا کہ طہارت بہی چلتی ہوئی مگر جہان وقت خواب بہی خدا سی غفلت
نہو وہان نہ یہہ احتمال ہی کہ ریح کی نکلنی کی خبر نہو اور نہ اوس کدورت کی کوئی صورت
ہی جو بوجہہ غفلت وقت خواب پیش آتی ہی اسکی بعد یہہ عرض ہی کہ اوصاف کی کل
دو قسمین ہین ایک تو یہہ کہ خانہ زاد ہون یعنی عالم اسباب مین کسی اور کا فیض نہو
جیسی نور آفتاب یا حرارت آتش دوسری یہہ کہ فیض غیر اور عطاء بیگانہ ہو جیسی
نور آئینہ یا حرارت آب گرم سوای ان دو صورتون کی اوصاف کی اور کوئی
صورت نہین مگر جیسی یہہ دو قسمین ہین ایسی ہی ان دونون کی جُدی جُدی عوارض
اور لوازم ہین سو جسکا وصف خانہ زاد ہوگا اوس وصف مین وہ موصوفات
جو اوس سی مستفیض اور اونکا وصف اوس سی مستعار ہو کبھی برابر نہین ہوسکتا
اور صاحب وصف خانہ زاد اور ونمین موثر ہوتا ہے اور صاحب وصف مستعار اوس
سی متاثر غرض اول کی احکام و آثار دوسرے مین آتی ہین اسلئی منصب حکومت

اوسکی طرف ہوتا ہی اور دوسرا اوسکا محکوم کیونکہ حاکم ومحکوم مین بہی فرق تاثیر وتاثر
ہوتا ہی اور اسی وجہہ سی آثار کو احکام کہا کرتی ہین یعنی حکام ظاہری کی حکومت مین
بہی یہی ہی کہ حاکم کی طرف کی بات محکوم مین ظہور کرتی ہی اسی کا نام تاثیر ہی آگ کو
اگر یون کہتی ہین کہ اوسمین احراق وتسخین کی تاثیر ہی تو اوسکی بہی یہی معنی ہین کہ اوسکی
طرف کی بات یعنی حرارت اودہر نمایان ہوتی ہی غرض منصب حکومت بہی اودہری
ہوتا ہی جدہر وصف خانہ زاد ہوتا ہے اور اسوجہہ سی حکومت ظاہری کا مستحق
اول وہ ہی ہوگا جو دربارہ کمالات لازمہ حکومت یعنی علم واخلاق اور نیز موثر یعنی
اونیز حاکم طبعی ہو القصہ منصب حکومت بہی اودہری ہوتا ہی جدہر وصف خانہ زاد
ہو اور شدت وصف بہی اودہر ہی ہوتی ہی جدہر وصف خانہ زاد ہوتا ہی اور اسوجہہ
سی اوس وصف مین افضل بہی وہی ہوتا ہی جو خانہ زاد وصف رکہتا ہو اور اسوجہہ
سی یہہ بہی ضرور ہی کہ صاحب وصف خانہ زاد پر مراتب کمال وصف ختم ہوجائین
اور یہہ ہی تو پہر یہہ بہی ضرور ہی کہ اگر چند موصوفات وصف واحد مین باہم اوس
وصف مین کمی بیشی یعنی شدت وضعف ہو تو جو فرد سب مین زیادہ وہ وصف
رکہتا ہوگا وہ تو وصف خانہ زاد رکہتا ہوگا اور باقی اوصاف والی اوس سی مستفید
ہونگی اگر سب مین زیادہ وصف والا خانہ زاد نہ رکہتا ہوگا تو یہہ بات غلط ہوجائیگی
کہ صاحب وصف خانہ زاد اوسی زیادہ ہوا کرتا ہی جو اوس سی مستفید ہوا کرتی ہین

کیونکہ سب مین زیادہ ہوکر جب کسی اور سے مستفید ہوگا تو اپنی سے کم ہی کا دست نگر ہوگا غرض جو سب مین زیادہ ہوگا وہ اورون کا دست نگر نہوگا ورنہ خدا تعالیٰ کو باوجود افضلیت و علو شان کلی اگر کوئی غیرون سے مستفید کہے تو اوسکا مونہہ بند کرنا مشکل ہی باقی رہا باقیونکا اس سے مستفید ہونا وہ اگر ضروری نہو تو یہہ بھی ضروری نہو کہ غیر خدا خدا ہی سے وجود اور کمالات وجود مثل علم و قدرت وغیرہ صفات مین مستفید ہین یہان بھی یہہ کہہ سکتے ہین کہ اورونکا وجود اور اورونکے کمالات وجود ہی باوجود کمی و ضعف خانہ زاد ہین باقی رہا یہہ شبہہ کہ چراغ باوجودیکہ شمس و قمر کواکب سے نور مین کم ہوتا ہے اونسے مستفید نہین اسکا جواب یہہ ہے اصل نورانی وہ ایک مادہ جاری ہے اور جسم آفتاب اور شعلہ چراغ و مشعل سب اوس سے مستفید ہین اتنا فرق ہے کہ کہین قابلیت زیادہ ہے کہین کم چنانچہ بعض مشعلون کا صاف ہونا اور بعض کا مکدر ہونا اسپر شاہد ہے یعنی گو ایک ہی آتش سے مختلف چراغ اور مشعلین اور شمعین روشن کرین پر بوجہہ تفاوت قابلیت ایسی طرح فرق پڑجاتا ہے جیسے آئینہ اور پتھر کے آفتاب سے منور ہونے مین فرق پڑجاتا ہے اسکے بعد اگر آفتاب سے اور کواکب یا قمر مستنیر ہون تو وہ ایسا ہی جیسے آئینہ مستنیرہ من الشمس سے اور اشیاء منور ہوجاتے ہین اور اگر یون کہئے کہ حقیقت آفتاب ایک نور مجسم ہے یہہ نہین کہ جسم آفتاب اور ہے اور اوسکا نور مثل انوار دیگر نیرات اور تو پہر جواب کی یہہ صورت ہے کہ یہہ جوہر

جسم مین ایک مادہ آتشین ہی چنانچہ ترکیب مسئلہ اربع عناصر اوسپر شاہد ہی اور تجربہ
کہہ رہا ہی اوسپر گواہ تو وہ فیض آفتاب ہی ہی کیونکہ جیسی آفتاب مطلع الانوار ہی ویسی مخرج
حرارت بھی ہی اسلئے جیسی اوس سی فیض تنویر ہوتا رہتا ہی ایسی ہی افاضۂ مادۂ آتشین
بھی اوسی کا کام ہی مگر چونکہ اوس مادہ کو بعد ظہور روشنی ایسی طرح لازم ہی جیسی چراغ
کو یا شمس و قمر کو ہنڈیا یا اگری نکلنی کی بعد روشنی لازم ہی اسلئے جہان وہ مادہ
ظاہر ہوا اوسی وقت نور افشان بنا غرض اور عناصر کی تلی جب تک دبا ہوا ہی تب تک
تو اوسکو ایسا سمجھی جیسا آفتاب فرض کرو گرد و غبار کی تلی دبا ہوا ہو اور اور عناصر کی اوپر
آگیا خواہ بوجہہ کشش ہمجنس ہو یا بوجہہ سیلان طبعی جو ہمجنسون کی طرف ہوتا ہی جیسی
مادۂ مکنونۂ روغن کا حال وقت اشتعال شعلۂ چراغ و شعل ہوتا ہی یا بوجہہ تحریک
خارجی ہو جیسی دیا سلائی مین نظر آتا ہی تو پھر وہ روشنی جو اوسکو لازم ہی نمایان ہوگی
علی ہذا القیاس اگر الوان اجسام مین تفاوت کمی بیشی دیکھکر یہہ شبہہ دلمین آئی کہ کوئی
چیز زیادہ سرخ و سفید ہی اور کوئی کم بااینہمہ یون نہین کہہ سکتی کہ ایک دوسری سی
ایسی طرح مستفید ہی جیسی زمین آفتاب سی یا آب گرم آتش سی تو اسکا جواب یہہ ہی
کہ تمام اجسام ملونہ قابل الوان ہین خود بذات خود ملون نہین صورت اوسکی یہہ
ہی کہ نور آفتاب وغیرہ جلوہ گر ہوتا ہی تو الوان اجسام نمایان ہوتی ہین نہین تو
نہین اس سی یا صاف عیان ہی کہ اصل مبصر وہ نور عارض ہی ورنہ بی نور بھی مبصر

ہوا کرتی اور جب نور ہی منعکس ہوا تو اصل تلون بھی وہی ہوگا کیونکہ ہم اوسیکو رنگ کہتی ہیں جو منعکس ہوتا ہی چنانچہ سب پر آشکارا ہی مگر بوجہہ تفاوت کہیں کسی طرح نظر آتا ہی اور کہیں کسی طرح کہیں کوئی کیفیت ہوتی ہی کہیں کوئی کیفیت سو یہہ ہی اختلاف کیفیات اختلاف الوان ہی غرض سفید و سرخ اصل میں وہ نور ہی اوس سی اور اجسام بقدر قابلیت مستفید ہوتی ہیں اور ظاہر ہی کہ گفتگو اوصاف میں ہی خود قابلیت اوصاف میں نہیں غرض وہ اوصاف جو کمی کی ساتھہ ہونگی بیشک اوس موصوف کا فیض ہونگی جسکا وصف خانہ زاد ہو اور وہ موصوف جسکا وصف خانہ زاد ہو اور ونکا دست نگر نہو گا دلیل اس دعوی کی مسایل مسلمہ میں سی تو معروض ہو چکی یعنی خدا کی سواء اور مخلوقات وجود اور کمالات وجود میں خدا کی محتاج ہوتی ہیں اگر کمی و ضعف اوصاف بالذات اس بات کو مقتضی نہوتا کہ اور ونکا فیض ہوا کری تو پہر سب کا فیضیاب خداوندی ہونا مسلم نہ ہو سکتا اور دلیل عقلی درکار ہو تو لیجیے اگر اوصاف ضعیفہ والی اوسکی دست نگر نہوں جو سب میں افضل اور اعلی اور اشد اور اقوی اوس صفت میں ہو بلکہ اونکا وصف بھی خانہ زاد ہو تو یہہ معنی ہوئی کہ منبع وصف اور مطلع صفت منبع اور مطلع نہیں کیونکہ کمی اور نقصان کی دریافت کرنیکی لئی کوئی پوری اصل چاہئی جس سی کم رہجاتی تو کم کہلاتی سو باوجود اصلیت اور خانہ زاد ہونیکی اگر کمی ہو تو یہہ

یعنی یوں کہ اصل میں اتنا تھا اب اتنا رہگیا اسلیے کہ کمی اور نقصان اصل ہی میں متصور
ہی اور جو پہلی ہی سی ہو اوسکو نقصان بہی نہیں کہہ سکتی غرض نقصان بعد تمامیت
متصور ہی اس سی پہلی متصور نہیں سو جہان نقصان ہوگا اوس سی پہلی ایک اور
مرتبہ ماننا پڑیگا جہان تمامی اور کمال ہو مگر وہ مرتبہ اول ہوا تو پہر یوں نہیں
کہہ سکتی کہ موصوف بالوصف الناقص منبع اور مطلع ہی بلکہ منبع اور مطلع وہ
مرتبہ ہوگا جو اوس سی پہلی ہی اور جہان وہ وصف تمام اور کمال ہی اسکی بعد یہہ
گزارش ہی کہ اوصاف ناقصہ کی موصوفات کو جب موصوف بالوصف الکامل
کی دست نگری لازم ہوئی تو موصوف وصف کامل تو مصدر اور مطلع وصف
ہوگا اور باقی موصوفات اوصاف ناقصہ سب قابل مگر ہم دیکہتی ہیں کہ قابل کا
وصف اوس سی منفصل ہو جاتا ہی پر مصدر کا وصف اوس سی منفصل نہیں
ہوتا آفتاب اہل ہیئت کی نزدیک مصدر التنور ہی اور قمر اوسکی نسبت قابل
زمین بیچمین آجائی جیسا چاند گہن کی وقت ہوتا ہے تو قمر سی تو نور علیحدہ
ہوجاتا ہے پر آفتاب سی علیحدہ نہیں ہوتا پہر قمر سی صادر ہوکر اگر زمین وغیرہ
میں نور آئی تو اور کوئی چیز بیچمین حائل ہوجائی تو زمین وغیرہ سی تو نور علیحدہ
ہوجاتا ہی پر قمر سی علیحدہ نہیں ہوتا اور اگر آئینہ نور قمر سی مستفید ہو اور
اوس سی نور صادر ہوکر در و دیوار پر واقع ہو اور درمیان میں کوئی جسم

کثیف آجائی تو آئینہ تو بدستور منور رہی پر درو دیوار سی نور جاتا رہی غرض
مصدر سی وصف صادر بحیثیت صدور منفصل نہین ہوسکتا اور ظاہر ہی کہ فرد اکمل
اور موصوف اعلیٰ وافضل مثل آفتاب بجمیع الوجوہ مصدر ہوگا مثل قمر وغیرہ من
وجہہ قابل اور من وجہہ مصدر نہوگا مگر یہہ ہی تو پہر اوسکی وصف کی انفصال
کی کوئی صورت ہی نہین اس سب بحث طویل کی بعد یہہ غرض ہی کہ روح کی
حقیقت کو ٹٹولئی تو یہہ ہی فہم وشعور اور اخلاق حمیدہ سی اوسکا خمیر معلوم
ہوتا ہی اور ظاہر ہی کہ ان دونون باتون مین افراد بنی آدم مین باہم تفاوت
زمین و آسمان ہی اور یہہ بہی ظاہر ہی کہ فہم وشعور واخلاق از قسم اوصاف
ہین اور اوصاف کی دو قسمین ہین جسمین سی ایک کا نام مصدر اور موصوف
اصلی یعنی صاحب وصف خانہ زاد ہی اور دوسری کا نام قابل اور مستعیر ہی
اور یہہ پہلی ثابت ہولیا کہ فرد اکمل مصدر ہوگا اور باقی قابل اس صورت مین
فرد اکمل ارواح ادراک وشعور اور فہم وفراست وعلم واخلاق حمیدہ کی
حق مین مصدر ہوگا اور موافق قرارداد حال اوس سی فہم وشعور کا انفصال
نہوگا اسلئی اوسکی خواب اور موت کو اوروں کی خواب اور موت کی ہمرنگ اسی طرح
نظر آئی جیسی سورج گہن اور چاند گہن بظاہر ہمرنگ یکدیگر ہوتی ہین پر حقیقت
مین اوسکی خواب اور موت اور اوروں کی خواب اور موت مین ایسا فرق ہوگا جیسا

باعتبار حقیقت سورج گہن اور چاند گہن مین فرق ہوتا ہی یعنی جیسی وقت گہن
نور آفتاب تو زایل نہین ہوتا بلکہ چاند کی اوٹ مین ایسی طرح مستور ہوجاتا ہی
جیسی وقت گرد وغبار اور چاند کا نور وقت خسوف بوجہہ حیلولت زمین ایسی طرح
زایل ہوجاتا ہی جیسی آئینہ مقابل آفتاب کا نور کسی چیز کی حایل ہوجانیکی باعث
ایسی ہی اوس فرد اکمل کا فہم وشعور وقت خواب وموت مستور ہوگا زایل نہوگا
اور افراد ناقصہ کا فہم وشعور وقت خواب ومرگ زایل ہوگا مستور نہوگا اور
اسلئی نہ اوسکی مال مین میراث جاری ہوگی نہ اوسکی ازواج سی اوروںکو نکاح
جایز ہوگا مگر فرد اکمل کی خواب ومرگ مین اوسکا فہم وشعور زایل نہوا مستور
ہوا تو پہر جیسی نور چراغ اوسوقت جسوقت اوسکو کسی ظرف گلی یا مسی وغیرہ مین
رکہکر اوپر سی سرپوش ڈہک دیجیی باین وجہہ کہ ساری شعاعین جو پہلی دور
دور پہیلی ہوئی تہین سب طرف سی سمٹ کر اوسی ظرف مین آجاتی ہین اور بہی
شدید ہوجاتا ہی ایسی ہی لازم یون ہی کہ فرد اکمل کا فہم وشعور وقت خواب
اور بہی تیز ہوجائی مگر یہہ ہوگا تو نہ وقت خواب کدورت غفلت جو وقت
خواب ہمکو تمکو ہوا کرتی ہی اوسکو پیش آئیگی اور نہ یہہ احتمال ہوگا کہ ریح نکلجائی
اور بوجہہ غفلت خواب اوسکی خبر نہو جب یہہ مسلم ہوچکا تو اب یہہ التماس
ہی کہ جو شخص فرد اکمل ہوگا اوسی مراتب کمال ایسی طرح ختم ہوجائین گی جیسی

بادشاہ پر مراتب حکومت یہہ جیسی ہر مرتبہ حکومت کی لئی جُدی ہی القاب اور جدی ہی آداب ہوتی ہین کلکٹر کا لقب کلکٹر ہی اور کمشنر کا لقب کمشنر لفٹنٹ کا لقب لفٹنٹ اور گورنر کا لقب گورنر بادشاہ کا لقب بادشاہ ایسی ہی ہر مرتبہ کمال کی لئی خدا کی طرف سی بحیثیت کمال جُدی جُدی القاب اور آداب ہونگی اور باعتبار حکومت بہی جُدی جُدی القاب اور آداب ہونگی تفاوت کمال کا حال تو ظاہر ہی ہی رہی حکومت اوسکی یہہ صورت ہی کہ خدا تعالیٰ احکم الحاکمین اور پیغمبر اور رسول اوسکی نسبت بمنزلہ حکام ماتحت وجہہ اسکی یہہ ہی کہ کارخانہ سلطنت مین اصل حاکم وہ ایک بادشاہ ہی ہوتا ہی اوسکی حکم احکام یعنی قوانین کی موافق ملازمان سلطنت حکومت کرتی ہین اور اسیوجہہ سی حکام ماتحت کہلاتی ہین ایسی ہی کارخانہ دین مین اصل حاکم خدا تعالیٰ ہی اوسی کی احکام کی موافق انبیاء کرام علیہم السلام اور اونکی خلفاء راشدین احکام جاری فرماتی ہین اور حکم کرتی رہتی ہین بالجملہ انبیاء اور خلفاء بمنزلہ حکام ماتحت ہین اور اسوجہہ سی جیسی باعتبار کمالات باہم تفاوت ہی باعتبار حکومت بہی تفاوت ہوگا اور اسوجہہ سی ہر مرتبہ کی لئی جدا لقب اور جدی ہی اوسکی تعظیم ہوگی اور وہ لقب اور وہ تعظیم ہی اوسکی مرتبہ شناسی مین کافی ہوگی سو جسکی شان مین وہ لقب خدا تعالیٰ کی طرف سی آئی جو اختصام

مراتب کمال اور اختتام مراتب حکومت پر دلالت کری اوس شخص کو فرد اکمل
اعتقاد کرنا چاہئی اور اوسکی خواب و موت کو ساتر ہوش و حواس و فہم و شعور
سمجھنا ضرور ہی ہے اور اوسکی خواب و موت کو مزیل ہوش و حواس و فہم و شعور
خیال نکرنا چاہئی مگر ایسا شخص جسکی شان مین خدا کی طرف سی وہ لقب آیا ہو
جو بنی آدم مین سی اوسکی خاتم الکمالات اور خاتم مراتب حکومت ہونی پر دلالت
کری سوائی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کوئی نہین ہوا نہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی شان مین اس قسم کا لقب آیا نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور
حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہم کی شان مین اس قسم کا لقب وارد ہوا اور
نہ ان صاحبون مین سی کسی نی یہہ دعوی کیا کہ میری بعد کوئی حاکم نہ آئیگا
اور کوئی نبی یا صاحب کمال اعظم ظہور نہ فرمائیگا اس قسم کا دعویٰ اگر کرتی تو
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتی اور اس قسم کا لقب آتا تو اونکی شان مین
آتا جب انجیل مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہہ مقولہ موجود ہو کہ جہان کا
بادشاہ آنیوالا ہی اور مین اوسکی جوتی کی تسمہ کی برابر بھی نہین تو اہل فہم کو تو
اسمین تامل نہ رہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ خاتم مراتب حکومت ہین اور نہ خاتم
مراتب کمال اگر خاتم مراتب حکومت ہوتی تو خود بادشاہ جہان ہوتی یون
نہ کہتی کہ بادشاہ جہان آنی والا ہی کیونکہ بادشاہ ہی خاتم مراتب حکومت

ہوتا ہی اور خاتم مراتب کمال ہوتی تو یون نہ فرماتی کہ مین اوسکی جوتیون کی تسمہ کی برابر بہی نہین یہہ مقولہ اگر سچا ہی اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکہتی ہین اونکی نزدیک بیشک یہہ قول سچا ہی تو پہر حضرت عیسیٰ السلام خاتم مراتب کمال کیونکر ہوسکتی ہین اگر ہوگا تو وہی شخص ہوگا جسکی نسبت یہہ ارشاد ہی باقی رہی نکمّی تاویلین وہ کسکو نہین آتی مگر وہ کون ہین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہین کیونکہ بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اول تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سی پہلی کسی نی دعویٰ نبوت نہین کیا اور نہ کوئی نبی ہوا دوسری آپ کی سوا اور کسی نی دعویٰ خاتمیت نہین کیا اور نہ بحوالہ پیغام و وحی خداوندی اس قسم کا لقب اپنی نسبت کسی نی کسکو سنایا رہی حضرات حواریین اول تو وہ نبی نہ تہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سی دعوت دین مسیحی کرتی تہی جسکا حاصل یہہ ہوا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خلیفہ اور اونکی نائب اور اونکی بہیجی ہوئی تہی نہ بلا واسطہ خدا کی بہیجی ہوئی نہ تہی اور اگر اونکی نبوت حسب اعتقاد مسیحیان تسلیم بہی کیجئی تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس مقولہ کی مخاطب نہ تہی اس لئی وہ شخص کوئی اور ہی ہونا چاہئی رہی پولوس مقدس اونکو حواری کہنا بجز بیحیائی اور کیا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زمانہ مین اونکا نام و نشان نہ تہا باینہمہ کسی نی اونمین سی نہ دعویٰ خاتمیت کیا نہ بحوالہ وحی اپنی لئی

اس قسم کا لقب بیان کیا البتہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاشان
مین لقب خاتم النبین اور نذیر اللعلمین اور رحمتہ اللعلمین قرآن شریف مین
موجود ہی جن مین سی دو اول بی تو خاتمیت مراتب حکومت بالتصریح اور
خاتمیت مراتب کمال بالالتزام نکلتی ہی اور تیسری لقب سی خاتمیت
مراتب کمال تو بالتصریح اور خاتمیت مراتب حکومت بالالتزام نکلتی ہی وجہہ
اسکی یہہ ہی کہ نبی اور نذیر حکومت اور حکمرانی مین نایب خدا ہوتی ہین جو
اونکا خاتم ہوگا اوسپر مراتب ماتحتی ختم ہو جائین گی اسلئی وہ سب پر حاکم
ہوگا اور تمام عالم اوسکی عملداری مین اسی طرح داخل ہوگا جیسی گورنر کی
عملداری مین تمام ہندوستان اور کسی اور کو یہہ بات نصیب نہو گی کیونکہ
اور سب ایسی طرح خاص خاص اضلاع کی حاکم ہونگی جیسی لفٹنٹ کمشنر
وغیرہ خاص خاص اضلاع کی حاکم ہوتی ہین اور چونکہ حاکم وہی ہونا چاہئی
جو محکومون می افضل ہو اور خدا کی یہان یون ہی ہوتا ہی یہہ نا انصافی
اور ظلم نہین کہ لایق کوئی ہو اور حاکم کوئی ہو جائی تو یہی خاتمیت
حکومت اور عموم حکومت اوسکی افضلیت اور اکملیت پر دلالت کرگی
اور جب افضلیت اور خاتمیت حکومت مین بوجہہ عدل و قدرشناسی خداوندی
مم ہوا تو آیۂ رحمتہ للعلمین جو افضلیت اور خاتمیت مراتب کمال پر بالتصریح

دلالت کرتی ہی خاتمیت مراتب حکومت پر آپ دلالت کریگی باقی رہا آیۂ مذکورہ
کا خاتمیت مراتب کمال پر دلالت کرنا اوسکی صورت یہہ ہی کہ یہہ تو پہلی ثابت
ہوچکا کہ فرد اکمل و افضل اور افراد کی حق مین مفیض اور مفید اور موثر اور معطی
ہوتا ہی اور سب جانتی ہین کہ یہہ عین ترحم اور رحمت ہی سو جو شخص تمام عالم
کی حق مین رحمت ہو وہ بیشک سب کی نسبت مفیض اور مفید اور موثر اور معطی
ہوگا اور اسوجہہ سی اوسکی افضلیت اور اکملیت کا قائل ہونا پڑیگا بالجملہ حضرت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مین اوس قسم کی القاب وارد ہین جو اونکی
افضلیت اور اکملیت اور خاتمیت مراتب کمال و حکومت پر دلالت کرتی ہین
اور کسی کی شان مین اس قسم کی القاب نہین آئی اور قسم کی القاب آئی ہین اس
سی صاف ظاہر ہی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل المخلوقات
اور اشرف الکائنات ہین اور یہہ ہی وجہہ ہوئی کہ اونکا دین آخر الادیان ٹھیرا
علاوہ اور معجزات کی قرآن شریف اونکا معجزہ ہین جب اس دین کا آخر الادیان
ہونا تو یون ضروری ہوا کہ حکام ماتحت کی احکام کا مرافعہ کرتی ہین تو آخری
مرافعہ بادشاہی کچہری مین ہوتا ہی اور اوس کچہری کا حکم آخری حکم ہوتا ہی اور وجہہ
اوسکی یہہ ہوتی ہی کہ اوس کچہری اور اوس کچہری کی حاکم پر مراتب حکومت
ختم ہوجاتی ہین سو ایسی ہی کارخانۂ حکومت دینی مین اوس شخص کا حکم آخر

رہنا چاہیے جسپر مراتب حکومت دینی ختم ہو جائیں اور قرآن شریف کا اعجاز
ایسی شخص کی لئے اسلئے ضرور ہوا کہ اعجاز مین ایک طرح کا اظہار کمال ہوتا ہے
یعنی جیسے بڑا خوشنویس وہ ہے جو ایسا قطعہ لکھدے جسکے ثانی کی لکھنے سے اور خوشنویس
اور منشی عاجز آجائیں اور ظاہر ہے کہ یہہ عین اظہار کمال ہے ایسے ہی بڑا بنیا
اور بڑا صاحب کمال وہ ہے جو ایسا کام کر سکے جو اور اقران و امثال اوسکے
کرنے سے عاجز آجائیں غرض حقیقت اعجاز ایک قسم کا اظہار کمال ہوتا ہے اور
ظاہر ہے کہ کمالات مین اعلی اور افضل علم ہے اور کیون نہو محبت مشیت
ارادہ قدرت وغیرہ کمالات سب علم کے محتاج ہین اور علم کسی کا کمالات مین
سے محتاج نہین بظاہر حیات پر علم موقوف معلوم ہوتا ہے پر غور سے دیکھیے تو
حقیقت حیات قوت ادراکیہ اور قوت حرکت بالارادہ ہے اسلئے حیوان
کی تعریف مین حساس متحرک بالارادہ کہا کرتے ہین غرض وہ قوت علمیہ جو معلومات
کے ساتھہ اسی طرح متعلق ہوتی ہے جیسے نور اجسام کے ساتھہ وہ قوت روح انسانی
کے ساتھہ اس طرح قایم ہے جیسے نور آفتاب کے ساتھہ جب وہ قوت رکن اور عنصر
اور جزء حیات ہوئی تو حیات اوسپر موقوف ہوئی نہ وہ حیات پر موقوف ہوئی
بالجملہ کمالات کا خاتمہ علم پر ہے جو شخص خاتم مراتب کمال ہوگا وہ علم مین اوروں سے
افضل اور اکمل ہوگا اسلئے اظہار کمال علمی مین وہ سب سے فائق ہوگا اور سوا

اوسکی اور سب اوسکی سامنی عاجز ہونگی اور اسوجہہ سی اوسکی معلومات اور اوسکی
عبارات اور وںکی حق مین معجز ہونگی جیسی اوسکی معلومات عجیب ہونگی ایسی ہی
اوسکی عبارات بہی عجیب وغریب ہونگی کیونکہ تجویز عبارت بہی اوسی کمال سی
متعلق ہی اس تقریر کو اہل فہم تو قرار واقعی سمجہین گی اور اسوجہہ سی دین اسلام پر
ایسی طرح فریفتہ ہو جائین گی جیسی عاشق مزاج خاتم مراتب حسن و جمال پر فریفتہ
ہو جاتی ہین اور ہم سی پوچہو تو آدمی بہی وہی ہین جو صاحب فہم ہین اور جو
صاحب دولت ہین فہم سی معری ہین اونکو یہہ تقریر جستہ ایسی طرح مہمل
اور بی معنی معلوم ہوگی جیسی حیوان لایعقل کو کلام فصیح و بلیغ غرض جیسی حیوانات
کلام انسانی نہین سمجہتی ایسی ہی وہ آدمی بہی جو آدمیون کی فقط تصویر ہی تصویر
ہین ورنہ حقیقت مین ایک کلام لغو اور بی معنی خیال فرما کر التفات
نکرینگی واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد خاتم النبیین و آلہ و اصحابہ اجمعین فقط ؞

مکتوب بنام حافظ عبدالرحیم خانصاحب عنایت فرمایمن سلامت السلام علیکم
آج ۱۴ رمضان المبارک دوشنبہ کو آپکا عنایت نامہ پونہچا دیکہا تو عجیب قصہ
نظر آیا حیران ہون ہنسون یا روؤن حافظ صاحب آپکو یہہ کیا سوجہی آپ کی
سوجہنی سمجہنی کی لئی اور مضمون بہت تہی اس دریائی ناپیدا کنار مین آپ نی

کیون قدم رکہا آپ نی خدا جانی اپنی آپ کو کیا سمجہا ہی جو ایسی مضامین مشکلہ کی
حل کی درپی ہوئی الف بی تی پڑہنی والون کو کسی نی نہ سنا ہوگا کہ سکندر نامہ
ابو الفضل مینا بازار ہی سمجہنی کا ارادہ کیا ہو اور علم معقول اور منقول اصول
الہیات کا تو کیا ذکر ہی پہر یہہ تو کیون نوبت آئی کہ الف با پڑہنی والا ایسی
مضمونون مین اپنی دل ہی دل مین بحث کری اور دل ہاری یا ہرائی وجہہ اس
ارادہ نکرنی اور بحث نکرنیکی آپ ہی جانتی ہین کہ یہی ہی کہ طفل نادان الف با خوان
اپنی فہم کو اس مضامین سی قاصر سمجہتا ہی آپ ہی اگر اتنی بات سمجہہ لیتی تو کیون اس
خلجان مین پڑکر دین و ایمان کو نذر شیطان کرتی حافظ صاحب اُن مضامین کی
سمجہنی کی لئی ہی عقل مثل آفتاب روشن چاہئی جسکی نور سی سب چہوٹی بڑی
چیزین جدا جدا معلوم ہونی لگین اگر کسی مین ذرہ کی سی چمک ہووی ہی تو
اوس سی کیا کام چل سکتا ہی نادان اگرچہ نادان ہی پہر اگر اتنا سمجہہ لی کہ مین
نادان ہون تو بالکل نادان نہین کیونکہ یہہ ہی ایک قسم کی دانائی ہی ہان
نادان ہوکر اگر اپنی نادانی پر ہی مطلع نہو تو اوس سی زیادہ اور کون نادان
ہوگا وہ تو اوس طفل مکتب نشین سی ہی گیا گذرا جو اپنی آپ کو یون سمجہتا ہی
کہ مین کتب مذکورہ اور علوم مستورہ کو نہین سمجہتا پر مین نہین سمجہتا تو کیا ہوا
ایک جہان کا جہان سمجہتا ہی اور تمام عقلاء اور اہل علم ان کتب اور ان علوم کو

حق بتلاتی ہین پہر کیونکر کہدیجیے کہ یہہ کتابین غلط اور یہہ علوم باطل ہین آپ بہی اگر
اسی طرح سمجہہ لیتی تو کیا اچہا ہوتا دل ہی مارتا تم نہ مارتی کیا تمہاری نزدیک
یہہ دلیل کم ہین کہ ساری انبیاء اور ساری اولیاء اور ساری علماء اور ساری
عقلاء تقدیر مطلق اور معلق کو مانتی چلی آتی ہین یہہ وہ لوگ ہین جنکی عقل
و دانش کی قسم کہانی چاہئی پہر ایسی دو چار دس بیس سو پچاس ہزار دو ہزار
نہین کروڑون اور بیسون سی بہی نوبت گذر گئی ہی تسپر تقدیر کا قصہ غلط
ہو تو یہہ معنی ہون کہ وہ سب دیوانی تہی ایک آپ ہوشیار ہین اب
تمہین انصاف سی کہو اسکو جنون اور مالیخولیا ہی کہتی ہین یا کچہہ اور آپ کو
لازم ہی کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور علماء عظام کی بات پر بلی
دلیل ایمان لائین اور اپنی آپ کو اس مقدمہ مین طفل نادان مکتب نشین
سی بہی کم سمجہین اور اپنی نقصان عقل کا اعتقاد یقینی دلمین جماکر اس مضمون کی
سمجہنی کی آرزو اپنی دل سی دہوئین اور اپنی تسکین کی لئی مولانا روم رحمۃ اللہ
علیہ کا یہہ شعر ورد زبان رکہین ؎ آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ ؛؛
بر نتابد کوہ را یک برگ کاہ ؛؛ غرض جیسی گہاس کی تنکی سی پہاڑ نہین اوٹہہ
سکتا ایسی ہی عقل ناقص سی یہہ مضمون نہین سمجہا جاتا پہر مین کیا لکہون
اور کیا آپ کو سمجہاؤن آپ کی سمجہنی سمجہانی کی بابت تو وہی ہی جو اوپر لکہہ چکا

ہوں مگر مزید تسکین کیلئے اتنی بات لکھے دیتا ہوں آدمی مکان اپنے آپ بناتا ہے مکان خود نہیں بنجاتا تیسرے پائخانہ میں بیٹھکر پائخانہ پہرتا ہے کبہی روٹی بیٹھکر نہیں کہاتا اور دستر خوان پر دہر کر دالان میں بیٹھکر روٹی کہاتا ہے کبہی باختیار خود بلے ضرورت پائخانہ نہیں پہرتا آپ فرمائیں پائخانہ نے کیا قصور کیا ہے وہ اپنے آپ پائخانہ نہیں بنگیا دالان اور دستر خوان نے کوئی انعام کا کام نہیں کیا اپنے آپ دالان اور دستر خوان نہیں بن گئے یہہ ظلم اور تعدی جو پائخانہ پر ہوتی ہے اگر اسکا یہی جواب ہے کہ ویسے ہی لئے بنایا ہے اور وہ اسی لائق ہے تو اگر خدا کی طرف سے یہی جواب قبول فرمائیں تو کیا دشوار ہے خدا کا رتبہ بانئے مکان کے برابر بہی نہیں رہے مطلق اور معلق کی بات اوسکا یہہ حال ہے کہ خدا کے حساب سے سب مطلق ہے فرشتوں اور سوائے انکے اور مخلوقات کی نسبت یہہ فرق مطلق و معلق ہے اسکی مثال کی ضرورت ہے تو سنئے آم کی عمر پختگی کے بعد پانچ سات دن سے زیادہ نہیں ہوتی ہاں اگر سرکہ یا شہد یا تیل میں آم کو ڈالدیجئے تو پہر برس دو برس بلکہ زیادہ ٹہیر سکتا ہے سو قبل اسکے کہ سرکہ وغیرہ میں ڈالے یوں کہہ سکتے ہیں کہ آم کا پہل یوں ہی رہا تو اتنے دن رہیگا اور سرکہ وغیرہ میں ڈالدیگے تو پہر اتنی مدت تک ٹہیر لیگا مگر یہہ بات کہ سرکہ میں ڈالدیا جاویگا یا نہیں ڈالا جاویگا مالک آم کی دلسے پوچھیا

چاہئے اوسکی دلمین جو کچھہ ہوگا وہی ظہور مین آجاویگا اوسکی خلاف نہوگا سو یہہ کہنا
نہ کہنا تو تقدیر معلق کی صورت ہی مگر مالک کی دلکی حساب سی یہی مطلق حافظ
صاحب تقدیر مطلق اور معلق کو یون سمجھی آپ نی جوابی دلسی تقدیر مطلق
اور معلق کی معنی گہڑی ہین یہہ آپ کی غلطی تہی اس غلطی کی بہروسہ آپ نی
ایک خیال کا سلسلہ شیطان کی آنت کی طرح ناحق بڑہا لیا اب یہہ عرض
ہی اگر انکو سلیقہ فہم مطلب معلوم آپکی نزدیک تہا تو اور علماء کی
دستخط کی کیا ضرورت ہی جواب معقول کی طلب چاہئے تہی اور نہین تہی تو
جواب معقول کس مرض کی دوا ہی غرض مکرر یہہ ہی کہ جیسی بیمار کو قوی
غذا سی منع کرتی ہین حالانکہ قوی غذا ایک بڑی نعمت ہی ایسی ہی ان
مضامین مین خوض کرنی سی کم عقلون کو ممانعت ہی غرض تقدیر کی حق
ہونی مین کچھہ شک نہین پر اسکی ساتہہ اکثر لوگون کی اس مضمون کی نسبت
کم فہم ہونیمین بہی کلام نہین فقط ⁂ ⁂

جناب مولوی حافظ حاجی عبد العدل صاحب السلام علیکم امروز روز شنبہ
پانزدہم ماہ صیام بخت خفتۂ ما بیدار شد چٹھی رسان آمد و نامۂ عنایت نامہ آمیز رسانید
باری غنیمت است کہ سر یاد آوران خود دارند درین عرصہ بیاد عنایتہ دیرینہ بتقاضا
محبت کہ دارم من ہم بانتظار عنایت نامہ بودم مگر الحمد للہ کہ ہم آرزوی من بر آمد

وہم خیالم راست گردید الحمد للہ کہ اہلیہ شان کہ مونس غمخوار شان است در سایۂ
فضل الٰہی قرار دیارب بقیہ مرض ہم دور گردان باعث گرانی زیادہ تر ہمین خیال
بیماری اہلیہ اوشان بود خداوندا این قران السعدین را ہموارہ ہمین طور دارد
خبر خیریت اوشان و اہلیہ اوشان این طرف موجب اطمینان شد اکنون از
حال ما نیز بشنوند تا دی شب ریزش خلشی داشت گلو وقت فرو بردن
لب درد میگیرد و وقت بیوقت گہہ و بیگاہ سرفہ کار خود میکرد و ہمین
است کہ این بار توفیق قرآن خوانی نصیب این بی نصیب نشد مگر الحمد للہ کہ
از دیروز بہر گونہ صحت می نماید اگر باشد اثری بس خفیف باشد کہ اورا کش
بی تامل دشوار است آری ضعف دماغ ہمان است کہ بود باز موہای سرم
ہمہ ریختند بہر حیثیتے کہ از ہوای سرد باشد اندیشہ این خلش است
این بار خلاف عادت یک شتارۂ تنگی بار سرم می ماند دیدہ باید انجام این
ناتوانی چہ باشد باقی ہمہ وابستگان من بخیر اند اما اہلیہ احقر را سدہ ہمہ
جانگداز دی شب بجان رسیدہ ساعتی بیشتر از صبح مولوی محمود حسن صاحب
پا پیادہ بمعیت دیگری از دیوبند رسیدند و خبری انتقال اہلیہ مولانا محمد یعقوب
صاحب رسانیدند غرض ازین افتان و خیزان آمدن آن بود کہ میان معین الدین
بہ نانوتہ بودند آنجا مگر رسیدن اوشان بجنازہ بود چون دیگری کفیل

این کار نشد بحکم سعادت که زاید از دیگران نصیب اوشان شد بیاد حق او ستادی
برخاستند و خبر این واقعه که وقت نواخت یازده جا نگر ا شد قریب نواخت
جار رسانید اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن افسوس که خانهٔ مولانا ویران شد و اطفال
خورد سال اوشان پریشان مگر تقدیر خداوند بی نیاز است نیازمندان برگردانیدن
نتوانند چارهٔ بجز صبر نیست رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا آن شفیق ادعاء حصر ثبوت افضلیت
محمدی صلی اللہ علیہ وسلم از آیۃ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ از تحذیر نقل می کنند و من
هرچند یاد کردم بیادم نیامد غالبًا آن شفیق بغلط افتاده اند این قسم مضامین در
جوابات اعتراضات مولوی محمد علی صاحب و مولوی عبدالعزیز صاحب بقلم آمده اند
گاهی احقر این قصه پیش آنعزیز نقل کرده باشد بسبب امتداد زمانه بجای پیش تحذیر
یاد مانده مگر هرچه باد اباد جواب اعتراض آنعزیز می باید داد عزیز من نه هر جا مصداق
رحمت از مرحوم علیهم افضل باشد و نه هر فرد مرحوم علیهم از مصداق رحمت نه این
قضیه کلیه است نه آن صفت رحمت خداوندی که صفت قدیم است و واجب
لاجرم از جمله کائنات اعنی ممکنات که مرحوم علیهم هستند بالیقین افضل است
و هم چنین در رحمت اصاغر بر اکابر چنانکه در درود می بینی مرحوم علیه بالیقین از
رحمت اشرف پس چون حال نفس رحمت این است مصداق مجازی رحمت
را که مظهر صفت رحمت می باشد برین قیاس باید فرمود لیکن این وقت شاید

انتظار وجوه افضلیت و مفضولیت دل خراشیها کند لهذا پیش بندیها سکینم
و ضابطه این تمیز را رقم زده قاعده کلیه بنیاد می نهم کار رحمت ایصال چیزی
بچیزی است و کار غضب سلب چیزی از چیزی اول بنفع سر دارد و ثانی را
بضرر سر و کار و آنچه از ایصال آتش به تن و جامه مخالف این معروض نظر آمده
باشد از نظر سرسری و انند چه این ایصال موجب ازاله اجزاء محبوبه و اشیاء مطلوبه
میگردد و زین وجهه داخل بضرر شد ورنه نفس ایصال حرارت اگر بجمیع الوجوه از
اقسام ضرر باشد نان گرم و طعام گرم همه از منفورات عنه می بود نه از مطلوبات
بالجمله کار رحمت ایصال چیزی بچیزی است مگر یکی بدیگری همان رساند که بدامان
و دست خود دارد و درین باره میدانی که با وجود وحدت مبدأ فیاض کائنات
چنان متفاوت اند که آئینه و ذره و زمین و آسمان با وجود یکتائی خورشید
در نور گیری بمراتب متفاوت اوفتاده اند پس اگر آئینه بدیگران نور افشانی
کند در خور وسعت خود کند و اگر ذره کند موافق حوصله خود کند و اگر زمین بافاده
نشیند حسب مقدور خود توان کرد و آسمان بداد و دهش برخیزد لایق استطاعت
خود توان داد مگر هرچه بادا باد دهنده از گیرنده بحیثیت داد و دهش افضل است
گو بحیثیت دیگر قصه برعکس بود اکنون موازنه حیثیات ضرور افتاد یعنی آن
مراتب متفاوت را که بیشتر بآن اشاره کرده ام می باید سنجید و باز باید دید اگر

ذخیرۂ سابق از عطاء لاحق افضل است مرحوم علیہم از مصداق رحمت افضل باشد
واگر عطاء لاحق از ذخیرۂ سابق افضل است مصداق رحمت از مرحوم علیہم
افضل بود مثلاً با قتران نور و آئینہ رنگین آئینہ رنگ منور شد و نور ملوّن
از ہر طرف داد و ستد بمیان آید مگر چون نگہہ کردیم در جانب نور ذخیرۂ سابق
اعني نورانیت از عطاء لاحق اعني رنگیني افضل است و در جانب رنگ ذخیرۂ
سابق اعني رنگیني از عطاء لاحق اعني نورانیت کمتر چون این قاعدہ ممہد شد
دیگر مي باید شنید در انبیاء عطاء لاحق یعني نبوت از ذخیرۂ سابق اعني آدمیت
افضل است پس اگر نبوت فیض محمدي صلی اللہ علیہ وسلم باشد لاجرم افضلیت
محمدي صلی اللہ علیہ وسلم بہ ثبوت خواہد رسید آري باد ہمین قاعدہ از آیۃ
وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ افضلیت محمدي صلی اللہ علیہ وسلم بر انبیاء
کرام علیہم و علیہ السلام بلکہ بر جملہ کائنات مي توان بر آورد چہ اندرین صورۃ مصد
و منشاء جملہ فیوض چہ نبوت و چہ ولایت بلکہ چہ بوجود و چہ نمود ہمہ از برکات
ذات نبوي محمدي صلی اللہ علیہ وسلم باشد ورنہ اگر در فیوض تخفیفي بمیان
آید کلیتہ این قضیہ کہ از لفظ للعٰلمین مستفاد است منقوض گردد چہ این قدر
مسلم است کہ در کائنات ہر چہ ہست فیض خارجي است کمال ذاتي نیست
کہ این جز ذات احدیت تعالی شانہ دیگرا از انہ نسزد پس اگر جملہ فیوض

بوساطت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نگویند لاجرم فیضی کہ از طرف دیگران و بتوسل دیگران باشد بعالمی رسیدہ باشد اندرین صورت آن عالم از عموم للعلمین کہ تسلیم آن بر موسنان ضروری است برون افتد و اینکہ فیضی بفردی رسیدہ باشد نہ بعالمی درینجا کاری نمیکشاید چہ ہر ممکن عالمیت بمعنی آنکہ علم و علامت است بر وجود موجد خود چہ از ہر پہلو ہر ممکن اینقدر ہویدا است کہ ہرچہ از وجود و وجودیات در بردارد ہمہ بالعرض و خارجی است بالذات و خانہ زاد نیست ورنہ قدم بجای حدوث جلوۂ ظہوری کرد و وجوب بمقام امکان تسلط میداشت ممکن ممکن نبودے واجب بودے حادث حادث نبودے قدیم بودے چنانچہ ظاہر است و میدانی کہ وجہ تسمیہ عالم ہمین است کہ این علامت است بر موجد خود وچون نباشد آخر ہر بالعرض را از بالذات ناگزیر است القصہ ہر شخص عالمی است جدا و اینکہ عالم بمعنی مجموعہ مستعمل است اول مخالف آیتہ است چہ اندراین صورت جمعیت للعلمین بیکار بود دوم این استعمال حادث است معنی لغوی کہ پس از تدبر وجہ تسمیہ و فقہہ اللغۃ می برآید ہمان است کہ من عرض کردہ ام بالجملہ برین تقریر جملۂ فیوض بتوسط محمدی صلی اللہ علیہ وسلم باشد مگر این توسط ہمان توسط فی العروض باشد نہ توسط فی الثبوت چہ کار رحمت چنانکہ گفتم افاضہ و ایصال است و فہمیدی

که افاضه یعنی دادن یا بودن عطا، قبل از دادن صورت نه بندد و ظاهر است که
اینجا داد ذات نیست داد صفات است هرچه از عالم علوی و درگاه احدیت
بعالم سفلی رسیده وجود باشد یا علم و قدرت همه از قسم صفات است ذات خداوندی
بکس عطا ننماید نظر برین توسط محمدی صلی الله علیه وسلم نیز در صفات باشد پس
اگر ذات محمدی صلی الله علیه وسلم را دهنده این صفات گوییم لاجرم اول اثبات
جمله صفات دران بنسبت ذات احدیت بالعرض لقبول نمائیم بعد ازان ظهور آن
صفات در دیگر کائنات بنسبت ذات محمدی صلی الله علیه وسلم بالعرض بود چه
اندرین صورت نه این توان گفت که ذات محمدی صلی الله علیه وسلم با ذات
وحده لاشریک له ازین صفات معری است فقط مابین معدن صفات
وکائنات سفیر است و بس چنانکه رنگریز در خم نیل و جامه سفیر محض باشد ورنه
خلو جناب باریتعالی و حبیب او تعالی صلی الله علیه وسلم از صفات کمال
لازم خواهد آمد و نه این توان گفت که مثل دست و مفتاح که در حرکت هم پایه یکدیگر
باشند همه در کمالات و صفات هم پایه جناب احدیت و درگاه احدی باشند ورنه
مساوات واجب و ممکن و قدیم و حادث جدا لازم آید و مخالف مفهوم رحمت
جدا باشد چه کار رحمت همان اعطاء است که مکرر عرض کرده شد و پیدا است
که دست اگرچه واسطه حرکت مفتاح است مگر معطی حرکت با و نیست ورنه

مثل سفینہ وجالس سفینہ یک حرکت بدو متحرک منسوب میشد و یک حصہ در
دو شریک مشترک می گردید زیرا کہ عطاء باعطاء از وحدت بہ تعدد نگراید زیرا
اگر درہمے بہ عمرو دہد آن درہم بعد اعطاء ہم ہمان است کہ قبل اعطاء بود پس
اگر صفتی از جانبی بجانبی بعطاء آید لاجرم بدو طرفش انتساب باشد مگر در صورت
اعطاء بہر دو طرف انتساب بالعرض نتوان شد چہ ماحصلش بجز اخذ و گرفتن
دیگر چیست و میدانی کہ بہر گرفتن چیزی کہ بیشتر بود دہندہ نیز باید یعنی آنکہ
معدن و مصدر او باشد الحاصل در صورت اعطاء و عطاء یک صفت در معطی و
معطیٰ لہ مشترک باشد و در صورت سفارت اگر چیزی در سفیر ہم باشد آن
دگر باشد و آنکہ دران سفارت اگر اول شان حرکت سفینہ وجالس آن است
و ثانی حال حرکت دست و مفتاح وہمین است کہ در جالس و سفینہ فرق
سکون و حرکت و سرعت و بطوء در قدر متوسط فیہما پیدا نتوان شد چہ در واحد
بجز وحدت دیگر چہ باشد و از واحد احوال متضاد در وقت واحد ظہور نتواند و در
حرکت دست و مفتاح فرق سکون و حرکت و سرعت و بطوء مشاہدہ توان
کرد آیا نمی بینی کہ بسا اوقات حرکت دست بطی باشد و حرکت مفتاح سریع
و ازین قسم است آنکہ در بعض آلات مثل آلات اوقات شناسی وغیرہ سامان
جر ثقیل از حرکت مستقیم حرکت مستدیر و بالعکس زاید از حرکت مدورہ

چوبین کہ زیر اعراب ما مستدیر باشد ببین چہ سامان جالسان بحرکت سفیم میروند از بخار روشن شدہ باشد کہ حرکت سفینہ دگر است و حرکت ذی واسطہ دگر بالجملہ درصورت رحمت ضروری است کہ از یک جانب داد و دہش بود و از جانب دگر اخذ و گرفتن و این را وحدت عطاء ضرور و سبقت وجود در معطی ضرور است نظر بر این از جملہ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اگر در پی اثبات افضلیت شوند ضرور است کہ وساطت عروض را اول در جملہ فیوض تسلیم کنند نبوت یک طرف پس ہمان آش در کاسہ باشد ہمین لحاظ بخدمت مولوی عبد العزیز صاحب رقم زدہ بودم کہ پیشتر از اثبات کلیتہ افضلیت مصداق رحمت از مرحوم علیہ اثبات افضلیت ازین آیۃ خیال خام است باز ہمان وساطت عروضی تسلیم کردنی است کہ اکنون بہزار شدید انکار آن است بالجملہ خدا و رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بہ نسبت دیگر واسطہ فی العروض اند یک صفت ہر دو طرف انتساب دارد بہ یکی انتساب قیام و مصدریت و بالذات است و بدیگری نسبت وقوع و قبول و بالعرض از طرف اول فعل است و تاثیر و در طرف ثانی انفعال و تاثر و از ینجا بسر وحدت وجود ہم توان رسید و استبعاد یکہ باستماع این کلمہ بدل ہر خاص و عام میرسد دفع توان کرد تفصیل این اجمال آنکہ چنانکہ در مثال سفینہ و جالس سفینہ حرکت واحد است و متحرک متعدد ہمچنین

در مثال وجود خالق و مخلوقات وجود واحد است و موجود متعدد چنانکہ سفینہ چیز
دیگر است و جالس چیز دیگر ہمچنین خالق دگر است و مخلوق دگر اصل خرابی
ازان خاستہ کہ از وحدت وجود وحدت موجود می فہمند مگر این چنان است
کہ از وحدت حرکت وحدت متحرک فہمند و ہم ازین تقریر دفع آن خدشات
کہ باستماع امثلہ می خیزند مقصود است یعنی آنکہ در مثال جالس سفینہ مثال مفتاح
و دست بہمہ وجوہ تشارک معلوم می شد از عرض احقر مندفع شد اگرچہ غلطی
مثال در صحت قواعد قادح نمی گردد پس اگر بالفرض مثال غلط ہم باشد چہ حرج
این ہمہ بکمال عجلت عرض کردہ شد امروز چار خط کلان نوشتہ ام فرصت
تامل میسر نبود اگرچہ وقت فرصت ہم ہمین دوا دوی حسب عادت خود می
نوشتم امیدم آن است کہ این تقریر پریشانم خالی از مطلب نہ برآید مگر تدبر و
تدقیق نظر بکار است اگر بالفرض بنظر سرسری مطلب اصلی مفہوم نشود بستوہ
نیایند و مکرر بنظر ہای مکرر دیدہ مطلب برآرند ہمہ مردمان خانہ و یاد آوران
احقر خصوصاً مولوی عبد الرب و شیخ محمد عمر و میان ظہور اللہ یعنی نوجوانی
کہ بمعیت آن عزیز مظفر نگر آمدہ بودند از من سلام رسانند اگر حافظ محمود
احمد و حافظ محمد اسحاق صاحب رونق افروز دہلی باشند بخدمت شان
نیز از من سلام معروض باد مگر بجان شروط بیاد است فقط مولوی

فخر الحسن صاحب ہنوز نرسیده اند از دہلی بمرادآباد و از مرادآباد برامپور رسیده
درباره تحذیر با مولوی ارشاد حسین صاحب و شاگردشان و دیگر طلبہ گفتگوہا
کردند فحوای تحریرشان که از رامپور مورخہ ششم رمضان رسیده آنست که
مولوی فخر الحسن صاحب از ہمہ گوئی سبقت ربودند واللہ اعلم بالصواب
نوشتہ بودند که امروز اینجا می برآیم و بمرادآباد و دہلی و میرٹھ و دیوبند اقامت
کرده بنانوتہ میرسم پس از طرح مقدار اقامت یکروز در ہمہ مقامات بانظار
شان می گذرد مگر ہنوز نرسیده اند مگر شاید بمقامی زاید از تخمین مالبر
آوردند مولوی محمود حسن میفرمودند که شاه جی مظہر از جائی دریافتہ اند
که خطی بسہارنپور آمد غالباً در آن چنان مرقوم است که نہم بمرادآباد
بودند واللہ اعلم بالصواب ؛ الحمد للہ که امروز تاریخ پانزدہم ماہ محرم
۱۳۲۲ درسنہ یکہزار و سہ صد و بست و دو ہجری نبوی صلعم از نقل جمہ تحریرات
الفراغ یافتم بقلم خادم قدیم محمد ابراہیم غفرلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم سراپا عنایت و کرم منشی محمد ممتاز علی صاحب سلمہم اللہ محمد قاسم کا
سلام قبول فرمائیے اور بعد عرض یہ ہے کہ آپ کا نامہ مورخہ ہم ماہ حال اشارۃ جو نہ ہوئے یا نوتہ آیا نشانہ
ہیں مقاصد چند در چند انہیں سے جلد اکیا اول سو یہ ہوں کہ ان دنوں آیا تو اب تا عنایت نامہ ملا

آج تعمیل ارشاد کرتا ہون تین جزو جوابات استفسارات ڈاک مین بھیجتا ہون اور
ایک ورق اور جسپر چند سطر مرقوم ہین اور شروع مین موٹی قلم سے لفظ تنبیہ لکھا ہوا ہی
ساتھ ملفوف ہی اوس ورق کو علاحدہ نکال کر منشی عبدالرزاق صاحب کے سپرد کر دینا
شاید کسی وقت کام آئے اور کسی نیم ملا کے اعتراض کا جواب ہو جائے اور باقی اجزاء جوابات
کو مولانا محمد علی صاحب کے حوالہ کر دینا اور یہ عرض کر دینا کہ بعد مطالعہ ان اوراق پر اگر پسند
مہر کر کے واپس فرمائیے میرے پاس اسکا مثنیٰ نہین اگر مثنیٰ ہوتا تو کچھ ضرورۃ نتھی اور اگر
پسند نہ آئے تب بھی اس اصل کا لوٹا دینا ضرور ہی اگر کسی صاحب کو خیال جواب الجواب ہو
تو نقل کر لینے کا اختیار ہی مینے دو روز مین تمہید اور ۲۴ جواب لکھے ہین اور صاحب
چار روز مین نقل کر لین حد نہایۃ ہفتہ مین نقل کر کے واپس فرمائین مگر مولانا کی
انصاف پرستی سے مجکو امید تسلیم ہی اندیشہ تعصب نہین آئندہ خدا جانے اگر اسپر بھی مولانا
محمد علی صاحب کا وہی اصرار رہا تو یون کہو قیامت آگئی جب ایسے بھولے بھالے بے شر عالم بھی
شاگردون کے کہنے سننے سے ایسی چال چلنے لگے تو ہم کو کون روکنے والا ہی منشی صاحب
اگر نفسانیت عند اللہ مذموم نہوتی اور بحث مباحثہ کا انجام خراب نظر نہ آتا اور نزاع
اہل اسلام خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار نہوتا تو آپ بھی ایک تماشا دیکھ لیتے
انشاء اللہ مخالفان احقر کی حقیقت معلوم ہو جاتی سب کے نشے انشاء اللہ ڈھیلے ہو جاتے

مدعیان روزگار اپنے کیے کو پہونچ جاتے ہیں کیا کروں الدنیا سجن المومن اس گرفتار ہوا و ہوس کے ذمہ خدا کی طرف سے بھی دربارہ مباحثہ سکیر طعون قید و قیود لگی ہوئی ہیں وہاں کی باز پرس کا کھٹکا ایسے کام کرنے نہیں دیتا ورنہ اس نفس کافر کیش کو کیا کیا کچھ لہریں نہیں آتی مگر اپنے اندیشوں کے پیچھے لاچار ہو کر اس شعر کو پڑھ کر اپنے آپ کو سمجھا لیتا ہوں ۔ جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ ۔ چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند ۔ اور اسی لئے تحریر جواب سے گھبراتا رہا اور لکھ لیا تو ارسال میں اتنا توقف کیا اور سو طرح کے حیلہ و حجت نکالتا رہا مگر جب دیکھا سب اہل مشورہ اس طرف ہیں ادھر آپکا عنایت نامہ بھی بطلب جوابات معلومہ پہونچا ناچار ہو کر روانہ کرتا ہوں پر شور یکہ سے ڈرتا ہوں اس لئے پھر بھی یہی آرزو ہے کہ جانے دیجئے مخالفوں کے راہ پر آنکی امید نہیں جو موافق ہیں اون سے اندیشہ برگشتگی نہیں اور اگر کوئی برگشتہ بخت پھر بھی گیا تو معتقدوں کا بندہ شائق نہیں تس پر جواب اعتراض جواب ہوتا ہے آداب نیاز نہیں ہوتا ناظران اوراق کو میری تیز قلمیاں جو باوجود عزم ادب بمقابلہ تعریضات مخالفان بے اختیارانہ سرزد ہو گئیں ہیں ناگوار ہونگی اور اسوجہ سے کیا کیا کچھ برا بھلا نکہیں گے مگر خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کسکو کہتا ہوں اور مولوی محمد علی صاحب کو کیسا سمجھتا ہوں میں اول ہی خط میں لکھ چکا ہوں کہ یہ استفسارات مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے

معلوم نہین ہوتے کسی طالب علم کا ہذیان ہی مولوی محمد علی صاحب کے نام لگادئے ہین
اور مولوی محمد علی صاحب نے بوجہ تسلیم طبع اور اوسکے نشیب و فراز پر کچھ غور و لحاظ نہین فرمایا بلکہ
اوروں کے اعتماد پر آپ بر رو ہو بیٹھے ہین ورنہ اونکی وہ سلامت روی اور کم گوئی
اور اونکی وہ یکسوئی اور معصوم وشی جو سراسر ایسی باتونکی مخالف ہی اون سے ایسی حرکتہ
اور وہ بھی میرے مقابلہ مین ہرگز کرنے نہ دیتے اسلئے ان جوابون کے پیش کرنے مین
اول تو اونسی شرماتا ہون اور آخر کار سے خائف ہون مبادا ملازمان شب و روز
اِس قصہ کو دور پہونچائین اور مولانا کو آمادہ جواب کرین اور ادھر بھی نفس پیش
اپنیون پر آجائے اور محبت اور ملاقات سب خاک مین مل جائے اور مین سنتا ہون
کہ کہین کہین اور بھی استفسارات مولانا کے جواب کا فکر ہی سو کہین وہی اگر کوئی
جواب آگیا ہو یا آج کل مین آجائے تو پھر کاہےکو ان جوابون کو پیش کیجئے بلکہ بنظر
مصلحتہاے دیگر بھی پر تو پیش نکرنا ہی مناسب ہے اگر پیش ہی کرنا ہوگا تو جب پیش
کرینگے جبکہ مخالفان احقر اوروں کے جواب سے فارغ ہو لینگے تسپر اگر آپ کی
بھی رائے ہو کہ جوابات مرسلہ پیش ہی کرنے چاہئین تو بعد استخارہ اختیار ہی لیکن
خاص آپ کی خدمت مین یہ عرض ہی کہ مولوی محمد علی صاحب کے یہانسے اس تحریر کا واپس آنا
معلوم جسطرح ہو سکے اس کی نقل کراکر اون کی خدمت مین بھیجیگا ورنہ یہ تحریر

بالیقین ہاتھ سی جاتی رہیگی اور قطع نظر تاسف احباب جو اسکی نقل کے مشتاق ہین
اگر خدانخواستہ اس طرف سے بھر کچھ جھبیر جھبار ہوئی تو احقر کو وقت جواب مشکل ہو جائیگی
مگر بہر حال کسی کسی کے سامنی اتنا کہدینا ضرور ہی کہ قاسم کے پاس سے بھی جواب آگئے ہین
اور فقط دو روز مین سب استفسار ون کے دو دو جواب مع تمہید و خاتمہ لکھکر فراغت
پا بیٹھا تھا پھر مکرر یہہ عرض ہی کہ یہہ تحریر گم نہو جائے آپ کی غفلت شعاریان میرے دل آزاری کا
سبب ہو جائین میرے دل دکھانیکے لیے یہی مفتیان دہلی کا غل و شور کافی ہی آپ
زیادہ تکلیف نفرمائین منشی عبد الرزاق بیگ صاحب کی خدمت مین بعد سلام ضرور یہہ
کہدینا کہ آپ بھی مضمون واحد تصور فرمائین مولانا محمد علی صاحب کی خدمت مین بعد
سلام و نیاز میری طرف سی یہہ عرض کر دینا کہ اب آپ کو انصاف فرمانا ضرور ہی مین
نہین کہتا کہ آپ میری رو رعایت کرین اور کیون ہی تو کیا ہوتا ہی اگر میری رعایت
ہوتی تو یہہ نوبت ہی کیون آتی بر حق کی طرفداری کیلئے خدا کی طرف سی جسقدر تاکیدین
ہین سب آپ کو معلوم ہین اور اس باب مین جسقدر وعد و وعید ہین آپ خوب جانتے ہین
خدا کو یاد کر کے محاکمہ فرمائیے گا زیادہ کیا عرض کرون والسلام ؛

ضمیمہ مکتوبات قاسمی

اسرار الطہارۃ

(طہارت اور پاکی کے چند شرعی احکامات و ہدایت کی عقلی وجوہات اور حکمتیں)

تمہید مرتبہ

مولانا قاری محمد طیب صاحب (سابق مہتمم دار العلوم دیوبند)

الحمد لله وسلام علیٰ عباده الذین اصطفیٰ۔ حضرت جد امجد قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم قدس اللہ سرہ العزیز کے وہ علوم و معارف جن سے اسرار شریعت اور حقائق اسلام آفتاب جہانتاب کی طرح آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ اگر کل کے کل نہیں تو کم از کم وہی ہم تک پہنچ جاتے جو حضرت کے زبان و قلم سے وقتاً فوقتاً منصہ ظہور پر آتی رہے، لیکن افسوس کہ ہم تک وہ حصہ بھی سب کا سب نہیں پہنچ سکا۔

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (تلمیذ خاص حضرت اقدسؒ) انتصار الاسلام میں وعدہ دے رہے ہیں میں نے حضرت کی سوانح مرتب کی ہے جس میں بیشتر علوم و معارف اور ملفوظات کا حصہ ہوگا اور جس کا حجم تقریباً ہزار صفحہ تک پہنچ جائے گا جو عنقریب شائع کی جائے گی مگر صد حسرت کہ مولانا فخر الحسن صاحب کی وفات ہوگئی لیکن اس کا کوئی حصہ بھی زیور طباعت نہ پہن سکا اور آج تک یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ یہ لعل و جواہر کا بے بہا ذخیرہ کس سرزمین میں مدفون ہے میرے حضرت والد ماجد قبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اُس کی تلاش میں گنگوہ اور کانپور (وطن انتقال مولانا فخر الحسن صاحبؒ) کا سفر کیا اور مولانا کے ورثہ سے قرار واقعی تفتیش کی لیکن مقصد کا کوئی نشان نہ مل سکا۔

اسی طرح حضرت قبلہ نے متعدد بار یہ بھی ذکر فرمایا کہ مدراس کے ایک عالم نے (جو حضرت اقدسؒ

کے تلمیذ اور مجلس نشین تھے) حضرت کے ملفوظات جمع کئے جن کا مجموعہ ہزار صفحات سے زیادہ تھا۔ عالم موصوف اپنے وطن واپس ہوئے اور ان کی وفات ہو گئی، مگر ساتھ ہی اس مجموعہ نے وفات پائی اور آج تک پتہ نہیں کہ اسکے ورق کہاں کہاں پریشان ہوئے اور عام طبقہ اہل علم کو پریشان رکھنے کیلئے کس فرد واحد کیلئے باعث جمعیۃ خاطر میرے حضرت قبلہ نے حسب بیان خود مدراس کا سفر بھی اس مجموعہ کی خاطر کیا مگر سفر بے ثمر ہوا اور اسطرح دو ڈھائی ہزار صفحات کے گہرے علوم سے خدام و تلامیذ محروم رہ گئے۔

تصنیف و تالیف کا خود حضرت کو ذوق نہ تھا اور اگر تقریر دل پذیر بصورت تصنیف تحریر بھی فرمائی شروع کی تو وہ درمیان ہی میں رہ گئی اور عمر عزیز درمیان سے نکل گئی۔ مولانا فخر الحسن صاحبؒ بعض مطبوعہ تحریرات میں یہ بھی ظاہر فرما رہے ہیں کہ حضرت کے سنے ہوئے مضامین کی مدد سے میں نے تقریر مذکور کی تکمیل کی ہے اور ان مقاصد کو حضرت ہی کے رنگ میں روایت بالمعنی کے طور پر کھولدیا ہے جن کا اس رسالہ سے حضرتؒ نے ارادہ فرمایا تھا، مگر اس تتمہ کا بھی کوئی پتہ نشان دستیاب نہیں ہوتا۔ افسوس کہ حرماں کے ساتھ حسرت و تأسف کی بھی تکمیل ہو گئی اور جس طرح جمع شدہ ملفوظات از دست رفتہ ہو گئے تھے کوئی تصنیف بھی تلافی نہ کر سکی۔

خدا تعالیٰ ہزاروں برکتیں نازل ان حضرات پر جنہوں نے خطوط کے ذریعہ مختلف سوالات کئے اور حضرت نے جوابات کے ذریعہ اپنے مخصوص حقائق و معارف کی روشنی اُن کے سامنے پیش فرمادی اور انہوں نے ان سوالات و جوابات کو حلیہ طباعت سے آراستہ کر دیا۔ آج جس قدر رسائل بھی حضرت کی علمی دنیا میں نور افزائے بصیرت ہو رہے ہیں وہ درحقیقت مختلف خطوط اور سوالات کے جوابات میں جن کو خدام نے الگ الگ کر کے رسالوں کی صورت میں شائع کر دیا اور خود ہی ان رسالوں کے مناسب نام بھی تجویز کر دئے۔ **فجزاهم الله عنا وعن جميع العلماء احسن الجزاء. والحمد لله علىٰ ذلك.**

علمی طبقہ میں آج جس قدر بھی حضرت کے علوم اور مخصوص عقلی رنگ سے کام لیا جا رہا ہے اور جس قدر بھی قصر اسلام کے تحفظ میں ان کے تیار فرمودہ اسلحہ کو استعمال کیا جا رہا ہے وہ انہی چند مطبوعہ مکتوبات و ملفوظات کی برکت ہے۔ اور بحمد اللہ جماعت دیوبند خدا پر اعتماد کر کے ان چند مختصر ملفوظات ہی کے بل

بوتہ پر یہ دعویٰ کرسکتی ہے کہ فلسفہ جدید و قدیم کتنے ہی نئے نئے روپ بھر کر اسلام کے مقابلہ میں آجائے اور کتنی ہی دلفریب صورتوں میں حکمیات شریعت کی تخریب کے لئے تیار ہو لیکن اس قاسمی فلسفہ کے سامنے اُس کی طبع سازیاں بر قرار نہ رہیں گی اور اُسے ہر میدان میں منہ کی کھانی پڑے گی جیسا کہ متعدد مذہبی اکھاڑوں اور علمی میدانوں میں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔

مگر افسوس یہ ہے کہ یہ ملفوظات اور اس قسم کے مکتوبات بھی جس قدر ملک میں بکھرے ہوئے موجود ہیں اب تک افادۂ عامہ کی سطح پر نہیں آسکے۔ متعدد مضامین خود احقر نے حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب دام ظلہ محدث امروہی (تلمیذ حضرت اقدسؒ) کی زبان سے ایسے سنے جو ان مطبوعہ رسائل میں موجود نہیں۔ نیز پھلاودہ میں حضرت مولانا حافظ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (تلمیذ و خادم خاص حضرت اقدسؒ) کے پاس متعدد مکتوبات و ملفوظات ایسے پائے گئے جو ابھی تک دائرۂ طباعت و اشاعت میں نہیں آسکے تھے۔

احقر نے پھلاودہ کے سفر کا ارادہ کیا اور یہ ارادہ بارہا عزم کے درجہ میں پہنچ گیا مگر حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں حاضری مقدر نہ تھی تقریباً ۵۰ھ میں حافظ صاحب نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔ احقر اس حسرت کو دل میں لئے ہوئے بسلسلۂ تعزیت پھلاودہ حاضر ہوا۔ جناب حافظ محمد ابراہیم صاحب دام مجدہ (برادر خورد حضرت حافظ صاحب مرحوم) سے گفتگو کے سلسلہ میں اُن قاسمی جواہر ریزوں سے مستفید ہونے اور دوسروں کو مستفید کرنے کی تمنا ظاہر کی۔ الحمد للہ کہ ممدوح نے بطوع و رغبت اس ناکارہ کی درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے نقل تحریرات دے دینے کا وعدہ فرمایا اور حسب وعدہ کچھ عرصہ ہوتا ہے کہ فول سکیپ کی نصف تقطیع کے ستاون صفحے نقل کرا کر ارسال فرمادیئے جو شاید کل ذخیرہ کا کوئی قلیل جزو معلوم ہوتا ہے جس میں بعض ملفوظات ہیں اور بعض مکتوبات جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں اور عجیب و غریب نکات و لطائف کا خزینہ ہیں۔ چونکہ اصل تحریرات دستیاب نہیں ہوئیں اور نہ غالباً نقل کے بعد اصل و نقل کا مقابلہ کیا گیا اور پھر اسی کے ساتھ اکثر مضامین میں روایت بالمعنی کی گئی ہے اس لئے کہیں املاء کی غلطیاں اور کہیں نفس عنوان یا تعبیرات کی کوتاہیاں دکھائی دیتی ہیں تاہم ادب کو ملحوظ رکھ کر املاء و تعبیرات میں اس قسم کے مواقع پر قلم زنی کو کام میں لایا گیا ہے۔

خیال یہ ہے کہ ان غیر مطبوعہ تحریرات اور اپنی بعض مسموعات کو یکجائی طور پر مناسب عنوانات کے ماتحت پیش کر دیا جائے۔ فی الحال حضرت اقدس کے جس مضمون کو پیش کر رہا ہوں وہ چند مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات کا مجموعہ ہے۔

(۱) خروج نجاست (بول و براز) ناقض وضوء کیوں ہے؟ حالانکہ بظاہر نجاست کا بدن سے منفصل اور جدا ہو جانا باعث طہارۃ ہونا چاہئے نہ کہ باعث نجاست۔

(۲) خروج ریاح ناقض وضوء کیوں ہے؟ حالانکہ بظاہر ریاح میں کوئی نجاست نہیں اسی لئے خروج ریاح کے بعد مبرز اور کپڑے کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۳) قہقہہ ناقض وضو کیوں ہے؟ حالانکہ بظاہر وہ منہ سے سرزد ہونے والا ایک فعل ہے جس کو نجاست در موضع نجاست سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں اور اسی بناء پر عامۂ فقہاء اس موقع پر وجہ نقض طہارت کی تفصیل کے بجائے اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ یہ نقض طہارت کا حکم خلاف قیاس ایک امر تعبدی ہے، مگر ایک غیر مسلم یا غیر متدین کے لئے جس کا منتہائے نظر عقل اور قیاس آرائی ہی ہے یہ جواب باعث تسلی و قناعت نہیں ہو سکتا۔

(۴) نوم (نیند) ناقض وضو کیوں ہے؟ جب کہ اس میں کوئی گندگی و نجاست محسوس نہیں ہوتی؟

(۵) خروج منی ناقض طہارت اور موجب غسل کیوں ہے؟ حالانکہ بظاہر منی انسان جیسے اشرف الکائنات اور اس میں بھی اہل اللہ اور انبیاء علیہم السلام جیسے برگزیدہ طبقہ کا مادۂ خلقت ہے پاک مخلوق کا مادۂ خلقت خود بھی پاک اور باعث طہارت ہونا چاہیے نہ کہ ناپاک اور باعث نجاست و ناپاکی۔

ان پنج گانہ سوالات کا جواب دیتے ہوئے حضرت نے اسلامی وضو اور غسل کی حقیقت اور نجاست و طہارت کی حقیقی ماہیت پر بحث فرمائی ہے جس سے اسلام کا باب طہارت ایک نہایت ہی روشن طریقہ پر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور اس کے ذیل میں کتنے ہی اور حقائق و معارف بھی کھل جاتے ہیں۔

پہلے سوال کا جواب احقر نے حضرت مولانا حافظ عبد الرحمن صاحب دام ظلہ

محدث امروہی کی زبان مبارک سے سنا اور اپنے الفاظ میں نیز اپنی ہی ذہنی تفصیل کے ساتھ بعد میں قلمبند کرلیا۔ مولانا نے اصولی واجمالی تقریر فرمائی تھی۔ احقر نے ضروری تفصیل و ترتیب کے ساتھ موقع بموقع اس میں نصوص شرعیہ کو بھی نقل کر دیا ہے اس لیے طرز بیان اور تعبیر احقر ہی کی ہے اور اس لیے اس کی ہر کوتاہی اسی ناکارہ کی طرف منسوب کی جائے۔ بقیہ چار سوالات کے جوابات پھلاودہ کہ تحریر میں دستیاب ہوئے، چونکہ پانچوں سوالات کا موضوع ایک تھا اس لیے احقر نے ان جوابات خمسہ کو ایک ہی ذیل میں جمع کر دیا ہے۔

پھلاودہ سے آئی ہوئی چار جوابات کی تحریر جو ایک مکتوب ہے (مگر مکتوب الیہ کا نام مذکور نہیں) کسی پادری کے اعتراضات کے جوابات میں لکھی گئی ہے۔ کاتب خط نے پادری کے اعتراضات ضرور نقل کئے ہوں گے جن کا جواب حضرت نے تحریر فرمایا ہے مگر جوابی تحریر میں خود اُن سوالات واعتراضات کو نقل نہیں فرمایا بلکہ سائل کے خط کو سامنے رکھ کر تحریر جواب شروع فرمادی ہے اور ظاہر ہے کہ بغیر سوال سامنے رکھے ہوئے جواب کی قدر و قیمت بھی پوری طرح واضح نہیں ہوتی اور بہت سی تحریری پہلوؤں کا مبنی بھی سمجھ میں نہیں آتا اس لیے احقر نے خود ہی جوابات سے سؤالات کا اندازہ لگا کر یہ چار سوالات مرتب کئے جو اوپر عرض کئے جاچکے ہیں۔ مزید توضیح و بصیرت کے لیے ہر جواب کی ابتداء میں اس کا متعلقہ سوال الگ الگ بھی نقل کر دیا گیا ہے۔

چونکہ یہ مجموعہ ایک معتدبہ مقدار پر پہنچ کر رسالہ کی صورت میں آگیا ہے اور اُس میں طہارت شرعیہ کی حقیقت واضح کی گئی ہے اس لیے اس کا نام مفتاح الصلوٰۃ رکھ دیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاح شریعت میں طہور کا نام دوسرا جو رسالہ کا موضوع بحث ہے مفتاح الصلوٰۃ ہی ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے مفتاح الصلوٰۃ الطہور (رواہ ترمذی) اور یہی حدیث ٹائٹل کی پیشانی پر لکھ دی جانی موزوں ہوگی۔ طباعت رسالہ کی تکمیل اور ٹائٹل چھپنے تک اگر کسی کے ذہن

میں کوئی اور بہتر اور مناسب نام آیا اور انہوں نے اطلاع دیدی تو شکریہ کے ساتھ اُسی نام کے ساتھ رسالہ کا تسمیہ کر دیا جائے گا۔ آئندہ دوسرے نام بھی اگر توفیق رفیق حال ہوئی تو اسی طرح کسی عنوان کے ماتحت پیش کر دیئے جاویں گے۔

وباللہ التوفیق وھو خیر رفیق

احقر العباد

(محمد طیب غفر اللہ خادم دار العلوم دیوبند)

(اس تمہید کی ترتیب و تالیف کے وقت مولانا عبدالرحمٰن ... بقید حیات تھے (وفات ....) رحمہ اللہ تعالیٰ (نور)

رسالہ اسرار الطہارۃ
از افاضات مبارکہ
حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب
بانی دار العلوم نور اللہ مرقدہٗ
(باہتمام مالکان مطبع)
(جناب مولانا قاری محمد طیب صاحب و مولانا قاری محمد طاہر صاحب)
در مطبع قاسمی واقع دیوبند طبع گردید
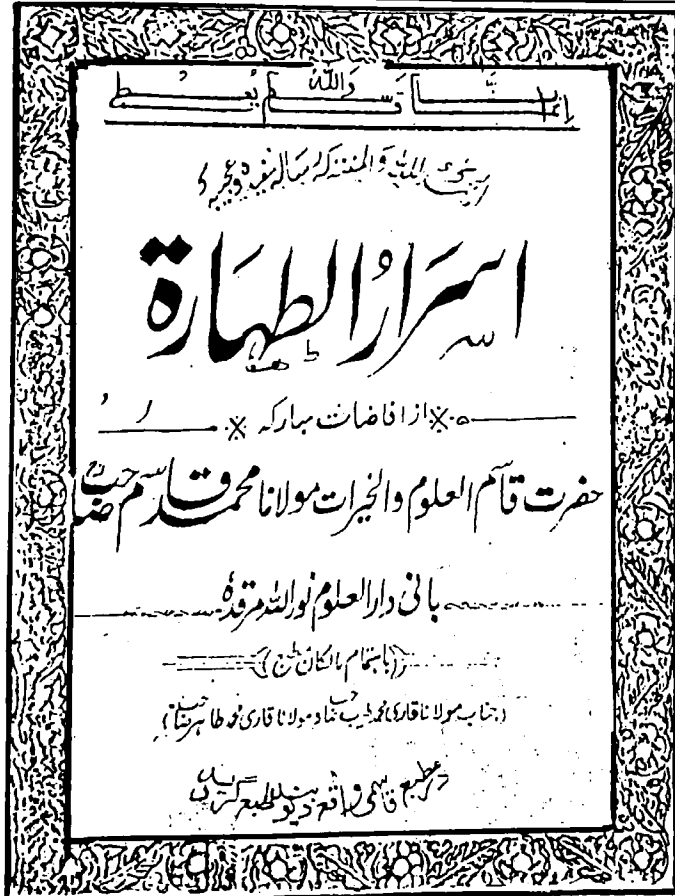
نجاست کے نکلنے سے وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے

افادہ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

بروایت

مولانا عبد الرحمٰن صدیقی امروہویؒ

تحریر

مولانا قاری محمد طیب صاحب نانوتوی دیوبندی

مندرجہ

اسرار الطہارۃ۔ مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند بلا سنہ طباعت

نجاست کے نکلنے سے وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے

(سوال اول) خروج نجاست (بول و براز) ناقص وضو کیوں ہے۔ حالانکہ بظاہر نجاست کا بدن سے منفصل اور جدا ہو جانا باعث طہارت ہونا چاہئے نہ کہ باعث نجاست۔

(جواب) جواب سے پہلے چند عقلی اور حسی مقدمے ذہن نشین کر لینے

چاہئیں تاکہ مقصد فہم کے قریب تر ہو جائے پہلی بات یہ ہے کہ روح و جسم میں باہم کچھ ایسا رابطہ ہے کہ ایک کا ذاتی اور عارضی اثر دوسرے کے ذات اور عوارض پر نمایاں طور پر پڑتا ہے۔ اندرون روح میں اگر کوئی باطنی گھن لگ جاتا ہے تو جسم پر کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں اور اگر جسم پر کوئی مادی مصیبت آپڑتی ہے تو روح تحلیل ہونے لگتی ہے۔ پھر اگر جسم میں مادی آلودگی کے سبب تکدر اور میل کچیل رونما ہو جائے تو روح بھی تکدر کے آثار کو قبول کر لیتی ہے اور اسی طرح روحانی عوارض اپنی جلاء و تکدر کے آثار سے جسم کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔ پھر ساتھ ہی اس باہمی تاثیر و تاثر میں اس درجہ تطابق اور یکسانی ہے کہ جس درجہ کا خبث و تجس جسم میں آتا ہے اسی درجہ کا روح میں، اور جس درجہ روح آلودہ ہوتی ہے اسی درجہ جسم۔

دوسری بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ سلاطین و امراء کی بارگاہوں میں میلے کچیلے لباس اور آلودگیوں کے ساتھ کوئی باریاب نہیں ہو سکتا، ہر درباری اپنے مقدور بھر صفائی ستھرائی کے ساتھ پیش ہونے کی سعی کرتا ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق باور کر لینا چاہئے کہ اگر جسم و روح آلودہ ہوں تو احکم الحاکمین کی بارگاہ میں اس وقت تک حاضری کے قابل نہ ہوں گے جب تک اس آلودگی کو زائل نہ کر لیں۔

ہاں! مگر ایک آلودگی اور گندگی تو وہ ہے جو فی الجملہ ہر وقت جسم میں سرایت کئے رہتی ہے، جیسے خون اپنے معدن میں یا نجاسات امعاء میں، اور ظاہر ہے کہ اس سے روح بھی فی الجملہ خبث و تکدر میں رہتی ہے اور اسے دنیا میں انتہائی صفائی حاصل نہیں ہوتی، مگر یہ خبث غیر اختیاری ہے، اس لئے اس کی تطہیر بھی خارج از اختیار ہونے کی وجہ سے معاف ہے۔ اور اگر اس اختیاری آلودگی کے سبب درجات قرب میں کوئی کمی رہتی ہے تو انسان ان درجات کا مکلف بھی نہیں بنایا گیا،

مگر یہ آلودگی فی الجملہ ہے ایسی کامل آلودگی نہیں کہ تمام جسم نجاست کے اثرات سے پر شمار کیا جائے، ہاں اگر یہ آلودگی فی الجملہ کے درجات سے گذر کر جسم کو بھر دے تو بلا شبہ اس آلودگی کو زائل نہ کرنا نہ قابل معافی ہوگا اور نہ بارگاہ حق میں باریاب کر سکتا ہے، کیونکہ جب جسم نجاست سے پر ہو گیا تو ضرور ہے کہ مقدمہ اولیٰ کی رو سے روح بھی خبث و نجاست کی اثرات سے پر ہو گی یعنی جب جمیع بدن نجس ہوگا جمیع روح بھی میلی اور آلودہ ہو گی۔

رہا یہ کہ امتلاء جسم کیسے معلوم ہو کہ بدن نجاست سے لبریز ہو چکا ہے، سو ظاہر ہے کہ امتلاء ظرف کی علامت یہ ہے کہ مظروف اس سے چھلک کر نکلنے لگے، اور ظرف میں اس مظروف کے ٹھہرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے، کیونکہ جب تک ظرف چھلکتا نہیں پورا بھرتا بھی نہیں اور جب مظروف اس سے باہر نکلنے لگے تو بھی اس کے بھر جانے کی علامت ہو گی۔ بالخصوص جب ظرف نگاہوں کے سامنے نہ ہو تو اس کے امتلاء کے پہچاننے کا طریقہ ہی یہ ہوگا کہ مظروف نکل کر سامنے آنے لگے۔

پس جب کہ باطن جسم کا نجاست سے امتلاء آنکھوں کے سامنے نہیں ہے، اس لئے لامحالہ اس امتلاء نجاست کو خروج نجاست سے پہچانا جائے گا۔ اور جب کہ یہ خروج نجاست امتلاء جسم کی دلیل ہوا تو اس وقت باطن بدن کل کا کل نجس اور آلودہ ہوگا۔ اور اس مذکورہ قاعدہ کے مطابق اس وقت روح بھی اسی درجہ میں آلودگی و نجاست کا اثر لے گی جس درجہ میں جسم آلودہ اور نجس تھا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خروج نجاست کے وقت جو امتلاء نجاست کی علامت تھی جسم و روح پورے کے پورے نجس ہوتے ہیں اور اس لئے بحالت موجودہ دربار الٰہی میں حاضر ہونے کے قابل نہیں ہوتے، جب تک کہ اس نجاست کو زائل نہ کرلیں۔

ہاں اس امتلاء کی علامت چونکہ خروج نجاست تھی اس لئے مجازاً اس خروج ہی کو سبب نقض طہارت فرمایا گیا ہے، کہ امتلاء سامنے نہیں تھے۔ ورنہ در حقیقت

ناقض وضو یہ امتلاء و پری نجاست ہے خروج نجاست نہیں اگر اس ہی امتلاء کو ناقض طہارت ظاہر فرما کر انسان کو نفس امتلاء کے معلوم رکھنے کا مکلّف بنایا جاتا تو کسی کو بھی خروج نجاست سے پہلے اس امتلاء کا پتہ نہ چل سکتا اور تطہیر بدن محال ہو جاتی۔ شریعت نے شفقت و سہولت فرما کر امتلاء کی ایک محسوس علامت (خروج نجاست) بتلا دی اور اسی پر نجاست کا حکم دائر کر کے تطہیر کا امر فرمایا۔

یہی وجہ ہے کہ خروج نجاست کے بعد روح میں جتنا تکدر و انقباض محسوس ہوتا ہے قبل از خروج جب کہ نجاست عین بدن میں موجود ہوتی ہے اتنا نہیں ہوتا۔ کیونکہ انقباض ظرف نجاست کے پر ہو جانے سے ہے اور کامل طریق پر یہ پری نجاست ہی کے وقت ظاہر ہوتی ہے، پیشتر نہیں اس لئے خروج نجاست کے بعد ہی طہارت کی ضرورت ہوئی چاہیے تھی اور جب کہ روح کے انقباض کا سبب جسم کی آلودگی اور نجاست سے پری تھی، جس نے روح کو آلودہ کر کے حاضری دربار الٰہی کے قابل نہ چھوڑا، اس لئے ضروری تھا کہ تطہیر کا عمل بھی اولاً جسم ہی پر جاری کیا جائے تاکہ اس کی صفائی ستھرائی کے ذریعہ روح پھر بشاش اور پاک ہو کر حاضری کے قابل ہو جائے۔

ہاں مگر اب ظاہر قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ جب جمیع بدن نے نجس ہو کر جمیع روح کو آلودہ بنا دیا ہے، تو ہر خروج نجاست کے بعد جمیع بدن ہی کی طہارت کا التزام کیا جائے اور بالفاظ دیگر پنج وقتہ غسل فرض ہونا چاہئے، لیکن اس حکیم علی الاطلاق اور رؤف و رحیم نے رحمت کو آگے بڑھا کر اس ضیق تنگی کو (جسے ہر شخص ہر حالت میں برداشت نہ کر سکتا تھا) اس طرح اٹھا دیا کہ بدن میں سے تطہیر کے لئے چند وہ اعضاء منتخب فرما لئے، جن کی پاکی حکماً تمام اعضاء کی پاکی تھی اور جو سب سے زیادہ حاضری دربار حق کے لئے مستعد اور کار آمد تھے اور جن کا اثر اپنی باطنی قوی کی وجہ سے ساری کائنات بدن پر محیط تھا، وہ منتخب اعضاء چہرہ اور ہاتھ پیر ہیں،

کیونکہ انسان کی روحانی طاقتیں دو ہی حصوں میں منقسم ہیں ایک قوۃ عالمہ اور ایک قوۃ عاملہ۔ بدن کی ساری کائنات انہی دو طاقتیں کہ بل بوتہ پر چل رہی ہے، اور یہی دونوں قوتیں مل کر دربار الٰہی تک رسائی کرانے میں معین کار بنتی ہیں، علم نہ ہو تو صحیح عمل ناممکن ہے اور عمل نہ ہو تو علم بے کار اور اہل بہ زوال ہے۔ دونوں ہی کے اجتماع سے دنیاو عقبیٰ کی فلاح میسر آسکتی ہے، ان دو قوتوں کے علاوہ ہر قوت یا ان کا فروعی اثر ہے یا ان کے لئے ممد اور معین ہے۔

ظاہر ہے کہ قوت عالمہ ومدرکہ کا موضع قرار چہرہ ہے کیونکہ علمی حاسے باصرہ سامعہ ذائقہ شامہ حافظہ متخیلہ وغیرہ سب کے سب چہرہ ہی کے دائرہ میں آگے پیچھے جمع کر دئے گئے ہیں اور قوت عاملہ کا مخزن پیر اور ہاتھ ہیں عمل اور کسب ہاتھ کا حصہ ہے لیکن پیر اگر نقل و حرکت چھوڑ دیں اور مقاصد تک آدمی کو نہ پہونچائیں، تو ہاتھ کسب ہی کیا کر سکتے ہیں۔ اس لئے قوت عاملہ کا اصل مرکز نقل پیر ہیں اور ہاتھ اس کے وسائل ہیں جن سے عمل کا ظہور ہوتا ہے، پس علم ادراک کی قوتیں چہرہ کے دور میں دائر ہیں اور عمل کی قوتیں ہاتھ اور پیرون میں پھیلی ہوئی ہیں، اس لئے ساری کائنات بدن پر علماً و عملاً چہرہ اور ہاتھ پاؤں کا اس طرح پھیلاؤ اور احاطہ ہے کہ اگر ان پر کوئی عمل جاری کیا جائے تو وہ پھیل کر ساری کائنات بدن میں پہونچ جائے اور تمام اعضاء اپنی اپنی استعداد کے موافق اس سے متأثر ہوں۔

اس لئے شریعت نے خروج نجاست کے بعد تمام بدن کو طہارت کا مکلّف کرنے کے بجائے فرائض وضو میں انہی اعضاء کو مکلف بنایا، چہرہ کے سامنے کا حصہ جس تک سیدھے ہاتھ پہونچے ہیں دھونا فرض کیا، پچھلے حصہ پر جسے گدی کہا جاتا ہے صرف تری پہنچادینا کافی سمجھا۔ قوت ذائقہ کا محل دہن تھا تو مضمضہ (کلی) کا حکم ہوا، باصرہ کا محل آنکھ تھی (مگر اس میں پانی ڈالنا مضر اور بصارت کے لئے مہلک تھا) تو ماقین (یعنی ہر دو گوشہ چشم) کا مسح بتلایا کیونکہ آنکھ میں ان کو

کونوں ہی پر میل کچیل جمتا ہی ہے وسط چشم ہر وقت صاف رہتی ہے اس لئے تطہیر کا عمل گوشہ چشم تک ہی محدود رکھا گیا۔

پھر قوت شامہ کا محل ناک تھی تو استنشاق (ناک میں پانی دینا) سکھلایا۔ پھر خیشوم (ناک کے بانسہ) میں شیطان رات گزار کر اس راہ سے اپنا اثر عامہ دماغ تک پہونچاتا تھا، تاکہ دماغ سے قوت فکر وفہم کر زائل کردے، اس لئے استنشار (ناک جھاڑنے) کا حکم ہوا قوت سامعہ کا محل کان تھے، تو کان کے مسح کا ارشاد ہوا۔ نیز سوتے وقت آدمی کی گدی پر بیٹھ کر شیطان علیک لیل طویل فارقد کا منتر پڑھتا تھا، تاکہ دماغی فکر کو حوالۂ نسیان و غفلت کردے، اور اس طرح دماغ کی قوت ادراک باطل ہو جائے، اس لئے گدی کے مسح کا حکم ہوا۔

ادھر تمام قوے دراکہ و عالمہ کا جامع اور سر پوش سر ہے حس مشترک اسی میں ہے، جس سے تمام علمی قویٰ مستفید اور آلات ادراک میں اسی کے ذریعہ علمی رو پھیلتی ہے، بلکہ اسی کے برتے پر یہ تمام مدرکات کام دیتے ہیں۔ ورنہ اگر دماغ خراب ہو جائے تو سارے حواس معطل ہو جائیں، اس لئے سارے سر کی مجموعی طہارت مسح رأس قرار دی گئی اور یہ اس لئے کہ اگر سر پر بجائے مسح کے غسل رکھا جاتا تو بالوں کا پانی جلد خشک نہ ہوتا اور لیل و نہار میں متعدد بار کے وضو اور غسل رأس سے پانی سر کے بالوں میں جذب ہوتا رہتا، تری جلد رفع نہ ہوتی اور اس سے کتنے ہی امراض باردہ دماغ میں قائم ہو جاتے جس سے دماغی قوت زائل ہو کر پھر اسی قوت علمیہ پر اثر پڑتا اور بجائے علمی نشاط کے الٹا دماغی انقباض پیدا ہو جاتا، جو قلب موضوع تھا، اس لئے شریعت نے یہاں غسل کو ساقط فرما کر مسح کو کافی سمجھا، اور حکماً اسے طہارت اصلیہ کے قائم مقام بنادیا۔

غرض چہرہ کے اگلے اور پچھلے رُخ فوقانی اور تحتانی حصوں کی تطہیر خواہ وہ بصورت غسل ہو یا بصورت مسح روح کے ان قویٰ کا انقباض و تکدر اور باطنی خبث زائل کردیتی ہے جو مشاعر ادراک اور قوت علمیہ کے خزینہ دار ہیں۔ اور اس

طرح قوت عاملہ نکھر کر بشاشت میں آجاتی ہے، اور قرب حق یا حاضری دربار الٰہی کی راہیں کھول دیتی ہے، تفاوت اگر ہے تو صرف یہ کہ چہرہ کے بعض اجزاء مجموعی قوائے علمیہ کے مخزن ہیں، جنھیں اصول عالمہ کہنا چاہئے، جیسے سر جو حس مشترک کا حامل ہے اور بعض اعضاء جزوی اور فروعی قوائے علمیہ کے مخزن ہیں جن کے پردے میں قوائے احساس کی کوئی نہ کوئی نوع چھپی ہوئی ہے، جیسے کوئی عضو قوت باصرہ کا حامل ہے کوئی قوت ذائقہ و سامعہ کا اور کوئی قوت شامہ کا ان اصول و فروع مدرکات میں سے ہر ایک کو شریعت نے طہارت کے دائرہ میں کھینچ لیا ہے اور روح کی قوت علمیہ کو اس تکدر و آلودگی سے پاک کر دیا ہے جو امتلاء نجاست کے سبب اس میں پیدا ہوئی تھی، اور چونکہ علم طبعاً عمل سے مقدم تھا اس لئے فرائض وضو میں ابتداء بھی چہرہ ہی سے فرمائی گئی۔

ادھر قوت عاملہ جس کو کاروباری قوت کہنا چاہئے اور وہ ہاتھ سے متعلق تھی، کہ ہر قسم کی صنائع اور اکتسابات کا ظہور ہاتھ ہی سے ہوتا ہے اور اسی لئے جگہ جگہ قرآن کریم میں عمل کو ماکسبت ایدکم ہاتھوں کی کمائی سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اس لئے دوسرے مرتبہ میں قرآن کریم نے غسل ید (ہاتھوں کو کہنیوں تک) دھونے کا ارشاد فرمایا، پھر زیادہ تر اعمال میں ہاتھوں کی مشغولی کہنیوں تک ہوتی ہے، کبھی اتفاقی طور پر کسی بوجھ کو سر پر اٹھانا پڑ جائے تو مونڈھوں تک ہاتھ حرکت میں آجاتا ہے، ورنہ عموماً حرکتوں کا مبلغ پرواز کہنی ہے۔ اس لئے ہاتھوں کو کہنیوں تک ہی دھونا فرض فرمایا گیا، پھر اس میں بھی زیادہ تر مشغول عمل یا کثیر العمل حصہ پنجہ کا ہے، کام انگلیوں کی حرکت اور گرفت سے چلتے ہیں، اگر کہنی تک ہاتھ چلنے جائے لیکن انگلیاں گرفت چھوڑ دیں تو اخذ و بطش اور لین دین سب مضمحل ہو جائے، اس لئے تخلیل اصابع واجب ہوئی کہ ہاتھ دھو کر گویا مستقل طریقے پر انگلیوں میں خلال کر کے پانی پہنچایا جائے کہ قوت عاملہ کے مظاہر یہی اعضاء ہیں اور گویا ہاتھوں کی قوت باطشہ کا استعمال مونڈھوں سے اتر کر نیچے کی طرف کہنیوں

اور پھر انگلیوں کی طرف بڑھتا گیا ہے اس لئے غسل ید میں بھی تاکیدی احکام بنسبت فوقانی اجزاء کے تحتانی اجزاء میں پہونچتے گئے ہیں، بلکہ اگر اسی طرح اور نیچے اترو تو معلوم ہوگا کہ قوت عاملہ کا حقیقی مخزن پیر ہیں، کہ انھیں کے بل بوتہ پر ہاتھ اور انگلیاں کام کرتی ہیں، اگر پیر شل ہو جائیں اور آدمی نقل و حرکت سے معذور ہو جائے تو ہاتھ بیکار پڑے رہیں، پس عمل کی جو قوت پیروں میں مخزن ہے، ہاتھ اس کو ظہور میں لاتے رہتے ہیں اور اس لئے جس طرح سر قوت علمیہ کا مخزن تھا اور آنکھ کان وغیرہ اس کی علمی فروعات تھیں اسی طرح قدم قوت عملیہ کے مخزن ہیں اور ہاتھ ان کی عملی فرع ہیں۔ اس لئے سر اور پیروں میں مخزن قوی ہونے کی حیثیت سے احکام میں تناسب بھی ہے۔

سر میں عام ہرج کی بناء پر (جس کا ذکر آچکا ہے) غسل معاف فرماکر مسح رکھا گیا، لیکن قدموں میں یہ حرج علی الاطلاق نہ تھا، بلکہ کبھی کبھی خفین پہن کر پیدا ہو جاتا تھا کہ ان کو پیر دھونے کے لئے نکالنا اور پھر پہننا سردی میں ضیق اور تنگی کا باعث تھا، اس لئے پیروں میں بالاصالۃ تو غسل فرض ہوگیا اور عارضاً جب کہ خفین کے ہوتے ہوئے اس غسل قدم میں دشواری ہو غسل معاف فرماکر وہی سر کا سا مسح رکھ دیا گیا کہ جیسے سر میں ظاہر رأس پر مسح تھا باطن رأس میں نہیں ایسے ہی اقدام میں بھی ظاہر قدم پر مسح رکھا باطن قدم پر نہیں، پس جس طرح سر اور قدم قوت علمیہ اور قوت عملیہ کے جدا جدا مخزن تھے، ایسے ہی حکم مسح میں بھی ایک دوسرے سے متشابہ اور متوافق بن گئے، البتہ جتنا فرق حرج اور تنگی کے لحاظ سے تھا اتنا ہی مسح میں بھی نکل آیا۔

سر کا دھونا دائمی طور پر باعث تنگی تھا، تو معافی غسل بھی دوامی طور پر ہو کر مسح بھی دائمی طور پر قائم کر دیا گیا، اور اقدام میں حرج ایک محدود وقت میں تھا (جب کہ خفین پیروں میں ہوں) تو مسح بھی محدود وقت تک رکھا گیا اور اس کے لئے مدت بھی معین کر دی گئی۔

نیز سر اور قدم کا منبع قوائے علم و عمل ہونا بھی کچھ مسح ہی کا مقتضی تھا۔ کیوں کہ منبع و مخزن جس سے آئندہ کسی شے کا پھیلاؤ اور تفصیل متعلق ہے اس کی حقیقی شان اجمال اور خفیہ وانقباض کی ہوتی ہے، جیسا کہ اس سے نکل کر پھیلنے والے توابع کی شان بسط و تفصیل اور پھیلاؤ کی ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ باب طہارت میں غسل کی شان تو انبساط اور پھیلاؤ رکھتی ہے اور مسح کی شان خفت پر مبنی ہے ،اس لئے اصلی مسح کا تعلق سر اور قدم ہی سے ہونا مناسب تھا، اور اسی کے ساتھ منبع و مخزن میں شان ستر و حجاب غالب ہوتی ہے اور اس کے تابع اور تابع کی شان ظہور و عیاں کی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ مسح میں بھی بذات خود ستر نیز ستر احداث کی شان ہوتی ہے اور غسل میں ظہور اور اظہار احداث کا رنگ غالب، نیز غسل کے مقابلہ میں مسح کی شان طہوریت یوں بھی مستور و مخفی ہے، جیسا کہ غسل کی شان تطہیر اجلی واوضح ہے، اس لئے بھی ان ہر دو منبع کی مسح سے زیادہ مناسبت قائم ہوتی ہے۔

ادھر علم و ذکر کا سب سے اعلیٰ مگر چھپا ہوا مخزن قلب تھا، جو سارے بدن کا سلطان ہے اور اسی نے اس کی صلاح و فساد پر تمام کائنات بدن کا صلاح و فساد معلق ہے کہ وہ سلطان اقلیم بدن ہونے کی وجہ سے اس کائنات کا سب سے بڑا علم اور علامہ ہے۔

پس علم کی جڑیں اور باطنی ریشے قلب تک منتہی ہوتے ہیں، اس لیے باطنی علوم کا (جو ظاہری علوم کے اصول ہیں) سب سے اعلیٰ اور عمیق مخزن قلب ہی ہے، اور اس طرف چھپے ہوئے اعمال کا خواہ وہ خیر ہوں یا شر سب سے گہرا مخزن شرم گاہ ہے کہ اس کی تصدیق و تکذیب پر ظاہری اعمال کے خوبی و خرابی کا مدار ہے۔ چنانچہ نامحرم پر نگاہ پڑ جانے، آواز آ جانے، اور ذکر ہونے سے اس پر جو کیفیات گزریں گی، انہیں پر ان ظاہری اعمال کے حسن و قبح کا فیصلہ معلق ہوتا ہے۔ پس اعمال مخفیہ کا سب سے زیادہ محور یہی عضو پنہاں ہے اور جب کہ

قوت عالمہ و عاملہ کا اپنی انتہائی حدود میں رجوع ان دو اعضاء کی طرف تھا، اس لیے شریعت نے وضو کے سلسلہ میں انہیں بھی تطہیر سے بے تعلق نہیں چھوڑا، خاتمۂ وضو پر موضع شرمگاہ پر پانی کا چھینٹا مارنا، جسے نضح کہتے ہیں در حقیقت تطہیر عضو کے لیے ہے اور اختتام اعمال وضو پر، وضو کا بچا ہوا پانی پلایا جانا فی الحقیقت تطہیر قلب کے لیے ہے تاکہ قلب کے بائیں جانب ڈیرہ ڈالے ہوئے شیطان نے جو اپنے وسوسوں کے ذریعہ احراق کیا تھا، اس گھونٹ سے اس کی تبرید ہو جائے، اور شیطانی اثرات قوت عملیہ سے بالکلیہ رفع ہو جائیں۔

بہر حال اعضاء وضو کے ذریعہ ان اعضاء وضو کو پاک و صاف کیا جاتا ہے جن سے روح کی ان دو قوتوں کا تعلق ہے، جو تمام بدن پر حکمرانی کرتی ہیں۔ اور اس لیے اصل اور حاکم کی تطہیر اس کے تمام محکوم و متاثر دائرہ کی تطہیر ہے، پس وضو گویا تمام بدن کے غسل کے قائم مقام ہے، کہ اس میں مدرکہ و عاملہ دونوں قسم کے اعلیٰ اعضاء لے لیے گئے ہیں اور اسی لیے وضو کے بعد جب کہ حکماً جمیع بدن اور جمیع روح پاک اور بشاش ہو جاتی ہے تو وہ ضرور دربار الٰہی تک رسائی کے قابل اور شایاں ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وضو سے تمام ہی بدن کی نجاست زائل ہو جاتی ہیں، ہاں! نجاست بدن کا زوال تو ان آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے کہ عضو عضو کا میل نکل جاتا ہے، مگر نجاست روح معاصی ہیں، جن کا زوال ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا، بلکہ باطنی آنکھ سے محسوس ہوتا ہے جس کی خبر شریعت دیتی ہے کہ ہر ہر عضو سے وضو کے وقت گناہ زائل ہوتے ہیں، بدنگاہی کا گناہ آنکھ سے، جب کہ منھ پر چھپکا مارا جائے۔ بدکلامی کا گناہ زبان سے جب کہ کلی کی جائے، سماعی کا گناہ کان سے، جب کہ مسح اذن کیا جائے۔ بدشامی کا گناہ ناک سے، جب کہ ناک میں پانی دیا جائے۔ بدخیالی کا گناہ دماغ سے جب کہ مسح کیا جائے اور بدمساسی کا گناہ ہاتھ پیر سے، جب کہ وہ دھوئے جائیں۔ حتی یخرج نقیا من الذنوب یہاں تک بندہ وضو کے بعد پاک و صاف ہو کر اٹھتا ہے، اس کی روح اور اس کا بدن ظاہری و باطنی آلائشوں سے پاک ہو کر قرب حق کے قابل ہو جاتا ہے۔

قاسم العلوم، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
کی چند تالیفات و مصنفات
خود
حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے

مجلہ صحیفۂ نور۔ مولویان۔ کاندھلہ ضلع مظفر نگر
یوپی (الہند)

حضرت قاسم العلوم کی

تالیفات وتحریرات کے نسخے خود حضرت مولانا کے قلم سے

- مباحثہ شاہ جہاں پور
- تنویر النبراس علی من انکر تحذیر الناس (یا ردّ قولِ فصیح)
- قصیدہ در مدح خلیفۃ المسلمین، سلطانِ ترکی
- مکتوب (غالباً) بنام مولانا سید احمد حسن امروہوی

پیش کش

نور الحسن راشد کاندھلوی

مجلہ صحیفۂ نورِ مولویان، کاندھلہ، ضلع مظفر نگر، یوپی ہند

مباحثہ شاہجہاں پور
بنیادی مباحث اور مرکزی مضمون کا اصل نسخہ
حضرت مولانا نانوتوی کے قلم سے

مباحثہ شاہجہاں پور حضرت مولانا کے علمی باقیات میں ممتاز و معروف ہے، مگر مشہور یہ ہے کہ مباحثہ شاہجہاں پور مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی نے مرتب کیا تھا اور حضرت مولانا نے اس مباحثہ میں جو تقریر فرمائی تھی اور جو مباحثہ شاہجہاں پور کا مرکزی حصہ ہے وہ حضرت مولانا کی تقریر ہے وہ بھی جو مولانا فخر الحسن صاحب نے لکھ لی تھی، لیکن پھلاودہ میں مولانا سید عبد الغنی صاحب پھلاودی کے ذخیرہ میں اس تقریر کا قلمی نسخہ موجود ہے اگرچہ کسی لکھنے والے کے اس پر دستخط موجود نہیں مگر انداز تحریر، رسم خط اور اس نقل کی حضرت مولانا نانوتوی کی اور تحریروں سے یکسانیت بمطابقت کی وجہ سے بلا تامل کہا جاسکتا ہے کہ یہ نسخہ خود حضرت مولانا محمد قاسم کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے، اگرچہ اس میں بعض فقرے یا جملے ایسے ہیں کہ ان سے شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت مولانا نانوتوی کے علاوہ کسی کے تحریر ہوں گے لیکن یہ مندرجات ایسے ہی ہیں جیسا اور بہت سے علماء اور مصنفین کے ساتھ ہوا ہے اور ہوتا رہتا ہے کہ مصنف اپنی کسی تالیف و تحریر کو وقتی ضرورت یا مصلحت کی وجہ سے اپنے کسی شاگرد کے نام منسوب کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی بظاہر یہی ہوا ہے، اور یہ نسخہ حضرت مولانا نانوتوی کی دست مبارک کا لکھا ہوا ہے، جس کی خود حضرت مولانا نانوتویؒ کے حوالہ سے مولانا احمد حسن امروہوی نے صراحت فرمائی ہے مولانا احمد حسن صاحب نے دیوبند سے مولانا عبد الغنی کو خط لکھا تھا، اس خط میں مولانا امروہوی

نے حضرت مولانا نانوتوی کا یہ ارشاد و ہدایت نقل فرمایا ہے کہ:

"مباحثہ شاہجہاں پور جو ہمارے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، تمہارے پاس (اس کی) نقل موجود (ہے) وہ جو اصل ہے بھیج دو" (۱)

اس ارشاد کی تعمیل میں مولانا عبدالغنی صاحب نے یہ نسخہ حضرت مولانا کی خدمت میں بھیجوا دیا تھا یا نہیں اس کی صراحت نہیں ملی۔ مگر بظاہر یہ نسخہ دوبارہ مولانا عبدالغنی کے پاس آگیا تھا۔ بہر حال یہ بابرکت نسخہ من وعن شائع کیا جارہا ہے امید کہ اہل ذوق اس تحفہ کی دید سے مسرور و شادکام ہوں گے اور ناچیز ناشر و پیش کنندہ کو اپنی دعاؤں میں یاد فرماتے ہیں۔ والاجر علی الله الکریم

(نور)

(۱) مکتوباتؒ سید العلماء، (مولانا سید احمد حسن امروہوی۔ بنام مولانا عبدالغنی پھلاودی۔) مکتوب نمبر ۲۰، مکتوبہ ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۹۶ھ از دیوبند۔ مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی۔ (امروہہ ۱۴۰۰ھ)

حاشیہ

قاسم العلوم حضرت مولانا نانوتویؒ کی ایک اہم تالیف

تنویر النبراس علی من انکر تحذیر الناس

(یا ردِ قول فصیح)

پس منظر، نسخۂ مؤلف، دیگر نسخے اور نسخۂ مؤلف کا مکمل متن

نور الحسن راشد کاندھلوی

تحذیر الناس کا پس منظر اور وجہ تالیف تحذیر الناس حضرت مولانا نانوتوی کی مشہور ترین تصانیف و مؤلفات میں شمار کی جاتی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ کوئی باقاعدہ تالیف نہیں تھی اور مولانا کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ یہ تحریر شائع ہوگی۔ یہ ایک ذاتی خط تھا جو حضرت مولانا نے اپنے قریبی عزیز، ہم وطن اور معاصر مولانا محمد احسن نانوتوی کے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا۔ چوں کہ مولانا محمد احسن جید عالم، مصنف اور معقولات و کلامیات کے بڑے ماہر تھے اس لئے قدرتی طور پر خط میں ایسے مباحث آگئے تھے جو مولانا محمد احسن ایسے مخاطب کے شایاں بھی تھے اور یہ اندیشہ بھی نہیں تھا کہ مکتوب الیہ کو اس کا مفہوم سمجھنے اور اصل مقصد تک پہنچنے میں کچھ تأمل یا دشواری محسوس ہوگی، مگر مولانا محمد احسن نے اس خط کو اس بحث کی اہم تحقیق اور ایک بڑا علمی کام سمجھتے ہوئے (نیز ایک مقامی قضیہ کو ختم کرنے کے لئے) تحذیر الناس کے نام سے شائع کر دیا، حضرت مولانا کو چھپنے کے بعد اس کی خبر ہوئی۔ حضرت مولانا نے اس وقت بھی اس اشاعت کو پسند نہیں کیا تھا بعد میں جب اس کے مندرجات پر عمومی

بحث شروع کی گئی اور ہرکس و ناکس نے اس میں حصہ لینا شروع کیا، جواب میں تحریری مضامین اور رسائل چھپے یہاں تک کہ اس کی وجہ سے حضرت مولانا کی تکفیر کی مہم چلائی گئی تو حضرت مولانا کو اس کا اور زیادہ افسوس ہوا۔ حضرت مولانا نے تحذیر الناس کے بعض اندرجات پر سوال کا جواب دیتے ہوئے اس کی اشاعت اور متعلقہ مباحثہ پر تأسف کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

> ''میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ ان مضامین کو کوئی نہ سمجھے گا، بایں ہمہ چھپ کر شائع ہونے کی کس کو امید تھی، احباب کے خطوط کے جواب لکھ دینے کی عادت ہے، مولوی محمد احسن صاحب کے استفسار جواب میں بھی حسب عادت قدیم ایک خط لکھ بھیجا اور بعد میں کسی قدر اس کا تتمہ لکھ دیا، پر خدا جانے ان کو کیا سو جھی جو اس کو چھاپ ڈالا جو یہ باتیں سننی پڑیں''

اعتراضات و تحریرات بہر حال چند ممتاز علماءؒ نے (اہل علم کے اصول کے مطابق) تحذیر الناس کے مندرجات کی تحقیق کے لئے خود حضرت مولانا نے لکھا حضرت مولانا نے ان کو جو جوابات دیئے ان حضرات نے اس پر بھی اپنے شبہات پیش کیے، تو مولانا نے اس کی بھی وضاحت فرمائی بالآخر حضرت مولانا کے جوابات اور وضاحتیں اطمینان بخش ثابت ہوئیں اور متعدد علماء خاص طور سے وہ اصحاب جن کا مقصد مسئلہ کی تحقیق تھی اور انہوں نے براہِ راست حضرت مولانا سے خط و کتابت کی تھی مطمئن ہوگئے۔ ان میں سے چند علماء نے برملا اپنی غلطی اور غلط فہمی کا اعتراف بلکہ اعلان بھی کیا۔ مگر ایک مختصر سا طبقہ جو مولوی عبد القادر بدایونی کی سرکردگی میں کام کر رہا تھا اور شاہ محمد اسحاق کے زمانہ سے سلسلہ ولی اللہی کے علماء کی تردید و مخالفت میں سرگرم تھا اور مسلمانوں میں اختلاف انتشار پھیلانے کے لئے نئے نئے موضوعات وعنوانات تلاش کرتا رہتا تھا، اس نے حضرت مولانا محمد قاسم کے خلاف تحریک میں بھی اپنے پرانے معمول کے مطابق بھرپور حصہ لیا اور تحذیر الناس نیز حضرت مولانا نانوتوی کی تردید میں کئی فتوے کتابیں اور رسالے چھپوائے، ان میں جو بھی رسالے اور فتوے راقم سطور کی نظر سے گذرے ہیں ان کے متعلق بلا تکلف کہا جاسکتا ہے کہ ان کا علم اور دیانت سے دور دور ہی کا تعلق ہے، مگر ان کی اشاعت سے عوام کی زبانیں ضرور کھلیں اور لکھنے والوں کے منصوبہ کے مطابق اختلاف وانتشار بڑھا۔

قول فصیح اسی سلسلہ تردید کی ایک تالیف "قول فصیح" بھی تھی جس میں حضرت مولانا محمد قاسم اور تحذیر الناس کے مندرجات پر گفتگو کی گئی ہے، یہ کتاب مولوی فصیح الدین میرٹھی کے نام سے چھپی تھی لیکن حضرت مولانا نانوتوی کا خیال تھا کہ یہ دراصل مولوی عبد القادر کی تالیف ہے، کسی مصلحت سے بدایونی صاحب نے اس کو اپنے شاگرد (مولوی فصیح الدین) کے نام سے چھپوایا ہے۔

قول فصیح کے مندرجات کا جواب بہرحال جب حضرت مولانا میرٹھ تشریف لائے تو کسی نے یہ رسالہ حضرت مولانا نانوتوی کو دکھایا، حضرت مولانا نے اس رسالہ کو دیکھا، پڑھا اور جس صفحہ سے تحذیر الناس کے حوالہ سے ختم نبوت کی بحث چھیڑی گئی تھی اسی صفحہ (۵۵) کے حاشیہ پر اس کا جواب لکھنا شروع کر دیا اور اسی دن تمام شبہات اعتراضات کے جوابات لکھ کر مکمل فرمادئے تھے۔ اسی زمانہ میں اور اس کے بعد تحذیر الناس پر مولانا محمد علی چاندپوری نے بھی چند سوالات اٹھائے تھے اور اپنے اعتراضات حضرت مولانا کی خدمت میں بھی بھیجے تھے، حضرت مولانا نے اس کا بھی مفصل جواب ارقام فرمایا تھا، قول فصیح کے مندرجات کی تردید اور مولانا محمد علی کے اعتراضات کا جواب دونوں گویا دو علیحدہ اور مستقل تالیفات ہیں لیکن حضرت مولانا نانوتوی نے دونوں کا کوئی نام تجویز نہیں فرمایا تھا۔ مولوی فصیح الدین کے رسالہ کے جواب کا نام صرف "رد قول فصیح" لکھا ہے، مگر غالباً حضرت مولانا نے بعد میں خود ہی یا حضرت کے شاگردوں نے اس تالیف کو "تنویر النبراس علی من انکر تحذیر الناس" کے نام سے موسوم کر دیا تھا۔

حضرت مولانا کے لکھے اور تصحیح کئے ہوئے نسخوں پر صرف "رد قول فصیح" تحریر ہے، مگر مولانا سید احمد حسن امروہوی اور مولانا سید عبد الغنی پھلاودی نے اس کی جو نقلیں تیار کرائیں ان دونوں پر اس کا نام "تنویر النبراس علی من انکر تحذیر الناس" لکھا ہے، اس طرح اس تالیف کے دو نام ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔

رد قول فصیح، نسخہ مؤلف ابھی گذرا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے قول فصیح کے حاشیہ پر اس کا جواب یا رد تحریر فرمایا تھا، یہ جواب قول فصیح کے ص ۵۵ سے شروع ہوا ہے اور کتاب کے اختتام تک چاروں طرف سادہ حاشیہ پر اور کہیں کہیں اصل کتاب کے بین السطور میں بھی لکھا ہوا ہے، کتاب کے حاشیہ کا کوئی گوشہ اور کونہ ایسا نہیں ہے، جس پر حضرت کے قلم کی تراوش نہ ہو، دائیں سے بائیں

اوپر سے نیچے ہر طرف قلم رواں دواں ہے۔ حضرت اسی طرح بے تکلف لکھتے چلے گئے، یہاں تک کہ اصل کتاب اور اس کے صفحات ختم ہو گئے (قول فصیح ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے) مگر وہاں تک حضرت مولانا کے جواب مکمل نہیں ہوئے تھے، اس لئے کتاب کے اختتام کے بعد تقریباً اسی پیائش کے صفحات شامل کر کے ان پر جواب کا تکملہ فرمایا ہے، جو کل سولہ صفحات ہیں یعنی رد قول فصیح یا تنویر النبراس کا نسخہ مصنف کل انچاس صفحات پر مشتمل ہے، لیکن اس کا قلم بہت باریک ہے اگر اس کو متوسط مناسب قلم سے لکھا جائے تو اس میں ڈیڑھ سو صفحات کا مضمون ہے۔ بہر حال قول فصیح کے مندرجات کے جوابات کے اختتام پر حضرت کی یہ تحریر بھی ختم ہوئی، آخر میں حضرت مولانا نے اپنا نام یا تاریخ تالیف ذکر نہیں فرمائی۔

نسخۂ دوم تصحیح کردہ حضرت مؤلفؒ مذکورہ بالا نسخہ کی تالیف و تکمیل کے بعد اس کی ایک نقل کی گئی تھی جس کے لکھنے والے کا نام اور تاریخ تحریر وغیرہ درج نہیں اگرچہ اس نسخہ کا ناقل رواں لکھنے والا ہے، مگر خوش تحریر نہیں ہے۔ تاہم معمولی توجہ سے کتاب بلا تکلف سمجھ میں آجاتی ہے اور مطالعہ میں دشواری محسوس نہیں ہوتی۔ اس نسخہ کی بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس کی تصحیح خود حضرت مؤلف نے فرمائی تھی، آخری صفحہ (۱۰۶) کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ:

"میں نے خود اس رسالہ کی تصحیح کی۔ العبد محمد قاسم"

یہ نسخہ ایک سو چھ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں فی صفحہ عموماً چودہ سطریں آئی ہیں۔ یہ قیمتی نسخہ انجمن ترقی اردو، پاکستان کے کتب خانہ خاص میں محفوظ ہے۔ چونکہ کتاب پر کوئی نام نہیں لکھا ہوا تھا اسلئے انجمن کی کتابوں کے فہرست نگار نے اس کتاب کا "حمایت تحذیر الناس" کے نام سے ذکر کیا ہے (۱)

اسی نسخہ کا ڈاکٹر ایوب قادری نے "رد قول فصیح" کے نام سے ذکر کیا ہے (۲) اس نسخہ کا فوٹو اسٹیٹ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے (۳)

---

(۱) فہرست مخطوطات کتب خانہ انجمن ترقی اردو (کراچی) مرتبہ افسر امروہوی جلد دوم (کراچی: ۱۹٦۷ء)
(۲) تذکرہ مولانا محمد احسن نانوتوی ص ۹۲ نیز ص ۲۳۲ (کراچی: ۱۹٦٦ء)
(۳) اس نسخہ کے فوٹو اسٹیٹ حاصل کرنے کے لئے مولانا اعجاز احمد خاں صاحب سنگھانوی مقیم کراچی، پاکستان نے بہت کوشش فرمائی متواتر جد و جہد سے اس کا عکس ملا، اس مرحمت و کرم فرمائی کے لئے راقم مولانا کا تہ دل سے ممنون ہے۔ جزی اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

نسخہ امروہہ رد قول فصیح کا ایک نسخہ یا نقل اور ہے جو زرد کاغذ پر کی گئی ہے، یہ نسخہ ایک سو اکتالیس صفحات پر مشتمل ہے، اس میں فی صفحہ چودہ سطریں ہیں۔ اس نسخہ کی کتابت ۲۳ر جمادی الثانیہ ۱۳۰۹ھ (۲۴ر جنوری ۱۸۹۲ء) کو امروہہ اور سیونہارہ میں مکمل ہوئی، لکھنے والے کا نام وغیرہ کسی نے مٹا دیا ہے، ممکن ہے کہ یہ نسخہ مولانا سید احمد حسن کی فرمائش پر لکھا گیا ہو۔(۱)

نسخہ پھلاودہ چوتھا اور آخری معلوم نسخہ مولانا سید عبدالغنی پھلاودی کی توجہ کا مرہون منت ہے۔ مولانا پھلاودی نے رد قول فصیح اور تحذیر الناس کے متعلق مولانا محمد علی چاندپوری کے خط کے جواب میں حضرت مولانا نانوتوی کا مفصل گرامی نامہ یا تالیف اور اسی خط کے جواب میں مولانا سید احمد حسن امروہوی کا تفصیلی جواب بھی رد قول فصیح کے ساتھ نقل کرائے تھے۔ سب سے پہلے مولانا احمد علی چاندپوری کے نام خط کی نقل ہے پھر رد قول فصیح اور آخر میں مکتوب سید احمد حسن درج ہے۔

یہ نسخہ جو مولانا محمد ابراہیم پھلاودہ (ضلع میرٹھ، یوپی) ۷ر شعبان ۱۳۴۳ھ، ۱۳ر مارچ ۱۹۲۵ء کو مکمل کیا بہت خوبصورت نستعلیق میں لکھا ہوا ہے، اکثر حروف پر اعراب بھی لگائے گئے ہیں، تحریر جاذب نظر اور قابل دید ہے۔ یہ نسخہ بڑے رجسٹر نما سائز (۲۰ر۳۲ س،م) کے ایک سو بیالیس صفحات پر مشتمل ہے، فی صفحہ تیرہ سطریں ہیں۔(۲)

تنویر النبراس یا رد قول فصیح کے چند مندرجات مولانا کی اس اہم تالیف کے ذریعہ سے ان تمام اعتراضات کا صاف صاف اور بے غبار جواب مل جاتا ہے جو تحذیر الناس پر عموماً کئے گئے تھے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جو اعتراضات حضرت مولانا نانوتویؒ پر کئے گئے تھے اور تحذیر الناس کے حوالہ سے جو مفہوم و معانی تحذیر الناس کے بین السطور میں تلاش کئے جاتے ہیں، وہ مصنف کے حاشیہ خیال میں بھی کبھی نہیں آئے تھے۔

---

(۱) نسخہ مؤلف اور نسخہ امروہہ پھلاودہ میں مولانا عبدالغنی صاحبؒ کے ذخیرہ میں محفوظ تھے جو مولانا اخلاف ڈاکٹر محمد خالد صاحب اور محمد مطلوب صاحبان کی عنایت سے ہمیں مل گئے ہیں۔ دونوں حضرات کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے جزاهم الله تعالىٰ خير الجزاء و احسن۔

(۲) یہ عمدہ اور خوش تحریر نسخہ ہمارے فاضل دوست مولانا حکیم رضی الدین احمد پھلتی کے قیمتی ذخیرہ سے حاصل ہوا اس کا بھی شکریہ ضروری ہے فجزاه الله تعالىٰ۔

وہ بات سارے فسانہ میں جس کا ذکر نہیں

وہ بات ان کو بہت ناگوار گذری ہے

حضرت مولانا نے تنویر النبراس اور متعلقہ خطوط کے جوابات میں تحذیر الناس کی ان عبارتوں کی وضاحت اور شرح کے علاوہ اپنے عقائد اور ختم نبوت کے ہر ایک پہلو پر ہر طرح سے جامع واضح پختہ اور غیر متزلزل یقین کا ایسا صاف اعلان فرمایا ہے اور اس کی ایسی غیر مبہم تحقیق و تصریح کی ہے کہ جسکے بعد وہ سب تحریریں اور اعتراضات بے حقیقت غلط اور بے معنی ہو جاتے ہیں جو حضرت مولانا اور تحذیر الناس پر کئے گئے تھے بلکہ اب تک کئے جاتے ہیں۔ حضرت سعدیؒ نے سچ کہا ہے:

اگر بہ روزنہ بیند شپرہ چشم ۔۔۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ!

ردِ قولِ فصیح اس قسم کی تمام عبارتوں کے نقل کی گنجائش نہیں، مگر چند اقتباسات پیش ہیں امید ہے کہ انکے ذریعہ سے یہ طویل بحث اپنے اختتام کو پہنچ جائیگی اور حضرت مولانا پر جن لوگوں نے بے بنیاد اور ناحق اعتراض کئے تھے انکو اپنے خیالات اور غلط فہمی کی اصلاح کی توفیق ہوگی۔ **والامر بید اللہ الکریم**

حضرت مولانا نے تحذیر الناس میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مطلب غلط سمجھا گیا، مخالفین نے تحذیر الناس کی عبارتوں کے جو معنی بیان کئے ہیں مصنف نے ان سے برأت کا صاف اظہار کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

[illegible] مولانا آپ فرماتے ہیں کہ [illegible]

نہیں آپ کی اس عنایت کے قربان جائیے آپ ہی فرماتے ہیں [illegible] وغیرہ جو کچھ میری نسبت [illegible]

فرماتے ہیں [illegible]

کہ [illegible] قدیمی و معتقدات [illegible] سمجھتے ہیں [illegible] بات کو آپ نے [illegible] سمجھا ہوگا سب ہی

جانتے ہیں [illegible] غلط [illegible] اور تہمت [illegible] کسی نے

لکھی نہ کسی محدث نے [illegible] رسالہ [illegible] بہرحال جو کچھ ہے [illegible] بات نہیں کہ کسی

درجات میں آپ کا مساوی ہوتا [illegible] آپ ایسے مستغنی ہیں اس لئے [illegible] رسالہ کی [illegible] کا اتنا رنج

نہیں جتنا اس بات کا افسوس ہے کہ دنیا میں مکتوب تحذیر الناس کا سمجھنے والا کوئی نہیں [illegible] مگر جتنا

[illegible] کے حال [illegible] افسوس ہے کہ ایسی موٹی بات کو نہیں سمجھتے [illegible] آپ [illegible] تعجب ہے

کہ آپ نے [illegible] ایسی [illegible] استفسار کیا [illegible]

حضرت مولانا نے صاف صاف لکھا ہے کہ میرا اس موضوع کو چھیڑنے کا بالکل ارادہ نہیں تھا اپنے ایک دوست کے خط کے جواب میں ایک خط لکھدیا تھا، جس کو انہوں نے میری اجازت اور اطلاع کے بغیر شائع کر دیا، جس کی اشاعت کا مجھے افسوس ہے۔

اندیشۂ فساد و نیز اندیشۂ اختلاف اوّل
تو باعث خاموشی تھا یہی وجہ ہوئی کہ کبھی فتووں کا جواب لکھا نہ کبھی مہر و دستخط کی ہاں میرٹھ وغیرہ میں جب وہ نام [illegible]
کر کے کوئی بحث کا ہوا تو نکالا کسی نے تو ایسی ویسی سنائی بھی تو لیا نہیں ہمیشہ کے لیے ادھر ادھر ٹالا غرض وہ افتراق اہل اسلام
سے ہمیشہ گھبراتا پھرا سوا بعضے میں بھی اپنی زبان اپنے منہ میں لیے بیٹھا رہا بلکہ اولیٹیوں نادم ہوا ان پہ گیا ابھی وہ
کونسا وقت تھا جو میں نے اس تحریر کے لیے قلم اوٹھایا تھا مولانا آپ سے امید تصدیق نہ تھی یہ نہ سمجھتا تھا کہ ان مضامین کو
کوئی نہ سمجھیگا با اینہمہ چھپکر شائع ہونیکی کس کو امید تھی احباب کے خطوط کے جواب لکھدینیکی عادت ہی مولوی محمد احسن صاحب
کی استفسار جواب میں بھی حسب عادت قدیم ایک خط لکھ بھیجا اور بعد میں کبھی قدر اوسکا تتمہ لکھدیا پر خدا جانے اونکو کیا سوجھی
جو اوسکو چھاپ ڈالا جو یہ باتیں سمجھی پڑ رہی ہیں تو میں ہنستا ہوں کیا ہوا کیوں لکھا تھا اور اگر لکھنا ہی تھا تو عربی میں لکھنا تھا بلکہ
ترکی یا پشتو میں لکھوا دینا تھا نہ ہندوستان کی عوام اسکو دیکھتی نہ وایسے گئی کو یجوان میں یہ شور ہوتا مولانا یہی تو میں اس
اندیشہ کے باعث ہاتھ کھینچے ہوئے بیٹھا تھا بلکہ جواب کے حساب سے تو قلم توڑ ڈالا تھا دوات پھوڑ ڈالی تھی کاغذ کو جلا

حضرت مولانا پر عقیدہ کے متعلق قسم قسم کے الزامات لگائے گئے تھے، ایک موقع پر حضرت مولانا نے اس کا بھی بہت صراحت سے ذکر کیا ہے اور تمام غلط بیانیوں اور غلط فہمیوں کا پردہ چاک کر دیا ہے ارشاد ہوا ہے کہ:

اپنی عقاید لکھنؤ کو لکھتا ہوں ہر عقیدہ خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک لہٗ سمجھتا ہوں نہ اوسکی ذات میں کوئی شریک
نہ اوسکی صفات میں لیس کمثلہ شیٔ وھو السمیع البصیر ۔ وہ ایک قدیم ہے سوای اوسکی ذات و صفات کے
سب حادث ہیں کان اللّٰہ ولم یکن شیٔ قبلہ ۔ ساری خوبیاں اوسکی موجود ہیں اور عیب و نقصان ایک بھی نہ
وہ ورگ ہے نہ حادث نہ اوسکی ذات و صفات میں تغیر آئے نہ تبدل رہ پائے ۔ الآن کما کان ۔ ملائکہ اور کتب منزلہ
اور رسل مرسلین پر ایمان رکھتا ہوں پر میں زبان اور مکان میں عرش سے لیکر زمین تک اور تحت الثریٰ میں بیک وقت
نبوت آپ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر نہیں سمجھتا نہ ایسا کوئی ہو نہ عقیدہ میں ایسا کوئی ہو جو بعد سلسلۂ
نبوت آپ کی زمانہ میں ختم ہو گیا جو بعد آپکے کوئی شخص کسی کی نسبت نبوت کا خیال کرے اوسکو کافر سمجھتا ہوں

ایک اور موقع پر ختم نبوت پر اپنے واضح اور پختہ یقین و عقیدہ کا صاف ذکر کیا ہے اور خاتمیت مرتبی کی حقیقت اس طرح واضح کی کہ اس کے بعد کسی اعتراض کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ ملاحظہ ہو:

ہمارے سنیئے ہمارا ایمان ہے کہ عالم
شہادت میں رسول اللہ صلعم کے زمانے کے بعد نہ کوئی نبی ہوا نہ ہوگا۔ اس زمین پر نہ اور کسی زمین پر اور نہ آپ سے افضل ہوا نہ ہو
نہ یہاں نہ کہیں اور۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلعم کی ذی شان خاتمیت زمانی خاتمیت مرتبی کی بنا پر اسی لفظ خاتم النبیین
کی دلالت کے باعث قائل ہیں سو باین نظر کہ خاتم المراتب موصوف بالذات ہوا کرتا ہے چنانچہ تحذیر میں وضاحت سے مرقوم
ہے اور موصوف بالذات ہر صفت میں ایک ہی ہوا کرتا ہے سوا اسکے اور سب اوس صفت میں اوسی سے مستفید ہوتے ہیں
خواہ مخواہ اس بات کا قائل ہونا پڑیگا کہ اور سب انبیاء وصفت نبوت میں آپ ہی سے مستفید ہیں سلسلہ مراتب نبوت و عروج یہیں
آپ پر ختم ہو گیا ہے اور اسلئے آپ کو خاتم مرتبی بکسر التاء کہنا لازم ہے اور باین نظر کہ موصوف بالذات کا اثر معروضات میں
مثل نقش خاتم مختوم علیہ میں ہوا کرتا ہے آپ کو خاتم بفتح التاء کہنا ضروری اور اسی اعتبار سے آپ کو سید الانبیاء کہنا ضرور
ہے کیونکہ سید حاکم کو کہتے ہیں اور حاکم اوسکو کہتے ہیں جو دوسرے و غیروں تصرف رکھتا ہو اور ظاہر ہے کہ معروضات میں موصوف
بالذات کا تصرف ہوتا ہے وہ اثر یہ تصرف نہیں تو اور کیا ہے اور پھر باین نظر کہ ہر صفت اپنی موصوف بالذات میں
بوجہ اتم ہوتی ہے اور اوروں میں اوسی کا فیض اور اوس سے کم تو آپ کو علی الاطلاق افضل کہنا لازم ہوگا اور پھر باین خیال
کہ جیسے پھول جو شاخ و برگ سے افضل ہوتا ہے بعد میں نکلتا ہے حاکم اعلیٰ تک مقدمہ کی نوبت بعد میں پہونچتی ہے متعدد
کھانے ہوں تو عمدہ کھانا بعد میں کھاتے ہیں اسلئے متعدد دینوں میں سے بھی بایں وجہ کہ دین ایک غذاء روحانی ہے عمدہ دین
یعنی دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں دیا جائیگا حکام دین یعنی انبیاء علیہم السلام میں حاکم اعلیٰ یعنی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم تک نوبت بعد میں پہونچے گی کار تجدید نبوت یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں ظہور کریگا
غرض اعتقاد خاتمیت مرتبی خود خاتمیت زمانی کی بھی علی الاطلاق ہمارے ایمان کی یہ شاہد کامل ہے اور یہ وہ خاتمیت
مرتبی ہے جسکی طرف صاحب قصیدہ بردہ اس شعر میں اشارہ فرماتے ہیں : شعر : فانہ شمس فضل ہم کواکبہا :
یظہرن انوارہا للناس فی الظلم :۔ اور سوا اونکے اور اولیاء کبار مثل شیخ اکبر قدس اللہ سرہ اور حضرت شیخ مجدد
الف ثانی وغیرہم قدس اسرارہم تصریحاً اسکو لکھ گئے ہیں اور یہ وہ خاتمیت مرتبی ہے جسکے آپ منکر ہیں اور اسکے باعث
صاحب تحذیر کو ملحد اور کافر فرماتے ہیں اعاذ اللہ وایانا منہ اور یہ وہ خاتمیت مرتبی ہے جسکے انکار سے رسول اللہ صلعم کی
افضلیت مطلقہ اور سیادت مطلقہ اور خاتمیت زمانی مطلقہ کا انکار لازم آتا ہے

۵۔ حضرت مولانا نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ان کو (خدانخواستہ) منکر ختم نبوت کہنا حقیقت سے بالکل آنکھیں بند کر لینا ہے یہ غلط بات کہنے والے یا تو تحذیر الناس کی عبارتوں کا مطلب نہیں سمجھے، یا کسی ذاتی وجہ سے مؤلف سے پرخاش رکھتے ہیں:

صاحب تحذیر کو منکر ختم نبوت کہنا ایسا ہی جیسا آفتاب کو کوئی نور کہتا ہوا نابینا اور کسی کے کا بیٹا ہو سکتا ہے البتہ اگر منکر ختم نبوت کہیں تو بجا کہ آپ اگر ختم زمانی کو مانتے ہیں تو کیا ہوا ختم مرتبی اور ختم مکانی کو تو نہیں مانتے جن میں سے انکار ختم مرتبی بدلائل یقینی جو بمقابلہ بعض علماء وقت صاحب تحذیر نے ارقام فرمائی ہیں لاریب موجب انکار نفسیہ ہی جس سے بالآخر بدلالت دلائل ساوقہ انکار ختم زمانی بھی عائد ہوتا ہے کیا صاحب تحذیر کی وہ تصریحات آپ کی نظر سے نہیں گزریں جن کی منکر ختم زمانی کا کافر ہونا ملتا ہے یہی اور کیا اون کی وہ تقریر نہیں دیکھی کہ جن سے آپ کا بہ نسبت انبیاء ماتحت بھی خاتم زمانی ہونا ثابت ہوتا ہے یہی پہلی بہ تصریح یہ مضمون لکھدیا ہے اس لئے اس مقام میں معذور ہیں مگر ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ آپ یا تحذیر کی مطالب کو بوجہ ناآشنائی مضامین دقیقہ نہیں سمجھے یا بوجہ تعصب دینی سمجھی یا ایک ٹانگ کھینچی جاتی ہیں اور میں جانتا ہوں دونوں باتیں ہیں

۶۔ حضرت مولانا نے ختم نبوت کی تمام صورتوں پر اپنے غیر متزلزل یقین اور عقیدے کا کئی موقعوں پر اظہار کیا ہے اور اس کی کئی طرح سے تشریح اور انطباق کیا ہے، ایک جگہ فرماتے ہیں:

کسی اور زمین میں اگر کوئی اور نبی ہو تو یقینی نہیں مگر کچھ مستبعد بھی نہیں کلام اللہ و حدیث میں اوسکا انکار نہیں اجماع کی مخالفت نہیں بلکہ جیسے بشہادت حدیث خلق اللہ آدم علی صورتہ جس میں محققین کی نزدیک ضمیر صورتہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف راجع ہے حضرت آدم کی طرف راجع نہیں خدا کی صورت پر ہونا مخلوقات کا ممکن تو کیا واقع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشہ کمالات کی موافق اگر کسی اور کے کمالات کا بھی نقشہ ہو تو یقینی تو نہیں سمجھتا پر کچھ محال بھی نہیں سمجھتا پر جیسے خدا کی صورت کو مثل دیگر مضامین متشابہ ید و رجل و سمع و بصر اپنی صورت و شکل پر قیاس نہیں کرتا بلکہ یوں کہتا ہوں جیسا وہ ویسی ہی اوسکی صورت جیسے جسم اور حضرت آدم علیہ السلام ویسی ہی ہماری اونکی صورت اور اسوجہ سے کیفیت انطباق صورۃ خداوندی و صورت آدم علیہ السلام کی بیان کرنے سے معذور ہوں ایسے ہی اون انبیا علیہم السلام کی صورۃ کمال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورۃ کمال سے متشابہ اور مطابق تو سمجھتا ہوں پر اسکی ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ جیسے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ویسے ہی اونکی صورت جیسے اور نبی ویسی اونکی صورت علاوہ بریں تقدیر کا مقر ہوں اور جزا کا قائل ہوں دوزخ و جنت پر ایمان جو ہر و عرض فاعل و فعل سب کا خالق خدا کو سمجھتا ہوں قرآن شریف و احادیث صحیحہ اور اجماع امت کو واجب التسلیم جانتا ہوں اگر موافق سمجھ میں آگیا تو زہے نصیب شکر خدا کا بجالاتا ہوں ورنہ اپنا

۷۔ مولانا یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے تحذیر الناس میں جو بحث کی ہے اس کے بعد نہ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ثابت کرنے کی ضرورت ہے نہ اس کے باطل کرنے کی، لکھا ہے: تمام مخفیان بطلان اثر ابن عباس اور مخالفان تحذیر الناس کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ حسب تقریر تحذیر نہ اثر ابن عباس کے اثبات کی حاجت نہ ابطال کی ضرورت ہاں اثبات منجملہ مؤیدات افضلیت ہے سو ہم اگر اثر مذکور کو منجملہ قطعیات نہیں کہتے تو بعد تصحیح محدثین اوس کی تغلیط بھی مستحسن نہیں سمجھتے لیکن حسب تقریر تحذیر اثر ابن عباس اگر باطل بھی ہو سکتا تو افضلیت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اہل فہم کے نزدیک تمام کائنات پر ایسی طرح روشن ہو جاتی ہے جیسے اہل نظر پر آفتاب نیمروز مگر بطور تقریر مخالفان تحذیر اثر ابن عباس باطل ہو سکتا ہے نہ افضلیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہو سکتی ہے۔

۸۔ خاتمیت زمانی اور مکانی و مرتبی کی بحث کی ہے اور ان پر جو شور اٹھا تھا حضرت مولانا نے اس کو بھی غباوت یا تعصب پر محمول کیا ہے، اور اپنے خیالات کی اس طرح واضح مگر مختصر تشریح کی ہے کہ جس سے پوری بحث آئینہ کی طرح بے غبار ہو جاتی ہے۔ ایک جگہ تحریر فرمایا:

صاحب تحذیر نے خاتمیت مرتبی کو بہ نسبت انبیاء زمین ہی مخصوص نہیں کیا بلکہ بصورت فرض صدق اثر حضرت عبد اللہ ابن عباس انبیاء ماتحت کی نسبت بھی آپ کو خاتم مرتبی قرار دیا بلکہ یوں کہو یہی غرض ہے پر اتنا فرق ہے کہ اس صورت میں خاتمیت زمانی محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بطور صاحب تحذیر انہیں انبیاء کی نسبت خاص نہ ہوگی انبیاء ماتحت کی بھی آپ خاتم زمانی ہوں گے جس سے اوروں کا تقدم زمانی لازم آئے گا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: اور تقریر ثانی کا خلاصہ یہ ہے کہ خاتم فی حد ذاتہ ایک مفہوم عام ہے جس کے تحت میں تین نوع مندرج ہیں یعنی خاتم زمانی و خاتم مکانی و خاتم مرتبی ایک مفہوم کلی انواع ثلثہ مذکورہ داخل ہیں اور جملہ خاتم النبیین میں وہ تینوں کی تینوں مراد ہیں اور حاصل مطلب یہ ہے کہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین مرتبۃً و زماناً و مکاناً اور یہ ایسی بات ہے جیسی صاحب جلالین آیہ وللہ ما فی السموات والارض کی تفسیر میں لکھا کرتے ہیں خلقا و ملکا و عبیدا یا یوں کہیے اللہ اکبر کہتے ہیں اور من کل شیء فی کل شیء مراد لیتے ہیں۔

نسخۂ مؤلف کا پیش نظر عکس چند گذارشات | رد قول الفصیح کے نسخہ مؤلف کا (جو تمام تر حضرت مولانا محمد قاسم کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے) جوں کا توں عکس شامل کرنے کا خیال تھا، مگر جب اس ارادہ سے اصل نسخہ کو دیکھا گیا تو مجلّہ اور قلمی نسخہ دونوں کی پیائش میں خاصا فرق نکلا رسالہ کی پیائش ۱۲/۲۰ س،م ہے اور قلمی نسخہ کی عموماً ۱۷/۲۵ س،م، جس کی وجہ سے قلمی نسخہ کا جوں کا توں عکس نہیں آسکتا اور صرف ایک عکس کی وجہ سے مجلّہ کے سائز میں اضافہ بھی دانشمندی نہیں تھی۔ اگر اصل نسخہ کو چھوٹا کرا کر شامل کیا جاتا تو حضرت مولانا کی تحریر جو پہلے ہی باریک ہے اور باریک ہو کر اس کا پڑھنا ہی مشکل ہو جاتا۔ اس لئے بعد میں یہ فیصلہ کیا کہ القول الفصیح پر حضرت مولانا کے قلم سے جو حاشیہ یا جواب لکھا ہوا ہے صرف اس حصہ کو مجلّہ میں شامل کر لیا جائے، مگر اس صورت میں دشواری یہ تھی کہ حضرت مولانا کا یہ جواب یا حاشیہ جو قلم برداشتہ تحریر فرمایا تھا، کتاب کے حاشیہ پر چاروں طرف اور کہیں کہیں بین السطور میں بھی لکھا ہوا تھا، اسی ترتیب کا خیال رکھتے ہوئے دوسری جگہ اسی طرح سیٹ کرنا مشکل کام تھا، مگر ادارہ کے کارکن مولوی محمد حنیف صاحب بہرائچی نے اسکو اس احتیاط اور صفائی سے منتقل کیا کہ اصل مسودہ کی ایک سطر اور فقرہ بھی ضائع نہیں ہوا، پوری تالیف اصل ترتیب کے مطابق پیش کر دی گئی، اس نازک خدمت میں مولوی محمد شعبان صاحب بستوی (مدرس مدرسہ عید گاہ، کاندھلہ) کا بھی خاص تعاون شامل رہا۔ **فجزاهما الله تعالىٰ۔**

یہاں یہ وضاحت مناسب ہو گی کہ تنویر النبراس کے زیر نظر مسودہ سے تین نقلیں تیار کی گئی تھیں ایک حضرت مصنف کی تصحیح کی ہوئی ہے جو دو نقلیں اور ہیں انکی اور اصل نسخہ کی ترتیب میں کچھ فرق ہو گیا ہے بعض فقرے آگے پیچھے ہو گئے اور چند درج ہونے سے رہ گئے، اسلئے اصل نسخہ کی اہمیت مسلم ہے۔

تنویر النبراس علی من انکر تحذیر الناس (یا رد قول فصیح) حضرت مولانا کے قلم سے

تنویر النبراس (یا رد قول فصیح)

نسخۂ مصنف کا ایک صفحہ

مجلہ صحیفۂ نور، کاندھلہ

تنویر النبراس

نسخۂ امروہہ مکتوبہ ۱۳۰۹ھ۔ جو پھلاودہ میں محفوظ تھا کا ایک صفحہ

فرض ادا ہوگیا اور ایسی بی نقط سنانی سے کونسی تعریف کی آپ مستحق ہوگئی اس قول مین آپکو تین اعتراض سوجھی مگر افسوس مطلب کے بات ایک بھی انسو جھی حضرت سلمہ منہ مطلب تحذیر سمجہا ہوتا پہر اعتراض کیا ہوتا بسی معترضین سوا آپکی عالم مین نہونگی کہ مطلب سی اعراض کرین ذہن اسی کہتی ہین اور ذکاوت اسی کا نام ہی اول اعتراض تو یہ ہی کہ آخریۃ زمانیکو موافق صاحب تحذیر معنی خاتم النبیین کہنا قول عوام ہے حالانکہ یہی معنی تمام مفسرین لکھتی ہین اور کتب احادیث سی یہی معنی نکلتی ہین اس صورۃ مین یہ گستاخی دور تک پہونچی گی دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مصنف تحذیر آخریۃ زمانیکو فضائل مین سی نہین سمجھتے حالانکہ

تنویر النبراس

نسخۂ امروہہ مکتوبہ ۱۳۰۹ھ کے آخری صفحہ کا عکس

ہیں کہ باوجود اختصار کوئی بات آپکی نہیں چھوڑی کہ نذر ہیں آپکو وہ سب خرافات کہ
لئے وہ مضامین جو بغرض دفع دخل مقدر ہیں اہل فہم کے نزدیک کافی ہیں پر تمنی بخاطر
حضور اودھ سبری ملالاب کی وجہ کیوں ٹال مٹال کُلتے ہیں زیادہ کیا عرض کروں قبول
حقلی آپکے امید ہی نہیں جاہلوں اور بے وقوفوں کو سمجھ نہیں جو اونہیں ہی سمجھے اور انکی
حقیقت کھول کر دکھلائے اسلئے یہی بہتر ہے کہ جب ہو رہی ہاں اتنا اور کہدیجئے کہ آپ صاحب خدا نخواستہ
بغرض تکفیر تاؤ تو کوئی بات ہم بھی سمجھتے ہیں پر سمجھنے والے سمجھتے ہونگے کہ اہل عقل کے نزدیک
اگر عار ہے تو نسبت اوں عار ہے نسبت تاؤ تو ہمیں کچھ عار نہیں اب یوں مناسب ہے
کہ بس کیجے اور خدا کا نام لیجے و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی
خاتم النبیین سید المرسلین افضل العلمین
رسولہ محمد والہ وصحبہ وازواجہ وذریتہ اجمعین

مکتوب نمبر [illegible] بسم اللہ الرحمن الرحیم قاسمی

بجواب اعتراضات مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی بر تقریر تحذیر الناس

شمع بانہ نہاد چشم بصیرت [illegible] ورنہ بداگون کہ بروایں تحذیر [illegible] شپرہ را با آفتاب چہ کار [illegible] پیش کوران چہ خندہ [illegible]

بعد حمد و صلوٰۃ کے گزارش یہ ہے کہ اہل کمال کا کمال اور اہل فتنہ کی فتنہ گری ہمیشہ [illegible] رہی ہر چند یہ فتنہ انگیزی
نام کی بھی مولوی فصیح الدین صاحب کی طرف سے معلوم ہوتی ہے کہ آج تک اس [illegible] مولوی اس زمانہ میں کسی نے
نہ سنا ہوگا ان بعض لوگوں سے یہ خبر جانا کہ جناب مولوی عبدالقادر صاحب بدایونی [illegible] تحذیر الناس
کی مقبولیت سے رنج ہوا کر حق کو باطل کرنے کو تیار ہیں [illegible] ہونے کے ارادہ میں حق کا جمال اور اہل حق کا [illegible]
کا کام ہے اور مولوی محمد فصیح الدین صاحب کا نام ہے بقول [illegible] چرخ کو کب یہ [illegible] ستمگاری میں [illegible]
اور ہیں اس [illegible] لگا رہے ہیں نہ مولوی صاحب پردہ میں کیوں رہے کھل کھیلے ہوتے اس سے زیادہ اور کیا تھا [illegible]
جو مہم اختیار کئے ہوئے ہیں آپ کا ذخیرہ یہی معنی ہیں سو یہ تو پہلے ہی وارثین ختم نبی [illegible] اگر مضامین حضور [illegible]
ہیں تو ایسے مہملات کے لکھنے میں کون سا فرض ادا ہو گیا اور ایسی ہی نفسانیت سے کون سی تحقیق [illegible] آپ
مستحق ہو گئے اس قول میں آپ کو تین اعتراض سوجھے مگر افسوس مطلب کی بات ایک بھی نہ سوجھی حضرت [illegible]
مطلب تحذیر سمجھا ہوتا پھر اعتراض کیا ہوتا ایسی حقیقت ہو آپ کی عالم میں [illegible] کہ مطلب سے غرض
کریں ذہن ایسی کہتے ہیں اور ذکاوت اسی کا نام ہے اول اعتراض تو یہ ہے کہ آخریت زمانی کو مولوی
صاحب تحذیر معنی خاتم النبیین کہنا قول عوام ہے حالانکہ یہی معنی تمام مفسرین لکھتے ہیں اور سب جانتے
ہیں یہی معنی نکلتے ہیں اس صورت میں یہ گستاخی دور تک پہنچے گی دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مصنف تحذیر آخریت
زمانیہ کو فضیلت میں سے نہیں سمجھتے حالانکہ آخریت زمانی بڑی فضیلت ہے تیسرا اعتراض یہ ہے کہ بجائے خاتم النبیین
کے تاخر زمانی کا مراد لینے والوں کو دائرہ اسلام سے صاحب تحذیر خارج سمجھتے ہیں اہل [illegible] کے نزدیک تو عبارت
تحذیر [illegible]

تنویر النبراس

بقلم مولانا محمد ابراہیم، پھلاودہ، مکتوبہ ۱۳۴۳ھ

کا ایک صفحہ

قصیدہ در مدح سلطان عبد الحمید خان امیر المومنین، سلطان ترکی

بلقان کی ریاستوں پر روس کے حملہ کے وقت علمائے ہندوستان نے حکومت ترکی اور ان ریاستوں کے مسلمانوں کے ساتھ یک جہتی کے اظہار اور ان کی حمیت دینی، مومنانہ قوت اور مجاہدانہ جذبہ کی حوصلہ افزائی کے لئے ہر طرح سے بھرپور تعاون فرمایا تھا، جس کا ایک خاص پہلو خلیفۃ المسلمین پر اعتماد کا مکمل اظہار بھی تھا، اس کی ترجمانی علماء کی تحریروں اور مضامین کے علاوہ چند خاص قصیدوں سے بھی ہوئی۔ یہ قصیدے دیوبند کے نامور علماء نے تحریر فرمائے تھے، جو عربی فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ہیں، جس میں سے ایک قصیدہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا بھی لکھا ہوا ہے۔ حضرت مولانا کا یہ قصیدہ عربی میں اشعار پر مشتمل ہے، یہ قصیدہ حضرت مولانا کی مطبوعہ اور معروف تحریروں میں سے ہے اور مجموعہ قصائد قاسمی میں اور قصیدوں کے ساتھ بار بار شائع ہو چکا ہے، مطبوعہ قصیدہ کے لئے قصائد قاسمی ملاحظہ ہوں۔ یہاں حضرت مولانا نانوتویؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اصل قصیدہ کا عکس شائع کیا جا رہا ہے۔ (نور)

قصیدہ در مدح خلیفۃ المسلمین سلطان ترکی — خود حضرت مولانا کے قلم سے

گرامی نامہ کی عبارت درج ذیل ہے:

میاں قربان احمد را ترکیب دوازدہ تسبیح باید فہمانید، و بخدمت حافظ عبد الغنی صاحب پس از سلام مسنون عرض باید کرد کہ بمیاں قربان احمد صاحب ہر قدر کہ عنایت مبذول خواہد شد احسانش بگردنم خواہد ماند۔ جواب شکایت نامہ رسیدن از بعض اشعار مرقومہ باید گرفت:

ترجمہ: میاں قربان احمد صاحب کو بارہ تسبیح کی ترکیب سمجھا دینا چاہیے اور حافظ عبد الغنی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد عرض کرنا چاہئے کہ میاں قربان احمد صاحب پر جس قدر عنایت مبذول ہوگی اس کا احسان میری گردن پر رہے۔

شکایت نامہ پہنچنے کا جواب درج ذیل اشعار سے سمجھ لینا چاہئے۔

أين الوصال و أين عهد وصالكم
وزمان حيرتنا وصيت جمالكم

شوقي يسوق إليك ثم يعوقني
عذل العواذل و احتمال ملالكم

لولا يتشبث تربتي بتناول
من ههنا و هنا وهلكة مالكم

لأتيت هرولةً وزرتك عاجلاً
ومثلتُ بين يديك قبل سوالكم

و اعدت اضحى ووعدك صادق
لولا موانع دون صدق مقالكم

حضرت مولانا نانوتوی کی مشہور تالیف قبلہ نما کے ان اوراق کا کچھ تذکرہ جو مطبوعہ نسخوں میں شامل نہیں

نور الحسن راشد کاندھلوی

قبلہ نما حضرت نانوتوی کی مشکل ترین تصانیف میں سرفہرست ہے۔ اس کی دقت مضامین اور بلند پردازی کا عالم یہ ہے کہ اس کو بڑے بڑے علماء نے اپنے اساتذہ اور مایۂ ناز علماء سے حرفاً حرفاً پڑھا اور حضرت مولانا نانوتوی کے شاگردوں خصوصاً شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے اس کو حضرت مولانا سے سبقاً سبقاً پڑھا تھا نیز حضرت نانوتوی کے ایک اور خاص شاگرد مولانا فخر الحسن گنگوہی نے قبلہ نما مطبع اکمل المطابع دہلی سے ۱۲۹۸ھ میں شائع کرا دیا تھا۔ اگرچہ اس وقت حضرت مولانا کے تمام شاگرد موجود تھے اور ہر طرف جلیل القدر علماء بھی نظر آتے تھے مگر حضرتِ نانوتوی کی رائے یہ ہوئی تھی کہ اس کتاب کا ایک اہم باب یا حصہ شائع نہ کیا جائے، کیوں کہ اس کو کوئی نہ سمجھے گا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی نے بھی یہی مشورہ دیا تھا، اس لئے یہ حصہ یا باب قبلہ نما کی کسی بھی اشاعت میں شامل نہیں کیا گیا۔

ایک مشہور روایت کی تصحیح: مگر مشہور یہ ہے کہ حضرت مولانا نانوتوی نے آب حیات کے کچھ اوراق نکلوا دیئے تھے جو کبھی شائع نہیں کئے گئے اور اس سلسلہ میں دو روایتیں بھی نقل کی گئی ہیں۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب نے مولانا حبیب الرحمان صاحب سے نقل کیا ہے کہ شیخ الہند فرماتے تھے:

> "آب حیات (حضرت مولانا نانوتوی کی تصنیف) وغیرہ میں نے حضرت سے سبقاً سبقاً پڑھی ہے، آب حیات کے کچھ اوراق حضرت نے خود نکال دئے تھے کہ انہیں کوئی نہیں سمجھے گا" (۱)

اس روایت پر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اوراق کو آب حیات سے نکالنے کی رائے اور مشورہ مولانا محمد یعقوب نانوتوی کا تھا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے اسکی یہ وجہ بیان کی تھی کہ:

> "اُن میں ایک اعتراض کا جواب ہے اول تو اس اعتراض کو کوئی نہ سمجھے گا اور اگر سمجھ لیا تو پھر اس کا جواب سمجھ میں نہ آئے گا اور شبہ ہی میں مبتلا رہے گا۔ (۲)

(۱) ارواح ثلاثہ ص ۲۶۰ (۲) ارواح ثلاثہ ص ۲۶۰۔

جو اوراق نکالے گئے وہ قبلہ نما کے تھے، آب حیات کے اوراق یا صفحات نکالنے کی بات صحیح نہیں

مگر راقم سطور کا خیال یہ ہے کہ یہ روایت و شہرت درست نہیں، دراصل قبلہ نما کے اوراق نکلوائے گئے تھے اور مذکورہ بالا دونوں روایتیں بظاہر "قبلہ نما" کے متعلق ہیں۔ ان میں آب حیات کا ذکر سہو کاتب یا کسی راوی کی غلط فہمی کی وجہ سے ہو گیا ہے، ہمارے اس خیال کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ مولانا مفتی سعید صاحب پالنپوری نے آب حیات کے تعارف میں لکھا ہے کہ:

"آپ کی تمام کتابوں میں یہ سب سے زیادہ مشکل کتاب سمجھی گئی ہے، اگرچہ اس میں سے ایک معتد بہ حصہ جس کے بارے میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی (اولین صدر مدرس دار العلوم دیوبند) کی رائے یہ تھی کہ اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا اس کو نکال دیا گیا ہے، اور یہ اوراق متخرجہ آب حیات پھلاودہ میں ہیں" (۲)

مگر حقیقت یہ ہے کہ پھلاودہ میں جو نسخہ محفوظ تھا وہ آب حیات کے زائد اوراق کا نہیں، بلکہ قبلہ نما کے اوراق کا ہے، اس کے پہلے صفحہ پر تحریر ہے:

"اوراق زائد قبلہ نما، مصنفہ جناب مولانا محمد قاسم صاحب کے از رسالہ مذکورہ جدا فرمودہ بودند"

اور اس رسالہ میں جو بحث ہے وہ بیت اللہ کے قبلہ ہونے اور متعلقہ موضوع پر ہے جس کو ان صفحات میں درج آخری الفاظ بھی پوری طرح واضح کر رہے ہیں، لکھا ہے کہ:

"سجدہ کے مقابل میں ایک تو مسجود لہ ہوتا ہے اور ایک مسجود الیہ، مسجود لہ، تو سوائے خداوند عالم اور کوئی نہیں اور مسجود الیہ سوائے فضائے خانہ کعبہ اور دیوار کعبہ بالفعل اور کوئی چیز نہیں۔ البتہ قبل ظہور خاتم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس بھی مسجود الیہ سجدہ عبادت تھا۔ **وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی خاتم النبیین و آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔ تمت بالخیر!**"

لہٰذا آب حیات کے اوراق نکال دینے کی اطلاع غالباً صحیح نہیں، جس کتاب کے کچھ اوراق (بلکہ

---

(۲) کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟ مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری ص ۲۶ (مکتبہ حجازیہ دیوبند: ۱۳۹۷ھ)

تقریباً ایک تہائی حصہ) شائع نہیں کیا گیا، وہ آب حیات نہیں قبلہ نما تھی غالباً کسی راوی کے سہو سے یا تحریر کی غلطی سے قبلہ نما کی جگہ آب حیات کا نام لکھا گیا اور اس روایت و تحریر کی اس فروگذاشت کی طرف کسی کا خیال بھی نہیں گیا، اور یہی غلط روایت مشہور ہو گئی۔

اگر آب حیات کے کچھ صفحات نکالے گئے ہوتے تو ان کا پھلاودہ کے ذخیرہ و تحریرات اور پیش نظر ماخذ میں کہیں ذکر تذکرہ آنا چاہئے تھا۔

قبلہ نما کے مخرجہ اوراق کا نسخہ قبلہ نما کے مذکورہ بالا اوراق (یا باب) کا صرف ایک نسخہ معلوم ہے جو پھلاودہ میں محفوظ تھا اور اب مولانا عبدالغنی صاحب کے نبیرگان محترم ڈاکٹر سید محمد خالد اور ان کے بھائی سید مطلوب صاحب کی عنایت سے ہمارے ذخیرہ میں آگیا ہے۔ (۱)

یہ نسخہ عام کتابی سائز (۱۵۔ ۲۴ س م) کے ساڑھے بتیس ورق یا پینسٹھ صفحات پر مشتمل ہے فی صفحہ پندرہ سطور آئی ہیں یہ نسخہ مولانا سید عبدالغنی کے عزیز مولوی امجد علی نے نقل کیا ہے، آخر میں لکھا ہے:

> "یہ رسالہ جناب مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ حسب فرمائش جناب مولانا حافظ عبدالغنی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر حقیر عاصی امجد علی نے زمانہ قیام امین آباد میں اس کی نقل کی ہے اور ۲۷/ ذی القعدہ ۱۳۱۴ ہجری (اپریل، مئی ۱۸۹۷ء) میں نقل سے فراغت پائی"

جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دراصل قبلہ نما سے کچھ اوراق نکالے گئے تھے۔ آب حیات کے حوالہ سے یہ روایت غالباً درست نہیں تاہم یہ موضوع مزید معلومات کا متقاضی ہے۔

---

(۱) دونوں کا صمیم قلب سے شکریہ ضروری ہے، فجزاهم الله تعالىٰ احسن الجزاء.

اوراق مخرجہ قبلہ نما

تالیف حضرت مولانا نانوتوی

یعنی قبلہ نما کا آخری حصہ یا وہ صفحات کہ جن کو نہایت مشکل ہونے کی وجہ سے حضرت مؤلف اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے شائع کرنے سے منع فرمادیا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زیادہ تفصیل منظور ہو تو سنئے مگر اول دو باتیں سن لیجئے اول تو یہہ کہ پڑھنے کی کتابیں سب طبیبوں کی ایک ہیں ایسی ہی خواص ادویہ اور قواعد کلیہ میں باہم نزاع نہیں ہوتا مگر چونکہ ہر دوا کی استعمال کا موقع جدا اور اوسکا پہچاننا انواع امراض اور تشخیصات امراض کے پہچاننے پر موقوف ہے اور اسمیں بوجہ اختلاف اوقات اور بقدر تفاوت اذہان و توجہ فرق ہوتا ہے تو دیکھئے وقت تشخیص مرض و تجویز نسخہ کتنا فرق پڑجاتا ہے ایسے ہی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور علماء عظام کو جو دربارہ علاج روحانی اور دل کے حکیم ہوتے ہیں قواعد کلیہ اور خواص افعال میں متفق الرای سمجھئے پر بوجہ اختلاف انواع و اعمار امراض و تفاوت مراتب فہم اور نیز باعتبار اختلاف اوقات اختلاف ہو جاتا ہے دوسرے یہہ ہے کہ کسی شی کا ظہور دوسری چیز میں دو طرح متصور ہے ایک تو یہہ کہ اوسکا اثر اسمیں آجا

اوراق نزاع قبلہ نما مصنفہ جناب مولانا محمد قاسم صاحب کہ از رسالہ مذکور جدا کردہ بودند

سوای خداوند عالم اور کوئی نہین اور مسجود الیہ سوائے فضای خانہ کعبہ اور دیوار کعبہ بالفعل اور کوئی چیز نہین البتہ قبل ظہور خاتم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس ہی مسجود الیہ سجدہ عبادۃ تہا و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین و الصلوۃ والسلام علی خاتم النبین و آلہ و صحبہ اجمعین تمت بالخیر یہہ رسالہ جناب مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہی حسب فرمایش جناب مولانا حافظ عبد الغنی صاحب سلمہ اللہ تعالی فقیر حقیر عاصی امجد علی نے فی زمانہ قیام امین آباد مین اسکی نقل کی ہی اور ۲۷ ذی القعدہ ۱۳۱۴ ہجری مین نقل سے فراغت پائی ::

افاداتِ قاسمی

کتب حدیث کے مراتب و طبقات اور اصول تنقید کی
تحقیق حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نظریات کی روشنی میں

ہدیۃ الشیعہ کے چند صفحات

دینی تعلیم پر اجرت اور دینی مدارس کی تعلیم کے متعلقات کے چند پہلو اور نکات
حضرت مولانا کی ایک اہم تحریر یا فتویٰ

چند افادات بروایت مولانا سید عبدالغنی پھلاودی

چند افادات بروایت امیر شاہ خاں خورجوی

کچھ اور بھی

پیش کش

مجلّہ صحیفۂ نور۔ مولویان۔ کاندھلہ ضلع مظفر نگر یوپی (ہند)

کتب حدیث کے مراتب و طبقات اور اصول تنقید کی تحقیق
حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نظریات کی روشنی میں
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے قلم سے
(ہدیۃ الشیعہ کے چند صفحات)

تمہید از نور الحسن راشد کاندھلوی

امام ہمام، حجۃ الاسلام، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا علوم اسلامیہ میں جو مقام ہے وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے جن علوم کو بطور خاص اپنی فکر کا محور قرار دیا ان میں حدیث شریف اور اس کے متعلقات و مباحث کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنی کتابوں خصوصاً حجۃ اللہ البالغہ میں کتب حدیث کی ایک خاص ترتیب و تقسیم قائم فرمائی ہے جو ہند پاکستان کے دینی علمی درسی حلقوں میں رائج اور معتمد علیہ ہے، عام طور پر تمام اساتذۂ حدیث حدیث شریف کی یہی ترتیب و تقسیم پیش نظر رکھتے ہیں، اگرچہ سب علماء نے اس کو کثرت سے نقل کیا ہے، مگر اس کو مدلل فرمانے یا اس پر اضافہ کا کم اتفاق ہوا ہے۔ چند حضرات نے اس سمت میں جو خدمت انجام دی ہے ان کی افادیت و اہمیت کے پورے اعتراف کے باوجود یہ کہنا شاید غلط نہ ہو کہ ان اضافی مباحث اور تحقیقات کو وہ قبول عام اور پذیرائی حاصل نہیں ہوئی جس کی یہ مستحق تھیں اور ضرورت تھی کہ جب بھی کتب حدیث کے طبقات کی تقسیم اور ان کی ترتیب و تنقید کا ذکر آئے علوم ولی اللہی کے افادات کے ساتھ ساتھ ان اضافات و توضیحات کا بھی ذکر کیا جائے جو حضرت شاہ ولی اللہ کے سلسلۂ تلمذ سے وابستہ اکابر علماءؒ نے فرمائی ہیں۔

منجملہ ان افادات و اضافات کے ایک نہایت اہم اضافہ اور قیمتی مدلل بحث وہ ہے جو

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب ہدیۃ الشیعہ میں (شیعہ مجتہدین کے ایک اعتراض کے جواب میں) فرمائی ہے، مگر افسوس ہے کہ اس نہایت قیمتی بحث کی ویسی اشاعت اور استفادہ نہیں ہوا جو اس کا حق تھا۔ اس بحث کی گمنامی کچھ غیر متوقع بھی نہیں کیوں کہ اول تو ہدیۃ الشیعہ بھی (خاص طور سے اِس زمانہ میں) بہت زیادہ نہیں پڑھی گئی، دوسرے یہ بحث ضمناً اور ایسی جگہ پر آتی ہے کہ جہاں اس کی موجودگی کا خیال بھی نہیں ہوتا، اس لئے اس کی اشاعت وافادیت کا دائرہ وسیع نہیں ہوا۔

مگر یہ قیمتی بحث اہل نظر کی نگاہوں سے کبھی پوشیدہ نہیں رہی، حضرت شیخ الہند کے یہاں اس کے پڑھانے کا معمول رہا ہوگا (مگر مجھے اس کی صراحت نہیں ملی) لیکن شیخ الہند کے شاگرد اور تربیت یافتہ مولانا عبید اللہ سندھی اس بحث کے نہایت مداح اور معترف ہیں۔ مولانا سندھی نیز برصغیر کے ایک اور جلیل القدر نامور عالم حدیث، مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کا قول ہے کہ یہ بحث طبقات کتب حدیث کی تحقیق وتنقید میں حضرت شاہ ولی اللہ کے اصولوں کی جامع ترین تشریح وتنقید ہے۔ ان حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے کتب حدیث کے اصول تنقید کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے بہتر کسی نے نہیں سمجھا۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے لکھا ہے:

> "حدیث کی کتابیں دو طرح پر مرتب کی گئیں، پہلی قسم وہ ہے جن میں فقط صحیح احادیث درج ہیں دوسری قسم وہ کتابیں ہیں جن میں صحیح روایات کے ساتھ غیر صحیح روایات بھی لکھی گئیں، مگر تصریح کردی گئی کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں پھر ان مصنفات کی روایت کا سلسلہ بھی یکساں قائم نہ رہ سکا بعض صحاح ایسی ہیں جو تواتر کے قریب پہنچ گئیں بعض ایسی بھی ہیں جو مشہور اور مستفیض کے درجہ پر رہیں اس فرق کو ملحوظ رکھ کر شاہ صاحب نے کتب احادیث کے طبقات مقرر کردئے۔"(۱)

---

(۱) امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف، (مشمولہ، شاہ ولی اللہؒ نمبر ماہ نامہ الفرقان ص ۲۶۸ (بریلی، اواخر ۱۳۵۹ھ) نیز ملاحظہ ہو: شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ تالیف مولانا عبید اللہ سندھی ص ۱۲۲ (لاہور: ۱۹۶۴ء).

اسی بحث میں مولانا نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ صحیح وغلط احادیث وروایات کے اختلاط کی وجہ سے پریشان تھے اس وقت حضرت شیخ الہند نے ان کو حجۃ اللہ البالغہ کے مطالعہ کا مشورہ دیا، مولانا سندھی نے جب یہ بحث پڑھی تو ان کو اطمینان ہو گیا اور خود مولانا سندھی کے الفاظ میں "طبیعت سے تمام بوجھ جاتا رہا" اس کے بعد مولانا سندھی نے لکھا ہے کہ:

"شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ کا یہ مضمون شاہ عبدالعزیز نے زیادہ تفصیل اور توضیح سے عجالہ نافعہ میں میں درج کر دیا ہے۔

مگر دونوں کتابوں میں یہ مضمون ایک وجدانی فیصلے سے آگے نہیں بڑھ سکا، ہر دو بزرگوں نے کوئی عقلی دلیل اس پر قائم نہیں کی، بلکہ محقق اہل علم کا اتفاق اس معاملہ پر کافی سمجھا گیا ہے۔ ابتداء میں ایک حد تک میری دماغی تڑپ کو پورا کرنے کیلئے یہ امر کافی تھا، مگر میں اس سے زیادہ توضیح و توثیق کا خواہش مند تھا۔

اتفاقاً میں شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم کا رسالہ "ہدیۃ الشیعہ" کا مطالعہ کر رہا تھا اس میں مولانا نے شاہ صاحب کے مذکورہ بالا مضمون کو عقلی طور پر مدلل کر دیا، اس طرح علم حدیث کی تنقید جو شاہ صاحب نے قائم کی تھی ہمارے قابل استفادہ ہو گئی" (۱)

مولانا سندھی اپنے اسی مضمون میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"ہم نے کئی سال کی محنت سے شاہ صاحب کے طبقات کو استقراء کر کے یقین حاصل کیا گو عقلی دلائل سے مولانا محمد قاسم نے ہمیں مطمئن کر دیا تھا مگر ہم نے اس کے ساتھ محدثین کی جو کتابیں مل سکتی ہیں ان میں عمل استقراء بھی جاری رکھا تو شاہ صاحب کے اس نظریہ پر پورا اطمینان حاصل ہوا۔"

اور نامور عالم حدیث مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے حضرت مولانا نانوتوی کی اس

---

(۱) مضمون مذکور مولانا سندھی۔ شاہ ولی اللہ نمبر، الفرقان۔ ص ۲۷۰، ۲۷۱۔ نیز شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص ۱۲۷ اور التمہید لتعریف ائمۃ التجدید، مولانا سندھی، ص ۴۱۹ (جام شورو: سندھ: ۱۳۹۶ھ) مولانا سندھی نے ہدیۃ الشیعہ کی عبارت کا خاصا حصہ التمہید میں نقل کیا ہے: ص ۴۲۹، ۴۳۱

بحث کی یوں تحسین فرمائی ہے:

"مولانا نے اپنی کتاب ہدیۃ الشیعہ میں کتب حدیث کے طبقات اور اصول تنقید کو جس خوبی سے بیان فرمایا ہے اس کو دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ کے اصول تنقید و قواعد تطبیق کو آپ سے بہتر کسی نے نہیں سمجھا۔ مولانا بڑے دعوے کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ اقوال ابی حنیفہ کو حدیث کے موافق ثابت کرنے کا میں ذمہ لیتا ہوں لیکن تخریجات فقہاء کا میں ذمہ دار نہیں (سمعتہ بن سیدی حکیم الامہ)

جن لوگوں نے مولانا کی تقریر درس حدیث میں سنی ہے وہ اس کے شاہد ہیں کہ واقعی مولانا اقوال ابی حنیفہ کی تقریر ایسی کرتے تھے جس کے بعد وہ بالکل حدیث کے موافق نظر آتے تھے، حدیث کو قول ابی حنیفہ کے مطابق نہیں کرتے تھے کہ اس کے خلاف ادب ہونا ظاہر ہے بلکہ قول ابی حنیفہ کو حدیث کے مطابق کر دیا کرتے تھے" (۱)

حضرات علماء کی توجہ اور تصریحات کا تقاضہ ہے کہ کتب حدیث کی ترتیب اور اصول تنقید کے مباحث میں حضرت مولانا نانوتوی کی ان افادات سے خاص استفادہ کیا جائے اسی ضرورت اور افادیت کے پیش نظر ہدیۃ الشیعہ کے وہ صفحات جن میں یہ بحث ہے یہاں پیش کئے جا رہے ہیں:

ہدیۃ الشیعہ کے پیش نظر صفحات ہدیۃ الشیعہ کی اس طباعت کا عکس ہیں جو حافظ بشیر احمد صاحب نے نعمانی کتب خانہ لاہور سے ۱۳۹۷ھ (۱۹۷۷ء) میں شائع کی تھی اور یہ اشاعت اس نسخہ کی نقل ہے جو مولانا اسلم صاحب کراچی نے ۱۹۶۳ء میں مکتبہ حقانیہ کراچی سے شائع

(۱) سلسلہ شاہ ولی اللہ کی خدمت حدیث، (مولانا ظفر احمد تھانوی کا وہ مضمون جو اور نٹیل کانفرنس بنارس میں پڑھا گیا تھا اور بعد میں ماہنامہ معارف، اعظم گڈھ میں چھپا، ملاحظہ ہو: ص ۳۵۰، معارف جلد ۵۳ شمارہ نمبر ۵۔

کیا تھا، ان نسخوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں جامع ذیلی عنوانات لگائے گئے ہیں اور شروع میں گیارہ صفحے کی فہرست مضامین بھی ہے، جو ہدیۃ الشیعہ کی کسی اور اشاعت میں شامل نہیں۔ اس فہرست اور عنوانات کے اضافہ سے اس اہم کتاب سے استفادہ آسان ہو گیا ہے۔

اگر چہ اس اشاعت کے ہدیۃ الشیعہ کی سب سے پہلی طباعت (مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۲۸۴ھ) کے چند صفحات خصوصاً حدیث شریف سے متعلق پیش نظر بحث کے اوراق کا سرسری مقابلہ کرنے سے یہ خیال ہوا کہ دونوں اشاعتیں لفظی طور پر حرف بہ حرف ایک دوسرے کے مطابق نہیں پیش نظر نسخہ (مطبوعہ کراچی، لاہور) کا قدیم ہاشمی کی پہلی طباعت سے جزوی لفظی اختلاف بھی ہے، مگر مضمون کی مجموعی ترتیب اور پیغام میں کوئی بڑا اختلاف نہیں ملا، جزوی اختلاف کی وجہ سے احتیاط کا تقاضہ تو یہی تھا کہ ہدیۃ الشیعہ کے متعلقہ صفحات ہدیۃ الشیعہ کی پہلی طباعت سے نقل کئے جاتے، مگر افسوس ہے کہ ایسا نہ ہو سکا۔ یہاں لاہور کی طباعت کے صفحات کا زیراکس (XEROX) جوں کا توں پیش کیا جارہا ہے، جو اہل ذوق مزید اطمینان و تحقیق کے طالب ہوں وہ ان صفحات کا ہدیۃ الشیعہ کی پہلی طباعت (مطبوعہ مطبع ہاشمی میرٹھ: ۱۲۸۴ھ) کے صفحہ ۲۰۸ سے ۲۲۳ تک مقابلہ و مراجعت فرما سکتے ہیں۔

ہدیۃ الشیعہ میں درج کتب حدیث کے طبقات اور اصول تنقید کی بحث

ھدیۃ الشیعہ

تصنیف لطیف

حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نور اللہ ضریحہ

مذہبی مصنفات کے قابل قبول ہونے کی چھ شرطیں

بالجملہ مزید اطمینان کے لئے اس باب میں کچھ دل لبریز نوک ریز قلم ہے، مگر اول بطور تنبیہ یہ گذارش ہے کہ کتابیں آدمیوں ہی کی تصنیف ہوتی ہیں، جیسے آدمی سب طرح کے ہوتے ہیں جھوٹے سچے معتبر غیر معتبر، فہمیدہ غیر فہمیدہ۔ ایسے ہی کتابیں بھی سب طرح کی ہوتی ہیں۔ ملحدانِ بے دین نے بہت سی کتابیں تصنیف کر کے اچھے اچھے بزرگوں کے نام لگا دیئے ہیں۔ اور اس میں اپنے واہیات سینکڑوں بھر دیئے ہیں اور جو کتابیں کہ کبرائے اہل سنت کی تصنیف ہیں۔ اس میں سے بھی اکثر ایسی ہیں کہ وہ لوگوں کی فیض رسانی کے لئے تصنیف نہیں ہوئیں بلکہ بطور بیاض کے جمع کی گئیں، تاکہ نظرثانی کر کے ان کی روایات کا حال معلوم کریں، اور اتفاق سے نظرثانی کا اتفاق نہ ہوا یا ہوا اور کسی وجہ سے وہ بیاضیں لوگوں کے ہاتھ پلہ پڑ گئیں۔ اور بعض کتابیں ایسی ہیں کہ وہ بہت کمیاب، اور بدرجہ غایت نادر الوجود بلکہ بمنزلہ مفقود ہیں۔ اور وہ ملحدوں اور مبتدعوں کے ہاتھ لگ گئیں ہیں انہوں نے اپنی گھڑی ہوئی روایتیں اس میں داخل کر دیں ہیں۔ یا اہل سنت کے مقابلے کے وقت کسی روایت کو ان کتابوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ تاکہ اہل سنت خاموش ہو جائیں۔

سو اہل تشیع اکثر ایسا ہی کرتے ہیں اور ایسی کتابوں کا حوالہ دیا کرتے ہیں اس لئے

اہل حق کو لازم ہے کہ جب کسی شیعہ سے کسی کتاب کا حوالہ سنے تو اول تو یہ دریافت کرے کہ یہ روایت اس کتاب میں ہے کہ نہیں ؟ دوسرے اس کتاب کا حال تحقیق کرے کہ معتبر ہے کہ نہیں۔ ؟

پہلی شرط اور معتبر ہونے کی یہ صورت ہے کہ کسی کتاب کی روایات کے معتبر ہونے میں چند باتیں ضروری ہیں۔ اول تو یہ کہ اس کتاب کے مصنف کو تفریح طبائع محزونہ کے لئے فقط قصہ گوئی اور افسانہ خوانی مدِنظر نہ ہو، بلکہ واقعات واقعی کے مشتاقوں کی تسکین کے لئے اس کتاب کو تصنیف کیا ہو۔ ورنہ چاہیئے کہ بہار دانش اور بوستان خیال کے افسانے، اور چہار درویش اور بکاؤلی کی کہانیں، اور فسانہ عجائب اور فسانہ غرائب کے طومان، سب کے سب دستاویز خاص و عام ہو جائیں۔

دوسری شرط دوسرے یہ کہ مصنف کتاب کسی کی رو رعایت اور کسی سے بغض و عداوت نہ رکھتا ہو اور اس کا حفظ اخبار اور صدق گفتار اس درجہ کو مشہور ہو کہ اس کی تحریر کی نسبت کسی کے دل میں شک شبہ نہ ہو، ورنہ طومار کے طومار اخباروں کے لڑکیوں کی زبانوں میں اپنے بزرگوں کی شجاعت اور ان کے خصموں کی بزدلی سے مشحون ہوا کرتے ہیں، بالاتفاق مسلم ہو جائیں؟ اور یہ جو زبان زد خاص و عام ہو کہ اخباروں کا کیا اعتبار ؟ ایک حرف بیجا اور عقیدۂ ناسزا ہو جائے اور شیعہ سنیوں کی، اور سنی شیعوں کی سندیات بر سرو چشم رکھنے لگیں اور ہر کس و ناکس کی بات قبول کرنے لگیں، اور یہ فرق قوت و ضعف، حفظ و تفاوت، صدق و کذب، اور علیٰ ہذا القیاس یہ تہمت زور و رعایت، اور کینہ و عداوت، ہرگز قابل لحاظ نہ رہے۔

تیسری شرط تیسرے یہ کہ مصنفِ کتاب باوجود صدق و دیانت اور حفظ و عدالت کے اس فن میں جس فن کی وہ کتاب ہے، دستگاہ کامل اور ملکہ کما ینبغی رکھتا ہو۔ نہ یہ کہ دین میں مثلاً نیم ملا ہو جس سے خطرہ ایمان ہو۔ یا طب میں مثلاً نیم طبیب ہو کہ بیماروں کو خطرہ جان ہو۔

چوتھی شرط چوتھے یہ کہ وہ کتاب باوجود شرائط مذکورہ کے قدیم سے مشہور و معروف اور ایسے قسم کے لوگوں کے واسطے سے جو مجموعہ اوصاف مرقومہ ہوں دست بدست ہم تک پہنچی ہو

ورنہ لازم کیا الزم تھا کہ انجیل اور توارت جو کلام ربانی ہیں اور اس خدا کی تصنیف ہیں جو بوجہ اتم جامع اوصاف مذکورہ کیا مجموعۂ جمیع صفات کمال اور معدن جملہ کمالات جلال و جمال ہے۔ اعتبار اور اعتماد میں ہم پلہ قرآن مجید اور فرقان حمید کے ہو جائے؟

پانچویں شرط پانچویں یہ کہ روایت کی کتاب میں اعتبار کے لئے ضروری ہے کہ مصنف کتاب نے اول سے التزام اس بات کا بھی کیا ہو کہ بجز صحیح روایتوں اور محقق حکایتوں کے اور روایتیں اپنی کتاب میں درج نہ کروں گا۔ جیسے صحاح ستہ کہ ان کے مصنف نے یہ شرط کرلی ہو کہ بجز صحیح روایت کے اپنی کتاب میں درج نہ کرینگے۔ اسی واسطے ان کتب کا نام صحاح ستہ مشہور ہو گیا سو اگر کوئی کتاب کسی کی بیاض ہو کر اس نے اس میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں اور صحیح غلط حکایتیں اس غرض سے فراہم کرلی ہیں، کہ بعد میں نظر ثانی کر کے صحیح صحیح کو قائم رکھ کر باقیوں کو نقل کے وقت حذف کر دوں گا۔ جیسا امام بخاری اور امام مسلم نے کیا یا صحیح کو صحیح بتلا کر موضوع یعنی بنائی ہوئی باتوں اور گھڑی ہوئی حکایتوں اور ضعیف وغیرہ کو لکھ کر اس کے بعد لکھ جاؤں گا کہ یہ موضوع ہے یا ضعیف ہے مثلاً جیسے امام ترمذی نے کیا لیکن اتفاقات تقدیر سے ان کا یہ ارادہ پیش نہ گیا، اور یہ آرزو پوری نہ ہونے پائی تھی، جی کی جی ہی میں تھی کہ اجل نے آدبایا، تو ایسی کتاب کی روایات کا ہرگز اعتبار نہ ہوگا۔ ورنہ کونسا مصنف نہیں کہ اس نے اول ایک مجموعہ بیاض بطور کلیات کے فراہم نہیں کیا؟ امام بخاری سے بہت سند و ں سے منقول ہے کہ انہوں نے چھ لاکھ حدیثوں سے چھانٹ کر بخاری شریف کی حدیثیں نکالیں ہیں اور عبدالرزاق بخاری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے کوئی تین دفعہ حدیثوں کی بیاض لکھی تھی۔ چھانٹ کر بخاری شریف کا مسودہ کیا تھا۔ چنانچہ یہ مضمون بخاری شریف مطبوعہ دہلی مطبع احمدی کے مقدمہ کی دوسری اور تیسری فصل میں مندرج ہے۔

بہر حال ایسی بیاضوں کا جمع کرنا ایسے ایسے ائمہ حدیث کی نسبت بھی ثابت ہے سو اگر اتفاق سے امام بخاری ہی مثلاً بعد فراہمی بیاض قبل اس کے کہ بخاری شریف کی حدیثیں اس میں سے چھانٹ کر بخاری تصنیف کریں، اس دار فانی سے کوچ کر جاتے تو گو وہ بیاض امام بخاری ہی کی تصنیف سمجھی جاتی لیکن کوئی بتلائے تو کیا وہ قابل اعتبار کے ہو جاتی؟ سب جانتے ہیں کہ

اگر وہ ایسی ہوتی تو امام بخاری کو چھانٹنے ہی کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس صورت میں خود امام بخاری ہی اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ میری بیاض قابل اعتبار نہیں، پھر ہم کیونکر فقط اس سبب سے اس کا اعتبار کرنے لگیں کہ وہ ایسے بڑے محدث امام المحدثین کی تصنیف ہے کہ جہان میں کوئی ثانی ان کا ہوا ہے نہ ہو۔ غرض اگر کوئی کتاب اس قسم کی کسی کو مل جائے اور اس کے مصنف کو کتنا ہی بڑا محدث کیوں نہ ہو، اس کی تہذیب اور تالیف کا اتفاق نہوا ہو تو وہ کتاب کسی طرح علما رکیا جہال کے نزدیک بھی بشہادت عقل قابل اطمینان نہیں ہاں مولوی عمار علی صاحب جیسے ماہر فنِ حدیث کا ذکر نہیں کہ وہ الٹے کے مجھن یار ہیں۔ وہ اگر ایسی نامعقول بات کہہ پڑیں چنانچہ ان کا خط ایسی باتوں سے مشحون ہے۔ تو اس کا جواب بجز اس کے کچھ نہ ہوگا کہ باضافت مصدر الی المفعول کسی نے کہا ہے۔ جواب جاہلان باشد خموشی۔ بہر حال یہ نکتہ محفوظ رکھنا چاہیئے کہ بسبب اس کے لحوظ نہ رہنے کے اکثر عالم نام سے گرفتارِ دامِ اوہام ہو جاتے ہیں چہ جائیکہ جاہل،

چھٹی شرط چھٹے یہ کہ اگر چند روایتیں باہم مختلف ہوں اور پھر اختلاف بھی حد تضاد یا تناقض کو پہنچ جائے دونوں کا صحیح ہونا فقط مستبعد ہی نہو تو پھر ترجیح باعتبار قوت سند ہی کے ہوگی ورنہ لازم ہے کہ شیعوں کے نزدیک روایات شیعہ اور روایات اہلِ سنت جو مخالف روایات شیعہ ہیں دونوں صحیح ہوں، ایسے ہی کلینی کی یہ روایت کہ کلام اللہ کی سترہ ہزار آیتیں تھیں۔۔۔ لیکن ماسوا، مندرجہ مصاحف متداولہ کے سب چوری گئیں، اور ابن بابویہ صدوق کی روایت کہ کلام اللہ اتنا ہی تھا جتنا اب ہے، دونوں صحیح ہو جائیں۔ سو سب جانتے ہیں کہ اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین دونوں محال ہیں جب یہ بات مقرر ہو چکی، تو گوش گذار اہل انصاف ہے کہ اول تو یہ روایت اور نیز باقی روایتیں جو الزام اہل سنت کے لئے اہل سنت کی کتابوں کے حوالہ سے مولوی عمار علی صاحب نے اپنے رقیمہ میں درج فرمائی ہیں ان کتب میں نہ سمجھنی چاہیئے، کیونکہ اعتبار کے ساقط ہو جانے کے لئے آدمی کا ایک جھوٹ بھی بہت ہے۔ مولوی صاحب کا دروغ تو اعداد متعدد میں متحقق ہو چکا۔ چنانچہ ناظران ابحاث متعلقہ نکاح حضرت ام کلثوم جگر گوشہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور ملاحظہ کنان تقریر نسب حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم بنات مطہرہ

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خود جانتے ہیں۔ گذارش مکرر کی کچھ حاجت نہیں۔ اگر یاد نہ رہا ہو تو پانچ سات ورق پلٹ کر ملاحظہ فرمالیں۔ معلوم ہو جائے گا کہ جب مولوی عمار علی صاحب نے اپنی کتب مشہورہ معتبرہ کی مرویات سے چشم پوشی کر کے ایک غرض خفیف یعنی سنیوں کی بات کے ہلکا کرنے کے لئے رقیمہ موسومہ میر نادر علی صاحب میں بہت سا کچھ خلاف واقع لکھدیا، اور پھر جرأت کر کے یہ کہہ دیا کہ اگر سند مطلوب ہو تو روانہ کردی جائے۔ اور یہ خیال نہ فرمایا کہ ہماری صحیح روایتیں غلط ہوئی جاتی ہیں اگر سنیوں کے سر پر بھی ایک طوفان دھر دیں تو اس میں تو یہ بھی اندیشہ نہیں اور بڑی دلیل اس بات کی یہ ہے کہ جن کتابوں کے حوالہ سے یہ روایت درج رقیمہ مولوی صاحب ہے۔ خود انہیں کتب کے مصنفوں کی مشہور کتابیں اس روایت کو رد کرتی ہیں۔ چنانچہ انشاء اللہ تعالے آئندہ مذکور ہوگا۔

اہل سنت کی کتب میں اہل تشیع کے الحاقات

اور مسلمنا کہ یہ روایتیں سنیوں کی بعضی کتابوں میں ملتی ہیں لیکن وہ کتابیں ایسی غیر مشہور ہیں کہ کمیابی میں بیضۂ عنقا سے کم نہیں۔ سنیوں کو ان کتابوں کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوتا حفظ اور ضبط تو درکنار۔ سو اگر یہ روایتیں ان کتابوں میں ہوں بھی تو بیش بریں نیست کہ جیسے بعض سیہ کاران قبیلۂ یہود نے منافقانہ نصرانی بن کر انجیل میں بہت سی خرافات خلافِ عقلِ صریح اور مناقضِ نقلِ صحیح درج کردی ہیں۔ ایسے ہی مقتدیان عبداللہ بن سبا یہودی منافق اعنی حضرات شیعہ بھی کہ بالیقین تبدیل و تحریف میں کوچک ابدال یہود مردود اور موافق نقل مشہور "سگ زادہ برادر شغال" تیرہ درونی میں ان کے ہمرنگ اور قساوت قلبی اور سنگدلی میں ان کے ہمسنگ ہیں، قدیم سے درپے تخریب دینِ احمدی اور ہمہ تن مصروف تحریف آئینِ محمدی علیہ وعلے آلہ الصلوٰۃ والسلام رہے ہیں اور اہلسنت وجماعت کی جماعت پر دانت پیستے چلے آئے ہیں لیکن بایں وجہ کہ امتیان مسیح علیہ السلام کو نہ حفظ و محافظت انجیل سے کچھ کام تھا۔ اور نہ اس کی تلاوت اور یاد داشت میں چنداں اہتمام تھا، یہود مردود کا انجیل پر بھی داؤ چل گیا چہ جائیکہ دیگر کتب زائد غیر مشہور۔

اہل سنت کا نظام حفاظت

لیکن یہاں یہ حال ہے کہ ایک ایک حرف قرآن پر لکھو کھا سنیوں نے جمعو نپڑا باندھ رکھا ہے۔ اور ہر ہر روایتِ صحاح ستہ وغیرہ کتب صحاحِ احادیث پر ہزاروں

محدثین بیدار مغز نے تنقیح اور تفتیش اور حفظ و ضبط کی یہ نوبت پہنچا دی کہ کسی ملحد بے دین کو مجال زیادہ کم کرنے کی باقی نہ رہی، چنانچہ کثرت حفاظ قرآنی اور شیوع محدثین ربانی فرقہ اہلسنت میں اس درجہ کو پہنچی ہے کہ ما بہ الامتیاز اور ما بہ الافتراق اہل سنت اور شیعہ ایک یہ بات بھی ہو گئی ہے الغرض اس وجہ سے کتاب اللہ اور صحاح ستہ وغیرہ کتب مشہورہ اہلسنت تک تو ان تیرہ درونوں کا دست تطاول نہ پہنچا۔ گو بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے اور وعدہائے إِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ اور وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ نے ان نابکاروں کی سعی بیجا کو انجام تک نہ پہنچایا۔ لیکن نقل مشہور ہے۔ "اصل بد از خطا خطا نہ کند"۔ جیسے اس بات سے ہارے تھے جھک مار کر چپ ہو رہتے۔ لاچار ہو کر کتب غیر مشہورہ کی طرف متوجہ ہو کر اپنے دل کے پھپولے پھوڑے اور بہت سے طوفان ایسے جوڑے کہ عوام کیا بعض علما، سادہ لوح بھی ایک دفعہ کو بچل جائیں سو منجملہ ان کے روایات مندرجۂ رقیمۂ مذکور بھی ہیں۔ لیکن بحمد اللہ فرقہ اہلسنت جماعت کا ایک جماعت کلاں ہے۔ محققین سے کبھی خالی نہیں رہا، ان کو خداوند کریم جزائے خیر دے وہ لوگ ان کی دھوکہ بازیوں کو سمجھ گئے، اور بامداد خداوندی انہیں روایات میں سے علامات اور امارات کذب و دروغ نکال کر عاقلوں کو متنبہ کر دیا اور عاقلوں کو طریقہ تمیز حق و باطل کا بتلا دیا، چنانچہ ان روایات کے ابطال کی تقریر کو دیکھ کر ان شاء اللہ یہ دعوے مدلل ہو جائے گا۔

القصہ دغا بازان شیعہ کی یہ چالاکی کتب غیر مشہورہ میں چل گئی، اسی واسطے علمائے اہل سنت ان کتب کو ہمسنگ توراۃ و انجیل سمجھتے ہیں اور ان کی روایات کو معتبر نہیں رکھتے ہاں ان کی روایات کو روایات صحاح ستہ و دیگر کتب صحاح مشہورہ پر پیش کر کے جو مطابق نکلے اس کو بر سر و چشم رکھتے ہیں، اور جو مخالف نکلے اس کو ملحدان بدعت کیش دروغ پیشہ شیعہ و خوارج وغیرہ کے سر مارتے ہیں اور جو روایات خلاف و وفاق سے برطرف ہو اگر دلائل عقلیہ کے مخالف ہو تو اس کا بھی یہی حال ہے، ورنہ اگر تکذیب نہیں کرتے تو تصدیق بھی نہیں کرتے۔ بہرحال جو روایت کہ ان کتب میں بلا شرکت غیر بھی پائی جائے اگر روایت صحاح کے مخالف بھی نہ ہو تب بھی قابل تمسک اور لائق حجت نہیں سمجھتے۔ اور مثل مرویات اہل کتاب بلکہ خود

انجیل و توراۃ نہ ان کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب۔

مصنف معتبر ہو تو ضروری نہیں کہ تصنیف بھی معتبر ہو۔ سو اگر کسی شیعہ کم فہم کو ان کتب کے غیر معتبر ہونے میں اس وجہ سے وثوق نہ ہو کہ ان کتب کے مصنف منجملہ مقتدایان اہلسنت ہیں تو کوئی ان سے پوچھے کہ انجیل و توراۃ کے مصنف تو خود خداوند اکرم الاکرمین ہیں اگر مصنف کا معتبر ہونا موجب اعتبار کتاب ہو جائے تو قرآن تو قرآن انجیل و توراۃ شیعوں کے نزدیک معتبر ہو جائیں، ورنہ لازم آئے کہ نعوذ باللہ جناب خداوند تعالیٰ کا شیعوں کے نزدیک کچھ اعتبار نہ ہو؛ مگر ہم جانتے ہیں کہ شیعوں کو اس الزام سے کچھ اندیشہ نہیں، کیونکہ وہ اب کون سے خدا کا اعتبار کرتے ہیں، اس سے زیادہ اور کیا بے اعتباری ہوگی کہ خدا کی رائے اور علم کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے اور بدا کے قائل ہو گئے لعنۃ اللہ علی ہذا المذہب۔ بہرحال اہلسنت و جماعت کتب غیر مشہور غیر متداولہ کو ہرگز قابل اعتقاد نہیں جانتے اور بملاحظہ عداوت اور بتجربۂ عادتِ دروغ برد گواران شیعہ اس سے مطمئن نہیں ... کہ جیسے انجیل و توراۃ کو دشمنانِ دین نے تحریف کر دیا کتب غیر مشہورہ کو ان حضرات نے حسب مطلب بدل دیا ہو،

مصنفِ تحفہ کی ایک عبارت۔ اور اگر کوئی سادہ لوح میری اس بات کو دونوں کی بات اور روایات سمجھے، تو بڑوں کی بات تو بڑی ہوتی ہے دیکھئے شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو شیعوں سے بھی زیادہ شیعوں کی عادات اور اصول و فروع مذہب سے واقف ہیں تحفہ اثنا عشریہ میں باب مکائد شیعہ میں جو دوسرا باب ہے کیا فرماتے ہیں، احتیاطاً بعینہا انہیں کی عبارت بلاغت آمیز نقل کرتا ہوں۔

کید سی و دوم آنکہ جمعی کثیر از علماء ایشان سعی بلیغ نمودہ اند، و در کتب اہلِ سنت خصوصاً تفاسیر کہ بیشتر دستمال علماء و طلباء باشند و بعضے از کتبِ احادیث کہ شہرہ ندارند، در نسخ آن کتب متعدد و بدست می آید، اکاذیب موضوعہ کہ مؤید مذہب شیعہ و مبطل مذہب سنیان باشد الحاق نمایند، چنانچہ قصۂ ہبۂ فدک در بعض تفاسیر داخل نمودہ اند کہ سیاق آن حدیث چنین روایت نمودہ کہ لَمَّا نَزَلَتْ وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ وَاَعْطَاهَا فِدَكَ، اما بحکم آنکہ

دروغ گو را حافظہ نباشد بیاد شان نماند کہ ایں آیت مکی است و در مکہ فدک کجا بود؟ و نیز بایستے کہ برائے مساکین و ابن السبیل نیز چیزے وقف می کرد تا عمل بر تمام آیت میسر میشد و نیز اعطائے فدک دلالت صریح بر ہبہ و تملیک نمی کند پس لفظ ہبہا بایستے وضع کرد۔ و علی ہذا القیاس در تفاسیر و سیر جستہ جستہ الحاقات ایشان یافتہ میشود، و در ایں کید ہم اکثر منفلان از علمائے اہل سنت خبطای کنند و تشویش می کنند، و در شہر دہلی در عہد بادشاہ محمد شاہ دو کس بودند از امراء ایں فرقہ کہ کتب اہل سنت را مثل صحاح ستہ و مشکوٰۃ و بعض تفاسیر بخط خوش مے نویسانیدند و در آں حدیث مطلب خود از کتب امامیہ بر آوردہ داخل نمودند و آں نسخ را مجدول و مطلاّ و مُذہّب نمودہ بقیمتہ سہل در گذرے میفروختند، و در اصفہان آغا ابراہیم ابن علی شاہ کہ یکے از امراء کبار سلاطین صفویہ بود، ہمیں اسلوب عمل کردہ، لیکن بایں کید ایشان حاصلے نشد زیرا کہ کتب مشہورہ اہلسنت بجہتہ کمال شہرت و کثرت نسخ قابل تحریف نیستند و کتب غیر مشہورہ را اعتبارے نہ، و لہٰذا محققین اہلسنت از کتب غیر مشہورہ نقل را جائز نداشتہ اند مگر در ترغیب و ترہیب، و در حکم صحائف انبیاء پیشین می شمارند کہ ہیچ عقیدہ و عمل را ازاں اخذ نتواں کرد بجہت احتمال تحریف انتہی، کلامہ الشریف۔

ترجمہ:۔ تیئسواں مکر۔ ان کے علماء کے بڑے گروہ نے بے حد کوشش کی ہے کہ کتب اہل سنت میں بالخصوص تفاسیر میں (جو ان کے طلباء و علماء کی دستمال نہی رہتی ہیں)، اور بعض کتب احادیث میں جو غیر مشہور ہیں اور ان کے متعدد نسخے ہاتھ نہیں لگتے، خود ساختہ ایسے بڑے جھوٹ شامل کر دیں۔ جو شیعہ مذہب کی تائید کریں اور مذہب اہل سنت کی جڑ کاٹ دیں، چنانچہ ہبۂ فدک کا قصہ بعض تفاسیر میں داخل کر کے یوں روایت لاتے ہیں کہ جب آیت وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور ان کو فدک عطا فرمایا لیکن موافق مثل مشہور۔ مد جھوٹے کی یادداشت نہیں ہوتی " ان کو یہ یاد نہ رہا کہ یہ آیت مکّی ہے اور مکّہ میں فدک کہاں تھا؟ اور یہ بھی تو چاہیئے تھا کہ آپ ابن سبیل اور مساکین کے لئے بھی کچھ وقف کرتے تاکہ پوری آیت پر تو عمل ہو جاتا۔

نیز اَعطَاھَا فِدَکَ یہ الفاظ ہبہ و تملیک پر صریح دلالت بھی نہیں کرتے وَھَبَھَا کا لفظ گھڑنا چاہیئے تھا۔ الغرض اس جیسی کئی مثالیں تفسیرات اور کتب سیرت میں پائی جاتی ہیں۔ اور اس چال میں کئی سیدھے سادھے علمائے اہل سنت بھی پھنس جاتے ہیں، شہر دہلی میں محمد شاہ کے عہد میں دو آدمی جو فرقہ شیعہ کے امراء میں سے تھے، اہلسنت کی کتابیں مثل صحاح ستہ، مشکوٰۃ اور بعض تفسیریں خوشخط لکھتے۔ اور ان میں کتب شیعہ ایسی روایتیں داخل کردیتے جو ان کے مطلب کی ہوتیں، پھر ان کی اعلیٰ جلد بندی، جس پر سونے چاندی کا کام بنا ہوا ہوتا کرا کے سستے داموں کسی راہ گذر میں فروخت کردیتے۔ اسی طرح اصفہان میں آغا ابراہیم ابن علی شاہ جو سلاطین صفویہ کے بڑے امراء میں سے تھا یہی چال چلتا تھا۔ لیکن اس مکر سے ان کو کچھ حاصل نہ ہوا، کیونکہ اہل سنت کی مشہور کتابیں بے حد شہرت اور کثرت تعداد کی وجہ سے تحریف اور تبدیل کو قبول نہیں کرتیں اور غیر مشہور کتابیں ان کے ہاں معتبر ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محققین نے کتب غیر مشہورہ سے سند لانے کو جائز نہیں رکھا سوائے ترغیب و ترہیب کے، بلکہ ان کو صحف انبیاء جیسا سمجھا ہے جن پر عقیدہ و عمل کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی ۔۔ کلام مبارک ختم ہوا۔ ترجمہ از ناشر۔

عمار علی نے بعض کتب شیعہ بھی اہل سنت کی طرف منسوب کردیں

اگر ہم بپاس خاطر مولوی عمار علی صاحب اور بھی چشم پوشی کریں اور ان کے اور ان کے بزرگواروں کے ذمہ اس بات کی نسبت نہ کریں کہ انھوں نے اپنے مطلب کے موافق بعضی روایتیں سنیوں کی غیر مشہور کتابوں میں ملا دی ہیں، تب بھی مولوی عمار علی صاحب کی بات کا پتہ معلوم، کیونکہ جن کتابوں کا حوالہ مولوی صاحب نے درج رقیمہ کریمہ فرمایا ہے۔ ان میں بعضی کتابیں تو ایسی ہیں کہ سنیوں میں سے کسی نے ان کا نام بھی نہیں سنا اور نہ ان کے مصنفوں کا اہل سنت میں سے کوئی نام نشان جانے، مثل تاریخ آل عباس کہ علماء سنت نے اس کتاب کو شاید کبھی سنا بھی نہ ہو بلکہ ایسی قسم کی کتابیں جیسے شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے۔

"کید بست و کیم آنکہ کتابے را نسبت کنند بیکے از کبراء اہل سنت و دراں مطاعن صحابہ و مبطلات مذہب اہلسنت درج نمایند الی آخرہ "

ترجمہ۔ از ناشر۔ اکیسواں مکر۔ کسی کتاب کو اکابر علمائے اہلسنت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، پھر اس میں مطاعن صحابہ اور اہل سنت کے مذہب کو باطل کرنے والی روایتیں گھڑ کر داخل کر دیتے ہیں۔

سو اگر یہ کتاب موجود بھی ہو تب کسی شیعہ مکار کی ہو گی اور بعضی کتابیں اس قسم کی ہیں کہ ان کے مصنفوں کو فنِ حدیث اور فنِ تاریخ میں دستگاہ کامل اور تمیز صحیح و غلط ہرگز نہ تھی، جیسے معارج النبوۃ، ہاں مدارج النبوۃ کا حوالہ اگر زیب رقیمہ ہوتا تو ہمارے بر سر و چشم تھا۔ لیکن ایسی معتبر کتابیں سے مولوی صاحب کے ہاتھوں میں کیا آتا۔؟

علامہ سیوطی کی تصانیف پر مصنف کتاب کی رائے

اور بعضی کتابیں ایسی ہیں کہ ہر چند ان کے مصنف فنِ حدیث میں مہارت کامل اور مشق کما ینبغی اور تبحر وافر رکھتے تھے، جیسے شیخ جلال الدین سیوطی وغیرہ، لیکن انہوں نے اپنی ان کتابوں میں جن کا حوالہ مولوی صاحب کے رقیمہ میں مندرج ہے یہ التزام نہیں کیا کہ بجز روایات صحیحہ اور کچھ داخل نہ کریں گے بلکہ رطب و یابس بطور بیاض کے جمع کر لیا ہے، جیسے جمع الجوامع، کہ اس کا نام ہی اس بات پر شاہد ہے اور نیز اس کا حال شہرۂ علمائے آفاق ہے، یا بغرض تفریق و تمیز صحیح و غلط جمع کیا ہے جیسے تفسیر درمنثور اور علی ہذا القیاس موضوعات ابن جوزی۔ کہ ان دونوں کتابوں میں اگرچہ ہر قسم کی مخالف موافق روایتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان روایتوں کے ساتھ اس میں یہ بھی ساتھ ہی لگا ہوا ہے کہ یہ روایات غلط ہیں اور یہ اس واسطے کیا ہے کہ کل کو مولوی عمار علی صاحب جیسے مکار دغاباز ان روایتوں کے بھروسے کسی سادہ لوح کو ۔ کانہ دے بیٹھیں۔ اور اسی غرض کے لئے متقدمین محدثین بھی ایسا کرتے ہیں، چنانچہ امام ترمذی اور امام ابوداؤد اکثر جگہ لکھ جاتے ہیں ہذا حدیث ضعیف۔

اور بعضی کتابیں ایسی کمیاب ہیں۔ کہ اگر مولوی عمار علی صاحب یوں فرمانے لگیں کہ اس کی تمام روایتیں ہو بہو مطابق مذہب شیعہ اور اصول و فروع شیعہ تمام تھا اس کی روایات کے مطابق ہے تو بوجہ کمیابی ان کتب کے مولوی صاحب کی کسی سے زبان نہ پکڑی جائے، سچا تو خدا سے ڈرے جھوٹے کو کس کا ڈر، اس کی زبان کو لگام بھی نہیں ہوتی مگر جتنا کچھ اس خط میں مولوی صاحب نے کیا ہے وہ بھی کچھ کم نہیں، اور انہوں نے کیا کیا یہ

مکاریاں اور دغابازیاں تو میراث بزرگواران شیعہ ہے چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہ العزیز رقم فرماتے ہیں۔

"کید بست و دوم آنکہ مطاعن صحابہ و مبطلات مذہب اہلسنت از کتب نادرالوجود کمیاب ایشان نقل نمایند حالانکہ در آں کتب اثرے ازاں بناشد و بسبب آنکہ آں کتب پیش ہرکس و در ہر وقت و ہر مکان موجود نمیشود اکثر ناظران در شبہ و شک افتند و بخاطر شان رسد کہ اگر ایں نقل صحیح باشد تطبیق درمیان او و دیگر روایات اہل سنت چہ قسم خواہد بود۔ حالانکہ ایں بیچارہا عبث درد سرے کشند و نمی فہمند کہ اگر بالفرض نقل صحیح ہم باشد محتاج تطبیق وقتے خواہم باشد کہ ہر دو روایت در یکدیگر باشند از شہرت و صحت ماخذ و صراحت دلالت و کمیت رواۃ۔ و چوں ایں امور دراں نقل مخفی مستور است مقابل روایات مشہورہ صحیحۃ الماخذ صریحۃ الدلالۃ چرا باید کرد و کتابہائے کہ ازاں فرقہ شیعہ برائے الزام اہلسنت نقل می کنند ہمہ ازیں قبیل است کہ نادرالوجود کمیاب میباشند و علی تقدیر الوجدان مصنف آں کتب التزام صحت جمیع ما فیہا نہ کردہ اند بلکہ بطریق بیاض رطب و یابس دراں جمع نمودہ محتاج نظر ثانی گذاشتہ اند اربلی صاحب کشف الغمہ و حلی صاحب الیقین ازہمیں قبیل دفتر دفتر نقل کنند و بزعم خود گوئے از میدان مناظرہ بربند و ابن طاؤس نیز در مؤلفات خود ازہمیں جنس خرد ہا پر کردہ و باعتقاد خود اہلسنت را الزام دادہ انتہیٰ کلامہ الشریف"

ترجمہ از ناشر۔ بائیسواں مکر۔ یہ ہے کہ اہلسنت کی نادرالوجود کمیاب کتابوں سے صحابہؓ کی اہانت کرنے والی اور اہل سنت کے مذہب کو باطل کرنے والی روایات نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کتابوں میں ایسی روایات کا نام نشان بھی نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ ہر جگہ ہر وقت ہر ایک کے سامنے نہیں ہوتیں لہٰذا اکثر سننے دیکھنے والے شک و شبہ میں پڑجاتے ہیں اور ان کے دل میں یہ آتا ہے کہ اگر یہ نقل صحیح ہوئی تو اس میں اور دیگر روایات اہل سنت میں مطابقت کس طرح ہو گی حالانکہ یہ بیچارے مفت پریشان ہوتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے اگر بالفرض یہ روایت صحیح بھی ہو تو تطبیق کی ضرورت اس وقت پڑے گی جب دونوں روایتیں شہرت و صحت ماخذ و صراحتِ دلالت و عددِ رواۃ وغیرہ میں برابر ہوں اور جب یہ باتیں اس مخفی روایت

کے بارے میں معلوم ہی نہیں۔ تو روایات مشہورہ صحیحۃ المأخذ و صریحۃ الدلالت کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے اور وہ کتابیں جن سے اہل شیعہ اہل سنت کو الزام دینے کے لئے روایات نقل کرتے ہیں وہ ایسی ہی ہیں جو ہاتھ نہ آنے والی اور کمیاب ہوں۔ اور اگر ملیں بھی تو ایسی ایسی ہوتی ہیں کہ مصنف نے ان میں مندرجہ تمام روایات کی صحت کا التزام نہیں کیا ہوتا۔ بلکہ بطریق بیاض رطب و یابس اس میں جمع کر کے نظر ثانی کے لائق چھوڑا ہوتا ہے۔ اور ملا صاحب کشف الغمہ اور ملا صاحب الیقین اس قسم کی روایتوں کے دفتروں کے دفتر نقل کر کے اپنے خیال میں گویا میدان مناظرہ میں جیت جاتے ہیں اور ابن طاؤس نے بھی اپنی مؤلفات اسی طرح کی دھوکہ بازیوں سے بھر رکھی ہیں اور بزعم خود اہل سنت کو بڑے بڑے الزام دے دیئے ہیں

بہر حال جب ان بزرگواروں کی ایسی ایسی بزرگیاں تجربہ معلوم ہو چکی ہوں، تو پھر کتب کمیاب کے حوالہ کا کیا اعتبار رہ گیا؟ اول تو یہی یقین کرنا چاہیے کہ ان کتب میں اصل سے ان روایات کا نام و نشان بھی نہیں اور اگر اس پر تسکین نہ ہو تو بالفرض اگر ایسی روایتیں ان کتب میں ملیں بھی تو وہ انہیں کذابوں کی تراشی ہوئی ہیں۔ پھر تیسرا اکثر یہ کتابیں بطور بیاض کے مجموعۂ رطب و یابس ہیں ان کے مصنفوں کو نظر ثانی کا اتفاق نہ ہوا۔ جو تلخیص کر کے صحیح صحیح روایتیں جدا کر کے باقیوں کو حذف کر دیتے، یا لکھ جاتے کہ یہ روایتیں موضوع ہیں یا ضعیف ہیں۔

واقدی کے بارے میں ائمہ محدثین کی رائے

معہذا مولوی صاحب نے بعض ایسی کتابوں کا حوالہ لکھ دیا ہے کہ نہ ان کتابوں کو کوئی جانے نہ اس کے مصنف کو کوئی پہچانے، جیسے تاریخ آل عباس، پھر جرأت تو دیکھو کس دلیری سے کہتے ہیں کہ تاریخ آل عباس اہلسنت کی معتبر کتابوں میں سے ہے پھر تیسرا اس کتاب میں یہ روایت بھی ہے تو واقدی کی روایت سے جن کی جھوٹی تو جھوٹی سچی بات بھی جھوٹی ہی سمجھی جاتی ہے ان کی تعریف میں جو کچھ محدثین نے لکھا ہے دیکھئے پیش نظر کرتا ہوں، مجمع البحار میں امام نسائی کے حوالہ سے جو فن حدیث میں امام ہیں اور ان کی کتاب منجملہ صحاح ستہ ہے یوں لکھا ہے کہ امام نسائی نے فرمایا ہے کہ ایسے کذاب جو حدیثوں کے بنانے میں معروف ہیں، چار ہیں۔ ابن ابی یحیےٰ مدینہ میں

واقدی بغداد میں، مقاتل بن الیمان خراسان میں، محمد بن سعید مصلوب شام میں، اور پھر زیلعی نے شرح الشفاء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ واقدی کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے بعدازاں امام شافعی کا قول واقدی کی شان میں مقاصد کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ واقدی کی کتابیں جھوٹی ہیں۔ اب مولوی صاحب انصاف فرمائیں کہ جب تاریخ آل عباس کا تو یہ حال ہو کہ علماء اہل سنت میں سے کوئی اسے جانتا ہی نہیں اور پھر ان کے راوی ایسے نور علیٰ نور، ورد زیرے چناں شہریارے چنیں، تو پھر اہلسنت کیونکر ان روایات پر اعتماد کریں اگر شیعوں کی طرح سنیوں کے دین کا جھوٹ پر دار و مدار ہوتا تو البتہ مضائقہ نہ تھا، سو ایسی کتابوں کا ناواقفان اہلسنت کے سامنے حوالہ دینا کمال بددیانتی اور دغا بازی اور بیحیائی کی بات ہے، اہل فہم پر مثل آفتاب روشن ہے، کہ یہ کتاب اگر ہے بھی، تو کسی شیعہ دغاباز کی تصنیف ہے۔

عمار علی کی تاریخ دانی پر اس دغا کا حوصلہ مولوی صاحب کا تو معلوم نہیں ہوتا ہاں البتہ کسی پرانے ابلیس طینت کی کرتوت ہے، ورنہ اس استعداد اور اس سلیقہ پر کہ مامون عباسی کے نام پر لفظ رشید بھی بڑھا دیا، یہ فتنہ گری ممکن معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ عیب کرنے کو ہنر چاہیئے۔ ؎

فلک کا منہ نہیں اس فتنہ کے اٹھانے کا ؞ ستمگر ایک تیرا ناز ہے سارے زمانے کا

سبحان اللہ مولوی صاحب کو اس تبحر اور اس علم و فضل پر کہ اب تک یہ بھی نہیں جانتے کہ ملقب برشید ہارون تھا یا مامون تھا؟ دربارہ غصب فدک یہ یقین ہو گیا ہے کہ خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا شاید اب تک آپ کو اتنا یقین نہ ہو؟ اور تنہائی میں سنیوں پر یہ جوش و خروش ہے کہ جامہ سے باہر نکلے جاتے ہیں۔

فدک فئی تھا موہوب مملوک نہ تھا کوئی مولوی صاحب کو تھامے تو ہم مولوی صاحب کو سارے مراتب سمجھا کر اتنا اور سمجھائیں کہ اگر ہم ان سب مراتب سے در گذریں تو ہمیں ابھی اور بہت گنجائش باقی ہے کیونکہ اول تو آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ جو سورہ حشر میں واقع ہے اس بات پر شاہد ہے کہ قریۂ فدک ہو یا غیر، بالاتفاق از قسم فئی تھا مملوک رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم ہی نہ تھا چنانچہ انشاء اللہ بحث میراث میں جو حدیث لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ سے متعلق ہے معلوم ہو جائے گا یہ ہبہ ہونے کی کونسی صورت ہے جو روایت ہبہ فدک کو صحیح سمجھئے؟ بلکہ بالیقین غلط ہوگی کیونکہ اس صورت میں روایت ہبہ کلام اللہ کی مخالف ہوگی اور جو روایت کہ کلام اللہ کے مخالف ہو وہ بالاجماع بالیقین غلط ہے، معہذا مشہور کتابوں میں جو تمام علماء کی دستمال رہتی ہیں اور اعتبار میں قریب قریب کلام اللہ کے ہیں، وہ روایتیں موجود ہیں کہ وہ فدک کے ہبہ نہ ہونے پر ایسی واضح دلالت کرتی ہیں کہ مولوی صاحب نے جو روایتیں اپنے صحیفہ میں درج فرمائی ہیں وہ فدک کے ہبہ ہونے پر اتنی دلالت نہیں کرتی، سو اُن روایتوں کی شہرت اور صحت اور صراحت دلالت کو چھوڑ کر ایسا کون نادان ہوگا کہ مولوی صاحب کے ان ہذیانات پر کان لگائے گا۔ اور سوائے مولوی صاحب کے ایسا کون ہے کہ ان افسانہ ہائے بے سند پر تکیہ جائے گا اگر باور نہ ہو تو ملاحظہ فرمائیے۔

فدک کے مختلف تاریخی دور: مشکوٰۃ شریف جو اشہر کتب اہلسنت ہے اس میں یہ روایت موجود ہے۔ ابوداؤد کی روایت سے حضرت مغیرہ کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ جب عمر بن عبدالعزیز بن عمر بن مروان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مروانیوں کو جمع کیا اور کہا کہ

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ فَدَكُ فَكَانَ يُنْفِقُ مِنْهَا وَيَعُوْدُ مِنْهَا عَلٰى صَغِيْرِ بَنِيْ هَاشِمٍ وَيُزَوِّجُ مِنْهَا أَيِّمَهُمْ وَإِنَّ فَاطِمَةَ سَأَلَتْهُ أَنْ يَّجْعَلَهَا لَهَا فَأَبٰى فَكَانَتْ فِيْ حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى مَضٰى بِسَبِيْلِهٖ فَلَمَّا أَنْ وَلِيَ أَبُوْبَكْرٍ عَمِلَ بِهَا بِمَا عَمِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَيٰوتِهٖ حَتّٰى مَضٰى بِسَبِيْلِهٖ فَلَمَّا أَنْ وُلِّيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَمِلَ فِيْهَا بِمَا عَمِلَا حَتّٰى مَضٰى بِسَبِيْلِهٖ ثُمَّ أَقْطَعَهَا مَرْوَانُ ثُمَّ صَارَتْ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَرَأَيْتُ أَمْرًا مَنَعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ وَإِنِّيْ أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ رَدَدْتُهَا عَلٰى مَا كَانَتْ يَعْنِيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ"

حاصل اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فدک تھا۔ سو اس میں سے خرچ کیا کرتے تھے، اور دیتے رہتے تھے بنی ہاشم میں کے یتیموں کو اور بے شوہر عورتوں کے نکاح اس مال میں سے کر دیا کرتے تھے، اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے یہ درخواست کی کہ فدک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو عنایت فرمائیں اور ہبہ کر دیں، سو آپ نے اس بات سے انکار فرمایا اور بدستور مذکور اسی طرح آپ اس میں سے تادم واپسیں خرچ مذکور نباہتے رہے، یہاں تک کہ آپ اس عالم سے تشریف لے گئے۔ بعد میں جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی جیتے جی یہی عمل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ بھی واصل بحق ہوئے، پھر جب حضرت عمر والی ہوئے تو وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق کے موافق عمل کرتے رہے یہاں تک کہ وہ بھی چل دیئے، پھر جب مروان کا (یعنی اپنے وقت میں) قابو چڑھا تو اس نے اسے اپنی جاگیر کر لیا پھر رفتہ رفتہ مجھ تک نوبت پہنچی اور یہ چیز میرے قبضہ میں آئی، سو میری رائے میں یوں آتا ہے کہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو نہ دی ہو مجھے سزاوار نہیں اور میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے فدک کو اسی انداز پر کر دیا۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں تھا۔ فقط"

یہاں تک حاصل مطلب روایت تھا اب اول تو عرض یہ ہے کہ اس روایت میں جو بعد حضرت عمر کے ذکر کے مروان کی جاگیر بنا لینے کا ذکر ہے تو مولوی صاحب یا کوئی ان کا ہمرنگ ہمسنگ یہ نہ سمجھ جائے کہ حضرت عمر کے بعد متصل ہی فدک پر اس کا قبض و تصرف ہو گیا تھا، بلکہ یہاں قصہ کو مختصر کر کے یوں کہدیا ہے کہ انجام کار مروان کے قبض و تصرف میں آ گیا، ورنہ باتفاق اہل تواریخ حضرت عثمان کے زمانہ میں بھی بدستور سابق ہی رہا، اور قصہ کے مختصر کرنے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اول تو لفظ أقطعها اس بات کو تقاضا کرتا ہے کہ یہ کام اس نے اپنی خلافت میں کیا چنانچہ عربی دان جانتے ہیں کہ اقطاع کے معنے جاگیر کر دینے کے ہیں، .... سو جاگیر کر دینے کا اختیار بجز خلیفہ اور کسی کو نہیں ہوتا، دوسرے

اگر قصہ مختصر نہ ہو تو یہ معنی ہوں کہ بعد حضرت عمر کے متصل ہی مروان قابض ہو گیا، اور علی الاتصال قابض رہا اور پھر بعد اس کے متصل ہی حضرت عمر بن عبد العزیز کے قبض و تصرف میں آ گیا۔

سو واقفان فن تاریخ پر روشن ہے کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں، بعد حضرت عمر کے حضرت عثمان کے اختیار میں تھا اور ان کے بعد باتفاق شیعہ و سنی حضرت علی کے اختیار میں تھا، پھر جب کبھی مروان کا زمانہ ہوا تو البتہ اس نے اس کو اپنی جاگیر کر لیا، پھر اس کے مرنے کے بعد کئی خلیفہ ہوئے ان کے بعد کہیں حضرت عمر بن عبد العزیز کی نوبت آئی۔ اور یہ قصہ کا مختصر کرنا کلام اللہ میں بیسیوں جگہ موجود ہے حضرت موسیٰ اور حضرت یوسف کے قصہ کو ملاحظہ فرما دیکھیں۔ بہر حال قصہ مختصر یہ ہی باجماع اہل سیر و تواریخ و علمائے حدیث ثابت اور متحقق ہے کہ فدک وغیرہ متروکہ نبوی حضرت عمر کی خلافت میں حضرت علی اور حضرت عباس کے قبضہ میں تھا، پھر حضرت علی ہی کا قبضہ رہا حضرت عباس کا دخل اٹھ گیا حضرت علی کے بعد حضرت حسن حضرت حسن کے بعد حضرت امام حسین پھر امام زین العابدین اور حضرت حسن بن حسن کا قبضہ رہا، اس کے بعد زید بن حسن برادر حسن بن حسن کا قبضہ رہا رضی اللہ عنہم اجمعین، یہاں تک تو اس کا جمع خرچ بدستور قدیم رہا ان سب کے بعد مروان کے پنجوں میں پھنس گیا یہاں تک کہ نوبت حضرت عمر بن عبد العزیز کی آئی، انہوں نے بہ سبب کمال عدل کے پھر بدستور قدیم کر دیا۔

جب یہ گذارش ہو چکی تو اب یہ التماس ہے کہ مشکوٰۃ تو شہرۂ آفاق ہی ہے۔ ابوداؤد صحاح ستہ میں سے ہے تو جو روایت کہ ایسی کتابوں میں ہو اس کی صحت اور شہرت کو خیال کرنا چاہیئے کہ کس قدر اور کس مرتبہ کی ہو گی۔ معہذا یہ روایت کتنی صاف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تا دم واپسیں فدک جناب سرور کائنات علیہ و علی آلہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات کے قبضہ میں رہا، اور باوجود استدعا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے آپؐ نے ان کو فدک عنایت نہ فرمایا بلکہ جیسے حکیم تیماردار بیمار سے ان چیزوں کے دینے سے انکار کیا کرتا ہے جو اس کو خلل کریں، ایسے ہی حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے خلاصۂ اہل بیت

سے فدک کے دینے سے جو مال دنیا تھا انکار فرمایا۔ (اور کیونکر انکار نہ فرمائیں آیت إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ جس کا یہ حاصل ہو کہ "اللہ کا ارادہ اے اہلبیت یوں ہے کہ تم سے ناپاکی دور کردے اور تم کو خوب پاک کردے"، اس مال دنیا ہی کی طلبگاری کے مقدمہ میں نازل ہوئی ہے)

ہبہ اور عطاء میں فرق | بہر حال یہ روایت فدک کے ہبہ نہ ہونے پر مثل آفتاب روشن دلالت کرتی ہے، اور وہ روایت جو بزعم شیعہ دستاویز ہبہ ہے، ہبہ کے ہونے پر صراحتاً دلالت نہیں کرتی کیونکہ عربی کی روایت میں جس کا ترجمہ مولوی صاحب نے زیب رقم فرمایا ہے لفظ اَعْطَاهَا ہے سو یہ لفظ عام ہے ہبہ میں بھی بولا جاتا ہے اور عاریت میں بھی استعمال کرتے ہیں سر مو تفاوت نہیں، دونوں موقع میں بلا تفاوت بولتے ہیں، اور بڑی دلیل اس کے عموم کی یہ ہے کہ اعطاء کا ترجمہ ہندی زبان میں دینا ہے۔ سو سب جانتے ہیں کہ بسا اوقات عاریتاً کو کہا کرتے ہیں کہ فلانے شخص کو دی ہے یا دے رکھی ہے، القصہ لفظ اعطا سے ہبہ ثابت نہیں ہو سکتا، سو اب روایت مشکوٰۃ کو تو ایک طرف دھریئے اور اس روایت کو جو مولوی صاحب نے درج صحیفہ شریفہ فرمائی ہے، ایک طرف رکھئے، اور پھر اسکی صحت اور شہرت اور صراحت دلالت کو اس روایت کے ضعف اور اخفا، اور عدم دلالت مقصود سے موازنت فرمائیے اور پھر فرمائیے کہ کس طرف پلّہ جھکتا ہے؟ سو اگر مولوی صاحب عقل کو کار فرمائنگے تو بیشک اس بات کو تسلیم فرمائیں گے کہ واقعی قابل اطمینان اور لائق اعتماد روایتِ مشکوٰۃ ہی ہے۔ اس روایتِ مندرجہ مشکوٰۃ سے صاف واضح ہو گیا کہ اگر بفرض محال روایت ہبۂ فدک کتب مذکورہ میں ہو بھی اور یہ کتابیں بھی سب کی سب ایسے لوگوں کی تصنیف ہوں جو موصوف بشرائط اعتبارِ روایت یعنی صدق و صلاح و فہم و فراست و حفظ و دیانت ہوں اور پھر اس کے بعد اعطاء سے مراد بھی ہبہ ہی ہو تو بیش برین نیست کہ ان کتب کے مصنفوں نے یہ کتابیں بطور بیاض کے اکھٹی کرلی تھیں، اور رطب و یابس غلط صحیح سب ان میں جمع کرلیا تھا، تاکہ بعد الفراغ جمع نظر ثانی کر کے تلخیص کرینگے۔ چنانچہ سب مصنفین کرتے ہیں لیکن اتفاقات تقدیر سے ان کی عمر نے وفا نہ کی یا فرصت نہ ملی سو اس لئے بہت سی روایتیں شیعوں کی بنائی

ہوئی ان کی کتب میں درج ہوگئیں اور کم فہم اپنی غلطی فہم سے ان روایات کو اکابر محدثین کی تصنیفات میں دیکھ کر بچل گئے

اہل شیعہ کی مستندات رطب دیابس سے زیادہ نہیں

چنانچہ شاہد اس کا موجود ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب جو عمدۃ المحدثین اور زبدۃ المورخین ہیں تحفہ میں رقم فرماتے ہیں کہ وہ صاحب جامع الاصول نے نقل کیا ہے کہ خطیب نے جو متاخرین محدثین اہلسنت سے ہے، شریف مرتضٰے سے جو اجلۂ علمائے شیعہ میں سے ہے اور علامہ رضی شیعہ مذہب کا بھائی ہے شیعوں کی حدیثیں اسی غرض سے نقل کیں کہ بعد جمع و تالیف کے ان میں نظر کرے کہ ان کی کچھ اصل بھی ہے کہ نہیں، اور اس سے اوّل شاہ صاحب عمدۃ المحدثین شاہ عبدالعزیز صاحب ہی رقم فرماتے ہیں کہ جو محدثین کہ فرقہ اہلسنت میں آخر میں پیدا ہوئے ہیں انہوں نے جو دیکھا کہ پہلے محدث روایات صحیحہ اور حسنہ کو تو خوب ضبط کر گئے ہیں اور ان میں سعی کی گنجائش نہیں، تو وہ ایسی حدیثوں کی طرف جن کی سندیں ضعیف ہیں یا وہ جھوٹی بنائی ہوئی ہیں یا غلطی سے کسی حدیث کی سند کسی متن کے ساتھ لگ گئی ہے، ایسے متوجہ ہوئے تا کہ سب کو بطور بیاض کے ایک جا فراہم کر کے نظر ثانی کریں، اور موضوعات کو حسان وغیرہا سے جدا کردیں۔ لیکن بسبب کوتاہی عمر اور قلّتِ فرصت کے یہ مہم ان سے تمام نہ ہوسکی، مگر جو محدث کہ ان کے بھی بعد پیدا ہوئے انہوں نے ان کی بیاضوں کی حدیثوں میں باہم امتیاز کر دیا چنانچہ ابن جوزی نے جسکا حوالہ مولوی صاحب بھی اپنے رقیمہ میں رقم فرماتے ہیں موضوعات کو جدا کر دیا۔ اور اس کے مقابل میں حسان لغیرہا کو مقاصدِ حسنہ میں جدا لکھ دیا۔ اور ایسے ہی سیوطی نے تفسیر درّ منثور میں کیا، اور خود ان محدثوں نے اپنی کتابوں کے مقدمہ میں جو بطور بیاض کے ہیں اس غرض کو کھول کر لکھ دیا ہے انتہٰے،،

اہلسنت نے جو روایات بغرض تردید نقل کی ہیں شیعہ انکو سند بناتے ہیں۔

اس نقل سے ہر کس و ناکس سمجھ جائے گا کہ جن کتب کا حوالہ مولوی صاحب نے اپنے خط میں درج کیا ہے وہ اکثر ایسی ہیں کہ ایسی ایسی روایتوں کے ردّ کرنے اور حقیقت حال کے تبلانے

کے واسطے جمع کی گئیں تھیں جن روایتوں کو مولوی عمار علی صاحب اور ان کے پیشوا گاتے پھرتے ہیں لیکن اتفاقات سے ان کے مصنفوں کو اجل نے آ دبایا، اور بعضی ایسی کتابیں ہیں، جیسے تفسیر دُر منثور اور کتاب ابن جوزی، کہ ان میں اگر ایسی روایتیں ہیں بھی جن سے شیعہ تمسک کرتے ہیں تو وہ اس طور پر ہیں جیسے تحفہ اور منتہی الکلام اور صواعق وغیرہ میں ہبہ فدک کی روایت مندرج ہے، تو ایسا کون ہے جو یہ نہیں جانتا کہ تحفہ میں اس روایت کو لکھ کر یہ لکھدیا ہے کہ یہ روایت بنائی ہوئی ہے۔ سو مولوی عمار علی صاحب بڑے چوکے کہ تحفہ اثنا عشریہ اور منتہی الکلام وغیرہ تصنیفات مولانا حیدر علی کا نام نہیں لکھا، اس میں دو فائدہ تھے ایک تو کتابوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی، جس سے ہر کسی کے ایک دفعہ کو کان کھڑے ہو جاتے دوسرے عوام اور جہال اہل سنت شاہ عبدالعزیز اور مولوی حیدر علی صاحب کو جس قدر جانتے ہیں۔ اتنا متقدمین کو نہیں جانتے، اور پھر تس پر یہ مشہور ہے کہ ان دونوں صاحبوں نے ردّ رفض پر کمر چست باندھ رکھی ہے، سو اگر ان صاحبوں کا نام بھی ہوتا، تو چنداں جھوٹ بھی نہ تھا اور عوام کو ایک بار تو یہ وہم ہو ہی جاتا کہ جب شاہ عبدالعزیز صاحب نے باوجود شہرۂ علم و فضل و تبحر فن حدیث و با اینہمہ صرف ہمت در بارہ ردّ روافض اس روایت کو اپنی کتاب میں درج کردیا، تو ہو نہ ہو یہ روایت صحیح ہی ہوگی، مگر شاید یہ اندیشہ ہوا ہو کہ یہ کتابیں فارسی زبان میں اور پھر کثیر الوجود اور فارسی خوان بکثرت مبادا قلعی کھل جائے۔

بہرحال زوف ہے اس دینداری پر اور اس پرہیزگاری پر، اگر شیوہ دغا بازی اختیار ہی کرنا تھا تو اس کے لئے بھی دنیا جیف تھی۔ دین کو کیوں بٹہ لگایا، اور دین احمدی کو خراب کرنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر بھی خیر گذری کہ آپ نے سنیوں کے دغا دینے کا ارادہ کیا، جو ایسے ایسوں کو لاحول میں اڑا دیتے ہیں، اور ایسے ویسے دام میں نہیں آتے۔ لیکن شیعوں کی خیر نظر نہیں آتی، کیونکہ جب ان کے ایسے مقتدا کا ذاغ چلا ہے۔ کہ یہ تمیز باقی نہیں رہی کہ فلانی روایت فلانی کتاب میں کس غرض سے بیان کی ہے!

آیا بطور ردّ کے یا بطور اعتبار کے اور اعتماد کے، تو لاجرم عنقریب ہی مولوی صاحب اس بات کو تشہیر کریں کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خداوند کریم ساحر اور مجنون اور کاہن اور مفتری فرماتا ہے، اور پھر شیعوں کی اندھی عقل سے یقین ہے کہ اس کو تسلیم کر جائیں اور یہ نہ سمجھیں کہ کلام اللہ میں کفار کا قول منقول ہے۔ اور وہ بھی بایں غرض کہ ان کے قول کو ردّ فرماتے ہیں، بہر حال مولوی صاحب کی یہ چالاکیاں دیکھ کر محبان دینی اور دینداران یقینی کی خدمت میں یہ عرض ہے۔ کہ ان مکاریوں پر نہ جائیں۔ ایسے ہی دجالوں نے دین میں رخنہ ڈالا ہے اس علم کے پردہ میں انہوں نے جاہلوں کے نام کو بھی عیب لگایا، عالم تو درکنار۔

درمنثور کے حوالہ کی حقیقت اب آگے عرض یہ ہے کہ مجملاً تو اس روایت کا ہونا نہ ہونا بہ نسبت سب کتابوں کے معلوم ہو گیا۔ لیکن اگر مفصل بھی کچھ بیان کیا جائے تو اور اچھا ہے اس لئے ایک دو کتابوں کو بالخصوص ذکر کر کے ان میں اس روایت کا ہونا نہ ہونا بیان کرتا ہوں تاکہ موافق مثل مشہور ،، مشتے نمونہ خروارے،، مولوی صاحب کے سب جوابوں کا حال معلوم ہو جائے، مگر چونکہ ان سب کتابوں میں سے تفسیر درمنثور کا حوالہ عوام تو عوام بعض علماء سادہ لوح کو بھی شاید متردد کر دے کیونکہ مصنف شیخ جلال الدین سیوطی خاتم المحدثین اور خلاصۃ المفسرین ہیں۔ اور بسبب کثرت تصانیف اور رواج جلالین وغیرہ کے ان کا نام شہرہ آفاق ہو گیا ہے تو اس لئے میں بھی انہی کی کتابوں کی نسبت اس روایت کے ہونے نہ ہونے کی تحقیق کرتا ہوں، سو اس لئے گوش گذار اہل انصاف ہوں کہ تفسیر درمنثور میں اس روایت کے ہونے کا کچھ مضائقہ نہیں، کیونکہ وہ موضوعات وغیرہا ہی کے امتیاز کے لئے تصنیف ہوئی ہے۔ سو اس میں یہ کیا اور بہت سی موضوع روایتیں ہیں، لیکن موقع سند میں اس کا نام لینا مولوی صاحب کی کمال حیا اور خوبیٔ ذہن وذکا پر دلالت کرتا ہے سو اگر یہی استدلال ہیں تو کل کو کہنے لگیں گے کہ حضرت عیسےٰ خدا کے بیٹے ہیں۔ کیونکہ کلام اللہ میں موجود ہے۔

جلالین اور اتقان میں ذا القربیٰ اور حقہ کی تفسیر | اور اگر بوجہ کیبالی در منثور اس بات کی تسلیم میں تامل ہو تو جلالین اور اتقان تو کیٹرا لو جود ہیں یہاں تک کہ دونوں چھپ گئی ہیں خصوصاً جلالین، کہ تفسیروں میں میزان الصرف کا حکم رکھتی ہے بلکہ تفاسیر کی بسم اللہ کہیئے۔ سوائس میں ملاحظہ فرما دیکھیں کہ آیت وَآتِ ذَا الْقُرْبیٰ کی تفسیر میں ذا القربیٰ اور حقہ کی کیا تفسیر کی ہے اگر ان کے نزدیک روایت متنازع فیہا معتبر اور صحیح ہوتی تو اوّل تو مع حوالہ اس حوالہ کو لکھتے، نہیں تو اختصار ہی کرتے تب بھی اس میں کیا دریغ تھا کہ ذا القربیٰ کے بعد حضرت فاطمہ زہرا کا نام اور حقہ کے بعد لفظ فدک لکھ جاتے؟ حالانکہ اور جا ایسا ہی کیا کہ جو تفسیر کسی لفظ کی کسی صحیح حدیث سے ثابت ہوئی ہے وہی بعینہ لکھدی ہے۔ بلکہ حدیثوں کے حوالہ تک لکھ دیئے ہیں۔ معہذا اتقان کے مضامین سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ روایت جھوٹی بنائی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس میں اول ہی نوع میں اسانید متعددہ سے کہ جن میں سے بعضی سندوں کو اپنے آپ جیّد لکھتے ہیں۔ سورہ روم اور سورہ بنی اسرائیل کا مکی ہونا مرقوم ہے اور پھر بعد اس کے سور قرآنی کی تفصیل کی ہے کہ فلانی فلانی سورتوں میں اختلاف ہے کہ مکی ہے یا مدنی؟ اور فلانی فلانی میں اتفاق ہے کہ یہ مکی ہے یا مدنی اور پھر کہیں سورہ روم اور سورہ بنی اسرائیل کو ان میں داخل رکھا ہے جو باتفاق مکی ہیں، کسی ایک متنفس کو بھی اس کے مکی ہونے میں خلاف نہیں اور اسی اثنا میں یہ بھی تحقیق کی ہے کہ فلانی سورہ اگر مکی ہے تو اس میں فلانی فلانی آیت مدنی ہے۔ پر ان دونوں سورتوں میں سے کسی آیت کو استثنا نہیں کیا، اور اس بات کی سند بھی وہی سند ہے جس کو وہ جیّد لکھتے ہیں۔ اور اگر بعضے علما کے اقوال کے موافق ان دونوں سورتوں میں سے کسی آیت کا استثنا کیا بھی ہے تو اور ہی آیتوں کا استثنا کیا ہے پر اس آیت کو کسی نے یوں نہیں کہا کہ یہ مدنی ہے۔ الغرض اتقان کی عبارت باواز بلند یوں کہتی ہے کہ یہ دونوں سورتیں خاص کر یہ دونوں آیتیں باتفاق اہلِ مِلت مکی ہیں۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ شیعہ بھی اس بات میں سنیوں کے

موافق ہیں۔ چنانچہ طبرسی صاحب مجمع البیان کا قول پہلے مرقوم ہو چکا ہے کہ سورۂ روم سوا آیت فسبحان اللہ کے سب مکی ہے۔ الغرض اول تو اتقان کی اس تحقیق سے محقق ہو گیا کہ آیت آتِ ذا القربیٰ مکہ ہی میں نازل ہو چکی تھی۔ تو اس صورت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوال و جواب میں حضرت جبرئیل کا یوں کہنا کہ ذا القربیٰ حضرت فاطمہ ہیں ان کا حق فدک ہے ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا جواب نامعقول حضرت جبرئیل سے نہیں ہو سکتا، ہاں اگر حضرت جبرئیل شیعہ مذہب ہوتے تو البتہ کم فہمی کا احتمال ہو سکتا تھا۔

دوسرے انستر[۶۹] ویں نوع میں جو در بارہ معرفت شروط مفسر ہے۔ فصل اختلاف تفسیر میں یوں رقم فرماتے ہیں	سیوطی نے اس روایت کو موضوع سمجھ کر نقل نہیں کیا۔

کہ ایسی تفسیریں جن کی سند صحیح ہو بہت کم ہیں۔ اور پھر اس میں بھی ایسی جن کی سند رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچی، اور بھی کم ہیں، اور پھر وعدہ کیا کہ میں ان سب کو برابر ترتیب وار بیان کروں گا، چنانچہ موافق اپنے وعدہ کے بترتیب سور قرآنی ان تفاسیر کو مع بیان ماخذ بیان کیا، اور تفسیر نہ سورہ بنی اسرائیل میں اس روایت متنازع فیہا کو بیان کیا۔ اور نہ سورۂ روم میں جس کی آیت کو شیعہ دستاویز ہبہ فدک سمجھتے ہیں۔ بلکہ والناس کے متعلق کی جو روایت تھی اس کو لکھ کر آخر میں یہ لکھا کہ یہ ہے جو کچھ مجھے معلوم ہے اور حاضر ہے تفاسیر مرفوعہ میں سے جن کے مرفوع ہونے پر لوگوں نے تصریح کی ہے۔ خواہ وہ صحیح ہیں۔ خواہ حسن ہیں خواہ ضعیف۔۔۔ خواہ مرسل خواہ معضل لیکن موضوعات اور اباطیل کو میں نے نہیں لیا۔

اب عرض یہ ہے کہ اس وعدہ اور وعدہ کے قرینہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جو روایت لکھی ہے، وہ سمجھ کر لکھی ہے، اور جو باوجود معلوم ہونے کے چھوڑ دی ہے وہ سمجھ کر چھوڑ دی، بھولے چوکے نہیں چھوڑی۔ سو یہ روایت متنازعہ فیہا جو نہیں لکھی، تو دیدہ و دانستہ نہیں لکھی۔ اس کو موضوعات اور اباطیل میں سے سمجھا ہوگا جو نہیں لکھا، ورنہ اس کتاب میں ضعیف اور مرسل اور معضل تک نہیں چھوڑا، تو

اس سے معلوم ہوا کہ اہل سنت کی کتابوں میں کسی ضعیف طریق اور ضعیف روایت سے بھی یہ نہیں ثابت ہوتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بعد نزول آیت مذکورہ کے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو فدک ہبہ کیا ہے۔ جو روایت اس بات پر دلالت کرے وہ لاریب موضوع ہے، بلکہ صحیح یہی ہے کہ فدک تا دم واپسیں جناب پاک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے قبض و تصرف میں تھا۔ چنانچہ روایت صحیح اس مضمون کی گذر چکی۔

فدک کے معاملہ میں حضرت علی کا رویہ اس روایت کے بطلان کی بڑی دلیل ہے

اور قطع نظر قوتِ سند اُس روایت کی بڑی دلیل اس کی صحت کی (اور دلیل بھی کونسی جس کو شیعہ بھی مان جائیں) یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے بھی موافق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے فدک میں عمل کیا، اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے وارثوں پر اس کو تقسیم نہ کیا۔ بلکہ بدستورِ قدیم فقراء اور مساکین اور ابن سبیل میں تقسیم کرتے رہے، اگر اپنا حصہ خدا کی راہ میں دیا تھا، تو سب وارثوں کو کیوں محروم رکھا؟ اور یہ بات شیعوں کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ اسی واسطے اس کے چار جواب دیتے ہیں، ان چاروں جوابوں کو مع ان کی تردید کے پیش نظر کرتا ہوں تاکہ خوش فہمی اور انصاف پرستی علماء شیعہ ہر کس و ناکس پر آشکارا ہو جائے۔

قاسم العلوم
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی
ایک اہم تحریر یا فتویٰ

جس میں حضرت مولانا نے دینی خدمات اور تعلیم پر اجرت لینے اور دینی تعلیم گاہوں میں معقولات کی تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر بحث فرمائی ہے۔

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم کی ایسی متعدد اہم تحریریں ہیں جو حضرت مولانا کے افادات کے مجموعوں یا مکتوبات میں شامل ہیں مگر ان کو وہ شہرت اور مرتبہ حاصل نہیں ہوا جس کی وہ مستحق تھیں۔ ایسی ہی تحریروں میں سے ایک اہم وہ تحریر ہے جو حضرت مولانا نے مراد آباد کے ایک صاحب کے سوال کے جواب میں لکھی تھی۔ اس فتویٰ یا تحریر میں دینی مدارس میں تعلیم دینیکی اجرت، اسلامی مدرسوں میں معقولات اور ایسے علوم پڑھانے کی تحقیق ہے جو بنیادی طور پر دینی شرعی علوم نہیں ہیں۔

یہ تحریر یا جواب حضرت مولانا کے افادات کے ایک کم شہرت یافتہ متعارف مجموعے "فرائد قاسمیہ" (مرتبہ مولانا عبدالغنی پھلاودی۔ مولفہ ۱۳۱۳ھ) میں شامل ہے۔ فرائد قاسمیہ جو گم نام تھی، پہلی مرتبہ ۱۴۰۰ھ میں دہلی سے شائع ہوئی تھی اور یہ اشاعت بھی قلمی نسخہ کا فوٹو ہے، شاید اسی وجہ سے مجموعہ کی کچھ زیادہ شہرت نہیں ہوئی۔ بہر حال

یہ تحریر فرائد قاسمیہ کی اسی نسخہ یا اشاعت میں ص ۲۲ سے ص ۴۱ تک درج ہے اور پوری کی پوری پڑھنے کے لائق ہے۔ اس تحریر سے خاص طور سے علوم عقلیہ (جس میں جدید سائنسی علوم بھی شامل کئے جاسکتے ہیں) کی تعلیم کے حوالہ سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ نیز اس تحریر میں شعر و شاعری سے دلچسپی اور اس کے مفید اور غیر مفید ہونے جامع مگر مختصر وضاحت فرمائی گئی ہے افادیت کے اور بھی کئی پہلو اس میں نظر آتے ہیں اس لئے یہ تحریر بطور خاص یہاں پیش کی جارہی ہے۔

یہ تحریر یا فتویٰ فرائد قاسمیہ کی اشاعت سے بہت پہلے ماہنامہ القاسم دیوبند کی رجب ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء کی اشاعت میں چھپا تھا۔ مگر فرائد قاسمیہ میں وہ سوال درج نہیں جس کے جواب میں یہ تحریر لکھی گئی تھی، القاسم میں وہ سوال بھی چھپا ہے۔ لیکن ایک مشکل اور ہے جس کا کوئی حل نہیں کہ دونوں اشاعتوں یا نسخوں میں کثیر اختلافات ہیں۔ الفاظ کی کمی زیادتی، یا کتابت کی اغلاط عام ہیں، مگر ان سے بڑھ کر وہ اضافے یا ترمیمات ہیں جس میں دونوں نسخے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہاں القاسم میں درجِ متن پیش کیا جارہا ہے جس میں فرائد قاسمیہ میں شامل نسخہ کی مدد سے کہیں کہیں معمولی تصحیح یا ترمیم کی گئی ہے اور القاسم کی اشاعت میں نسخہ فرائد قاسمیہ میں جو اضافے ہوگئے ہیں ان کی ( ) کے ذریعہ نشاندہی اور حاشیہ میں اس کی صراحت کردی ہے۔

اس تازہ اشاعت کے وقت ضرورت تھی کہ اس پر ذیلی عنوات لگائے جاتے اور اس فتویٰ میں جو احادیث و عبارتیں درج ہیں ان کی تخریج کی جاتی، مگر وقت میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اس خدمت کا موقع نہیں ہوا تاہم امید ہے کہ اس اضافی خدمت کے بغیر بھی یہ تحریر دلچسپی اور توجہ سے پڑھی جائے گی۔

وما علینا الا البلاغ (نور)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مدرسہ عربی جس سے ترویج علم دین مقصود ہے قائم ہوا ہے، مگر ایک مدرس نے بہ لحاظ اس کے کہ تعلیم دینیات پر اجرت لینا موافق احادیث صحیحہ جائز نہیں، تورعاً یہ شرط کرلی ہو کہ میں چار گھنٹے مثلاً پڑھاؤں گا اور صرف کتب معقولات وصرف نحو وعلم معانی اور ادب وغیرہ کے پڑھانے کی تنخواہ لوں گا اور دینیات حسبتاً للہ پڑھاؤں گا، اس کی تنخواہ نہ لوں گا۔ چنانچہ مدرس موصوف ابتدائے مدرسہ سے تین چار سبق معقول وغیرہ کے تعلیم فرماتے ہیں، باقی صبح سے شام تک مصروف تعلیم دینیات رہتے ہیں۔

پس ایسے مدرسہ میں چندہ دینے اور شرکت کرنے سے ثواب ملے گا یا نہیں؟ اور جو چندہ از قسم زکوٰۃ آتا ہے وہ صرف طلبہ مدرسہ کیا جاتا ہے، اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور جو شخص اس میں سعی وکوشش کرے کچھ اس کو ثواب ملے گا یا نہیں، اور جو کوئی اس کے درپے تخریب وبربادی ہو اس کا کیا حکم ہے؟

بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

○○○

جواب مولانا محمد قاسم صاحبؒ

بسم اللہ الرحمان الرحیم

الحمد اللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ سید المرسلین خاتم النبین والہ وصحبہ اجمعین۔

بعد حمد وصلوٰۃ کے یہ گزارش ہے کہ وجہ استفتاء کچھ سمجھ میں نہیں آتی، استفسار اس امر کا کیا کرتے ہیں جس میں کچھ خفا واختفاء ہو کسی وجہ سے مخفی ومستتر ہو، جو بات ہر پہلو سے ظاہر وباہر ہو اس کا استفسار کیا کیجئے۔ بانیان مدرسہ کی نیت اچھی، مدرس کی نیت اچھی، معقود الیہ یعنی درس صرف ونحو وادب وعلم معانی واکثر انواع معقولات، مثل حساب وہندسہ ومنطق جن میں نہ مخالفت عقائد

اسلام ہے، نہ ضروریات دین اسلام کا بیان، بالیقین مباح وقت، کار محدود و معلوم، پھر نہ معلوم باعث اشتباہ کیا چیز ہوئی، جو استفسار کی نوبت آئی۔

ہاں وقت کار اگر غیر محدود یا غیر معلوم ہوتا تو بوجہ استلزام مجہولیۃ معقود علیہ البتہ خیال بطلان اجارہ کا موقع تھا۔ معقود علیہ اگر کوئی امر حرام ہوتا تو مثل صدر الصدوری و منصفی و ڈپٹی کلکٹری وغیرہ مناصب حکومت جن میں خلاف ما انزل اللہ حکم کرنے کی شرط ہے، یا مثل تحصیل مسکرات و شراب فروشی و زناکاری وغیرہ جن میں خود کوئی گناہ یا وسائل گناہ پر اجارہ منعقد ہوتا ہے، نوکری مدرسی بھی حرام ہو جاتی اور ایسے مدرسہ میں پڑھنا بھی جائز نہ ہوتا اور اس وجہ سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ چندہ دینا اور اس کے وصول میں کوشش کرنی گناہ کی تائید ہے، پھر جائز ہو تو کیوں کر اور ایسے مدرسہ کے طالب علموں کو زکوٰۃ دیجئے تو یوں کہو ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دی جن سے شیوع امور محرمہ ہی متصور ہے، تائید دین یا اطاعت رب العالمین کی امید نہیں۔ جو اصل غرض عبادت مالی ہے کیونکہ جب اموال بشہادۃ خلق لکم ما فی الارض جمیعا ہمارے لیے مخلوق ہوئی اور ہم بشہادت وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون عبادت کے لیے پیدا ہوئے تو یہ السابق قصہ ہو گیا جیسے یوں کہئے گھاس دانہ گھوڑے کے لیے اور گھوڑا سواری کے لیے، سو جیسے ہر عاقل اس ارتباط سے یہ سمجھتا ہے کہ گھاس دانہ ہی سواری ہی کے لیے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو گھوڑا سواری نہ دے اس کو گھاس دانہ نہیں دیتے، بلکہ گولی کے حوالہ کرتے ہیں۔ ایسے ہی ہر عاقل دونوں آیتوں کے ارتباط سے یہ سمجھتا ہے کہ اموال بھی اصل میں عبادت ہی کے لیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں یہ غرض بالیقین مفقود ہو جاتی ہے، وہاں سلب اموال کی ادیان سابقہ سے لے کر اس دین تک اجازت رہی اور زکوٰۃ جو بحکم خداوند خالق اموال دی جاتی ہے کفار کو اس سے محروم رکھا، ہاں صدقات نافلہ جن میں خدا کے حکم کا واسطہ نہیں، اگر کفار کو دیئے جائیں، یا حیوانات کے کام میں صرف کئے جائیں تو بایں وجہ جائز

ہوئی کہ خدا کے حکم سے ہوئی تو خدا کی طرف سے سمجھی جائے اور چونکہ احکام شرع صفت حکومت و معبودیت سے متعلق ہیں تو اگر زکوٰۃ کفار کو دی جاتی یا حیوانات کے کام میں آتی تو یہ معنی ہوتے کہ اطوار کفر داخل عبادت ہیں، جو معبود حقیقی اور حاکم تحقیقی کی طرف سے بطور تقاوی ان کی یہ اعانت ہوئی، ہاں وجود عالم صفت خالقیت و ربوبیت سے مربوط ہے اور ظاہر ہے کہ وجود حیوانات و بنی آدم غذا پر موقوف۔ اس لیے مقتضائے صفت خالقیت یہ ہوا کہ مومن ہو یا کافر حیوان ہو یا بنی آدم، غذا سے اس کی امداد لازم ہے، غرض ربوبیت عام ہے اسی لیے رب العالمین ہونا خدا کا ضرور ہوا، اور معبودیت بالفعل خاص ہے اس لیے معبود المسلمین کہلائے گا معبود المومنین والکافرین نہ کہہ سکیں گے۔ بالجملہ صدقات نافلہ کا کارخانہ محکمہ ربوبیت کی پیشکاری ہے اس لیے کفار و حیوانات بھی اس سے متمتع ہوں تو چنداں بیجا نہیں، گو اولیٰ یہی ہو کہ مومنین ہی کو ملیں۔

اور زکوٰۃ و صدقات واجبہ محکمہ حکومت کی کارگزاری اور خدمت گاری ہے، اس لیے بندگان عبادت شعار یعنی مومنان زار و نزار ہی اس کے مستحق رہے۔

غرض تعلیم و تعلم علم مذکورہ اگر منجملہ محرمات ہوتے تو یوں کہہ سکتے تھے کہ گو ہر مومن کو مطیع ہو یا عاصی بوجہ ایمان جو اصل عبادت ہے زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ پر لحاظ غرض اصلی اس طرف مشیر ہے کہ جو لوگ امور محرمہ میں منہمک ہوں ان کا محروم رہنا ہی اولیٰ ہے، چنانچہ حدیث لا یاکل طعامك الا تقی اس پر شاہد ہے اور اس لیے زکوٰۃ کے لیے بھی وہی لوگ اولیٰ ہیں جو متقی پرہیزگار ہوں، علیٰ ہذا القیاس اگر معقود علیہ درس منقولات و علوم دین ہو تا تب بھی یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جیسے ملازمان سرکاری کو کار سرکار پر اور کسی سے کچھ لینا ممنوع ہے، ایسے ہی مومنوں کو جو ملازمان خاص اور بندگان باختصاص رب الناس ہیں، تعلیم علوم دینی پر جو بالیقین کار خداوندی ہے اجرت کا لینا جائز کیونکر ہو سکتا ہے۔

جو متاخرین نے اس پر اجرت لینے کا فتویٰ دیا اور ابنائے روزگار اس کے

بھروسے اپنی اجرت کو جائز سمجھیں اور چندہ دینے والے اور وصول کرنے والے باوجود حرمت عقد مذکور امیدوار ثواب تائید ہوں۔ (مع ہذا فتویٰ متاخرین کی یہ بناء ہے کہ جب انہوں نے اپنے زمانے کے لوگوں کی یہ کیفیت مشاہدہ کی کہ ادھر علماء دین کی خدمت کرنی لوگوں پر دشوار ہو گئی، ادھر علماء کی یہ کیفیت کہ اپنی اپنی فکر معیشت میں تعلیم علم حسبۃ للہ کرنی ان پر گراں ہو پڑی ناچار یہ سمجھ کر کہ اگر طرفین کی یہی تانی و تکاسل ہے تو ایسا نہ ہو کہ علم جس کا بقا اہم مقاصد شارع ہے عالم سے اٹھ جائے، بحکم ضرورت: والضرورۃ تنبیح المحذورات یہ اجازت دے دی کہ خیر اجرت لو اور تعلیم کرو۔ سو اگر تھوڑا سا فکر کیا جاوے خود اس فتویٰ سے ثابت ہوتا ہے کہ متاخرین کے نزدیک اجرت تعلیم دینیات کا ناجائز ہونا مسلم، مگر بمجبوری فتویٰ بہ اباحت دیتے ہیں[1]) الحاصل یا عبادات پر اجرت کا لینا ممنوع ہے۔

یہی وجہ ہوئی کہ اجرت صوم و صلوٰۃ وذکر و شغل وغیرہ حرام ہوئی یا معاصی پر اجرت کا لینا حرام ہے، یہی وجہ ہوئی کہ اجرت زنا و کہانت وغیرہ کی ممانعت ہوئی اور وجہ وہی ہے کہ محکوم کو نہ حاکم کی مخالفت پر کچھ لینا روا ہے کیونکہ خود مخالفت ہی روا نہیں اور نہ حاکم کی تعمیل حکم پر کسی سے لینا درست ہے، کیونکہ وہ حق حاکم ہے۔

تیسرے حرمت عقد اجارہ، یعنی نوکری مزدوری کی ایک یہ صورت ہے کہ کار معقود علیہ گو امر مباح ہو پر کسی امر حرام و ممنوع کا ذریعہ ہو، مثلاً تعمیر گو کارِ مباح ہے پر تعمیر مندر و شوالہ و گرجا وغیرہ معابد مخالفان دین اسلام بایں وجہ ناجائز ہے کہ وہ ذریعہ عبادت غیر اللہ ہے، یا یوں کہئے کہ تعلیم ریاضی یعنی حساب و ہندسہ و صرف و نحو و ادب وغیرہ علوم مباحہ اگرچہ امر مباح ہے پر مدارس اسلامی کے سوا اور مدارس میں بطمع نوکری جا کر علوم مذکورہ کا تعلیم کرنا اس لیے ناجائز ہے کہ اجارات میں نیت مستاجر کا اعتبار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ تعمیر معابد غیر

[1] قوسین کی عبارت فرائد قاسمیہ میں درج نسخے میں موجود نہیں، ملاحظہ ہو فرائد قاسمیہ ص ۲۵ (عکس نسخہ پھلاودہ، دہلی: ۱۴۰۰ھ)

اسلام ناجائز ہوئی اور ظاہر ہے کہ بحساب نیت بانیان مدارس مشار الیہا توسل عبادات وحسنات تو معلوم البتہ یہ احتمال قوی ہے کہ ارتفاع علوم شرعیہ مقصود ہو، چنانچہ تنزل علوم شرعیہ بوجہ ترقی مدارس جو سب کو معلوم ہے بعد لحاظ مخالفت دینی بانیان مدارس مذکورہ اس پر شاہد ہے اور اگر یہ نیت نہ ہو تب بھی تنزل مذکورہ بوجہ ترقی مسطور احتراز کے لیے کافی ہے اور اسے بھی جانے دیجئے۔

اگر نیت مدرس ہی تعلیم علوم مذکور سے تائید مذاہب باطلہ یا ترویج عقائد فاسدہ ہوتی تب بھی احتمال حرمت عطائے چندہ وسعی چندہ بجائے خود تھا مگر جب مستفتی خود یہ کہتا ہے کہ وجہ تخصیص علوم مذکورہ مدرس کی طرف سے فقط احتیاط ہے تو موافق ارشاد: المتقی من یتقی الشبہات ایسا مدرس تو اس قابل ہے کہ قدم لیجئے اور جانے نہ دیجئے (بلکہ بلحاظ ارشاد: المتقی من یتقی الشبہات مدرس کو اس شرط کا پیش کرنا مناسب اور موافق قول باری عز اسمہ: تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونو علی الاثم والعدوان اہل مدرسہ اور شرکاء چندہ کو قبول کرنا اس شرط کا جس کی بنا محض تقوی پر ہے ضرور)[1] پھر ایسے مدرس سے یہ کب ہو سکتا ہے کہ اس کے دل میں خیال ابطال عقائد دین ذوالجلال آئے بایں ہمہ وقت معین کار محدود پھر خدا جانے وہ کون سی بات ہے جس پر مستفتی خواہاں تضیع اوقات مجیب ہوا ایسے ہی سوالات لائق ترش روئی ہوتے ہیں چنانچہ حدیث لقطہ میں جو سائل نے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے شتر گمشدہ کی نسبت پوچھا کہ اس کو پکڑ لیں یا یوں ہی چھوڑ دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ ہو کر فرمایا! مالك ومعها حذاءها وسقاءها او کما قال۔

ہاں یہ بات البتہ قابل استفسار تھی کہ لفظ معقولات ایک لفظ عام ہے فقط ریاضی و منطق ہی اس کے تلے داخل نہیں، طبعیات اور فلکیات اور الٰہیات حکمت بھی اس میں داخل ہیں اور ظاہر ہے اکثر مسائل علوم مذکورہ مخالف عقائد

---

[1] بریکٹ ( ) کی عبارت فرائد قاسمیہ میں موجود نہیں ص: ۲۷

اسلام ہیں، پھر ان کا تعلم و تعلیم جائز ہو، تو کیونکر ہو، جو تصحیح عقد مذکور کیجئے اور چندہ کے دینے میں تامل نہ کیجئے اور اگر فرض کرو لفظ مذکور عقد میں عام نہیں یا تعلیم و تعلم علوم مذکورہ حرام نہیں، تو بیش بریں نیت مباح ہو مضمون تعبد پھر بھی دور ہے۔ ثواب کی امید کی گنجائش پھر بھی نہیں ہاں کسی طرح تعلیم و تعلم مذکور کا عبادت ہونا ثابت ہو تو کیوں نہیں، سو مستفتی نے تو نہ پوچھا، ہم خود بغرض مصلحت عرض کرتے ہیں۔

اس لیے اگر کوئی باورچی یہ شرط کرلے کہ میں گوشت وغیرہ سالن پکادیا کروں گا روٹی نہ پکایا کروں گا، تو کوئی دیوانہ بھی بخیال عموم لفظ گوشت یوں نہ کہے گا کہ اس میں سگ و خوک کا گوشت آ گیا اور اس کا کھانا پکانا حرام ہے۔ اس لیے باورچی مذکور کی نوکری ناجائز ہوگی، ایسے ہی عموم لفظ معقولات بخیال بطلان علوم مذکورہ عقد درس مدرس مذکور کی حلت میں متأمل ہونا کوڈنوں اور وہمیوں کا کام ہے، عقلاء سے اگرچہ جاہل ہی کیوں نہ ہو، اس قسم کی تین پانچ متوقع نہیں۔

البتہ یہ صحیح کہ امور مباحہ بذات خود نہ مستوجب ثواب ہوتے ہیں نہ موجب عذاب، مگر جب امور مباحہ وسیلۂ حسنات یا ذریعہ سیئات ہو جاتے ہیں تو اسی طرح حسنات سیئات کی ذیل میں محسوب ہو جاتے ہیں۔ جیسے اوپلا لکڑی کھانے کے حساب میں، یعنی جیسے مہینے پر مثلاً کھانے کا حساب کرتے ہیں تو اوپلے لکڑی وغیرہ کے دام لگا کر یوں کہا کرتے ہیں کہ کھانا اتنے میں پڑا اور کھانے میں اتنا صرف ہوا، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اشیاء مذکورہ بایں وجہ کہ وہ ذریعہ حصول طعام ہوتے ہیں طعام ہی کے مد میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی امور مباحہ بعد توسل حسنات تو حسنات کی مد میں داخل ہو جاتے ہیں اور بعد تسبب سیئات ان سیئات کے حساب میں محسوب ہوں گے۔ چنانچہ مسجد کی طرف رفتار اور نماز کے لیے انتظار پر جو ثواب نماز ملتا ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ امور مذکورہ ذریعہ حصول نماز یعنی صلوٰۃ جماعت ہیں، ورنہ کون نہیں جانتا کہ نہ رفتار کسی قسم کی نماز

ہے اور نہ انتظار کسی طرح نماز یا نیاز ہے۔

علیٰ ہذا القیاس لینا دینا پڑھنا لکھنا گواہی شہادت جو بالیقین اصل سے مباح ہیں، ورنہ امور مذکورہ کسی طرح کسی موقع میں جائز نہ ہوتے۔ اگر ذریعہ ربٰو و سود خواری ہو جائیں تو اسی لعنت کے مستحق ہو جائیں جو اصل میں شایاں سود خوران ہے۔ اسی طرح بوس و کنار جس کی اباحت پر جواز بلکہ استحباب بوسہ اولاد شاہد ہے، اگر ذریعہ زنا ہو جائیں تو موافق ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زنا ہی کے حساب میں داخل ہو جائیں گے اور شرع کی طرف سے اطلاق زنا ان پر کیا جائے گا، حالانکہ بالبداہت وہ غیر زنا ہیں۔ تعمیر مکان مسجد جو بالجملہ عبادات سمجھی جاتی ہیں، تو کیوں سمجھی جاتی ہیں، فقط اس لیے کہ وہ عبادت خانہ ہے۔ جس کا حاصل وہی نکلا کہ وہ سامان عبادت اور ذریعہ اطاعت ہے، تعمیر معابد ادیان باطلہ جو منجملہ معاصی شمار کیا گیا تو کیوں شمار کیا گیا، فقط اس لیے کہ وہ ذریعہ معصیت اور سامان شرک و کفر وغیرہ ہے۔

غرض کہاں تک گنائیں، ہزاروں نظیریں قرآن و حدیث میں موجود، کتب فقہ و اصول و عقائد و تصوف میں مذکور، ایک ہو تو کہیے، کہاں تک کہیے۔ پھر تعلیم صرف و نحو و معانی و بیان و ادب ریاضی و منطق ہی نے کیا قصور کیا ہے جو یہ ذریعہ علوم دین ہو کر بھی داخل حساب علوم دین اور مستوجب ثواب کار دین نہ ہوں۔

صرف و نحو تو اوضاع صیغہائے مختلفہ اور مدلولات اضافات متعددہ مثل فاعلیت و مفعولیت میں محتاج الیہ، علم ادب اطلاع لغات و صلات و محاورات میں مفید اور علوم معانی و بیان قدر شناسی فصاحت و بلاغت یعنی حسن عبارت قرآن و حدیث میں کار آمد، علم منطق کمال استدلال و دلائل خداوندی و نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نافع۔

اور ظاہر ہے کہ جو نسبت عبارت و معانی میں ہے وہی نسبت حسن عبارت اور خوبی استدلال میں ہوگی، کیونکہ وہ عبارت سے متعلق ہے تو یہ معانی سے مربوط،

پھر کیونکر کہہ دیجئے کہ علم معانی و بیان تو جائز ہو اور منطق ناجائز ہو۔ صرف و نحو وادب و معانی و بیان میں اگر مخالفت دین اسلام نہیں تو منطق بھی اس عیب سے پاک ہے۔

اور اگر اشتغال منطق گاہ و بیگاہ، یا بعض افراد کے حق میں موجب محرومی علوم دینیہ ہو جاتا ہے، تو یہ بات صرف و نحو وغیرہ علوم مسلمۃ الاباحۃ میں بھی بالبداہت موجود ہے۔ غرض اگر تحصیل صرف و نحو و معانی و منطق سے توسل علوم دینی ہے تو بیشک علوم مذکورہ مستوجب ثواب ہوں گے، نہیں تو نہیں۔

سو یہ بات نیت بانیان مدرسہ و نیت معلم و متعلمین پر موقوف، باقی جس کسی نے بزرگان دین میں سے منطق کو برا کہا ہے بایں نظر کہا ہے کم فہموں اور کم ہمتوں کے حق میں اس کا مشغلہ تحصیل علوم دین میں خارج ہوا، سو اس وقت وہ ذریعہ خیر نہ رہا وسیلۂ شر ہو گیا، اور یا یہ وجہ ہوئی کہ خود بوجہ کمال فہم و منطق کی ضرورت نہ ہوئی، جو مطالعہ کی نوبت آتی اور عدم مخالفت معلوم ہو جاتی۔ یہ سمجھے کہ یہ علم منجملہ علوم ایجاد کردہ حکمائے یونان ہے اور ان کے ایجاد کئے ہوئے علوم کی مخالفت کسی قدر یقینی تھی، اس لیے یہی خیال میں جم گیا یہ علم بھی مخالفت دین اسلام ہی ہوگا، ورنہ اس علم کی حقیقت سے آگاہ ہوتے اور اس زمانہ کے نیم ملاؤں کے افہام کو دیکھتے جو چھوٹتے ہی قرآن و حدیث کو لے بیٹھتے ہیں اور باوجودیکہ قرآن کتاب مبین اور اس کی آیات واقعی بینات ہیں فہم مطالب و احکام میں ایسی طرح دھکے کھاتے ہیں، جیسے آفتاب نیمروز کے ہوتے اندھے دھکے کھاتے ہیں۔ پھر ان خرابیوں کو دیکھتے جو ایسے لوگوں کے ہاتھوں دین میں واقع ہوئیں ہیں، ہرگزیں یوں نہ فرماتے بلکہ علمائے جامعین کی برکات اور فیوض کو دیکھ کر تو عجب نہیں بشرط حسن نیت بوجہ توسل مذکور ترغیب ہی فرماتے اور کیوں نہ فرماتے، وجہ حرمت علوم فلسفہ اگر ہے تو مخالفت دین اسلام ہے، چنانچہ تصریحات فقہا اس پر شاہد ہیں۔

سو فرمائیے تو سہی منطق کا وہ کون مسئلہ ہے جس کو یوں کہیے مخالف عقائد دین واسلام اور احکام دین وایمان ہے مگر جب مخالفت نہیں اور وجہ ممانعت مخالفت تھی، تو پھر اور کیا کہیے کہ بوجہ ناواقفیت حقیقت علم مذکور فقط انتساب فلاسفہ سے ان فقہا کو دھوکا ہوا جو اس کو بھی ہم سنگ علوم مخالفہ سمجھ گئے۔

رہا فتویٰ یجوز الاستنجاء بالورق واقعہ اس سے حرمت منطق پر استدلال کرنا ایسا ہی ہے، جیسے یوں کہیے کہ ڈھیلوں سے استنجا کرنا جائز ہے۔ اس لیے ڈھیلوں کا اکٹھا کرنا نا جائز نہیں اور اگر بالفرض والتقدیر تحصیل منطق بھی ہم سنگ تحصیل علوم مخالف دین اسلام ہے، یا لفظ معقولات ایسا عام ہے کہ ہر جگہ علوم مخالفہ کا مراد ہونا تو ضرور ہے، تو پھر کیا حرمت عقد پھر بھی لازم نہیں آئی؟ کیونکہ بعض امور بجمیع الوجوہ غیر مشروع ہوتے ہیں جیسے زنا اور قتل ناحق اور بعض امور ایک وجہ سے اگر غیر مشروع ہوتے ہیں تو ایک وجہ سے مشروع بھی ہوتے ہیں، مثلاً شعر کی ممانعت کی طرف آیۃ:

والشعراء یتبعھم الغاوٗن الم ترانھم فی کل وادیھیمون وانھم یقولون مالا یفعلون۔

اور نیز آیت: وماعلمناہ الشعر وماینبغی لہ اور سوا ان کے اور آیات میں تصریحات اور اشارات موجود ہیں ادھر حدیث لان یمتلی جوف احد کم قیحا بریہ خیرلہ من ان یمتلی شعرا۔

اور نیز اور احادیث جو اس کے قریب المعنی ہیں اس پر شاہد ہیں، مگر بایں ہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے زمانہ میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھ چڑھ کر اشعار پڑھا کرتے تھے اور سوا ان کے، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت زبیرؓ صاحب قصیدہ بانت سعاد وغیرہ اصحاب کا آپ کے سامنے اشعار کا پڑھنا اور آپ کا خوش ہونا کتب احادیث میں منقول ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بعد دفن حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اشعار کا پڑھنا

اکثر طالب علموں کو معلوم ہوگا۔

علاوہ بریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ: **علیکم بدیوان العرب** مشہور ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا ان لوگوں کو جن کی طرف بوجہ استماع وعظ و نصائح احتمال ملال ہوتا تھا یہ فرمانا کہ حمضوا مجالسکم اکثروں کو معلوم۔ کتب احادیث میں مثل بخاری شریف اور صحیح مسلم اشعار مذکور ہیں۔ کتب تفاسیر میں مثل بیضاوی شریف و مدارک و تفسیر کبیر اشعار مسطور، ادھر ہزاروں اصحاب اور اولیاء اور علماء سے شعر گوئی اور شعر خوانی کا ثبوت مسلم۔

وجہ اس کی کیا ہے وہی ہے کہ شعر و شاعری بجمیع الوجوہ ممنوع نہیں، ورنہ بعد ارشاد والشعراء یتبعھم الغاوون جو علی العموم ہرقسم کے اشعار کی مذمت پر دلالت کرتا ہے اور بعد ہدایت لان یمتلی الیٰ آخرہ جو علی الاطلاق ہر قسم کے اشعار کی ممانعت پر شاہد ہے۔ ایسی مخالفت صریح اول سے آخر تک تمام امت میں شائع و ذائع نہ ہو جاتے اور ایسے ایسے ارکان دین یوں مخالفت ظاہرہ پر کمر نہ باندھتے۔ یہ ہے تو پھر کام فقہا سے بہ نسبت علوم فلسفہ ایسی مخالفت عامہ مطلقہ سمجھ لینا انہیں کا کام۔ ہے جن کو فہم ثاقب خداوند عالم نے عطا نہیں کیا۔

صاحبو اس زمانہ سے لے کر آغاز سلطنت عباسیہ تک جس میں علوم فلسفہ یونانی سے عربی میں ترجمے ہوئے، لاکھوں علماء اور اولیاء ایسے ہیں اور گزرے جن کو علوم مذکورہ میں مہارت کاملہ تھی اور ہے۔ مولوی ارشاد حسین صاحب رامپور میں اور مولوی عبدالحئی صاحب لکھنؤ میں اور مولوی شکر اللہ[1] صاحب مراد آباد میں باوجود تقویٰ دینداری علوم مذکور میں کمال رکھتے ہیں۔ دہلی میں مولوی نذیر حسین صاحب بھی جن کو صلاح و تقویٰ میں اکثروں کے نزدیک ضرب المثل کہئے تو بجا ہے، ان علوم سے خالی نہیں۔ علمائے ضلع سہارنپور کی جامعیت خود مشہور ہے۔

---

[1] آپ نے فتویٰ و یجوز الاستنجاء باوراقہ کے صادر فرمانے کا فخر حاصل کیا تھا۔

پہلے زمانہ کی سنئے مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم، مولوی عالم علی صاحب مرحوم، مولوی احمد حسن صاحب مرحوم، مولوی قطب عالم صاحب مرحوم مدتوں تک مراد آباد میں درس معقولات میں مشغول رہے۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب، مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید، مولانا شاہ عبدالقادر صاحب، مولانا شاہ رفیع الدین صاحب، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب، مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہم کا کمال علوم مذکورہ میں شہرہ آفاق ہے۔ حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی اور حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہما کا کمال علوم مذکورہ میں ان کی تصانیف سے ظاہر و باہر ہے۔

حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی اور علامہ سید شریف۔ مصنفان شرح مقاصد و شرح مواقف اور علامہ جلال الدین دوانی مصنف شرح عقائد، ملا جلال جو تینوں کے تینوں امام علم عقائد ہیں، علوم مذکورہ میں ایسے کامل ہیں کہ کاہے کو کوئی ہوگا۔ حضرت امام فخر الدین رازی، حضرت امام غزالی، حضرت شیخ محی الدین عربی یعنی شیخ حضرت اکبر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا علوم مذکورہ میں کمال ایسا نہیں جو ادنیٰ سے اعلیٰ تک کسی پر مخفی ہو۔

جب ایسے علماء ربانی اور اولیاء کرام اور سوا ان کے اور اکابرین علوم مذکورہ کی طرف ملتفت رہے تو یا تو یوں کہئے کہ یہ سب کے سب عمداً ایسے امر قبیح و حرام کے باصرار مرتکب ہو کر مستوجب غضب الٰہی رہے۔ یا یوں کہئے کہ مثل اشعار اگرچہ علوم مذکورہ ممنوع اور اصل سے مکروہ اور حرام ہیں۔ پر جیسے شعر میں انہماک اور اس کے پیچھے پڑ جانا اور اسی کو مقصود اصلی اور مطلوب اہم بنا لینا ممنوع ہے، مطلقاً مشغلہ شعر ممنوع نہیں۔ چنانچہ حدیث میں لفظ یمتلی اس کی طرف مشیر ہے اور آیت میں استثناء الا الذین امنوا الخ اس پر شاہد ہے۔ ایسے ہی علوم مذکورہ کو قبلہ ہمت اور کعبۂ طلب بنا لینا تو بیشک ممنوع پر بغرض تشحیذ اذہان یا بخیال رد عقائد باطلہ، یا ظہور بطلان علوم مذکورہ کا حاصل کرنا، یا بہ نیت ظہور

بطلان علوم مذکورہ کو ایسے استاد کامل سے حاصل کرنا، جو بوقت درس اس کا بطلان ثابت کرتا جاتا ہو ہرگز ممنوع نہیں بلکہ بشرط لیاقت و حسن نیت اگر مستحب ہو تو بجا ہے جیسے بغرض انتصار یا تحسین مجلس یا تائید علم تفسیر مشغلہ مستحب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اہل فہم پر ارشاد عمری اور ہدایت عبداللہ بن مسعود سے ظاہر و باہر ہے۔

مگر جب شعر میں جس کی ممانعت قرآن و حدیث میں منصوص ہو بوجہ مذکور یہ استحباب آجاتا ہے تو وہ ممنوعات جن کی ممانعت قرآن و حدیث میں مصرح نہ ہو فقط قیاس فقہا شعر وغیرہ ممنوعات پر اس کی ممانعت کا مظہر ہو کیونکر بوجہ مذکور بشرط لیاقت و حسن نیت مثل تشحیذ ذہنی، یعنی ذہن کو باریک فہمی کی عادت ڈالنی، جس سے حقائق غامضہ عقائد و احکام کو سمجھ سکے مستحب نہ ہو جائے گی۔

ہاں! اگر کسی میں لیاقت علمی نہ ہو، جیسے آج کل کے وہ صاحب علم جو بے سوچے سمجھے شعر اور علوم مذکورہ کو علی الاطلاق حرام بتلاتے ہیں، یا نیت درست نہ ہو مثلاً قبلہ طلب انہیں علوم کو بنالے، بطور مذکور ذریعہ نہ بنائے یا ذریعہ بنائے تو علوم باطلہ کی تائید کا بنائے، جیسے فرض کرو اور مذہب والے بغرض تائید مذہب یا مقابلہ اسلام حاصل کریں، اسلام سیکھیں تو ان کے حق میں اگر مشغلہ علوم مذکورہ مکروہ حرام مطلق ہو تو بیجا نہیں اور اس وجہ سے ان کے حق میں درس علوم مذکورہ پر اجرت لینا جائز نہ ہوگا، وہ آمدنی اگر بجمیع الوجوہ مکروہ یا حرام رہی تو دور از عقل نہیں۔ اور ان کے حامی و موئد تائید امر حرام کے مصداق ہوں تو لائق قبول ہے۔ خاص کر اس صورت میں کہ مستاجر مسلمان نہ ہو کسی اور مذہب کا آدمی ہو، کیونکہ فعل اجیر تابع نیت مستاجر ہو جاتا ہے، مثال درکار ہے تو لیجئے، کار معمار فی حد ذاتہ جائز ہے مگر کوئی شخص شوالہ مندر چنوائے تو کار تعمیر حرام ہو جائے گا اور مکان و مسجد تعمیر کرائے تو اور حکم ہو جائے گا۔

ہاں اگر نیت اچھی ہے اور لیاقت کما ینبغی خداداد موجود ہو یعنی معلم و متعلم

بغرض تشحیذ ذہن یا رد عقائد باطلہ یا اظہار و ظہور بطلان مسائل، مخالفہ عقائد اسلام یہ مشغلہ اختیار کریں اور پھر دونوں میں یہ لیاقت بھی ہو معلم اظہار بطلان پر قادر ہو اور متعلم دلائل ابطال کے سمجھنے کی لیاقت رکھتا ہو، تو بیشک تحصیل علوم مذکورہ داخل مثوبات و حسنات ہو گی، چنانچہ تقریر گزشتہ اس بات پر کافی ہے، مگر جب یہ ہے تو بیشک چندہ دینے والے اور سعی کر کے وصول کرنے والے اس وجہ سے مصیب بثواب ہوں گے اور پھر اس کے ساتھ یہ وجہ جدی رہی کہ جیسے ہندیوں کا مکہ معظمہ میں پہنچنا مثلاً بے ذریعہ جہاز وریل ممکن نہیں، ایسے ہی درس علوم دینیہ مراد آباد میں بے قیام عالم علوم دین ممکن نہیں، پھر جیسے کوئی شخص ریل کا کرایہ یا جہاز کا نول دے کر کسی عازم بیت اللہ کو ریل یا جہاز پر سوار کرا دے، تو کوئی نادان بھی اس میں متامل نہ ہو گا کہ کرایہ دینے والے کو امداد حج کا ثواب نہیں ملتا، اور یہ کوئی نہ کہے گا کہ بذریعہ جہاز عرب میں پہنچ جانے کو یہ تو لازم نہیں کہ سوار ہونے والا حج بھی کر ہی لے اور پھر اس پر جہاز والا ریل والا بغرض تمول و حصول دنیا سوار کرتے ہیں اور پھر ریل اور جہاز میں چڑھ کر کہیں جانا کوئی عبادت نہیں۔ اس صورت میں کرایہ دینے والے کو ثواب ملے تو کیونکر ملے۔ ایسے ہی کوئی عاقل اگرچہ جاہل ہی کیوں نہ ہو اس میں متامل نہیں ہو سکتا کہ درس فنون دانشمندی یعنی صرف و نحو وغیرہ پر در صورتے کہ وجہ قیام عالم مشار الیہ ہو اجرت کے دینے والے کو ثواب امداد دین اور ترویج منقولات نہ ملے گا۔

اور یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ بغرض درس فنون دانشمندی اگر کہیں قیام ہو تو اس کو لازم نہیں کہ علوم دین کی درس کا بھی اتفاق ہوا کرے اور پھر اس پر درس علوم دانشمندی کوئی عبادت نہیں، مع ہذا مدرس بغرض وصول تنخواہ درس میں مشغول رہتا ہے اس صورت میں تنخواہ دینے والوں کو ثواب ملے تو کیونکر ملے، مگر یہ ہے تو پھر سعی کرنے والوں اور دربدر پھر کر وصول کرنے والوں کو بشرط حسن نیت ثواب نہ ملنے کے کیا معنی۔

اگر یہ امر ہے کہ سوال حرام ہے تو اپنے لئے بے ضرورت حرام ہے، دوسروں کے لئے سوال کرنا اور سعی اور ترغیب کر کے دلانا حرام نہیں، اگر یہ بھی حرام ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیبات خاص کر وہ جو آپ نے اپنے زمانے کے محتاجوں اور مفلسوں کے لئے فرمائیں ہیں، سب نعوذ باللہ داخل سوال حرام ہو جائیں۔ سو اس بات کے کہنے کی اہل اسلام میں سے کسی کو جرأت ہے اور دینے والوں اور دلانے والوں اور سعی کرنے والوں اور وصول کر کے لانے والوں کو بوجوہ مذکورہ بالا ثواب ملا تو بیشک یہ کار ایک کار خیر ہو گا اور کیوں نہ ہو اشاعت علوم ربانی اور تائید عقائد احکام حقانی منجملہ سبیل اللہ ہے، بلکہ سبیل اللہ میں بھی اول درجہ کا، اس لئے کہ قوام وقیام دین بے علوم دین اور تائید علوم دین ورد عقائد مخالفہ عقائد دین متصور نہیں۔ اگر تمام عالم مسلمان ہو جائے تو اعلائے کلمۃ اللہ کی حاجت نہیں، پر علوم دین کی حاجت جوں کی توں رہے۔ غرض دین کے حق میں اصل اور محتاج الیہ اور ضروری علم دین سے بڑھکر کوئی چیز نہیں اس لئے تائید اور ترویج میں صرف کرنا اعلیٰ درجہ کا فی سبیل اللہ ہے۔

اور اگر فرض کرو تائید علوم اور ترویج عقائد یقینی کو فی سبیل اللہ نہیں کہہ سکتے یہ اطلاق اعلائے کلمۃ اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے، تو اس کارخانہ کو اعلائے کلمۃ اللہ سے بھی بڑھ کر کہنا پڑے گا اور اس لئے اس کی بربادی کے درپے ہونے والوں کو منجملہ یصدون عن سبیل اللہ جن کی مذمت سے قرآن وحدیث پرُ ہیں سمجھنا لازم ہو گا، یا ان سے بھی بڑھ کر ان کو سمجھا جائے گا۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے مدرسہ کو کون برا کہتا ہو گا اور کون اس کے درپے تخریب ہو گا جس میں اکثر سبق منقولات کے پڑھائے جاتے ہوں اور دو تین سبق معقولات کے بھی پڑھائے جاتے ہوں، اور ان میں کہیں کسی موقع میں اگر کوئی مسئلہ مخالف عقائد اسلام بلکہ مخالف رائے اکابر اہل اسلام آگیا گو مخالف اسلام نہ ہو تو اس کی تردید کما ینبغی کی جائے، ہاں کوئی کینہ خواہ مدرسین یا بدخواہ دین

اپنی آنکھوں میں خاک ڈال کر ایسے کہنے لگے، تو کہنے لگے۔

ہائے افسوس! جہاں دین کی ترقی اور علوم دین کی ترویج کا کوئی سامان کہیں خدا کی عنایت سے برپا ہو تو شیطان یہ شعبدہ بازیاں کھڑی کر دیتا ہے۔ جن کو مال جان سے بھی زیادہ عزیز ہے، ان کے نہ دینے کے لئے ایک بہانہ ہو جاتا ہے۔ اہل ایمان کو لازم ہے کہ کچھ تو عقل کو لڑائیں اور آنکھیں ذرا تو کھولیں، اور دیکھیں کون حق کہتا ہے، اور کون تزویر و مکر کی باتیں کر کے دین میں رخنہ انداز ہوتا ہے۔

کیا قیامت ہے کہ طلب دنیا میں تو ہم کو یہ سرگرمی کہ امید موہوم پر بھی سعی کئے جائیں اور دین میں یہ سستی کہ چلیں یا نہ چلیں، باوجود فراہمی سامان ترقی ناحق کی حجتیں نکالی جائیں، اگر ایسے لوگ اپنے دل کو ٹٹولیں تو یہی نکلے جو میں کہتا ہوں یعنی ایسے کارخانے کو کارخانہ خیر ہی سمجھیں، درپے تخریب نہ ہوں، مگر کینہ اور عداوت بھی مثل حجرت سامان یعمیٰ ویصیم ہے اور کیوں نہ ہو کسی سے عداوت بھی کسی محبت ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ مال کی محبت ہو یا عزت کی محبت ہو یا کسی اور چیز کی محبت ہو۔

جب یہ سب باتیں ذہن نشین ہو چکیں تو اب اس کی کیا حاجت ہے کہ ایسے مدرسہ کے طالب علموں کو زکوٰۃ دیجئے یا نہ دیجئے، ہر شخص اس پر سمجھ گیا ہوگا کہ ان کا دینا فی سبیل اللہ ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن میں مصارف زکوٰۃ کے بیان میں ذوی الارحام کا ذکر نہیں، ان کے دینے کی فضیلت اگر ہے تو احادیث میں ہے اور فی سبیل اللہ خود قرآن میں بیان مصارف میں موجود ہے، اس لئے بایں وجہ کہ قرآن شریف حدیث شریف پر مقدم ہے فی سبیل اللہ والوں پر جیسے وہ طالب علم مثلاً جو علوم دین پڑھتے ہوں یا بطور مذکور الصدر منقولات کو تحصیل کرتے ہوں، ذوی الارحام پر مقدم ہوں گے۔ علاوہ بریں عقل بھی اگر سلیم ہو تو اس پر شاہد ہے کہ اپنی عزیزداری سے خدا کی واسطہ داری مقدم ہے، اپنوں سے اللہ والے اول رہیں تو بہتر ہے اور بیشک وہ لوگ جو ذوق ایمان رکھتے ہیں خدا کے

واسطے داروں کو اپنے عزیزوں سے عزیز سمجھتے ہیں۔ انصاریوں نے مہاجرین کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا وہ اپنوں کے ساتھ کبھی نہ کیا ہوگا، رہے مہاجرین وہ اگر اپنوں کو مقدم رکھتے تھے تو ان کے اپنے بھی فی سبیل اللہ ہی تھے۔

غرض ایسے مدرسوں کے طالب علموں کو دینا اپنوں کے دینے سے زیادہ اولیٰ معلوم ہوتا ہے سو دینے والے زیادہ نہ سمجھیں، برابر ہی سمجھیں برابر نہ سمجھیں کمتر سمجھیں، پر کہیں کچھ دیں تو سہی جو خدا سے بھی سرخرو ہوں۔ ورنہ ایسا نہ ہو بروز حساب جیسے حدیثوں میں آیا ہے، خدا فرمانے لگے کہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا، یا حدیث شریف میں آیا ہے جن بندوں سے یہ خطاب ہوگا وہ کچھ ایسا عرض کریں گے الٰہی تو بھوک پیاس سے پاک، کھانے پینے سے منزہ ہے اس پر خدا تعالیٰ شانہ فرمائے گا فلانا میرا بندہ بھوکا تھا تو اگر اس کو کھلاتا تو وہ میرے ہی حساب میں ہوتا انتہی۔

اب اہل فہم سے یہ عرض ہے کہ ایسے لوگ جن کا کھلانا خدا کے حساب میں محسوب ہو سوا ان کے اور کون ہو سکتے ہیں جو خدا کے کام میں لگے ہوئے ہیں یعنی وہ کام کرتے ہوں جس میں نیابت کی گنجائش ہو یعنی خدا سے ہی وہ کام سرزد ہو سکے، سو ایسی باتیں یہی تعلیم و ہدایت و قہر اعدا وغیرہ ہیں عبادت نہیں، کیونکہ خدا سے عبادت متصور نہیں، البتہ ہدایت اور تعلیم اور قہر اعدا اور نصرت اس کا کام ہے کون نہیں جانتا ہے کہ موافق ارشاد و علم آدم الاسماء معلم اصلی خدا ہی ہے اور موافق ہدایت واللہ یھدی من یشاء الخ ہادی اصلی خدا ہی ہے اور موافق فرمان واجب الاذعان آیۃ تلك الایام نداولھا بین الناس اور آیت ان تنصروا اللہ ینصرکم ولقد نصرکم اللہ ببدر الخ وغیرہ آیات نصرت بھی جس کا حاصل وہی مقابلہ اعدا کے بعد قہر اعدا ہے۔ اصل میں خدا ہی کا کام ہے، (غرض ایسے لوگوں کو زکوۃ دینا جو بطور نیابت خدا کا کام کرتے ہوں۔ خدا ہی کا کام ہے[1])

[1] یہ سطر فرائد قاسمیہ میں شامل نسخہ میں شامل نہیں۔ دیکھئے فرائد قاسمیہ ص ۴۱

باقی رہا یہ شبہ کہ طالب علم علم سیکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات خدا کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس غرض سے کوئی پڑھے کہ پڑھ کر پڑھاؤں گا اوروں کو ہدایت کروں گا اور بھی نہیں اپنے آپ کو ہدایت کروں گا تو یہ پڑھنا پڑھانے اور ہدایت کے حساب میں ہو جائے گا اور جیسے سامان اعلائے کلمۃ اللہ کا صرف وہ کلمۃ اللہ ہی کے حساب میں محسوب ہوتا ہے۔ ایسے ہی یہاں بھی ہوگا، مگر ہر چہ بادا تملیک شرط ہے، اس لئے چندہ تنخواہ مدرسین میں زکوٰۃ دی جائے گی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ ہاں مدرس کو کوئی دے یا طالب علم کو بشرطیکہ وہ مصرف زکوٰۃ ہوں بعد تملیک ادا ہو جائے گی اس سے زیادہ اور کیا عرض کروں۔

فضائل طلبہ علم اکثر اہل اسلام کے گوش خوردہ ہیں۔ اس لئے یہیں ختم لازم ہے۔ والحمد للہ رب العالمین

نادر افادات

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے
چند اہم اور غیر مطبوعہ افادات

(الف)

بروایت

مولانا عبد الغنی صاحب حافظ پھلاودی شاگرد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(۱)

یہ افادات مولانا عبد الغنی صاحب نے ۷ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ کو اپنی ایک مجلس میں بیان کئے تھے۔ اور اسی وقت قلم بند کر لیے گئے تھے، اسی تحریر سے نقل کئے جا رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے حضرت مولوی محمد یعقوب صاحب اور جناب مولوی سید احمد حسن صاحب امروہی و جناب مولوی سید احمد صاحب دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کو مخاطب فرما کر ان جملہ حضرات سے یہ استفسار فرمایا کہ جناب باری تعالیٰ نے جو قرآن شریف کے اندر ارشاد فرمایا ہے کہا: فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِيۡنَ، تو اس جملہ احسن الخالقین کے لفظ احسن کی صفت کو تو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور لفظ خالقین کے اندر صیغہ جمع متکلم کو ارشاد فرمایا ہے، تو اس کی صاف طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خالق سوائے خدا کے کوئی اور

بھی ہو سکتا ہے، ورنہ صیغہ جمع متکلم فرمانے کے کیا معنی ہیں تو اس کا کیا جواب ہے اور مفسرین نے جو خالقین کی تفسیر مصوّرین کے ساتھ بیان کی ہے تو اس کو میں پسند نہیں کرتا، اگرچہ یہ معنی ہو سکتے ہیں لیکن ان میں طوالت ہے اور تاویل کی ضرورت ہی نہیں بلکہ لفظ اپنے ہی اصلی معنی میں ہے اور کسی تاویل کی ضرورت بھی نہ ہو، ایسی معنی بیان کیے جائیں۔

چنانچہ بجواب اس کے حضرت مولانا سید احمد حسن صاحبؒ نے حضرت قاسمؒ کے اصول و کلیات کی بناء پر یہ تفسیر بیان فرمائی کہ، چونکہ صفات دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک تو موصوف بالذات ہوتا ہے دوسرا موصوف بالعرض، لہذا اصلی تو موصوف بالذات خالق خدا ہی ہے، لیکن موصوف بالعرض بوصف خالق اور بھی مخلوق میں سے ہو سکتا ہے اور اسی وجہ سے لفظ احسن کا اختیار فرمایا ہے کہ جو خدا کی خالق ہونے کو بوصف احسن ثابت کرتا ہے اور موصوف بالعرض بوصف خالقیت کسی مخلوق کے لئے بھی یہی ہوتا ہے یہ تفسیر اپنی اصلی معنی میں ہی ہے، کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت اور مثال ہم کو اس آیت شریف سے کہ جو سورہ یوسف کے اندر ہے کہ "ذی علمٍ علیم" سے پورے طور سے ملتا ہے کہ وہاں بھی یہی صفت علیم ہونے کی خدا کی ہے کہ جو موصوف بالذات ہے اور ذی علم کی صفت بشر کے اندر ممکن ہے کہ جو موصوف بالعرض ہے۔

اب رہی یہ بات کہ خالقین کی تفسیر مصورین کے ساتھ کیونکر ہو سکتی ہے، تو اس کی صورت یہ ہے کہ جب کہ کائنات کا وجود حقیقت ممکن ہے کہ جو نہ محض وجود ہے نہ محض عدم ہے بلکہ دونوں سے مرکب ہے اور وہ تیسری سے ہے کہ جیسے نور اور سایہ کے درمیان میں ایک خط انتزاعی پیدا ہو جاتا ہے کہ جس کو نہ محض وجود کہہ سکتے ہیں نہ محض عدم کہہ سکتے ہیں، بلکہ ایک تیسری شے ہے کہ جس کو حقیقت ممکن کہہ سکتے ہیں۔ پس جب کہ یہ صفت انتزاعی مخلوق کی ثابت ہو گئی تو مخلوق کے اندر جو صفت ہو گئی، وہ بالعرض نہیں ہو سکتی۔

لہذا صفت خالقیت بھی بالعرض ہی مخلوق کے اندر ممکن ہو گی، اس صورت میں کوئی خلجان باقی نہیں رہتا ہے۔

(۲)

۱: سورہ بقرہ کے شروع آیت شریفہ میں جناب باری تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔ الم ذالك الكتاب لا ریب فیہ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کتاب کے اندر کچھ شک نہیں ہے۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ الفاظ عربیہ کے اندر کوئی الفاظ یا حرف ایسا نہیں ہے کہ جس کا ترجمہ کچھ ہوتا ہو، تو پھر یہ یہ لفظ ترجمہ کے اندر جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ محدث دہلوی وغیرہ نے فرمایا ہے، یہ زائد لفظ کہاں سے پیدا ہو گیا ہے۔ اگر لفظ زائد ہے تو ترجمہ مذکور کو غلط تسلیم کرنا پڑے گا، حالانکہ ترجمہ صحیح اور مسلمہ ہے۔ تو جواب اسکا یہ ہے کہ علم صرف نحو کے اندر یہ قاعدہ کلیہ مقرر ہو چکا ہے کہ عبارت عربی کے اندر جب کہ نکرہ تحت النفی واقع ہوتا ہے تو جب کہ لا نافیہ کلی ہوا تو ریب کا لفظ اس کے تحت میں ہوا تو کچھ لفظ اس میں سے خود پیدا ہو گیا کہ فصاحت و بلاغت اعلیٰ درجہ کی رکھتا ہے کہ جس کو ماہران علم عربی خوب جان سکتے ہیں۔

(۳)

۲: دوسری جگہ جناب باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ فیھا ما تشتھیہ الا نفس جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جنت کے اندر جس شئے کے لئے تمہارے دل کی خواہش ہو گی وہی چیز تم کو ملے گی۔ تو اس پر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر فرض کیجئے کہ کسی کی خواہش ہوئی کہ ہم کو جنت کے اندر شراب دینوی یا کوئی دیگر چیز مثلاً ملے، تو یہ کیوں کر ممکن ہے؟ لہذا اس شبہ کا جواب بھی اسی آیت کے الفاظ ہی کے اندر موجود ہے، وہ یہ ہے کہ لفظ ”فیھا“ کا یہ بتلاتا ہے کہ جو چیزیں جنت کے اندر پائی جاتی ہیں اور موجود ہیں، انھیں چیزوں میں سے جس چیز کی تم کو خواہش ہو گی تو وہ ہم کو مل جائے گی۔ یہ اشیاء جنت کے لئے ہی ارشاد ہے، دینوی چیزوں

کے لئے نہیں ہے۔

(۴)

تیسری آیۃ شریفہ کے اندر جناب باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوا وُجُوْھَکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوا بِرُؤُسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے ایمان والو جب اٹھو تم طرف نماز کے، تو وضو کرلو تم، یعنی دھولو اپنے منھ کو اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک، اور مسح کرو تم اپنے سر کا اور دھولو اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک:۔ تو ترجمہ آیۃ شریفہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب اوٹھو تم طرف نماز کے تو وضو کرلو، اس ترتیب کے ساتھ جو کہ بیان کی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ نماز کے لئے اٹھنے کے وقت حکم وضو کرنے کا دیتے ہیں اور نماز کے لئے جب کھڑے ہوتے ہیں جب تکبیر شروع ہو جاتی ہے، تو اس وقت وضو کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ حالانکہ وضو بہت دیر پہلے ہی کی جاتی ہے اور تکبیر کے وقت وضو کا ہونا دشوار ہے کہ عرصہ نہایت قلیل ہوتا ہے تو یہ شبہ قوی ہوتا ہے، لہٰذا اسی بناء پر مفسرین کو بڑی دشواری اس کے معنی میں آئی ہے کہ جس کا ترجمہ صاحب جلالین نے ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے کہ .... تو یہ ظاہر ہے کہ ان معانی سے کس قدر تکلف کلام کے اندر پیدا ہوتا ہے اور یہ کلام طول یہی ہوتا ہے اور صاحب جلالین تفسیر کے اندر تاویل کے بعد معانی بیان کیے ہیں کہ طول کلام پر مبنی ہیں، نہیں بلکہ معنی ایسے ہونے چاہئیں کہ اس تاویل کی بھی ضرورت باقی نہ رہے اور کلام بھی اپنی ہی معنی میں رہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ ہر فعل کے لیے باعتبار اس کی ابتداء اور اس کی انتہا کے دو طرفین مقرر ہیں، یعنی آغاز اور انجام! چنانچہ الی الصلوٰۃ کے لفظ سے یہ ظاہر ہے تو انتساب نسبت کسی فعل کے لیے جب ہی ثابت ہوگا کہ جب درمیان

میں ہوتا اس کا ثابت ہو جائے گا و اذا قمتم الی الصلوٰۃ کے معانی یہ ہوں گے کہ جب تم اپنے مکان سے اٹھو نماز کی طرف تو اول وضو کرلو اور اپنے مکان سے ہی وضو کر کے نماز کے لیے چلو، تو یہ معانی درست ہو جائیں گے اور کوئی تکلف معانی میں باقی نہ رہے گا اور اس وجہ سے اپنے مکان سے وضو کر کے جانا مستحب قرار پایا ہے، ورنہ کوئی وجہ مستحب ہونے وضو کی اپنے مکان پر کرنے کی نہیں ہے۔

اب وہ اعتراض بھی باقی نہیں رہتا ہے اور معانی بھی بلا کسی تاویل کے اصلی معنی میں باقی رہتے ہیں چنانچہ باری تعالیٰ شانہ نے فاغسلوا کا لفظ اختیار فرمایا ہے واغسلوا ارشاد نہیں فرمایا، تاکہ اس مضمون کی طرف اشارہ ہو جاوے۔

حضرت مولانا نانوتویؒ کے چند افادات

بروایت امیر شاہ خاں صاحب خورجوی وغیرہ

مرتب: نورالحسن راشد کاندھلوی

الف: امیر شاہ خاں صاحب نے شیخ الہند کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت نانوتوی نے فرمایا کہ

"مشاہیر امت میں تین قسم کے افراد گذرے ہیں بعض ایسے ہیں کہ حقائق شرعیہ میں ان کا ذہن طول و عرض میں چلتا ہے، جیسے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کہ ہر مسئلے میں پھیلتے زیادہ ہیں اور ترتیب و تفصیل و تہذیب مواد میں زیادہ مستعد ہیں۔

بعض ایسے ہیں کہ جن کا ذہن علو کی طرف زیادہ چلتا ہے جیسے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہ حقائق میں اسقدر بلند پرواز ہیں کہ اصحاب ذوق کو بھی ان کے مدرک تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اور بعض ایسے ہیں کہ جن کا ذہن عمق کی طرف زیادہ دوڑتا ہے جیسے امام ابو حنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہ کہ ہر مسئلہ کی تہ اور اصلیت کا سراغ لگا لیتے ہیں اور ایسی اصل قائم فرما دیتے ہیں کہ سیکڑوں تفریعات اس سے ممکن ہو جاتی ہیں۔"

ب: امیر شاہ خاں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت مولانا نانوتوی نے فرمایا:

"قبول عام کی دو صورتیں ہیں ایک وہ قبول جو خواص سے شروع ہو کر عوام تک پہنچے اور دوسرا وہ جو عوام سے شروع ہو اور اس کا اثر خواص تک بھی پہنچ جائے۔ پہلا قبول علامت مقبولیت ہے نہ کہ دوسرا" (۲)

ج: حضرت مولانا نانوتوی کا افادہ مولانا گیلانی نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت مولانا نانوتوی فرماتے تھے کہ:

"اجتماعی مدرسوں کا نقصان یہ ہے کہ ان سے علم کی کیفیت روز بروز گھٹنے لگتی ہے۔" (۳)

(۱) ارواح ثلاثہ ص ۲۶۶۔ (۲) ارواح ثلاثہ ص ۱۳۱۔ (۳) سوانح قاسمی مولانا گیلانی ص ۲۱۴ ج ا۔

حضرت مولانا محمد قاسم کی اپنے بچپن اور زمانۂ تعلیم کی یاد

حضرت مولانا محمد قاسم ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"احمد کو دیوبند بھیج دیا ہے، خدا جانے کیا کرتا ہے جب یہ خیال آتا ہے کہ وہ کھلار، پڑھانے والے کثیر المشاغل، اس پر ادب کم ترین مانع تادیب، تو ایک یاس سی ہو جاتی ہے اور جب اپنی کیفیت ایام تحصیل یاد آتی ہے تو امید ہو جاتی ہے۔ (فرائد قاسمیہ ص ۱۰۴۔ طبع اول دہلی: ۱۴۰۰ھ)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی قبر کو پختہ نہ کرنے اور اس کا احاطہ نہ بنانے کی حضرت گنگوہی کی ہدایت

حضرت مولانا نے حافظ لیاقت علی دیوبندی کو ایک خط میں تحریر فرمایا تھا کہ:

"اور احاطہ (وچبوترہ) قبر مولوی صاحب کا نہ جائز ہے، نہ اجازت دیتا ہوں، یہ اپنا عمل و مسلک ہے آئندہ ہر شخص اپنی رائے کا مختار ہے کون کسی کی سنتا ہے"

(مجموعہ مکتوبات حضرت مولانا گنگوہی و حضرت حاجی امداد اللہؒ، بنام منشی لیاقت علی دیوبندی ص ۸۔ نسخۂ مؤلف مملوکہ راقم سطور)

مولانا اعزاز علی امروہوی نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ:

"مولانا قاسم صاحب نانوتوی کے سوانح حیات کی تدوین و تالیف کا قرضہ دار العلوم کے ہر ایک فارغ التحصیل کے ذمہ ہے"

روایت و تحریر مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی
مضمون: یاد ماضی کے چند نقوش ص ۳۶
ماہنامہ: دار العلوم دیوبند اگست ۱۹۵۵ء

حضرت مفتی الہی [illegible]

ایک دینی علمی تحقیقی تصنیفی ادارہ ہے جس میں برصغیر ہند کے ممتاز علماء خصوصاً سلسلۂ حضرت شاہ ولی اللہ، وابستگان حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی، علمائے دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور نیز ضلع مظفر نگر، سہارنپور، میرٹھ کے اکابر و اعیان کی تصانیف علمی آثار اور حالات پر بفضلہٖ تعالیٰ بہت معقول اور مناسب ذخیرہ فراہم ہے قلمی اور مطبوعہ کتابیں اخبارات و رسائل کے فائل دیگر مآخذ تحریرات یادداشتیں وغیرہ فراہم ہیں، جس میں آہستہ آہستہ اضافہ ہو رہا ہے اور ہوتا رہتا ہے۔ اس کے علمی ذخیرہ سے علماء اہل مدارس محققین ہند پاکستان اور عرب ملکوں کی متعدد یونیورسٹیوں کے اسکالرس استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ مہمانوں اور محققین و طلباء کو جہاں تک ممکن ہے سہولت بہم پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس وقت تک علاوہ اور خدمات کے مختلف قلمی اور مطبوعہ کتابوں اور اخبارات و رسائل نیز تحریرات کے بیس ہزار سے زائد صفحات کے فوٹو اسٹیٹ محققین اور اسکالر کو فراہم کئے گئے۔ اور (عربی اردو فارسی ہندی اور انگریزی کی) ہند پاکستان میں تقریباً چونتیس پینتیس کتابیں ایسی شائع ہو چکی ہیں، جس میں اس لائبریری کی کتابوں اور سرمایہ سے استفادہ کا اعتراف فرمایا گیا ہے۔

اکیڈمی کا ایک دینی علمی تحقیقی تاریخی مجلہ سہ ماہی احوال و آثار ۱۴۱۵ھ (۱۹۹۶ء) سے شائع ہو رہا ہے، جس کو ہند پاکستان کے نامور علماء اور اہل نظر محققین نے سراہا ہے اور اسکے علمی معیار کی تحسین فرمائی ہے۔

اکیڈمی کا دینی علمی تحقیقی کتابوں کی تصنیف و اشاعت کا ایک طویل منصوبہ ہے چند چھوٹی چھوٹی کتابیں چھپی ہیں مزید کام جاری ہے۔ مجلہ صحیفۂ نور بھی اسی سلسلہ تصنیف و اشاعت کا ایک حصہ ہے، جس میں ہر سال کسی ایک بڑی دینی ملی شخصیت یا موضوع کے حالات و کمالات اور غیر مطبوعہ تصانیف اور مآثر و مکتوبات وغیرہ شائع کئے جائیں گے۔

پہلا شمارہ جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے حالات و کمالات اور علوم و متعلقات پر مشتمل ہے پونے آٹھ سو صفحات پر شائع ہو چکا ہے۔ ادارہ کی کتابوں اور رسائل کی خریداری ہمارے کام کو آگے بڑھانے میں امداد کرے گی آپ کا تعاون ادارہ کے مقاصد کو آگے بڑھانے میں معاون ہو گا۔

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی

مولویان، کاندھلہ ضلع مظفر نگر (یوپی) الہند

مآثرِ قاسمی

جس میں مکتوبات کے مضامین ومکتوب الیہ اصحاب
کی مفصل فہرست اور اشاریہ شامل ہے

قاسم العلوم، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مکتوبات گرامی
ان کے مضامین اور مکتوب الیہ اصحاب

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تالیفات، افادات
اور مکتوبات کا ناتمام اشاریہ

صحیفۂ نور

مکتبۂ نور ـ مولویان، کاندھلہ ضلع مظفر نگر، یوپی ہند

قاسم العلوم

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مکتوبات گرامی
ان کے مضامین اور مکتوب الیہ
(مختصر تعارف)

از:......نور الحسن راشد کاندھلوی

(۱)

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتہ واسعہ کی ذات گرامی سے علم کے جو دھارے بلکہ دریا جاری ہوئے ان کی وسعت و ثروت اور ثمرات و منافع کا جائزہ لینا اور اندازہ کرنا کسی ایک آدمی کے بس کی بات نہیں، آج برصغیر بلکہ دنیا کے تمام ملکوں اور براعظموں کا کون سا خطہ ایسا ہے جہاں حضرت مولانا کی ذات عالی سے جاری فیضان کے چشمے نہیں ابل رہے ہیں اور خصوصاً برصغیر ہند پاکستان میں علم نافع یعنی علوم دین و شریعت کی کون سی شاخ اور کون سا چمنستان و گلستان ایسا ہے جو فیضان قاسمی سے منور اور کسی نہ کسی راستہ اور واسطہ سے علوم قاسمی سے فیضیاب و بہرہ ور نہیں ہے؟

مگر یہ بات اہم اور حیرت انگیز ہے کہ حضرت مولانا کا یہ فیضان (دار العلوم دیوبند) کے علاوہ حضرت مولانا کی صرف چند تصانیف کی برکت اور حضرت کے ان علوم کا ایک پرتو ہے جس کا بہت کم حصہ قلم بند ہوا اور جو قلم بند ہوا اس میں سے خاصا حصہ محفوظ نہیں رہ سکا اور جو محفوظ اور باقی رہا وہ بھی پورا کا پورا نہیں چھپا اور اس کا تقریباً ایک تہائی حصہ یا کچھ کم ابھی تک اشاعت سے محروم ہے لیکن

حضرت کے علوم کا جس قدر بھی سرمایہ محفوظ ہے اس میں حضرت کا اپنا لکھا ہوا بڑا حصہ وہ ہے جو حضرت کے مکتوبات میں محفوظ ہو گیا ہے۔

کیوں کہ حضرت مولانا کی تصنیف کی طرف توجہ کم تھی اس لیے حضرت مولانا کی تصانیف کی تعداد زیادہ نہیں، لیکن جس قدر بھی تصانیف و مولفات ہیں ان میں سے بھی دو تین ہی کتابیں ایسی ہیں جو شروع سے آخر تک حضرت نے تحریر فرمائی ہیں۔ یہ کتابیں ہدیۃ الشیعہ، آب حیات، قبلہ نما اور حجۃ الاسلام ہیں، ان کے علاوہ حضرت مولانا کے نام سے معروف کتابوں میں زیادہ تر وہ ہیں جو حضرت مولانا نے لکھنی شروع کی تھیں مگر ان کو پورا کرنے کا موقع نہیں ملا، مولانا کے کسی شاگرد نے اس کو پورا کیا، یا کوئی تقریر تھی جس کو کسی نے لکھ لیا اور ایسا بھی ہے کہ حضرت مولانا کے افادات کو کسی شاگرد نے مرتب کیا اور وہ کتاب حضرت کے نام سے چھپی اور اسی حیثیت سے مشہور ہوئی، لیکن حضرت مولانا کے مکتوبات کا معاملہ اس سے مختلف ہے، حضرت مولانا کے جو مکتوبات چھپے ہوئے ہیں یا معلوم ہیں حضرت مولانا سے ان کی نسبت ہر پہلو سے مستند ہے، خطوط کا بہت بڑا حصہ مولانا کے اپنے قلم کا لکھا ہوا ہے اور جو خطوط املاء کرائے ہیں ان کا بھی حرف حرف حضرت مولانا کی زبان سے نکلا ہوا، یا مولانا کی ہدایت کے مطابق تحریر شدہ ہے اور ان مکتوبات میں جو کچھ بھی علمی افادات، ذاتی احوال اور دوسری معلومات ہیں اس میں کسی دوسرے کی شرکت کا سوال ہی نہیں۔ اس پہلو سے قطع نظر اگر بحیثیت مجموعی بھی حضرت مولانا کے مکتوبات کا سرمایہ اپنی معنویت اور علمی افادی پہلو میں حضرت مولانا کی تصانیف کے ذخیرہ سے اگر زیادہ نہیں تو کچھ کم بھی نہیں ہے۔

حضرت مولانا کے مکتوبات کی جمع و ترتیب کا کام سب سے پہلے کب شروع

ہوا اور کس نے انجام دیا اس کی تحقیق نہیں، مگر جو مجموعہ سب سے پہلے شائع ہوا وہ قاسم العلوم ہے۔ جس کے جامع، مرتب اور ناشر مطبع مجتبائی کے بانی و مالک منشی ممتاز علی میرٹھی تھے۔ اس کے بعد متعدد حضرات نے مختلف حیثیتوں سے، مختلف عنوانات کے تحت اپنی اپنی پسند یا دستیاب مکتوبات کے مطابق علیحدہ علیحدہ مجموعے مرتب کئے۔

پھر ان مجموعوں کی الگ الگ کیفیت ہے، کچھ ان میں سے آج تک شائع نہیں ہوئے، کچھ ایک مرتبہ چھپے ہیں، چند کی بار بار اشاعت ہوئی اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کا کوئی حصہ چھپا کوئی نہیں چھپا اور کئی مجموعے ایسے ہیں جو ایک مرتبہ چھپ کر گمنام ہو گئے، اسی میں ایک مجموعہ ایسا بھی ہے (فرائد قاسمیہ) جو تقریباً بیس سال پہلے بڑی جد و جہد کے بعد پہلی بار چھپا تھا، غالباً اب وہ بھی کم یاب ہے۔

نیز حضرت کے مکتوبات کے کم از کم تین مجموعے ایسے ہیں جو اب تک نہیں چھپے بلکہ ان کا عموماً علم اور تعارف بھی نہیں اور حضرت کے تقریباً پچیس گرامی نامے ایسے بھی ہیں جو کم از کم ایک مرتبہ چھپے ہیں لیکن وہ ایسی کتابوں یا مجموعوں میں شامل ہیں کہ ان کتابوں کے نام یا عمومی تعارف سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ اس میں حضرت مولانا کے گرامی نامے شامل ہوں گے لہٰذا

یہاں ان سب کا تذکرہ بھی کیا جا رہا ہے۔

سب سے پہلے حضرت مولانا کے مکتوبات کے ان مجموعوں کا ذکر آئے گا جو چھپے ہوئے اور نسبتہً متعارف ہیں، اس کے بعد ان مکتوبات کا جو دیگر تصانیف کتابوں یا مکتوبات کے مجموعوں میں ہیں، آخر میں ان گرامی ناموں اور مکتوبات کے مجموعوں کا ذکر ہوگا جن کا صرف ایک ایک نسخہ معلوم ہے اور وہ بھی غیر متعارف ہے۔

حضرت مولانا کا تصنیف و تالیف اور علمی موضوعات پر خط لکھنے کا بہت کم

معمول تھا، خاص طور سے متنازعہ یا اختلافی موضوعات پر لکھنے سے خاص احتیاط کرتے تھے۔ لیکن جب حضرت مولانا سے بطور خاص کسی مسئلہ کے متعلق دریافت کیا جاتا تھا اور حضرت مولانا کے جواب یا تحقیق سے اس الجھن کے دور ہونے یا مسئلہ کی تحقیق پر اطمینان کی امید ہوتی تھی، یا کسی دینی شرعی مسئلہ کی عقلی وجہ معلوم کی جاتی، اس وقت حضرت مولانا کا قلم حرکت میں آجاتا تھا، ورنہ عموماً حضرت مولانا خاموش رہتے تھے اور اختلافی مباحث و سائل سے کنارہ کش رہنے کی پوری کوشش فرماتے تھے۔ حضرت مولانا نے اپنے اس مزاج و مذاق کا ایک خط میں اس طرح ذکر فرمایا ہے:

''یہاں تک نوبت پہنچی کہ ترجمہ کرنے والے بلکہ ترجمہ پڑھنے والے اپنے فہم کے پیرو ہوئے۔ مولانا صاحب! یہ نوبت پہنچی تو ایسے وقت استفتاء اور فتویٰ کسی مرض کی دوا ہے، بجز اس کے اختلاف سابق میں ایک اور شاخ نکل آئے۔ اب دہریہ اور جہمیہ جدا جدا ہوگئے، ہر کوئی اپنے وضع کی سنتا ہے، مولویوں کی بات اگر سنتے ہیں تو اس کان سے آئی دوسرے کان سے نکل گئی۔ ایسے وقت میں اس حدیث پر عمل کا وقت ہے: ''اذا رایت هوی متبعا، وشحا مطاعاً، ودنیا موثرة، واعجاب کل ذی رای برائه، فعلیك بخاصة نفسك ودع امر العوام''- او کما قال

علاوہ بریں اپنی کم علمی اور بے سر و سامانی سے اب تک مسائل ضروریہ مشہورہ میں بھی مجھ کو جواب دینے کا اتفاق نہیں ہوتا، ہاں اتنی بات ہے کہ اگر مسئلہ معلوم ہوتا ہے اور احباب کو اس کی وجہ کی تلاش ہوتی ہے اور مجھ تک مشورہ کی نوبت ہے تو اگر بذریعہ خطوط استفسار کی

نوبت آتی ہے تو کبھی کبھی بہت سے تقاضاؤں کے بعد تحریر کا اتفاق ہو جاتا ہے"[1]

مگر آخر میں اس سے بھی احتیاط فرمانے لگے تھے اس کی وجہ بھی حضرت مولانا کے اسی خط سے معلوم ہو رہی ہے، تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب اس سے بھی احتراز ہی اولیٰ معلوم ہوتا ہے، ہدایت کی کوئی صورت نہیں۔ البتہ فتنہ برپا ہو جاتے ہیں، اس لیے مجھ کو ان سوالوں کے جواب میں کچھ عرض معروض کرنا بھی دشوار ہے"[2]

مگر یہ خطوط بھی (جو حضرت مولانا عموماً دوستوں اور علماء کے سخت اصرار پر لکھتے تھے، ہمیشہ قلم برداشتہ تحریر فرماتے تھے اور نازک سے نازک موضوع پر طویل سے طویل تحریر یا خطوط عموماً ایک دو نشستوں میں مکمل فرما لیتے تھے اور جو کچھ تحریر فرماتے اور وہ خزینہ دماغ میں محفوظ ہوتا تھا، اس کے لیے کسی کتاب سے رجوع کرنے کی، مطالعہ کی، مراجعت کی یا یادداشت دیکھنے کی کبھی (شاید ایک مرتبہ بھی) ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ جو سینہ میں ہوتا کاغذ کے سفینہ کی نذر کر دیا جاتا تھا، علمی مکتوبات کی تحریر میں یہی طریقہ کار فرما رہا جس کا ذکر حضرت مولانا نے متعدد خطوط میں بار بار ذکر کیا ہے لیکن خطوط لکھنے کے کم معمول کے باوجود جو خطوط لکھے گئے، غالباً اس میں سے اکثر خط محفوظ ہیں۔

ناچیز کو حضرت مولانا کے ایک سو بارہ (١١٢) مکتوبات کا علم ہے۔ یہ گرامی نامے حضرت مولانا کی نو تالیفات و مکتوبات کے مجموعوں اور دیگر اصحاب کی نو کتابوں اور مصنفات کل اٹھارہ کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ مکتوبات علمائے ہند میں مقبول تینوں زبانوں اردو، فارسی اور عربی میں ہیں، جس میں سے

---

[1]،[2] مکتوب بنام نصر اللہ خاں صاحب۔ فرائد قاسمیہ صفحہ ٩٥،٩٤ (دہلی: ١٤٠٠ھ)

آدھے چھپن (٥٦) اردو میں، آدھے سے کچھ کم چون (٥۴) فارسی میں، اور صرف دو خط عربی میں ہیں۔ اور ان تمام مکتوبات کو مجموعی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، علمی، ذاتی اور مشترک!

حضرت مولانا کے علمی بیشتر خطوط کسی سوال کے جواب میں لکھے گئے ہیں، مگر ان میں سے اکثر وہ ہیں جو کسی ایک بحث یا موضوع پر مشتمل ہیں، اور ان میں اپنے 'مکتوبات الیہ' یا طرفین کے متعلقین کے ذاتی احوال کا کچھ ذکر نہیں۔ دوسری قسم ان خطوط کی ہے جو ذاتی نوعیت کے ہیں، ان میں صرف اپنے یا مکتوب الیہ کے حالات اور گھریلو باتوں پر توجہ مرکوز ہے۔ ایک قسم اور بھی ہے، یہ وہ خطوط ہیں کہ جو اگرچہ ذاتی نوعیت کے ہیں، مگر ان میں کوئی بحث یا اختلافی مسئلہ بھی موضوع گفتگو ہے۔ تینوں قسم کے خطوط کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ مناسب ہے۔

علمی موضوعات پر جو گرامی نامے تحریر فرمائے ہیں ان کے مباحث میں بڑا تنوع اور وسعت ہے، ان میں اسرار دین و شریعت کی گفتگو ہے، تفسیر و حدیث کے نُکات کی گرہ کشائی فرمائی گئی ہے، فقہی مسائل بھی زیر قلم آئے ہیں، تراویح و قرأت ضاد، جمعہ اور اُس دور میں موضوع بحث بنے ہوئے مسائل پر بھی توجہ فرمائی گئی ہے، ہندوستان کی شرعی حیثیت اور اس کے دارالحرب ہونے نہ ہونے اور یہاں عقود فاسدہ پر بھی اظہار خیال فرمایا گیا ہے، شرک و بدعت کے کلیدی مباحث کو بھی واضح کیا ہے، مختلف دینی فرقوں کے نظریات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے، امکان نظیر کے واضح دلائل تفصیل سے لکھے ہیں، امتناع نظیر کے ماننے والوں کے دلائل کا علمی تجزیہ فرمایا ہے، رد شیعیت پر بھی خاص توجہ ہے، خلافت و امامت اور باغ فدک وغیرہ کے مشہور اختلافی موضوعات کا بھی علمی عقلی جائزہ لیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے بگاڑ و زوال کے اسباب کا ذکر آیا ہے، اپنوں کی اندرونی

کمزوریوں پر بھی کہیں کہیں احتساب کیا ہے، غرض بیسیوں موضوعات و مباحث ہیں جو ان مکتوبات میں زیر قلم آئے ہیں، لیکن ہر اک کی جامعیت مضامین کی فراوانی اور دلائل کی گہرائی و گیرائی کا یہ عالم ہے کہ ہر تحریر منفرد اور ہر بحث حرف آخر معلوم ہوتی ہے۔

ان مکتوبات میں حضرت کا خاص اسلوب بیان ہے، جو بڑی حد تک فلسفیانہ ہوتا ہے اور بعض تعبیرات بھی ایسی میں جو کہیں اور نظر نہیں آتیں اور بعض جگہ فکر ایسی عمیق اور پرواز ایسی بلند ہے کہ اس کا سمجھنا آسان نہیں ہوتا، مجھ بے علم وصلاحیت کا تو ذکر ہی فضول ہے، کئی بڑے بڑے اہل علم بھی اس وسعتِ پرواز کے سامنے خود کو عاجز و درماندہ پاتے ہیں، حالاں کہ ایسے کئی موقعوں پر زبان اردو ہے، مگر مفہوم مشکل سے گرفت میں آتا ہے، ہر لفظ مخزنِ اسرار ہے اور ہر فقرہ معدنِ معانی۔

مکتوبات کی دوسری قسم ذاتی خطوط کی ہے، جن میں اپنے ذاتی گھریلو یا خاندانی معاملات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان خطوط میں بھی ایک قسم ان مکتوبات کی ہے کہ جو اگرچہ ذاتی حیثیت میں لکھے گئے مگر یہ خطوط ملی اجتماعی معاملات کے متعلق ہیں، اس لیے ان کی حیثیت نجی ذاتی خطوط سے کسی قدر مختلف ہے، دینی علمی اختلافی موضوعات پر جو خط لکھے گئے ہیں ان کی الگ الگ نوعیتیں ہیں ان کا کسی قدر تفصیلی ذکر آرہا ہے مگر اس سے پہلے ذاتی خطوط کا اجمالی تذکرہ مناسب ہے۔ ان خطوط میں سب سے اہم وہ مکتوبات ہیں جو حضرت مولانا نے اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ کے نام تحریر کئے ہیں۔ نجی خطوط کی دوسری قسم ان مکتوبات کی ہے جو مولانا نے اپنے قریبی متعلقین یا اہل خانہ کو لکھے تھے اور تیسرے خطوط وہ ہیں جن کو مشترک کہا جاسکتا ہے، یہ خطوط سر سید احمد خاں اور آریہ سماج

کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کو لکھے گئے تھے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے نام جملہ گرامی نامے فارسی میں ہیں، ان میں سے ایک خط بھی اردو میں نہیں ہے، یہ خطوط خاصے مفصل ہیں اور ان کے ذریعے سے حضرت مولانا کے ذاتی حالات و معاملات، اعزاء و اقارب کے احوال اور دوسری بعض ایسی تفصیلات و اطلاعات مل جاتی ہیں جن کا اور ذرائع سے علم نہیں ہوتا۔ پنڈت دیانند سرسوتی کے نام تمام خط اردو میں ہیں، اور اس میں دو تین خط بہت مفصل، بلکہ ایک رسالہ کے قائم مقام ہیں۔

حضرت حاجی صاحب کے نام خطوط سراپا عجز و انکسار ہیں۔ ان میں ذاتی احوال خاندان اور اعزاء کی کیفیات، نانوتہ، رام پور، تھانہ بھون، کاندھلہ کے رہنے والے حضرت حاجی صاحب کے اقرباء اور متوسلین کا مختصر مختصر ذکر ہے۔ کسی کی بیماری کا، کسی کی وفات کا، کسی کی نالائقی کا، کسی کی لیاقت کا، نیز ان خطوط میں اپنی ذات کی نفی اور عجز و انکسار کا عنصر نمایاں ہے، ان خطوط کی زبان بالکل سادہ ہے، علم کی تراوش، زبان و بیان کا زور، بے تکلفی کا انداز ان میں مفقود ہے، لیکن جو خطوط اپنے خاص دوستوں یا ممتاز شاگردوں کو لکھے ہیں، ان کا طرز تحریر مذکورہ خطوط سے بہت مختلف ہے، ان میں قلم کی روانی اور علم کا فیضان جوش پر ہے، کہیں کہیں بے تکلفی کا خاص انداز ہے بعض خطوط میں مزاح کی چاشنی بھی ہے اور طنز کی نشتریت بھی۔

تیسری قسم مشترک خطوط کی ہے، ان کو اس پہلو سے مشترک کہا جاسکتا ہے کہ یہ اگرچہ اہم دینی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں، مگر ذاتی حیثیت سے لکھے گئے ہیں اور یہ اسلوب تحریر کے لحاظ سے بھی پہلے دونوں قسم کے خطوط سے کسی قدر مختلف ہیں، ان کی زبان اور علمی خطوط کی نسبت سادہ و پر وقار ہے، جس میں نہ حضرت حاجی صاحب کے نام تحریر مکتوبات کی سی تواضع ہے اور نہ دیگر علمی خطوط

کا فلسفیانہ انداز اور دقیق فنی منطقی تعبیرات و اصطلاحات، سر سید احمد کے نام تحریر گرامی نامہ (جو تصفیۃ العقائد میں شامل ہے) اور سوامی دیانند سر سوتی سے مباحثہ رڑکی کے موقع پر خط و کتابت اسی اسلوب کی نمائندہ اور یادگار ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس ذخیرہ میں سے متعدد مکتوب یا مکتوبات کے مجموعے حضرت مولانا کی مستقل تصانیف کی حیثیت سے متعارف ہیں، حالاں کہ یہ تصنیف نہیں ہیں بلکہ مکتوبات ہیں۔ حضرت مولانا کی تصانیف میں سے مصابیح التراویح واحد تالیف ہے کہ جو ایک خط تھا اور اس کو خود حضرت مولانا نے تصنیف کی حیثیت سے مرتب کر دیا تھا، یہ مفصل خط حضرت مولانا نے مولانا سید احمد حسن امروہوی کے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا پھر اس پر ایک تمہید لکھ کر اور جزوی اضافے فرما کر اس کو مصابیح التراویح کے نام سے موسوم کر دیا تھا۔ یہ مکتوب یا تالیف اسی نام سے شائع اور متعارف ہے۔

اس کے علاوہ بھی حضرت مولانا کے چند خط (یا کسی ایک موضوع پر لکھے گئے خطوط) ایسے ہیں جو حضرت مولانا کی زندگی میں یا وفات کے بعد مستقل تالیف کی صورت میں شائع کئے گئے اور وہ سب حضرت مولانا کی تالیف میں شمار کئے جاتے ہیں، مگر ان کی موجودہ ترتیب و اشاعت سے مکتوب نگار (حضرت مولانا) کا کچھ تعلق نہیں۔ مولانا کے تلامذہ، مکتوب الیہ، اصحاب، یا ناشرین نے ان خطوط کی افادیت کی خاطر ان کو حضرت مولانا کی تالیف کی حیثیت سے کتابی صورت میں شائع کر دیا تھا۔

حضرت مولانا کی ایسی تصانیف جو مکتوبات پر مبنی ہیں مگر حضرت مولانا نے ان کو اس حیثیت سے مرتب نہیں کیا تھا یہ کل چھ کتابیں ہیں: انتباہ المومنین، اجوبۂ اربعین، تحذیر الناس، تصفیۃ العقائد، مناظرۂ عجیبہ اور اسرارِ قرآنی، یہ سب ایک

موضوع پر مشتمل ایک خط یا خطوط کے مجموعے ہیں، ان کی بھی دو قسمیں ہیں، پہلی تینوں کتابیں یا مجموعے حضرت مولانا کی زندگی میں (وفات ۱۲۹۷ھ) مستقل نام سے کتابی صورت میں علیحدہ چھپ گئے تھے اور اسی وقت سے حضرت مولانا کی تالیفات شمار کئے جاتے ہیں، مگر ان کے نام اور کتابی صورت میں اشاعت، ناشرین یا مکتوب الیہ اصحاب کی قدردانی کا ثمرہ ہے۔ حضرت مولانا کو (غالباً) ان تینوں کتابوں خصوصاً مؤخر الذکر کے چھپنے کا، اشاعت کے بعد علم ہوا، مذکورہ مولفات یا مجموعوں میں ترتیب اور اشاعت کے لحاظ سے انتباہ المؤمنین کو اولیت حاصل ہے۔

انتباہ المؤمنین: مولوی الٰہی بخش کے نام خط ہے، جس میں مناقب شیخین وحضرت علی رضی اللہ عنہم میں ایک حدیث کی وضاحت وشرح کی گئی ہے۔ یہ خط حضرت مولانا نے غالباً میرٹھ کے قیام کے زمانہ میں تحریر فرمایا تھا، یہ مفصل مکتوب جو فارسی میں اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے (حضرت مولانا کے استاذ زادے) مولانا حبیب الرحمٰن (خلف حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری) نے اپنے مطبع احمدی میرٹھ سے شعبان ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) میں شائع کیا تھا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انتباہ المؤمنین حضرت مولانا کی پہلی مفصل تحریر ہے جو مولانا کے نام سے چھپی ہے اس سے پہلے حواشی صحیح بخاری میں حضرت مولانا کی شرکت ہوئی تھی، مگر اس پر حضرت مولانا کا نام درج نہیں تھا اور مطبع مجتبائی میرٹھ سے شائع قرآن شریف اور حمائل کی تصحیح فرمائی تھی وہ بھی چھپی تھیں ان کے مصحح کی حیثیت سے حضرت مولانا کا نام درج ہے، مگر ظاہر ہے کہ تصحیح کی اس خدمت کو تصانیف میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

ب۔ اجوبۂ اربعین کا پہلا حصہ مولانا محمد یعقوب کے نام مفصل خط اور مولانا کی فرمائش کی تعمیل میں شیعوں کے تیئیس سوالات کا جواب ہے۔ ان خطوط کو

شیعوں کے ان ہی اعتراضات کے مولانا نانوتوی کے داماد مولانا عبد اللہ انصاری[1] کے لکھے ہوئے جوابات کے ساتھ یکجا مرتب کر کے منشی محمد حیات نے ۱۲۹۱ء میں مطبع ضیائی میرٹھ سے اجوبۂ اربعین کے نام سے شائع کر دیا تھا۔[2]

ج:۔ تحذیر الناس بھی ایک خط کی کتابی شکل ہے، یہ خط مولانا محمد احسن نانوتوی کے ایک سوال یا مکتوب کے جواب میں لکھا گیا تھا، مولانا محمد احسن نے اس جواب کو حضرت مولانا کی اجازت و اطلاع کے بغیر، مطبع صدیقی بریلی سے تحذیر الناس کے نام سے کتابی صورت میں شائع کر دیا تھا (طبع اول ۱۲۹۱ء)

حضرت مولانا کی تالیفات میں شمار تین اور کتابیں تصفیۃ العقائد، مناظرۂ عجیبہ اور اسرارِ قرآنی بھی کسی ایک موضوع پر لکھے گئے خطوط (یا خط) ہیں، مگر یہ مذکورہ تینوں تالیفات سے اس وجہ سے مختلف ہیں کہ پہلی تینوں کتابیں حضرت مولانا کی حیات میں مرتب ہو کر شائع ہو گئی تھیں اور مؤخر الذکر حضرت مولانا کی وفات کے بعد مرتب اور شائع ہوئیں۔

تصفیۃ العقائد میں سر سید احمد کے نام خطوط اور وہ تحریریں ہیں جس میں سر سید احمد کے مذہبی خیالات و نظریات پر بحث و گفتگو فرمائی گئی ہے۔ یہ خطوط حضرت مولانا کی کتابوں کے ایک اہم ناشر منشی محمد حیات نے مرتب کر کے مطبع

[1] مولانا عبد اللہ انصاری، خلف مولانا انصار علی انبٹوی (وفات ۱۳۴۲ھ) مولانا محمد قاسم کے داماد تھے۔ مفصل تعارف کے لیے ملاحظہ ہو: راقم سطور کا مضمون: مشمولہ مجلہ فکر و نظر علی گڑھ، کاناموران علی گڑھ نمبر، جلد دوم (۱۹۸۶ء)

[2] اجوبۂ اربعین کا دوسرا حصہ بھی شیعوں کے سوالات و نظریات کے جواب اور تردید پر مشتمل حضرت مولانا کی مختلف تحریروں کا مجموعہ ہے، مگر اول تو یہ مجموعہ حضرت مولانا کی وفات کے بعد مرتب اور شائع ہوا ہے جیسا کہ اس کے خاتمۃ الطبع سے ظاہر ہے۔ دوسرے اس میں کچھ اور فروگذاشتیں بھی رہ گئیں تھیں، تین سوالات اور ان کے جوابات اور درمیان سے چار صفحات جو تمام حضرت مولانا محمد قاسم کی تالیف تھے، ضائع ہو گئے تھے دوبارہ یہ جوابات حضرت کے شاگرد رشید (شیخ الہند) مولانا محمود حسن سے مکمل کرائے گئے تھے۔ یہ حصہ مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع ہوا تھا۔

ضیائی میرٹھ سے شعبان ۱۲۹۸ھ میں شائع کئے تھے۔

مناظرہ عجیبہ حضرت مولانا نے تحذیر الناس میں خاتمیتِ زمانی و مکانی کی بحث فرمائی تھی، مولانا عبد العزیز امروہی نے اس پر کچھ شبہات کئے اور حضرت مولانا سے ان کا حل چاہا۔ حضرت مولانا عبد العزیز کے اعتراضات کے جوابات دیئے۔ طرفین میں اس موضوع پر جو خط و کتابت ہوئی تھی مولانا محمد حسن (خلف مولانا احمد حسن مراد آبادی) نے اس کو مناظرۂ عجیبہ کے نام سے مرتب کر دیا تھا۔ یہ مجموعہ پہلی مرتبہ مطبع گلزار ابراہیم مراد آباد سے شائع ہوا تھا، اس پر سنہ طباعت درج نہیں، مگر یہ صراحت ہے کہ اس مجموعہ کی ترتیب واشاعت کی خدمت حضرت مولانا کی وفات کے بعد انجام پائی تھی۔

اسرار قرآنی: قرآن شریف کی آیات و کلمات اور مثنوی مولانا روم وغیرہ کے بعض اشعار کے حل اور تحقیق میں متعدد خطوط کا مجموعہ ہے۔ یہ خطوط مولانا محمد صدیق مراد آبادی، مولانا احمد حسن امروہوی مرزا عبد القادر بیگ وغیرہ کے نام ہیں۔ یہ مجموعہ مولانا مفتی محمد ابراہیم شاہجہان پوری نے مرتب کیا تھا، جو پہلی بار ۱۳۰۴ھ میں مراد آباد سے شائع ہوا۔

مکتوبات کے مندرجہ بالا یہ مجموعے وہ ہیں جو حضرت مولانا کی تصانیف کی حیثیت سے شائع ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ بھی حضرت مولانا کے مکتوبات کے متعدد مجموعے ہیں، جس میں سب سے ضخیم، قدیم اور اہم ترین مجموعہ مکتوبات سلسلہ قاسم العلوم ہے۔

(۱) قاسم العلوم: مطبع مجتبائی میرٹھ، دہلی کے مالک منشی ممتاز علی کی یادگار ہے۔ منشی ممتاز علی حضرت مولانا کے علوم و کمالات کے قدر شناس تھے۔ منشی جی نے حضرت مولانا کے مکتوبات رسالہ کی صورت میں قسط وار شائع کرنا شروع کئے تھے

اور اس کا نام قاسم العلوم رکھا تھا، قاسم العلوم کی پہلی تین قسطیں پندرہ پندرہ دن کے وقفہ سے شائع ہوئیں[1]، چوتھی اور آخری قسط دو مہینہ کے بعد چھپی، غالباً دقیق علمی مضامین کی وجہ سے اس سلسلہ کو زیادہ فروغ نہیں ہوا، اس لیے اس مفید مجلّہ کی چار قسطوں پر اشاعت ختم ہو گئی۔

(۲) فیوض قاسمیہ: یہ مجموعہ مکتوبات حضرت مولانا کے شاگرد اور خادم مولانا عبدالعدل (خلف منشی عنایت علی) پھلتی نے مرتب کیا تھا۔ ۱۳۰۳ھ میں اس کی ترتیب عمل میں آئی تھی، ناشر کی صراحت کے مطابق اس میں چھتیس گرامی نامے شامل ہونے تھے، پہلے حصہ میں اکیس، دوسرے میں پندرہ، مگر اس کا صرف پہلا حصہ چھپا ہے، دوسرا حصہ (غالباً) شائع نہیں ہوا، راقم سطور کو دوسرے حصہ کے (قلمی یا مطبوعہ) نسخہ کا سراغ بلکہ کہیں حوالہ بھی نہیں ملا۔

(۳) جمال قاسمی: اس مختصر مجموعے میں حضرت مولانا کے وہ دو خط شامل ہیں جو حضرت مولانا نے اپنے دوست مولانا جمال الدین سہنسپوری، بجنوری دہلوی کو ۱۲۹۵ھ میں لکھے تھے۔ یہ مجموعہ ۱۳۰۹ھ (۹۲-۱۸۹۱ء) میں مرتب ہوا، اور اسی وقت مرتب کی تصحیح سے مطبع مجتبائی دہلی سے چھپا۔

(۴) لطائف قاسمیہ: اس مجموعہ میں حضرت مولانا کے آٹھ مکتوبات شامل ہیں، اس کے مرتب کا نام راقم سطور کو معلوم نہیں۔ یہ مجموعہ بھی ۱۳۰۹ھ (۹۲-۱۸۹۱ء) میں مطبع مجتبائی دہلی سے چھپا تھا۔

(۵) فرائد قاسمیہ: یہ مجموعہ مولانا کے ایک اور شاگرد مولانا عبدالغنی (پھلاوُدہ، ضلع میرٹھ) نے مرتب کیا تھا، اس میں سولہ گرامی نامے اور چند

---

[1] پہلی قسط پندرہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ کو چھپی۔ تیسری ۱۵ ربیع الثانی ۱۲۹۲ھ کو اور چوتھی پندرہ جمادی الثانی ۱۲۹۲ھ (۱۹ جنوری ۱۸۷۵ء) کو طبع ہوئی۔

افادات شامل ہیں۔ یہ مجموعہ عرصہ دراز تک غیر متعارف اور غیر مطبوعہ رہا، پہلی بار ۱۴۰۰ھ (۱۹۸۰ء) میں مولانا مفتی نسیم احمد فریدی کی توجہ سے دہلی سے چھپا۔ یہ اصل نسخہ کا عکس ہے۔

(٦) مکتوباتِ قاسمی: یہ مجموعہ ہنوز غیر مطبوعہ اور غیر متعارف ہے، یہ مجموعہ بھی مولانا عبد الغنی پھلاودی نے مرتب کیا تھا، اس کا واحد نسخہ جو محرم ۱۳۲۲ھ (۹/اپریل ۱۹۰۴ء) کو مولوی محمد ابراہیم پھلاودہ کے قلم سے مکمل ہوا ہے، ہمارے ذخیرہ میں ہے۔

نیز حضرت مولانا کے مکتوبات کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جس کا ایک خط بھی مذکورہ بالا مجموعوں میں شامل نہیں، یہ خطوط اکابر سلسلہ، دیوبند حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ محدث جلیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے مکتوبات کے مشترک مجموعوں میں درج ہیں، اس قسم کے بھی متعدد مجموعے ہیں۔

(الف) سب سے بڑا مجموعہ وہ ہے جس میں حضرت حاجی امداد اللہ کے ممتاز خلفاء (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ) کے خطوط حضرت حاجی امداد اللہ کے نام، نیز مولانا خلیل احمد انبہٹوی (شارح ابوداؤد رحمہم اللہ تعالیٰ) کے نام حضرت مولانا گنگوہی کے مکتوبات شامل ہیں، اس مجموعے کے جامع کا نام اور سنہ کتابت وغیرہ محقق نہیں مگر اس نسخہ اور مکتوبات کی اصلیت میں شک نہیں۔ اس مجموعہ میں حضرت حاجی امداد اللہ کے نام حضرت مولانا کے گیارہ مکتوبات درج ہیں اور یہ تمام خطوط فارسی میں ہیں اور ۹۲-۱۲۹۱ھ (۷۵-۱۸۷۴ء) کے لکھے ہوئے ہیں۔ راقم سطور نے اس مجموعے کا تعارف اور پہلے چار خطوط کا متن سہ ماہی احوال و آثار، کاندھلہ،

شوال، ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ (اپریل جون ۱۹۹۵ء میں) اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کر دیا تھا، باقی خطوط کے ترجمے اور حواشی کا کام بھی بفضلہٖ تعالیٰ مکمل ہو گیا ہے اور جلد ہی شائع کیا جا رہا ہے۔

(ب) ایسا ہی دوسرا مجموعہ، مکتوباتِ قاسمیہ ہے، اس کے نام سے خیال ہوتا ہے کہ اس میں صرف حضرت مولانا قاسم کے مکتوبات ہوں گے، مگر یہ خیال صحیح نہیں۔ یہ مجموعہ خلیفہ بشیر احمد دیوبندی کے نام حضرت حاجی امداد اللہ، حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم رحمہم اللہ کے سترہ خطوط پر مشتمل ہے، جس میں سے آٹھ گرامی نامے حضرت مولانا محمد قاسم کے ہیں۔ اس مجموعہ کو (قدیم) دار المولفین[1] دیوبند نے شائع کیا تھا، اس پر سن ترتیب وطباعت درج نہیں۔

ج: مکتوبات اکابر دیوبند: حضرت مولانا عبد الغنی مجددی مہاجر مدنیؒ، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور اکابر علمائے دیوبند کے چوّن خطوں کا مجموعہ ہے، جس میں مولانا رفیع الدین مہتمم مدرسہ دیوبند اور شیخ ضیاء الحق دیوبند کے نام حضرت مولانا محمد قاسم کے گرامی نامے بھی شامل ہیں۔ یہ مجموعہ دفتری نور الحق دیوبند نے مرتب کیا تھا، مولانا نسیم احمد فریدی نے اس پر مقدمہ لکھا اور یہ مجموعہ ۱۹۸۰ء کے آغاز پر دیوبند سے چھپا تھا۔

یہ ان مکتوبات کا ذکر تھا جو حضرت مولانا کے مکتوبات کے خاص مجموعوں یا مشترک مجموعوں میں شامل ہیں، لیکن حضرت مولانا کے ان کے علاوہ اور بھی

---

[1] (قدیم) دار المولفین ریاست حیدر آباد (دکن) کے عطیہ سے دار العلوم دیوبند غالباً مولانا حبیب الرحمان (مہتمم دار العلوم دیوبند) کی نگرانی میں قائم ہوا تھا، اس ادارہ نے کئی کتابیں شائع کیں، اس کا معیار کتابت وطباعت عموماً نہایت عمدہ اور اعلیٰ ہوتا تھا۔ دیوبند میں دار المولفین کے نام سے ایک تالیفی اشاعتی ادارہ مولانا وحید الزماں کیرانوی نے بھی قائم کیا تھا۔ حال میں وہی معروف تھا اس لیے پرانے ادارے کے نام کے ساتھ قدیم کا اضافہ کر دیا ہے۔

مکتوبات مطبوعہ و معلوم ہیں اور ان کی بھی دو قسمیں ہیں: وہ مکتوبات جو مختلف مضامین میں ضمناً یا مستقل چھپے ہیں اور وہ خطوط جو کسی غیر متعلق کتاب میں ضمناً درج ہیں، پہلی قسم کے مکتوبات ہیں:

(۱) مکتوب جو جنگ بلقان کے وقت خلافت اسلامیہ (ترکی) کی حمایت میں ۱۰؍ شعبان ۱۲۹۴ھ ۲۰؍ اگست ۱۸۷۷ء کو لکھا تھا، یہ خط جو کسی مجموعہ میں شامل نہیں، یہ خط تقریباً ۱۳۳۹ھ میں حضرت مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا دریافت ہوا تھا، اسی وقت اس کا عکس اور متن ترجمہ کے ساتھ اور بلا ترجمہ علیحدہ علیحدہ چھپے تھے، اس خط کی ایک نقل جو غالباً مطبوعہ نسخہ سے کی گئی ہے، مولانا ابراہیم پھلاودہ کے قلم سے مکتوبات قاسمی قلمی کے آخر میں شامل ہے۔ مکتوبہ ۲۶؍ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ (۶؍ جنوری ۱۹۲۱ء)۔

(۲) مکتوب بنام منشی ممتاز علی: یہ خط بھی مکتوبات قاسمی قلمی مرتبہ مولانا عبدالغنی پھلاودہ کے آخر میں درج ہے اور بعد میں اضافہ کیا گیا ہے، یہ خط مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی نے اردو ترجمہ کے ساتھ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ، اگست ۱۹۵۴ء میں شائع کرادیا تھا۔

(۳) مکتوبات بنام مولانا صدیق احمد مراد آبادی (مولانا صدیق احمد حضرت مولانا کے شاگرد تھے) مولانا صدیق کے نام حضرت مولانا کے چند مکتوبات اسرار قرآنی میں شامل ہیں، یہ دو مکتوبات جو مولانا کے ذاتی کاغذات میں محفوظ تھے مولانا نسیم احمد فریدی کے مضمون "مولانا حکیم محمد صدیق مراد آبادی اور ان سے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی نادر تحریرات" میں شائع ہوئے ہیں۔ یہ مضمون ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ کے مارچ ۱۹۷۶ء (ربیع الاول ۱۳۹۶ھ) کے شمارہ میں چھپا تھا۔ حضرت مولانا کے درج بالا

مکتوبات کا راقم سطور کو علم ہے، ممکن ہے ان کے علاوہ بھی کچھ خطوط کسی مجموعہ مکتوبات میں یا علاحدہ چھپے ہوئے ہوں، مگر راقم سطور کو ان کا علم نہیں۔

دوسری قسم کا اہم ترین ذخیرۂ مکتوبات، وہ خطوط ہیں جو سوامی دیانند سرسوتی کے نام سوامی جی کے رڑکی کے قیام کے وقت لکھے تھے جن میں سوامی جی کو مجمع عام میں مناظرہ یا بالمشافہ گفتگو پر آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی، مگر طویل خط و کتابت کے باوجود سوامی جی اس پر تیار نہیں ہوئے تھے۔ یہ مراسلت جو ۹/اگست ۱۸۷۸ء (۹ شعبان ۱۲۹۵ھ) کو شروع ہو کر ۱۸/اگست ۱۸۷۸ء (۱۸/شعبان ۱۲۹۵ھ) کو ختم ہوئی تھی اس میں حضرت مولانا کے مفصل و مختصر دس خطوط اور سوامی دیانند کے جوابات کے علاوہ طرفین کے اشتہارات واعلانات بھی شامل ہیں۔ یہ اہم مراسلت سوامی دیانند کی سوانح حیات میں درج ہے، مگر حضرت مولانا کے احوال و سوانح پر لکھی گئی کتابوں اور مضامین میں اس کا حوالہ نہیں ملتا۔ یہ مراسلت راقم سطور نے اشاعت کے لیے تیار کرلی ہے، جو زیر نظر مضمون کے ساتھ ہی شائع کی جارہی ہے۔

یہ حضرت مولانا کے مکتوبات کے قدیم ترین نسخوں اور اشاعتوں اور متعلقہ کتابوں کا مختصر تعارف ہے جس میں مکتوبات کے اردو ترجموں شروحات اور ان پر مبنی کتابوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔ مذکورہ تفصیلات ایک مستقل مقالہ کا موضوع ہیں یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

(۲)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مکتوبات کے مجموعوں اور متعلقہ کتابوں کی فہرست

(الف)

حضرت مولانا کے مکتوبات اور تالیفات مشتمل مکتوبات کے قلمی مجموعے جو ابھی تک چھپے نہیں

نمبر	مکتوبات	مرتب	تالیف	کاتب	سنہ کتابت
۱	مکتوبات بنام حضرت حاجی امداداللہ	مولانا عبداللہ گنگوہی وفات ۱۳۳۹ و مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	ندارد	بہ ظاہر نقل نسخہ مولفین	مکتوبہ قبل از ۱۳۲۲ھ
۲	مکتوبات قاسمی قلمی	مولانا عبدالغنی پھلاودہ		بقلم محمد ابراہیم پھلاودہ	مکتوبہ ۱۳۲۲ھ
۳	تنویرالنبراس	مولانا عبدالغنی پھلاودہ	۱۲۹۱ھ	رر	مکتوبہ ۱۳۴۳ھ

(ب)

حضرت مولانا کی وہ تالیفات یا فہرست تالیفات میں شامل وہ کتابیں جو مکتوبات پر مشتمل ہیں یا ان میں مکتوبات بھی شامل ہیں

نمبر	مکتوبات	مرتب	تالیف	ناشر	سنہ طباعت
۱	انتباہ المومنین	مولانا حبیب الرحمٰن سہارنپوری	۱۲۸۴ھ	مطبع احمدی میرٹھ	۱۲۸۴ھ

۲	مصابیح التراویح	حضرت مصنف	۱۲۸۸ھ	مطبع ضیائی میرٹھ	۱۲۹۰ھ
۳	اجوبۂ اربعین	منشی محمد حیات میرٹھی	۱۲۹۱ھ	مطبع ضیائی میرٹھ	۱۲۹۱ھ
۴	تصفیۃ العقائد	مرتب کی تحقیق نہیں	۱۲۹۸ھ	مطبع ضیائی (ہاشمی) میرٹھ	شعبان ۱۲۹۸ھ
۵	اسرار قرآنی	مفتی ابراہیم شاہجہاں پوری	۱۳۰۴ھ	مطبع گلزار احمدی مراد آباد	۲۵ رجب ۱۳۰۴
۶	مناظرۂ عجیبہ	مولانا محمد حسن ابن احمد حسن الہ آبادی	ندارد	گلزار ابراہیم مراد آباد	
۷	الحظ المقسوم من قاسم العلوم	مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوری	۱۳۲۰ھ	مطبع مشرق العلوم، بجنور	۱۳۲۰ھ

(ج)

مکتوبات وافادات کے مجموعے

نمبر	مکتوبات	مرتب	تالیف	ناشر	سنہ طباعت
۱	قاسم العلوم کل چار شمارے (جس میں خطوط وافادات ہیں)	منشی ممتاز علی میرٹھی دہلوی	۱۲۹۲ھ	مطبع مجتبائی دہلی	۱۲۹۲ھ ۱۵ ربیع الاول سے ۱۵ جمادی الثانی ۱۲۹۲ھ تک
۲	فیوض قاسمیہ	مولانا عبدالعدل پھلتی	۱۳۰۳ھ	مطبع ہاشمی میرٹھ	صفر ۱۳۰۴ھ

مجلہ صحیفۂ نور، کاندھلہ

۱۴۲۱ھ ۲۰۰۰ء

۳	جمال قاسمی	مولانا جمال الدین بجنوری دہلوی	۱۳۰۹ھ	مطبع مجتبائی دہلی	۱۳۰۹ھ
۴	لطائف قاسمیہ	معلوم نہیں	۱۳۰۹ھ	مطبع مجتبائی دہلی	۱۳۰۹ھ
۵	فرائد قاسمیہ	مولانا عبدالغنی پھلاودی	۱۳۱۳ھ	ادارہ ادبیات دہلی	۱۴۰۰ھ

مکتوبات کے وہ مجموعے یا وہ کتابیں جن میں حضرت مولانا کے مکتوبات بھی شامل ہیں

نمبر	مکتوبات	مرتب	تالیف	ناشر	سنہ طباعت
۱	مکتوبات قاسمیہ	مرتب کا نام درج نہیں	ندارد	دارالمولفین مطبع قاسمی دیوبند	ندارد
۲	مکتوبات اکابر دیوبند	منشی نور الحق عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ	معراج بک ڈپو دیوبند	۱۴۰۰ھ
۳	جیون چرتر سوامی دیانند سرسوتی	جامع لیکھرام آریہ مسافر، مرتبہ لکشمن		اسٹیم پریس لاہور	۱۸۹۷ء

حضرت مولانا کے مکتوب الیہ اصحاب اور ان کے نام خطوط کے مندرجات کی فہرست

۱	۱	سر سید احمد خاں	تصفیۃ العقائد	سر سید احمد کے عقائد و نظریات کا رد	۳۲ تا ۳۶
۲	۱	مولانا سید ابوالمنصور دہلوی (امام فن مناظرہ)	تذکرہ مولانا محمد احسن نانوتوی	مؤلفہ محمد ایوب قادری ([illegible])	۶۱ تا ۶۲ کراچی (۱۹۶۱ء)
۳	۱	مولانا احمد حسن امروہوی	قاسم العلوم مکتوب ۵ شمارہ ۲	دو حدیثوں کی تطبیق میں	۱ تا ۳۲
۴	۲	مولانا احمد حسن امروہوی	؍؍ ؍؍ مکتوب ۸ شمارہ ۳	سود اور اراضی مرہونہ کا مسئلہ	۱ تا ۳۵
۵	۳	مولانا احمد حسن امروہوی	فرائد قاسمیہ	تحقیق مختصر در بیان حدیث متشابہ	۱۶۰ تا ۱۶۴
۶	۴	مولانا احمد حسن امروہوی	؍؍ ؍؍	مابہ الفرق حقیقت سرقہ و غصب و تعزر احکام آں	۱۶۹ تا ۱۷۲
۷	۵	؍؍ ؍؍	اسرار قرآنی	تفسیر آیت کریمہ و ہل نجازی إلا الکفور	۱۸ تا ۲۵
۸	۶	؍؍ ؍؍	مصابیح التراویح	در اثبات بست رکعات تراویح	۴ تا ۸۴
۹	۱	حافظ مولوی احمد سعید	مکتوبات قاسمی قلمی	بسلسلہ جنگ روس و ترکی اور ضرورت حمایت ترکی	

۱۰	۱	مولوی الٰہی بخش؟	انتباہ المومنین	تحقیق حدیث عن علی: قیل یا رسول اللہ من نومر بعدك قال ان نومروا ابابکر	۳ تا ۱۲
۱۱	۱	حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ	مجموعہ مکتوبات اکابر علمائے دیوبند بنام حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قلمی	ذاتی حالات نیز اپنے اور حضرت حاجی صاحب کے رشتہ داروں متعلقین نیز اپنے حالات اور اپنے قصبات کا تذکرہ اور اپنے بعض تلامذہ کا تعارف	
۱۲	۲	حضرت حاجی امداد اللہ	مجموعہ مکتوبات	ذاتی حالات وغیرہ	
۱۳	۳	// // //	// //	// //	
۱۴	۴	// // //	// //	// //	
۱۵	۵	// // //	// //	// //	
۱۶	۶	// // //	// //	// //	
۱۷	۷	// // //	// //	// //	
۱۸	۸	// // //	// //	// //	
۱۹	۹	// // //	// //	// //	
۲۰	۱۰	// // //	// //	// //	
۲۱	۱۱	// // //	// //	// //	

۲۲	۱	خلیفہ بشیر احمد دیوبندی	مکتوبات قاسمیہ	ذاتی حالات اور تربیت مکتوب الیہ	۲تا۳
۲۳	۲	// // //	// //	// //	۳
۲۴	۳	// // //	// //	// //	۴
۲۵	۴	// // //	// //	// //	۴تا۵
۲۶	۵	// // //	// //	// //	۵تا۶
۲۷	۶	// // //	// //	// //	۶
۲۸	۷	// // //	// //	// //	۷
۲۹	۸	// // //	// //	// //	۸
۳۰	۱	مولوی بشیر احمد مراد آبادی	لطائف قاسمیہ	رہن کی زمین سے جو فائدہ اٹھایا وہ سود ہے یا نہیں	۱۹تا۲۰
۳۱	۱	مولوی جمال الدین	جمال قاسمی	تحقیق وحدۃ الوجود والشہود	۳تا۸
۳۲	۲	//	//	سماع موتی کی تحقیق	۸تا۱۶
۳۳	۱	مولوی حمید الدین	فرائد قاسمیہ	ممانعت مباشرت بازن حائضہ۔ تحقیق وتر بجماعت در رمضان	۱۶۴تا۱۶۹
۳۴	۱	مولوی حکیم رحیم اللہ بجنوری	الخط المقسوم من قاسم العلوم	تحقیق المرکب والاجزاء	۶تا۲۳
۳۵	۲	//	//	//	۲۵تا۲۷
۳۶	۱	شاہ رفیع الدین دیوبندی	مکتوبات اکابر دیوبند	ذاتی	۵۲

۳۷	۱	سوامی دیانند سرسوتی	جیون چرتر سوامی دیانند سرسوتی	بسلسلہ مناظرہ رڑکی	۵۲۱تا۵۲۲
۳۸	۲	//	//	//	۵۲۸
۳۹	۳	//	//	//	۵۲۹تا۵۳۳
۴۰	۴	// معہ ضمیمہ	//	//	۵۳۵تا۵۴۰
۴۱	۵	//	//	//	۵۴۹تا۵۵۰
۴۲	۶	//	//	//	۵۵۰
۴۳	۷	//	//	//	۵۵۱تا۵۵۲
۴۴	۸	//	//	//	۵۵۴
۴۵	۹	سوامی دیانند کے جواب میں مناظرہ کا اشتہار	//	//	۵۲۰_۵۲۱
۴۶					
۴۷	۱	شیخ ضیاء الحق دیوبندی	مکتوبات اکابر دیوبند	ارشاد تربیت و سلوک	۵۳
۴۸	۲	//	//	//	۵۳تا۵۴
۴۹	۳	//	//	//	۵۴تا۵۵
۵۰	۱	حکیم ضیاء الدین رامپوری	فرائد قاسمیہ	تقوی علم اور عمل کی تحقیق و ترتیب	۶۵تا۹۳
۵۱	۲	//	فیوض قاسمیہ	دربیان کیفیت مباحثہ باحامد حسن	۴تا۶
۵۲	۳	//	//	درتحقیق معنی بدعت و سنت	۴۳تا۴۹
۵۳	۴	//	//	تحقیق نفس	۵۳تا۵۹

۵۴	۱	مرزا عالم بیگ مراد آبادی	لطائف قاسمیہ	درباب عمل کشائش رزق و ادائے دین	۲۱
۵۵	۲	,,	,,	درباب علاج ہوس دینا	۲۱تا۲۲
۵۶	۱	مولوی عبدالحق (مظفر نگری)	فیوض قاسمیہ	درجواب تحقیق وراثت	۱۷تا۲۵
۵۷	۱	عبدالرحیم	لطائف قاسمیہ	دراثبات تراویح بدلائل عقلی و براہین نقلی	۶تا۱۳
۵۸	۲	,,	مکتوبات قاسمی قلمی	اللہ تعالیٰ کے نظام میں تقسیم کار کی ایک وجہ	۳۴تا۳۸
۵۹	۱	حکیم عبدالصمد	فیوض قاسمیہ	اپنے مشائخ کو اپنے قریب جاننا اور ان کا تصور کرنا غلط ہے	۵۱تا۵۲
۶۰	۱	حافظ عبدالعدل پھلتی	مکتوبات قاسمی قلمی	افضلیت محمدی از آیت ولکن رسول الله	۳۸تا۴۸
۶۱	۱	مولانا عبدالعزیز امروہوی	فرائد قاسمیہ	بسلسلہ مناظرہ	۱۹۷تا۱۹۹
۶۲	۲	,,	مناظرہ عجیبہ	بسلسلہ تحقیق مباحث تحذیر الناس	۴۵تا۷۰
۶۳	۳	,,	,,	بسلسلہ تحقیق مباحث	۷۶تا۸۶
۶۴	۴	,,	,,	تحذیر الناس	۹۲تا۱۰۵
۶۵	۵	,,	,,		۱۰۵تا۱۰۶
۶۶	۱	مرزا عبدالقادر مراد آبادی	لطائف قاسمیہ	ذاتی، بموقع سفر حج درخواست دعاء	۲۰تا۲۱

۶۷	۲	//	اسرار قرآنی	دربیان معنی بیت مثنوی شریف	۲۵تا۲۹
۶۸	۱	مولوی عبدالقادر بدایونی	تنویر النبراس قلمی	تحذیر الناس پر اعتراضات کے جواب	۳۹تا۹۸
۶۹	۲	مولوی عبداللطیف	فیوض قاسمیہ	مسئلہ علم غیب،	۵۰تا۵۱
۷۰	۲	مولوی عبداللہ	//	قلب کو بائیں طرف رکھنے کی حکمت	۳۳تا۳۴
۷۱	۱	مولانا فخرالحسن گنگوہی	قاسم العلوم مکتوب۹ شمارہ ۴	در تحقیق واثبات شہادت حسینؓ	۱تا۱۷
۷۲	۲	//	// مکتوب ۱۰ شمارہ ۴	جواب استدلات علامہ طوسی دربیان امامت	۱تا۱۹
۷۳	۳	//	// مکتوب ۱۱ شمارہ ۴ فرائد قاسمیہ	دربیان معنی حدیث من لم یعرف امام زمانہ فقدمات	۱تا۱۷
۷۴	۴	//	//	تحقیق کلی متکرر النوع ومثنات بالتکریر	۱۵۴تا۱۵۷
۷۵	۵	//	//	در تحقیق واسطہ فی العروض	۱۵۷تا۱۶۱
۷۶	۱	مولانا فدا حسین	مکتوب ۳ شمارہ ۲	در تحقیق ما اہل بہ لغیر اللہ و ایضاح معنی قید عند الذبح	۱تا۴۵
۷۷	۱	مولوی قاسم علی بیگ	فیوض قاسمیہ	درجواب بعض شبہات شیعان	۱۰تا۱۷

۷۸	۱	میانجی گھسا	تصفیۃ العقائد	عقائد نظریات سرسید احمد	۳۶تا۳۹
۷۹	۱	قاضی محمد اسماعیل منگلوری	فرائد قاسمیہ	امکان و امتناع نظیر	۱۴۳تا۱۴۷
۸۰	۱	مولانا محمد حسین بٹالوی	قاسم العلوم مکتوب ۷ شمارہ ۳	در جواب شبہات ملحدان پر معجزہ	۱تا۲
۸۱	۱	مولوی محمد دائم مراد آبادی	فیوض قاسمیہ	تصور شیخ	۳۲تا۳۳
۸۲	۱	مولوی محمد صدیق مراد آبادی	لطائف قاسمیہ	در اثبات حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۲تا۵
۸۳	۲	//	//	در فضیلت علم	۱۸تا۱۹
۸۴	۳	//	اسرار قرآنی	در معنی بعض آیات شریفہ	۲تا۱۰
۸۵	۴	//	//		۱۰تا۱۲
۸۶	۵	مولوی محمد صدیق و مولوی شمس الدین	ماہنامہ الفرقان مارچ ۱۹۷۶ء		۳۵
۸۷	۶	// //	//	//	۳۶
۸۸	۱	میر محمد صادق مدراسی	فیوض قاسمیہ	تحقیق حکم جمعہ	۲۵تا۳۲
۸۹	۲	//	لطائف قاسمیہ	در باب تحقیق حکم جمعہ	۲۲تا۲۸
۹۰	۱	حاجی محمد عابد دیوبندی	فرائد قاسمیہ	در جواب اعتراض اہل تشیع	۱۷۲تا۱۷۹
۹۱	۱	پیر جی محمد عارف	تصفیہ العقائد	عقائد و نظریات سرسید احمد خاں	۵تا۳۲

۹۲	۱	مولانا محمد فاضل پھلتی	قاسم العلوم مکتوب ا شمارہ ا	در جواب شبہ بعض فضلا کہ در بارہ عدم مملوکیت فدک در رسالہ ہدیۃ الشیعہ	۱ تا ۳۸
۹۳	۱	مولانا محمد علی چاندپوری	تنویر النبراس قلمی	تحذیر الناس پر اعتراضات کے جوابات	۱ تا ۸
۹۴	۱	مولانا محی الدین خاں مرد آبادی	قاسم العلوم مکتوب نمبر ۲ شمارہ نمبر ا	در شرح حدیث ابی رزین قال قلت یا رسول اللہ این کان ربنا قبل ان یخلق الخلق ؟	۱ تا ۴۶
۹۵	۱	منشی ممتاز علی میرٹھی	مکتوبات قاسمی قلمی	ذاتی۔ بسلسلہ جوابات مولانا محمد علی وغیرہ	۴۸ تا ۵۲
۹۶	۱	مولانا منصور علی خاں مرآدبادی	فرائد قاسمیہ	در معنی شعر: من آں وقت	۱۷۹ تا ۱۸۳
۹۷	۱	مولانا نصر اللہ خاں خویشگی	فرائد قاسمیہ	تقلید کی بحث	۹۳ تا ۹۶
۹۸	۲	،،	فیوض قاسمیہ	حکم ایمان کفر یزید	۳۴ تا ۳۵
۹۹	۱	مولانا محمد یعقوب نانوتوی	اجوبہ اربعین	شیعوں کے اٹھائیس سوالات کے جوابات	۱ تا ۹۸
۱۰۰	۱	مولانا محبوب علی مراد آبادی مکتوبہ ۲۶ر جمادی الثانی ۱۲۸۵ھ	مطبوعہ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ مارچ ۱۹۷۶ء	ذاتی احوال و متعلقات	۳۳ تا ۳۵

یہ گرامی نامہ ماہنامہ دار العلوم دیوبند، ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ میں مولانا نسیم احمد فریدی کے ایک مضمون میں شائع بھی ہوا ہے (ص ۳۶ تا ۳۸)

۱۰۱	۱	بلا نام مکتوب الیہ	مکتوبات قاسمی قلمی	قرآن کی آیت المومنین کی تحقیق	۱تا۳
۱۰۲	۲	؍؍	فرائد قاسمیہ	(جواب اعتراضات پادریان) بر تعدد نکاح کی حکمت	۱۰۴تا۱۲۳
۱۰۳				تحقیق مال حرام و کراہت آن	
۱۰۴	۳	؍؍	؍؍	در تحقیق قرأت فاتحہ خلف الامام	۱۴۷تا۱۵۴
۱۰۵	۴	؍؍	؍؍	اشارات اجمالیہ بحث امکان نظیر	۱۸۴تا۱۹۵
۱۰۶	۵	؍؍	؍؍	مناظرہ نہ کرنے پر تبصرہ	۱۹۵تا۱۹۷
۱۰۷	۶	؍؍	فیوض قاسمیہ	تحقیق آنکہ شیعہ و خوارج مومن اندنہ کافر	۱تا۴
۱۰۸	۷	؍؍	؍؍	متعلقہ نذر بتان وغیرہ	۳۵تا۴۰
۱۰۹	۸	؍؍	؍؍	وجہ جہر قرأت در سہ نماز	۴۰تا۴۳

۱۱۰	۹		اسرار قرآنی	درجواب بعد شبہات برآیت خالدین فیہا ما دامت السموات والارض	۱۲تا۱۸
۱۱۱	۱۰		مکتوبات قاسمی قلمی	احکام وضو پر پادریوں کے اعتراضات کے جوابات	۴تا۳۴
۱۱۲	۱۱		قاسم العلوم مکتوب ۴ شمارہ ۲	در معصومیت انبیاء علیہم السلام	۱تا۱۰

(۳)

حضرت مولانا محمد قاسم کے مطبوعہ مکتوبات کی فہرست

حسب ترتیب مضامین چند آیات کی تفسیر اور متعلقات ومباحث

نمبر	مضمون مکتوب	کتاب	زبان	صفحات
۱	در معنی بعض آیات شریفہ	اسرار قرآنی	فارسی	۲تا۱۰
۲	درجوابات بعض شبہات بر خالدین فیہا مادامت السموات والارض	//	//	۱۰تا۱۸
۳	تفسیر وہل نجازی الا الکفور	//	//	۱۸تا۲۵
۴	المومنین کی تحقیق	مکتوبات قاسمی قلمی	اردو	۱تا۳۰

۵	ولکن رسول اللہ سے افضلیت محمدی کا ثبوت	//	فارسی	۳۸تا۴۸

چند احادیث شریفہ کے متعلق سوالات کے جوابات اور تحقیق

۱	تحقیق و مطالب حدیث شغبل با رسول اللہ من نومر بعدك	انتباہ المومنین	فارسی	۲تا۲۱
۲	شرح مطالب حدیث ابن کان ربنا قبل ان یخلق الخلق	قاسم العلوم مکتوب ۲، شمارہ ۱	فارسی	۱تا۴۶
۳	تحقیق و مطالب من لم یعرف امام زمانہ مات	قاسم العلوم مکتوب ۱ شمارہ ۴	فارسی	۱تا۷
۴	دو حدیثوں میں تطبیق: المکاتب عبد ما بقی علیہ من مکاتبۃ درھم (ابو داؤد) اذا اصاب المکاتب حداً او میراثاً ورث بحساب ما عتق (ابو داؤد)	قاسم العلوم شمارہ ۲ مکتوب ۵	فارسی	۱تا۳۲
۵	تحقیق حدیث تشابہ "کان فی عماء"	فرائد قاسمیہ	فارسی	۱۶۱تا۱۶۴

فقہی مباحث اور متعلقات فقہ

نمبر شمار	مضمون مکتوب	کتاب	زبان	صفحات
۱	وضو کی حکمتیں (اسرار الطہارۃ)	مکتوبات قاسمی قلمی	اردو	۳تا۴۴
۲	تحقیق قرأت فاتحہ خلف الامام	فرائد قاسمیہ	فارسی	۱۴۷تا۱۵۴
۳	وجہ جہر قرأت در سہ نماز	فیوض قاسمیہ	//	۴۰تا۴۳

۴	جمعہ کے احکام اور تحقیق	لطائف قاسمیہ	//	۲۲تا۲۸
۵	اثبات بست رکعات تراویح	مصابیح التراویح	//	۲تا۸۴
۶	اثبات تراویح بدلائل عقلی و نقلی	لطائف قاسمیہ	//	۶تا۱۳
۷	تحقیق وتر بجماعت درر مضان	فرائد قاسمیہ	//	۱۶۶تا۱۶۹
۸	مابہ الفرق حقیقت سرقہ وغصب	فرائد قاسمیہ	//	۱۶۹تا۱۷۲
۹	وجہ ممانعت مباشرت باذن حائضہ	فرائد قاسمیہ	//	۱۶۴تا۱۶۵
۱۰	رہن کی زمین سے جو فائدہ اٹھایا جائے وہ سود ہے یا نہیں	لطائف قاسمیہ	اردو	۱۹تا۲۰
۱۱	عدم جواز سود گرفتن در ہندوستان	قاسم العلوم مکتوب ۸، شمارہ ۳	فارسی	۱تا۳۵
۱۲	مال حرام اور اس کی گندگی	فرائد قاسمیہ	اردو	۱۰۴تا۱۲۳
۱	اللہ تعالیٰ کے نظام میں تقسیم کار کی حکمت	مکتوبات قاسمی قلمی	//	۳۴تا۳۸
۲	تقویٰ علم اور عمل کی ترتیب اور مدارج	فرائد قاسمیہ	//	۶۵ تا ۹۳
۳	در فضیلت علم	لطائف قاسمیہ	فارسی	۱۸تا۱۹
۱	روس اور ترکی کے جنگ کے وقت مسلمانوں کی ذمہ داری اور ملی دینی فریضہ	مکتوبات قاسمی قلمی	فارسی	آخر میں

تصوف

۱	تحقیق وحدۃ الوجود والشہود	جمال قاسمی	اردو	۳تا۸
۲	مسئلہ تصور شیخ	فیوض قاسمیہ	فارسی	۳۲ تا ۳۳
۳	قلب کو بائیں طرف رکھنے کی حکمت	فیوض قاسمیہ	اردو	۳۳تا۳۴

عقائد اور متعلقہ مباحث

نمبر	مضمون مکتوب	کتاب	زبان	صفحات
۱	متعلقہ نذر بتاں وغیرہ	فیوض قاسمیہ	اردو	۳۵تا۴۰
۲	تحقیق ما اهل به لغیر الله	قاسم العلوم مکتوب ۳ شمارہ ۲	فارسی	۱تا۴۵
۳	در اثبات حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	لطائف قاسمیہ	اردو	۲تا۵
۴	تحقیق مباحث تحذیر الناس (امکان نظیر)، جواب مکتوبات مولانا عبدالعزیز امروہوی	مناظرہ عجیبہ	اردو	۴۵تا۷۰
۵	//	مناظرہ عجیبہ	//	۷۶تا۸۶
۶	//	//	//	۹۲تا۱۰۵
۷	//	//	//	۱۰۵تا۱۰۶
۸	اشارات اجمالیہ بحث امکان نظر	فرائد قاسمیہ	فارسی	۱۸۴تا۱۹۵
۹	تحذیر الناس پر مولانا محمد علی چاندپوری کے اعتراضات کے جوابات	تنویر النبراس	اردو	۱تا۳۸
۱۰	تحذیر الناس پر مولوی عبدالقادر بدایونی کے اعتراضات کے جوابات	//	//	۳۹تا۹۸
۱۱	معصومیت انبیاء اور تحقیق کلی طبعی	قاسم العلوم مکتوب ۴ شمارہ ۲	فارسی	۱تا۳۲
۱۲	درجواب شبہات ثبوت نبوت از معجزات	قاسم العلوم مکتوب ۷ شمارہ ۳	فارسی	۱تا۳۲

نمبر	مضمون مکتوب	کتاب	زبان	صفحات
۱۳	مسئلہ علم غیب	فیوض قاسمیہ	فارسی	۵۰تا۵۱
۱۴	اپنے مشائخ کو اپنے قریب جاننا غلط ہے حاضر و ناظر جاننا صحیح نہیں	فیوض قاسمیہ	اردو	۵۱تا۵۲
۱۵	تحقیق مزید بر سماع موتی	جمال قاسمی	//	۸تا۱۶
۱۶	ایمان و کفر یزید	فیوض قاسمیہ	//	۳۴تا۳۵
	شیعوں کے عقائد اور اعتراضات			
۱	در تحقیق آں کہ شیعی و خوارج ۔۔ن اندنہ کافر	فیوض قاسمیہ	فارسی	۱تا۴
۲	کیفیت مباحثہ با مولوی حامد حسین لکھنوی	//	//	۴تا۶
۳	در جواب اعتراضات اہل تشیع	فرائد قاسمیہ	فارسی	۱۷۲تا۱۷۹
۴	در جواب شبہ شیعان	فیوض قاسمیہ	//	۶تا۱۰
۵	در جواب بعض شبہات شیعہ	فیوض قاسمیہ	//	۱۰تا۱۷
۶	در تحقیق وراثت	//	//	۱۷تا۲۵
۷	جواب شبہ بعض فضلا، و عدم ملوکیت فدک	قاسم العلوم مکتوب ا، شمارہ ا	//	۱تا۱۸
۸	جواب استدال علامہ طوسی، درباره امامت و بیان معنی اختلاف امتی	قاسم العلوم مکتوب ۱۰، شمارہ ۴	//	۱تا۱۹
۹	شیعوں کے ۲۸ سوالات کے جوابات	اجوبہ اربعین حصہ اول	اردو	۱۰تا۹۸

نمبر	مضمون مکتوب	کتاب	زبان	صفحات
۱۰	شیعہ علماء سے بیالیس سوالات (حضرت مولانا نانوتوی کی طرف سے)	اجوبہ اربعین حصہ اول	اردو	۱۰۱تا۱۰۸
۱	جوابات اعتراضات پادریان	فرائد قاسمیہ	اردو	۹۷تا۱۰۴
	تقلید اور بدعت کی تحقیق			
۱	تقلید کی بحث	فرائد قاسمیہ	اردو	۹۳تا۹۷
۲	تحقیق تقلید و تراویح اور ضاد کا مخرج	تصفیۃ العقائد	//	۳۳تا۳۶
۳	در تحقیق بدعت و سنت	فیوض قاسمیہ	//	۴۳تا۴۹
	سر سید احمد کے دینی خیالات اور مذہبی تفردات پر نظر			
۱	مکتوب بنام پیر جی محمد عارف	تصفیۃ العقائد	اردو	۵تا۲۹
۲	مکتوب بنام سر سید احمد خان	//	//	۲۹تا۳۳
	متفرقات			
۱	در تحقیق نفس	فیوض قاسمیہ	فارسی	۵۳تا۵۹
	ادب			
۱	در معنی شیر من آں وقت	فرائد قاسمیہ	فارسی	۱۷۹تا۱۸۴
۲	در معنی بیت مثنوی شریف: معشوق است و عاشق مردۂ	اسرار قرآنی	فارسی	۱۶تا۱۸
۳	در معنی بیت مثنوی شریف	اسرار قرآنی	فارسی	۲۵تا۲۹
	علمی فنی اصطلاحات اور مباحث			
۱	تحقیق کلی متکرر النوع و مثنات بالتکریر	فرائد قاسمیہ	فارسی	۱۵۴تا۱۵۷
۲	در تحقیق واسطہ فی العروض	فرائد قاسمیہ	فارسی	۱۵۷تا۱۶۱

۳	تحقیق المرکب والاجزاء	الخط المقسوم	عربی	۲۲ تا ۲۳

ذاتی

۱	بنام حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ	مجموعہ مکتوبات	فارسی	کل ۹ صفحات
۲	//	اکابر	//	//
۳	//	قلمی	//	//
۴	//	//	//	//
۵	//	//	//	//
۶	//	//	//	//
۷	//	//	//	//
۸	//	//	//	//
۹	//	//	//	//
۱۰	//	مجموعہ مکتوبات اکابر قلمی	فارسی	کل ۹ صفحات
۱۱	//	//	//	//
۱۲	ممتاز علی میرٹھی	مکتوبات قاسمی قلمی	اردو	۴۸ تا ۵۲
۱۳	مرزا عبد القادر بیگ مراد آبادی (بموقع سفر حج موصوف)	لطائف قاسمیہ	اردو	۲۰ تا ۲۱
۱۴	شاہ رفیع الدین مہتمم مدرسہ (دیوبند)	مکتوبات اکابر دیوبند	//	۵۲ تا ۵۳
۱۵	مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوری	الخط المقسوم	عربی	۲۵ تا ۲۷
۱	شیخ ضیاء الحق دیوبندی	مکتوبات اکابر دیوبند	اردو	۵۳
۲	شیخ ضیاء الحق دیوبندی	مکتوبات اکابر دیوبند	اردو	۵۳ تا ۵۴

۳	//	//	//	۵۴تا۵۵
۴	درباب عمل کشائش رزق واداے دین	لطائف قاسمیہ	اردو	۲۱تا۲۲
۵	درعلاج ہوس دنیا	//	//	۲۱
۱	خلیفہ بشیر احمد صاحب دیوبندی	مکتوبات قاسمیہ	فارسی	۲تا۳
۲	//	//	//	۳تا۴
۳	//	//	//	۴
۴	//	//	اردو	۴تا۵
۵	//	//	فارسی	۵تا۶
۶	//	//	//	۶تا۷
۷	//	//	//	۷
۸	//	//	//	۷تا۸
۹	مولانا سید ابوالمنصور دہلوی امام فن مناظرہ،	تذکرہ مولانا محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری	اردو	۶۱تا۶۲
۱۰	مولانا محمد صدیق احمد مراد آبادی و شمس الدین مراد آبادی	ماہنامہ الفرقان لکھنؤ مارچ ۷۶ء	[illegible]	
۱۱	مولانا صدیق احمد مراد آبادی			
۱۲				

ذاتی مگر مباحثہ ومناظرہ سے متعلق

۱	مناظرہ کرنے سے انکار کا تذکرہ وشکریہ	فرائد قاسمیہ	فارسی	۱۹۵تا۱۹۷
۲	بسلسلہ مناظرہ مولانا عبدالعزیز امروہی	//	فارسی	۱۹۷تا۱۹۹

۳	بنام سوامی دیانند سرسوتی بسلسلہ مناظرہ رڑکی	جیون چرتر سوامی دیانند	اردو	۵۲۱ تا ۵۲۲
۴	" "	"	"	۵۲۸
۵	" "	"	"	۵۲۹ تا ۵۳۴
۶	" مع ضمیمہ	"	"	۵۳۵ تا ۵۴۰
۷	"	"	"	۵۴۹ تا ۵۵۰
۸	"	"	"	۵۵۰
۹	سوامی دیانند سرسوتی بسلسلہ مناظرہ رڑکی	جیون چرتر سوامی دیانند	اردو	۵۵۱ تا ۵۵۲
۱۰	"	"	"	۵۵۴
۱۱	سوامی دیانند سرسوتی کے جواب میں مناظرہ کا اشتہار	"	"	۵۲۰ تا ۵۲۱

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تالیفات، افادات اور مکتوبات کا ناتمام اشاریہ

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے تصنیف و تحریر کا سلسلہ نوعمری میں شروع فرمادیا تھا اور بچپن میں متعدد قصے اور کہانیاں وغیرہ لکھے تھے، مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کا مشاہدہ و اطلاع ہے کہ مولانا کو بچپن سے شعر و سخن کا اچھا ذوق تھا تحریر بھی خوبصورت تھی، اسی زمانہ میں مولانا نے بہت سے چھوٹے چھوٹے رسالے نقل کئے اور شعر گوئی کے قدرتی طبعی ذوق کی وجہ سے اپنے کھیل اور بچپن کے قصے نظم کئے تھے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

> ”خط اس وقت سب سے اچھا تھا، نظم کا شوق اور حوصلہ تھا، اپنے کھیل اور بعض قصے نظم فرماتے اور لکھ لیتے چھوٹے چھوٹے رسالے اکثر نقل کئے[1]“

مذکورہ الفاظ سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ حضرت مولانا کو نوعمری بلکہ بچپن سے تحریر و تالیف کا ذوق تھا۔ ظاہر ہے کہ عمر و صلاحیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس ذوق میں بھی خاص اضافہ ہوا ہوگا اور مولانا نے زمانہ طالب علمی میں اور تعلیم و تدریس سے فراغت کے بعد متعدد موضوعات پر کچھ نہ کچھ لکھا ہوگا، مگر افسوس ہے کہ حضرت مولانا کی ابتدائی دور کی ایک بھی تصنیف و تحریر ہمارے علم میں نہیں ہے۔ مولانا محمد یعقوب سے عصر حاضر تک حضرت مولانا کے کسی تذکرہ نگار یا

[1] [illegible] حالات مولانا قاسم [illegible] ص ۱۲۹

شاگرد نے مولانا کے اس دور کی کسی اور تصنیف و تالیف کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت مولانا کے علمی کارناموں میں سے سب سے بڑی دینی علمی خدمت اور زندۂ جاوید علمی تصنیفی کارنامہ، بخاری شریف کے اس حاشیہ کی تکمیل ہے جو عالم جلیل حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوری مرتب فرمارہے تھے۔ اس حاشیہ کی اشاعت کے بعد مولانا کی جو پہلی مطبوعہ تحریر ہم تک پہنچی وہ انتباہ المومنین ہے، جس کو مولانا نے غالباً میرٹھ کے زمانہ قیام میں مرتب فرمایا تھا، اور اسی وقت مطبع احمدی میرٹھ سے (۱۲۸۳ھ میں) چھپ گئی تھی۔ اس کے بعد کی حضرت مولانا کی دوسری تالیف جو چھپی ہوئی مل جاتی ہے مصابیح التراویح ہے، جو ۱۲۸۸ھ میں تالیف ہوئی اور ۱۲۹۰ میں چھپی۔ اس کے بعد کی متعدد تالیفات اور افادات و مکتوبات کے مجموعے ہیں جس میں اکثر حضرت مولانا کی حیات (وفات ۱۲۹۷ھ) میں مرتب ہوگئے تھے اور ان میں سے چھپ بھی گئے تھے اور ان میں سے اکثر کو خاص مقبولیت حاصل ہوئی تھی خاص طور سے علماء اور اہل کمال نے ان کو دل و جان سے لگایا اور آنکھوں کا سرمہ بنایا۔ اس کے بعد سے اب تک یہ کتابیں متواتر چھپ رہی ہیں اور چھپتی رہتی ہیں، ان میں سے کئی کتابوں کے اردو یا عربی میں ترجمے بھی ہوئے ہیں، کئی پر حاشیے یا شرح لکھی گئی ہے، بعض کے ابواب یا حصوں پر علیحدہ علیحدہ توجہ ہوئی ہے اور مختلف علماء نے مختلف حیثیتوں سے ان کو مرتب و مدون کیا ہے اور ان پر کئی طرح کے علمی کام ہوئے ہیں اور پھر ان کے خلاصے وغیرہ مرتب ہوئے، یا ان کی روشنی میں کتابیں لکھی گئیں، غرض یہ ایک طویل سلسلہ ہے جو اب تک جاری ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

ان کتابوں کی مرجعیت و معنویت اور کثرت اشاعت و استفادہ کے باوجود ان کی کوئی جامع فہرست یا اشاریہ اب تک نہیں چھپا۔ حضرت مولانا کے علوم و کمالات سے دلچسپی رکھنے والوں کو یک جائی طور پر ان کا مفصل یا اجمالی حال

معلوم ہو جائے، یہ پتہ چل جائے کہ حضرت مولانا کی کون کون سی کتابیں کہاں کہاں چھپی ہیں، ان طباعتوں کا تعارف اور امتیازات کیا کیا ہیں اور ان میں سے کون کون سے نسخے کہاں مل سکتے ہیں۔

اس اشاریہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی جملہ کتابوں اور افادات کے مجموعوں کی سب سے پہلی اشاعتوں کا مکمل تعارف ہو اور بعد کی طباعتوں کا اجمالی ذکر ہونا چاہئے اور ان میں بھی جو طباعتیں اہم ہیں یا حضرت مولانا کی تالیفات اور تحریروں کے جو شروح و حواشی ہیں ان کا بھی تفصیلی تذکرہ آنا چاہئے، راقم سطور کا یہ خدمت انجام دینے کا ارادہ تھا مگر افسوس ہے اس پر پوری توجہ نہ ہو سکی اور جیسا کام ہونا چاہئے تھا ویسا نہ ہو سکا۔

تاہم جو معلومات حاضر ہیں اور جو نسخے راقم سطور کی نظر سے گذرے ہیں (اور بفضلہٖ تعالیٰ ان میں سے اکثر، خصوصاً پہلی اور قدیم ترین طباعتیں ہمارے ذخیرہ میں موجود ہیں) ان کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔ ہر چند کہ یہ تعارف اور اشاریہ ناتمام ہے اور اس میں اضافوں کی بہت گنجائش ہے مگر کچھ بھی نہ ہونے سے کچھ ہونا غالباً بہتر ہے، اس لئے یہی ناتمام اشاریہ شائع کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ اشاعت نسبتاً بہتر صورت میں مزید معلومات اور اضافات کے ساتھ حاضر کیا جا سکے گا۔

زیر نظر اشاریہ پانچ عنوانات پر مرتب ہے:

۱۔ حضرت مولانا کی تصحیح کئے ہوئے قرآن شریف، ترجمہ شاہ عبدالقادر اور تکملہ حاشیہ صحیح بخاری کا تعارف۔

۲۔ اس میں حضرت مولانا نانوتوی کی ان تالیفات کا ذکر ہوگا جو اب تک شائع نہیں ہوئیں اور ان کے قلمی نسخے بھی بہت کم ملتے ہیں، جن نسخوں کا راقم سطور کو علم ہو سکا ان کا اس عنوان کے تحت ذکر کیا جائے گا۔

۳۔ تیسرے عنوان کے تحت حضرت مولانا ان تالیفات اور ان کے ترجمہ

حاشیوں یا شرحوں کا ذکر ہوگا جو مطبوعہ ہیں اور عام طور پر مل جاتی ہیں۔
۴۔ چوتھے عنوان کے تحت حضرت مولانا کے مکتوبات کے مجموعوں، ان کی مختلف اشاعتوں، ان کے ترجموں یا ان سے ماخوذ کتابوں کا بھی مختصراً ذکر آئے گا۔
۵۔ پانچویں حضرت مولانا کی تصانیف پاکستان میں بھی کثرت سے چھپتی رہتی ہیں جو ہندوستان میں عموماً بہت کم دستیاب ہیں۔ ان مطبوعات کے تحت ذکر آگیا تھا بعد میں پاکستان سے ایک فاضل مولانا نعیم الدین صاحب کی عنایت سے حضرت مولانا کی تالیفات کی پاکستانی اشاعتوں کی ایک فہرست ملی جس میں اکثر کتابیں ایسی ہیں جو اس حیثیت سے ہندوستان میں نہیں چھپیں، اس لیے ان کا بھی ذکر ضروری ہوا، یہ فہرست اس اشاریہ کے ضمیمہ کے طور پر شامل کی جا رہی ہے۔

مگر راقم سطور کو اس اعتراف میں کچھ تأمل نہیں کہ اشاریہ ایسا جامع اور مکمل نہیں ہے جیسا ہونا چاہئے تھا، امید اور گزارش ہے کہ اہل علم و کمال اپنی معلومات و تحقیقات سے اس فہرست کو مفید ترین اور مکمل بنانے میں رہنمائی فرمائیں گے۔ (نور)

تصحیح کردہ قرآن شریف

مطبوعہ مجتبائی دہلی اہتمام منشی ممتاز علی میرٹھ

ترتیب	تصحیح	مطبع	سنہ طباعت	صفحات
طبع اول	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ	مطبع مجتبائی میرٹھ		
طبع دوم	//	//	۱۲۸۱ھ	۶۰۳

حمائل شریف مع موضح قرآن

موضح قرآن حضرت شاہ عبد القادر دہلوی کا بے مثال ترجمہ ہے جو بار بار چھپا اس کا ایک نسخہ منشی ممتاز علی نے مطبع مجتبائی سے شائع کیا تھا جس کی تصحیح حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمائی تھی۔

اس نسخہ کا مولانا مناظر حسن گیلانی نے سوانح قاسمی میں تذکرہ کیا ہے[1] چونکہ موضح قرآن کے متن میں کئی جگہ کچھ غلطی ہوگئی ہے اس لیے امید یہ ہے کہ یہ نسخہ موضح قرآن کے صحیح ترین نسخوں میں سے ہوگا۔

بخاری شریف تصحیح وحواشی

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری جس کے آخری تین پاروں کے حواشی کا تکملہ مولانا محمد قاسم نے فرمایا تھا اس کی پہلی چند طباعتوں کا تذکرہ۔

نمبر شمار	ترتیب	باہتمام	مطبع	سنہ طباعت
۱	طبع اول	سید عبد الغفور (برادر سر سید احمد) و شیخ ظفر علی (برادر زادہ حضرت مولانا احمد علی)	سید الاخبار دہلی و مطبع احمدی دہلی	۱۸ جمادی الآخر ۱۲۶۴ھ سے ۱۳ ر محرم ۱۲۷۰ھ تک
۲	طبع دوم	شیخ ظفر علی	مطبع احمدی دہلی	تقریباً اواخر ۱۲۷۰ھ
۳	طبع سوم	عبد الغفور معروف بہ دادو میاں	محمد عبد اللہ دہلی	۱۲۷۲ھ

[1] یہ حمائل شریف مطبع مجتبائی میرٹھ سے ۱۲۸۶ھ میں چھپی تھی۔ السوانح قاسمی ۲۱۶

۴	طبع چہارم	نیاز احمد کیرانوی (ناظم ومالک مطبع)	فخر المطابع (جس کو پہلے مطبع سلطانی کہا جاتا تھا) دہلی	۱۲۷۲ھ
۵	طبع پنجم	تصحیح مولانا عبد اللہ سہارنپوری وغیرہ علماء	شیخ عبدالوہاب بن قاضی ابراہیم پل بندری بمبئی	۱۲۸۰ھ
۶	طبع ششم	شیخ ظفر علی و مولوی عبدالرحمان (خلف مولانا احمد علی)	احمدی میرٹھ	۱۲۸۲ھ سے ۱۲۸۴ھ تک

اس کے بعد یہ نسخہ کثرت سے متواتر اور بار بار چھپا اور آج تک یہی طباعت معروف و متداول ہے اور تقریباً ستر سال سے نور محمد اصح المطابع دہلی کا نسخہ یا اس کا عکس (   ) ہندوپاکستان میں چھپ رہا ہے اور ہر جگہ دستیاب ہے۔

(حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی غیر مطبوعہ اور نادر تالیفات)

اوراق زائد قبلہ نما قلمی

نمبر شمار	باہتمام	مکتوبہ	سنہ کتابت	صفحات
۱	حسب فرمائش مولانا عبدالغنی پھلاودی	بقلم امجد علی صاحب	۲۷/ ذی قعدہ ۱۳۱۴ھ	۶۵

تقریر مباحثہ شاہ جہاں پور

مرتبہ و مکتوبہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بقلم خود	صفحات ۶۹

تنویر النبراس علی من انکر تحذیر الناس

نمبر شمار	باہتمام		سنہ کتابت	صفحات
۱	مرتبہ مولانا عبدالغنی پھلاودی		۲۳ جمادی الثانی ۱۳۰۹	۱۴۱
۲		بقلم محمد ابراہیم	۲۸ر شوال ۱۳۴۳ھ	۱۴۲

رسالہ جزو لا یتجزی

(کلمۃ اللہ ھی العلیا)

کلمۃ اللہ ہی العلیا جزو لا یتجزی اس کی تفصیل نہیں ملی، یہ رسالہ راقم سطور کی نظر سے نہیں گزرا، اس کے دو نسخوں کا سراغ ملتا ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ مولانا احمد حسن امروہوی کے پاس تھا، اس کی ایک نقل تصحیح کر کے مولانا امروہوی نے مولانا عبدالغنی صاحب کو بھجوائی تھی۔ مولانا سید احمد حسن مولانا عبدالغنی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

> "رسالہ کلمۃ اللہ العلیا مل گیا، آپ حافظ صاحب کا اطمینان فرماویں۔ جمعہ کے دن کا ارادہ تھا خط لکھوں، مگر بوجوہ نہ لکھ سکا۔ اب تمہارے اضطراب کا خیال کر کے اطلاع دینی ضروری سمجھتا ہوں، الحمد اللہ وہ متاع بے بہا گم نہیں ہوا"۔

(محررہ ۲۵ر محرم ۱۳۱۵ھ، مکتوب ۶۳، ص ۲۰۴۔

مکتوبات سید العلماء امروہہ ۱۴۱۰ھ)

مولانا نسیم احمد صاحب فریدی نے اس خط کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس

رسالہ کا ایک نسخہ پھلاودہ میں موجود ہے۔ رسالہ جزو لایتجزی اور یہ دونوں ایک ہی ہیں۔

رسالہ تقریر حدیث فضل العالم کفضلی علی ادناکم

حضرت مولانا نانوتویؒ کے اس رسالے کا حضرت حاجی امداد اللہ کے ایک خط میں ذکر آیا ہے، حاجی صاحب نے لکھا ہے کہ:

> "مکرر یہ کہ وہ رسالہ کہ جس میں مولوی محمد قاسم صاحب کی تقریر در تفسیر حدیث فضل العالم کفضلی علی ادناکم تھی، وہ مجھ سے گم ہو گیا، اس رسالہ کی نقل کرا کر ضرور بھیج دینا"۔[۱]

مذکورہ اقتباس سے ایسا لگتا ہے کہ یہ باقاعدہ کوئی تالیف یا مستقل رسالہ تھا جس کی ایک نقل حضرت حاجی صاحب کے پاس بھی موجود تھی، راقم سطور کو اس کا کہیں اور حوالہ یا تذکرہ نہیں ملا۔

اس حدیث پر حضرت مولانا نے مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) دیوبند کے تاریخی اجلاس دستار بندی (۱۲۹۰ھ) میں بھی تقریر فرمائی تھی، یہ تقریر مدرسہ (دارالعلوم) دیوبند کی ۱۲۹۰ھ کی روداد میں چھپی ہے۔ اس کا کچھ حصہ جناب سید محبوب رضوی نے تاریخ دارالعلوم (شمولہ ماہ نامہ الرشید ساہی والا شمارہ خاص ص ۶۵، ۶۶) میں بھی نقل کیا ہے، مگر تاریخ دارالعلوم میں شامل تقریر مکمل نہیں ہے، اس کا ایک اہم اور خاص حصہ نظر انداز کر دیا گیا۔

مگر یہ معلوم نہیں کہ مذکورہ رسالہ اور تقریر ایک ہی ہے یا علاحدہ علاحدہ۔

---

[۱] مکتوب بنام حکیم ضیاء الدین، مرقومات امدادیہ ص ۳۲ (دہلی: ۱۹۷۹ء)

مکتوبات قاسمی قلمی

مرتب مولانا عبدالغنی پھلاودہ

مکتوبہ بقلم محمد ابراہیم (پھلاودہ ضلع میرٹھ)

۱۵ر محرم الحرام ۱۳۲۲ھ ص ۴۸

مع ضمیمہ مکتوب بنام منشی ممتاز علی میرٹھ

آب حیات

نمبر شمار	ناشر	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	حسب فرمائش مولوی فخر الحسن باہتمام ممتاز علی	مطبع مجتبائی، دہلی	۱۲۹۸ھ	۲۶۴
۲		مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۱۴ھ	۲۶۰
۳		مطبع مجتبائی، دہلی	۱۹۰۵ء	۲۶۰
۴		مطبع قدیمی، دہلی	۱۳۵۵ھ	۲۰۰
۵	آب حیات کا ایک نسخہ ایسا ہے جو مذکورہ طباعتوں کے علاوہ ہے، مگر اس کے اول آخر کے صفحات نہیں ہیں، جس کی وجہ سے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس کتب خانہ کا چھپا ہوا ہے۔			

اجوبۂ اربعین

نمبر شمار	ناشر	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات

۱	باہتمام منشی محمد حیات میرٹھی	مطبع ضیائی، میرٹھ	۱۲۹۱ھ	اول ۱۱۰ دوم ۱۷۰
۲	شیخ محمد سراج خلف منشی محمد حیات	مطبع ہاشمی، میرٹھ	۱۸۹۵ء	اول ۹۲ دوم ۱۵۲
۳		ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ	صفر ۱۴۰۲ھ	اول و دوم ۳۹۳

الاجوبة الكامله فى الاسولة الخاملة

نمبر شمار	ناشر	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	مولوی عبد الاحد	مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۲۲ھ	۴۴
۲		مطبع گلشن احمدی مراد آباد	بلا سنہ	۴۸

الدليل المحكم على قراة الفاتحة للمؤتم

نمبر شمار	ناشر	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
	حسب فرمائش مولوی محمد ابراہیم۔ اس کے ساتھ فتویٰ تقلید و بست تراویح بھی شامل ہے	مطبع گلزار احمدی، مراد آباد	۱۳۰۲ھ	

۲	باہتمام مولوی عبدالماجد تصحیح مولوی فضل الرحمان	مجتبائی، دہلی	شوال ۱۳۰۸ھ	۲۴
۳	تصحیح مولوی عبدالاحد	مجتبائی، دہلی	۱۳۲۱ھ	۲۴
۴	تصحیح سعید حسن	شانتی پریس، سہارنپور		۲۰
۵	باہتمام قاری محمد طیب و قاری محمد طاہر	مطبع قاسمی دیوبند	بلاسنہ	۱۹

توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	باہتمام محمد ہاشم علی	مطبع ہاشمی، میرٹھ	۱۳۰۲ھ	۱۶
۲		مطبع مجتبائی دہلی	۱۳۰۸ھ	۱۶
۳	حسب فرمائش مولوی محمد ابراہیم باہتمام ظفر علی	مطبع تہذیب آفاق مراد آباد	بلاسنہ	۱۶

اس اشاعت کے آخر میں ایک فتویٰ بھی شامل ہے کہ: غیر مسلم کے ذبح کئے ہوئے گوشت کا کیا حکم ہے۔

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۴	حسب فرمائش مولوی محمد یحییٰ کاندھلوی	مطبوعہ خیر خواہ سرکار پریس سہارنپور	بلاسنہ	۲۴

مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نے لکھا ہے کہ: الدلیل المحکم توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام دو کتابیں نہیں، بلکہ ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں، البتہ توثیق الکلام میں چند سطریں زیادہ ہیں۔ یہ کتاب در اصل ایک خط ہے

جو حضرت مولانا محمد قاسم نے نانوتہ سے اپنے کسی شاگرد کے نام لکھا ہے۔ مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری نے دونوں کی ایک مشترک شرح لکھی ہے "کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟" اس کا تعارف درج ذیل ہے۔

نمبر شمار	ناشر	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	خود مصنف نے شائع کی	طبع اول	۱۳۹۷ھ	۱۳۲
۲		مکتبہ وحیدیہ دیوبند		

دونوں نسخوں کے صفحات اور سنہ طباعت بھی ایک ہی چھپے ہوئے ہیں مگر قیمت (جو چھپی ہوئی ہے) کے فرق اور بعض نشانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ دو طباعتیں ہیں۔

اسرار قرآنی

نمبر شمار	ناشر	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	حسب فرمائش مولوی محمد ابراہیم شاہ جہاں پوری	گلزار احمدی، مراد آباد	۱۳۰۴ھ	۳۱
۳	تصحیح و تنقیح مولانا عبد الاحد	مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۲۱ء	۲۰
۴	باہتمام مولانا حبیب الرحمان تصحیح عماد الدین شیر کوٹی	مطبع قاسمی، دیوبند	۱۳۳۴ھ	۲۰
۵		کتب خانہ امدادیہ، دیوبند	۱۹۵۲ء	۱۶

انتباہ المومنین

نمبر شمار	ناشر	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	شیخ ظفر علی و عبد الرحمان	مطبع احمدی، میرٹھ	۱۲۸۴ھ	۲۴
۲	مولوی عبد الاحد	مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۱۹ھ	۱۶
۳		مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۳۰ھ	۱۶

انتصار الاسلام

نمبر شمار	ناشر	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	حسب فرمائش مولانا فخر الحسن	مطبع اکمل المطابع، دہلی	۱۲۹۸ھ	۵۶
۲	مولانا محمد ابراہیم شاہ جہانپوری	گلزار احمدی مراد آباد	۱۳۰۷ھ	۵۵
۳	مولوی عبد الاحد	مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۱۴ھ	۴۸
۴	//	مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۱۹ھ	۴۸
۵	//	مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۲۲ھ	۴۸
۶	باضافہ عنوانات از مولانا محمد میاں صاحب	مطبع قاسمی، دیوبند	۱۳۴۸ھ	۹۶

تحذیر الناس

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	تصحیح مولانا محمد منیر	مطبع صدیقی، بریلی	تقریباً ۱۲۹۱ء	۴۸

۲	حسب فرمائش مولوی محمد ابراہیم	گلزار احمدی مراد آباد	۱۳۰۹ھ	۴۸
۳	تصحیح مولوی فضل الرحمان وجمیل الدین و محمد الیاس	مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۰۹ھ	۴۴
۴	حسب فرمائش مولانا محمد یحیٰ	مطبع خیر خواہ سرکار پریس سہارنپور	۱۳۲۹ھ	۴۴
۵	مولوی محمد طیب و مولوی محمد طاہر	قاسمی پریس، دیوبند	۱۳۴۴ھ	۴۴
۶	توضیح بعض عبارات تحذیر الناس از مولانا محمد منظور نعمانی	مکتبہ حفیظیہ مکی مسجد بخاری روڈ گوجرانوالہ	۱۹۸۴ء	۱۲۸
۷		//	۱۹۸۷ء	۱۲۸
۸	مولوی سید احمد	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند	بلاسنہ	
۹		ماہنامہ خالد۔ دیوبند میں قسط وار چھپی	۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء	۴۰
۱۰		کتب خانہ اعزازیہ دیوبند سے بعد میں بھی کئی مرتبہ چھپی۔	۱۳۵۸	...
۱۱	حسب فرمائش مولوی محمد ابراہیم شاگرد مولوی سید احسن	گلزار احمدی، مرد آباد	بلاسنہ	۴۸

تحفہ لحمیہ

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱		مطبع صدیقی، بریلی	بلا سنہ	۱۴
۲	باہتمام مولوی عبد الاحد	مطبع مجتبائی دہلی	۱۳۱۲ھ	۸
۳	مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی مقیم لال مسجد گنگوہ	بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ انبالہ	۱۳۲۲ھ	۸
۴		مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۲۶ھ	
۵	مولوی حبیب الرحمان	مطبع قاسمی، دہلی	۱۳۳۰ھ	۸
۶	باہتمام محمد بلال	بلال سٹیم پریس، ساڈھورہ	۱۳۳۲ھ	۸
۷	باہتمام محمد طیب مولوی محمد طاہر حواشی و عنوانات قاری محمد طیب	مطبع قاسمی دیوبند	بلا سنہ	۱۴
۸		کتب خانہ اعزازیہ دیوبند	بلا سنہ	۱۲

تصفیۃ العقائد

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	حسب فرمائش منشی عبد اللہ و منشی احمد حسن	ٹائٹل پر مطبع ضیائی میرٹھ اور آخر میں مطبع ہاشمی میرٹھ لکھا ہوا ہے۔	۱۲۹۸ھ	۳۶
۲	حسب فرمائش مولوی محمد ابراہیم	مطبع گلزار احمدی مراد آباد	۱۳۰۴ھ	۴۰

۳	باہتمام عبدالاحد	مطبع مجتبائی، دہلی مطبع منشی محمد ولی اللہ مراد آباد	۱۹۰۲ء	۴۰
۴	باہتمام مولوی ظہورالحسن	کتب خانہ امداد الغرباء	۱۳۵۴ھ	۳۲

اس نسخہ میں صرف دو خط درج ہیں، تیسرا خط جو قدیم اشاعتوں میں شامل ہے اس نسخہ میں موجود نہیں۔

۵	باہتمام عبدالاحد	مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۵۳ھ	۳۹
۶	تصحیح محمد عبدالرحمان	مطبع مجتبائی، دہلی	بلاسنہ	۴۰

تقریر دل پذیر

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	بہ تصحیح مولانا فخرالحسن	مطبع احمدی، دہلی	۱۲۹۹ھ	۲۷۲
۲	باہتمام مولانا عبدالاحد	مطبع مجتبائی دہلی	۱۹۰۱ء	۲۷۲
۳	احمد حسن خاں	مطبع احمدی، دہلی	۱۳۱۹ھ	۲۷۰
۴	باضافہ عنوانات از مولانا سید محمد میاں۔ اہتمام مولانا قاری محمد طیب و قاری محمد طاہر	مطبع قاسمی، دیوبند	۱۳۴۶ھ	۳۲۸
۵		کتب خانہ اعزازیہ دیوبند	بلاسنہ	۲۰۶

۶	مقابلہ و تصحیح مولانا عبدالرشید بستوی	شیخ الہند اکیڈمی دیوبند	۱۴۱۷ھ	۴۰۵

تقریر ابطال جزو لا یتجزیٰ

برحاشیہ صدرا مطبوعہ مجتبائی دہلی۔ یہ جزء لا یتجزیٰ کے ابطال پر حضرت مولانا نانوتوی کی اس تقریر کی ترجمانی ہے جو مولانا نے رام پور میں ایک جلسہ عام میں کی تھی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے یہ تقریر اس جلسہ میں حاضر کسی شخص سے سنی تھی اور اس کو اپنے الفاظ میں مرتب کر کے صدرا کے حاشیہ پر شائع کرادیا تھا۔ (ملاحظہ ہو سوانح قاسمی از مولانا مناظر احسن گیلانی ج ۲ ص ۱۴)

جواب ترکی بہ ترکی

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	حسب فرمائش منشی احمد حسین و منشی عبداللہ	مطبع ہاشمی، میرٹھ	۱۲۹۶ھ آخر میں سنہ طباعت ۱۲۹۷ھ ہے	۶۰
۲	باہتمام مولانا حبیب الرحمان صاحب	مطبع قاسمی، دیوبند	بلا سنہ	۶۰
۳	//	یہ [illegible] ہے	//	//

براہین قاسمیہ توضیح، جواب ترکی بہ ترکی

تالیف مولانا اشتیاق احمد دیوبندی

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	مولانا محمد اسلم	نیشنل پریس دیوبند	۱۳۸۴ھ	۱۶۰

۲		ناشر مجلس معارف القرآن دیوبند	۱۳۸۷	۱۵۹

حجۃ الاسلام

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱		مطبع احمدی، علی گڑھ	۱۳۰۰ھ	۷۴
۲	باہتمام عبد الاحد	مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۰۸ھ	۴۸
۳		مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۲۱ھ	۴۸
۴	اضافہ و عنوانات شیخ الہند مولانا محمود حسن باہتمام قاری محمد طیب	کتب خانہ قاسمی، دیوبند	۱۳۴۶ھ	۷۲
۵	باضافہ عنوانات شیخ الہند مولانا محمود حسن	کتب خانہ امدادیہ دیوبند	۱۳۵۷ھ	۶۰
۶		کتب خانہ اعزازیہ دیوبند	۱۳۵۹ھ	۶۴
۷	باہتمام مولانا فخر الحسن صاحب	مطبع فاروقی، دہلی		۴۸
۸	مقدمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی ۔ تشریح مولانا اشتیاق احمد استاد دار العلوم دیوبند	مجلس معارف القرآن، دیوبند (معہ تتمہ)	بلا سنہ	۱۷۲

۹	حسب فرمائش مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی	مطبع بلالی سٹیم واقع، ساڈھورہ	بلاسنہ	۱۴۸

(تتمہ حجۃ الاسلام)

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱۰	باہتمام عبدالاحد	مطبع مجتبائی، دہلی	۱۲۹۸ھ	۱۲
۱۱	حسب فرمائش محمد یحییٰ کاندھلوی	بلالی سٹیم پریس ساڈھوڑہ	بلاسنہ	۱۲

حق الصریح فی اثبات التراویح

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	تصحیح تنقیح مولوی محمد حسن مراد آبادی، مدرس مدرسہ عربیہ مراد آباد	مطبع عین الاخبار مراد آباد	بلاسنہ	۲۲

قبلہ نما

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	باہتمام مولانا فخر الحسن	مطبع اکمل المطابع، دہلی	۱۲۹۸ھ	۱۳۵
۲		مطبع مجتبائی، دہلی	۱۰ر صفر ۱۳۱۵ھ	۸۸
۳	بسعی و تصحیح مولوی محمد یحییٰ کاندھلوی	مطبع خیر خواہ سرکار پریس سہارنپور	۱۳۱۵	۱۱۶

۴		مطبع قاسمی دیوبند	یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ	۸۸
۵	تصحیح مولوی محمد یحییٰ صاحب	خیر خواہ سرکار پریس سہارنپور	یہ دوسری طباعت ہے	۱۱۶
۶	باہتمام قاری محمد طیب صاحب	مطبع قاسمی، دیوبند	۱۳۴۵ھ	۹۲
۷	باہتمام مولوی سید احمد صاحب	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند	بلاسنہ	۱۰۴

قصائد قاسمی

۱	باہتمام مولوی عبدالاحد	مطبع مجتبائی دہلی	۱۳۰۹ھ	۲۴
۲	باہتمام دلاور علی مع شجرہ منظومہ	مطبع عین الاخبار مراد آباد		۳۲ ۷
۳	قصائد مع شجرہ منظومہ چشتیہ صابریہ	کتب خانہ رشیدیہ، دہلی	۱۳۶۰ھ	۳۱ ۸

گفتگوئے مذہبی

۱	باہتمام محمد حیات	مطبع ضیائی، میرٹھ	۱۲۹۴ھ	۴۲
۲		مطبع رحمانیہ، مونگیر	۱۳۰۰ھ	۲۴
۳		مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۲۸ھ	۴۰
۴		مطبع احمدی	بلاسنہ	۹۲

۵	بسعی مولانا محمد یحییٰ تاجر کتب دینیہ گنگوہ سہارنپور		بلاسنہ	۴۴
۶		کتب خانہ یحیوی سہارنپور	بلاسنہ	۴۶
۷		بلانام ناشر و طابع وسنہ	بلاسنہ	۴۴
۸	باہتمام محمد زکریا کاندھلوی	کتب خانہ یحیوی سہارنپور	بلاسنہ	۴۰

مباحثہ شاہ جہاں پور

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	حسب امر مولوی محمود حسن و مولوی فخر الحسن	مطبع احمدی، دہلی	۱۲۹۹ھ	۹۶

نوٹ: ٹائٹل پر ۱۲۹۹ھ اور آخری صفحہ پر ۱۳۰۰ لکھا ہوا ہے۔

۳		مطبع مجتبائی دہلی	۱۸۹۱ء	۹۲
۴	باہتمام مولانا حبیب الرحمان	مطبع قاسمی، دیوبند	۱۳۳۴ھ	۹۲
۵	بتصحیح محمد یحییٰ تاجر کتب دینیہ	خیر خواہ سرکار پریس سہارنپور	بلاسنہ	
۶	باہتمام مولوی سید احمد	کتبخانہ اعزازیہ دیوبند	بلاسنہ	۸۸

مصابیح التراویح

۱	حسب فرمائش محمد احسن امروہوی	مطبع ضیائی میرٹھ	۱۲۹۰ھ	۱۰۷

۲		ادارہ نشرواشاعت دارالعلوم دیوبند		۱۱۲

مصابیح التراویح کے اردو ترجمے

۱		مترجم مولانا عبدالحفیظ بلیاوی	ماہنامہ دارالعلوم میں قسط وار چھپی رجب شعبان وغیرہ ۱۳۶۸ھ
۲	انوار المصابیح	مولانا اشتیاق احمد دیوبندی	

مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری نے لکھا ہے کہ: اس کتاب کا مولانا اشتیاق احمد دیوبندی نے ترجمہ فرمایا ہے جو انوار المصابیح کے نام سے شائع ہوا مگر اس سے کتاب کماحقہ حل نہیں ہوئی، اس لیے ابھی مزید کام کی حاجت ہے۔

مناظرہ عجیبہ

۱	تصحیح مولوی محمد حسن	گلزار ابراہیم مراد آباد	بلاسنہ	۱۰۶
۲	تصحیح مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی	بلال سٹیم پریس ساڈھورہ	بلاسنہ	۱۰۴
۳		مطبع معلوم نہیں		۴۲

ہدیۃ الشیعہ

۱		مطبع ہاشمی، میرٹھ	۱۲۸۴ھ	۳۶۲
۲		مطبع فیض ہاشمی، میرٹھ	۱۳۰۱ھ	۳۶۲
۳	حسب فرمائش مولوی عبدالاحد	مطبع احمدی، دہلی	۱۳۲۱ھ	۳۶۳
۴		نعمانی کتب خانہ، لاہور	بلاسنہ	۵۳۸

حضرت مولانا محمد قاسم کے مکتوبات کے مجموعے
(جس میں سے چند مجموعوں میں افادات بھی شامل ہیں)

جمال قاسمی

۱	باہتمام مولوی عبدالاحد	مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۰۹ھ	۱۲
۲	//	مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۱۹ھ	۱۲
۳	//	//	۱۳۳۷ھ	
۴	حسب فرمائش مولوی محمد یحییٰ صاحب	بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ	بلاسنہ	۱۲
۵		//	//	۱۲

فرائد قاسمیہ

۱	مرتبہ مولانا عبدالغنی پھلاودی مقدمہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی	ادارہ ادبیات دہلی	۱۴۰۰ھ	۲۴۲

فیوض قاسمیہ

۱		مطبع ہاشمی میرٹھ	۱۳۰۴ھ	۶۰
۲		بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ انبالہ	۱۳۰۴ھ	۵۲

۳	باہتمام مولانا محمد یحیٰ تاجر کتب گنگوہ	نوٹ: بلالی سٹیم پریس سے کئی مرتبہ چھپی ہے		۵۶
۴		کتب خانہ اعزازیہ دیوبند	بلاسنہ	۵۶

احکام الجمعہ

(یہ فیوض قاسمیہ کے مکتوب نمبر ۶ کا ترجمہ ہے)

۱	حسب فرمائش سید فضل الرحمان صاحب	رام پریس، میرٹھ	۱۳۴۲ھ	۲۴

نقل خط مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی، بنام مولوی میر محمد صادق صاحب مدراسی بجواب استفتاء مولوی عبد السلام،

قاسم العلوم

(مجموعہ افادات و مکتوبات)

مرتبہ منشی ممتاز علی دہلوی

قسط اول	مکتوب نمبر ۱	مطبع مجتبائی، دہلی	سنہ طباعت ۱۵ رربیع الاول ۱۲۹۲ھ	صفحات ۱۸
//	مکتوب نمبر ۲	//	//	۴۶
قسط دوم	مکتوب نمبر ۳	//	//	۴۵
//	مکتوب نمبر ۴	//	//	۱۰
//	مکتوب نمبر ۵	//		۳۲

قسط سوم	مکتوب نمبر ۶	//	//	۶
	مکتوب نمبر ۷	//	//	۳۲
	مکتوب نمبر ۸	//	//	۳۵
قسط چہارم	مکتوب نمبر ۹	//	//	۱۷
	مکتوب نمبر ۱۰	//	//	۱۹
	مکتوب نمبر ۱۱	//	//	۷
طبع دوم		//	بلا سنہ	

حضرت مولانا نانوتوی کی مکتوبات وافادات کا سب سے بڑا اور اہم ترین مجموعہ قاسم العلوم ہے۔ حضرت مولانا کے علوم وافکار کی شرح و تفہیم کے لیے غالباً سب سے زیادہ اسی پر اعتماد ہوا ہے اور علوم قاسمی کے تذکرے میں بیشتر اسی کے حوالے ملتے ہیں اور اس میں شامل بعض مکتوبات کتابی صورت میں علیحدہ بھی چھپے ہیں اور ان کے اردو ترجمے بھی ہوئے ہیں، آخر میں مولانا انوار الحسن شیر کوٹی نے قاسم العلوم کے مکمل نسخہ کے ترجمہ کا ارادہ کیا تھا، مولانا کی یہ کاوش انوار النجوم کے نام سے چھپی ہے مگر انوار النجوم سے استفادہ کے وقت دو باتوں کا خیال ضروری ہے

الف: ترجمہ میں شامل مکتوبات کی ترتیب قاسم العلوم کی ترتیب کے مطابق نہیں، مترجم نے مکتوبات آگے پیچھے کر دیئے ہیں۔

ب: ترجمہ بھی اصل کے شایان شان نہیں، کئی موقعوں پر تو مترجم حضرت مصنف کی منشاء غالباً سمجھے نہیں اور بہت سی جگہ یہ ہوا ہے کہ ترجمہ میں اصلی کے الفاظ یا وہ خاص لفظ یا فقرہ جو نسبتاً مشکل اور دقیق تھا جوں کا توں نقل کر دیا ہے۔ اس لیے اصل کتاب کے مضامین و مندرجات سے استفادہ کے لیے اس ترجمہ پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

ج: نیز انوار النجوم کی طباعت کے بعد چند مکتوبات کا انوار النجوم میں شامل

ترجمہ علاحدہ کتابی صورت میں بھی شائع ہوا ہے۔ تفصیل یہ ہے۔

انوار النجوم

(ترجمہ اردو، قاسم العلوم)

۱	مترجم پروفیسر	مطبع ناشران قرآن	سنہ طباعت	صفحات
	انوار الحسن شیر کوٹی	لاہور	۱۳۹۴	۵۶۰

(قاسم العلوم مع اردو ترجمہ انوار النجوم (طبع دوم)

۲		مطبع ناشران قرآن لاہور		۷۳۵

شہادت امام حسینؓ

(یہ انوار النجوم کا ایک حصہ ہے جو قاضی مظہر حسین کے مقدمہ کے اضافہ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے)

۱		ناشر تحریک اہل سنت والجماعت لاہور	۱۴۰۲ھ	۹۷

تخلیق کائنات سے پہلے اللہ کہاں تھا؟

(شرح حدیث ابی رزینؓ این کان ربنا قبل ان یخلق الخلق) جو انوار النجوم ترجمہ قاسم العلوم سے لیا گیا ہے۔ اور قاسم العلوم میں درج ایک خط کا ترجمہ ہے۔

۲	تسہیل وتوضیح از مولانا عزیز الرحمان	مکتبہ حسینہ، گوجرانوالہ	محرم ۱۴۱۳ھ	۱۷۶

لطائف قاسمیہ

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	مولوی عبدالاحد	مطبع مجتبائی، دہلی	۱۳۰۹ھ	۲۸
۲	باہتمام عبدالاحد	//	۱۳۳۶ھ	۲۸
۳	حسب فرمائش مولوی محمد ابراہیم	مطبع گلزار احمدی مراد آباد		

مکتوبات قاسمیہ

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱		مطبع قاسمی، شائع کردہ کتب خانہ قاسمی دیوبند		۱۲
۲		کتب خانہ قاسمی دیوبند		۱۶

مکتوبات قاسمی

مرتب: مولانا عبدالغنی پھلاودی،

مکتوبہ بقلم: (مولانا) محمد ابراہیم، پھلاودی ۱۳۲۲ھ

اس نسخہ کا عکس راقم سطور نورالحسن راشد کاندھلوی نے مقدمہ کے ساتھ شائع کردیا ہے۔

اسرار الطہارۃ

نمبر شمار	باہتمام	مطبع یا کتب خانہ	سنہ طباعت	صفحات
۱	باہتمام قاری محمد طیب صاحب و قاری و محمد طاہر صاحب	مطبع قاسمی، دیوبند		۲۰

اس میں پھلاودہ کے ایک نامعلوم الاسم قلمی نسخہ کے مندرجات مرتب

نے اپنی زبان میں پیش کئے ہیں جس کا اکثر حصہ مکتوبات قاسمی میں درج جواب اعتراضات پادری صاحبان سے ماخوذ ہے۔ مرتب کا جو ماخذ ہے وہ تقریباً ۷۵ صفحات پر مشتمل تھا مگر وہ صحیح اور مقابلہ شدہ نہیں تھا۔ اس لیے اس نسخہ اور مکتوبات قاسمی کے مندرجات میں فرق ہے۔

حضرت مولانا نانوتویؒ کی تالیفات کی پاکستان کی چند اشاعتیں

اس اشاریہ کی کمپوزنگ مکمل ہو چکی تھی کہ لاہور پاکستان سے مولانا نعیم الدین صاحب (استاد جامعہ مدنیہ لاہور، مصنف حدیث اور اہل حدیث وغیرہ) کا عنایت نامہ موصول ہوا، جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تصانیف اور ان کے متعلقات پر پاکستانی مطبوعات کی فہرست بھی منسلک تھی۔ اس فہرست میں حضرت نانوتوی کی چند تصانیف کے متعدد ایسی طباعتوں کا اور ان پر کام کا ذکر ہے جن کا ہندوستان میں عموماً تعارف نہیں اس لیے اس فہرست کے بغیر مذکورہ بالا اشاریہ کچھ زیادہ ہی ناتمام محسوس ہو رہا ہے، لہٰذا مولانا کے دلی شکریہ کے ساتھ (فجزاہ اللہ تعالیٰ) یہ فہرست بھی یہاں شامل کی جا رہی ہے۔ (نور)

(الف) کراچی میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادہ محمد رضی عثمانی صاحب مرحوم کے مکتبہ دار الاشاعت سے درج ذیل کتب چھپی ہیں:

(۱) حجۃ الاسلام (۲) میلہ خدا شناسی (۳) مباحثہ شاہجہاں پور (۴) تصفیۃ العقائد (۵) تحذیر الناس۔ اس کے ساتھ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا لکھا ہوا چھ صفحات کا تکملہ بھی ہے۔

(ب) مکتبہ قاسم العلوم ج ون ۱۴۰ کورنگی کراچی سے مناظرہ عجیبہ چھپی ہے جس کی ترتیب جدید اور عنوانات مولانا حسین احمد نجیب رفیق دار التصنیف دار العلوم کراچی نے قائم کئے ہیں۔

(ج) ادارہ گلستان اہل سنت سرگودھا سے الاجوبۃ الکاملۃ فی الاسئلۃ الخاملہ چھپی ہے۔

(د) میر محمد، کتب خانہ آرام باغ کراچی سے بنام "نادر مجموعہ رسائل جناب مولانا محمد قاسم نانوتوی" ایک مجموعہ چھپا ہے اس میں دس رسالے ہیں، جن میں سے پہلا رسالہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کا ہے جس کا نام ہے "سوانح عمری" باقی نو رسالے حضرت نانوتوی کے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) مجموعہ رسائل تقریرات مباحثہ شاہجہاں پور (۲) گفتگوئے مذہبی وواقعہ میلہ خدا شناسی (۳) انتصار الاسلام محشی و معنون اس کا تحشیہ و عنوان کا کام مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ نے کیا ہے (۴) الحق الصریح فی اثبات التراویح (۵) الدلیل المحکم علیٰ قراءۃ الفاتحۃ للمؤتم (۶) جمال قاسمی (۷) تحذیر الناس (۸) انتباہ المؤمنین (۹) تحفہ لحمیہ۔

(ہ) ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ سے اجوبہ اربعین شائع ہوئی، اس کا مقدمہ حضرت مولانا صوفی عبد المجید سواتی بانی مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ نے لکھا ہے اور حواشی و عنوانات مولانا مہر محمد (فاضل مدرسہ نصرت الاسلام) نے قائم فرمائے ہیں۔

(و) حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی دامت برکاتہم نے حضرت نانوتوی کی کتاب حجۃ الاسلام کی تعریب بھی کی ہے جو انہیں کے ادارہ نے شائع کر دی ہے۔

(ز) نعمانی کتب خانہ لاہور سے حضرت نانوتوی کی کتاب ہدیۃ الشیعہ چھپتی رہی

ہے۔

(ح) ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے حضرت نانوتویؒ کی دو کتابیں آب حیات اور ہدیۃ الشیعہ طبع ہو رہی ہیں۔

(ط) ادارہ اسلامیات نئی انارکلی لاہور سے حضرت نانوتوی کی کتاب انتصار الاسلام کی تسہیل جو دیوبند میں طبع ہوئی تھی اس کا عکس بنام "اسلام اور ہندو مت" چھپ رہا ہے۔

(ی) لاہور کے ایک بریلوی مکتبہ نے حضرت نانوتوی کا رسالہ "قصائد قاسمی" چھاپا ہے مگر کسی بھی کام کے بغیر۔

(ک) کراچی کے ایک ادارہ نے حضرت نانوتوی کی کتاب قبلہ نما کی تسہیل کا عکس شائع کیا ہے۔ کتاب سامنے نہ ہونے کی وجہ سے ادارہ کا نام نہیں لکھ سکا۔

حضرت مولانا نانوتوی کے ملفوظات کا ایک بہت اہم اور ضخیم مجموعہ

(جو حضرت مولانا کے ایک شاگرد نے جمع اور مرتب کیا تھا اور ایک ہزار صفحات پر مشتمل تھا)

مولانا قاری احمد صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت مولانا کے ایک شاگرد نے جو بنگلور کے رہنے والے تھے اور متواتر کئی سال تک حضرت مولانا کی خدمت میں رہے تھے، حضرت مولانا کے ملفوظات کی جمع و ترتیب کا اہتمام کیا تھا۔ قاری احمد صاحب کی اطلاع کے مطابق یہ مجموعہ ملفوظات ایک ہزار صفحات پر مشتمل تھا مگر بعد میں اسکا پتہ نہیں چلا کہ یہ نسخہ کہاں گیا۔

قاری محمد طیب صاحب نے بھی اسرار الطہارۃ کے مقدمہ میں یہ روایت نقل کی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس اہم مجموعہ ملفوظات کو جو ہمارے دینی علمی ورثے میں یقیناً ایک اضافہ ثابت ہوگا تلاش کر کے شائع کیا جائے۔

رہنمائے راہ

یعنی

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر کرنے کے کام
ان کی معنویت اور ترتیب

تحریرات وافادات

☆ شیخ الہند، حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
☆ مولانا محمد میاں، منصور انصاری غازیؒ
☆ مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی دیوبندیؒ

نیز معروضات

نور الحسن راشد کاندھلوی

مجلہ صحیفۂ نور، مولویان، کاندھلہ ضلع مظفر نگر یوپی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے علوم و معارف کی افادیت اور حضرت مولانا پر کرنے کے کام اور ان کی ترتیب

رہنمائی افادات اور گزارشات

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصانیف، افادات اور مکتوبات و ملفوظات کی تصحیح، تحقیق، تدوین اور ان کے مختلف مباحث و مکتوبات اور افادات کو متعلقہ عنوانات و ابواب کے تحت مرتب کر کے شائع کرنے اور ان کتابوں اور علوم کے اور زبانوں میں ترجمے کی بات بار بار کہی گئی ہے اور جب بھی یہ بات کہی گئی دارالعلوم دیوبند کے فضلا اور وابستگان نے اس کی تائید کی، مضامین لکھنے والوں کی واہ واہ ہوئی، داد و تحسین کا شور مچا اور پھر تازہ مضمون بھی اور مضامین کی طرح رسالوں کے پرانے شماروں اور کتابوں کے انبار میں دب کر رہ گئے، ظاہر ہے کہ یہ طریقہ سراسر غفلت کا اپنے مقصد و مشن اور خود متعین کردہ شاہراہ عمل سے انحراف کا ہے، جس پر افسوس تو کیا جاسکتا ہے مگر اس تائید و تحسین ممکن نہیں۔

اگرچہ یہ باتیں کئی بار دہرائی جاچکی ہیں اور ان کا کوئی خاص فائدہ اور اثر ظاہر نہیں ہوا مگر قند مکرر کے طور پر ایک مرتبہ پھر یہ سوچ کر کہ:

"شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں مری بات"

پیش کی جارہی ہیں اور اس سلسلہ کی دو اہم تحریریں یا ان کے اقتباسات یہاں شائع کئے جارہے ہیں۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن نے حضرت مولانا نانوتوی کی مشہور تصنیف حجۃ الاسلام کی تصحیح کی تھی اور اس پر ایک تمہید نیز عنوانات کا اضافہ فرمایا تھا، جس کی آخری سطور میں حضرت مولانا کے علوم و معارف کی تدوین و اشاعت

کی ضرورت پر توجہ دلائی تھی اور اس کام کے لیے کچھ طریقہ بتایا تھا حضرت شیخ الہند کی اس تحریر کا یہ حصہ آئندہ صفحات میں شامل کیا جارہا ہے۔

حجۃ الاسلام کا یہ نسخہ جس پر شیخ الہند کا مقدمہ ہے اور ایک مرتبہ مولانا عبید اللہ سندھی کی چند سطور کے اضافہ یا تعارف کے ساتھ ماہنامہ برہان، دہلی کے نومبر ۱۹۴۳ء کے شمارہ میں بھی شائع ہوا تھا مگر مولانا سندھی کی ان سطور میں کوئی نئی بات یا حضرت مولانا محمد قاسم کے علوم وافادات کے پہلو سے کوئی مشورہ یا رائے شامل نہیں تھی، اس لیے مذکورہ سطور یہاں شائع نہیں کی گئیں۔ مذکورہ دونوں تحریروں کی وجہ سے برہان کے اس شمارہ کے اداریہ میں مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی[1] نے اسی پر بحث کی تھی اور حضرت نانوتوی کے علوم و معارف کی ترتیب واشاعت پر توجہ دلائی تھی، یہ اداریہ بھی آئندہ صفحات میں پیش کیا جارہا ہے[2]۔ مولانا مفتی عتیق الرحمان کی تحریر سے پہلے مولانا منصور انصاری (نامور مجاہد آزادی اور مولانا عبد اللہ انصاری کے فرزند) کی ایک اہم تحریر جو مولانا نے کابل سے ارسال فرمائی تھی اور ماہنامہ القاسم دیوبند ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ میں چھپی تھی نیز راقم سطور نے بھی دار العلوم دیوبند کے اہل شوریٰ کی فرمائش پر ایک تحریر لکھی تھی یہ تحریر یہاں بھی پیش کی جارہی ہے[3]۔

---

[1] اس زمانہ میں کسی قانونی مجبوری کی وجہ سے اداریہ مفتی صاحب لکھ رہے تھے۔

[2] برہان میں شائع مضامین کی ایک نادیدہ کرم فرما، جناب شبیر احمد میواتی لاہور نے رہنمائی کی، موصوف کے شکریہ کے ساتھ یہ مضامین یہاں شامل کیے جارہے ہیں۔ نور

[3] یہ تحریر ماہنامہ ترجمان دار العلوم دہلی نومبر ۱۹۹۹ء میں شائع ہو چکی ہے۔

(۱)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کی متوسلین دار العلوم دیو بند کے لئے ایک وصیت

بندہ محمود، حمد و صلوٰۃ کے بعد طالبانِ معارف اور دلدادگان اسرار ملت حنفیہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ:

۱۸۷۶ء میں پادری نولس صاحب اور منشی پیارے لال صاحب ساکن موضع چاندا پور متعلقہ شاہ جہان پور نے باتفاق رائے جب ایک میلہ بنام خدا شناسی موضع چاندا پور میں مقرر کیا، اور اطراف و جوانب میں اس مضمون کے اشتہار بھجوائے کہ ہر مذہب کے علماء آئیں اور اپنے اپنے مذہب کے دلائل سنائیں۔ تو اس وقت معدن الحقائق مخزن الدقائق مجمع المعارف، مظہر اللطائف، جامع الفیوض و البرکات، قاسم العلوم والخیرات، سیدی و مولائی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب متعنا اللہ تعالیٰ بعلومہ و معارفہ نے اہل اسلام کی طلب پر میلہ مذکور کی شرکت کا ارادہ ایسے وقت مصمم فرمایا کہ تاریخ مباحثہ یعنی ۷ مئی سر پر آ گئی تھی۔

چونکہ یہ امر بالکل معلوم نہ تھا کہ تحقیق مذاہب اور بیان دلائل کی کیا صورت تجویز کی گئی ہے، اعتراضات و جوابات کی نوبت آئے گی، یا زبانی اپنے اپنے مذہب کی حقانیت بیان یا بیانات تحریری ہر کسی کو پیش کرنے پڑیں گے، تو اسی لئے و بنظر احتیاط حضرت مولانا قدس سرہ کے خیال مبارک میں یہ آیا کہ ایک تحریر جو اصول اسلام اور فروع ضروریہ بالخصوص جو اس مقام کے مناسب ہوں، سب کو شامل ہو حسب قواعد عقلیہ منضبط ہونی چاہئے، جس کی تسلیم میں عاقل منصف کو

کوئی دشواری نہ ہو اور کسی قسم کے انکار کی گنجائش نہ ملے۔ چونکہ وقت بہت تنگ تھا، اس لئے نہایت عجلت کے ساتھ غالباً ایک روز کامل اور کسی قدر شب میں بیٹھ کر ایک تحریر فرمائی۔ جلسہ مذکورہ میں تو مضامین مندرجہ تحریر مذکورہ کو زبانی ہی بیان فرمایا اور دربارہ حقانیت اسلام میں جو کچھ بھی فرمایا وہ زبانی ہی فرمایا اور اسی لئے تحریر مذکور کے سنانے کی حاجت اور نوبت ہی نہ آئی، چنانچہ مباحثہ مذکور کی جملہ کیفیت بالتفصیل چند بار طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

مگر جب اس مجمع سے بحمد اللہ نصرت اسلام کا پھریرا اڑاتے ہوئے حضرت مولانا المعظم واپس تشریف لائے، تو بعض خدام نے عرض کیا کہ تحریر جو جناب نے تیار فرمائی تھی اگر مرحمت ہو جائے تو اس کو مشتہر کر دینا نہایت ضروری اور مفید نظر آتا ہے یہ عرض مقبول ہوئی اور تحریر مذکور متعدد مرتبہ طبع ہو کر اس وقت تک تسکین بخش قلوب اہل بصیرت اور نور افزائے دیدۂ اولی الابصار ہو چکی ہے اور مولانا مولوی فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے مضامین کے لحاظ سے اس کا نام حجۃ الاسلام تجویز فرما کر اول بار شائع فرمایا تھا، جس کی وجہ تسمیہ دریافت کرنے کی کم فہم کو بھی حاجت نہ ہوگی۔

اس کے بعد چند مرتبہ مختلف مطابع میں چھپ کر وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہی، صاحبان مطابع اس عجالہ مقبولہ اور نیز دیگر تصانیف حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اشاعت دیکھ کر صرف بغرض تجارت معمولی طور پر ان کو چھاپتے رہے، کسی اہتمام زائد کی حاجت ان کو محسوس نہ ہوئی، اسی لیے فقط کاغذ اور لکھائی اور چھپائی ہی میں کوتاہی نہیں ہوئی، بلکہ تصحیح عبارت میں بھی نمایاں خلل پیدا ہو گئے۔ اس حالت کو دیکھ کر کفش برداران قاسمی اور دلدادگان اسرار علمی کو بے اختیار اس امر پر کمر بستہ ہونا پڑا کہ صحت، خوشخطی وغیرہ تمام امور کا اہتمام کر کے اس عجالہ مقدسہ کو چھاپا جائے اور بغرض توضیح حاشیہ پر ایسے نشانات کر دیئے جائیں جس سے تفصیل مطالب ہر کسی کو بے تکلف معلوم ہو جائے اور جملہ تصانیف حضرت

مولانا نفع اللہ المسلمین بفیوضہ کو اسی کوشش اور اہتمام کے ساتھ چھاپ کران کی اشاعت میں سعی کی جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

اس تحریر کی نسبت حضرت مولانا کی زبان مبارک سے یہ بھی سنا گیا کہ جو مضامین تقریر دل پذیر میں بیان کرنے کا ارادہ ہے وہ سب اس تحریر میں آگئے، اس قدر تفصیل سے نہ سہی بالاجمال ہی سہی۔ ایسی حالت میں تقریر دل پذیر کے تمام نہ ہونے کا جو قلق شائقان اسرار علیہ کو ہے اس کے مکافات کی صورت میں بھی اس رسالہ سے بہتر دوسری نہیں ہو سکتی۔

اب طالبان حقائق اور حامیان اسلام کی خدمت میں ہماری یہ درخواست ہے کہ تائید احکام اسلام اور مدافعت فلسفۂ قدیمہ و جدیدہ کیلئے جو تدبیریں کی جاتی ہیں ان کو بجائے خود رکھ کر حضرت خاتم العلماء کے رسائل کے مطالعہ میں بھی کچھ وقت ضرور صرف فرماویں اور پورے غور سے کام لیں اور انصاف سے دیکھیں کہ ضروریات موجودہ زمانہ حال کیلئے وہ سب تدابیر سے فائق اور مختصر اور مفید تر ہیں یا نہیں۔

اہل فہم خود اس کا تجربہ کچھ تو کرلیں، میرا کچھ عرض کرنا اس وقت غالباً دعویٰ بلا دلیل سمجھ کر غیر معتبر ہوگا، اس لیے زیادہ عرض کرنے سے معذور ہوں، اہل فہم و علم خود موازنہ اور تجربہ فرمانے میں کوشش کر کے فیصلہ کرلیں۔

باقی خدام مدرسہ عالیہ دیوبند نے تو یہ تہیہ بنام خدا کرلیا ہے کہ تالیفات موصوفہ مع بعض تالیفات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ وغیرہ تصحیح اور کسی قدر توضیح و تسہیل کے ساتھ عمدہ چھاپ کر اور نصاب تعلیم میں داخل کر کے ان کی ترویج میں اگر حق تعالیٰ توفیق دے تو جان توڑ کر ہر طرح کی سعی کی جائے، اور اللہ کا فضل حامی ہو تو وہ نفع جو ان کے ذہن میں ہے اوروں کو بھی اس کے جمال سے کامیاب کیا جائے: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

کیا فائدہ فکر بیش و کم ہوگا ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا، ہوا کرم سے تیرے جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

مکتوب مولانا محمد میاں منصور انصاری
(نواسہ مولانا محمد قاسم نانوتوی)
از کابل افغانستان

برادر عزیز مکرم جناب مولوی حافظ قاری محمد طاہر صاحب زاد توفیقہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

برخودار حامد کے خطوط سے آپ کی بلند اور نیک کاموں اور اعلیٰ توفیقات کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں شکر خدا ادا کرتا ہوں اور مزیدی و کامیابی کی دعا۔ سب سے دل خوش کن اور آتی کے لیے مبارک کام آپ کا تنظیم قاسمی کی طرف توجہ فرمانا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کو ہندوستان اور منتسبین قاسمی نے کماحقہ نہیں پہچانا باہر جاکر حیرت ہوتی ہے کہ (...... جو خانہ خراب اسکیم کا مالک تھا عام طور پر پہچانا جاتا اور اس کے اوصاف کے قصائد گائے جاتے ہیں لیکن) مولانا مرحوم کی خدمات حتیٰ کہ نام تک سے بھی کوئی واقف نہیں۔ حالانکہ مولانا کے کمالات اور خدمات آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہیں۔ (جس طرح...... کی خانہ ویرانی)

یہی حال ہندوستان میں بھی ہے کہ سوائے ایک خاص طبقہ کے مولانا کی حقیقت سے کوئی بھی واقف نہیں۔ بلکہ اگر سچ پوچھیے تو اس طبقہ والے بھی مولانا کے علم و عمل (تقویٰ وزہد تحریر و تقریر و مناظرہ) کے قائل ہیں۔ یعنی ایک مرد مذہبی کی حیثیت سے جانتے ہیں اور میدان سیاست میں اُن کو کوئی حصہ نہیں دیتے حالانکہ آج ہندوستان میں اہل اسلام کا موجودہ عروج و وجود زیادہ تر مولانا مرحوم کی سیاست کا مرہون منت ہے۔ ہندوستان میں حقیقی اسلامی روح کی محافظت اسلامی مدارس نے کی ہے اور اسلامی مدارس کا چندہ سے اجرا، حضرت

مولانا کی دوربین سیاسی (نورانی) دماغ کی ایجاد ہے۔ فرض کر لیجئے کہ ہندوستان میں ہندوراج ہوتا ہندو اسی درجہ پر ترقی یاب ہوتے...... کی خدمات بھی ایسی ہی کیفیت رکھتی ہوتیں۔ دول اسلامیہ (ترکی، ایران، افغانستان) کے ضعف اور خصوصی سیاسیات بھی یہی ہوتیں جو اَب ہیں۔ لیکن چندہ کے اسلامی مدارس اور اُس کے تعلیم یافتہ اور اثرات ہندوستان میں نہ ہوتے تو اس حالت میں مسلمانان ہند کی کیا حالت ہوتی؟

آج ہندوستانی اخبارات علی گڑھ یا سرکاری تعلیم گاہوں کے فرزندوں کے ہاتھ میں ہیں مگر ان میں مذہبی روح کی پرزور روانی علی گڑھ یا سرکار کی پیدا کی ہوئی نہیں ہے بلکہ (کوئی احساس کر سکے یا نہ) یہ دیوبندی اور قاسمی فرزندی کا اثر ہے۔

قاسمؒ کو نام و نمود کی خواہش نہ تھی (اُس نے ہمیشہ اپنے نام کو اپنے کاموں سے دور رکھا وہ دُنیا میں فانی رہنا ہی پسند کرتا تھا) یہی وجہ ہے کہ آج اس کا اثر تو تمام مسلمانان ہند پر چھایا ہوا ہے، مگر اس کی نسبت دوسروں کی طرف ہے۔ اپنے عالمگیر اثر کے باوجود خود کو چھپا سکنا آفتاب جیسے روشن انوار کی شعاعوں کو اپنے سے دور رکھنا کس بڑے سے بڑے مرد سے ہو سکا؟

دنیا میں تو ایک ہلدی کی گرہ پانے پر پنساری بنجانے کا فلسفہ جاری ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، سوت نہ کپاس جلاہے سے لٹھم لٹھا، یہ سخت مشکل قاسمؒ کے ہاتھ سے انجام پا سکی، اس ممتنع عادی کے امکان کا مشاہدہ اُس کے پرتوِ ہمت انکساریہ کی برکت سے ہوا۔

بیشک آج کی دنیا میں یہ ایک کمال ہے جس کا متصف خاص مولانا مرحوم کی ذات ہی نظر آتی ہے۔ مولاناؒ کا یہ خاص کمال تھا جس کا ظاہر ہونا ضروری تھا جو ہو چکا لیکن اب اس کا باقی رہنا دوسرے کمالات کے لیے ایک موٹے پردہ کا حکم رکھتا ہے۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ حضرت مرحوم کے زبردست اور عام کمالات

کے چہرہ پر سے یہ غفلت پردہ اُٹھایا جائے؟

یہ میرا سوال عام منسبین دیوبند سے ہے

میرے خیال میں آج مسلمانان ہندوستان میں مختلف ذوات میدان سیاست میں اپنی سپہ سالاری منوانے کے لیے ایک دوسرے کے مقابل کھڑی ہیں اور ہندوستان میں اگرچہ قاسمی مساعی سے مذہبی رنگ عام ہوچکا ہے۔ لیکن ان حضرات میں زیادہ تر یہ رنگ عوام کے رجحانات کے دباؤ سے معلوم ہوتا ہے، اس لیے جب کسی خارجی سیاست کا سنگین بوجھ ان کی فکر کو آدباتا ہے تو وہ اس میں بالکل دب جاتے ہیں، اُن کی اسلامیت اجنبی رنگ لے لیتی ہے، جس سے اُن کے اور کل اُمت کے مساعی منافع اجنبیہ کے خدمت گذاری میں (یا اسلامیت کے مٹانے میں) لگ جاتے ہیں اور یہ ایک شومی ہے جو مسلمانوں کو بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹاتی چلی جاتی ہے، جس کا دور کرنا ضروری ہے اور جس کے دور کرنے ہی سے ہم زندہ رہنے کے قابل ہوسکتے ہیں۔

اس وقت مسلمانان ہند کو ایسی ذات کے پہچاننے کی اشد ضرورت ہے جس کی سیاست کا ایک قدم بھی اجنبیت کی طرف نہ اُٹھا ہو تاکہ اُس کے اقتدار کے فیض سے وہ برابر نجات کی طرف بڑھتے چلے جائیں۔

یہ ذات حضرت مصلح اعظم مولانا محمد قاسم مرحوم و مغفور کی ذات ستودہ صفات ہے جس کو جلد ہی عام ہندوستان مان سکتا ہے۔

اس فریضہ کے انجام دینے کے لیے فی الحال یہی چیزیں لازم معلوم ہوتی ہیں

(۱) تنظیم متوسلین قاسمی (دارالعلوم دیوبند

(۲) ترتیب سوانح حیات قاسمؒ

(۳) مختلف اخبارات اعلیٰ پیمانہ پہ جاری کرانا

(۴) مرکز دیوبند سے

(الف) قاسم العلوم یا القاسم کا مقبول طریقہ پر اجراء

(ب) ایک اعلیٰ روزنامہ کا اجراء۔

(۵) جس طرز تحریر کے حضرت مولانا مرحوم موجد ہیں اُس احیاء اور طلبہ کو اس کی اقتداء پر مائل کرنا۔

(۶) تالیفات مولانا کو اعلیٰ چھاپ کر ارزان فروخت کرنا۔

(۷) حضرت مولانا شیخ الہند کے سوانح کو اعلیٰ ترتیب دے کر شائع کرنا۔

میرا خیال ہے کہ اگر "جامعہ قاسمیہ" اپنے اصحاب قلم کو جو مختلف اخبارات اور رسائل میں کام کر رہے ہیں ایک جا کر لے یعنی اُن کو اس فکر کی تبلیغ میں لگا دے تو مقصد میں بسہولت کامیابی ہو سکتی ہے۔ ان کے علاوہ اپنے بعض مقتدر حضرات کو دوسرے بااثر مرکزوں میں داخل کر کے اُن کی نسبت بھی براہ راست اپنی کی کر لی جائے تو مفید ہوگا۔ اس وقت دنیا میں کام قلمی قوت (پراپگنڈے) سے ہو رہے ہیں۔ ہماری جماعت میں قلمی قوت بدرجہ اعلیٰ پیدا ہو چکی ہے جس سے دنیا میں بڑے سے بڑا کام انجام پا سکتا ہے اس وقت ضرورت ہے، فقط جماعت کی تنظیم کی اور اُس کی قوتِ قلمی کو ایک ہدف پر لگانے کی۔

اگر ہم اپنی جماعت اور قوت تبلیغیہ کو اس وقت یکجانہ کریں تو یہی نہیں کہ نام جامعیت سے ہم آئندہ محروم رہیں گے۔ بلکہ مسلمانان ہند بھی اس حالت میں سیاسیات سوء کے پنجہ میں گرفتار ہو کر حقیقی مقصد سے دور جا پڑیں گے اور یہ امر مسلمانان ہند (بلکہ مسلمانان عالم) کے لیے بدقسمتی ہوگا، نعوذ باللہ منہا!

اس لیے میں آپ کے خیالات پر آپ کو اور سب خاندان اور جماعت کو تبریک کہتا ہوں اور اس آوارہ کے لیے اس سے بیحد فخر اور مسرت حاصل ہوتی ہے کہ اس کا ایک عزیز بھائی ایسے وقت میں کہ وہ بیکار ہو چکا ہے اپنے اسلاف کے قدم پر قدم رکھنے کے شاندار کام میں جدی اقدامات کر رہا ہے۔

خدائے قدیر! تو ہی توانائی اور کامیابیوں کا سرچشمہ ہے۔ میرے عزیز کی غیرت اسلامیہ کو قوت در جلد سے جلد کامیابی عطا فرما۔ ربا! ہدایت تیرے ہاتھ

ہے تو میرے بھائی پر اپنی ہدایت خاص کا سایہ ڈال کے وہ اپنے زمانہ کا رہبر بن سکے اور اپنے بزرگوں کی شان رہنمائی کو (جو تیری راہ میں خود کو فدا کر چکے تھے) دنیا پر روشن کر کے مسلمانوں کو مغالطوں سے بچا سکے۔ آمین یا رب العالمین

اس سے پہلے حامد میاں کے نام ایک خط سوانح کی ترتیب کے متعلق کچھ لکھا تھا۔ اس خط کا لفافہ بھائی طیب صاحب کے نام تھا نہ معلوم پہنچایا نہیں؟ مجھے اُمید ہے کہ آپ حامد کو بھی اپنے ساتھ لگائے رکھیں گے کہ کام کا ہو سکے۔

وفقط والسلام واکرام

آپ کا آوارہ بھائی

(مولانا) منصور مکتب رشدیہ (رشدیہ کالج) جلال آباد (افغانستان)

(۴)

حضرت شیخ الہندؒ کی تحریر پر
مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی کی تائید اور ملاحظات

نظرات

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا نامِ نامی دارالعلوم دیوبند کی نسبت سے ہر شخص جانتا ہوگا، لیکن آپ کی علمی خصوصیات سے غالباً تمام علماء بھی واقعی طور پر باخبر نہ ہوں گے، جن خوش نصیب افراد کو آپ کی تصنیفات اور خصوصاً "حجۃ الاسلام، آب حیات اور تقریر دل پذیر" وغیرہ کے مطالعہ کا موقع ملا ہے اور انہوں نے ان گوہر ہائے آبدار کی صحیح قدر و قیمت پہچاننے کی سعادت حاصل کی ہے، وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ مولانا مرحوم نے ان تصنیفات میں اسلام کو اور اس کی اصولی اور بنیادی تعلیمات کو ایسے ٹھوس اور ناقابل رد عقلی اور مشاہداتی دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے کہ کوئی سلیم الطبع اور متلاشی حق انسان اسلام کی صداقت و حقانیت کو تسلیم کرنے سے ابا نہیں کر سکتا۔

مولانا نانوتوی کی تحریروں کی اہم خصوصیات یہ ہے کہ وہ نہ بڑے بڑے فلاسفہ کے اقوال کا حوالہ دیتے ہیں، نہ کتابوں کی عبارتیں نقل کرتے ہیں اور نہ غیر مسلموں سے گفتگو کرتے ہوئے قرآن و حدیث کا ذکر درمیان میں لاتے ہیں، بلکہ خالص مشاہداتی اور محسوساتی امور کو جن کا کوئی شخص انکار ہی نہیں کر سکتا اور جو مسلمات عام کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو آپ اپنی گفتگو کا اصول موضوعہ بناتے ہیں اور پھر اسی پر اپنے دلائل و براہین کی بنیاد قائم کرتے چلے جاتے ہیں۔ اگر غور و تدقیق سے دیکھا جائے تو بین طور پر یہ محسوس ہو سکتا ہے کہ مولانا کا طرز استدلال بڑی حد تک وہی ہوتا ہے جو خود قرآن کا طریق استدلال ہے، بعض

بعض مقامات پر تو یہ صاف نظر آتا ہے کہ مولانا رکوع کے رکوع کا ترجمہ کرتے چلے جارہے ہیں، لیکن انداز بیان خالص عقلی اور منطقی ہوتا ہے، فلسفہ و منطق کی اصطلاحات اس کثرت سے ہوتی ہیں کہ ان دونوں فنون میں مہارت کے بغیر کوئی شخص مولانا کی تحریروں کو پورے طور پر سمجھ بھی نہیں سکتا۔

جدید علم کلام کو مرتب کرنے کی ضرورت عرصہ سے محسوس ہورہی ہے تاکہ اس لباس نو میں اسلام کو موجودہ دنیائے علم کے سامنے پیش کیا جاسکے۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے سب سے پہلے مولانا شبلی نعمانی نے قلم اٹھایا اور الکلام و علم الکلام کے نام سے دو وقیع رسالے لکھے۔ لیکن ارباب نظر جانتے ہیں کہ مولانا چونکہ فلسفہ جدید کے عالم نہیں تھے اور کسی مغربی زبان سے بلاواسطہ استفادہ بھی نہیں کرسکتے تھے، اس بنا پر "اسلام کے عقائد فلسفۂ حال کے مقابلہ میں ثابت کرنے کی نیت اور ارادہ کے باوجود ان کی کوشش فلسفۂ قدیم سے آگے نہ بڑھ سکی، جیسا مولانا مرحوم نے الکلام کے شروع میں خود بھی اعتراف کیا ہے۔ الکلام اور علم الکلام کا مایۂ خمیر وہی علم الکلام ہے جو دلائل و براہین بھی وہی ہیں جو امام غزالیؒ، امام رازیؒ، ابن سینا اور ابن رشد وغیرہ نے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں۔ مولانا شبلی نے صرف یہ کیا ہے کہ ان کو نہایت سلیقہ اور عمدگی سے مرتب کرکے شستہ اور علمی زبان میں پیش کیا ہے اور جہاں کہیں ہوسکا ہے فلاسفہ و حکمائے مغرب کی آراء و افکار کو بھی نقل کردیا ہے۔ مولانا کی یہ کوشش علمی اور ادبی حیثیت سے خواہ کتنی ہی وقیع ہو، لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ ہم اس کو علم کلام جدید نہیں کہہ سکتے اور چونکہ مولانا نے اسلامی عقائد و اعمال کے اثبات کے لیے پناہ لی ہے فلسفۂ قدیم کے ہی دامن ہیں، اس لیے جس دن اس فلسفہ کی عمارت روبہ زوال آئی۔ پھر ان دلائل کی بھی خیر نہیں ہے۔

اس کے برخلاف مولانا نانوتویؒ نے اسلام کے لیے جو طریق استدلال اختیار کیا ہے وہ انسانی مشاہدات و محسوسات اور عقلی تجربات و یقینیات کی ایسی بنیادوں

پر قائم ہے جو اس دنیا کی ازلی اور ابدی حقیقتیں ہیں اور جب تک آگ سے حرارت، پانی سے برودت اور آفتاب سے روشنی فنا نہیں ہو جاتی ان دلائل و براہین میں کوئی درار پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مولانا نانوتوی نے در حقیقت اپنی تصنیفات میں ایک بالکل جدید علم کلام پیش کیا ہے جو پائندہ و جاوید ہے اور جس میں سائنس خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے رخنے پیدا نہیں کر سکتی۔

اس بنا پر سخت ضرورت تھی کہ علمائے کرام مولانا نانوتوی کے اس عظیم الشان اور قطعاً الہامی کارنامہ کی قدر کرتے، آپ کی تصنیفات کو مذاق حال کے مطابق جدید تہذیب و ترتیب اور تبویب کے ساتھ عمدہ کتابت و طباعت سے آراستہ کر کے شائع کیا جاتا، ان کی شروح لکھی جاتیں، نئی زبان اور تقاضائے حال کے مطابق جدید انداز بیان کے پیرایہ میں انہیں مسائل اور دلائل و براہین کو پیش کیا جاتا اور سب سے بڑھ کر ضرورت اس کی تھی کہ ان کتابوں کو نصاب درس میں شامل کر کے ان پر کم از کم اتنی توجہ کی جاتی جتنی کہ شمس بازغہ اور صدرا پر کی جاتی ہے لیکن اس درد والم کا اظہار کس سے کریں کہ ان میں سے ایک کام بھی نہیں ہوا۔ مولانا نانوتوی دنیا سے عرصہ ہوا چل بسے اور ان کی زبان کے خاموش ہوتے ہی ان کی یہ معنوی یادگاریں بھی گوشۂ خمول و گمنامی میں روپوش ہو گئیں، فیاللاسف!

برہان کی اس اشاعت (نومبر ۱۹۴۳ء) میں ہم مولانا عبیداللہ سندھی کے ایک اعلان کے ساتھ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کی ایک تحریر بھی شائع کر رہے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مولانا نانوتوی کی تصنیفات کی کیا کیا قدر و قیمت تھی اور وہ کس طرح چاہتے تھے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ وغیرہ کی بعض تصنیفات کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا نانوتویؒ کی تصنیفات بھی نصاب تعلیم میں شامل ہوں اور ان کتابوں کا خاطر خواہ

اہتمام کیا جائے، لیکن حضرت شیخ الہند کی اس دلی تمنا اور آرزو کی تکمیل دار العلوم دیوبند کے ذمہ دار اصحاب نے کس طرح کی؟ بس کچھ نہ پوچھئے "اگر گویم زبان سوزد" کا عالم ہے۔ ہم خود ایک مدت سے چیخ رہے ہیں کہ نصاب میں اصلاح کرو، زمانہ کے مقتضیات کے مطابق علوم و فنون شاملہ درس میں ترمیم و تنسیخ کرو، لیکن ہماری کوئی نہیں سنتا۔ اب حضرت شیخ الہند کی یہ تحریر دیکھ کر ہمیں بڑی خوشی ہوئی، مگر ساتھ ہی ایک بڑی حسرت بھی ہوئی کہ جن حضرات نے حضرت شیخ الہند کی آرزو کا احترام نہیں کیا وہ ہماری بات کیا سنیں گے"؟

مایوسی کی انہیں ظلمتوں میں مولانا سندھی کا اعلان، آفتاب امید کی ایک کرن بن کر چمکا ہے۔ مولانا نے عزم کیا ہے کہ وہ اپنے اور کل کے استاد کی اس وصیت کی تکمیل و تعمیل کے لیے دہلی میں مستقل قیام فرمائیں گے اور ارباب استعداد کو حضرت شاہ ولی اللہؒ اور مولانا نانوتویؒ کی تصنیفات کا درس بالالتزام دیں گے۔

فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین جزاءً حسناً۔

(مندرجہ ماہنامہ برہان دہلی......نومبر ۱۹۴۳ء)

(۴)

"غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد"

(ناچیز نور الحسن راشد کاندھلوی کی چند گذارشات)

الامام محمد قاسم النانوتویؒ نے اگرچہ مشکل سے ۲۰۔۲۲ کتابیں یا رسائل تالیف فرمائے ہیں، مگر ان میں جو علوم سموئے ہیں اور جو جو جواہرات و نکات بھرے ہوئے ہیں، یقیناً وہ سیکڑوں بڑی کتابوں بلکہ کتب خانوں پر بھاری ہیں، اگر حضرت کے علوم و کمالات اور تحقیقات و نکات کو خصوصاً عربی اور انگریزی میں منتقل کیا جاتا تو اس وقت دنیائے اسلام کے ممتاز متکلمین اور بلند پرواز علماء کی صف اول میں حضرت الامام کا شمار کیا جاتا اور ان کی تالیفات، دنیا کے تمام اہل نظر، اہل علم اور علمی اداروں، یونیورسٹیوں میں زیر بحث ہوتیں اور جدید علم کلام اور عقلی مباحث کی نئی ترتیب و تدوین میں ان سے بیش از بیش مدد لی جاتی اور عجب نہیں تھا کہ متعدد متکلمانہ مباحث میں حضرت الامام النانوتوی تمام متکلمین سے فائق اور موجودہ بل عقل و دانش کے رہنما و پیش رو ثابت ہوتے۔ مگر یہاں اس کوتاہی کا صاف اعتراف کیا جانا چاہئے کہ ہم نے اپنی اور بہت سی دینی اور ملی بنیادی ضرورتوں کے ساتھ اس اہم کام کے انجام دینے میں بھی سخت غفلت برتی ہے، ہم الامام النانوتوی کے علوم و افکار کی اسلامی اور مغربی زبانوں میں اشاعت اور ان کی تشریح و تحقیق کی کیا فکر کرتے، خود ان کی کتابوں کے عمدہ ایڈیشن نفیس طباعت کے ساتھ شائع کر کے، ہندستانی قارئین تک ان کا پیام پہنچانے میں بھی غفلت برتی ہے اور یہی غفلت نہیں کہ ہم نے ان کتابوں کے اچھے ایڈیشن اور ترجمے شائع نہیں کئے، بلکہ یہ جرم بھی کیا کم ہے کہ الامام نانوتوی کی وفات پر تقریباً سوا سو سال (وفات ۱۲۹۷ھ) گزر جانے کے باوجود حضرت الامام کی متعدد

تالیفات اشاعت سے محروم ہیں اور گوشہ گمنامی میں غیر متعارف پڑی ہوی ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ الامام نانوتوی کی تمام تصنیفات، تحریرات، مکتوبات کا یکجا مفصل تعارف مرتب وشائع کیا جائے اور جو مکتوبات، مولفات، و تحریرات اب تک شائع نہیں ہوئیں ان کی تصحیح واشاعت کا سروسامان کیا جائے، اس سلسلہ میں کرنے کے کئی اور بھی کام ہیں اور ان کی کیا ترتیب ہو اور اس موضوع پر کیا کیا کام ضروری اور بنیادی اہمیت کے ہیں ان کا کچھ اجمالی خاکہ مرتب کیا جانا ضروری ہے جو اس طرح ہے:

۱ حضرت مولانا کی جو تالیفات، رسائل اور خطوط اب تک شائع نہیں ہوئے، ان کی تصحیح و تحقیق کے بعد اشاعت۔

۲ حضرت کے تمام رسائل و تالیفات کو یکجا شائع کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

۳ حضرت کے مکتوبات کا بھی خاصا سرمایہ ہے، اس کو دو حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے علمی اور ذاتی دونوں قسم کے مکتوبات کو علاحدہ علاحدہ تاریخی ترتیب پر مرتب کرنا چاہئے تاکہ حضرت کے علوم و نظریات کی عہد بہ عہد ترقی کا علم ہو سکے،

دوسرے تشریح طلب مقامات کی تشریح، مفصل حوالوں، شخصیات کے تعارف اور متعلقہ سب پہلوؤں پر علمی نظر ڈال کر علاحدہ علاحدہ شائع کرنا بھی ضروری ہے تاکہ اہل ذوق ان دونوں موضوعات سے اپنے اپنے ذوق کے مطابق استفادہ کر سکیں۔

۴ الامام نانوتوی کی تالیفات، رسائل ومکتوبات اور افادات وملفوظات میں مختلف علوم و موضوعات پر جو چیزیں لکھی ہوئی ہیں ان کو علاحدہ متعلقہ ابواب کے تحت ذیلی عنوانات کے ساتھ اس طرح مرتب کیا جائے کہ حضرات مولانا کے جملہ افادات ملفوظات اور تحریرات و مولفات میں جو کچھ بھی لکھا ہے وہ ان ابواب و عنوانات کے تحت بہ یک نظر استفادہ کے لیے دستیاب ہو۔

۵ حضرت مولانا نانوتوی کی ان تالیفات کا پتہ لگانے کی لگن اور سنجیدگی کے ساتھ مسلسل کوشش بھی نہایت ضروری ہے جو اب تک گوشہ گمنامی میں پڑی ہوئی ہیں، یا ان کا مختلف ذرائع سے علم تو ہوتا ہے مگر ان کی موجودگی کی تصدیق نہیں ہوئی، مثلاً حضرت کی گم شدہ سوانحات اور افادات و ملفوظات کے ان مجموعوں کا شامل کرنا اور ان کی تلاش دریافت بھی نہایت ضروری ہے جو حضرت کے خاص شاگردوں اور متعلقین نے لکھی تھیں اور بعد کے دور تک ان کی موجودگی کی اطلاعات ملتی ہیں، مگر اب دستیاب اور نہیں ہیں۔

۶ حضرت کی تمام مطبوعات تالیفات و تحریرات کی تمام طباعتوں کو اور ان کی توضیح و تشریح یا تسہیل کے عنوان سے جو بھی کام ہوا ہے اس سب کو یکجا کیا جائے، جن کتابوں کے مطبوعہ نسخے نہ مل سکیں ان کے فوٹو اسٹیٹ حاصل کئے جائیں۔

۷ حضرت مولانا کے مختلف مذاہب کے رہنماؤں سے جو مباحثے اور مناظرے ہوئے، اسی طرح میلہ خداشناسی چاندا پور میں جو شرکت ہوئی اور وہاں جو تقریریں فرمائیں نیز پنڈت دیانند سرسوتی اور عیسائیوں اور ہندوؤں کی تردید میں جو خطبات دیئے اور مناظرے کئے اس پر اس دور کے اہل علم کے کیا تاثرات و تبصرے تھے، اخبارات ورسائل نے ان پر کیا کیا لکھا، اور حضرت نے جو تقریریں کیں یا دوسرے مذاہب کی تردید میں جو تحریریں اور کتابیں لکھیں اس پر اس مذہب کے ماننے والوں خصوصاً عیسائیوں اور ہندوؤں نے کیا ردعمل ظاہر کیا۔ یہ سب چیزیں پیش نظر ہوں گی تو ان مباحث و مناظرات میں حضرت کی خدمات کا زیادہ وضاحت و خوبی کے ساتھ ذکر کیا جاسکے گا، یہ تمام سرمایہ مطبوعہ ہے جو تلاش کر کے یکجا کیا جانا چاہئے۔

۸ نیز مسلمانوں کے مختلف طبقوں اور علماء کی طرف سے حضرت الامام کی

تالیفات و تحریرات کی تائید و تردید میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو یکجا فراہم کرنا بھی بے حد ضروری ہے، مثلاً تحذیر الناس کی تالیف کے بعد جو شور برپا ہوا اور اس کی تردید و تائید میں جو رسائل، کتابیں اور مضامین لکھے گئے اور تحذیر کے مصنف کی (خدانخواستہ) تکفیر میں جو فتوے قلم بند ہوئے اور ایسے فتاویٰ کا دوسرے علماء نے جو تاروپود بکھیرا ان سب چیزوں کا حضرت کے علوم واثرات کے حقیقی جائزے کے وقت پیش نظر رہنا از حد ضروری ہے۔ لہٰذا اس قسم کی جو جو چیزیں جہاں جہاں ہوں ان کی مفصل فہرستیں بنوانا اور ان کے فوٹو اسٹیٹ یا مائکرو فلم لے کر مرکزی لائبریری میں رکھنا بھی بنیادی کاموں میں سے ایک ہے۔

۹ جب یہ سب کام ہو جائیں اس وقت کوئی صاحب نظر مورخ جس کی اس عہد کی تاریخ، شخصیات، دینی علمی سیاسی تنازعات واختلافات، سیاسی، جغرافیائی انقلابات و تحریکات پر نظر ہو وہ اس سارے مواد کو پڑھ کر اس کا تجزیہ کر کے حضرت کی سوانح لکھے تو امید ہے کہ ہمارے ذمہ سے وہ حق ادا ہو سکے گا جو الامام النانوتوی کی سوانح اور ان کی خدمات کے حقیقی تعارف کے سلسلہ میں نسبت قاسمیہ کے نام لیواؤں کے ذمہ قرض چلا آرہا ہے۔

یہ سب کام اگرچہ محنت طلب ہیں مگر ناممکن نہیں لگن اور حوصلہ ہو اور مناسب سرمایہ تعاون کے لیے فراہم ہو تا رہے تو میرا خیال ہے کہ ایک سال میں مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ ریکارڈ کا اکثر حصہ فراہم کیا جا سکتا ہے۔

۱۰ ان کاموں کو آگے بڑھانے اور ان منصوبوں کو عمل میں لانے کے لیے ضروری ہے کہ کم از کم تین چار باذوق، ذی علم مستعد اصحاب کی ایک جماعت ہو جس کو ان کاموں میں سے ایک ایک دو دو کام الگ الگ دیے جائیں اور وہ پوری یکسوئی اور توجہ کے ساتھ دو تین سال اس میں لگادیں، تو امید ہے کہ انشاءاللہ یہ سب مقاصد پورے ہو جائیں گے۔

آپ کی خدمت میں

احوال و آثار کے زیر نظر شمارہ کی دوسری جلد عنقریب آرہی ہے

اکابرین تبلیغ اور مرکز تبلیغ احوال خدمات اور تاریخ

جس میں

(مولانا محمد اسماعیل جھنجھانوی ثم کاندھلوی کے مربی اور پیر و مرشد)

امام الاتقیاء حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی مہاجر مدنی

(نیز حضرت مولانا محمد الیاس کے والد ماجد اور بڑے بھائی)

مولانا محمد اسماعیل اور مولانا محمد میاں رحمہ اللہ

کے احوال، کمالات، خدمات، تعلیم و تلامذہ پر مفصل مستند مضامین

اور

- حضرت مولانا محمد الیاس کے وہ واقعات و احوال جو آجتک نامعلوم اور غیر مطبوعہ ہیں۔
- حضرت مولانا کی خدمت میں برسوں تک حاضر رہنے والے تین اصحاب کے قلم سے مولانا کے چشم دید حالات، ارشادات اور مشاہدات پر تین مضمون جن میں سے ہر ایک نادر معلومات کا خزانہ ہے۔
- مولانا محمد الیاس کے چند غیر مطبوعہ گرامی نامے اور حضرت مولانا کے نام مشاہیر کے چند اہم خطوط (جس میں سے ایک خط تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے)
- حضرت مولانا محمد الیاس کے ذہن میں تبلیغ کا کیا تصور تھا، وہ کیا چاہتے تھے، اس موضوع پر حضرت مولانا کی لکھوائی ہوئی ایسی دو کتابیں جن کو حضرت مولانا نے حرف بہ حرف سنا اور ایک کی خود اپنے قلم سے اصلاح اور ترمیم و تصحیح فرمائی، جس کی حیثیت مولانا کی تصنیف کی ہے، مگر ہم ان دونوں تالیفات کو فراموش کر چکے ہیں۔
- حضرت مولانا محمد یوسف کے چند اہم اور غیر مطبوعہ گرامی نامے اور تبلیغی کام

کے سلسلہ میں مولانا کی لکھوائی ہوئی ایک کتاب (یا مفصل تحریر) جس میں مولانا نے تبلیغ کی اہمیت افادیت، مقاصد اور اپنے طریقہ کار کی وضاحت فرمائی ہے۔

- (حضرت مولانا محمد الیاس کے رفیق خاص اور تبلیغی کام کی روح)
  حضرت حاجی عبدالرحمٰن نو مسلم پر مفصل مضمون
- نیز تبلیغ کی اہم شخصیات اور مرکز میں مقیم چند ذمہ دار حضرات کی تاریخہائے وفات

اور

بنگلہ والی مسجد کے احوال تاریخ اور تغیرات

۱۸۵۷ء سے مولانا انعام الحسن کی وفات (۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۵ء) تک بنگلہ والی مسجد کی تاریخ، اسکی عمارتوں کے تغیرات اور ترمیم و اضافوں کی سرگذشت مستند تاریخی حوالوں سے (جس کے ضمن میں مدرسہ کاشف العلوم کی مختصر روداد بھی آگئی ہے)

اس خاص اشاعت میں اور بھی کئی ایسی تحریریں اور معلومات ہیں جو پہلی بار چھپ رہی ہیں ان کو دیکھ کر، پڑھ کر آپ کو حیرت بھی ہوگی، مسرت بھی۔

اس دوسری جلد کی کمپوزنگ تقریباً مکمل ہو چکی ہے، یہ تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہوگی اور جلد اول کی اشاعت کے ایک یا دو عام شماروں کے بعد اس کی اشاعت متوقع ہے۔

لہٰذا آج ہی اپنے آرڈر سے نوازیئے اور احوال و آثار کی توسیع اشاعت میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیجئے۔

دفتر سہ ماہی احوال و آثار

حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی

مولویان، کاندھلہ، ضلع مظفر نگر (یوپی) ۲۴۷۷۷۵

QUATERLY: AHWAL-O-AASAR,

Hazrat, Mufti Ilahi Bakhsh Academy

Maulvian,Kandhla.Distt. Muzaffar Nagar -247775, (U.P.) India.

اشاریہ

قاسم العلوم: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
احوال و باقیات و متعلقات

تالیف: نور الحسن راشد کاندھلوی

شخصیات، مقامات، کتابیات
فہرست مآخذ و مراجع

مرتبہ

مولوی عبد المتین صاحب بستوی

ناشر

حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی

مولویان، کاندھلہ

ضلع شاملی، (مظفر نگر) یوپی۔ انڈیا۔ پن کوڈ: ۲۴۷۷۷۵

شخصیات

﴿الف﴾

مقامات

الف

کتابیات

الف

ب

مآخذ ومراجع

ملاحظہ: اس فہرست میں صرف ان کتابوں، مضامین اور رسائل کی فہرست دی گئی ہے جن سے کتاب کے متن یا حاشیوں میں براہ راست استفادہ ہوا ہے، حضرت نانوتوی کے مکتوبات گرامی اور تصانیف جن کے ایک سے زائد نسخے یا اشاعتیں ہیں، اگرچہ وہ تمام سامنے رہے ہیں اور ان میں سے ایک ایک سے رجوع کیا گیا ہے مگر ان سب کا اپنے اپنے موقعوں پر، مناسب تذکرہ ہو چکا ہے، یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

قلمی وخطی

۱	اوراق زائد قبلہ نما	تالیف مولانا محمد قاسم نانوتوی	مولوی امجد علی پھلاودی ۱۳۱۴ھ/ اپریل ۱۸۹۷ء
۲	بیاض حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری	بدست خود حضرت مولانا	مملوکہ: نورالحسن راشد کاندھلوی
۳	تاریخ تھانہ بھون	مولوی ناظر حسن تھانوی	بخط مؤلف
۴	تبصرہ بر تذکرۃ الرشید بسلسلۂ اطلاعات تحریک ۱۸۵۷ء	تحریر [پی، ایچ، ڈی] امداد علی علوی	نسخۂ مؤلف مملوکہ: نورالحسن راشد کاندھلوی
۵	تنویر الناس علی من انکر تحذیر الناس یا رد قول صحیح	حضرت مولانا قاسم نانوتوی	۱۹۸۲ء

۶	نسخہ دوم	؍؍	۲۳ر جمادی الثانی ۱۳۰۹ھ/جنوری ۱۸۹۲ء
۷	نسخہ سوم	؍؍	مملوکہ نور الحسن راشد کاندھلوی
۸	نسخہ پھلاودہ	بقلم محمد ابراہیم پھلاودہ	مکتوبہ شعبان ۱۳۴۳ھ/مارچ ۱۹۲۵ء
۹	مباحثہ شاہجہاں پور	حضرت مولانا قاسم نانوتوی	مملوکہ نور الحسن راشد کاندھلوی بلاسند
۱۰	مجموعہ اسانید علمائے دیوبند	مولانا محمد ناصر قاسمی بلیاوی	بخط مؤلف مکتوبہ ۱۳۹۱ھ مملوکہ نور الحسن راشد کاندھلوی
۱۱	مجموعہ مکتوبات قاسمی [نسخہ پھلاودہ]	مولوی محمد ابراہیم پھلاودہ	۱۳۶۲ھ مملوکہ نور الحسن راشد کاندھلوی
۱۲	[الف] مکتوبات اکابر ثلاثہ مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا قاسم نانوتوی مولانا یعقوب نانوتوی بنام حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی و مولانا عبد اللہ گنگوہی	قبل از ۱۳۳۹ھ
	[ب] مکتوبات مولانا خلیل احمد بنام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی و مولانا عبد اللہ گنگوہی	قبل از ۱۳۳۹ھ
۱۳	مکتوبات حضرت حاجی امداد اللہ و مولانا گنگوہی بنام منشی لیاقت علی دیوبندی	نسخہ مؤلف بخط مؤلف	مملوکہ راقم سطور نور الحسن راشد کاندھلوی

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنفین	کاتب وناقل یامطبع
		الف	
۱	آب حیات	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ	طبع اول، مطبع مجتبائی میرٹھ:۱۲۹۸ھ
۲	آثار رحمت	امداد صابری	دلی:۱۹۶۷ء
۳	آثارالصنادید	سرسید احمد خاں	نول کشور، لکھنو:۱۹۰۵ء
۴	اجوبہ اربعین [فارسی]	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	ہاشمی، میرٹھ:۱۸۹۵ء
۵	احکام العیدین [فارسی]	مولانا نواب قطب الدین دہلوی	نول کشور، لکھنؤ:۱۲۹۰ھ
۶	ارواح ثلاثہ	مولانا ظہور الحسن کسولوی	تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون بلاسنہ
۷	اخبار الاخیار [فارسی]	حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی	احمدی، دہلی:۱۲۷۲ھ
۸	اسرار الطہارۃ	مولانا محمد قاسم نانوتوی	مطبع قاسمی، دیوبند بلاسنہ
۹	اشرف السوانح	خواجہ عزیز الحسن مجذوب	طبع اول، دہلی:۱۳۵۴ھ
۱۰	الاعلام	خیرالدین زرکلی	طبعۂ رابعہ، دارالعلم للملائیین بیروت:۱۹۷۹ء
۱۱	التمہید لتعریف ائمۃ التجدید	مولانا عبیداللہ سندھی	جام شورو د [سندھ]۱۳۹۶ھ
۱۲	الحیات بعد الممات	مولانا محمد فضل احمد	آگرہ:۱۳۲۶ھ
۱۳	الھدیۃ السنیہ فی ذکر مدرسۃ الدیوبندیۃ	مولانا ذوالفقار علی دیوبندی	مجتبائی، دہلی:۱۳۰۷ھ

۱۴	امدادالفتاویٰ	مولانا اشرف علی تھانویؒ	کراچی:۱۳۸۴ھ
۱۵	امدادالمشتاق	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	مکتبہ برہان، دہلی:۱۹۸۱ء
۱۶	انتصار الاسلام	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	اکمل المطابع، دہلی:۱۲۹۸ھ
۱۷	انوار قاسمی	مولانا نورالحسن شیرکوٹی	طبع اول لاہور:۱۳۸۹ھ
۱۸	انوارالعارفین (فارسی)	صوفی محمد حسین	نول کشور، لکھنؤ بلاسنہ
۱۹	انوارالعاشقین	مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی	لاہور:۱۳۹۸ھ
		ب	
۲۰	بیاض یعقوبی	مرتبہ حکیم امیر احمد عشرتی	طبع اول، تھانہ بھون:۱۳۲۹ھ
		ت	
۲۱	تاریخ ادب اردو	رام بابو سکسینہ	طبع اول، نول کشور، لکھنؤ بلاسنہ
۲۲	تاریخ ادبیات ایران	تالیف: رضازادہ شفق ترجمہ مبارزالدین رفعت	ندوۃ المصنفین، دہلی:۱۹۵۵ء
۲۳	تاریخ دیوبند	سید محبوب رضوی	دیوبند:۱۳۹۴ھ
۲۴	تاریخ قضاۃ ومفتیان بھوپال	قاضی وجدی الحسینی	بھوپال:۱۹۸۶ء
۲۵	تاسیس دارالعلوم دیوبند تاریخی حقائق کی روشنی میں	مولانا قاری محمد طیب	دیوبند:۱۳۹۹ھ
۲۶	تبرکات مجموعہ مکتوبات حضرت حاجی امداد اللہ ومولانا گنگوہیؒ	ترتیب وحواشی نورالحسن راشد کاندھلوی	کاندھلہ:۱۹۷۶ء

۲۷	تحذیرالناس حضرت مولانا قاسم	ترتیب اول مولانا محمد احسن نانوتوی	صدیقی، بریلی: ۱۲۹۲ھ
۲۸	تحفۂ صدیقیہ [نسب نامہ انصاریان انبیٹھہ]	مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی	بھاول پور: ۱۳۲۹ھ
۲۹	تذکرہ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ	نورالحسن راشد کاندھلوی	مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ: ۱۴۳۰ھ۔۲۰۰۹ء
۳۰	تذکرہ سادات رضویہ	سید محبوب رضوی	دیوبند: ۱۳۹۴ھ
۳۱	تذکرہ طبقات شعرائے ہند	کریم الدین پانی پتی	عکس طبع اول، لکھنو: ۱۹۸۳ء
۳۲	تذکرۃ الخلیل	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	سہارنپور: ۱۳۹۵ھ
۳۳	تذکرۃ الرشید	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	عکس طبع اول۔ سہارنپور: ۱۹۷۱ء
۳۴	تذکرۃ العابدین	مولوی نذیر احمد دیوبندی	دہلی: ۱۳۳۳ھ
۳۵	تذکرہ مشائخ نقشبندیہ	مولانا نور بخش توکلی	لاہور: ۱۹۷۱ء
۳۶	تذکرہ مولانا احسن نانوتوی	ڈاکٹر ایوب قادری	کراچی: ۱۹۶۶ء
۳۷	تذکرہ یعقوب و مملوک	مولانا انوار الحسن شیرکوٹی	کراچی: ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۴ء
۳۸	تلامذہ غالب	مالک رام	نکودر پنجاب بلاسنہ
۳۹	تمہید قبلہ نما	مولانا قاسم نانوتوی	۱۲۸۱ھ
۴۰	توثیق الکلام	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	مطبع ہاشمی میرٹھ: ۱۳۰۲ھ
۴۱	تمہید مکتوبات مولانا محمد یعقوب نانوتوی	حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی	طبع اول، علی گڈھ: ۱۳۳۷ھ

			چ
۴۲	جواب ترکی بہ ترکی	مولانا عبدالعلی میرٹھی	مطبع ہاشمی میرٹھ: محرم ۱۲۹۷ھ
۴۳	جیون چرتر سوامی دیانند	لکشمن	یونین اسٹیم پریس لاہور ۱۸۹۷ء
			ح
۴۴	حالات طیب مولانا محمد قاسم	مولانا محمد یعقوب نانوتوی	طبع اول، دوم۔ بہاول پور ۱۲۹۷ھ
(ب)	حالات طیب مولانا محمد قاسم	//	مطبوعہ مجتبائی، دہلی
(ج)	حالات طیب مولانا محمد قاسم	//	مطبوعہ قاسمی، دیوبند
(د)	حالات طیب مولانا محمد قاسم	//	مرتبہ نور الحسن راشد کاندھلوی، کاندھلہ
۴۵	حالات مشائخ کاندھلہ	مولانا احتشام الحسن کاندھلوی	کاندھلہ: ۱۴۱۷ھ
۴۶	حجاز مقدس کے اردو شاعر	امداد صابری	دہلی: ۱۹۷۰ء
۴۷	حسن العزیز	ملفوظات حضرت مولانا تھانوی	طبع اول امداد المطابع تھانہ بھون
۴۸	حیات جاوید	خواجہ الطاف حسین حالی	دہلی: ۱۹۳۹ء
۴۹	حیات شیخ الہند	مولانا سید اصغر حسین	لاہور ۱۹۷۷ء
			خ
۵۰	خانۂ خلیل [تذکرہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری]	حضرت مولانا تھانوی مع ضمیمہ شیخ الحدیث شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی	سہارنپور: ۱۳۹۲ھ

۵۱	خطاطان قرآنی	شاہ سید نفیس الحسینی	لاہور
		د	
۵۲	دار العلوم کی صد سالہ زندگی	مولانا قاری محمد طیب صاحب	دیوبند: ۱۳۵۸ھ
۵۳	داستان شرف [تذکرہ مولانا شرف الحق دہلوی]	امداد صابری	دہلی: ۱۹۷۹ء
۵۴	دلائل الاذکار فی الذکر بالجہر والاسرار [فارسی]	حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی محدث	فخر المطابع، دہلی: ۱۲۷۰ھ
۵۵	دہلی اور اس کے اطراف	مولانا عبدالحی حسنی	طبع اول، دہلی: ۱۹۵۸ء
۵۶	دیوان فارسی مؤمن	مؤمن خاں مؤمن	طبع اول، مطبع سلطانی، دہلی: ۱۲۷۱ھ
		ر	
۵۷	رام چندر	ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی	دہلی: ۱۹۶۱ء
۵۸	رپورٹ تحقیق معاملات دیوبند	حافظ محمد ابراہیم بجنوری	مدینہ پریس بجنور: ۱۹۲۸ء
۵۹	رسالہ منع حقہ، منظوم	مولانا محمد حسین فقیر بنتی	مطبع رنگین دہلی ۱۳۲۲ھ
		س	
۶۰	ستیارتھ پرکاش (اردو ترجمہ)	سوامی دیانند سرسوتی	آریہ سماج پنجاب لاہور: ۱۹۱۶ء
۶۱	سرسید احمد کی تعزیتی تحریریں	ڈاکٹر اصغر عباس	علی گڈھ: ۱۹۸۹ء
۶۲	سفر نامہ ہند	پروفیسر محمد اسلم	لاہور: ۱۹۹۵ء
۶۳	سفینہ رحمانی [فارسی]	حکیم عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی	نول کشور، لکھنو: ۱۸۸۴ء

نمبر	کتاب	مصنف	طبع
۶۴	سوامی دیانند سرسوتی اوران کا کام	لالہ لاجپت رائے موٴلفہ ۱۸۹۸ء	طبع اول لاہور
۶۵	سوانح قاسمی	مولانا مناظر احسن گیلانی	دیوبند: ۱۳۷۳ھ
۶۶	سوانح مولانا روم	علامہ شبلی نعمانی	
	ش		
۶۷	شاہ حسن عسکری اور جنگ آزادی کے عوامل	اشتیاق اظہر	کراچی: ۱۹۸۵ء
۶۸	شاہ ولی اللہ اوران کا فلسفہ	مولانا عبید اللہ سندھی	لاہور: ۱۹۶۴ء
۶۹	شاہ ولی اللہ اوران کی سیاسی تحریک	مولانا عبید اللہ سندھی	طبع دوم لاہور: ۱۹۴۵ء
۷۰	شاہ ولی اللہ نمبر [الفرقان لکھنو]	مولانا محمد منظور نعمانی	۱۳۵۹ء
۷۱	شمائم امدادیہ	حاجی مرتضیٰ خاں، قنوجی	طبع اول۔ لکھنؤ: ۱۳۱۳ھ
	ص		
۷۲	صدیقیان نانوتہ [شجرہ]	مولانا مفتی محمود احمد نانوتوی	دیوبند:
	ض		
۷۳	ضمیمہ حجۃ الاسلام	مولانا قاسم نانوتوی	مطبع م، جتبائی: ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء
۷۴	ضمیمہ حجۃ الاسلام	//	مطبع بلالی بلاسنہ

۷۵	ضمیمہ حجۃ الاسلام	//	مطبع قاسمی، دیوبند: ۱۳۴۶ھ
۷۶	ضیاء القلوب (ف)	حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی	طبع اول، مجتبائی، دہلی: ۱۲۸۰ھ
		ع، غ	
۷۷	علمائے ہند کا شاندار ماضی	مولانا محمد میاں صاحب	محمودیہ لاہور بلاسنہ
۷۸	غالب اور عصر غالب	ڈاکٹر ایوب قادری	کراچی: ۱۹۸۲ء
		ف	
۷۹	فتاویٰ نذیریہ	فتاویٰ مولانا سید نذیر حسین محدث	دہلی: ۱۳۳۳ھ
۸۰	فخر العلماء [تذکرہ، مولانا حکیم فخر الحسن گنگوہی]	اشتیاق اظہر	کراچی
۸۱	فرائد قاسمیہ	مولانا عبد الغنی پھلاودی	دہلی: ۱۴۰۰ھ
۸۲	فرنگیوں کا جال	امداد صابری	طبع اول، دہلی: ۱۹۴۹ء
۸۳	فرہنگ آصفیہ	مولوی سید احمد دہلوی	دہلی: ۱۹۷۴ء
۸۴	فہرست مخطوطات کتب خانہ انجمن ترقی اردو کراچی	افسر امروہوی	کراچی: ۱۹۶۷ء
۸۵	فیوض قاسمیہ	مرتبہ: مولانا محمد فاضل پھلتی	مطبع ہاشمی: ۱۳۰۴ھ
		ق / ک	
۸۶	قبلہ نما	حضرت مولانا قاسم نانوتوی	دہلی: ۱۲۹۸ھ
۸۷	قدیم دہلی کالج	مالک رام	دہلی: ۱۹۷۶ء
۸۸	قرآن نمبر [سیارہ ڈائجسٹ]	نعیم صدیقی مدیر و مرتب	لاہور

۸۹	قصص الاکابر		طبع اول، دہلی: ۱۳۵۷ھ
۹۰	کرامت امدادیہ	مولانا اشرف علی تھانوی	انتظامی کانپور: ۱۹۱۸ء
۹۱	کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے	مفتی سعید احمد پالنپوری	وحیدیہ دیوبند: ۱۳۹۷ھ
۹۲	گفتگوئے مذہبی یا میلہ خدا شناسی		مطبع ضیائی میرٹھ
	م		
۹۳	مآثر الکرام (ف)	علامہ غلام علی آزاد بلگرامی	طبع اول، آگرہ: ۱۳۲۸ھ
۹۴	مباحثۂ شاہجہاں پور	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	مطبع قاسمی، دیوبند: ۱۳۳۴ھ
۹۵	مثنوی فروغ	مولوی عبدالکریم فروغ دیوبندی	طبع دوم دیوبند: ۱۳۹۸ھ
۹۶	مجاہد معمار	مولانا محمد سلیم کیرانوی	کراچی: ۱۳۹۰ھ
۹۷	مجموعۃ الفتاویٰ	حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی	یوسفی لکھنؤ: ۱۳۳۵ھ
۹۸	مجموعہ مکتوبات، علماء داعیان ہند بنام اسپرنگر	ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی	کراچی: ۱۹۸۵ء
۹۹	مخزن حکمت	ڈاکٹر غلام جیلانی برق	لاہور: ۱۹۰۷ء
۱۰۰	مدرسہ شاہی نمبر [ندائے شاہی مراد آباد]	مرتب: مفتی محمد سلمان منصور پوری	۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء
۱۰۱	مرحوم دلی کالج	مولوی عبدالحق	دہلی: ۱۹۴۶ء
۱۰۲	مروج الذہب	مؤرخ مسعودی	طبع ایران

۱۰۳	مسند احمد (ع)	حضرت امام احمد بن حنبلؒ	تحقیق علامہ احمد محمد شاکر و احمد الزین قاہرہ: ۱۴۱۶ھ
۱۰۴	مشکوٰۃ المصابیح		عکس اصح المطابع نور محمد دہلی، نعیمیہ: دیوبند
۱۰۵	مظہر الحق	مولانا نواب قطب الدین خاں	مطبع احمدی، دہلی: ۱۲۶۵ھ۔۱۸۴۹ء
۱۰۶	مقامات خیر	مولانا زید ابوالحسن فاروقی	دہلی: ۱۳۹۵ھ
۱۰۷	مقدمہ اوجز المسالک	شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارنپور	یحیوی، سہارنپور
۱۰۸	مکتوبات اکابر دیوبند	مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی	دیوبند: ۱۹۸۰ء
۱۰۹	مرقومات امدادیہ	مرتبہ حافظ وحید الدین رامپوری	مکتبہ برہان، دہلی: ۱۹۸۱ء
۱۱۰	مکتوبات امدادیہ بنام مولانا تھانوی	مولانا اشرف علی تھانوی	تھانہ بھون: ۱۳۹۱ھ
۱۱۱	مکتوبات سید العلماء	مفتی نسیم احمد فریدی امروہوی	امروہہ: ۱۴۱۰ھ
۱۱۲	مکتوبات مولانا محمد یعقوب	مرتبہ: حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی	طبع اول: ۱۲۹۷ھ
۱۱۳	مولانا انعام الحسن کاندھلوی امیر جماعت تبلیغ نمبر [مجلہ احوال و آثار کاندھلہ]	مرتب نور الحسن راشد کاندھلوی	۱۹۹۷ء
۱۱۴	مولانا عبداللہ انصاری احوال و خدمات اور علمی آثار	نور الحسن راشد کاندھلوی	علی گڈھ: ۲۰۰۶ء

نمبر	کتاب	مصنف	مقام و سنہ
۱۱۵	مولانا عبید اللہ سندھی حالات زندگی تعلیمات اور سیاسی افکار	پروفیسر محمد سرور	لاہور ۱۹۴۳ء
۱۱۶	ALLAHABAD 1903	H.R. NEVIL	Muzaffar Nagar A Gazetteer
۱۱۷	مہارشی سوامی دیانند اور ان کا کام	لالہ لاجپت رائے	طبع اول، لاہور: ۱۸۹۸ء
۱۱۸	میلہ خدا شناسی	مولانا فخر الحسن گنگوہی	مطبع ضیائی، میرٹھ: ۱۲۹۳ھ
		ن	
۱۱۹	نامورانِ علی گڈھ [سلسلہ اشاعت خاص مجلّہ فکر و نظر علی گڈھ]	مضمون: نور الحسن راشد دوسرا شمارہ	علی گڈھ: ۱۹۸۶ء
۱۲۰	نادر مجموعہ رسائل حضرت مولانا قاسم نانوتوی		
۱۲۱	نزھۃ الخواطر	مولانا عبد الحی حسنی رائے بریلوی	حیدر آباد: ۱۳۹۸ھ
		و/ہ	
۱۲۲	واقعات دار الحکومت	مولوی بشیر الدین احمد	دہلی آگرہ: ۱۹۱۹ء
۱۲۳	ہدیۃ الشیعہ	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	مطبع ہاشمی: ۱۲۸۴ھ
۱۲۴	ہفت تماشا (اردو ترجمہ)	مرزا قتیل، ترجمہ: ڈاکٹر محمد عمر	مکتبہ برہان، دہلی: ۱۹۶۸ء
۱۲۵	ہندوستانی پریس	ڈاکٹر نادر علی خاں	لکھنؤ: ۱۹۹۰ء

۱۲۶	ہندوستانی مذاہب نمبر [سہ روزہ دعوت نئی دہلی]		دہلی: ۱۹۹۳ء
	ی		
۱۲۷	یادگار امیر	امیر احمد خاں بلوچ	گڈھی پختہ مظفر نگر بلاسنہ

ماہنامے ورسالے

۱	ماہنامہ القاسم دیوبند [الف]	مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی	ربیع الثانی جمادی الثانی ۱۳۳۷ھ
۲	// القاسم، دیوبند [ب]	مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی	ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ
۳	الہادی دہلی	محمد عثمان	۱۳۶۵ھ
۴	ماہنامہ معارف اعظم گڈھ		
۵	ماہنامہ برہان	مضمون: مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی	نومبر ۱۹۴۳ء/ ۱۳۵۹ھ
۶	// دار العلوم دیوبند [الف]	ازہر شاہ قیصر	۱۳۷۱ھ
۷	// دار العلوم دیوبند [ب]	ازہر شاہ قیصر	ربیع الاول تا ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ
۸	// الفرقان لکھنؤ	مولانا محمد منظور نعمانی	۱۳۹۶ھ
۹	// الرشید ساہی وال	مولانا عبد الرشید ارشد	۱۴۰۰ھ
۱۰	مجلہ فکر و نظر علی گڈھ		۱۹۸۶ء
۱۱	// روزنامہ قومی آواز دہلی		

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

احوال و آثار و باقیات و متعلقات

[جلد دوم]

قاسم العلوم کی تالیف و ترتیب کے موقع پر اور بھی کئی چیزیں، تحریریں اور مضامین سامنے موجود تھے، جو کتاب کی ضخامت زیادہ ہونے کی وجہ سے اس میں شامل نہیں ہو سکے تھے، بعد میں بھی کچھ اور معلومات ملتی رہیں، حضرت مولانا نانوتوی کی حیات، خدمات اور تصانیف کے چند ایسے نامعلوم پہلو بھی سامنے آئے، جو اس سے پہلے منکشف نہیں ہوئے تھے، اس طرح یہ بھی ایک لائق توجہ ذخیرہ ہو گیا ہے۔ ان سب کو دس بارہ مفصل مضامین کی صورت میں، مرتب کرنے کا ارادہ ہے، کچھ تحریریں، قدیم مطبوعات و اطلاعات ایسی بھی ہیں، جن کی اپنی اہمیت ہے، ان کو باقاعدہ شائع کیا جانا چاہئے۔ ان سب کا مجموعہ چار سو، ساڑھے چار سو صفحات کی، ایک نئی یا دوسری جلد کی صورت میں جلوہ گر ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

انتظار فرمائیے!